اسلام کا علمی و ثقافتی ورثہ

حصہ اول

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

مصادرِ سیرتِ نبوی

اسلام کا علمی وثقافتی ورثہ

مصادرِ سیرتِ نبوی

حصہ اوّل

مؤلف

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

الحمد مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور فون: ۰۳۰۰ ۸۸۹۸۶۳۹

۲۰۱۶ء

نام کتاب:	....	مصادر سیرت نبوی (اسلام کا علمی وثقافتی ورثہ)
مؤلف:	....	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
اہتمام:	....	دار النوادر
مطبع:	....	
صفحات:	....	۶۳۸
سن اشاعت:	....	۲۰۱۶ء
جلد ساز:	....	بنیامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

قرآنیات، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، عمرانیات، طبیعیات، کیمیا، حیوانیات، نباتیات، ریاضیات، طب، فنون لطیفہ اور فن تعمیر پر مشتمل اسلام کے علمی وثقافتی ورثے کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نے ایک باضابطہ منصوبے کی شکل اس لیے دی تاکہ ہماری نئی نسل اس سے استفادہ کر سکے۔ اس لیے کہ ملت اسلامیہ خصوصاً اس کے نوجوان اور خواتین اپنے اس عظیم حقیقی ورثے سے واقف نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ ہمارے علماء میں معدودے چند ہی لوگ اس سے واقف ہیں۔

اسلام کی ترقی، اس کے تحفظ اور اس کو سربلند کرنے کی مبارک کوششوں کا آغاز نبی کریم ﷺ کے مثالی عہد سے شروع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک طرف زمانے کے تغیرات اور اس کے حالات اور مختلف نظریات کے پروان چڑھنے اور اسلامی سرچشموں پر ان کے حملہ آور ہونے کی جدوجہد بھی جاری ہے اور دوسری طرف اس کے تحفظ، اس کی ترقی، اس کے ورثے اور اصطلاحات سے گرد وغبار کو ہٹانے اور اس کے اصل سرمایے کو صاف وشفاف شیشے کی طرح برقرار رکھنے کی مساعی بھی۔ ملت کے بعض بیدار مغز اور صاحب عزم و حوصلہ افراد برابر اس طرف متوجہ ہیں۔ اس لیے کہ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ قوموں کے عروج وزوال میں ان کے ورثے کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ قوم دنیوی اعتبار سے ترقی یافتہ تو ہو سکتی ہے، جسے دولت وآسائش مل جائے، بڑی بڑی فلک بوس عمارتیں تعمیر کر لے، روابط اور مواصلات کی سہولتوں میں ریکارڈ قائم کر لے؛ لیکن اسلام کا وہ ورثہ جس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے اور جو انسان کو انسانیت کا درس اس بنیاد پر دیتا ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کی اور کسی بھی طرح کی غلامی کے طوق کو برداشت نہیں کرتا، اس لیے کہ اسے وہ شرف انسانی کی ضد سمجھتا ہے، فی الواقع یہ عدل کا سبق دیتا ہے اور عدل قائم کرنے کو وہ اہل ایمان کا فریضہ منصبی قرار دیتا ہے، انسان اور انسان کے درمیان ہر طرح کے امتیاز کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے، زبان، رنگ ونسل، جغرافیائی فرق واختلاف کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنے کی تعلیم دیتا ہے اور صرف

تقوے کو معیار عزت وشرف قرار دیتا ہے اور سوچ اور فکر کی آزادی کو فروغ دینے کے لیے تدبر وتفکر کی حکمت بیان کرتا ہے، لازم ہے کہ اس شاندار ورثے کا نہ صرف پوری ملت کو ادراک ہو، بلکہ اس کا عمیق مطالعہ بھی ہو اور اس کی حفاظت اور ترقی کا اہتمام بھی کیا جائے۔

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نے مستقبل کے ان خطرات کے پیش نظر، جو نظریات کی بنیاد پر پیدا ہو رہے ہیں، جہاں انسان محض ایک دنیوی ترقی کا ایک وسیلہ بن رہا ہے یا اس کے لیے کل پرزہ بن رہا ہے اور اشرف المخلوقات ہونے کے بجائے حیوانیت کی خصلت اختیار کر کے ارذل المخلوقات کے زمرے میں داخل ہو رہا ہے، اس ثقافتی ورثے کے عظیم الشان منصوبے کو روبہ عمل لانے کا فیصلہ کیا۔ منصوبے میں اس بات کا بھی بدرجۂ اتم خیال رکھا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کی حقیقی روح کو اجاگر کیا جائے۔ یہ کتاب ہدایت پوری نوع انسانی کی مکمل رہنمائی بھی کرتی ہے اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کا شعور بھی عطا کرتی ہے۔ چوں کہ اس کتابِ عظیم کا نزول اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا اس لیے آپ کی پاک ومنزہ شخصیت کو آپ ﷺ کے خلاف بہتان تراشی، مختلف مذاہب اور ان کے رہنماؤں اور دانش وری کا لبادہ اوڑھنے والوں کے ذریعے سے معروضی مطالعے کے نام پر اتہامات والزامات اور تحقیق کے نام پر غلط بیانی اور کذب وافتراء کا جو سلسلہ جاری ہے اس کے خلاف جدوجہد بھی اس منصوبے میں شامل ہے۔ اس منصوبے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اسلامی اسکالرز، جن میں علماء، مسلم دانشور، غیر مسلم دانشور سب شامل ہیں، اُنھیں اپنے اسلاف کے عظیم الشان ورثے سے واقف کرایا جائے۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی یہ ایک اہم کڑی ہے۔ اللہ ادارے کی اس کوشش کو شرف قبول بخشے اور اپنے مقاصد کے لیے اسے بارآور کرے۔

ہم شکر گزار ہیں محترم مولانا ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی زید لطفہ کے جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس مہتم بالشان کام کا بیڑا اٹھایا اور اسے تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ محترم کو اجر جزیل سے نوازے۔ آمین

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی نے اپنے قیام وآغاز کے دن سے بہت سے علمی اور تحقیقی منصوبوں کا ہدف اپنے سامنے رکھا اور پوری منصوبہ بندی، خاصی دور اندیشی اور مناسب تدریجی رفتار سے ان پر عمل درآمد شروع کیا ان میں سے ایک وسیع المیعاد، کثیر المقاصد اور مختلف الجہات منصوبہ Legacy of Islam یا ''اسلام کا علمی ثقافتی ورثہ'' ہے۔اس کے تعارفی بروشر میں اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس کا عملی پہلو یہ ہے کہ ''جن اسلامی علوم وفنون میں مسلمانوں نے عظیم کارنامے انجام دئے ہوں ان میں سے ایک ہزار کتابوں کو منتخب کیا جائے، خواہ ان علوم وفنون کا تعلق خاصی اسلامی علوم وفنون سے ہو جیسے علومِ قرآنی، حدیث، فقہ، اصول حدیث واصولِ فقہ، تصوف وغیرہ یا دنیاوی علوم کی تقسیم سے ہو جیسے تمام سماجی علوم (یعنی فلسفہ، منطق، کلام، تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، معاشیات، سماجیات وغیرہ) یا سائنس سے ہو جیسے طبعیات، کیمیا، حیوانات، نباتیات، ریاضی، طب وغیرہ یا فنونِ لطیفہ اور فنِ تعمیر وغیرہ سے ہو۔ محتاط مطالعہ کے بعد ہر ماخذ/کتاب کے بنیادی مباحث اور خاص مشمولات کا ایک مضمون کی صورت میں جامع تجزیہ کیا جائے جو بیس سے پچاس صفحات پر بالعموم مشتمل ہو۔ یہ تجزیہ ایسا ہو کہ قارئین اور محققین ایک نظر میں اپنے کام کا مطلوبہ مواد تلاش کر لیں۔ کتاب/ ماخذ کا خلاصہ قطعی درکار نہیں، صرف بنیادی مباحث کا مختصر مگر جامع تجزیہ مطلوب ہے۔ ہر مضمون کے آغاز میں مصنف کا مختصر اور ضروری تعارف ہو جس میں اس کے ذاتی اوصاف، مذہبی وسیاسی میلانات، مسلکی تعصبات، سماجی پس منظر، علمی کمالات اور ان تمام امور کو ابھارا گیا ہو جو انسان کی شخصیت کی تفہیم کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔''

اس منصوبۂ عظیم الشان کی نگرانی اس ہیچ مداں کے سپرد کی گئی جو اپنے محدود علم وفہم کے علاوہ فرائضِ منصبی کی پابندیوں اور دوسری علمی اور تحقیقی مصروفیات کی بنا پر تقریباً عدیم الفرصت تھا۔ لیکن انسٹی ٹیوٹ کے کارگذار وفعال صدر جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم کی نگاہِ مہر آمیز اور اندازِ ذرہ نواز میں خاکسار راقم ہی موزوں ٹھہرا۔ ان کے محبت آگیں اور علم پرور اصرار کے علاوہ اپنی طالب علمانہ خو اور تحقیقی جستجو بھی اس اہم منصوبہ سے وابستگی کی وجہِ قاطع بنی۔

منصوبہ کی مشکلات کا اندازہ اس کے آغاز سے ہی تھا لیکن توفیق الٰہی، اعانتِ ربانی اور امدادِ علماء واہلِ قلم کے سہارے کام کا آغاز کر دیا۔ سب سے پہلے تو علوم وفنون کی تشخیص وتعیین ہی امرِ مشکل بنی۔ کسی طرح اہم ترین علوم وفنون کی ایک عارضی اور سرسری فہرست سازی بھی ہوگئی مگر جو کام خاصا ہمت شکن ثابت ہوا وہ ہر علم وفن میں امہات الکتب کی تشخیص وتعیین تھی۔ متعدد اہلِ قلم کے تعاون سے بعض اسلامی علوم وفنون کی کتابوں کی فہرست بنالی گئی، اور بقیہ کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ کام کی رفتار کے ساتھ ساتھ فہرست سازی بھی کی جاتی رہے اور متعدد صاحبانِ علم وفن کے زبانی اور تحریری مشوروں کے بعد اس میں ترمیم وتنسیخ اور اصلاح وترمیم کا عمل بھی جاری رکھا جائے تاکہ کام پہلے ہی مرحلہ میں تعطل کا شکار نہ ہو۔

ہماری خوش بختی اور بدقسمتی دونوں ساتھ ساتھ یوں رواں دواں رہیں کہ متعدد اہلِ علم نے ہمارے ساتھ کھلے دل اور کھلے ہاتھ کے ساتھ تعاون کیا مگر اہم ترین اور نامور شخصیات نے خاکسار وں کی عرض ومعروض پر کان تک نہ دھرے۔ ہمیں اس کا اندازہ تھا کہ وہ عدیم الفرصت بزرگانِ قوم بڑے بڑے قومی اور ملی کاموں میں مصروف ہیں اور غالباً ہم جیسے ناتجربہ کار خوش فہم منصوبہ سازوں کی کارکردگی اور کارفرمائی کے بارے میں زیادہ یقین واعتماد نہیں رکھتے۔ ہمیں ان سے شکوہ نہیں لیکن اپنی کم مائگی کا ضرور احساس ہے۔ اور اس سے زیادہ اس نقصانِ عظیم کا قلق ہے جو ان کی سرپرستی، رہنمائی اور معاونت کے عدمِ حصول کے سبب ہمارے منصوبہ کو پہنچا۔ مگر اسی قدر خوشی اور اطمینان ہے کہ نسبتاً نوجوان صاحبانِ علم وفن نے گرم جوشی، محبت اور اخوت کے جذبات کے ساتھ ہماری دستگیری کی اور ہمارے منصوبہ میں نہ صرف عملی تعاون کیا بلکہ مسلسل دستِ امداد بڑھاتے ہوئے اس منصوہ کو اس کی آخری منزل تک پہونچانے میں ہمدوش وہم کار وہم سفر ہیں۔

ترجیحی ترتیب کے مطابق سرفہرست تو علومِ قرآنی تھے مگر ان کے ماہرین اور نکتہ شناس محققین کی

توجہ وعنایت سے محرومی کے سبب یہ فیصلہ کیا گیا کہ جس علم وفن میں کام جلد از جلد پورا ہو جائے اسی پر مبنی جلد مکمل کر لی جائے اور اسی طرح بلا ترتیب عددی اس جلد کو اہلِ علم کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ حسنِ اتفاق سے حدیث نبوی اور سیرتِ نبوی کی دو جلدیں سب سے پہلے تیار ہو گئیں۔ انہیں کو سردست خدمتِ علماء وفضلاء میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان دونوں جلدوں کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہر لحاظ و جہت سے کامل و مکمل ہیں کہ بقول امام مزنی شاگردِ رشید امام شافعی ''اگر ستر بار بھی کسی کتاب پر نظرِ تنقید ڈالی جائے تو ہر بار کوئی نہ کوئی غلطی مل جائے گی کیونکہ فیصلہ الٰہی یہی ہے کہ اللہ کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح نہ ہو''۔

سیرت نبوی پر مشتمل جلد میں انچاس امہات الکتب پر مضامین ہیں اور وہ سب کے سب خاکسار نگرانِ منصوبہ کے قلمِ آثم رقم سے ہیں۔ عظیم دفترِ سیرت کی ہزارہا کتابوں میں سے ان پچاس سرناموں کا انتخاب بہت مشکل کام تھا تاہم بعض طے شدہ رہنما اصول کی وجہ سے وہ کچھ آسانی بھی ہو گیا۔ اول یہ کہ مشہور ترین اور اہم ترین کتابوں کو اولین ترجیح دی گئی جن پر فنِ سیرت کا انحصار ہے جیسے حضرت عروہ بن زبیرؒ کی 'کتاب المغازی' ابن اسحاق و ابن ہشام کی 'سیرت نبویہ' واقدی و ابن سعد کی 'کتاب المبعث والمغازی' وغیرہ دوم ان کی اہم شرح وحواشی جو بجائے خود کلاسیکی کتب بن گئی ہیں جیسے امام سہیلی کی 'الروض الانف' وغیرہ۔ سوم وہ تمام مشہور واہم کتب سیرت جو مختلف دیار وامصار میں اور مختلف ادوار وعہود میں اولین امہات الکتب پر مبنی ہیں۔ چہارم ہر صدی کی بعض نمائندہ کتابوں کو ضرور منتخب کیا گیا۔ پنجم بلاد اسلامی کے فنِ سیرت کے لحاظ سے اہم ترین مراکز جیسے حرمین شریفین، یمن، عراق، شام، مصر، مغرب، وسطِ ایشیا اور اندلسِ مرحوم کا بھی بھرپور لحاظ کیا گیا۔ ششم موضوعات کے لحاظ سے بھی اہم ترین کتابوں کا انتخاب کیا گیا۔ جیسے قاضی عیاض کی 'کتاب الشفاء' اور ابن قیم جوزیہ کی 'زاد المعاد' وغیرہ۔ ہفتم بعض کتب کا زمانی تقدم کی بنا پر انتخاب عمل میں آیا جیسے خلیفہ بن خیاط کی سیرتِ نبوی۔ ہشتم اسلامی تاریخ کے مصادرِ اولین میں موجود موادِ سیرت کا بھی تجزیہ پیش کیا گیا جو بجائے خود کامل سیرت ہے۔ نہم بعض ایسی کتب سیرت کا تعارف وتجزیہ بھی پیش کیا گیا جو فقہ ولغت، ادب وشعر وغیرہ دوسرے فنون کے حصے ہونے کے سبب سیرتی اعتبار سے زیادہ معروف متداول نہ تھیں مگر ان کی مواد، موضوع، اسلوب، تجزیہ اور پیش کش کی بنا پر کچھ کم اہمیت نہ تھی۔ دہم برصغیر پاک وہند کی جدید نمائندہ کتب کو بھی اس لئے شامل

کیا گیا کہ اردو زبان وادب میں نہ صرف ان کی اہمیت وناگزیری مسلم ہے بلکہ وہ اردو اہلِ قلم وسیرت کے لئے امہات الکتب کا کلاسیکی درجہ اختیار کر گئی ہیں جن پر وہ اپنی کتب سیرت کی بنیاد ونہاد رکھتے ہیں۔ ایسے ہی بعض اور رہنما خطوط تھے جن کی بنا پر موجودہ انتخاب حاضر خدمت کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ اعتراف کر لینا ضروری ہے کہ بہت کوششوں کے باوجود بعض اہم کتابیں ہمیں دستیاب نہیں ہوسکیں۔ اگر وہ مل جاتیں تو ہمارے مجموعہ میں بعض دوسری کتابوں پر مضامین کو خارج کرنا پڑتا۔ دو چار ایسی بھی کتابیں ہیں جن کا تعارف وجائزہ کسی حد تک ناقص رہ گیا کہ ان کی کئی جلدوں میں سے ہمیں صرف ایک یا دو جلد ہی مل سکی۔ لیکن ان کے مضامین کی تکمیل یا تعارف میں دوسری کتب سے مدد مل گئی۔ کوشش ہوگی کہ آئندہ اشاعت میں ان کی تکمیل کردی جائے۔ ورنہ ضمیمہ کے ذریعہ ان خامیوں کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی کہ وہ ہماری دیرینہ روایت ہونے کے علاوہ ایسی کتابوں کی پس نوشت ضرورت ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات ناگزیر ہوتی ہے۔

ہماری کوشش تو یہی ہے کہ ہر علم وفن کی کم از کم پچاس کتابوں کا تعارف وجائزہ پیش کیا جائے بشرطیکہ مطلوبہ تعداد میں نمائندہ اور امہاتِ کتب اس میں موجود ودستیاب ہوں۔ سیرتِ نبوی اور حدیث نبوی پر اس سے کہیں زیادہ کتابیں موجود وفراہم ہیں لیکن ان کو پچاس تک محدود رکھا گیا۔ ہمارے پروجیکٹ کے مطابق یہ تعارف وتجزیہ ایک طرح سے کتابیاتی تبصرہ/مبصرانہ کتابیات Annotated Bibliography ہے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ ماہرین اور اہلِ علم کے لئے اتنا کارآمد اور کارکشا نہیں ہے جتنا طالبانِ علم اور محققینِ فن بالخصوص نوآموزدگانِ تحقیق کے لئے۔ لیکن یہ بلاخوف تردید عرض کیا جاسکتا ہے کہ ماہرین خصوصی بھی بیک نظر اپنے فن کی پچاس کتابوں اور ان کے مؤلفین کے بارے میں اتنی معلومات نہیں رکھ سکتے جو ہر ایک جلد میں پیش کی جارہی ہیں۔ لہٰذا یہ جلدیں تمام اہل علم کے لئے کار آمد ومفید ہیں کہ ایک جگہ اتنی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ اہل علم و ماہرین فن مقابلہ وموازنہ کر کے فنی بصیرت حاصل کر سکے ہیں اور طالب علم وتحقیقِ مواد علم وفن پر اکتفا کر سکتے ہیں۔

سیرتِ نبوی اور حدیثِ نبوی دونوں کی جلدوں میں مضامین ومقالات کو زمانی ترتیب اور تاریخی تنظیم کے ساتھ مرتب وآراستہ کیا گیا ہے تاکہ بیک نظر علم سیرت وفن حدیث کا ارتقا اور نشو ونما بھی نظر آتا رہے۔ اور ہر مؤلف ومصنف کی انفرادی خصوصیات کے ساتھ اجتماعی اور فنی اوصاف کا ادراک وشعور

بھی ہوتا رہے۔ سیرت کی موجودہ جلد میں پہلی صدی ہجری/ ساتویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی ہجری/ بیسویں صدی عیسوی تک کی کتب خاص کا احاطہ کیا گیا ہے۔

مضامین سیرت کی نوعیت یہ ہے کہ شروع میں ہر مؤلف کتاب کا تعارف چند عناوین کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ تمہید کے بعد نام ونسب، تعلیم وتربیت، اساتذہ وشیوخ، مشغلۂ حیات، علمی اکتسابات، تلامذہ وشاگردان، وفات ومدتِ حیات، تصانیف وتالیفات اور طرز تالیف وتصنیف کے بعد اس حصہ کا خاتمہ مؤلفِ متعلقہ کے مصادر وماخذ پر ہوتا ہے۔ کتابِ سیرت کے جائزہ میں ابتدائی سطریں کتاب کے نام وعنوان، طباعت اور اس کے مقام وسنہ، محقق ومرتب کے مقدمہ اور دوسری تمہیدی چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد سلسلۂ کلام کتاب کے مباحث سے جوڑ دیتی ہیں۔ بنیادی مضامینِ کتاب کا جائزہ بالعموم باب درباب اور فصل تا فصل لیا گیا ہے اور آخر میں زیر مطالعہ طبع کے صفحات کا اندراج بھی اس غرض سے کر دیا گیا ہے کہ اگر کوئی قاری اسی ایڈیشن سے استفادہ کر رہا ہو تو متعلقہ مواد تلاش کرنے میں اسے مزید آسانی ہو۔ تلخیصِ مضامین اور تنقیدِ مباحث سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔ صرف قارئین کی دلچسپی اور دلجمعی کے لئے کہیں کہیں بعض معلومات بھی دے دی گئی ہیں ورنہ اصل مقصود کتاب کے بنیادی مباحث کی نشاندہی کرنا ہے۔ جائزہ کتاب پر مبنی حصہ میں اس امر پر توجہ مرکوز رکھی گئی ہے کہ مؤلف کے کام اور کتاب کی موضوعاتی نوعیت سے قاری کو اور طالبِ تحقیق وعلم کو بھی متعارف وروشناس کیا جائے اور صرف اس کی بات پیش کی جائے۔ تنقید وتبصرہ اور بحث وتمحیص سے کام مؤلف کے سوانحی خاکہ میں لیا گیا ہے اور تالیف زیر مطالعہ کے حوالے سے اس کے آخری عنوان طرزِ تالیف- کے تحت کتابِ مستطاب کی خصوصیات ونقائص اور خوبیوں اور خامیوں سے تعرض کیا گیا ہے تاکہ قاری کو کتابِ متعلقہ کے اصل مطالعہ کے وقت ان کا استحضار رہے۔ مؤلف کتاب کے بارے میں سوانحی خاکے کے مطالعہ کے بعد کتاب کی تفہیم وادراک بھی آسان ہو جاتا ہے اور اس سے استفادہ بھی۔

حدیث وسیرت کی مذکورہ بالا دو جلدوں کے علاوہ متعدد دوسری جلدوں پر بھی کام ہو رہا ہے جسے مختلف اہلِ علم انجام دے رہے ہیں۔ ان میں تصوف کی جلد تقریباً تین چوتھائی مکمل ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ اس موضوعِ خاص میں ڈاکٹر غلام قادر لون جیسے ماہر فن اور صاحب علم کا تعاون حاصل ہے۔ ان کی تازہ تحقیقی کتاب 'مطالعۂ تصوف' شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی کی تعریف وتحسین علمی حلقوں

نے خوب خوب کی ہے۔ اصول فقہ پر مولانا مکرم عتیق احمد بستوی قاسمی، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو اور ممتاز عالم و مستند مؤلف کام کر رہے ہیں اور ان کا نام ہی اعلیٰ معیار کی ضمانت ہے۔ حدیث شریف کے مضامین تقریباً سب کے سب مفتی محمد مشتاق تجاروی قاسمی نے مرتب کئے ہیں۔ وہ صاحب علم و فضل اور ماہر ادب و فقہ ہیں۔ ان میں مولانا اسیر ادروی مدظلہ العالی کے دو مضامین بھی شامل ہیں۔ ان کے نام و کام سے کون واقف نہیں،۔ استاذ حدیث، مدیر شہیر اور عالم کبیر ہیں۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ان کے علم و فضل سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکے۔

دوسرے موضوعات جن پر خاطر خواہ کام ہو چکا ہے ان میں سرفہرست فقہ ہے۔ مولانا احتشام الحق قاسمی اور بعض دوسرے اہل علم اس سے وابستہ ہیں۔ مولانا محمد رفیق سلفی اسماء الرجال پر، مولانا جمشید احمد ندوی، تذکرہ و سوانح پر، مولانا ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اور مولانا ڈاکٹر غیاث احمد ندوی طب اسلامی پر، اور خاکسار راقم تاریخ اسلامی پر جلد تیار کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے مضامین و موضوعات پر بھی مضامین لکھے جا رہے ہیں لیکن ان میں ابھی تک خاطر خواہ ترقی اور مطلوبہ رفتار نہیں حاصل ہو سکی ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ قرآنی علوم بالخصوص تفسیر کلام پاک پر ہمارا کام لگ بھگ صفر ہے۔

ابتدائی دو جلدیں پیش کرتے ہوئے ہم اہل علم و صاحبانِ فضل اور ماہرین موضوعات سے التماس کرتے ہیں کہ وہ ہمارے موجودہ کام کی قدر و قیمت آنکیں، اس کی خوبیوں کو سراہیں تو اس کی خامیوں سے ہمیں آگاہ کریں، تاکہ اگلی طباعت یا اس کے عربی اور انگریزی تراجم میں ان کی اصلاح کی جا سکے، اس کا معیار بڑھایا جا سکے اور اسے مفید تر بنایا جا سکے۔ اسی کے ساتھ یہ توقع بھی بجا طور سے کی جا سکتی ہے اور استدعا بھی کہ وہ دوسرے موضوعات و مضامین میں ہمارے ساتھ علمی تعاون فرمادیں، رہنمائی و سرپرستی اور دستگیری کا ہاتھ آگے بڑھائیں اور ہم جادہ گزارانِ علم و دانش کو منزل سے ہمکنار کریں کہ یہ کام صرف ہمارا اور ہمارے ادارہ کا نہیں بلکہ پوری امتِ اسلامی کا اجتماعی کام ہے۔

اللہ تعالیٰ سے بصد الحاح وزاری دعا ہے کہ وہ اپنے اس کام کو قبولیت و مقبولیت عطا فرماوے اور اس سے وابستہ تمام افراد، شرکاء اور اداروں کو سعادتِ دارین سے نوازے اور اس کے ذریعہ علوم و فنون کی اسلامی ترقی، صالح نشو و نما اور خیر پر مبنی متعدی ارتقاء کا عمل جاری و ساری فرماوے۔

آخر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے صالح و فعال کارگزار و کار

ساز اور فہیم وزکی صدر جناب ڈاکٹر محمد منظور عالم صاحب مدظلہ العالی کا شکریہ صمیم قلب سے ادا کروں جن کی ہدایت ورہنمائی، سرپرستی واعانت اور دلچسپی وجان سپاری کے بغیر یہ عظیم الشان منصوبہ شروع ہوسکتا تھا نہ یہ قیمتی علمی جلدیں مرتب ہوسکتی تھیں، میں پروجیکٹ کمیٹی کے فاضل وعالم ارکان-مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا جلال الدین انصر عمری، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، پروفیسر عبدالحق انصاری اور جناب محمد مقیم الدین- کا بھی انتہائی شکرگزار ہوں کہ ان سے قدم قدم پر تعاون ملا۔ بالخصوص ڈاکٹر فریدی کا مرہون منت ہوں کہ وہ اس کم مایۂ علم وآگہی پر ہمیشہ دستِ شفقت رکھے رہے۔ اور اختتام پر اللہ تعالیٰ کی توفیق ارزانی کو بطور تحدیث نعمت بیان کرتا ہوں کہ جس کے بغیر قلم چل سکتا ہے نہ تحریر اجاگر ہوسکتی ہے۔

محمد یٰسین مظہر صدیقی

(نگراں منصوبہ، علی گڑھ)

مقدمہ

سیرت نبوی : آغاز وارتقاء

محمد یٰسین مظہر صدیقی
شعبۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سیرتِ نبوی اور حدیث نبوی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ سیرت، حدیث کا ایک جزو ہے۔ عہد نبوی میں اس کا ارتقاء حدیث نبوی کی صورت میں ہوا۔ کیونکہ دونوں کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور حلیہ سے رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ان دونوں مضامین کے درمیان نہ فرق تھا اور نہ کوئی حدِ فاصل کھینچی جاتی تھی۔ ہر امر و معاملہ، واقعہ وحادثہ اور صورت وحالت جس کا ذرا سا بھی تعلق ذاتِ نبوی سے ہوتا وہ حدیث نبوی کا حصہ بن جاتا تھا۔ ابتدائی عہد خاص کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے جو حدیثی صحیفے معلوم ہیں وہ اس تعلق خاطر کے گواہ ہیں۔

حدیث وسنت کی حیثیت چونکہ آئینی اور قانونی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اور بسا اوقات اس کے پہلو بہ پہلو اسلامی قانون، الٰہی شریعت اور آخری دین کا دوسرا ماخذ ومرجع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ وجملہ، آپ کے دست وپا کی ہر حرکت وعمل اور آپ کی جسمانی حالت وکیفیت کے علاوہ آپ کی موجودگی وصحبت میں ہر وہ کام وکلمہ اور عمل جس پر آپ نکیر نہ فرماتے اسلامی قانون بن جاتا تھا۔ یہ آئینی اور قانونی حیثیت خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی کہ آپ کے ہر نطق دہن اور عملِ دست وپا کو وحی الٰہی قرار دیا اور آپ کے ہر حکم وعطیہ کو فیصلہ رُبانی بتایا۔ آپ کی اطاعت کو اطاعتِ خداوندی کا درجہ دیا۔ اسی بنا پر قرآن مجید اور حدیث نبوی کو وحی قرار دیا گیا۔ دونوں میں فرق یہ کیا گیا کہ کلام الٰہی وحی متلو ہے اور کلامِ نبوی وحی غیر متلو۔ البتہ قانونی اور تشریعی اعتبار سے دونوں میں کوئی زیادہ فرق نہیں کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ حدیث وسنت کی

حیثیت کلام الٰہی کی شرح وبیان کی ہے لیکن بسا اوقات وہ خالص تشریعی بن جاتی ہے اور قرآن مجید کی مانند قانون سازی کرتی ہے۔

اہم ترین محرکات

سنت وحدیث کی یہی قانونی حیثیت اور تشریعی اہمیت تھی جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے ہر ہر پہلو اور ہر ہر کام کے بارے میں معلومات فراہم کرنے اور جمع کرنے اور ان کو محفوظ کرنے کا جذبۂ بیکراں اولین مسلمانوں میں پیدا کیا۔ صحابۂ کرام کے سامنے قرآن مجید کی تفہیم وتشریح کے لئے بھی سیرت نبوی اور حدیث رسول کی اتنی ہی ضرورت تھی کہ بہت سی آیات کریمہ کا تعلق مسائل ومعاملات سے تھا جن کی صحیح تفہیم اور حتمی تعیین سے وہ خود قاصر تھے۔ اس لئے وہ ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے یا آپ از خود ان کی تشریح وتعبیر فرما دیتے۔ بظاہر یہ تفسیرِ قرآن کا فن تھا مگر درحقیقت حدیث نبوی تھی۔ ایسی تفسیرات واحادیث میں بہت سوں کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وحیات سے بھی تھا۔ اور وہ ظاہر ہے کہ سیرت نبوی کا ایک باب تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کی بے پناہ محبت، بیکراں عقیدت اور ناپیدا کنار الفت دوسری اہم ترین وجہ یا محرک یا مہمیز تھی جس نے ان کو آپ کی حیات مبارکہ کے بارے میں ہر تفصیل اور ہر جزئیہ کو معلوم کرنے اور اس کو محفوظ کرنے کا عشق وولولہ بخشا۔ خاص کر ان نوجوان اور متاخر صحابۂ کرام کو جنھوں نے یا تو آپ کی ابتدائی زندگی سے آپ کو دیکھا پرکھا نہ تھا یا ان متاخر مسلمانوں کو جنھوں نے اسلام دیر سے قبول کیا۔ اس جذبۂ عشق میں آپ کے قدیم صحابۂ کرام اور دن رات کے رفقائے عظام بھی پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں، خاندان کے اسلاف اور شہر وقبیلہ کے شیوخ سے معلومات حاصل کرنے کے علاوہ اپنے نوجوان، کم عمر مگر جانکار اور قابل ساتھیوں سے بھی استفادہ کرنے سے گریز نہیں کیا۔ اس طرح حدیث وسیرت کا ایک وسیع ذخیرہ عہد نبوی میں ہی جمع ہوگیا۔

تدوین روایات

حدیث وسیرت کے مواد کی جمع وحفاظت کے لئے پرانا عرب طریقۂ ترسیل اختیار کیا گیا۔ یعنی

زبانی روایات کی ترسیل کا۔ بلاشبہ یہ اہم ترین ذریعۂ تعلیم وتدوین تھا تاہم اکیلا ذریعہ ووسیلہ نہ تھا۔ اسی کے ساتھ کتابت وتحریر کا طریقہ بھی اختیار کیا گیا۔ ابھی تک حدیث وسنت کی روایات کی زبانی ترسیل وتعلیم کا زیادہ تر تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی حیات طیبہ سے معلوم ومعروف ہے اور مکی عہد کی روایات واحادیث پر مشتمل معلومات کم جمع کی گئی ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ مکی دور کی روایات شاذ ملتی ہیں، کم از کم حدیث وسنت کی زمانی درجہ بندی نہیں کی گئی ہے۔ لیکن تحریری روایات واحادیث کا سراغ بہت واضح طور سے مکی عہد سے ملنے لگتا ہے۔ اور مدنی دور میں اس کا ارتقاء بہت واضح اور روشن نظر آتا ہے۔ ایک جدید تحقیقی مطالعے نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ عہد نبوی میں کم از کم پچاس صحیفے معرض وجود میں آ چکے تھے اور صحابہ کرام میں سے کم از کم پچاس اہل قلم کے صحائف کا سراغ وثبوت مل چکا ہے۔

اصاغر یا متاخر صحابہ کرام کے پہلو بہ پہلو تابعین کے اولین طبقہ نے بھی احادیث وسنن کے مجموعے یا صحیفے مرتب کئے اور اسی کے ساتھ ساتھ زبانی ترسیلِ روایات کا سلسلہ بھی جاری رکھا بلکہ اس میں کافی تیز رفتاری اور وسعت پیدا کر دی۔ اس طرح ترسیل وتدوین کے دونوں مرحلوں کی مزید نشو ونما ہوئی اور زبانی روایات کی تعداد کے ساتھ تحریری صحائف کی تعداد بھی بڑھی۔ حفظ و یادداشت کی روایت اور حفاظ ومحدثین کے طبقہ کو بہر حال فضیلت حاصل رہی کہ علم کا اصل منبع نوشتہ اور معلومات کا حقیقی مقام دماغ وذہن تھا۔ بقول ایک جدید مستشرق عربوں کے نزدیک علم کا مقام ذہن وحفظ ہے جب کہ مغربیوں کے ہاں کاغذ وقلم کو یہ درجۂ بلند حاصل ہے۔

اکابر صحابۂ کرام کے زمانے میں ہی تابعین کا ایک طبقہ ایسا وجود میں آیا جس نے حدیث کے ساتھ ساتھ سیرت پر خاص توجہ کی اور رفتہ رفتہ انہوں نے سیرت کو حدیث سے ایک الگ، ممتاز مقام بخش دیا جس کے نتیجہ میں سیرت حدیث سے الگ ایک موضوع یا مضمون بن گیا۔ یہ بہت زمانہ ساز اور عہد آفریں رجحان تھا۔ اس نے حدیث سے سیرت کو نہ صرف الگ کیا بلکہ اس کو ایک آزاد وخود مختار مرتبہ اور ممتاز ومنفرد مقام عطا کر دیا۔ اور ایسا محدثین کرام کے اولین طبقۂ تابعین کے مبارک ہاتھوں سے ہوا جس کے سبب اس نئے موضوع - سیرت - کا بھرم بھی قائم ہوا اور کسی کو اعتراض کا موقعہ یا نکتہ چینی کی مہلت نہ ملی۔ بلاشبہ ان تاریخ ساز تابعین سے متعدد حدیث کے بے مثال امامِ عالی مقام بھی تھے۔

اہم رجحانات سیرت نگاری: مغازی نویسی

سیرت نگاری کے اولین رجحانات میں ایک یہ تھا کہ سیرت کی جگہ لفظ ''مغازی'' کو اصطلاح کا درجہ یا جدید موضوع کا سرنامہ قرار دیا گیا۔ عہد صحابہ کرام ہو یا تابعین اولین کا دور سیرت نبوی کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں ان کو بالعموم ''کتاب المغازی'' کا نام دیا گیا۔ اب اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا موضوع صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وسرایا تھے۔ لیکن ان اولین کتب سیرت کے جائزے یا ان کی روایات ومرویات کے تجزیے سے واضح ہوتا ہے کہ سب نہ سہی تو اکثر وبیشتر پوری حیاتِ نبوی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاوی ہوتی تھیں۔

''کتاب المغازی'' کے عنوان سے جو پہلی کتاب سیرت لکھی گئی اس کے بارے میں ہماری معلومات ناقص و ناکافی ہیں۔ مورخین واہل سیر کا اختلاف ہے کہ پہلے اور قدیم ترین سیرت نگار حضرت ابان بن عثمان (۱۰۱ھ تا ۱۰۵ھ/ ۷۱۹ء تا ۷۲۳ء) نے کتاب المغازی لکھی تھی یا نہیں، مگر ان کے معاصر اور ان سے زیادہ اہم محدث حضرت عروہ بن زبیر (۹۴ تا ۲۲ھ/ ۷۱۲ تا ۶۴۲ء) کے بارے میں اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ انہوں نے کتاب المغازی ضرور لکھی تھی۔ ان کی روایات کی بنا پر ایک جدید محقق نے ان کی کتاب کی بازیافت میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔

دوسرے صاحبان ''کتاب المغازی'' کی فہرست خاصی موثر، وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ سہل بن ابی حثمہ (م ۴۱ھ/ ۶۶۱ء) عبید اللہ بن کعب بن مالک انصاری (م ۹۷ھ/ ۷۱۵ء)، عامر بن شراحیل شعبی (م ۱۰۳ھ/ ۷۲۲ء)، وہب بن منبہ (م ۱۱۴ھ/ ۷۳۲ء)، امام زہری محمد بن مسلم بن شہاب (م ۱۲۴ھ/ ۷۴۱ء)، یزید بن رومان (م ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء)، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل (م ۱۳۱ھ/ ۷۵۸ء)، سلیمان بن طرخان تیمی (م ۱۴۳ھ/ ۷۶۱ء)، موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ/ ۷۵۹ء)، معمر بن راشد بصری (م ۳-۱۵۲ھ/ ۷۰-۷۶۹ء)، نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی (م ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء)، عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن حدم انصاری (م ۱۷۶ھ/ ۷۹۲ء)، یحییٰ بن سعید بن ابان اموی (م ۱۹۴ھ/ ۸۰۹ء) اور ولید بن مسلم دمشقی (م ۱۹۵ھ/ ۸۱۰ء) پہلی اور دوسری / ساتویں آٹھویں صدی کے چند اہم ترین ''مغازی نویس'' ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے صاحبان مغازی تھے جن کی ''کتاب

المغازی'' اپنے زمانے اور اپنے حلقے میں بہت مقبول و متداول تھیں۔ مشہور محقق صلاح الدین المنجد نے مغازی نگاروں میں حسب ذیل اہل قلم کو بھی گنایا ہے۔ معتمر بن سلیمان بن طرخان (م ۱۷۸ھ/ ۷۹۴ء)، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی (م ۲۱۱ھ/ ۸۲۶ء)، علی بن محمد مدائنی (م ۲۱۵ھ/ ۸۳۰ء)، محمد بن عائذ دمشقی (م ۲۳۳ھ/ ۸۴۷ء)، ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن نفیل حرانی (م ۲۳۴ھ/ ۸۴۸ء)، احمد بن حارث الخراز (م ۲۵۸ھ/ ۸۷۱ء)، عبدالملک بن محمد الرقاشی (م ۲۷۶ھ/ ۸۸۹ء)، ابراہیم بن اسمٰعیل عنبری طوسی (م ۲۸۰ھ/ ۸۹۳ء)، اسماعیل بن اسحاق القاضی (م ۲۸۲ھ/ ۸۹۵ء)، ابراہیم بن محمد الثقفی الرقی (م ۲۸۳ھ/ ۸۹۶ء)، ابراہیم بن اسحاق الحربی (م ۲۸۵ھ/ ۸۹۸ء)، احمد بن محمد البرقی الشیعی (م ۳۷۶ھ/ ۹۸۶ء)، محمد بن عمر المرزبانی (م بعد ۳۷۷ھ/ ۹۸۷ء)، یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی (م ۴۶۳ھ/ ۱۰۷۰ء)، ابوالحسن علی بن احمد الواحد (م ۴۶۸ھ/ ۱۰۷۵ء)، اور عبد الرحمٰن بن محمد الانصاری (م ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء)، المنجد کی فہرست میں کل مغازی نگاروں کی تعداد اٹھاون ہے جس میں سے ایک تہائی جدید اہل قلم ہیں اور باقی سلف سیرت نگار ہیں۔ علمائے سلف میں بھی متعدد ایسے ہیں جو سیرت نگار ہیں نہ کہ محض مغازی نگار۔

برصغیر پاک و ہند کے عظیم ترین سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی (۱۹۱۴-۱۸۵۷ء) نے اپنے شاندار مقدمہ سیرت النبی میں مزید متعدد صاحبان مغازی کا ذکر کیا ہے جن کا حوالہ صلاح الدین المنجد کے ہاں نہیں آسکا۔ ان میں اہم ترین یہ ہیں: عمر بن راشد ازدی (م ۱۵۲ھ/ ۷۶۹ء)، علی بن مجاہد رازی کندی (م بعد ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء)۔ ان کے علاوہ متعدد صاحبان مغازی بھی تھے مگر یہ معلوم نہیں کہ وہ صاحبان تالیف بھی تھے یا نہیں۔ ان میں عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ/ ۷۳۸ء)، مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی (م)، یعقوب بن عتبہ (م ۱۲۸ھ/ ۷۴۵ء)، ہشام بن عروہ بن زبیر (م ۱۴۶ھ/ ۷۶۳ء)، عبد الرحمٰن بن عبدالعزیز اوسی (م ۱۶۲ھ/ ۷۷۸ء)، محمد بن صالح بن اینار التمار (م ۱۶۸ھ/ ۷۸۴ء)، عبد اللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن مخزومی (م ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء)، زیاد بن عبداللہ البکائی (م ۱۸۳ھ/ ۷۹۹ء)، سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری (م ۱۹۱ھ/ ۸۹۱)، یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ/ ۸۱۴ء)، یعقوب بن ابراہیم زہری (م ۲۰۸ھ/ ۴-۸۲۳ء)، عمر بن شبہ البصری (م ۲۶۲ھ/ ۸۷۵ء) اہم تھے۔ لیکن یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے صاحبان مغازی تھے۔

کتب غزوات وسرایا

خالص غزوات وسرایا پر مغازی نگاری کا رجحان دوسرا ہے اور غالبًا کافی متاخر بھی۔ ذکر آ چکا ہے کہ اولین مغازی کی کتابیں عہد صحابہ کرام میں یا اموی خلافتِ اسلامی کے عہد زریں میں تحریر کی گئیں اوران کا دائرۂ عمل پوری سیرت نبوی کو محیط تھا۔ لہذا اقدیم ترین مغازی نگار دراصل سیرت نگار تھے کہ وہ پوری حیات وزندگی کو اپنی کتابوں میں موضوع سخن بناتے تھے، صرف غزوات وسرایا پر اکتفانہ کرتے تھے۔ لیکن دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی میں جب "حولیات" نگاروں کا عروج ہوا تو انہوں نے جن مخصوص موضوعات پر چھوٹی چھوٹی یک موضوعی کتابیں، رسالے یا کتابچے (Monograph) لکھے ان میں غزوات وسرایا بھی شامل تھے۔

حولیات نگاری کے تحت دوطرح یا دوقسم کی کتابیں لکھی گئیں۔ یا تو وہ ایک اور صرف ایک واقعہ یا موضوع سے متعلق کتابیں ہوتیں یا ایک موضوع پر جامع کتابیں ہوتی تھیں۔ یک موضوعی مختصر کتابچے تاریخ اسلامی کے واقعات میں سے کسی اہم واقعہ، حادثہ یا معاملہ سے بحث کرتے تھے جن میں کوئی ایک خاص غزوہ یا سریہ بھی شامل ہوتا تھا۔ جیسے مشہور حولیات نگار سیف بن عمر تمیمی (م ۱۸۰ھ/۷۹۶ء)، ابومخنف لوط بن یحیٰی ازدی (م ۱۵۷ھ/۷۷۴ء) اور عوانہ بن حکم کلبی (م ۱۴۷ھ/۷۶۴ء) نے اپنی حولیات لکھیں۔ اول الذکر کی طرف کتاب الردۃ اور کتاب الجمل منسوب ہیں۔ ابومخنف نے "مقتل الحسین" خبر المختار وابن زیاد" کتاب صفین کتاب الجمل اور سیرۃ الحسین وغیرہ لکھیں۔ جب کہ موخر الذکر کی طرف سیرۃ معاویہ وبنی امیہ اور کتاب التاریخ دو کتابوں کا انتساب ابن الندیم نے کیا ہے۔

جن حولیات نگاروں نے سیرت وحیات نبویؐ کے کسی پہلو پر اپنی تحریر ونگارش کی وہ بھی معتد بہ ہیں جیسے ابوالبختری (م ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء) مؤلف صفۃ النبی، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق (م ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء) مؤلف قطع حول سیرت النبی، حماد بن اسحاق ازدی (م ۲۶۷ھ/۸۶۱ء) مؤلف ترکۃ النبی، ابن شعیب الانصاری (محمد بن ہارون بن شعیب (م ۳۵۳ھ/۹۶۴ء) مؤلف صفۃ النبی۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے ایسے حولیات نگار رہے۔

مذکورہ بالا مغازی نگاروں نے مغازی کے عنوان سے مکمل کتب سیرت لکھنے کے علاوہ خاص

غزوات پر کتابچے بھی لکھے تھے۔ مثلاً احمد بن الحارث الخزاز (م ۲۵۸ھ/ ۸۷۲ء) کے بارے میں ابن الندیم اور فواد سزکین نے لکھا ہے کہ وہ کتاب مغازی النبی ﷺ (سرایاہ) کے مؤلف بھی تھے۔

ان میں سے بعض کے بارے میں آتا ہے کہ غزوات و سرایا پر بھی جامع کتابیں لکھی تھیں۔ جیسا کہ واقدی کے بارے میں خیال ہے یا امام زہری کے بارے میں سخاوی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ''مشاہد النبی ﷺ'' کے عنوان سے خالص کتاب غزوات تالیف کی تھی۔ ایک متاخر اندلسی صاحب علم عبدالرحمٰن بن محمد جیش (م ۵۷۴ھ/ ۱۱۷۸ء) نے ''الغزوات والفتوح'' کے عنوان سے کتاب لکھی تھی۔

جامع سیرت نگاری: کتب مبعث و مغازی

مغازی نویسی میں سب سے زیادہ شہرت کے حامل علامہ واقدی (محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ء) ہیں جن کی ایک کتاب ''المغازی'' چار دانگِ عالم میں مشہور و متداول ہے۔ لیکن حقیت یہ ہے کہ وہ جدید تحقیقات کے مطابق سیرت نگاری کے ایک تیسرے رجحان کی نمائندہ ہے۔ اس رجحان کا آغاز اب تک کی معلوم تفصیلات کے حد تک ابن اسحاق (محمد بن اسحاق بن یسار ۱۵۰-۸۵ھ/م ۶۷-۷۰۴ء) نے کیا تھا اور اپنی کتاب سیرت ''کتاب المبتدا والمبعث والمغازی'' کے عنوان سے لکھی تھی اور جو ابن ہشام (عبدالملک بن ہشام، م ۲۱۸ھ/ ۸۳۴ء) کی تہذیب و تلخیص میں ''سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' یا ''السیرۃ النبویۃ'' کے عنوان سے شہرت پذیر ہوئی۔ واقدی نے ابن اسحاق کے نمونہ پر اور ان کی تقلید میں اپنی کتاب بھی ''کتاب التاریخ والمبعث والمغازی'' کے نام سے مکمل کی تھی جس کے ابن اسحاق کی مانند تین حصے تھے: اولین حصہ ''کتاب المبتدا'' یا ''کتاب التاریخ ''ابتدائے آفرینش سے عربوں کی تاریخ ماقبل اسلام بیان کرتا ہے جس میں انبیاء سابقین، ان کی امتوں اور عربوں کی بعض پڑوسی قوموں کا تذکرہ ہے۔ دوسرا حصہ ''کتاب المبعث'' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان ذی شان، ابتدائی زندگی اور نبوت کے بعد کی سیرتِ مبارکہ پر مشتمل ہے۔ تیسرے حصہ میں مدنی حیات طیبہ خاص کر غزوات و سرایا کی تفصیلات دی گئی ہیں۔ اس رجحان کے تحت کتابِ سیرت بالعموم تین حصوں میں منقسم ہوتی تھی۔ اور واقدی کی ''کتاب المغازی'' دراصل ان کی جامع کتاب سیرت کا تیسرا اور آخری حصہ ہے۔

اسی کے ساتھ ایک اور رجحان یہ نظر آتا ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں کو ابن اسحاق اور ابن عمر واقدی کے برخلاف تین حصوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ صرف دو کتابوں/حصوں میں منقسم کرنا مناسب سمجھا۔ جیسے اسمٰعیل بن عیسی العطار البغدادی (م ۳۳۲ھ/۹۴۳ء) اور محمد بن الفضل التیمی (م ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) نے ''کتاب المبعث والمغازی'' لکھیں۔ غالباً ان کے نزدیک قدیم تاریخ انسانیت بالخصوص ازل سے تاریخ کے سلسلہ کو تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی یا اس کا براہ راست سیرت نبوی سے تعلق نہ تھا اس لئے انہوں نے اپنی سیرت نگاری کو اپنے خاص موضوع تک محدود رکھا۔

سیرت نبوی کی کتابیں

اگر چہ ابتدائی کتب مغازی یا ان کی جانشین دو/سہ عناوینی کتب مغازی مکمل اور جامع سیرت نبوی کی تالیفات تھیں اور ان میں سے بعض موجود بھی ہیں، تاہم ان کے لئے سیرت کی اصطلاح استعمال نہیں کی گئی۔ یہ بھی اب ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اولین خلفاء کرام کی سوانح کے لئے لفظ سیرت کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مغازی و سیرت نگاروں سے لفظ سیرۃ کا استعمال واقدی، ان کے شاگرد رشید محمد بن سعد (م ۲۳۰ھ/۸۴۴ء) اور علی بن محمد مدائنی (م ۲۲۵ھ/۸۳۰ء) نے بھی کیا ہے اور موخر الذکر کے مطابق اس کا آغاز امام زہری کی تالیفات وروایات سے معلوم ہوتا ہے تاہم کتب سیرت اس سے موسوم نہ تھیں۔ اس عہد آفریں بلکہ تاریخ ساز رجحان کا سہرا ابن ہشام کے سر بندھتا ہے جنہوں نے تہذیب و تلخیص کتابِ ابن اسحاق کو سیرت نبویہ کا نام دیا اور اس کے بعد یہ عنوان (سیرۃ محمد رسول اللہ) تمام کتب سیرت کا سرنامہ ہی نہیں بنا بلکہ اس فنِ عظیم کا عنوان اصلی قرار پایا۔

خالص سیرت نبوی۔ السیرۃ النبویۃ، سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ کے عنوان سے جو کتابیں لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے نمائندہ کتب حسب ذیل ہیں:۔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے عبداللہ بن محمد بن جعفر اصبہانی (م ۳۴۳ھ/۹۵۴ء)، یحیٰ بن حمیدہ حلبی (م ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء)، علی بن محمد الکازرونی (م ۶۹۴ھ/۱۲۹۴ء) وغیرہ نے تحریر کیں۔ قدماء میں سیرۃ رسول اللہ کے عنوان سے ابوزرعہ دمشقی (م ۲۸۲ھ/۸۹۵ء) کی کتاب

ہے اور معاصرین میں محمود المولی وغیرہ کی سیرۃ سید المرسلین ہے۔ ''السیرۃ النبویۃ'' کے عنوان سے لکھنے والوں میں اہم ترین تھے: حسین بن علی مغربی (م ۴۱۸ھ/ ۱۰۲۷ء)، ہشام بن احمد وقشی طلیطلی (م ۴۸۹ھ/ ۱۰۹۶ء)، سماعیل بن فضل بن طرخان التیمی (م ۵۳۸ھ/ ۱۱۴۳ء)، محب الطبری (م ۶۹۴ھ/ ۱۲۹۴ء)، ابن النقاش (محمد بن علی الدکالی، م ۷۶۳ھ/ ۱۳۶۱ء)، علی بن حسین خزرجی (م ۸۱۲ھ/ ۱۴۰۹ء)، ابن جماعہ (عز الدین محمد بن ابی بکر، م ۸۱۹ھ/ ۱۴۱۰ء) محمد بن عبد الدائم البرماوی (م ۸۳۱ھ/ ۱۴۲۷ء)، احمد بن اسماعیل الابشیطی (م ۸۳۵ھ/ ۱۴۳۱ء)، مہدی بن احمد فاسی (م ۱۱۰۹ھ/ ۱۰۹۷ء)، محمد بن محمد الدلالی (م ۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء)، محمد بن بسطام حسینی (م بارھویں صدی ہجری) اور دوسرے جدید دور کے اہل قلم میں احمد بن زینی دحلان (م ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء)، عبد المجید اللبان، محمد غنیم مصری، محمد فخر الدین، محمد رضا حسینی، مصطفیٰ سباعی اور ابوالحسن علی ندویؒ وغیرہ ہیں، لیکن عصر جدید میں سب سے اہم کتاب شبلی کی ''سیرۃ النبی'' ہے۔

مختلف عناوین کتب

مختلف عناوین اور گوناگوں سرناموں سے جامع سیرت نبوی کی خالص کتابوں کے لکھنے کا رجحان قدیم سے چلا آرہا ہے جیسا کہ ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ کے حوالے سے پہلے ذکر آچکا۔ ایسی گوناگوں کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں سے اہم ترین اور نمائندہ ترین کتابوں کی تفصیل زمانی ترتیب سے ذیل میں پیش کی جارہی ہے: ابن حزم اندلسی (۴۵۶-۳۸۴ھ/۱۰۶۳-۹۹۴ء) کی ''جوامع السیرۃ''، ابن الجوزی (۵۹۷-۵۱۰ھ/۱۲۰۰-۱۱۱۶ء) کی کتاب الوفاء باحوال المصطفیٰ، حافظ ابن سید الناس (۷۳۴-۶۷۱ھ/۱۳۳۴-۱۲۷۳ء) کی ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر''، امام ذہبی (۷۴۸-۶۷۳ھ/۱۳۴۷-۱۲۷۴ء) کی ''السیرۃ النبویۃ''، نویری (۷۳۳-۶۷۷ھ/۱۳۳۲-۱۲۷۸ء) کی ''نہایۃ الارب فی فنون الادب''، ابن کثیر (۷۷۴-۷۰۱ھ/۱۳۷۲-۱۳۰۱ء) کی السیرۃ النبویۃ اور الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول، قسطلانی (۹۲۳-۸۵۱ھ/۱۵۱۷-۱۴۴۷ء) کی ''المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ''، مقریزی (۸۴۵-۷۶۶ھ/۱۴۴۱-۱۳۶۴ء) کی امتاع الاسماع بما للرسول من الابناء والاموال والحفدۃ والمتاع، حافظ مغلطائی (م ۹۲۰ھ/۱۵۱۴ء) کی ''غایۃ السول فی سیرۃ الرسول'' محمد بن یوسف الدمشقی

الشامی (م۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) کی سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد وغیرہ۔

ایسی نایاب ونادر کتابوں میں چند کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس رجحان سیرت نگاری کا بخوبی اور مدلل تجزیہ کیا جا سکے۔ ان میں اہم ترین یہ ہیں: علی بن محمد البغدادی (م۷۴۱ھ/۱۳۴۰ء) کی مقبول المنقول، ابومحمد مقدسی کی الممتع المقتصب فی سیرۃ خیر العجم والعرب محمد بن علی المطوعی کی "من صبر ظفر"، احمد بن بلیغ حسینی (م۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) کی الجوھر الثمین فی نجف سیرۃ الامین، ابن النفیس (م۶۸۷ھ/۱۲۸۸ء) کی الرسالۃ الکاملیۃ فی السیرۃ النبویۃ، ابوشجاع شیرویہ بن شہردار دیلمی (م۵۰۹ھ/۱۱۱۰ء) کی ریاض الانس لعقلاء الانس فی معرفۃ احوال النبی ﷺ منذ ولدالی ان لحد، حافظ مغلطائی (م۷۶۲ھ/۱۳۶۰ء) کی الذھر الباسم فی سیرۃ ابی القاسم، عثمان المارانی (م۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء) کی الفوائد المنیرۃ فی جوامع السیرۃ، قرہ چلبی زاد (م۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء) کی الفواتح النبویۃ فی السیرۃ المحمدیۃ، محمد بن احمد السفارینی (۱۱۸۱ھ/۱۷۶۷ء) کی معارج الانوار فی سیرۃ النبیالمختار، محمود عبدالباقی (م ۱۰۰۸ھ/۱۶۵۶ء) کی معالم الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، فاید بن مبارک الایناری کی مورد الظمآن الی سیرۃ المبعوث من عدمان، مسعود الفاسی (۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء) کی نفائس الدرر من اخبار سید البشر وغیرہ۔ ان مفقود و نامعلوم یا نادستیاب کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جس کی تحدید کرنی بھی مشکل ہے۔

اجتماع سیرت وتاریخ خلافت

سیرتِ نویسی کا ایک اہم رجحان بعد کی صدیوں میں یہ ابھرا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین اولین کی سیرتِ مبارکہ یا حیاتِ مقدسہ کے ساتھ ملا دیا گیا اور ان کو زمانی ترتیب کے مطابق ایک ہی کتاب یا اس کی مختلف جلدوں میں بیان کیا گیا۔ اس کو ہم "سلسلۂ سیرت نگاری" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ رجحانِ نگارش تاریخی تسلسل یا تاریخی زمانیت کی طرح وسیع اور ہمہ گیر نہیں تھا تاہم وہ سوانح نگاری میں تسلسلِ زمانی کے عنصر کی نشاندہی اور توثیق کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ محض زمانی تسلسل اور تاریخی معاصرت کا عنصر کافی وجہِ اتصال نہیں بن سکتا تھا کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے مسلسل سیرت نگاری کے علمبرداروں کے نزدیک کوئی اور قدرِ مشترک تھی جس نے سیرتِ نبوی کو سیرت / حیاتِ صحابہ کے ساتھ مربوط وہم آہنگ کرنے کا ذوق وطریقہ بخشا تھا۔ غالباً اس کا سب سے اہم سبب اتصال اور عنصرِ تسلسل سیرتِ نبوی اور سیرت صحابۂ کرام کی ظاہری اور معنوی مماثلت تھی۔ بعض مخصوص صحابۂ کرامؓ کو سیرتِ نبوی سے ایسی مناسبت تھی کہ ان کی حیات وسرگذشت کو اسوۂ نبوی کے مطابق یا علی منہاج النبوۃ کہا جاسکتا ہے۔ دوسری قدرِ مشترک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی جانشینی اور اسلامی وراثت نظر آتی ہے۔ تیسری وجہِ مماثلت رشتہ داری، قرابت اور قربت کے گہرے اور وسیع تعلقات کی شریعت معلوم ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے اسباب اور اقدار ہوسکتی ہیں جن کا تجزیہ ایسی کتابوں کے مطالعہ سے ازخود سامنے آجاتا ہے۔

امام کلاعی (۶۳۴-۵۶۵ھ/ ۱۲۳۶-۱۱۶۹ء) کی "کتاب الاکتفاء فی سیرۃ المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء" سیرتِ نبوی کا رشتہ اولین تین خلفائے راشدین- حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت عثمان ذوالنورین- کی حیاتِ مقدسہ سے جوڑ کر اس کو سوانح مسلسل بناتی ہے۔ امام ابوزرعہ دمشقی (م ۲۸۲ھ/ ۸۹۵ء) نے "سیرۃ رسول اللہ ﷺ و تاریخ الخلفاء الراشدین" میں چاروں خلفاء کو شامل کردیا۔ زین الدین عمر بن احمد (م ۹۳۶ھ/ ۱۵۲۹ء) نے الجواھر والدرر فی سیرۃ سید البشر واصحابہ العشرۃ الغرر میں سلسلہ چاروں اولین خلفاء کے ساتھ ساتھ باقی چھ اصحاب عشرۂ مبشرہ تک وسیع کیا۔ یہی کام ایک ہندی عالم عبدالقادر بن شیخ الحضرمی نے اپنی کتاب الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرۃ میں کیا۔ سیرت نبوی اور حیاتِ عشرۂ مبشرہ کی جمع وتدوین پر اور کئی اہل سیرت نے کتابیں لکھیں جیسے یحیٰ بن المرتضیٰ (م ۸۴۰ھ/ ۱۴۳۶ء) نے مزید ایک قدم بڑھا کر عشرہ مبشرہ کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منتخب خاندان والوں کی سیرت کو اپنی کتاب "الجواھر الدرر فی سیرۃ سید البشر واصحابہ العشرۃ الغرر وعشرتہ المنتخبین الزھر" میں جمع کرکے سوانحی کینوس کو اور زیادہ وسیع کردیا۔ اس وسعت میں جانشینی، قرابت اور قربت کے عناصر جمع ہوگئے، ابوزرعہ عبد بن احمد الہروی (م ۴۳۴ھ/ ۹۵۴ء) نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی واصحابہ" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام

صحابہ کرام کو شامل کرلیا۔ ان تمام تالیفات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ خاص موضوع ہے جب کہ دوسرے بزرگوں کی حیات وسرگذشت ثانوی ہے۔ احمد بن الحارث الخراز (ولادت ۲۵۸ھ/ ۸۷۱ء) کی مفقود کتاب "مغازی النبی ﷺ وسرایاہ وازواجه" مغازی کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو شامل کر کے سیرت نگاری کے ایک اور رجحان کی عکاسی کرتی ہے۔ مقریزی (۷۶۵-۸۴۵ھ/ ۱۳۶۳-۱۴۴۱ء) کی امتاع الاسماع بما للرسول من الأنباء والاموال والحفدة والمتاع، ایک دوسری نوع کی نمائندگی کرتی ہے۔

اگر چہ سیرتِ نبوی اور تاریخ اسلامی کو باہم آمیخت کر کے مسلسل تاریخ اسلامی لکھنے کی کوشش، کاوش اور رجحان کا ایک محدود پیمانے پر اندازہ اوپر کی سیرت نگاری کے سلسلہ سے کیا جاسکتا ہے تاہم اس میں تاریخ اسلامی کا حصہ بہت کم ہے۔ لیکن بعض ایسی سیرت کی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں تاریخ اسلامی کو ضمنی حیثیت دینے کے باوجود ان کا خاطر خواہ حصہ رکھا گیا۔ اس قسم کی کتابوں کو ہم سیرت نبوی اور اس کی ماتحت تاریخ نگاری کہہ سکتے ہیں۔ اس میں اصل اور بنیادی توجہ اور زور تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ پر ہوتا ہے مگر تاریخ خلافت کو اس کا ضمیمہ بنا دیا جاتا ہے۔

امام ابوزرعہ دمشقی اور حافظ کلاعی وغیرہ کی مذکورہ بالا کتب بھی اس تالیفی نوع میں شمار کی جاسکتی ہیں لیکن ان میں چونکہ سیرت وسوانح پر زیادہ زور ہے اس لئے پہلے رجحان کے تحت ان کا ذکر کیا گیا۔ خاص اس انداز کی کتابوں کی بھی کمی نہیں۔ حافظ مغلطائی (۶۸۹-۷۶۲ھ/ ۱۲۹۰-۱۳۶۰ء) کی کتاب "الاشارة الی سیرة المصطفیٰ وآثار من بعده من الخلفاء" زیادہ تر سیرت مغلطائی کے نام سے معروف ہے۔ اس کتاب کے ایک سوانیس صفحات میں سے چورانوے صفحات سیرتِ نبوی پر ہیں اور باقی پچیس صفحات میں اسلامی تاریخ اور خلفاء کا تذکرہ، ہلاکو خاں کے حملۂ بغداد تک کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ انتہائی مختصر تذکرہ ہے۔ حافظ مغلطائی نے ایک اور کتابِ سیرت وتاریخ لکھی تھی جو کافی ضخیم تھی اور اس کا نام "الذھر الھاسم فی سیرة ابی القاسم" تھا اسی نوعیت کی دوسری/تیسری کتاب دیار بکری (م ۹۶۶ھ/ ۱۵۵۸ء) کی کتاب "الخمسین فی احوال النفس نفیس" ہے جس میں سیرت نبوی تین چوتھائی کتاب پر مشتمل ہے اور باقی ایک چوتھائی صفحات تاریخ اسلامی کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ جس کا آخری باب ومبحث ملوکِ مصر کی علاقاتی تاریخ ہے۔

اس رجحان نے اسلامی تاریخ کے تسلسلِ زمانی اور ترتیب واقعاتی کا شعور پیدا کیا جو تاریخی شعور کا تسلسل وارتباط بھی کہا جاسکتا ہے۔ سیرت وحیاتِ نبوی سے جو اسلامی تاریخ کا سلسلہ شروع ہوا تھا وہ بلا کسی انقطاع کئی صدیوں تک خلفاء اسلام کے زمانے میں جاری رہا۔ اسی تاریخی حقیقت نے مسلم مورخین کا وہ طبقہ پیدا کیا جو عالمی اسلامی تاریخ نگاری کا علمبردار تھا۔ چونکہ اسلام کا آغاز ابتدائے آفرینش یا بعثتِ حضرت آدمؑ سے ہوا تھا جو اپنی تشکیل وتکمیل کے مختلف ارتقائی مدرج اور گوناگوں ارتباطی مراحل سے گذرنے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ آخریں پر مکمل ہوا اس لئے مورخین اسلام کے اس آفاقی نقطۂ نظر کے حامل طبقہ نے اسلامی تاریخ کا سلسلہ ابتدا سے کیا اور اسے اپنے اپنے زمانے یا وقتِ تالیف تک لے گئے۔ اس کے نتیجے میں سیرتِ نبوی تاریخ اسلام کا ایک باب بن گئی۔ لیکن چونکہ وہ اسلام کا تکمیلی مرحلہ تھا اس لئے اس پر مورخین اسلام نے مناسب اور کافی توجہ دی، لہذا ہر کتابِ تاریخ میں سیرت نبوی کا باب بہت مفصل ومشرح اور مدلل پایا جاتا ہے۔

اس رجحانِ سیرت نگاری کی نمائندہ کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چند نمائندہ اور اہم ترین کتابوں کا ذکر درج ذیل ہے: یعقوبی کی "تاریخ"، طبری کی "تاریخ الرسل والملوک"، مسعودی کی کتاب "التنبیہ والاشراف" اور "مروج الذھب"، ذہبی کی "اول الاسلام"، ابن کثیر کی "البدایۃ والنہایۃ"، ابن خلدون کی "تاریخ"، ابن اثیر کی "الکامل فی تاریخ"، ابن جوزی کی "المنتظم فی تاریخ الملوک والامم"، ابن شاکر کتبی کی "عیون التاریخ" وغیرہ۔

اجتماعِ سیرت وتاریخ علاقہ

زمانی مناسبت اور تسلسل کے علاوہ سیرت نگاری میں مکانی مناسبت وتعلق کا رجحان بھی پیدا ہوا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ورشتہ اگر کسی شہر، ملک یا علاقہ سے رہا تھا تو اس کی تاریخ میں پہلا اور مقدمہ کتاب سیرت نبوی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طور پر مقامی تاریخ میں سیرتِ نبوی کا کافی وقیع حصہ پایا جاتا ہے جس میں بسا اوقات مکانی تعلق کی بنا پر نئی معلومات اور سیرت نگاری کی نئی جہات نظر آتی ہیں جن کا سراغ عمومی سیرتوں میں نہیں پایا جاتا۔ مقامی تاریخ کی کتابوں میں سرفہرست اس لحاظ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تواریخ ہیں جیسے ازرقی (م ۲۲۳ھ/ ۸۳۷ء) کی کتاب اخبار مکۃ یا فاکہی

(۲۷۲ھ/حدود ۸۸۵ء) کی توسیع وتکملۂ کتاب زرقی "المنتقی من اخبار ام القریٰ"، محمد بن احمد الفاسی (م ۸۳۲ھ/ ۱۴۲۸ء) کی کتاب "العقدالثمین فی تاریخ البلد الامین" اور "شفاء الغرام باخبار البلد الحرام" ابن النجار (م ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء) کی کتاب " نزھة الوریٰ فی اخبار ام القریٰ"، مقریزی کی کتاب "الاشارة والاعلام ببناء الکعبة والبیت الحرام" وغیرہ۔ صلاح الدین المنجد نے تاریخِ مکہ مکرمہ سے متعلق قدیم وجدید کتابوں میں سے تقریباً تیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اوران میں سے بیشتر میں سیرت نبوی کا باب ضرور موجود ہے جو بسا اوقات مکی عہد تک ہی محدود ہے۔

ظاہر ہے کہ مقامی تاریخ کے لحاظ سے مدینہ منورہ کی تاریخ پر لکھی جانے والی تمام کتابوں میں نہ سہی بیشتر کتب میں ضرور سیرت نبوی کا مواد اوراس کی کافی تفصیلات ملتی ہیں۔ صلاح الدین المنجد نے لگ بھگ پچاس ایسی کتب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سمہودی (م ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) کی "وفاء الوفا بأخبار دار المصطفی" سب سے زیادہ مشہور ہے۔ علامہ سمہودی نے اس موضوع خاص پر مزید کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسری مطبوعہ کتابیں ہیں: سخاوی (م ۹۰۲ھ/ ۱۴۹۶ء) کی "التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینة الشریفة"، محمد بن خضر الرومی الحنفی (م ۹۴۸ھ/ ۱۵۴۱ء) کی "التحفة اللطیفة فی عمارة المسجد النبوی وسور المدینة الشریفة" وغیرہ۔ مدینہ منورہ کی تاریخ ہو یا مکہ مکرمہ کی، ان دونوں مقامی تاریخوں میں سیرتِ نبوی کا حصہ پایا جاتا ہے۔ زمانۂ تاریخ کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی صدیوں سے جدید زمانے تک ان دونوں حرمین شریفین کی تاریخ لکھی گئی اوراس مناسبت سے سیرتِ نبوی کا مواد بھی مرتب کیا گیا۔

اسی مکانی مناسبت اور تعلق کے بنا پر بعض اور کتابوں میں بھی سیرت نبوی کا حصہ پایا جاتا ہے جن کا تعلق دوسرے شہروں یا ملکوں سے ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ بابرکات کے کسی مرحلہ میں اس کی زیارت کی تھی یا اس کا سفر کیا تھا۔ اس کی بہترین اور نمائندہ مثال حافظ ابن عساکر (م ۵۷۱-۴۹۹ھ/ ۱۱۰۵-۷۵ء) کی کتاب "تاریخ مدینة دمشق" ہے۔ اس کی ابتدائی جلدیں سیرتِ نبوی کا کافی حصہ موجود ہے اور حافظ موصوف نے دمشق/شام کے سفر نبوی کے حوالے سے سیرتِ نبوی کا آغاز کیا ہے اور پھر پلٹ کر پوری سیرتِ نبوی کو شاملِ کتاب کرلیا ہے۔ جدید محققین نے اس حصۂ سیرت کو الگ کرکے دو ضخیم جلدوں میں سیرتِ نبوی کے عنوان سے چھاپ دیا ہے۔ اس

نوع کی دوسری کتاب علی بن حسن خزرجی (م ۸۱۲ھ/ ۱۴۰۹ء) کی "تاریخ الیمین" ہے جس میں کافی مواد سیرتِ نبوی پر ہے۔ظاہر ہے کہ بعض دوسرے امصار و دیار کی مقامی تاریخوں میں بھی سیرتی مواد پایا جاتا ہے بشرطیکہ ان کا کوئی تعلق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی طرح کا بھی رہا ہو۔

موضوعاتی سیرت نگاری: اطراف ومتعلقات سیرت

وقت گذرنے کے ساتھ سیرت نگاری میں ایک اہم رجحان یہ ابھرا کہ بالخصوص بعد کی صدیوں میں کہ مختلف نقطۂ نظر یا موضوعاتی پہلو سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وسیرت پر کتابیں لکھی گئیں۔ جامع وشامل سیرت کی کتابوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کامل سوانح اور واقعات کا استقصا کیا گیا تھا وہ زمانی ترتیب یا تاریخی تسلسل کے اعتبار سے تھا یعنی واقعات جس ترتیب اور حالات جس نظم کے ساتھ وجود میں آئے ان کا تذکرہ تیار کیا گیا۔ بعض سیرت نگاروں نے صرف سیرتِ نبوی کے ایک پہلو کو بنیاد ونہاد بنایا جس کا ایک اہم نمونہ یا رجحان غزوات وسرایا کی مخصوص کتابوں میں نظر آتا ہے۔

تاریخ وسیرت کے دو رجحانات کی آمیزش کا شعور وادراک مورخین کو یکے از اطرافِ سیرت کی نگارش کی طرف لے گیا۔ اس میں کافی دخل "حولیات نگاری" کے رجحان کا بھی تھا جس کے ائمہ فن دوسری/ آٹھویں صدی میں بالخصوص دیارِ عراق میں منظر عام پر آئے۔ ان میں سیف بن عمر تمیمی، عوانہ بن حکم کلبی، ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی، علی بن محمد مدائنی، ہیثم بن عدی وغیرہ بہت ممتاز تھے۔ ان "حولیات نگاروں" نے صرف ایک مسئلہ تاریخ یا موضوع سیرت کو محور فکر ونظر بنایا اور چھوٹے چھوٹے کتابچے اور مختصر مختصر سے رسالے لکھے جیسے غزوۂ بدر پر ایک آزاد کتابچہ، یا جنگِ جمل، جنگ صفین، واقعہ تحکیم وغیرہ پر آزاد کتابچے۔

حولیات نگاروں کا یہ طریقۂ تالیف اور منہج فکر سیرت نگاروں نے بھی اپنا لیا۔ دوسرا سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب سیرت نگاری پر اہم اور جامع ومانع کتابوں کا پورا دفتر تیار ہوگیا اور موضوع کے اعتبار سے اس میں مزید اضافہ کی گنجائش کم نظر آئی یا سرے سے معدوم ملی تو صاحبانِ بصیرت نے اپنی طبعزاد نگارش کے لئے مکمل سیرت کی بجائے اس کے ایک پہلو کو اختیار کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اگرچہ سیرت نگاری میں ثواب کمانے اور محض تبرک کے حصول کی خاطر بہت سے قدیم اور ان کے ساتھ

ساتھ یا ان سے کہیں زیادہ جدید سیرت نگار چند امہاتِ کتب سے مواد نقل کر کے کامل سیرت کی کتابوں کے انبار لگاتے رہے۔

فہرست نگاری

مختلف زاویہ ہائے نظر سے سیرت لکھنے کا ایک رجحان تو تیسری/نویں صدی ہی سے یہ نظر آتا ہے کہ حیاتِ طیبۂ نبوی اور سیرت مقدسۂ رسولی کے واقعات، حالات، معاملات اور امور و سوانح کی فہرست سازی کی جائے ۔ اسے ہم جدید اصطلاح میں فہرست نگاری یا تاریخ و سیرت کی فہارس نویسی (Tabulary Biography or Historiography) کہہ سکتے ہیں جس میں شخصیت کے سوانح یا عہد کے واقعات کو مسلسل تذکرہ کی صورت میں نہیں لکھا جاتا بلکہ شخصیت یا عہد سے متعلق امور واشیاء کی موضوعاتی فہرست تیار کی جاتی ہے۔ سیرت نگاری کے ابتدائی زمانے میں خاص کر اولین مؤلفین سیرت کے عہد میں بھی اس کے بعض نمونے ملتے ہیں مثلاً معمر بن راشد بصر (م۱۵۴ھ/۷۷۰ء) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے مہاجرین حبشہ اور مہاجرین مدینہ کے علاوہ اصحابِ بدر اور مجاہدین احد وغیرہ کی فہرستیں تیار کی تھیں۔ ایسی فہرستوں کی تیاری کا سہرا بعض اور مؤلفین کے سر بھی باندھا جاتا ہے۔

لیکن اولین عہد کی فہارس سیرت یا تو امتدادِ زمانہ سے طاقِ نسیاں کی زینت بن گئیں یا سیرت نگاروں کے شوقِ فراواں کے ہاتھوں ان کی کتبِ سیرت میں مدغم ہوگئیں۔ تیسری/نویں صدی سے ایسی فہرست نگاریٔ سیرت کا ایک عمدہ سلسلہ محمد بن حبیب بغدادی (م۲۴۵ھ/۸۵۹ء) اور ان کے ہمعصروں یا جانشینوں کی کتابوں میں نظر آتا ہے اور حسنِ اتفاق سے ہمارے پاس موجود بھی ہے۔ بغدادی نے اپنی کتاب المحبر میں ایسی بہت سی فہارس دی ہیں جو سیرت نبوی اور عہد نبوی سے بحث کرتی ہیں۔ مثلاً دو تین صفحات میں پوری سیرت نبوی بیان کرنے کے بعد دوسرے بعض عنوانات ہیں: حج قائم کرنے والے مسلم حکمراں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ افراد، عاتکہ نامی امہات نبوی یا فاطمہ نامی جدات نبوی، صاحبزادیوں، ان کے شوہروں اور اولادوں کا تذکرہ وغیرہ۔ اس نوعیت کی دوسری اہم کتاب ابن قتیبہ دینوری (م۲۷۰-۲۱۲ھ/۸۳-۸۲۶ء) کی کتاب المعارف ہے جس میں اسلامی تاریخ کے موضوعات بھی شامل ہیں۔ نبوی عہد و سیرت سے متعلق معلومات ہیں: عشرہ مبشرہ اور دوسرے

صحابہ کرام کی سوانح، مؤلفۃ القلوب، منافقین غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے اصحاب کا تذکرہ، آباؤ اجداد، امہات، اخوال عمات، آظار (دودھ پلائیوں)، ازواج، اولاد وموالی، خیل، احوال، غزوات کی فہرستیں وغیرہ۔ بغدادی اور ابن قتیبہ کے موضوعات میں کافی مشابہت ہے۔

اسوہ وحقوق نگاری

مختلف نقطۂ ہائے نظر سے سیرت نگاری کا جو رجحان بعد کی صدیوں میں پیدا ہوا ان میں سے ایک بہت اہم اور ہمہ گیر ووسیع رجحان قاضی عیاض اندلسی (۴۷۶-۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳-۱۱۴۹ء) کی کتاب "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" میں نظر آتا ہے اور اسی کی توسیع حسین حافظ ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ/۱۲۹۲-۱۳۵۰ء) کی "زاد المعاد فی ھدی خیر العباد" میں زیادہ خوبصورت انداز میں ملتی ہے۔ قاضی عیاض کا موضوع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کو اجاگر کرنے سے زیادہ آپ کی عظمت وبزرگی کو واضح کرتا ہے۔ عظمت وبزرگی کو وہ صرف مادی وجسمانی نہیں تسلیم کرتے بلکہ روحانی اور اخلاقی بھی بتاتے ہیں۔ اور ان دونوں کا بلندترین اجتماع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات میں دیکھتے ہیں اور اسی محور کے گرد وہ تمام موادِ سیرت کو اپنے حسین اسلوب میں گردش کراتے ہیں۔ یہ دراصل رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کی معرفت اور اسوۂ نبوی کی تقلید کی ایک رہنما کتاب ہے۔

حافظ ابن قیم کی کتاب کے عنوان سے ہی اس کا موضوع، منہج اور مواد سمجھ میں آتا ہے، وہ سیرتِ نبوی کو تمام انسانوں کے لئے کتابِ ہدایت اور زادِ حیات کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنے ظرف وتمنا کے مطابق دامن بھرلے قاضی عیاض سے ایک قدم بڑھ کر وہ سوانح حیات کو بھی کافی تفصیل کے ساتھ اپنے مخصوص انداز اور مدلل اسلوب میں پیش کرتے ہیں اور سیرت کو سنت کا ایک وسیع وہمہ گیر باب بنا کر دکھانے کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے قابلِ تقلید سنتوں اور باعثِ فوز وفلاح طریقوں کو باب در باب اور موضوع بہ موضوع بیان کرتے ہیں اور پوری انسانی زندگی کے لئے ایک نسخۂ کیمیا سیرتِ نبوی سے فراہم کرتے ہیں۔

اگرچہ اس موضوع کو کم سیرت نگاروں نے اختیار کیا تاہم قدیم وجدید زمانے میں اس پر متعدد

کتابیں لکھی گئیں۔ قاضی عیاض کی کتاب ان کے شارح خفاجی کے مطابق ان کے ایک پیشرو امام ابن سبع کی ''الشفاء'' نامی کتاب پرمبنی تھی۔ لیکن قاضی عیاض کو شہرت ومقبولیت ملی اور آج ابن سبع کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ حافظ ابن قیم کے پیشروؤں میں ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۸ء) اور جعفر بن محمد المستغفری (م ۴۳۲ھ/ ۱۰۴۰ء) کا نام المنجد نے گنایا ہے جب کہ ان کے جانشینوں میں بھی کئی اہم اہل قلم کے اسماء گرامی نظر آتے ہیں۔

موضوعاتِ سیرت کی تقسیم المنجد

موضوعات کے اعتبار سے سیرت نگاری کا باب بہت وسیع ہے۔ اس لئے ہم صلاح الدین المنجد کی اختیار کردہ تقسیم کو بیان کردیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی معجم سیرت کو مختلف اقسام میں بانٹا ہے۔ قسم اول میں پندرہ فصول ہیں: عصر نبوی، مکہ مکرمہ، ولادت، اسماء گرامی، ختنہ، رضاعت، نسب، نسب وفضل قریش، اسلاف، آباء واجداد، والدین، امہات، اعمام اور قبلِ رسالت کی حیات۔

قسم دوم کے بارہ موضوعات ہیں: بشارتیں، اعلام نبوت، نبوت محمدی، ختم نبوت، وحی، قرآن کریم امیت نبوی، معجزات، اسراء ومعراج، اثباتِ نبوت، منافقین وموذیانِ عصر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنواسرائیل۔

قسم سوم کے اکیس موضوعات ہیں: ہجرت، مدینہ منورہ، تنظیم حکومت، سیرت نبوی، مغازی، مشاہد، فتوح، صحابۂ کرام وخلفائے راشدین، کاتبین، نکاح کردہ حضرات، مماثل ومشابہ، ردیف، سفیر، صلح، معاہدے، وفود، عمال، اموال، اقطاع، طعم اور مسجد وروضہ، جب کہ قسم چہارم میں صرف دو موضوعات حلیہ وصفت اور موئے مبارک کا ذکر کیا ہے۔

پانچویں قسم میں پھر اکیس فصول ہیں: عصمت، اخلاق، صداقت، خصائص، مناقب، شمائل، فضائل، شجاعت، افعال، حقوق، عظمت، شرف، مفاخر، علوئے مرتبت، شخصیت، فضل، آداب، شجاعت وشہسواری، نوادر ومزاح، شعر فہمی اور جنگی عبقریت۔

قسم ششم کے بارہ فصول ہیں: ازدواجِ مطہرات، اولاد وآل، اہلبیت، خدام وموالی، لباس، آلات وہتھیار، نعلین شریفین، خیل، علم، وفات، ترکہ اور آثار نبویہ۔ ساتویں قسم کے تین موضوعات ہیں: وضو، نماز، حج۔

قسم ہشتم میں پھر اکیس فصول ہیں: حدیث، جوامع العلم، اذکار وادعیہ، محاورات، الفاظ، قراءات، اجتہاد، قضایا، فتاویٰ، فقہ، احکام، وصایا، تفسیر، منہیات، اقسام، خطبات، قیاسات، حکم، امثال، تاویل اقوال اور طیب نبوی۔

نویں قسم کے صرف دو موضوعات ہیں: درود وصلوٰۃ اور مدح ونعت جبکہ دسویں قسم میں بارہ فصول ہیں: رویت وخواب توسل واستعانہ وشفاعت، رسائل شکویٰ واستغاثہ، عبادت، اقتداء، ہدایائے قربت، ایمان، زیارت، سنت کا دفاع، وصل وصول خدمت اور سب رسول کی حرمت۔ گیارہویں قسم کے تین موضوعات ہیں: ہدایت، سنت، رسالت وپیغام اور طریقہ۔ بارہویں قسم میں دو فصلیں ہیں: ایک اسلام کے مطالعات پر ہے اور دوسرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شخصیت کے بارے میں مختلف النوع دراسات پر ہے۔

شروح وحواشی سیرت

سیرت نگاری کا ایک براہ راست اور عمدہ رجحان جسے تاریخ ساز بھی کہا جاسکتا ہے اہم کتب سیرت کی شرح نگاری میں نظر آتا ہے۔ تہذیب وتلخیص اور شرح کا سب سے عمدہ نمونہ ابن ہشام کی "السیرۃ النبویۃ" ہے جو ابن اسحاق کی کتابِ سیرت پر مبنی ہے۔ ابن ہشام کی تہذیبِ سیرت کو اتنی مقبولیت ملی کہ خود اس کی متعدد شروح مختلف زمانوں میں لکھی گئیں۔ ان میں سے اہم ترین یہ ہیں: امام سہیل (۸۱-۵۰۸ھ) کی "الروض الانف" جو اپنی شاندار تحقیقات، نئی معلومات اور علمی وتقابلی مطالعات کی وجہ سے خود ایک کلاسیکی ماخذ کا درجہ اختیار کرگئی ہے۔ ابوذر خشنی (م۶۰۴ھ) کی "الاملاء المختصر فی شرح غریب السیرۃ"، ابن حجۃ حموی (م۸۳۷ھ) کی "بلوغ المرام من سیرۃ ابن ھشام والروض الانف والاعلام"، امام خازن (علی بن محمد بغدادی م۷۴۱ھ) کی "الروض والحدائق فی تھذیب سیرۃ سید الخلائق"، امام محمود بن احمد العینی (م۸۵۵ھ) کی "کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ھشام"۔ ان کے علاوہ بھی بعض شروح ابن ہشام ہیں جو قدیم وجدید دونوں زمانوں میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

ابن ہشام کی سیرت کے بعد حافظ ابن سید الناس (۷۳۴-۶۷۱ھ) کی کتاب "عیون الاثر

فی فنون المغازی والشمائل والسیر"، بہت اہم کتاب ہے جس کی متعدد شروح وحواشی لکھے گئے۔ جیسے یوسف بن عبدالہادی الصالحی (م۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء) "الاقتباس لحل مشاکل سیرۃ ابن سید الناس"، محمد احمد بن عبدالہادی الصالحی الدمشقی (م۷۴۴ھ/۱۳۴۳ء) کی "اقتباس الاقتباس لحل شکل سیرۃ ابن سید الناس"، عزالدین محمد بن ابی بکر (م۸۱۹ھ/۱۴۱۶ء) کی "شرح سیرۃ ابن سیدالناس (انسان العیون)" احمد بن ابراہیم سبط ابن العجمی (م۸۱۸ھ/۱۴۱۵ء) کی "النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس"، ابراہیم بن محمد بن خلیل سبط ابن العجمی (م۸۴۱ھ/۱۴۳۷ء) کی "نور النبراس فی شرح سیرۃ سید ابن الناس"۔

بعض شروح وحواشی کو طبعزاد کتب سیرت کی مانند شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں سب سے اہم امام حلبی (۹۷۵-۱۰۴۴ھ/۱۵۶۷-۱۶۳۴ء) کی "انسان العیون فی سیرۃ الأمین المامون" ہے جو سیرت طیبہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے اور اصلاً امام شامی (محمد بن یوسف دمشقی ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) کی کتاب "سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" کی شرح ہے۔ المنجد کا خیال ہے کہ اس میں امام ابن سیدالناس کی کتاب کی بھی تلخیص یا شرح ہے۔ دوسری اہم شروح وحواشی سیرت حسب ذیل ہیں: علی البشر المسی (م۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء) کا قسطلانی کی کتاب "المواھب اللدینة" پر حاشیہ، محمد بن احمد الشوبری (م۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کا بھی "حاشیہ علی المواھب اللدینة للقسطلانی"۔ لیکن اس کتابِ مستطاب کی شروح میں سب سے زیادہ شہرت واہمیت محمد بن عبدالباقی زرقانی (م۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء) کی "شرح المواھب اللدینة" کو حاصل ہوئی۔ صلاح الدین المنجد اور دوسرے ماہرین کتابیات کا خیال ہے کہ اس کتاب پر بہت سے حواشی اور شروح لکھے گئے۔ محمد بن محمد بن الجزری (م۸۳۳ھ/۱۴۲۹ء) کی "ذات الشفافی سیرۃ المصطفیٰ" کی شرح محمد بن حسن القاری البصری الشہر زوری (م۱۱۸۰ھ/۱۷۶۷ء) نے "رفع الخفا عن ذات الشفا فی سیرۃ المصطفیٰ لا بن الجزری" کے عنوان سے لکھی۔

حافظ مغلطائی کی سیرت کی شرح امام بدرالدین عینی (م۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء) نے بھی لکھی تھی۔ حافظ عراقی (م۷۲۵-۸۰۶ھ/۱۳۲۵-۱۴۰۴ء) کی "الفیہ" کی بھی کئی شروح لکھی گئیں جیسے عبدالرزاق المناوی (م۹۵۲-۱۰۲۲ھ/۱۵۴۵-۱۲۲۳ء) کی "العجالة السنية علی الفية السيرة النبوية"، علی

بن محمد الاجھوری الوفائی (م ۱۰۶۶ھ/۱۶۵۵ء) کی "شرح الفیة السیر للحافظ العراقی" وغیرہ۔

شروح وحواشی کا رجحان وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کافی گہرا اور وسیع ہوتا گیا کیونکہ اصل اور طبعزاد کتبِ سیرت لکھنے کی صلاحیت باقی نہ بچی تھی یا وہ شاہکار کتابوں سے اتنے متاثر ومرعوب ہو چکے تھے کہ انہوں نے خود اصل کتابیں لکھنی بے سود سمجھی۔ بہر حال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سی کتابیں اپنی ذات وصفات کی بنا پر شروح وحواشی کی متقاضی بھی تھیں جیسے ابن اسحاق، ابن ہشام، قاضی عیاض قسطلانی اور مغلطائی وغیرہ کی کتابیں۔ ان کتابوں میں الفاظ وتراکیب اور اشعار کی تشریح وغیرہ کے علاوہ سیرت نبوی کے روایات ومعلومات سے بھی تعرض کیا گیا ہے۔ اور متنِ کتاب کی بسا اوقات تہذیب وتصحیح کی گئی ہے مگر زیادہ تر ان پر اضافہ اور جلا کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ شروح نگاروں اور حواشی نویسوں نے دوسرے مصادر سیرت سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

شروح در شروح نگاری

کتبِ سیرت کے شروح وحواشی لکھنے کے جو محرکات وعوامل تھے ان میں سے چند اگر سب نہ سہی شرح در شرح اور حواشی بر حواشی لکھنے کے باعث بھی بنے۔ شرحوں کی شرح لکھنے کا رجحان آخری صدیوں میں نظر آتا ہے اور اس کا سب سے بڑا محرک بعض شروح کی کلاسیکی عظمت، فنی حیثیت اور ادبی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ نئی معلومات بھی ایک وجہ تالیف ہو سکتی ہے۔ ایسی کتابوں میں سب سے اہم سہیلی کی "الروض الانف" کی شرحیں تھیں۔ شروحِ سیرتِ ابن ہشام کے ضمن میں ذکر آچکا ہے کہ ابن حجہ حموی نے اپنی "بلوغ المرام" میں ابن ہشام کے ساتھ "الروض الانف" کی شرح بھی کی تھی۔ ایسی کتابوں کی تالیف میں بھی معلومات وروایات کا اضافہ ملتا ہے اور متنِ کتاب کی تشریح وتعبیر بھی، لیکن ان میں جزوی اضافات ہوتے ہیں جو فنِ سیرت کو آگے بڑھانے سے زیادہ الفاظ وعبارات کی تسہیل وتفہیم کا کام زیادہ کرتے ہیں۔ ایک پہلو سے دیکھا جائے تو ان کا فائدہ بھی کچھ کم نہیں اور تو اور بعض مختصرات کی شرح وتفسیر بھی لکھی گئیں جیسے حسن بن علی القسطینی (م ۷۸۷ھ/۱۳۸۵ء) نے ابن النفیس کے مختصر کی شرح "فرائد الدرر وفوائد الفکر فی شرح مختصر السیرة لا بن فارس" کے عنوان سے لکھی تھی۔ ایسے مختصرات کی شروح وحواشی بھی کافی ہیں جن کا ذکر المنجد وغیرہ کتابیات سیرت نگاروں

کے ہاں ملتا ہے۔ نثری کتب سیرت کے علاوہ منظوم تالیفات سیرت کی بھی شروح ملتی ہیں جن میں عراقی کی مشہور عالم الفیہ کی شروح سرفہرست اور ممتاز ہیں جیسے المناوی کی شرح الفیہ وغیرہ۔ منظوم سیرتوں کی شروح معلومات کے اعتبار سے بہت وقیع ہیں کیونکہ نظم میں مضمون کی محدودیت اور پابند ہونے کے سبب معلومات پوری طرح سموئی نہیں جاسکتیں۔ شرح نگار اس کمی کو پورا کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کی شروح متن کتاب کے مقابلہ میں زیادہ "سیرتی" مصدر بن جاتی ہے جیسا کہ الفیہ عراقی اور شرح مناوی کے تقابل مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

مختصر و تلخیص نگاری

سیرت نگاری میں شرح، اختصار و تلخیص اور تہذیب کی بنا ابن ہشام نے ڈالی تھی۔ ان کے بعد یہ اختراع تین الگ الگ رجحانات کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اول شرح و تعبیر، دوم اختصار و تلخیص اور سوم تہذیب و ترتیب۔ شروح وحواشی کے رجحان کے ساتھ ساتھ اختصار و تلخیص کے رجحان نے بھی متعدد سیرت نگاروں کو متاثر کیا اور اس کے تحت بہت سوں نے اہم کتب سیرت یا پسندیدہ تالیفات کے خلاصے اور مختصرات اپنے اپنے انداز اور اپنی اپنی زبان میں کیے۔ اختصار و تلخیص کا رجحان دو ممتاز صورتوں میں جلوہ گر ہوا۔ ایک صورت یہ رہی کہ سیرت نگار کسی ایک کتاب یا چند کتب سیرت کو سامنے رکھتا اور اپنی زبان و اسلوب اور انداز و ادا میں ایک طبعزاد قسم کی تلخیص تیار کرتا۔ بالعموم یہ طرز نگارش اصل و طبعزاد تالیفات کا ہے۔ ایسی تلخیصات و مختصرات بہت وقیع بھی ہیں اور کثیر بھی۔ ان میں نمائندہ کتابیں یہ ہیں: احمد بن فارس (م ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء) کی "اوجز السیر لخیر البشر"، علی بن محمد خلاتی (م ۷۰۸ھ/ ۱۳۰۸ء) کی مختص "السیرۃ النبویۃ"، ابن عبدالبر قرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۸-۱۰۷۰ء) کی "الدرر فی اختصار المغازی والسیر"، ابن حزم اندلسی (۳۸۴-۴۵۶ھ/ ۹۹۴-۱۰۶۳ء) کی "جوامع السیرۃ"، محب الدین طبری (م ۶۱۵-۶۹۴ھ/ ۱۲۱۸-۱۲۹۴ء) کی "خلاصۃ سیر سید البشر"، ابن کثیر دمشقی (۷۰۱-۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱-۱۳۷۲ء) کی "الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول"، ابوالفداء اسمٰعیل (۶۷۲-۷۳۲ھ/ ۱۲۷۳-۱۳۳۱ء) کی "مختصر تاریخ البشر/ "المختصر ف اخبار البشر ابن النفیس" (علی بن ابی الحزم

(م ۶۸۷ھ/ ۱۲۸۸ء) کی "الرسالة الكاملية في السيرة النبوية"۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی تلخیصات طبعزاد ہیں جو قدیم زمانے میں لکھی گئیں جیسے عبدالباسط ملطی (م ۹۲۰ھ/ ۱۵۱۴ء) کی "غاية السول في سيرة الرسول"، عبدالمومن بن خلف دمیاطی (م ۷۰۵ھ/ ۱۳۰۵ء) کی "المختصر في سيرة سيد البشر"۔ دور جدید میں علامہ شبلی نعمانی نے "بدء الاسلام" کے نام سے ستاون صفحات کا ایک مختصر سیرت لکھا ہے یا محمد صالح بن احمد الدمشقی کی "تلخيص السيرة النبوية" ہے۔ ان کے علاوہ عطیہ بن محمد البشاری، محمد رشید رضا علی الفضیل، محمد بن عبدالوہاب کی کتابیں ہیں۔

مذکورہ بالا تو وہ مختصرات ہیں جو آج موجود و متداول ہیں۔ لیکن بہت سے ایسے اصل و طبعزاد خلاصے تھے جو یا تو کتب خانوں میں مخطوطات کی شکل میں مدفون ہو کر رہ گئے یا وہ طاقِ نسیان و دریچۂ فقدان کی زینت بن گئے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے صرف چند کے نام بطور مثال درج ہیں: ابوعیسیٰ اللیثی کی اختصار سیرۃ الرسول، ابن عربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کی "اختصار السيرة النبوية"، یحییٰ بن حمزہ (م ۷۴۷ھ/ ۱۳۴۶ء) کی "خلاصة السيرة النبوية"، یحییٰ بن ابی بکر العامری (م ۸۹۳ھ/ ۱۴۸۸ء) کی "بهجة المحافل وبغية الاماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل"، عبدالرحمٰن الخثعمی الاشبیلی کی "الدرر في اختصار السير"، علی بن محمد الکازرونی (م ۶۹۴ھ/ ۱۲۹۴ء) کی "سيرة النبي"، ابن الزیات اکلاعی (م ۷۳۰ھ/ ۱۳۲۹ء) کی "قرة عين السائل وبغية نفس الآمل في اختصار السيرة النبوية"۔

تلخیصات و مختصرات کی دوسری نوع ان کتابوں کی ہے جو اصل و طبعزاد کتابیں نہیں بلکہ کسی ایک خاص کتاب سیرت کا خلاصہ اور لب لباب پیش کرتی ہیں۔ ان میں بھی بعض کتابیں اپنی زبان و بیان، اسلوب و ادا اور طریق و منہج کی بنا پر اصل کتابوں کا درجہ حاصل کر گئی ہیں۔ ایسے مختصرات میں قدیم و جدید دونوں ادوار کی علمی اور سیرتی کاوشیں ملتی ہیں اور ان میں سے بعض بہت اہم مصادر بن گئے ہیں۔ ابن ہشام کے علاوہ دوسرے اہم مختصرات خاص کر خود ابن ہشام کی تلخیصات کی تعداد کافی ہے لہٰذا پہلے ابن ہشام کی سیرت کی تلخیصات و خلاصے: احمد بن ابراہیم الواسطی (م ۷۱۱ھ/ ۱۳۱۱ء) کی "مختصر سيرة ابن هشام"، المؤید باللہ یحییٰ بن حمزہ بن علی (م ۷۴۷ھ/ ۱۳۴۶ء) کا "خلاصة السيرة النبوية"، محمد بن ابی بکر بن جماعۃ (م ۸۱۹ھ/ ۱۴۱۶ء) کا مختصر اور بعض دوسرے مختصرات و خلاصے جن کا ذکر ابن

ندیم، حاجی خلیفہ، فواد سزکین وغیرہ نے کیا ہے۔

دوسری تلخیصات میں اہم ترین اور چیدہ ترین کتابیں تعداد میں کافی ہیں۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جو مؤلف کی اپنی مفصل ومطول کتابوں کی اپنی تلخیصات ہیں اور یہ نوع کافی دلچسپ ہے۔ ان میں سے ایک تو حافظ ابن سید الناس کی کتاب سیرت "عیون الاثر" کی تلخیص ہے جو مصنف گرامی نے خود اپنے قلم سے "مختصر عیون الاثر" یا "نور العیون فی تلخیص سیرة الامین الامامون" کے عنوان سے کی تھی لیکن اصلاً وہ محب طبری کے مختصر کی تلخیص ہے۔ دوسری حافظ مغلطای کی "سیرت مغلطائی" ہے جو ان کی مفصل کتابِ سیرت "الزهر الباسم في سيرة ابی القاسم" کی تلخیص ہے حافظ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) نے اپنی مفصل سیرت کی ایک تلخیص "خلاصۃ الوفاء" کے عنوان سے کی تھی۔

لیکن زیادہ تر ایسے خلاصے اور مختصرات ہیں جو دوسرے مؤلفین کی کتابوں کے بعد کے خلاصہ نگاروں نے کئے ہیں۔ جیسے ابراہیم بن محمد بن المرحل (م ۶۱۱ھ/۱۲۱۴ء) کی تلخیص سیرہ ابن اسحٰق بعنوان "الذخيرة في مختصر السيرة" یا ابن مفرح اشبیلی (م ۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء) کی "اختصار اخبار محمد بن اسحاق"، احمد بن ابی بکر البکحیشی (م ۱۱۴۷ھ/۱۷۳۴ء) کی سیرت طیبہ کی تلخیص "خلاصة الاثر في سيرة سيد البشر"، سہیلی کی "الروض الانف" کی محمد احمد الکفیری الدمشقی (م ۸۳۱ھ/۱۴۲۷ء) کی تلخیص، "زہر الروض"، سیرت حلبیہ کی ایک تلخیص ہندی، عالم محمد کرامت علی دہلوی نے "السيرة العطرة: محمد خاتم الرسل" کے عنوان سے کی تھی جو چھپ چکی ہے۔ امام ذہبی (م ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء) نے بھی سہیلی کی "الروض الانف" کی تلخیص "المنتقى من الروض الانف" کے عنوان سے کی تھی۔

منظوم سیرت نگاری

سیرت نگاری کا ایک بہت اہم رجحان بعد کی صدیوں میں یہ پیدا ہوا کہ منثور/نثری کتابوں کے دوش بدوش سیرتِ نبوی پر منظوم کتابیں بھی لکھی گئیں۔ ان کے اہم محرکات وعوامل میں سے ایک تو شعراء کی فنی عقیدت کا اظہار وبیان تھا کہ وہ نظم ہی میں اپنی جولانیاں دکھا سکتے تھے۔ ایسی منظوم سیرتوں میں

مختلف نوع کی کتابیں نظر آتی ہیں۔ کچھ تو ایسی ہیں جو شاعر سیرت نگاروں نے اپنی ذہنی اپج کے تحت طبعزاد منظوم کیں۔ بہت سی ایسی بھی ہیں جن کی بنیاد کسی نثری تالیف پر رکھی گئی ہے۔ کچھ مفصل منظومات کی تلخیصات ہیں، بعض منظوم سیرتوں کی نثری شروح بھی لکھی گئی ہیں۔ بعض اندلسی صنف ارجوزہ میں مرتب کی گئی ہیں۔ صلاح الدین المنجد وغیرہ نے ایسے متعدد ''اراجیز سیرت'' کا ذکر کیا ہے۔ ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ المنجد نے سب سے زیادہ اہمیت ایک غیر اندلسی ارجوزہ یعنی امام سخاوی کے ارجوزہ کو دی ہے۔

منظوم کتب سیرت میں سب سے اہم حافظ زین الدین عراقی (۷۰۶-۷۲۵ھ/۱۴۰۴-۱۳۲۵ء) کی کتاب ہے جو ''الفیہ'' کے نام سے مشہور ہے مگر اس کا اصل عنوان ہے '' نظم الدرر السنیة فی السیرة الزکیة''۔ صلاح الدین المنجد اور دوسرے کتابیات نگاروں نے جو تحقیقات کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم میں سیرت نگاری یا منظوم سیرت نویسی کا سلسلہ کافی قدیم سے چلا آرہا تھا اور اس میں وہ قصائد اور نعتیں شامل نہیں ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں عہد نبوی سے ہی کہی گئیں، بلکہ ان منظومات کا بیان مقصود ہے جو سیرت نگاری کرتی ہیں۔ حافظ عراقی سے پہلے علی بن محمد سخاوی (م ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء) نے ایک ''ارجوزة فی سیرة النبی ﷺ'' لکھا تھا۔ احمد بن اسماعیل الدمشقی (م ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء) نے ''الدرر المنظوم فی سیرة النبی المعصوم''، فتح بن موسی مغربی اندلسی (م ۶۶۳ھ/۱۲۶۴ء) نے ''السول فی نظم سیرة الرسول''، عزالدین عبد العزیز بن احمد الدیرینی (م ۶۹۴ھ/۱۲۹۴ء) نے ''الشجرة فی سیرة النبی و اصحابه العشره'' کے عنوان جو ارجوزہ لکھا اس میں تین ہزار سے زیادہ اشعار تھے۔ دوسری منظوم کتب سیرت تھیں: ابراہیم بن محمد الحلبی (م ۹۵۶ھ/۱۵۴۹ء)، ''شرح نظم السیر''، احمد بن الحسین (م ۸۴۴ھ/۱۴۴۰ء)، ''شرح نظم السیرة''، ابن الشحنہ (م ۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء)، ''منظومة فی سیرة النبی ﷺ''، عراقی بن محمد الطاوسی (م ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء)، ''نظم السیرة''، فتح الدین بن الشہید محمد بن ابراہیم (م ۷۹۳ھ/۱۳۹۰ء)، ''فتح القریب فی سیرة الحبیب''۔ شمس الماعولی (م ۸۷۱ھ/۱۴۶۶ء) نے ''سیرة مغلطائی'' کو ''منحة اللبیب فی سیرة الحبیب'' کے عنوان سے نظم کیا تھا۔ جب کہ ابوحیان النحوی (م ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء) نے ابن سید الناس کی سیرت ''عیون الاثر'' کو نظم کا لباس پہنایا تھا۔ دوسری منظوم سیرتوں کے مولفین گرامی تھے: احمد بن عماد

الاقفہسی (م ۸۰۸ھ/ ۱۴۰۵ء)، ابراہیم بن عمر البقاعی (م ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء)، محمد بن محمد التقی بن فہد (م ۸۷۱ھ/ ۱۴۶۶ء)، محمد بن ابی بکر المراغی (م ۸۵۹ھ/ ۱۴۵۴ء)، المحب الہاتم محمد بن احمد (م ۸۱۵ھ/ ۱۴۱۲ء) اور احمد بن عیسی بن حجاج الافلیح الاندلسی۔ ظاہر ہے کہ یہاں متعدد شعراء اور منظوم سیرت نگاروں کا ذکر نہیں آسکا۔

اجتماع حدیث وسیرت کی کتب سیرت

روایاتِ سیرت اور اخبارِ نبوی کی جمع وتدوین کے لحاظ سے ایک اولین رجحان یہ پیدا اور مضبوط ہوا کہ اہل سیر کی روایات اخبار سے ہی اعتنا کیا گیا اور یہ رجحان کافی زمانے تک پہلی صدی سے لے کر جدید عہد تک جاری وساری رہا ہے۔ آج بھی بہت سی کتبِ سیرت صرف چند سیرت نگاروں کی کتابوں پر مبنی ہوتی ہیں اور ان میں دوسرے ماخذ سے استفادہ نہیں کیا جاتا جیسا کہ اولین سیرت نگاروں نے کیا تھا۔ لیکن ان کو ایک امتیاز حاصل تھا کہ وہ معتبر علمائے حدیث بھی تھے البتہ دوسری تیسری صدی کے بعد صرف اہل سیر پر انحصار کرنے کا رجحان نہ صرف تقویت وقبولیت حاصل کر گیا بلکہ وہ ایک طرح سے جمود کا بلکہ تعصب کا شکار بن گیا۔

پانچویں چھٹی/گیارہویں بارہویں صدی سے ایک نیا اور صحتمند رجحان شروع ہوا کہ مختلف سرچشموں سے سیرت کا مواد حاصل کیا جانے لگا۔ ایک طرح سے اس کا سہرا شرح نگاروں کے سر بندھتا ہے کہ انہوں نے سیرت کے علاوہ حدیث وقرآن، نسب وتاریخ وغیرہ سے روایات لیں اور ادب ولغت اور شعر وعروض وغیرہ کے مسائل کو بھی استعمال کیا۔ شارحین کرام نے دراصل ہر موضوع ومواد سے متعلق چیزیں اپنی کتابوں میں جمع کیں کہ ان کا مقصود کتابِ مستطاب کے ہر ہر لفظ یا ہر ہر بحث کی تشریح تھی، اس میں سہیلی اور زرقانی کے نام دوز مانوں کے نمائندوں کی حیثیت سے لئے جاسکتے ہیں۔

اسی زمانے کے بعد سیرت نگاروں کی وہ جامع صفات قسم اور امتزاجی طبقہ وجود میں آیا جس نے سیرت کی روایات کے پہلو بہ پہلو حدیث وسنت کی روایات بھی جمع کیں اور ان دونوں میں بسا اوقات تقابل بھی کیا، ان کا خیال تھا اور بجا تھا کہ سیرت کی روایات سے حدیث کی روایات زیادہ معتبر ہیں۔ اعتبار وافتخار کے علاوہ یہ بھی ان کا تصور تھا کہ سیرت نگاری میں حدیث کی کتابوں اور روایات کو نظر انداز

کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ سیرت کے لئے بہت شاندار اور وسیع مواد فراہم کرتی ہیں۔ حافظ ابن کثیر کو اس طبقہ کے بہترین نمائندہ کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔

غالبًا سیرتی روایات کی کمزوری اور بے اعتباری وجہِ خاص یا محرکِ اول نبی یا حدیث وسنت کی ثقاہت وصلابت کہ قرون وسطیٰ ہی میں یہ تصور ورجحان پیدا ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ خالص حدیثی روایات کی بنیاد پر لکھی جائے۔ اس کا ایک مختصر ومحدود نمونہ تو کبار محدثین جیسے امام بخاری وغیرہ کی کتبِ حدیث میں مل جاتا ہے۔ لیکن اس کو اصلاً کتبِ حدیث کا ایک باب سمجھ کر سیرت کی کتاب اور وہ بھی آزاد وخود مختار کتاب نہیں سمجھا گیا۔ البتہ بعض محدثین کرام نے جو خالص سیرتی کتب لکھیں ان میں حدیثی روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

لیکن خالص حدیثی روایات پر مبنی کتاب سیرت لکھنے کا رجحان دسویں/سولہویں صدی میں پیدا ہوا، ممکن ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسی کوئی کوشش کی گئی ہو مگر ہمارے محدود علم میں نہیں آسکی۔ اس زمانے میں امام ابن الدیبع شیبانی (عبد الرحمٰن بن علی شیبانی عبدری زبیدی (۹۴۴-۸۶۶ھ/ ۱۵۳۷-۱۴۶۱ء) نے اپنی کتابِ سیرت "حدائق الانوار ومطالع الاسرار فی سیرة النبی المختار ﷺ وعلی آله المصطفین الاخیار" میں اگرچہ روایاتِ سیرت سے کلی احتراز نہیں کیا ہے تاہم بنیادی طور سے حدیث پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔

دورِ جدید میں متعدد کتابیں اس نوع کی لکھی گئیں یا ان کے لکھنے کا دعویٰ کیا گیا۔ ان میں سب سے نمائندہ اور تازہ ترین کتاب ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی کتاب "السیرة النبویة الصحیحه" ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب ایک اچھی کاوش ہے اور اس میں تقابلی مطالعہ بھی نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن سیرتی روایات سے صرف نظر نہیں کیا جاسکا اور جہاں کیا گیا ہے وہاں اسی قدر سیرت کا باب ناقص رہ گیا ہے۔ اس کے بالمقابل مسعود احمد کی کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" اردو میں اس نوع کی اہم ترین کتاب ہے جو قرآن مجید کے علاوہ صحیحین کی روایات پر مبنی ہے۔ مولف گرامی نے کہیں کہیں دوسری روایات بھی لی ہیں لیکن وہ ثانوی یا تصدیقی نوعیت کی ہیں، اصل کتاب حدیث پر مبنی ہے اور بہت عمدہ کوشش ہے۔

تالیفات استشراق

عصر حاضر میں سیرت نگاری کے دو اہم رجحانات دوش بدوش مغرب و مشرق میں پھلتے پھولتے نظر آتے ہیں مغرب میں استشراق کی تحریک علمی کے زیر اثر دورے علوم وفنون کے ساتھ سیرت نگاری کا جذبہ بھی پیدا ہوا اور وہ وقت کے ساتھ پروان چڑھ کر جوان وتوانا ہوا۔ مستشرقین کی کتب سیرت یا استشراقی سیرت نگاری کو ہم کئی ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں: اولین دور تو اسلام کی مخالفت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر مبنی تھا اور اس دور میں سیرت نگاری سے زیادہ سیرت مسخ کرنے کی بدنما کوشش کی گئی۔ ان کتابوں میں زیادہ تر افسانوں اور اساطیر کی بنیاد ملتی ہے۔ دوسرا دور نسبتاً علمی کاوش کا بھی نظر آتا ہے لیکن وہ بھی غیر علمی زیادہ تھا اور کلیسا کی خدمت و مدافعت واحد مقصود تھا۔ تیسرا دور جو انیسویں صدی میں شروع ہوا اور آج تک جاری ہے صدہا بلکہ ہزار کتابوں کی تالیف کا باعث بنا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے سیرت نگاری مغرب میں نسبتاً تجزیاتی مطالعہ اور علمی نقطۂ نظر شروع ہوا اور اب تک برابر جاری ہے۔

معاصر مستشرقین میں سرولیم میور (Sir Willuim Miur)، ڈی ایس مارگولیتھ (D. S. Margoliath) اور مونٹگمری واٹ (W. Montgomery Watt) جیسے برطانوی نژاد سیرت نگاروں نے تجزیاتی مطالعہ میں امتیاز حاصل کیا ہے تو دوسرے یورپی اہل قلم میں میکسم روڈنساں (Maxime Rodensan) اور ولہاؤزن (Wellhausen) وغیرہ کافی اہم سیرت نگار ہیں۔ ان میں سے بیشتر نے تاریخی ترتیب واقعات مدنظر رکھی ہے جب کہ واٹ نے موضوعاتی مطالعہ کیا ہے اور اس کو تاریخی تسلسل سے ہم آہنگ کیا ہے۔ دور جدید میں ایک اہم نام مارٹن لنگز کا ہے جنہوں نے سیرتِ نبوی پر ایک تاریخی مطالعہ پیش کیا ہے مگر ان کا کارنامہ بہت زیادہ اہم نہیں ہے اور اس کی اہمیت بس اتنی ہے کہ وہ غالباً جدید ترین برطانوی مطالعہ سیرت ہے اور اس کا مؤلف بعد میں حلقۂ بگوش اسلام ہو گیا۔

جدید مسلم نگارشات سیرت

مشرقی دیار امصار خاص کر اسلامی ممالک اور مسلم طبقات نے عصر حاضر میں جو سیرت نگاری کی اس میں ہم کو دو طرح کے خاص رجحانات ملتے ہیں۔ ایک قدیم کتب سیرت اور ان کے مؤلفین کی

کتابوں پر تکیہ کر کے ایک نئی کتاب سیرت لکھ دینا اور دوسرے مستند مآخذ کی بنا پر تجزیاتی اور علمی مطالعات سیرت پیش کرنا۔ پہلی قسم کی کاوشیں بہت زیادہ ہیں۔

زیادہ تر مسلم سیرت نگاروں نے پہلا رجحان اختیار کیا ہے کہ وہ بہت آسان ہے۔ موادِ سیرت سب کا سب مختلف کتابوں میں موجود ہے، خاص کر ان کی اپنی زبان کی بہترین کتابوں میں۔ ان اہل قلم کا سب سے زیادہ اہم محرک ثواب وسعادت کا حصول ہوتا ہے یا یہ جذبۂ اخلاص وخیر کہ وہ بھی سیرت نگارانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ میں شامل ہو جائیں، ان کا مقصود کوئی نئی کتابِ سیرت پیش کرنا نہیں ہوتا کہ وہ اپنے رجحان طبع، تعلیم وترتیب اور مشغلہ وپیشہ کے اعتبار سے اس کے اہل نہیں ہوتے اور ان کو تاریخ وسیرت نگاری کے اصول معلوم نہیں ہوتے، لہذا وہ چند بنیادی کتابوں کو اپنا ماخذ بناتے ہیں اور جہاں تہاں سے ان میں اضافہ کر دیتے ہیں کہ ان کی کاوش بھی طبعزاد، نئی اور جدید نظر آوے ایسی کتابوں میں اردو، عربی، فارسی وغیرہ کی بیشتر کتابیں شامل ہیں۔

اردو میں ادریس کاندھلوی کی ''سیرۃ المصطفیٰ''، عبدالرؤف داناپوری کی "اصح السیر"، اشرف علی تھانوی کی ''نشر الطیب''، سید نواب علی کی ''سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''، مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم''، مرزا حیرت دہلوی کی ''سیرت محمدیہ'' اور ''سیرت رسول''، اور سیکڑوں دوسری کتابیں بعض اردو کلاسیکی یا عربی مآخذ پر مبنی ہیں۔ ان کی تفصیل ڈاکٹر انور محمود خالد کی کتاب میں ملتی ہے یہی حال جدید دور کی عربی کتب سیرت کا ہے کہ وہ بعض عربی یا اردو مصادر پر مبنی یا ان سے مستفاد ہیں اور ان میں کوئی خاص تحقیق وتالیف سے کام نہیں لیا گیا۔ معلومات وروایات کو ایک خاص انداز واسلوب سے جمع کر کے مدون ومرتب کر دیا گیا ہے جیسے ابوالحسن علی ندوی کی "السیرۃ النبویۃ"۔ صفی الرحمٰن مبارک پوری کی "الرحیق المختوم"، یا مصری اور عرب علماء نے سیرت ابوزہرہ، محمد حسین ہیکل، عماد الدین خلیل، عبدالعزیز دوری، عائشہ عبدالرحمٰن وغیرہ کی کتابیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔

اصول محدثین پر مبنی سیرت نگاری

اردو عربی کی جدید عمومی کتب سیرت کے پہلو بہ پہلو بلاشبہ بعض ایسی نادر وممتاز کتابیں بھی تالیف کی گئیں جو کسی ایک یا دو چار مآخذ سیرت پر مبنی نہیں بلکہ وہ تحلیل وتجزیہ اور تدوین وتالیف اور

تہذیب تشکیل کے بہت اچھے نمونے کہے جاسکتے ہیں۔ان کتابوں نے معلومات وواقعات وروایاتِ سیرت کوایک نیاانداز واسلوب ہی نہیں دیا بلکہ عہد ودورنبوی کی تفہیم وتشریح کی بھی نئی اداا پنائی ہے۔ سیرتِ نبوی کے بہت سے مضمر پہلوؤں کواجاگر کیا ہےاورشخصیت وحیات کے زاویوں کواز سرنو وسعت دی ہے مثلاً اردو میں سید ابوالاعلی مودودی کی ''سیرت سرورعالم'' اگر چہ باقاعدہ مدون ومرتب کی گئی کتاب نہیں ہے کہ وہ ان کی تفسیر تفہیم القرآن کے مختلف مباحث کا مجموعہ ہے تاہم اس میں سیرت طیبہ ایک نئے انداز سے جلوہ گر ہوتی ہے۔وہ بہرحال مکی دورِحیات اور تاریخ قبل بعثت پرنئی روشنی ڈالتی ہے یا معلومات کی وہ تحلیل وتجزیہ کرتی ہے جودوسری کتابوں میں ناپید ہے۔اردو میں ایک مکمل جامع اورنئی کتاب سیرت مسعود احمد کی'' صحیح تاريخ الاسلام والمسلمين '' ہے جوقرآن مجیداورصحیحین کی روایات پر مبنی ہےاورتحلیل وتجزیہ کی بناپرایک ممتاز تالیف ہے بلاشبہ وہ سیرت نگاری کے جدید رجحانات میں بہت محترم رجحان کی نمائندہ ہےاور بےانتہا وقیع بھی کہ وہ احادیثی روایات اوروہ بھی صحیح ترین کتب حدیث کی روایات سے کسب فیض کرکے عہد نبوی کی سیاسی اورسماجی اورتہذیبی تاریخ مرتب کرتی ہے۔

عربی زبان میں اس نہج وانداز پرایک عمدہ کوشش ڈاکٹر اکرم ضیاءعمری کی کتاب "السيرة النبوية" ہے جس میں مؤلف گرامی نے یہ دعوی کیا ہے کہ وہ محدثین کے اصول وقواعد کے مطابق اوران کی روایات واحادیث پرمبنی کتاب سیرت ہے۔اس کتاب میں تحلیل وتنقیداورتجزیہ وتشریح کی عالمانہ کوشش ملتی ہےلیکن اخبار وسیر کی روایات سے اعتنا بھی کیا گیا ہےاوربعض دوسرے کمزور پہلوبھی ہیں۔یہ دعوی بڑا مبارک اورخوش نمااورخوش آیند معلوم ہوتا ہے کہ سیرت نبوی صرف صحیح حدیثی روایات کی بناپرمرتب کی جائے جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں مؤلفین گرامی کا خیال ہےلیکن اصحاب سیرت اورصاحبان مغازی کی تمام روایات کویکسرنظرانداز کردینے کارجحان بھی انتہائی خطرناک اوربہت سے دوررس مضمرات کا حامل ہے کہ اس طور سے ماہرین فن کی کاوشوں کی ناقدری کے علاوہ ایک پورے اسلامی ذخیرۂ علوم وفنون کی محض غیرصحیح قراردے کررد کردیا جاتا ہے جب کہ محدثین کرام نے خودان سے استفادہ کیا ہے۔

سیرت نگاری کا تسلسل زمانی

بقول مستشرق مارگولیتھ سیرت نگاری کا جوسلسلہ زریں آغازِ اسلام سے شروع ہوا تھا وہ تاقیام

قیامت جاری رہے گا اور ہر زمان ومکان میں اس میں پیہم اور مسلسل اضافے ہوتے رہیں گے۔ یہ دراصل اس حقیقت واقعۂ مسلمہ کا اعتراف ہے جو اسلام کی پہلی صدی سے آج پندرہویں صدی ہجری تک بلا انقطاع و بلا فصل جاری ہے اور اگلی صدیوں میں جس کے جاری رہنے کی ضمانت پختہ ہے کہ نہ اسلام سے وابستگی کم ہوگی اور نہ اس کے آخری رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت والفت کا توڑا ہوگا۔ سیرت نگاری دراصل ان معدودے چند سدا بہار مضامین اور جاوداں موضوعات میں سے ہے جو ہمیشہ تابندہ تر اور زندہ تر رہیں گے۔

اگر اسلامی زبانوں میں سیرت نگاری کا صدی بہ صدی جائزہ مرتب کیا جائے تو بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز مسلمات ملیں گے، مثال کے طور پر ہر صدی کی چند چیدہ اور چنیدہ کتب اور سیرت نگاروں کا جائزہ لیں تو پہلی صدی میں حضرت عروہ بن زبیر اور امام زہری وغیرہ امامت کے درجہ پر فائز نظر آتے ہیں۔ دوسری/آٹھویں صدی میں امیر المومنین فی السیرۃ کی سرفرازی محمد ابن اسحاق، ابن ہشام، خلیفہ بن خیاط، واقدی اور ابن سعد جیسے عبقریات کے حصے میں آتی ہے۔ تیسری/نویں صدی ابوزرعہ دمشقی، بلاذری، بغدادی، ابن قتیبہ بنوری، یعقوبی جیسے اکابر امام سیرت تھے۔ چوتھی/دسویں صدی میں مسعودی اور امام طبری جیسے نادرۂ روزگار صاحبان سیرت اپنے قلم کی جولانیاں دکھا رہے تھے۔ پانچویں/گیارہویں صدی میں امام ابن حزم اور ابن عبدالبر اندلسی اپنی نگارشات سیرت سے فن کو بلندی عطا کر رہے تھے۔ چھٹی/بارہویں صدی میں ابن الجوزی، قاضی عیاض اندلسی، ابن عساکر دمشقی اور سہیلی اندلسی کی کتب سیرت ملتی ہیں۔ ساتویں/تیرہویں صدی نے ابن النفیس، کلاعی اندلسی، گازرونی، ابن الاثیر، محبّ طبری کی نگارشات سیرت کا خزانہ پیش کیا۔ آٹھویں/چودھویں صدی میں امامان سیرت تھے: ذہبی، کتبی، دمیاطی، خلاطی، ابن خلدون، ابن کثیر، ابوالفداء، ابن قیم، ابن سید الناس اور مغلطائی وغیرہ۔ نویں/پندرہویں صدی میں فن سیرت کی شان دوبالا کرنے والوں میں خاص اور ممتاز اسماء گرامی تھے: مقریزی سبط ابن العجمی، عامری اور عراقی وغیرہ۔ دسویں/سولہویں صدی کے اہم ترین نمائندگان سیرت تھے: دیار بکری، مغلطی، قسطلانی اور شامی جیسے مؤلفین گرامی۔ گیارہویں/سترہویں صدی میں امام حلبی، خفاجی جیسے شارحین سیرت نظر آتے ہیں۔ بارہویں/اٹھارویں صدی نے مناوی اور زرقانی جیسے اہم مؤلفین سیرت کو پیدا کیا۔ تیرہویں/انیسویں صدی میں محمد بن عبدالوہاب

جیسے اہم مؤلفین سیرت تھے۔ چودھویں / بیسویں صدی نے شبلی، منصور پوری، مودودی، کاندھلوی، مسعود احمد اور عمری جیسے نادرۂ روزگار سیرت نگاروں کو ختم کیا۔ ظاہر ہے کہ صدی بہ صدی مؤلفین اور کتب سیرت کا یہ تجزیہ بطور نمونہ ہے۔

مکانی علاقۂ سیرت نویسی

علاقائی اور مکانی نسبت کے حوالے سے اگر کتب سیرت کا تجزیہ کیا جائے تو بعض بہت اہم حقائق سامنے آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ابتدائی صدیوں میں کتب سیرت اور ان کا فن عظیم بلاد اسلامی بلکہ قلب اسلام تک محدود رہا لیکن جلد ہی وہ دوسرے دیار وامصار تک وسیع ہوگئی اور موجودہ صدی تک آتے آتے شاید ہی کوئی گوشۂ عالم ایسا ہوگا جہاں سیرت نگاری کا فن نہ پایا جاتا ہو۔ یہ تو ایک عمومی تجزیہ بلکہ جائزہ ہے۔ اگر علمی اور موقر تجزیہ زمانی کیا جائے تو امہاتِ کتب سیرت کی تالیف میں بعض علاقوں اور مراکز کی امامت نظر آئے گی اور اکثر دیار وامصار کی تقلیدی اور اقتدائی حیثیت ٹھہرے گی۔

بنیادی مرکزِ فن سیرت اور معہد تالیف کتب تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیار خاص۔ مدینہ منورہ تھا اور ایسا ہونا فطری بھی تھا اور شاید مصلحت الٰہی اور منشائے ربانی کے مطابق بھی کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام حیات گذارے، آخری سانس اور تاقیام قیامت اس کو اپنا مرقد، مدفن اور مسکن بنایا، وہیں آپ کی سیرت وحیات کی بنیادی اور اہم ترین کتب کی تالیف ہوئی۔ حضرات عروہ بن زبیر کے علاوہ ابن اسحاق اور واقدی کی کتب سیرت جو سب سے اہم مآخذ ہیں مدینہ منورہ کی خاک پاک میں تالیف کی گئیں، مکہ مکرمہ کو اتنا شرف اس میدان میں حاصل نہ ہوا البتہ محب الدین طبری اور دیار بکری جیسے عظیم مؤلفین نے اس کو یکسر محرومی سے بچالیا۔ عراقی امصار ودیار۔ بصرہ، کوفہ اور بغداد۔ کے عظیم ترین مؤلفین سیرت میں ابن ہشام، محمد ابن حبیب، بلاذری، یعقوبی، طبری، مسعودی، ابن الجوزی، ابن اثیر جزری وغیرہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض دوسرے صاحبان سیرت تھے لیکن ان کی اتنی اہمیت نہ تھی۔ شامی دیار وامصار کو اپنے حریف عراق پر ایک گونہ فضیلت وبرتری حاصل تھی کہ وہاں فنِ سیرت کے بعض عظیم ترین اماموں نے اپنی تالیفات کی مجالس جمائی تھیں۔ ان میں اہم ترین ابن عساکر، ابوالفداء اسماعیل، ذہبی، ابن قیم جوزیہ، ابن کثیر جیسے نادرۂ روزگار شامل تھے۔

غالباً فن سیرت کی اہم ترین اور بزرگ ترین کتابیں مصر کی سرزمین پر تالیف کی گئیں کہ امامان عصر ومجتہدان فن نویری، مغلطائی، زین الدین عراقی، مقریزی، عامری، قسطلانی، مناوی، حلبی اور زرقانی اس کے پاس تھے اگرچہ ان میں سے بعض کی نسبتیں قدیمی تعلقات وروابط کی بنا پر دوسرے دیار وامصار سے تھیں۔

عرب دنیا میں یمن کے علاقے نے بعض اہم سیرت نگار پیدا کیے جیسے ابن الدیبع شیبانی اسی طرح وسط ایشیا کے فخر سیرت نویس امام ابن حبان بستی تھے۔

سیرت نگاری کے ان گنت رجحانات میں سے اہم ترین کا اوپر تذکرہ آیا ہے۔ ان میں سے زبانوں کی گوناگونی کا ذکر نہیں آسکا۔ دنیا کی شاید ہی کوئی مہذب علمی زبان ہو جس میں سیرت نبوی پر کتابیں نہ لکھی گئی ہوں۔ ہماری معروف زبانوں میں عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ زبانوں میں ہی سیرت نبوی کا ذخیرہ قابل فخر ہے۔ یہی حال تہذیبی بوقلمونی کا ہے۔ تہذیب وتمدن کے نقطۂ نظر سے سیرت نبوی اپنا ایک جہاں رکھتی ہے جو جہانِ دیگر کہلاسکتا ہے۔ موضوعاتی تجزیہ بتاتا ہے کہ دنیا کے کسی اور موضوع پر اتنا ادب نہیں مرتب کیا گیا جتنا سیرت نبوی پر۔ دراصل یہ فن، یہ موضوع اور یہ علم رسول آخر الزماں ﷺ کی پرت دار شخصیت کے ان گنت بیکراں پہلوؤں اور جہات کا صرف ایک آئینہ ہے۔ فکر وفن جتنے پرت کھولتے جائیں گے اتنی ہی جہات تازہ نکلتی آئیں گی اور نبوت محمدی کے تسلسل وتنوع کی مانند اس کا تسلسل زمان ومکان کی حدود کو پھلانگتا ہی رہے گا۔

حضرت عروہ بن زبیرؒ

(۹۴-۲۲ھ/۷۱۳-۶۴۳ء)

سیرت نگاری کا ابتدائی رجحان رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وفرامین اور تشریعی نوعیت کے واقعات وکوائف جمع کرنے کے اولین کارنامہ کی شکل میں ابھرا جو حدیث وسنت کا ذخیرہ کہلایا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ابتدائی مولفین سیرت اپنی اپنی جگہ ماہرین فن حدیث اور محققین کتاب وسنت تھے۔ انہیں بزرگان علم وفن نے حدیث وسیرت کے درمیان نہ صرف خط امتیاز کھینچا بلکہ سیرت کی روایات کو سوانحی اور واقعاتی لحاظ سے جمع کرنے اور ان کی خاص طریق سے ترسیل کرنے کی بناڈالی جس نے انہیں کی زندگی میں انہیں کے ہاتھوں سیرت نگاری کی روایت کو جنم دیا۔ اس فنی روایت اور علمی رجحان کا خالص نتیجہ کتاب المغازی جیسی تالیفات کی شکل میں نکلا جو ''مغازی'' کے مخصوص معانی اور محدود دائرہ سے ماورا اکثر وبیشتر پوری سیرتِ نبوی کی جامع ہوتی تھیں، دور صحابہ کرام میں کئی اہل علم بزرگ جیسے حضرت عبداللہ بن عباس عباسی ہاشمی، عبداللہ بن عمرو بن عاص سہمی اور البراء بن عازب انصاری خزرجی نے سیرتی روایات کی ترسیل وروایت کے سلسلہ میں خاص کوششیں کیں اور ان کے شاگردوں نے یا خود انہوں نے بہت سی روایات سیرت کو قلمبند بھی کیا۔ مگر کسی صحابی نے کوئی کتاب/صحیفۂ سیرت مرتب نہیں کیا جس طرح انہوں نے کتب حدیث یا صحائف سنت مرتب ومدون کرنے کی بناڈالی تھی۔

تابعین کرام کے دور میں نہ صرف کتابِ سیرت لکھنے کی بناڈالی گئی بلکہ بعض اکابر محدثین وتابعین نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اس کی صورت گری کی۔ ان کے سرخیل حضرت عروہ بن زبیر اسدی قریشی تھے جو حدیث وسنت کے بھی امام اول سمجھے جاتے ہیں۔ وہ محدثین تابعین کے استاذ ومعلم اول ہونے کے ساتھ ساتھ متاخر محدثین کے بھی مرجع ومصدر رہے تھے۔ وہ فقہ کے بھی بانیوں میں سے تھے اور اولین کتابِ سیرت لکھنے کا سہرا بھی انہیں کے سر باندھا جاتا ہے۔ واقدی، ابن ندیم، ذہبی، ابن حجر،

ابن عائذ، ابن خلکان، حاجی خلیفہ، حاکم، سخاوی وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ انہوں نے ہی پہلی کتاب سیرت یا کتاب المغازی لکھی جس کی روایت ابوالاسود یتیم عروہ بن زبیر نے کی تھی۔ جدید مورخین نے بالعموم اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ مگر بعض نے شک کا اظہار بھی کیا ہے۔

خاندان اور علمی پس منظر

حضرت عروہ مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر بن عوام اسدی قریشی کے فرزند دلبند تھے۔ حضرت زبیر حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے اور ان کا شمار سابقین اولین، عشرۂ مبشرہ اور بدری صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ ان کی شہادت (۳۶ھ/۶۵۷ء) کے حادثہ جمل میں واقع ہوئی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گونا گوں رشتہ داری اور قرابت رکھتے تھے۔ حضرت زبیر کے والد العوام اسدی ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی کے ایک بھائی تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی کے شوہر ہونے کے ناطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھا تھے اور حضرت زبیر آپ کے پھوپھا زاد بھائی تھے۔ دوسرا رشتہ مصاہرت کا تھا کہ حضرت زبیر حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق کے شوہر ہونے کے سبب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے برادر نسبتی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف تھے۔ ان کے نامور فرزند اور صاحب علم تابعی حضرت عروہ بن زبیر اسدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے، حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے اور حضرت ابوبکر صدیق کے نواسے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بعض قرابت داریاں اور رشتہ داریاں تھیں مثلاً وہ اپنے عہد کے خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیر اسدی کے برادر خورد تھے اور ان کے دوسرے بڑے بھائی مصعب بن زبیر امیر عراق اور فاتح و مجاہد تھے۔ خاندان کے علاوہ بھی ان کی قرابت تہہ در تہہ تھی۔

خاندانی اور مصاہرتی رشتہ داریوں نے حضرت عروہ بن زبیر کو آغاز عمر سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خاندان اور آپ کے معاصر عظیم اشخاص اور قریبی شخصیات سے نہ صرف متعارف کرایا تھا بلکہ مصادر سیرت اور مآخذ سوانح کا ماہر پارس بھی بنا دیا تھا۔ حضرت عروہ کی تعلیم و تربیت اور پرورش انہیں بزرگوں کے ہاتھوں انجام پائی تھی اس لئے ان کو سیرت نبوی کے باب میں اولین اور براہ راست معلومات حاصل تھیں۔ بعد میں حضرت عروہ کی اپنی شیفتگیٔ فن اور شغفِ علم نے ان کو ناگزیر ماخذ بنا دیا۔

ولادت

حضرت عروہ بن زبیر کی تاریخ ولادت کے بارے میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مصعب زبیری نے خلافت عثمانی کا چھٹا سال بتایا ہے۔ مگر بعض دوسرے مورخین اور ماہرین انساب نے (۲۶ھ/ ۶۴۷ء، ۲۳ھ/ ۶۴۴ء اور ۲۲ھ/ ۶۴۳ء) کے سنین بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر دوسنین میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے کہ بالعموم مہینوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا البتہ اول الذکر دونوں سنین میں کافی فرق ہے۔ زیادہ تر محققین کا خیال ہے کہ ان کی ولادت کا صحیح اور زیادہ قرین قیاس سال (۲۲ھ/ ۶۴۳ء) ہے کیونکہ حضرت عروہ نے (۳۴ھ/ ۶۵۵ء) میں حضرت عثمان بن عفان اموی کی خلافت میں اپنے والدین کے ساتھ حج کیا تھا اور اس عمر کا ایک رجزیہ شعر یاد رکھا تھا جو ان کے والد پڑھتے رہتے تھے۔

بعض اسفار و واقعات

اولین مؤلف سیرت حضرت عروہ بن زبیر اسدی کی اپنی حیات بابرکات کے بارے میں معلومات نسبتاً کم ملتی ہیں۔ بعض سفروں کا حال ملتا ہے اور بعض دوسرے واقعات کے حوالہ سے ان کی کارکردگی کا تذکرہ، لیکن یہ واقعات و معلومات کامل سوانح تیار کرنے کے لئے کچھ ایسے زیادہ معاون نہیں ہیں البتہ متعدد روایات ایسی ملتی ہیں جن کے سبب ان کی سوانح کا ایک مختصر خاکہ تیار کیا جاسکتا ہے۔

خلافت فاروقی کا آخری زمانہ تھا جب حضرت عروہ پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کے والدین ماجدین خوش قسمتی سے زندہ تھے لہٰذا ان کی پرورش و پرداخت ایک عالی نسب اور شریف خاندان کی روایت کے مطابق اسلامی ماحول میں ہوئی۔ والدین حضرت زبیر بن عوام اسدی اور حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق تیمی کے علاوہ حضرت عروہ کی پرورش و پرداخت میں ان کی حقیقی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق تیمی نے خاص حصہ لیا جس طرح ان کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر اسدی کی تعلیم و تربیت میں لیا تھا۔ حضرت قبیصہ بن ذویب ان کے ایک ہمعصر اور معاصر ساتھی تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ سے ان کے اکتساب فیض نے ان کو ہم سے زیادہ ممتاز کر دیا تھا کہ وہ

برابران کے ہاں جایا کرتے اور ان سے سیکھا کرتے تھے۔ حضرت عروہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات (۵۸ھ/ ۸-۶۷۷ء) سے تین سال قبل تک میں ان سے برابر استفادہ کرتا رہا۔ گویا وہ اپنے والد ماجد سے بارہ سال کی عمر تک، اپنی خالہ سے چھتیس سال تک اور اپنی والدہ ماجدہ اور بڑے بھائی حضرت عبداللہ سے تاعمر فیض حاصل کرتے رہے۔

چونکہ حضرت عروہ کو بچپن سے علمی شغف تھا اس لئے انہوں نے اپنے عہد کے تمام اکابر خاص کر شیوخ مدینہ منورہ سے کسب فیض کیا۔ ان میں خاندانی بزرگوں کے علاوہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان بن عفان اموی اور حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی بھی شامل تھے کہ ان کی شہادتوں کے وقت وہ بالترتیب دس گیارہ اور سترہ اٹھارہ سال کے تھے۔ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں وہ بصرہ بھی گئے تھے اور ان کے امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمی سے ملاقات بھی کی تھی۔ ان دونوں خلفاء اسلام سے ان کے استفادہ اور اکتساب کے پکے شواہد اور محکم قرائن موجود ہیں۔

ان کے دوسرے اساتذہ میں خاص طور سے تمام اکابر اور محدثین صحابہ کرام کے اسماء گرامی کا ذکر آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر عدوی (م ۷۳ھ/ ۶۹۲ء)، عبداللہ بن عباس ہاشمی (م ۶۸ھ/ ۶۸۷)، ابوہریرہ دوسی (م ۸-۵۷ھ/ ۸-۶۷۷ء)، زید بن ثابت خزرجی (م ۴۵ھ/ ۶۶۵ء)، مغیرہ بن شعبہ ثقفی (م ۵۰ھ/ ۶۷۰ء)، اسامہ بن زید کلبی (م ۵۹/ ۵۸ھ)، ابوایوب خزرجی انصاری (م ۲-۵۱ھ/ ۲-۶۷۱ء)، ابوحمید ساعدی خزرجی (م ۶۰-۵۹ھ/ ۸۰-۶۷۹ء)، عبد اللہ بن عمرو بن عاص سہمی قریشی (م ۶۳ھ/ ۶۸۲ء)، ان کے والد گرامی حضرت عمر بن العاص سہمی (م ۴۳ھ/ ۶۶۳ء)، معاویہ بن ابی سفیان اموی (م ۶۰ھ/ ۶۸۰ء)، حکیم بن حزام اسدی قریشی (م ۵۴ھ/ ۶۷۴ء)، مسور بن مخرمہ زہری (م ۶۴ھ/ ۶۸۳ء)، عمر بن ابی سلمہ مخزومی (م ۸۳ھ/ ۷۰۲ء)، عبداللہ بن زمعہ اسدی (م ۳۵ھ/ ۶۵۵ء)، قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی (م ۵۹ھ/ ۶۷۹ء)، زید بن الصلت (م)۔ ان کے علاوہ بعض خواتین جیسے حضرت ام ہانی اور حضرت زینب بنت ابی سلمہ مخزومی کے اسماء گرامی بھی ان کے شیوخ میں شامل ہیں۔

سوانحی واقعات

ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق ان کے والد ماجد نے حضرت علی کی خلافت کے زمانے

میں بصرہ کا سفر کیا، جب ان کی عمر غالباً سولہ سترہ سال کی رہی تھی اور وہاں حضرت علی کے امیر بصرہ حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمیؓ سے ملاقات کی۔ ان کو حضرت ابو احمد بن جحش اسدی خزیمی کا ایک شعر سنایا اور اس سے متعلق حضرت ابن عباس سے ایک حدیث نبوی سنی۔ غالباً ان کے سفرِ بصرہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے والد شہید حضرت زبیر بن عوام اسدی کی میراث میں اپنا حصہ حاصل کریں۔ کیونکہ ان کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر والد مرحوم کے قرضوں کے چکائے جانے تک یا سات برس تک ان کے ترکہ کو تقسیم کرنے کے حق میں نہ تھے۔ بہر حال حضرت عبداللہ نے حضرت عروہ کو میراث پدری سے ان کا حصہ دے دیا۔

خلافتِ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کا ایک اہم واقعہ بلاذری، ابن خلکان اور ابونعیم اصفہانی وغیرہ نے مختلف تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار مسجد میں حلقۂ یاراں — عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، معصب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان اموی — اور بقول ابونعیم عبدالملک کی جگہ حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آرزوؤں اور مستقبل کی خواہشوں کی بحث چھڑی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے مغفرت کی اور عبدالملک نے خلافت اسلامی حاصل کرنے کی آرزو کا اظہار کیا تو حضرت ابن زبیر نے خلافتِ حرمین اور مصعب نے امارتِ بصرہ اور دو حسین خواتین سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت عروہ بن زبیر واحد شخص تھے جنھوں نے زاہدانہ زندگی گذارنے اور علم کی خدمت و روایت کرنے کی تمنا ظاہر کی اور اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا کہ سب کی آرزوئیں پوری ہوئیں۔

ان کے علمی شغف کا حال یہ تھا کہ وہ اکابر صحابہ سے باقاعدہ تعلیم تو حاصل ہی کرتے تھے اور غالباً ان کے درسی حلقوں میں شرکت بھی فرماتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر اس صحابی کی خدمت میں حاضر ہوتے جن سے کسی حدیث ملنے کی خبر ملتی۔ وہ ان کے دروازے پر ڈیرہ جما کر بیٹھ جاتے اور ان سے سوال کر کے اپنے علم میں اضافہ کرتے۔ حضرت عروہ زبانی روایات پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کو لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ روایات کے مطابق وہ اپنے معاصرین کی بہ نسبت تحریر پر اعتماد کرنے کے زیادہ عادی تھے جس طرح بعد میں ان کے شاگرد رشید حضرت امام زہری نے اپنے تحریری سرمایہ کی بدولت اپنے معاصرین پر سبقت حاصل کی۔ تحریری ملکہ رکھنے کے سبب حضرت امام عروہ نے متعدد علوم و فنون پر اپنی کئی کتابیں متعدد جلدوں میں لکھ لی تھیں۔ وہ اپنے فرزند گرامی قدر حضرت ہشام بن عروہ

کے علاوہ دوسرے اقرباء اور تلامذہ کو بھی علم حاصل کرنے، روایات جمع کرنے، ان کو حفظ کرنے اور لکھ لینے کی ہدایت ونصیحت برابر کیا کرتے تھے۔

اسفار

حضرت عروہ بن زبیر اسدی نے بصرہ کے سفر کے علاوہ مصر کا سفر اپنی جوانی میں کیا۔ وہاں بنو وعلہ کی ایک خاتون سے شادی کی اور سات سال تک مصر میں اقامت گزیں رہے۔ اموی خلفاء وامراء سے ان کے تعلقات بہت اچھے تھے اور ان کی بنیاد قدیم روابط دوستانہ پر تھی کہ عبدالملک بن مروان اموی ان کے بچپن کے دوست اور معاصر علمی رفیق رہے۔ ان کے علمی تعلقات نے بھی ان اسفار کے لئے بطور محرک کام کیا تھا۔ وہ خلافت عبدالملک اور خلافت ولید اول کے زمانے میں متعدد بار دمشق کے سفر پر گئے اور وہاں کافی طویل قیام کیا۔

اموی خلفاء وامراء سے روابط

اگرچہ حضرت عروہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر اموی خلفاء دمشق کے سیاسی حریف تھے تاہم ان کے درمیان دیرینہ علمی، سماجی اور خاندانی تعلقات قائم رہے۔ خلیفہ اموی یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اپنی خلافت کا اعلان کیا جسے مشرقی علاقوں، خاص کر حرمین شریفین میں قبول عام ملا لیکن مغربی علاقوں میں اموی خلافت قائم و مستحکم رہی ان دونوں خلافتوں کے درمیان ظاہر ہے کہ سیاسی رقابت اور کشمکش پیدا ہوئی جو (۷۲ھ/۶۹۱ء) میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد ہی ختم ہوئی۔ حضرت عروہ بن زبیر نے اس سیاسی رقابت کو اپنے خوشگوار تعلقات کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا۔ بھائی کی شہادت کے معاً بعد اموی خلیفہ کے دربار دمشق میں حاضر ہوکر ان کی بیعت کرلی اور اپنے پرانے روابط پھر سے استوار کرلئے۔ بعد کے زمانے میں وہ برابر دمشق کی زیارت، خلفائے وقت سے ملاقات اور ان کے ساتھ علمی تعاون کرتے رہے اور صلہ میں ان سے عطایا پاتے رہے۔ جوزف ہوروونس کا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ مسلمانوں کی باہمی آویزش واختلاف کو ہوا دینے سے گریز کرتے تھے لیکن خلیل ابراہیم کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہ بنو امیہ کے مخالف تھے۔ ظالم حکمرانوں

سے اجتناب وگریز تو اسلامی حکم ہے۔ اگر وہ اس کے قائل اور اس پر عامل تھے تو وہ ان کا دینی فریضہ تھا۔ مگر اس سے یا حضرات عروہ وعلی زین العابدین کی مسجد نبوی میں گفتگو سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ اموی خلافت کے خلاف تھے صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسفار دمشق اور خلفائے وقت سے عطایا کی وصولی اور ان کی زیارت وہ اہم واقعات ہیں جو ان کے باہمی خوشگوار تعلقات کے علاوہ اموی حکمرانوں کی علم وعلماء پروری کے ناقابل تردید شواہد ہیں۔ اس کا سب سے بڑا شاہد ان کا غالبًا آخری دورۂ دمشق ہے جب ان کے قیام شام کے دوران بیماری کے سبب ان کا پاؤں کاٹا گیا اور ان کے جواں سال صاحبزادے محمد بن عروہ اموی خلیفہ کے اصطبل کے ایک گھوڑے کے سموں تلے روندے جانے سے وفات پا گئے۔ خلیفہ وقت ولید اول نے ان کا علاج کرایا اور ان کے فرزند مرحوم کی تدفین کے علاوہ ان سے غمخواری کی اور ان کے دل پر پھاہا رکھا۔ اموی خلفاء سے عمدہ تعلقات کے باوجود وہ ان کے بعض امرا کے طرز عمل سے خوش نہ تھے جسے زیادہ سے زیادہ تنقید کیا جا سکتا ہے۔

آخری ایام اور وفات

حضرت عروہ بن زبیر اسدی قریشی اپنے آخری دورۂ دمشق کے بعد مدینہ منورہ میں مستقل طور سے سکونت پذیر ہو گئے تھے، جہاں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ گذرا تھا۔ وہ عوام سے اتنے ہی متعلق رہے جتنے کہ کارکنانِ حکومت واختیار سے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا او علمی انہماک بھی بڑھتا ہی رہا۔ وہ تالیف وتصنیف اور تدریس وتعلیم کے فرائض برابر ادا کرتے رہے۔ وہ صابر وشاکر، عابد وزاہد اور عالم فاضل شخص تھے۔ ان کے والد مرحوم کی جائداد سے ان کو جو ترکہ ملا تھا وہ ان کی گذر اوقات کے لئے کافی تھا۔ ہنگامی ضروریات کے لئے اموی خلفاء کے عطایا تھے جن کے سبب ان کو کبھی مالی پریشانی نہیں ہوئی۔

ان کی ولادت کی طرح ان کے سنہ وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن خیاط نے (۹۳ھ/۷۱۲ء) اور ابن قتیبہ اور ابن خلکان نے (۹۳ھ/۷۱۲ء اور ۹۴ھ/۷۱۳ء) دونوں کے احتمال کی تصریح کی ہے۔ ابن حجر نے (۹۴ھ/۷۱۳ء) کو راجح قرار دیا ہے اور اسی کو عبدالعزیز دوری نے سب سے مستند روایت قرار دیا ہے۔ خلیل ابراہیم کو ان دونوں سنین میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کوئی خاص

بنیاد نظر نہیں آتی۔ حالانکہ وہ قدیم ترین مورخ وتذکرہ نگار ابن سعد کی روایت ہے۔ مقتدیٰ اعظمی نے بھی ان دونوں سنین کو قبول کر کے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ اس اختلاف کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ (۹۴ھ/۷۱۳ء) کی روایت بالکل صحیح ہے کہ اول تو وہ قدم ترین ماخذ کی روایت ہے اور دوم ۹۳ھ/۷۱۲ء اور ۹۴ھ/۷۱۳ء میں کوئی زیادہ فرق نہیں کہ بالعموم مہینوں کا حساب نہ رکھنے کے سبب ایک سال کا فرق تقریباً ہر اہم واقعہ میں نظر آتا ہے۔

اہل وعیال

ابن سعد کے مطابق حضرت عروہ بن زبیر نے اپنی زندگی میں چار شادیاں کیں۔ (۱) فاختہ بنت الاسود (۲) ام یحییٰ بنت الحکم اموی (اس رشتہ سے وہ خلیفہ عبد الملک بن مروان کے پھوپھا تھے) (۳) اسماء بنت سلمہ بن عمر بن ابی سلمہ مخزومی (۴) سودہ بنت عبداللہ بن عمر فاروق عدوی۔ ان کے علاوہ ان کی دو باندیاں بھی تھیں جن میں سے ایک کا نام واصلہ تھا اور ان سے ان کے ایک فرزند مصعب اور ایک دختر ام یحیٰ تولد ہوئیں۔ دوسری باندی سے ایک فرزند ہشام اور ایک دختر صفیہ پیدا ہوئے۔ بنو علہ کی جس خاتون سے انہوں نے مصر میں شادی کی تھی ان کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔

حضرت عروہ بن زبیر اسدی قریشی کے دس فرزند تھے: (۱) محمد، یحییٰ، عثمان اور ابوبکر جو ام یحییٰ اموی کے بطن سے تھے۔ (۲) فاختہ کے بطن سے تین فرزند۔ عمر، عبداللہ، الاسود۔ ہوئے۔ (۳) اسماء بنت سلمہ مخزومی سے ایک فرزند عبید اللہ ہوئے۔ جب کہ مصعب اور ہشام ان کی امہات الولد سے تھے۔ ان کی اموی بیوی ام یحییٰ سے پانچ بیٹیاں۔ ام کلثوم، عائشہ، ام عمر، خدیجہ اور عائشہ (ثانی)۔ پیدا ہوئی تھیں جب کہ حضرت سودہ بنت عبداللہ بن عمر عدوی سے ایک دختر اسماء تھیں، اس طرح ان کی چھ دختر تھیں۔

ابن قتیبہ دینوری نے حضرت عروہ کے فرزندوں کے بارے میں کچھ معلومات بہم پہونچائی ہیں ان کے ایک فرزند عبداللہ بن عروہ خطیب اعظم اور بلاغت کے بادشاہ تھے، دوسرے فرزند عثمان بھی اعلیٰ درجہ کے خطیب اور انتہائی ذہین شخص تھے، تیسرے فرزند یحییٰ علم الانساب اور تاریخ کے فن میں ماہر تھے۔ غالباً ان کی اولادوں میں سب سے زیادہ شہرت ان کے فرزند ہشام بن عروہ کو ملی کہ وہ فقیہ، محدث اور سیرت نگار ہی نہ تھے بلکہ کافی ثقہ راوی اور مستند عالم تھے وہ اپنے والد ماجد کے صحیح جانشین تھے۔

تلامذہ ورواۃ

حضرت عروہ بن زبیر نے ساری زندگی تعلیم وتدریس میں گذاری اس لئے ان کے صدہا شاگردانِ رشید اور راویان عزیز تھے۔ تدریس میں وہ املاء کے طریقہ پر بھی کاربند رہتے تھے اور تلامذہ اور شاگردوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ وہ املا کرانے کے بعد کتابت شدہ مواد وروایات کا معارضہ وموازنہ بھی کراتے تھے تاکہ غلطیوں کا امکان کم سے کمتر ہو جائے۔ علوم میں شعر وشاعری بھی اگرچہ شامل تھی لیکن وہ زیادہ حدیث وسنت، فقہ وتفقہ اور سیرت ومغازی کے ماہر مدرس ومعلم تھے۔ کبھی کبھی تاریخی روایات بھی بیان کرتے تھے۔ ان کا شمار مدینہ منورہ کے دس اکابر فقہاء میں ہوتا تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے مشہور عالم فقہائے سبعہ کی جماعت کے رکن رکین تھے۔

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس سے کہیں زیادہ ان سے سماعت وروایت کرنے والوں کی ہے۔ ان کے اہم ترین تلامذہ یہ تھے: ان کے تمام فرزندگان گرامی کے علاوہ ان کے ایک پوتے عمر بن عبداللہ بن عروہ، امام زہری، صفوان بن سلیم، علی بن زید بن جدعان، سلیمان بن یسار، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل، ان کے خادم حبیب، زمیل، ابو بردہ بن ابوموسیٰ اشعری، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ہذلی، تمیم بن سلمہ سلمی، سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری، سعید بن خالد بن عمرو، صالح بن کیسان عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابوالزناد، ابن ابی ملیکہ، عبداللہ بن نیاز بن مکرم الاسلمی، عبداللہ بن البہی، عطاء بن ابی رباح، عراک بن مالک، عمرو بن دینار، محمد بن ابراہیم تیمی، محمد بن المنکدر، یحییٰ بن ابی کثیر اور خلیفہ اموی عمر بن عبدالعزیز۔ ان کے تلامذہ میں بعض دوسرے اموی خلفاء وقت جیسے عبدالملک بن مرؤان، ولید بن عبدالملک اور ان کے وزراء وامراء جیسے ابن ابی ہنیدہ وغیرہ کو بھی شامل کرنا چاہئے کہ انہوں نے مراسلت کے ذریعہ ان سے سیرت ومغازی اور دوسرے امور پر کافی معلومات حاصل کی تھیں اور بالمشافہ ملاقاتوں میں ان سے متعدد مسائل پر مذاکرہ واستفادہ کیا تھا۔

تالیفات

متعدد روایات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر نے اپنی تحریر کردہ متعدد علوم وفنون پر

مبنی کتابیں مدون کرلی تھیں ان میں سے متعدد کتابیں فقہ پر تھیں جن کو انہوں نے عالم ہیجان میں واقعہ حرہ کے زمانے میں جلا دیا تھا۔ اس حادثہ یا حرکت پر وہ بعد میں بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ ان کی دوسری کتابوں میں کتاب المغازی کا واضح ذکر ملا ہے بقیہ علوم وفنون کی کتابوں سے متعلق ابھی تک کوئی بہت زیادہ پکایا صریح ثبوت ہاتھ نہیں لگا ہے۔

کتاب المغازی

امام عروہ کی کتاب المغازی بالخصوص روایاتِ سیرت ان کے عظیم ترین تلامذہ سے مروی ہیں۔ ان میں سب سے اہم امام زہری ہیں جن کی روایات مسند احمد، صحیح بخاری، تاریخ طبری اور معجم کبیر طبرانی وغیرہ میں موجود ہیں، دوسرے ان کے فرزند ہشام ہیں جن کی روایات زیادہ تر مسند احمد اور تاریخ طبری وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ تیسرے ان کے فرزند یحیٰ کی روایات زیادہ تر تاریخ طبری میں ہیں۔ چوتھے ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل اسدی قریشی تھے جو امام ابوالاسود یتیم عروہ کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ان کے والد نے حضرت عروہ کو ان کا ولی وسرپرست ان کے بچپن میں ہی بنا دیا تھا۔ اگر چہ وہ حضرت عروہ کے علاوہ بہت سے دوسرے علماء مدینہ سے بھی مستفید ہوئے تھے تاہم حضرت عروہ کی مغازی کے خاص راوی تھے۔ ۱۳۴ھ/ ۷۵۱ء میں وہ جب مصر گئے تو وہاں ان کی کتاب المغازی کی بطور خاص روایت کی جس کو بہت سے لوگوں نے سنا اور لکھا۔ وہ محدثین اور ناقدین حدیث جیسے امام مالک، حافظ ابو حاتم، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام ذہبی کے نزدیک ثقہ اور معتبر تھے اور صغیر انس تابعی تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء کے چند سال بعد یا بقول واقدی اموی خلافت کے اواخر میں ہوا۔

طریقہ تالیف

امام عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی چونکہ اولین کتابِ سیرت ہے اس لئے اس کے طریقۂ کار کا مطالعہ زیادہ مفید رہے گا، سب سے پہلے اسناد کی بحث آتی ہے۔ ابوالاسود کی روایت کردہ کتابِ عروہ میں تمام روایات اسناد سے خالی ہیں جب کہ حدیث میں تمام روایات عروہ میں اسناد کا التزام پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا خیال ہے کہ روایات سیرت میں حضرت عروہ خالص سوانحی معاملات ہونے کی

بناپر اسناد کا التزام نہیں کرتے تھے۔ بعض میں اسناد بھی پائی جاتی ہیں جیسے ان سے امام زہری کی روایت کردہ روایات عام طور سے سند رکھتی ہیں لیکن دوسرے رواۃ نے اس کا خیال نہیں رکھا۔ پھر فقہی اور قانونی اہمیت کی مرویات میں اسناد کا التزام کے ان کے ہاں بھی پایا جاتا ہے اس بناپر یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ ان کے دور تک اسناد کا اصول والتزام عمل میں نہیں آیا تھا۔

دوسری اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ کتاب المغازی کی روایات میں جہاں جہاں موقعہ ومحل کا تقاضا ہوا امام عروہ قرآنی آیات سے اپنی مرویاتِ سیرت کو مدلل کرتے جاتے ہیں۔ بعض سرایا غزوات جیسے بدر، بنی النضیر، حمراء الاسد، بئر معونہ، حدیبیہ، عمرۃ القضاء، موتہ، حنین یا دوسرے واقعات جیسے آغاز وحی، وفات نبوی وغیرہ کے ضمن میں بالخصوص آیات کریمہ ملتی ہیں۔ آیات قرآنی تاریخی روایات کے پہلو بہ پہلو تاریخی مصادر کا کام انجام دیتی ہیں اور عصری شواہد بن کر واقعات کی توثیق وتائید کرتی ہیں۔

دوسرے عرب مؤلفین اور اسلامی مورخین کے مانند وہ اپنی روایات میں واقعات کے کرداروں کی زبان سے ان کے اشعار بھی برابر نقل کرتے جاتے ہیں جیسے حضرت خبیب کی شہادت کے ضمن میں ان کے اپنے اشعار یا ان کے مرثیہ میں حضرت حسان کے اشعار، عمرۃ القضاء کے سلسلہ میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار، حنین کے مال غنیمت کے باب میں حضرت عباس بن مرداس کے اشعار وغیرہ۔ مکی عہد کے ضمن میں انہوں نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے مرثیہ حضرت ورقہ بن نوفل کے چند شعر بھی نقل کیے ہیں۔

عربوں کے نزدیک انساب کی اہمیت تھی کہ وہ صحیح افراد کی تعیین کرتی ہے۔ حضرت عروہ اپنی مرویات میں انساب کا پورا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ فرد یا افراد کے اسماء یا ان کی ولدیت ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے خاندان اور قبیلہ کی تصریح بھی کرتے ہیں تاکہ کسی قسم کا شبہ یا التباس نہ رہے۔ اس ضمن میں کتاب المغازی کی وہ تمام فہرستیں ملاحظہ کرنی چاہئیں جو بیعت عقبہ اولی، ثانیہ، اخیرہ، بدری صحابہ وغیرہ کی انہوں نے دی ہیں۔ کہیں کہیں متعلقہ شخص یا اشخاص کے بارے میں بعض سوانحی تفصیلات بھی دی ہیں جیسے انصار کے خاندان بنو سلمہ کے رکن حضرت البراء بن معرور بن صخر بن خنسا کا چار پیڑھیوں تک نام ونسب دیا ہے اور مزید تفصیل یہ دی ہے کہ وہ ''نقباء میں سے ہیں اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور اللہ تعالی کے رسول مکرم نے انہیں اس کی اجازت دے دی''۔

سیرت نبوی کے مسلمہ ڈھانچے کے مطابق کتاب المغازی کا آغاز نہیں ہوا۔ امام عروہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اس کا آغاز کرکے مکی واقعات میں دعوت وتبلیغ دین، ہجرت حبشہ، اول دوم، مسلمانوں کے قریشی مقاطعہ اور اس کی منسوخی، قبائل عرب کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنے، سفر طائف، اسراء ومعراج، بیعت عقبہ اول، دوم اور اخیر اور ہجرت مدینہ کا ذکر کیا ہے جب کہ بعثت سے قبل کے واقعات جیسے خاندانِ رسالت، ولادت، رضاعت، والدین ماجدین، جد امجد واعمام کی کفالت اور دوسرے واقعات کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ البتہ مدنی حیات طیبہ کا بیان روایتی اور مسلمہ خطوط پر کیا ہے۔ خاتمہ کتاب میں سقیفہ بنی ساعدہ کے ذکرِ عام کی جگہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معاہدوں کے متون نقل کئے ہیں۔

امام عروہ بن زبیر واقعات کے بیان میں بالعموم تاریخیں نہیں بیان کرتے۔ کہیں کہیں ان کا ایسا حوالہ دیتے ہیں کہ جس سے ان کے زمانۂ وقوع کا تعین اور مشکل ہوجاتا ہے یا ناقص رہ جاتا ہے۔ مکی دور حیات کے واقعات میں سے کسی کی بھی کوئی تاریخ نہیں دی۔ غزوۂ بدر کے آغاز میں البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ جب ابن الحضرمی کے قتل پر دو ماہ گذر گئے۔ البتہ بعض واقعات کی حتمی تاریخیں دی ہیں جیسے حمراء الاسد کے ضمن میں حتمی تاریخ ۱۵/شوال ۳ھ دی ہے۔ دوسری اہم تاریخ غزوہ المریسیع کے بارے میں دی ہے کہ بعض کے نزدیک وہ شعبان ۶ھ اور بعض کے نزدیک شعبان ۵ھ میں واقع ہوا۔ غزوۃ الحدیبیہ کی قطعی تاریخ ذوقعدہ ۶ھ دی ہے اور غزوۃ خیبر الاولی کی بھی قطعی تاریخ شوال ۶ھ بیان کی ہے لیکن اصل غزوۂ خیبر کی تاریخ نہیں بیان کی۔ عمرۃ القضاء کی تاریخ ذوقعدہ ۷ھ صراحت کے ساتھ دی ہے اور اسی طرح غزوۂ موتہ کی تاریخ جمادی الاولی ۸ھ بیان کی ہے۔ ذات السلاسل کی تاریخ جمادی الاخری ۸ھ نقل کی ہے اور فتح مکہ کی رمضان ۸ھ، غزوات حنین وطائف کی تاریخیں بھی مذکور ہیں۔ یہی حال غزوہ تبوک کا ہے (رجب ۹ھ)۔ لیکن دوسرے واقعات کی تاریخیں نہیں دی ہیں جن میں حجۃ الوداع اور وفات نبوی جیسے اہم واقعات شامل ہیں۔

اس کتاب کی ایک مزید خصوصیت اختصار ہے، عام طور سے زیادہ تر واقعات مختصر بیان ہوئے ہیں سوائے غزوۂ بدر وغیرہ کے چند واقعات۔ بعض بعض جگہ اختصار تو اتنا زیادہ ہے کہ صحیح معلومات بھی نہیں ملتیں، امام عروہ کا ایک اہم کارنامہ مختلف فہرستوں کا شامل کرنا ہے لیکن وہ بھی زیادہ تر ناقص ہیں۔

عبدالعزیز دوری اور مصطفیٰ اعظمی کے خیال کے مطابق امام عروہ کا اسلوب بہت سادہ اور سلیس ہے جو قدیم عربی متون خاص کر حدیث نبوی کا طرۂ امتیاز ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن الجوزی	صفۃ الصفوۃ	حیدر آباد دکن ۱۹۶۸ء	دوم ۱۷۶
ابن حجر عسقلانی	تہذیب التہذیب	حیدر آباد دکن ۱۳۲۶ھ	دوم ۱۸۳
ابن حزم	جمہرۃ انساب العرب	قاہرہ ۱۹۴۸ء	ص ۱۱۳ و ۱۱۵
ابن خلکان	وفیات الاعیان	قاہرہ ۱۹۴۸ء	دوم ۲۱-۴۱۸
ابن خیاط	التاریخ / تاریخ خلیفہ	دمشق ۱۹۶۷ء	اول ۱۵۹
ابن سعد	الطبقات الکبریٰ	دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء	پنجم ۸۲-۱۷۸
ابن قتیبہ دینوری	کتاب المعارف	قاہرہ ۱۹۶۰ء	ص ۲۲۲
ابونعیم الاصفہانی	حلیۃ الاولیاء		دوم ۸۳-۱۷۶
الاصفہانی	کتاب الاغانی	قاہرہ جلد ہشتم طبقہ ساسی	۹۳-۸۹
امام بخاری	التاریخ الکبیر	دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد ۱۳۶۰ھ	
			چہارم - اول ۳۲-۳۱
بلاذری	انساب الاشراف	القدس ۱۹۳۶ء	پنجم ۲۸۵، ۳۷۱ وغیرہ
بلاذری	فتوح البلدان	بیروت ۱۹۵۷ء	پنجم، ۳۰۵
الخزرجی	اسماء الرجال	قاہرہ ۱۳۲۲ھ	۱۲۴
خلیل ابراہیم	حضرت عروہ بن زبیر، پہلے سیرت نگار، اردو ترجمہ، نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۳ء		
			اول ۴۰۹-۳۹۷
الجاحظ	البیان والتبیین	قاہرہ ۱۹۴۹ء	دوم ۹۸، ۲۹۸

جوزف ہورووتس، سیرت نبوی کے اولین کتابیں اوران کے مولفین، اردو ترجمہ، نثار احمد فاروقی نقوش رسول

نمبر، لاہور ۱۹۸۳ء اول ۳۴-۲۶-۷

الدوری عبدالعزیز نشاۃ علم التاریخ عند العرب بیروت ۱۹۶۰ء ۶-۷-۶۱

روزنتھال فرانز ہسٹری آف مسلم ہسٹوریوگرافی لائیڈن ۱۹۶۸ء ۶۹، ۱۰۳ اور ۳۹۵

زرکلی اعلام دارالعلم للملایین بیروت ۱۹۹۰ء جلد چہارم ص ۲۲۶

فواد سزکین، تاریخ التراث العربی عربی ترجمہ محمود فہمی حجازی، ریاض ۱۹۸۳ء
جزو اول / حصہ دوم ۷۱-۷۰

محمد مصطفیٰ الاعظمی مغازی رسول اللہ حضرت عروہ بن زبیر، اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی
ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۰ء کا مقدمہ

حضرت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی تحقیق وجستجو پر مبنی حضرت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی سیرت نبوی کی ان روایات کی جامع ہے جو امام عروہ کے شاگرد رشید ابوالاسود محمد بن عبد الرحمٰن اسدی قرشی (م بعد ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء) نے اپنے استاد امام سے روایت کی ہیں۔ ابوالاسود سے نقل کرنے والے بہت سے محدثین ومورخین ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا سلسلۂ اسناد الگ ہے جیسے مصعب بن ثابت کی مرویات واقدی اور ابونعیم کی دلائل النبوۃ میں ہیں، امام لیث بن سعد کی سند عالی سے بیہقی کی سنن کبریٰ میں ہیں، موجودہ مطبوعہ کتاب ابن لہیعہ (عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ الحضر می ۱۷۴-۹۶ھ/ ۹۰-۷۱۴ء) قاضی وفقیہ مصر کی مرویات پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ابن لہیعہ کی سند سے ابوالاسود کی تمام مرویات عروہ بن زبیر کو جمع کر کے ان کی کتاب المغازی کی بازیافت کی کوشش کی ہے کہ وہی ان کی کتاب سیرت کے اولین راوی اور جامع تھے۔ کتاب کا اصل عنوان: **"مغازي رسول الله ﷺ لعروة بن الزبير برواية ابى الاسود عنه"** جو مکتبہ التربیۃ العربی لدول الخلیج کے تحت ۱۹۸۱ء میں چھپی، پاکستان کے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ۱۹۹۰ء میں اس کا اردو ترجمہ محمد سعید الرحمٰن علوی سے کرا کے شائع کیا ہے، اصل عربی کتاب میں کل صفحات دو سو چھپن ہے، کتاب تاخیر سے ملنے کے سبب مضمون میں اردو ترجمہ کے صفحات قوسین میں دیے گئے ہیں۔

اردو مطبوعہ نسخہ میں دو سو پچاسی صفحات ہیں جن میں ادارہ کے ناظم کا تعارف، ابتدائی صفحات اور فہرست مضامین (۱۶-۱) کے علاوہ مرتب کا مقدمہ ہے جو کافی مفصل ہے (۹۷-۱۷) اس میں امام شافعی کا خطبۂ افتتاحیہ، قرآن کریم کے نظریۂ تاریخ اور اس کے اثرات، حضرت معاویہ کی تاریخ نویسی کے سلسلہ میں مسائل، سیرت نبوی کے باب میں صحابہ کرام خاص کر حضرات ابن عباس، البراء بن عازب اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کی تحریری یادداشتوں اور تابعین کرام کے سرخیل حضرت ابان بن عثمان کے مختصر

تذکرہ کے بعد حضرت عروہ بن زبیر اور ان کے خاندانِ ذی شان اور ان کی سیرتی مساعی وغیرہ پر مفصل بحث ہے۔ اس کے آخر میں راوی کتاب ابوالاسود اور ابن لہیعہ کا تذکرہ ہے اور استخراج کتاب المغازی یا مرویات ابوالاسود کا طریقہ بھی بیان ہوا ہے، پھر کتاب المغازی کے بارے میں چند فنی مباحث ہیں جو دراصل اس کی خصوصیات ہیں۔ کتاب المغازی کے موضوعات پر بھی مختصر بحث ہے۔ عبدالعزیز الدوری کے تبصرہ پر تنقید کرنے کے علاوہ مغازی موسیٰ بن عقبہ کے بعض ابوابِ سریت کے حوالہ سے موازنۂ عروہ و موسیٰ ہے۔

اصل کتاب المغازی صفحہ ۱۰۱ سے شروع ہوتی ہے اور صفحہ ۲۴۰ پر ختم ہوتی ہے جس کے بعد متعدد ضمیمے ہیں جو مرتب گرامی نے مختلف مصادر سے دوسری اسانید پر مروی ہونے کے سبب نقل کئے ہیں۔

کتاب المغازی کا اولین مبحث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لئے تیار کرنے سے متعلق ہے جس میں آپ کے رؤیائے صادقہ دیکھنے، آوازِ غیب سننے، حضرت جبریل علیہ السلام کی زیارت کرنے، شجر و حجر کے سلام کرنے اور حضرت خدیجہ سے آپ کا ان غیبی چیزوں کا حال بیان کرنے کا ذکر خیر ہے۔ اس کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی، عتبہ بن ربیعہ کے نصرانی غلام عداس سے ملاقات کی اور حضرت جبریلؑ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ (ص ۲-۱۰۱)

دوسری بحث ''وحی کی ابتداء'' ہے جس کا آغاز رؤیائے صادقہ دیکھنے اور حضرت خدیجہ کی تصدیق کرنے سے ہوتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ پہلی وحی الٰہی یعنی قرآن کریم کے نزول کا ذکر ہے جس میں بعض نکات نئے ہیں۔ سورہ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات کے نزول کے علاوہ اس بحث میں حضرت عداس، حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت زید بن نفیل اور ان کے اسلام لانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کا بیان ہے۔ (ص ۵-۱۰۲) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولین نماز و وضو اور ان کے سیکھنے کا بہت مختصر ذکر کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دین کا ذکر ہے وہ دراصل اس خط پر مبنی ہے جو حضرت عروہ نے خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کے استفسار پر ان کو لکھا تھا، اس کے آخر میں ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے عنوان سے مہاجرین اولین کے پندرہ اسماء گرامی گنائے ہیں۔ (ص ۷-۱۰۵) اسی کے ساتھ متصلاً حبشہ سے بعض مہاجرین کی واپسی کا مختصر حوالہ ہے مگر زیادہ بحث غرانیق کے واقعہ پر ہے، واپس آنے والے مہاجرین اور مکہ مکرمہ میں ان کے قیام و سکونت کا ذکر کر کے حبشہ کی دوسری ہجرت کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت جعفر کی تقریر اور قریشی وفد کا مفصل بیان ہے۔ (۱۶-۱۰۷)

مکی اور نبوی کے دوسرے مباحث میں حسب ذیل شامل ہیں: شعب بنی ہاشم میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ مکرمہ کے بقیہ مسلمانوں کی قید و بند، صحیفۂ مقاطعہ کا ضائع ہونا (ص ۲۱-۱۱۶) مختلف قبائل عرب کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرنا اور طائف کا سفر کرنا (ص ۲۳-۱۲۱)، حدیث اسراء ومعراج کا صرف حوالہ ہے۔ (ص ۱۲۳) بیعت عقبہ اولیٰ وثانیہ کا عنوان قائم کر کے پہلے اولین بیعت کا ذکر ہے پھر دوسری بیعت کا اس کے الگ عنوان سے ہے جس کے بعد بیعت عقبہ اخیرہ میں حاضری دینے والے گیارہ انصار کرام کی فہرست ہے۔ (ص ۳۰-۱۲۴) ایک مختصر فصل میں صحابہ کرام کے مدینہ ہجرت کرنے کا ذکر کرنے کے بعد، سول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا نسبتاً زیادہ ذکر کیا ہے (ص ۳۳-۱۳۰)

مدنی دورِ حیاتِ طیبہ کا ذکر اچانک ''غزوۂ بدر'' کے ذکر و عنوان سے شروع ہوتا ہے، اس میں ابن الحضرمی کے قتل، قافلۂ قریش، مسلم ارادہ و منصوبہ، مسلم لشکر کی روانگی، ابوسفیان کی مکہ والوں سے امداد کی درخواست کا ذکر (ص ۳۴-۱۳۳) کرنے کے بعد عاتکہ کے خواب پر مفصل بحث ہے۔ (ص ۶-۱۳۵) اسی میں غزوہ بدر کا کافی مفصل بیان ہے (۷۰-۱۳۶) حضرت عروہ کی اس روایت میں بعض نئے نکات ہیں جیسے ابوجہل کی دعا وغیرہ۔ بیان غزوہ کی قرآنی آیات سے مدلل کیا ہے (ص ۶۱-۱۵۱)۔ معمول کے مطابق بدری صحابہ کی فہرست قبیلہ واردی ہے۔ اس کے بعد دوسری فہرست مزید شرکائے بدر کا عنوان سے ہے آخر میں ان بدری صحابہ کی فہرست ہے جن کو کسی عذر شرعی کے سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدری قرار دے کر مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا (ص ۷۰-۱۶۱)۔

غزوہ ذات السویق کی بحث مختصر ہے (ص ۷۱-۱۷۰) اس سے زیادہ مفصل وہ فصل ہے جو قتل کعب بن الاشرف پر باندھی ہے (ص ۷۲-۱۷۱)۔ اس کے بعد غزوہ بنی النضیر کا ذکر سورۃ الحشر کے حوالہ سے کیا ہے (ص ۷۶-۱۷۲)۔ غزوہ احد کا نسبتاً مفصل ذکر ہے جو مختلف فصول میں کیا گیا ہے جیسے رئیس المنافقین کی پہلو تہی، حضرت طلحہ کی استقامت، ابی بن خلف کا قتل، حضرت حمزہ کی شہادت، احد کے بعض شہدا کے اسماء گرامی (ص ۸۰-۱۷۶) اور غزوۂ حمراء الاسد (ص ۸۲-۱۸۱)۔

بعث الرجیع کے عنوان سے واقعۂ رجیع کا المناک ذکر ہے (ص ۸۵-۱۸۳) اسی سے متصل غزوہ بئر معونہ کا دردناک باب ہے (ص ۸۹-۸۵) جو ان کے بعض شہدا کے ذکر خیر پر تمام ہوتا ہے۔ ایک

مختصر فصل میں غزوۂ بدر الآخرہ کا حوالہ دے کر (ص ۹۰-۱۸۹) غزوہ الخندق/الاحزاب کا مختصر ترین ذکر ہے جس میں مسلمانوں کی ابتلا اور خندق کھودنے کی سلمانی تجویز بیان کرنے کے بعد غزوہ کی تفصیلات سے گریز کیا ہے۔ (ص ۱۹۰) البتہ غزوہ بنی قریظہ کا بیان خاص مفصل ہے (۹۶-۱۹۰) مگر اس میں زیادہ توجہ حضرت سعد بن معاذ اوسی کی تحکیم کے واقعہ پر مرکوز رکھی گئی ہے۔

غزوۂ مریسیع یا بنو المصطلق کی دو اختلافی تاریخیں شعبان ۵ھ یا شعبان ۶ھ دینے کے بعد کتابِ مغازی میں حضرت عروہ نے منافقین اور مسلمانوں کے درمیان ایک ناخوشگوار واقعہ پر پوری توجہ مرکوز رکھی ہے، اس میں نہ تو غزوہ کے واقعات کا کوئی حوالہ ہے اور نہ واقعۂ افک کا (ص ۹۷-۱۹۶)۔ اس کے بعد غزوۂ الحدیبیہ ذوقعدہ ۶ھ سے متعلق صرف ایک معجزۂ نبوی کا ذکر ہے، حدیبیہ کے واقعات میں قریش کے پاس حضرت عمر کو بطور سفیر بھیجنے کے ارادۂ نبوی اور بعد میں ان کے مشورہ پر حضرت عثمان کے بطور قاصد بھیجے جانے کا ذکر ہے۔ بیعت رضوان کے سلسلہ میں اس کا نیا محرک بتایا گیا ہے کہ فریقین میں سے کسی نے پتھر پھینکا جس سے دونوں میں تلخی پیدا ہوئی اور اس کے نتیجہ میں آپ نے بیعت لی، اس سے کفار مرعوب اور خوفزدہ ہوئے اور انہوں نے صلح کرنے میں جلدی کی۔ صلح نامہ کی تحریر کے ضمن میں شرائط صلح کا ذکر بعض نئی تفصیلات اور آیات قرآنی کے حوالے سے کیا ہے۔ (ص ۲۰۰-۱۹۷)

''غزوۂ خیبر الاولیٰ'' کی سرخی کے تحت حضرت عبداللہ بن رواحہ کی اس مہم کا ذکر کیا ہے جو اسیر بن رازم کے خلاف خیبر بھیجی گئی تھی، وہ تمام ضروری معلومات حاصل کر کے واپس آئے تو ان کو دوبارہ اسی مقصد سے اگلے ماہ شوال ۶ھ میں بھیجا گیا، اسی ضمن میں حضرات عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس اسیر کو قتل کرنے کی مہم کا بھی ذکر ہے۔ اس کو حضرت عداللہ بن رواحہ کی مہم کا ایک حصہ بتایا گیا ہے۔ اس میں یہودی کے قتل کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے (ص ۲۰۱-۲۰۰) اس کے معاً بعد حضرت عروہ نے ہرقل کے ساتھ حضرت ابوسفیان کی وہ گفتگو نقل کی ہے جو شاہِ روم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کی تھی کیونکہ اس کو آپ کے بارے میں علم ہو چکا تھا اس روایت میں بعض اہم نکات ہیں (ص ۳-۲۰۱)۔ غزوۂ خیبر میں جھنڈوں کے اولین استعمال اور فتح کے مختصر ترین حوالہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دینے کی یہودی کوشش

وسازش اور حضرت صفیہ سے آپ کی شادی کا ذکر ہے اور خاتمہ تین شہدائے خیبر کے اسماء پر کیا ہے۔ غزوۂ خیبر کے ضمن میں ایک یہودی غلام اسود الراعی کے ایمان لانے اور حضرت علی کے معرکہ میں ان کے شہید ہونے کا زیادہ ذکر ہے۔ (ص ۵-۲۰۳)

اس کے برعکس عمرۃ القضاء ے ھ کا ذکر کچھ زیادہ مفصل ہے جس میں تفصیلات بھی ہیں اور کچھ اشعار بھی، آخر میں حضرت میمونہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا ذکر خیر اور حضرت حمزہ کی دختر نیک اختر کی تولیت سے متعلق واقعہ مذکور ہوا ہے (ص ۸-۲۰۵) غزوۂ موتہ کا واقعہ بھی کافی مفصل بیان ہوا ہے اور اس کے آخر میں دس شہدائے موتہ کی فہرست ہے (ص ۱۱-۲۰۸) غزوۂ ذات السلاسل ۸ھ کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد فتح مکہ کا بیان کافی مفصل آیا ہے جس کے آخر میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل مخزومی کے فرار، واپسی، قبول اسلام کے بعد حضرت معاذ بن جبل کے مکہ کرمہ کا معلم قرآن مقرر کرنے کا ذکر ہے (ص ۱۸-۲۱۱) حضرت صفوان بن امیہ سے غزوہ حنین کے لئے اسلحہ مستعار لینے کا ذکر کر کے غزوہ حنین کے واقعات کو اسی غزوہ کی سرخی کے تحت بیان کیا ہے۔ (ص ۲۲-۲۱۸) غزوہ طائف کا ذکر اس کے بعد آیا ہے (ص ۴-۲۲۲) اس کے بعد حنین کے مال غنیمت کی تقسیم، حضرت عباس بن مرداس کے اشعار مؤلفۃ القلوب کے عطایا اور انصار کی شکایت کا حوالہ دیا ہے، آخر میں شہدائے حنین میں سے صرف تین کے اسماء دیئے ہیں۔ (ص ۵-۲۲۴) غزوہ تبوک کا بیان قرآنی آیات سے زیادہ مدلل ہے اور واقعات سے غزوہ کم (ص ۲۸-۲۲۵) ایک بہت مختصر فصل حجۃ الوداع پر ہے جس میں حج افراد اور حج تمتع پر زیادہ زور ہے (ص ۹-۲۲۸) آپ کے مرض وفات اور وفاتِ حسرت آیات کا ذکر زیادہ مفصل ہے، اس میں متعدد قرآنی حوالے موجود ہیں اور حضرت ابوبکر کا خطبہ بھی۔ تجہیز و تکفین اور تدفین کا بہت مختصر حوالہ ہے۔ (ص ۳۴-۲۲۹)

کتاب المغازی کی آخری فصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف وثائق اور معاہدوں کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ اس میں بالترتیب حسب ذیل معاہدات نبوی کا متن دیا گیا ہے: اہل نجران کے لئے معاہدۂ نبوی، ثقیف کے ساتھ معاہدہ، ثقفی مسلمانوں کے لئے تحریر نبوی، اہل ہجر کے لئے تحریر، اہل ایلہ، اہل خزاعہ اور زرعہ بن ذی یزن کے نام فرامین نبوی (ص ۴۰-۲۳۴)۔

مرتب کتاب نے جن ضمیموں کو اس کتاب مستطاب کے آخر میں شامل کیا ہے ان کی تفصیل یہ

ہے: ضمیمہ اول خلیفہ عبدالملک بن مروان کے نام حضرت عروہ بن زبیر کا گرامی نامہ جس میں بیعت عقبہ اور ہجرت نبوی کا ذکر ہے (ص ۴۲-۲۴۱)۔ دوسرا نامہ عروہ واقعہ بدر الکبریٰ سے متعلق ہے (ص ۴۵-۲۴۲) اور خاصا مفصل ہے۔ اس خلیفہ اموی کے نام تیسرا نامۂ حضرت عروہ ہے جو فتح مکہ کی بابت ہے (ص ۴۷-۲۴۶) اس ضمیمہ میں دو الگ الگ سرخیوں کے تحت غزوہ حنین اور غزوۂ طائف کے باب میں دو تحریراتِ عروہ نقل کی گئی ہیں۔ (ص ۴۹-۲۴۷)

ضمیمہ دوم ان بدری صحابہ کرام کے اسماء گرامی پر مشتمل ہے جن کو حضرت عروہ کی روایت میں بار نہیں ملا۔ مختلف کتابوں سے ان کی فہرست تیار کی گئی ہے، حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور خاصی مفصل ہے، حروف تہجی کے بعد کنیت سے مشہور بدری صحابہ کرام کا ذکر ہے۔ آخر میں شہدائے بدر میں سے گیارہ حضرات کی فہرست ابن اسحاق کے حوالہ سے دی گئی ہے۔ اسی پر ضمیموں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے (ص ۶۷-۲۴۹)۔ اس کے بعد حواشی کتاب ہیں جو مرتب گرامی نے متن کتاب کے سلسلہ میں تحریر فرمائے ہیں (ص ۸۵-۲۷۱) ان ہی پر حضرت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی تمام ہوتی ہے۔

امام محمد ابن اسحاق

(۸۵-۱۵۰ھ/۷۶۷-۷۰۴ء)

علمی وتہذیبی پس منظر

مدینۂ منورہ عہد نبوی اور عہد صحابہ کرام وتابعین عظام میں حدیث وسیرت کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ اسلامی ریاست کے دوسرے تمام علماء قرآن وحدیث، سیرت وفقہ اور بعض دوسرے اسلامی علوم وفنون میں مدینہ ہی سے ہی کسب فیض کرتے تھے یا اپنی تعلیم وتحقیق پر سند تکمیل ومہرِ تصدیق ثبت کرانے کے لئے مدینۂ منورہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسا منطقی بھی تھا اور حالات وواقعات کے اعتبار سے تاریخی بھی۔ کیونکہ شہر رسول اپنے ابتدائی ارتقائی دور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام کا مدرسہ بھی تھا۔ مذہبی، فقہی اور تاریخی عوامل کے نتیجہ میں اور دوسرے علوم وفنون کے علاوہ سیرت نبوی کا آغاز وارتقاء مدینۂ منورہ میں ہوا۔ حدیث وسنت کی شکل میں صحابہ کرام نے حیات وسیرت نبوی کے تمام گوشوں پر محیط معلومات یا تو جمع کر لی تھیں یا مدون ومرتب کر دی تھیں۔ تابعین نے خاص سیرت ومغازی پر حدیث وسنت کے طریقہ سے ذرا مختلف انداز میں مواد جمع کرنا شروع کیا اور متعدد تابعین نے اپنے معاصروں اور دوسرے نسل کے مسلمانوں۔تبع تابعین۔ میں اپنے بہت سے شاگرد پیدا کئے جنہوں نے سیرت ومغازی کے فن کو ایک انفرادی تشخص دیا اور پروان چڑھایا۔

ابن اسحاق کے پیشرووں میں اسٹنفیلڈ نے اپنی جرمن کتاب ''مورخین عرب'' میں کم از کم ستائیس مورخوں اور سیرت نگاروں کے نام گنائے ہیں جبکہ جوزف ہوروونس، یوحان فوک اور حمید اللہ وغیرہ نے اس میں مزید آٹھ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اگر ابن اسحاق کے اساتذۂ حدیث اور رواۃ اخبار

کے نام بھی شامل کر لئے جائیں تو یہ فہرست سیکڑے سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ ان بزرگ سیرت نگاروں میں سے اکثر نے تو الگ الگ پہلوؤں پر روایات واخبار جمع کئے تھے مگر کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے کتاب المغازی کے نام سے سیرت نبوی پر مستقل کتابیں بھی تالیف کی تھیں۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ اگر ان میں سے کسی مؤلف کی کتابِ سیرت مل جاتی تو ابن اسحاق وابن ہشام کی سیرت نبوی سے اس کا موازانہ کر کے فن سیرت کے ارتقاء کے مدارج کا تعین کیا جا سکتا۔ بہر حال یہ حقیقت واضح ہے کہ ابن اسحاق اولین سیرت نگار رسول نہیں تھے۔ اولیت کا سہرا تو کسی گمنام سیرت نگار کے سر بندھتا، تاہم یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق کی سیرت نبوی ابن ہشام کی تہذیب کی شکل میں ہم تک پہونچنے والی سب سے پہلی مکمل سیرت کی کتاب ہے۔ اور یہی اس کی فضیلت ہے۔

خاندان

عام طور سے محمد بن اسحاق کو طبقۂ موالی میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کے دادا یسار کو ایرانی النسل اور عیسائی المذہب بتایا جاتا ہے مگر محمد حمید اللہ کا خیال ہے کہ وہ اگرچہ موالی میں سے تھے تاہم ان کا خاندان عرب تھا اور ان کے دادا یسار بن خیار ان عرب بچوں میں سے تھے جن کو قید کر کے کسریٰ کے پاس رہن رکھا گیا تھا۔ بہر حال ان کے دادا یسار جنگ عین التمر ۱۲ھ/۶۳۳ء میں حضرت خالد بن الولید کے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ آئے جہاں وہ حضرت قیس بن مخرمہ بن نوفل مطلبی کے غلام بنے اور پھر اسلام قبول کرنے پر آزاد ہوئے۔ یہیں مدینہ میں ان کے فرزند اسحاق ۵۳ھ/۳-۶۷۲ء اور اس کے پوتے محمد ۸۵ھ/۵-۷۰۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔

عہد نبوی ہی میں موالی کا طبقہ اپنے علمی فضل وشرف کے لئے ممتاز ہونا شروع ہو گیا تھا چنانچہ متعدد فضلاء کے نام اس طبقہ میں نظر آتے ہیں اور اسلام کے نظریۂ مساوات واخوت کے علاوہ اس فیضانِ علم کا ایک اہم عنصر مدینۂ منورہ کی علمی فضا تھی۔ عہدِ صحابہ اور دورِ تابعین میں تو طبقۂ موالی نے مختلف علوم وفنون میں شاندار کارنامے انجام دئے اور بعد کی صدیوں میں وہ اشراف واحرار کے شانہ بشانہ کھڑے نظر آتے ہیں اور کہیں کہیں تفوق کی آخری منزل پر۔ یہاں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ موالی کی علمی تربیت اور فنی مہارت کی بنیادی اور فوری وجہ ان کے سر پرست خاندانوں کی علم

نوازی اور بندہ پروری بھی تھی جس کے سبب وہ پہلے علوم وفنون حاصل کرنے اور پھر مسندِ تدریس و تعلیم سے اس کی اشاعت کرنے کے اہل بنے تھے۔

تعلیم و تربیت

حضرت قیس بن مخرمہ مطلبی کا خاندان حدیث وسنت، سیرت ونسب اور عرب شاعری کے لئے ممتاز تھا۔ ان کے والد حضرت مخرمہ بن نوفل م۵۴ھ/۴-۶۷۳ء نے حضرت عمر کے لئے انساب کا دیوان مرتب کیا تھا کیونکہ وہ انسابِ عرب اور ایام العرب کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ حدیث وسیرت میں بھی ان کے خاندان کی خدمات کے حوالے ملتے ہیں۔ ابن اسحاق کے والد ودادا کی تربیت اسی خاندان میں ہوئی تھی اور جیسا کہ مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کو حدیث واخبار سے دلچسپی اور پھر تعلیم وتدریس کے مواقع اسی کی بدولت فراہم ہوئے تھے۔ ان کے والد کو بھی احادیث واخبار جمع کرنے کا شوق تھا اور اسی وجہ سے ابن اسحاق نے اپنی کتاب میں ان سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ ابن اسحاق کے دو بھائی اور تھے: ابوبکر اور عمر، اور ان دونوں کو بھی علوم وفنون سے دلچسپی تھی لیکن ان کے علمی کام کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

خاندانِ مطلبی کے علاوہ متعدد حضرات نے ابن اسحاق اور ان کے والد وغیرہ کی تعلیم وتربیت کی اسلامی ذمہ داری نبھائی، انہوں نے مدینۂ منورہ کے بہت سے اساتذہ کرام، محدثین اور علماءِ سیرت ومغازی سے فائدہ اٹھایا۔ امام انس بن مالک اور حضرت سعید بن المسیب کے معاصر ہونے کے علاوہ انہوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق، ابان بن عثمان، محمد بن علی بن حسین، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، نافع مولیٰ حضرت ابن عمر اور ابن شہاب زہری، عاصم بن قتادہ، عبد اللہ بن ابی بکر، یزید بن رومان تلمیذِ عروہ بن زبیر جیسے علماء حدیث وسیرت سے اپنے فنِ خاص میں درس لیا اور محمد بن ابی احمد، مغیرہ بن لبید سے تفسیر، اور اسرائیلیات کا علم وہب بن منبہ سے حاصل کیا۔ ان تمام رواۃ کو اگر اساتذہ کا درجہ دے دیا جائے تو شیوخِ ابن اسحاق کی تعداد سو سے اوپر جا پہونچتی ہے۔ یہ تمام وہ علماء شیوخ ہیں جن کے علمی تبحر اور دیانت وصلاحیت کی قسم کھائی جاتی ہے۔

علمی حیثیت

ابن اسحاق کے بارے میں عام خیال یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ حدیث میں تو حجت نہیں ہیں لیکن مغازی و سیرت میں حجت و قابل اعتماد ہیں، اگر چہ بعض علماء و ناقدین نے ان کی ہر دو حیثیتوں کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ حدیث و مغازی دونوں میں ابن اسحاق کے بارے میں مخالف و موافق آرا اور تبصرے موجود ہیں۔ ان کی حمایت و تائید کرنے والوں میں امام زہری، سفیان بن عیینہ، شعبہ بن الحجاج، ابوزرعہ، ابو حاتم، ابن المدینی، امام شافعی، عاصم بن عمر بن قتادہ، ابو معاویہ، امام بخاری، عبداللہ بن ادریس الاودی، مصعب، یزید بن ہارون، علی بن المدینی، العجلی، یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل کے علاوہ عبداللہ بن قائد، خلیج بن سلیمان وغیرہ عظیم علمائے حدیث و سیرت نے ان کی توثیق کی ہے۔ امام مالک بن انس، یحییٰ بن معین (ایک روایت کے مطابق) امام نسائی، دارقطنی طیالسی، ہشام بن عروہ، مکی بن ابراہیم، سلیمان تیمی، یحییٰ بن قطان وغیرہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق پر کسی نہ کسی پہلو سے تنقید کی تھی اور ان میں سے کسی نے تو سرے سے قابل اعتماد نہ جانا تھا اور بعض نے ان کی تائیدی احادیث قبول کی تھیں یا اس کے حق میں تھے اور بعض فقہی اور غیر فقہی کی قید لگاتے تھے اور کسی نے مغازی میں قابلِ اعتماد مگر فن حدیث میں غیر ثقہ قرار دیا تھا۔

امام مالک بن انس اور ہشام بن عروہ کی تنقید دراصل معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہے اور اس کو بعد کے لوگوں نے بہت وسیع کر کے ابن اسحاق کی ثقاہت کا معاملہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ امام مالک اور ابن اسحاق کے درمیان جو اختلاف و منافرت نظر آتی ہے وہ طریق روایت کے اختلاف کے سبب تھی۔ ابن اسحاق پر امام کا جو الزام تھا وہ یہ تھا کہ مؤلف سیرت غزوات نبوی اور سیرت کے دوسرے پہلوؤں کے بارے میں یہودیوں کی مسلمان اولادوں سے روایت کرتے تھے اور یہ امام مالک کے نزدیک قابل اعتراض بات تھی کیونکہ ان کے خیال میں ابن اسحاق روایات جمع کرنے کے شوق میں اس کا التزام نہیں کرتے تھے کہ ان کے راوی ثقہ بھی ہیں یا نہیں۔ امام مالک پر ابن اسحاق کا اعتراض یہ تھا کہ اول الذکر اپنے آپ کو حمیر کی شاخ اصبح کا فرد بتاتے تھے جب کہ ابن اسحاق کے نزدیک وہ ذی اصبح کے موالی میں سے تھے۔ یہ بھی ان دونوں کے درمیان بنائے منافرت تھی، امام مالک کو ابن اسحاق کی یہ بات بھی

ناگوار گذری تھی کہ انہوں نے مؤطا پر نقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ ابن سید الناس نے واضح کیا ہے کہ فنی اور علمی اختلاف کے باوجود دونوں میں آخری قیامِ مدینہ کے زمانے میں تعلقات استوار ہو گئے تھے اور ابن اسحاق کی عراق روانگی کے وقت امام مالک نے ان کو نہ صرف پچاس دینار تحفہ میں دئے بلکہ اس سال کی پھلوں کی پیداوار کا نصف حصہ بھی نذر کیا تھا۔ ہشام بن عروہ کا جو نقد بیان کیا جاتا ہے وہ دراصل نقد ہے ہی نہیں۔ ہشام کے اس تبصرے سے کیا وہ میری بیوی فاطمہ سے روایت کرتے رہے ہیں؟ دراصل تعجب کے اظہار کا احاطہ ہے، عہد صحابہ اور دورِ تابعین میں خواتین سے روایت وسماعت دونوں ثابت ہیں اور اس میں کسی قسم کی قباحت بھی نہیں تھی۔ ہشام کی بیوی خود ان سے تیرہ چودہ سال بڑی تھیں اور راوی ابن اسحاق سے سینتیس سال۔ عمر کا یہ عظیم تفاوت کسی غیر اخلاقی عنصر کی یوں بھی نفی کرتا ہے کیونکہ جب ابن اسحاق نے ان سے روایت لی ہوگی تو وہ پچاس پچپن سال کی بوڑھی عورت رہی ہوں گی۔ اس کے علاوہ اگر ابن اسحاق نے اپنے بچپن میں یہ روایت نہیں سنی تو پردہ وحجاب کے پیچھے سے سنی ہوگی۔ اس لئے وہ تمام بیانات جو یہود سے روایت اور خاتونِ خانہ سے سماعت کے بارے میں وارد ہوئے ہیں ان کی حیثیت محض الزامات کی ہے اور ان کی بنا پر ابن اسحاق پر نقد وجرح کرنا علمی دیانت کے خلاف ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو بعد کے جلیل القدر محدثین ومورخین اور اہل سیر یہودیوں کی نومسلم اولادوں اور فاطمہ کی روایات کو اسی سند سے قبول کر کے اپنی کتابوں میں جگہ نہ دیتے۔ ابن اسحاق کی علمی دیانت کے ثبوت اور فنی ثقاہت کے اثبات کے لئے یہی بات کافی ہے۔

بعد کے محدثین نے بالخصوص ابن اسحاق پر جو نقد کیا ہے اس کی اصل بنیاد ان کے طریقہ تدلیس پر قائم ہے۔ محدثین اور ان کے پیرووں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ ہر حدیث وروایت کو الگ الگ ان کے راویوں کے واضح ناموں کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اگر کسی اختلاف کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے خاص راوی کا بھی ذکر کر دیتے ہیں، جب کہ مورخین وسیرت نگاروں نے متعدد روایات واخبار کو جوڑ کر ان میں ربط خبر اور تسلسل بحث قائم کر کے زمانی ترتیب واقعات کے مطابق بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ راویوں کے نام اور اپنی تمام اسناد کسی ایک جگہ بیان کر دیتے ہیں۔ یہ دراصل تاریخ وسیرت کے فن کا تقاضا تھا کہ اس کو پورا کئے بغیر مسلسل ومربوط بیان پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے برخلاف محدثین کا طریقہ ان کے فن کے تقاضوں کے مطابق تھا کہ ان کو کوئی مسلسل مربوط بیان نہیں دینا ہوتا تھا

اور صرف ایک نکتہ کو روشنی میں لانا ہوتا تھا۔ یہ دراصل محدثین اور مورخین و سیرت نگاروں کے طریقۂ تدوین، تصنیف کا فرق ہے جو باعث اختلاف بنا، اس کی بنا پر کسی عالم و مورخ کی دیانت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ابن اسحاق پر تدلیس کے سبب بعض حضرات نے شدید تنقید کی مگر امام زہری وغیرہ کی ایسی تمام روایات سب کے نزدیک مقبول رہیں اور کسی نے ان کو اس بنا پر ہدفِ تنقید نہیں بنایا۔ طرفہ ستم یہ کہ اکابر محدثین بھی اس عیب سے اگر وہ عیب ہے مبرا نہیں۔ انہوں نے بھی ایک سے زیادہ راویوں کی روایات مخلوط کر کے بیان کی ہیں جن کے مختلف حصوں کے بارے میں یہ حتمی طور سے کہنا ممکن نہیں کہ کون سا حصہ روایت یا متنِ حدیث کس راوی کا بیان کردہ ہے۔

ابن اسحاق پر بعض روایات کے مطابق یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ وہ شیعی اور قدری عقائد رکھتے تھے۔ ابن سید الناس نے ان کے دفاع میں کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ دوسری تصنیفات میں ایسی کوئی بات ہو مگر سیرت نبوی کے باب میں ان الزامات کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ مکی بن ابراہیم کے صفات الٰہی کے بیان پر ابن اسحٰق کے حلقۂ درس سے اٹھ کر چلے جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں قدری عقائد کا شائبہ تھا۔ ایسے علمی اختلافات ہر طرح سے ہم مسلک و ہم عقیدہ افراد کے درمیان روزمرہ کے معمولات ہیں، وہ دراصل طرزِ تعبیر و طریقۂ ادا کے اختلافات بھی ہوسکتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں۔ دراصل اس باب میں الزام اور طعن تشیع کا عنصر زیادہ کارفرما ہے اور حقیقت معدوم ہے ورنہ حقائق سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ کم از کم قدری یا شیعی عقائد کے اثبات کے لئے سیرتِ نبوی سے کوئی مثال نہیں پیش کی گئی اور اگر بالفرض پیش بھی کی جائے تو اس کی تاویل کی کافی گنجائش موجود ہے بلکہ متعدد اور بہت سی روایات ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جو ان کے قدری، معتزلی یا شیعی ہونے کی تردید کرتی ہیں۔

سفرِ عراق

ابن اسحاق نے اپنی عمر کے آخری برسوں میں مشرقی علاقوں کا سفر کیا اور کوفہ، بصرہ، الجزیرہ، رے اور بعد میں مصر میں مختصر قیام کر کے بغداد کی تاسیس کے بعد وہاں سکونت اختیار کی اور بالآخر وہیں ۱۵۱ھ/ ۷۶۸ء میں جان جاں آفریں کو سپرد کی اور خیزران کے قبرستان قدیم میں مدفون ہوئے۔ روایات سے نہ ان کے سفر کی وجوہ و محرکات کا علم ہوتا ہے اور نہ قطعی زمانہ کا۔ عام طور سے سوانح نگاروں

نے اس باب میں بھی قیاسات سے کام لیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امام مالک اور ہشام بن عروہ وغیرہ مخالف علماء کی منافرت و دشمنی کی وجہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، دوسرا قیاس یہ ہے کہ ان کو اپنے قدری عقائد کی وجہ سے مدینہ چھوڑنا پڑا تھا۔

ابن سعد کے ایک بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عباسی دور کے آغاز میں مدینہ سے اپنے سفر پر نکلے تھے۔ غالباً ان کے سفر کا مقصد و محرک اشاعتِ سیرت نبوی تھی جو انہوں نے اتنی محنت و کاوش سے مرتب کی تھی۔ اس قیاس کی تائید سیرتِ ابن اسحاق کی ان بکثرت روایات اور سماعات سے ہوتی ہے جو انہوں نے کوفہ، بصرہ، رے اور بغداد میں کی تھی۔ وسٹنفیلڈ، فیوک اور گیوم وغیرہ نے ان کے کم از کم پندرہ راویوں کا پتہ لگایا ہے جن میں سے مدینہ اور بغداد کے ایک ایک، کوفہ کے پانچ، بصرہ کے تین اور رے کے پانچ راوی تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حال ہی میں جو سیرت ابن اسحاق کا متن شائع کیا ہے وہ کوفہ راوی یونس بن بکیر (م۱۹۹ھ/ ۵-۸۱۴ء) اور رے کے راوی محمد بن سلمہ الحرانی (م۱۹۱ھ/ ۷-۸۰۶ء) کی روایات پر مبنی ہے۔ جب کہ ابن ہشام کی تہذیب کی شکل میں پایا جانے والا متداول نسخہ زیاد بن عبداللہ بکائی (م۱۸۳ھ/ ۸۰۰-۷۹۹ء) کی روایت پر مبنی تھا جو کوفہ کے راوی و عالم تھے۔ یہاں یہ نکتہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ طبری کے یہاں ابن اسحاق کے اقتباسات زیادہ تر سلمہ اور یونس بن بکیر ہی کی روایت پر مبنی ہیں۔ امام زہری کے برعکس ابن اسحاق نے اموی حکمرانوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا مگر اپنے قیامِ عراق و ترکستان کے زمانے میں انہوں نے بعض روایات کے مطابق عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور اور اس کے بھائی اور والی جزیرہ عباس اور فرزند محمد المہدی کے دربار سے باقاعدہ وابستگی اختیار کی تھی۔ خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں ابن اسحاق اور امام ابوحنیفہ کے درمیان ایک منافرہ/ مناظرہ کا حوالہ بھی بعض روایات میں ملتا ہے جس کے مطابق ابن اسحاق نے امام صاحب کو حلف اور اس کے ساتھ متصل استثناء کے فقہی مسئلہ پر مشکل میں ڈالنا چاہا تھا مگر امام موصوف کی فقہی صلاحیت اور ذہانت نے خود ابن اسحاق کو مبتلائے آزار کر دیا اور بالآخر وہ اسی کی پاداش میں قید ہوئے۔ علماءِ محققین نے اس روایت کو صحیح نہیں تسلیم کیا۔

تدوین سیرت کا زمانہ

بعض روایات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ابن اسحاق نے کتابِ سیرت خلیفۂ وقت کے حکم سے ان کے فرزند مطالعہ کے لئے تیار کی تھی حالانکہ ان روایات کا اصل مقصود یہ ہے کہ سیرت کا ایک نسخہ ابن اسحاق نے خلیفہ کے حکم سے دربار میں پیش کیا تھا اور جب اس کتاب کی ضخامت نامناسب اور ناقابل مطالعہ معلوم ہوئی تو مؤلف نے ایک مختصر تیار کیا جو ولیعہد کے مطالعہ میں آیا اور اصل کتاب خزانۂ عامرہ میں جمع و محفوظ کردی گئی، جوزف ہورووتس کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ ابن اسحاق نے مدینہ منورہ سے ہجرت اور نقل وطن کرنے سے قبل اپنی کتاب نہ صرف مکمل کرلی تھی بلکہ اس کی مسلسل روایت کرتے رہے تھے چنانچہ ان کے مدنی شاگرد ابراہیم بن سعد نے اس کی سماعت و روایت و مدینہ ہی میں کی تھی۔ اس کی ایک مزید تائیدی دلیل یہ ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق ابن اسحاق پھر کبھی مدینہ نہیں آئے تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق پوری کی پوری مدنی راویوں کی روایات پر مبنی ہے اور اس میں کہیں بھی کسی عراقی راوی کا نام نہیں آیا ہے۔ مزید براں ابن اسحاق نے عباسیوں کے جدامجد حضرت عباس بن عبدالمطلب کے غزوہ بدر میں گرفتار ہوا اور زرِ فدیہ ادا کرکے رہا ہونے کا واقعہ بھی لکھا ہے جس کو ان کے مدیر ابن ہشام اور واقدی وغیرہ دوسرے مورخین اور سیرت نگاروں نے از روئے احتیاط خارج کیا تھا۔ اس کی تائید مزید دو دلیلوں سے ہوتی ہے: اول یہ کہ امام زہری (م۱۲۴ھ/۷۴۲ء) نے اپنے شاگرد کی مغازی کی مہارت کا نہ صرف اعتراف کیا تھا بلکہ وہ بسا اوقات استفادہ بھی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ان سے علم مغازی حاصل کرنے کا مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔ یہ اسوقت تک ممکن نہیں جب تک ان کی سیرت نہ ہو چکی ہو۔ اس کے علاوہ امام مالک وغیرہ نے ان کے طریقۂ روایات پر نکتہ چینی اور معاصرانہ چشمک بھی اسی لئے کی تھی کہ وہ مغازی میں شہرت ہو چکے تھے، جب ابن اسحاق کوفہ وغیرہ کے سفر پر گئے تو ان کی شہرت ان سے پہلے وہاں پہونچ چکی تھی اور انہوں نے کوفہ، بصرہ، رے اور بغداد میں اپنی کتاب کی روایت کی تھی۔ بہر حال داخلی اور خارجی اتنی شہادتیں موجود ہیں جو حتمی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ سیرت ابن اسحاق مدینہ میں مکمل ہو چکی تھی۔

طریقۂ کار

روایاتِ سیرت کی جمع وتدوین میں ابن اسحاق کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ مختلف اسانید سے مروی انفرادی روایات واخبار کو بالعموم جمع اور باہم مخلوط کر کے ایک متصل ومسلسل، مربوط وہم آہنگ بیانیہ کی شکل دیتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک یہ تدلیس کا ایک طریقہ ہے مگر مورخین اور سیرت نگاروں کے لئے یہ طریقہ ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر کوئی تاریخی بیان مربوط ومسلسل فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات کی خوبصورت ترسیل اور دلچسپ ابلاغ کے لئے بیانیہ کا مربوط ومسلسل ہونا ضروری ہے۔ اکثر محدثین کرام نے بھی مربوط ومسلسل بیانیہ یا حدیث کی ترسیل وتنظیم کے لئے طریقۂ تدلیس اختیار کیا ہے۔

اسناد کے استعمال میں ابن اسحاق کے یہاں مختلف طریقے نظر آتے ہیں: کسی ایک موضوع پر الگ الگ سند سے ایک سے زیادہ روایات بیان کرتے ہیں اور ان میں ایسا ربط وتسلسل پیدا کرتے ہیں کہ وہ ترتیب زمانی کا فائدہ بھی دیتا ہے اور بیان کو مربوط بھی بناتا ہے۔ یہ طریقہ کتاب کے تینوں حصوں میں اکثر وبیشتر استعمال کیا گیا ہے۔ قبل اسلام کی تاریخ عرب سے متعلق حصہ میں جو المبتدا کہلاتا اور سیرتِ نبوی کا پسِ منظر فراہم کرتا ہے ابن اسحاق نے اسناد کا ذکر واستعمال شاذ ونادر ہی کیا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصہ جو المبعث کے نام سے موسوم ہے اور جس میں بعثت نبوی سے ہجرت کے متصل بعد کے کچھ واقعات بیان کئے گئے ہیں اسناد بکثرت رکھتا ہے اور تیسرے حصہ المغازی میں جو مدنی عہد کے حالات وواقعات کا مرقع ہے اسانید اور زیادہ کثرت سے نظر آتی ہیں۔ انفرادی اسانید کی ترتیب وتنظیم کی خوبصورتی یہ ہے کہ بعد میں ذکر ہونے والی روایات اپنی پیشتر روایات کی تائید وتصدیق کر کے یا اختلافی بیان دے کر موضوع کے بیان کو ارتقائی شکل میں آگے بڑھاتی رہتی ہے اور اس طرح ختم موضوع پر پورا مربوط بیانیہ موجود ہوتا ہے۔ کبھی ابن اسحاق اپنے ذرائع معلومات کا قطعی حوالہ نہیں دیتا ور دیتے ہیں تو وہ قطعی اور حتمی نہیں ہوتا۔ ایسے مواقع پر وہ " فیما بلغنی " (جیسا مجھے معلوم ہوا)" ذُکِرَلِیُ " (مجھ سے ذکر کیا گیا) جیسے فقرے استعمال کرتے ہیں اور کبھی بعض اہل علم نے مجھ سے بیان کیا وغیرہ جیسے جملوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مجہول الحال راویوں کی سند پر بھی معلومات

پیش کرتے ہیں۔ کبھی ان کی روایات موقوف، منقطع یا مرسل ہوتی ہیں، عموماً وہ متضاد بیانات دینے سے گریز کرتے ہیں۔ اسناد کے سلسلہ میں ابن اسحاق کا رویہ یہ ہے کہ اگر مؤلف وجامع ثقہ ہے تو اس کی بیان کردہ روایات پر اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ان کا اصل مقصود ابلاغ وترسیل معلومات ہے، نہ کہ کسی فنی اصول وقاعدہ کی ایسی لازمی پابندی جو ان کے اصل مقصود کا خون کردے۔

ابن اسحاق بیشتر جامعین وناقلین روایات کی مانند ہر روایت یا مجموعۂ روایات پر نقد وجرح یا تعدیل وتوثیق سے کام نہیں لیتے اور ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار بھی کم کرتے ہیں۔ لیکن صحت وعدم صحت یا اشتباہِ روایت کے سلسلہ میں ان کا ایک مخصوص طریقۂ کار ہے۔ اکثر وبیشتر ابن اسحاق اپنی صحیح اور قابل اعتماد روایات کے بیان کے لئے اسناد کے علاوہ "قال" (کہا) "روی" (روایت کی) "حدث" (بیان کیا) جیسے واضح الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن صحت واشتباہ دونوں کے احتمال ہونے کی صورت میں وہ "زعم" یا "زعموا" (اس نے یا انہوں نے گمان کیا)، "فِيمَا ذُكِرَ لِيْ، فِيمَا بَلَغَنِيْ" وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ واضح طور پر اپنے شبہ کا اظہار کردیتے ہیں کہ خدا معلوم بیان/ روایت صحیح ہے یا غلط، اور کبھی واللہ اعلم بالصواب (اللہ ہی صحیح بات بہتر جانتا ہے) کا فقرہ لاتے ہیں۔ اسی طرح اگر دو متضاد ومخالف روایات بیان کرتے ہیں تو ان کے نزدیک جو مرجوح ہوتی ہے وہ بعد میں "قیل" (کہا گیا) "یقال" (کہا جاتا) وغیرہ جیسے مجہول افعال سے شروع کی جاتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ دو متناقض روایات کی ترتیب بھی صحت وعدم صحت کا فائدہ دیتی ہے، عموماً ابن اسحاق کے نزدیک اولین روایت صحیح تر ہوتی ہے۔

ابن اسحاق کو سیرت ومغازی اور حدیث کی روایات کثرت سے جمع کرنے کا شوق تھا۔ اور یہ شوق عنوان شباب سے تھا۔ اس ضمن میں واقدی کے حوالے سے یاقوت کا بیان کردہ واقعہ ان کے ذوق وشوق کی غمازی کرتا ہے مگر یہ روایت "حکی" (بیان کیا گیا) کے اشتباہ آمیز لفظ سے شروع کی گئی ہے۔ مقصود اس روایت کا یہ ہے کہ ابن اسحاق مسجد میں مردوں کی آخری صف میں عورتوں کی صفِ اولی کے قریب بیٹھتے تھے تاکہ ان سے روایات وقصص اخذ کرسکیں۔ دشمنوں اور بدطینتوں نے طلب علم کو جنس زدہ بنا کر والیٔ وقت سے شکایت کردی جس کی پاداش میں ابن اسحاق کے خوبصورت بال کتروا دئے گئے اور کوڑے مارے گئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کو بعض دوسرے محققین کی مانند اس روایت کی صحت پر

طریقۂ اسناد کے علاوہ اس بنا پر بھی شبہ ہے کہ اس کے متن میں والی کا نام ہشام مخزومی بتایا گیا ہے جن کے زمانہ میں ابن اسحاق کی عمر محض سال دو سال رہی ہوگی، البتہ ان کے فرزند اسمٰعیل کی ولایتِ مدینہ کے زمانہ کا اگر یہ واقعہ ہو تو روایت صحیح ہو سکتی ہے کہ تب ابن اسحاق بیس تیس سال کے رہے ہوں گے۔ اسی جذبۂ علم و فورِ شوق کی تجلی تھی کہ ابن اسحاق نے مدینہ منورہ کے تمام اکابر شیوخ و اساتذہ کے علاوہ جن کی تعداد سو سے متجاوز ہے، ان گنت دوسرے راویوں سے کسبِ فیض کیا اور اسی کے سبب وہ نو مسلم فرزندان یہود اور بعض یہود و نصاریٰ سے بھی روایت کرنے پر مجبور اور پھر اس کے لئے متہم ہوئے۔

روایت و درایت دونوں کے لحاظ سے ابن اسحاق کی متعدد مرویات مشتبہ بھی ہیں اور بعض اوقات قابل رد بھی۔ سیرت نبوی کے اولین حصہ المبتدا کی بیشتر روایات کا منبع قصص ہیں جن میں قصص الانبیا کی مشتبہ اسرائیلیات بھی ہیں اور عرب وقائع سے متعلق قبائلی اور بطونی / خاندانی افتخار پر مبنی مشکوک روایات بھی۔ بعض ناقدین نے اسی کو شیعیت یا شیعی رجحان سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ ابن اسحاق کے یہاں خاندان بنی ہاشم کی عظمت و تقدس کی جو روایات ملتی ہیں وہ مبالغہ آمیز نظر آتی ہیں کیونکہ ان کی تائید دوسرے مآخذ سے نہیں ہوتی بلکہ ان کی تردید ہوتی ہے یا ان کے جلال و عظمت کی تحدید ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کی ایسی تمام روایات کا مطالعہ و تجزیہ ازرقی وغیرہ دوسرے مکتبۂ فکر کے نمائندوں کی روایات کے پس منظر میں کیا جانا چاہئے۔ حضرت علی اور ان کے خاندان سے مبالغہ آمیز محبت اور ترجیح کا عنصر بھی بہت واضح ہے اس کی وجہ سے ان پر شیعیت کا الزام لگایا گیا۔ اس ضمن میں حضرت علی کو اول مسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادیٔ مکہ میں نماز کی ادائیگی: ہجرت نبوی کے موقعہ پر آپ کے بستر میں جواب اور بعد ادائیگی امانت، ہجرت مدینہ، مواخاۃ میں آپ کا علی کو اسلامی برادر قرار دینا، مشاہد نبوی میں ان کی شرکت غزوۂ تبوک کے زمانے میں ان کی نیابت وغیرہ متعدد واقعات اور ان کے نام کے ساتھ علیہ السلام کے تلازمہ کا بسا اوقات استعمال اس الزام کی تصدیق کرتے ہیں تاہم اس ترجیح و تفصیل کے باوجود ابن اسحاق نے دوسرے مسلمانوں بالخصوص شیخین اور جلیل القدر صحابہ کے ساتھ ظلم نہیں کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غزوۂ خیبر میں جس فتح کا سہرا حضرت علی کے سر باندھ کر ان کو عام طور سے فاتح خیبر کہا جاتا ہے، ابن اسحاق نے اس کا شرف ایک دوسرے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو دیا ہے۔

سیرت ابن اسحاق میں ایک غیر تاریخی عامل کی کارفرمائی اور نظر آتی ہے اور وہ ہے مافوق

الفطرت عناصر کی تاریخی واقعات میں کارگذاری اس کا بیشتر مظاہرہ قصص الانبیاء میں ہوا ہے۔ چنانچہ سیرت نبوی کے باب میں ولادت نبوی سے قبل اور بعد والدۂ ماجدہ کے الہامی خوابوں، حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی سے قبل ایک عورت کی درخواست وغیرہ واقعات میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

ایک تجزیہ کے مطابق سیرت کا ایک تہائی/چوتھائی حصہ اشعار پر مشتمل ہے جس کے بارے میں ابن اسحاق کا دعویٰ ہے کہ وہ صحیح اور معاصر ہیں۔ ابن اسحاق پر اس بابِ خاص میں شدید نکتہ چینی کی گئی ہے اور ابن ہشام اور طبقات الشعراء کے مصنف ابن سلام جمحی سے لے کر دور جدید کے ناقدین و مبصرین تک سب سے بیشتر اشعار کی تکذیب کی ہے۔ یہ نکتہ چینی ان کے اپنے عہد میں بھی کی گئی تھی جس کی انہوں نے یہ کہہ کر توجیہ کی تھی کہ وہ اشعار کے پارکھ نہیں، جو کچھ ان کو روایات سے ملا درج کرلیا۔ بہرحال اس باب میں افراط وتفریط دونوں کی طرف سے ہوئی ہے اصل بات یہی ہے کہ کچھ اشعار اصلی اور معاصر ہیں اور ان کی تائید دوسرے مصادر سے بھی ہوتی ہے۔ مگر بہت سے الحاقی اور نقلی ہیں جن پر ابن ہشام نے نقد کیا ہے، ایسے اشعار کو کسی طرح اصلی نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ ان کی بہرکیف یہ اہمیت ضرور ہے کہ وہ ابن اسحاق کی معاصر شاعری اور لغت وادب کی عکاسی کرتے ہیں اور تاریخ وسیرت کے لیے نہ سہی عربی زبان وادب کے باب میں ان کی ایک جگہ ہے۔

امام عبدالملک ابن ہشام
(م۲۱۸/۸۳۳)

سیرت ابن اسحاق کو جو شہرت بعد کے ادوار میں ملی بالخصوص تیسری صدی ہجری کے بعد وہ اس کے فاضل مدیر و مہذب ابن ہشام کی تہذیب سیرت کے سبب یہ دلچسپ حقیقت ہے کہ کچھ مدت کے بعد ہی ابن ہشام کی تیار کردہ تہذیب و تلخیص سیرت ابن اسحاق علمی حلقوں اور سیرت نگاروں اور مورخوں کے درمیان ایسی مقبول ہوئی کہ اصل سیرت ابن اسحاق کی قرأت وسماعت کم ہوتی گئی تا آنکہ ابن ہشام کی تلخیص وتہذیب اتنی مقبول ومتداول ہوئی کہ بنیادی مصدر و ماخذ کے نسخے اور مخطوطے ہی ناپید ہوگئے۔ اب سیرت ابن اسحاق اگر زندہ وباقی ہے تو ابن ہشام کی سیرت کے روپ میں۔ ابھی چند سال قبل ابن اسحاق کی سیرت کے دو نامکمل مخطوطے ملے ہیں جن کو ایک کتابی شکل میں چھاپ دیا گیا ہے اور وہ کسی طرح سیرت ابن ہشام کا بدل نہیں بن سکتے۔

ابن ہشام کے حالات زندگی بہت کم معلوم ہو سکے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابن ہشام کا معاصر اور نیم معاصر تذکرہ نگاروں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا اور ان کی وفات کے تقریباً ۶۳ سال بعد حافظ ابن یونس (۲۸۱-۳۴۷ھ/ ۸۹۴-۹۵۸ء) نے اپنی کتاب "تاریخ الغرباء القادمین علی مصر" میں ان کا مختصر سا تذکرہ لکھا۔ وہ کتاب اب دستیاب نہیں مگر خوش قسمتی سے قفطی (م۶۴۶ھ/۹-۱۲۴۸ء) نے اپنی کتاب "انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ" میں اسے نقل کر کے محفوظ کر دیا۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس مواد پر کوئی خاص اضافہ نہیں کیا۔

خاندان وسوانح

ابن ہشام کا اصل نام عبدالملک تھا اور کنیت ابو محمد تھی۔ وہ ہشام بن ایوب کے فرزند تھے۔ وہ ایک یمنی خاندان سے تھے اس لئے ان کو حمیری، معافری کہا جاتا ہے۔ لیکن ابن یونس نے ان کو ذہلی (بنوذہل کا فرد) کہا ہے جب کہ حافظ ابن حجر (۸۵۲-۷۷۳ھ/ ۱۴۴۹-۱۳۷۲ء) نے ان کو سدوسی قرار دیا ہے۔ بعض جدید محققین کو ان نسبتوں سے غلط فہمی ہوتی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں قبیلے بھی یمنی یا جنوبی عرب کے تھے اور ہوسکتا ہے کہ کسی تعلق کی بنا پر ابن ہشام کو ان سے وابستہ کردیا گیا ہو۔

ابن ہشام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کسی تذکرہ نگار نے کچھ نہیں لکھا لیکن ان کے مقامِ ولادت کے بارے میں ذکر آتا ہے کہ وہ بصرہ میں پیدا ہوئے تھے اور غالباً دوسری صدی ہجری کے پہلے ربع کے لگ بھگ۔

عراقی امصار میں کوفہ اور بصرہ کو علمی لحاظ سے بڑا امتیاز مقام حاصل تھا۔ دونوں اسلام کے مرکز، اسلامی علوم وفنون کے گہوارے اور علماء وفقہاء اور ماہرین فن کے گھر تھے۔ بصرہ میں اس وقت کے عظیم تابعین اور تبع تابعین کا ممتاز گروہ موجود تھا اور تفسیر وحدیث، نحو وصرف، ادب ولغت، سیرت وتاریخ، شعر وشاعری اور علمِ انساب کے منتخب فضلاء اپنے علوم وفنون سے ہزاروں شائقین علم کی تربیت کررہے تھے۔ ان میں ابوعمرو بن العلاء (م۱۵۴ھ/ ۷۷۱ء)، خلیل بن احمد (م۱۷۵ھ/ ۲-۷۹۱ء)، سیبویہ (م۱۸۰ھ/ ۷-۷۹۶ء)، حلف الاحمر (م۱۸۰ھ/ ۷-۷۹۶ء)، عبدالوارث تنوری (م ۱۸۰ھ/ ۷-۷۹۶ء)، یونس بن حبیب (م۱۸۲ھ/ ۹-۷۹۸ء)، یحیٰ بن سعید قطان (م۱۹۸ھ/ ۴-۸۱۳ء)، مؤرخ سدوسی (م۱۹۵ھ/ ۱۱-۸۱۰ء)، نضر بن شمیل (م۲۰۳ھ/ ۹-۸۱۸ء)، قطرب (م۲۰۶ھ/ ۲-۸۲۱ء)، ابوعبیدہ (م۲۱۰ھ/ ۶-۸۲۵ء)، اصمعی (م۲۱۳ھ/ ۹-۸۲۸ء)، ابوزید انصاری (م۲۱۵ھ/ ۱-۸۳۰ء)۔ اور متعدد اساطین علم وفن شامل تھے۔ ابن ہشام نے اسی علمی فضا میں پرورش پائی اور انہیں عظیم اساتذہ اور شیوخ سے تعلیم حاصل کی۔ ''سیرت ابن ہشام'' اور ان کی دوسری تصنیف ''کتاب التیجان'' سے ان کی علمی دلچسپیوں کا جو علم ہوتا ہے اس کی بنا پر ان کو سیرت وتاریخ، تفسیر وحدیث، لغت ونحو، شاعری وادب اور انساب کے میدانوں میں ماہر کہا جاسکتا ہے۔ غالباً انہوں نے

اپنی پوری تعلیم بصرہ میں حاصل کی تھی کیونکہ ان کے علمی اسفار کا جو اس زمانہ میں حصول علم کا معتبر ترین ذریعہ تھے کوئی علم نہیں ہوتا۔ البتہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ سیرت و تاریخ کے لئے انہوں نے کئی علمی مراکز بالخصوص کوفہ وغیرہ کا سفر کیا تھا اور وہاں کے علماء سے قرأت و سماعت کی بنیاد پر علم حاصل کیا تھا۔ اس کے دو قرینے اور تاریخی شواہد ہیں: اول یہ کہ ان کے شیوخ میں کوفی اور مدنی علماء شامل ہیں۔ دوم حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ ابن ہشام نے زیاد بکائی سے ابن اسحاق کی سیرت کی سماعت کوفہ ہی میں کی تھی۔ اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابن ہشام نے اپنے عہد کی علمی روایات کے مطابق مختلف مراکز میں مختلف شیوخ سے تحصیل علم کی ہوگی۔

انہیں اسفار کے آخری مرحلہ میں ابن ہشام نے مصر کا سفر کیا اور بالآخر وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے قیامِ مصر کا ذکر تو واضح طور سے آتا ہے مگر مہاجرت کے اسباب وعوامل اور تاریخ وسنہ کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ قیاس یہی ہے کہ وہ علماءِ مصر سے استفادہ کی خاطر گئے ہوں گے۔ اس کی تصدیق ''کتاب التیجان'' کے دو حوالوں سے ہوتی ہے کہ انہوں نے امام مصر لیث بن سعد (۱۷۵-۹۲ھ/ ۷۹۱-۲/ ۱۱-۷۱۰ء) سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور ابوعبدالرحم بن لہیعہ (م ۱۷۰ھ/ ۷-۷۸۶ء یا ۱۷۴ھ/ ۹۱-۷۹۰ء) سے ایک روایت حدّثنی (مجھ سے انہوں نے بیان کیا) کے فقرہ سے کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۷۰ھ سے کچھ مدت قبل مصر پہونچ چکے تھے اور وہاں کے علماء وائمہ سے استفادہ کر چکے تھے۔ ابن کثیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی جب ۱۹۹ھ/ ۵-۸۱۴ء یا ۲۰۱ھ/ ۷-۸۱۶ء میں مصر پہونچے تو انہوں نے ابن ہشام سے ملاقات کی اور دونوں کی یہ ملاقاتیں جاری رہیں کیونکہ دونوں امامانِ وقت اپنی وفات تک وہیں سکونت پذیر رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو عربی شاعری سناتے اور لغت پر بحث کرتے رہے تھے۔ امام شافعی ابن ہشام کی لغت میں مہارت کے بہت قائل تھے تو ابن ہشام امام شافعی کے تفقہ اور روایت کے۔ انہوں نے اپنی سیرت میں امام شافعی کی ایک روایت بھی نقل کی ہے۔

تذکرہ نگاروں نے بہت سی دوسری ضروری معلومات کی طرح ابن ہشام کے شیوخ واساتذہ کا ذکر نہیں کیا ہے صرف زیاد بکائی، شاگرد ابن اسحاق سے، ان کی سیرت کی کوفہ میں سماعت وقرأت کا ذکر کیا ہے، مگر ان کی کتابِ سیرت اور ''کتاب التیجان'' کی مختلف اسناد کے تجزیہ سے ان کے شیوخ

واساتذہ کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت علی کے نام سے منسوب ایک قصیدہ کے ضمن میں ابن ہشام نے کئی اہل علم کا ذکر کیا ہے جو اس کو صحیح قصیدہ نہیں تسلیم کرتے۔ اسی طرح ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زیاد بکائی کے علاوہ ابن اسحاق کے دوسرے شاگردوں اور ان کی روایتوں سے استفادہ کیا تھا۔ اس کی تصدیق ان اضافی روایات سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے زیاد بکائی سے روایت نہیں کیں اور اپنے اضافات قرار دیے ہیں۔ ان پر بحث ان کے طریقہ کار میں آئے گی۔

ابن ہشام نے اپنے جن شیوخ کا اپنی کتاب سیرت میں ذکر کیا ہے ان میں خلف الاحمر (م ۱۸۰ھ/ ۷-۷۹۶ء)، عبدالوارث بن سعید تنوری (م ۱۸۰ھ/ ۷-۷۹۶ء)، یونس بن حبیب نحوی (م ۱۸۲ھ/ ۹-۷۹۸ء)، زیاد بن عبد اللہ بکائی (م ۱۸۳ھ/ ۷۹۹ء)، ابوبکر زبیری (م ۱۸۴ھ/ ۱-۸۰۰ء)، عبداللہ بن وہب (م ۱۹۷ھ/ ۳-۸۱۲ء)، امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ/ ۸۱۹-۷۶۷ء)، قاضی عمر بن حبیب بصری (م ۲۰۷ھ/ ۳-۸۲۲ء)، ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ (م ۲۰۹ھ/ ۵-۸۲۴ء) کے علاوہ خلاد بن قرہ بن خالد سدوسی، سلمہ بن علقمہ مازنی اور معاویہ بن عمرو بن العلاء وغیرہ شامل تھے۔

"کتاب التیجان" میں مذکورہ اساتذہ میں محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم (م ۱۳۲ھ/ ۵۰-۷۴۹ء)، ابن لہیعہ (م ۱۷۰ھ/ ۷-۷۸۶ء، یا ۱۷۴ھ/ ۱-۷۹۰ء) ہیثم بن عدی (م ۲۰۹-۱۳۰ھ/ ۵-۸۲۴-۷۴۷ء)، انس بن عیاض مدنی (م ۱۸۵ھ/ ۸۰۱ء)، حماد بن اسحاق، ابوعبداللہ الایلی اور عامر بن جرہم الانصاری ( ) شامل ہیں۔ فن کے اعتبار سے یونس بن حبیب، ابوزید انصاری، ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ اور کئی دوسرے شیوخ اپنے وقت کے امام نحو ولغت تھے۔ جب کہ عبدالوارث تنوری، عبداللہ بن وہب، وغیرہ حدیث وفقہ کے امام ومجتہد تھے۔ ابوبکر زبیری نسب واخبار کے، ہیثم بن عدی سیرت وتاریخ کے اور خلف الاحمر لغت وشاعری کے ماہرین میں تھے، محمد بن ابی انصاری اور زیاد بکائی سیرت ومغازی کے عالم واستاذ تھے۔ اسی طرح دوسرے اساتذہ وشیوخ مختلف فنون کے ماہر تھے۔

ابن ہشام نے اپنے وقت کے تمام مروجہ علوم وفنون میں قابل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی تھی مگر ان کے خصوصی میدان سیرت ومغازی، تاریخ اسلامی وتاریخ یمن جاہلی اور لغت وشاعری تھے۔ وہ ادیب، اخباری اور ماہر انساب بھی تھے اور نحو کے ایسے ماہر تھے کہ نحوی ان کے نام کا جزو بن گیا تھا۔ ان کے شیوخ کی طرح ان کے تلامذہ کا ذکر بھی مآخذ میں نہیں ملتا، البتہ ان کی اسناد سے ان کے تین

شاگردوں کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اتفاق سے تینوں حقیقی بھائی تھے اور عبداللہ بن عبدالرحیم بن سعیہ بن ابی نورعہ زہری برقی کے فرزند محمد (م ۲۴۹ھ/۸۶۳ء)، احمد (م ۲۷۰ھ/۴-۸۸۳ء) اور عبدالرحیم (م ۲۸۶ھ/۸۹۹ء) تھے اور تینوں نے فن حدیث میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے متعدد تلامذہ تھے جنھوں نے ان سے کتاب سیرت اور کتاب التیجان کی سماعت کی تھی اور علم لغت ونحو حاصل کیا تھا۔

تذکرہ نگاروں نے ابن ہشام کی صرف تین کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ایک تو یہی سیرت ابن اسحاق کی تہذیب وتلخیص ہے جس پر مفصل بحث بعد میں آتی ہے اور باقی دو کتابوں میں **"کتاب التیجان فی ملوک حمیر"** اور **"شرح ماوقع فی اشعار السیر من الغریب"** شامل ہیں۔ان میں اول الذکر کے مختلف نام تذکروں میں ملتے ہیں اور اصل کتاب کی روایت اسد بن موسیٰ (۲۱۲-۱۳۲ھ/۸-۸۲۷-۷۴۹ء) سے کی ہے اور اس پر اپنے حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا ہے۔ یہ یمن کے حمیری بادشاہوں کی تاریخ ہے جو زیادہ تر اساطیری اور غیر مصدقہ تاریخی روایات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب مکمل طور سے دارالمعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء میں شائع ہوگئی ہے اور امام سہیلی کی **"الروض الانف"** اور ہمدانی کی **"کتاب الاکلیل"** وغیرہ میں اس کے کافی حوالے اور اقتباسات ملتے ہیں۔ دوسری کتاب مغازی میں مذکور اشعار کی تشریح وتحلیل اور تنقید سے متعلق ہے۔ یہ کتاب اب ناپید ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ابن ہشام نے ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں لکھی تھیں یا نہیں۔مگر قیاس یہ کہتا ہے کہ انہوں نے لغت ونحو وغیرہ میں اور کتابیں بھی لکھی ہونگی مگر وہ کسی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔

ابن ہشام کی تاریخ وفات بقول ابن یونس ۱۳ ربیع الآخر ۲۱۸ھ/ ۸ مئی ۸۳۳ء ہے جب کہ ان کے شارع امام سہیلی نے سن وفات ۲۱۳ھ/ ۹-۸۲۸ء دیا ہے اور تاریخ و ماہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ علماء کے نزدیک ابن یونس کی بیان کردہ تاریخ وفات زیادہ صحیح ہے کہ وہ ان کے نہ صرف قدیم ترین تذکرہ نگار کی بیان کردہ ہے بلکہ انہوں نے دن "تاریخ" ماہ اور سنہ بیان کر کے اپنی بات کی داخلی شہادت بھی فراہم کردی ہے۔ ابن خلکان، ابن کثیر، یا شافعی، سیوطی، ابن العماد حنبلی اور ذہبی وغیرہ تمام علماء نے ۲۱۸ھ/۸۳۳ء کی ہی تائید کی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امام سہیلی کو یا تو کسی وجہ سے سہو ہوا یا زیادہ امکان اس کا ہے کہ کسی کاتب کی غلطی سے ثمان عشر (اٹھارہ) کی جگہ ثلث عشر (تیرہ) لکھ گیا ہو، اور اصلاً

سہیلی نے بھی اٹھارہ ہی لکھی ہو۔ بعد کے جن مورخین و مؤلفین اور تذکرہ نگاروں نے سہیلی کی بیان کردہ مبینہ تاریخ وفات کا ذکر یا حمایت کی ہے وہ بلا سوچے سمجھے تقلید پیشروان واسلاف کے مرتکب ہوئے ہیں۔

طریقۂ کار:

ابن ہشام نے پوری دیانتداری سے اپنی کتاب سیرت میں اس طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے جو انہوں نے سیرت ابن اسحاق کی تلخیص وتہذیب کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔ اس کا ایک حوالہ اوپر مباحثِ سیرت کے تعارف میں گذر چکا ہے۔ مختصراً ان کے طریقۂ کار کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ ابن ہشام نے حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم سے اوپر تمام نسب آدم نظر انداز کر دیا۔ اولادِ اسماعیل میں بھی اپنی کتاب کے بیانات کو ان بزرگوں تک محدود رکھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست آباء واجداد میں تھے اور بقیہ کو نظر انداز کیا۔

۲۔ روایات کے ضمن میں ان تمام چیزوں کو ذکر کیا جن کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی یا قرآن مجید سے براہ راست تھا یا ان سے سیرت کے کسی پہلو کی تشریح وتائید ہوتی تھی۔ بقیہ سے صرف نظر کیا۔

۳۔ اشعارِ سیرت ابن ہشام کے بارے میں ان کا طریقہ یہ رہا کہ وہ تمام اشعار القط کردیے جن کی ماہرین شعر نے تصدیق نہیں کی۔

۴۔ بکائی نے جن روایات پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا ان کو بھی خارج کر دیا۔

۵۔ ان تمام باتوں کو بھی قلم زد کر دیا جن سے زبان آلودہ ہوتی ہے اور دل کو آزار پہونچتا ہے۔ یعنی جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف معاندین کے ہجویہ کلمات تھے یا غیر مہذب اعتراضات واشعار تھے ان کو بھی ساقط کر دیا۔

ان اصول پنجگانہ کے نتیجے میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی سیرت کے جس حصہ میں سب سے زیادہ قطع وبرید کی وہ پہلا حصہ ہے جو المبتدا کے نام سے موسوم ہے۔ ابن ہشام نے تاریخ کائنات اور تذکرہ انبیاء ورسل میں سے بہت بڑے حصہ کو خارج کر دیا۔ اشعار کی تطہیر وتوثیق اور تنقید کی۔ اس کا ایک مثبت پہلو تو یہ نکلا کہ سیرتِ ابن ہشام میں خالص سیرتی مواد کو تو محفوظ کر لیا گیا اور بہتر تدوین

وتالیف ہوئی مگر ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ اصل کتاب کے کھو جانے کے بعد بہت سا قیمتی شعری وادبی، سوانحی اور قصص انبیاء پر مشتمل مواد ضائع ہو گیا اور ہم ایک قیمتی ورثہ سے محروم ہو گئے۔

ابن ہشام نے تلخیص وتہذیب میں کچھ اضافات بھی کیے جن کا ذکر ان کے بیان میں نہیں ملتا۔ ان کا مختصر تجزیہ ذیل میں دیا جا رہا ہے تا کہ ان کے کام کا صحیح اندازہ کیا جا سکے:

ا۔ اشعار کے ضمن میں انہوں نے ابن اسحاق کی روایت پر مکمل بھروسہ نہیں کیا بلکہ معتبر ترین روایت کو جگہ دی، اس باب میں کبھی ترمیم کی، کبھی تعلیق لکھی، کبھی حذف وتلخیص سے کام لیا۔ کبھی کسی شعر میں کسی نامناسب وغیر مہذب لفظ کو بدل کر اس کی جگہ مناسب ومہذب لفظ رکھ دیا اور اس کی صراحت بھی کر دی تا کہ تحریف وتصحیف کا الزام نہ لگے۔ ابن ہشام کی علمی دیانتداری قابل تعریف ہے کہ وہ اپنی ہر قطع وبرید، ترمیم واضافہ اور تعلیق وحاشیہ کی صراحت ضرور کر دیتے ہیں تا کہ اصل مؤلف کی عبارت ومقصد کو خبط ہونے سے بچایا جائے۔

۲۔ روایات کی تلخیص وتہذیب کے باب میں یہ قابل لحاظ بات ہے کہ انہوں نے متعدد مقامات پر اپنے حواشی، تعلیقات اور تنقیدوں سے بھی کام لیا ہے اور سیرت کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ ایک انگریز مستشرق الفریڈ گیوم (Alfred Guillume) نے آکسفورڈ سے ۱۹۵۵ء میں ابن ہشام کی سیرت کا انگریزی ترجمہ Life of Muhammad کے عنوان سے شائع کیا اور انہوں نے دلچسپ اور اہم کام یہ کیا کہ ابن اسحاق کی تمام روایات کو یکجا کر کے سیرت ابن اسحاق کی بازیافت کی کوشش کی اور ابن ہشام کی تمام تعلیقات وحواشی اور اضافات کو سلسلہ وار آخر کتاب میں جمع کر دیا تا کہ مدیر وملخص کے کام کی اصل نوعیت کی قدر وقیمت متعین کی جا سکے۔ یہ اضافات ان ہشام تعداد میں نوسو بائیس ہیں اور کتاب کے کل صفحات (اشاریہ چھوڑ کر) ۷۹۸ میں سے ایک سونو صفحات پر یعنی ۶۹۱ سے ۷۹۸ تک محیط ہیں۔ گویا کتاب ابن اسحاق کل آٹھویں حصہ سے کچھ زیادہ ہیں۔ ان تعلیقات میں سے بعض بعض تو یک فقری اور یک سطری ہیں اور کئی ایک ایک سے زیادہ صفحہ پر وسیع ہیں۔ ان میں روایات ،ان کے دوسرے انداز، اشعار وقصائد اور تشریحات وغیرہ بھی کچھ شامل ہیں۔ آئندہ مختصر بحث سے ان کی ماہیت اور قدر وقیمت کا بخوبی اندازہ ہوگا۔

۳۔ ان حواشی اور تعلیقات میں اعلام وانساب کی تحقیق کی ہے اور ابن اسحاق پر نقد واستدراک

کیا ہے۔ کبھی اختلاف کیا ہے اور کبھی تائید وتوثیق بھی کی ہے۔

۴۔ روایات سیرت میں ابن اسحاق کی جب تائید وتصدیق کی ہے تو ان کی حمایت میں وجوہ اور دلائل بیان کئے ہیں۔ بعض شہادت کا ازالہ کیا ہے اور اجمال کی تفصیل کی ہے۔

۵۔ روایات سیرت، اشعار عرب اور آیات قرآن کریم کے ضمن میں ابن ہشام نے مشکل الفاظ اور غریب تراکیب کی تشریح نحو وصرف اور لغت کے اعتبار سے کی ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی تشریح وتفصیل ایک مکمل موضوع ہے اور علیحدہ مضمون کی متقاضی۔

۶۔ زیاد بکائی سے جو متنِ سیرتِ ابن اسحاق ان کو ملا تھا، اس پر ابن ہشام نے ابن اسحاق کے دوسرے شاگردانِ رشید کی روایات اور کتابوں سے یا دوسرے اپنے ذرائع سے متعدد مقامات پر اضافہ کیا یا تشریح کی ہے۔ مثلاً زیاد کے متن میں اسیرانِ بدر میں سے صرف تینتالیس ناموں کی صراحت ہے، ابن ہشام نے اس پر مزید تئیس کا اضافہ کر کے چھیاسٹھ تک تعداد پہونچادی۔ اسی طرح غزوہ احد کے مسلم شہداء کی پینسٹھ کی تعداد پر مزید پانچ ناموں کا اضافہ کر کے ستر تعداد کر دی۔ زیاد بکائی کے متن میں غالباً ازواج مطہرات کا ذکر خیر نہیں تھا، ابن ہشام نے اس پر بلا سند ان کا ذکر خیر بڑھایا (حاشیہ ۹۱۸/ص ۹۴-۹۲ ۷)۔ ان کے علاوہ اہم اضافات ابن ہشام میں عمرو بن عامر کی یمن سے مہاجرت اور قصہ سد مآرب، قصہ شاہ حمیر، اولادِ عبدالمطلب بن ہاشم، حرب فجار، ابوطالب سے مقاطعہ کی دستاویز کے بارے میں نبوی پیشگوئی، اعشیٰ بنو قیس بن ثعلبہ، پہلی دیت نبوی، وفد ہمدان کی آمد، ابو سفیان اموری کے خلاف حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی مہم/ سریہ، سریۂ زید بن حارثہ برائے مدین، وفات نبوی پر مرثیہ حسان بن ثابت شامل ہیں۔ ان اضافوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ برمحل، مختصر یا مفصل مگر تقاضائے محل کے مطابق اور معلومات سے پُر ہیں۔ وہ اشخاص کی تعریف وتعارف کرتے۔ نامعلوم اعلام والقاب کی تشریح کرتے، امکنہ کی جغرافیائی تحدید کرتے اور بہت سی دوسری قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خوبصورت زبان وادب کا عمدہ نمونہ ہیں۔ تاریخ وسیرت کے اعتبار سے وہ ابن ہشام کی علمی دیانت، معروضیت اور نقد روایت ودرایت کا بھی ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اسناد کے سلسلہ میں ان کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ عام طور سے اپنے شیوخ ورواۃ کا نام بنام ذکر کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی اہل علم واساتذۂ فن سے روایت کرنے کا عمومی انداز بھی اختیار کرتے

ہیں جس سے یہ پتہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ اس کے اصل راوی کیسے تھے۔ بہر حال وہ سب بقول ابن ہشام ثقہ اور قابل اعتماد تھے۔

بعض قدیم وجدید تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے ابن ہشام کے حواشی وتعلیقات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایات پر اضافہ کیا۔ یہ دعویٰ محلِ نظر ہے کیونکہ بعض اضافوں میں خود ابن ہشام نے ابن اسحاق کے حوالہ سے اختلاف وتائید کا ذکر کیا ہے جو اس بات کا شاہد ہے کہ وہ روایت کسی نہ کسی صورت میں ابن اسحاق نے روایت وکتابت کرائی تھی۔ جیسے کہ ازواج مطہرات کے اضافہ میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کا حوالہ دے کر کہا کہ وہ حضرت سودہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ ان کی شادی سکران بن عمرو بن عبدشمس سے پہلے ہوچکی تھی اور حضرات سلیط اور ابو حاطب اس وقت حبشہ میں بطور مہاجر رہ رہے تھے۔ اس کے علاوہ یونس بن بکیر کے قطعۂ سیرت ابن اسحاق میں تمام ازواج مطہرات کا بیان آیا ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایات پر اضافہ کیا تھا۔ ممکن ہے کہ کہیں کہیں کیا بھی ہو مگر وہ ابھی تک ثبوت کا محتاج ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے اور بالکل صحیح بھی کہ ابن ہشام نے سیرت ان اسحاق کی روایت زیاد بکائی پر دوسرے ذرائع سے قابل قدر اضافے کئے تھے۔ ابن اسحاق پر ان کے اپنے اضافے صرف اسی صورت میں تسلیم کئے جاسکتے ہیں جہاں انہوں نے صاف صراحت کردی ہو کہ یہ ابن اسحاق کے یہاں نہیں ہے یا ان کا اپنا اضافہ ہے۔ اس تصریح کی عدم موجودگی میں یہ احتمال بلکہ امکان رہتا ہے کہ متعلقہ اضافہ ابن اسحاق کی سیرت سے ہی ہو اور کسی دوسری روایت سے ہو۔ اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ علماء ومورخین اپنی کتابوں میں ترمیم وتنسیخ کرتے رہتے تھے اور اسی بنا پر ان کے مختلف شاگردوں کی روایات اور کتابوں میں کمی بیشی پائی جاتی ہے۔ یہی حال زیاد بکائی اور دوسرے شاگردانِ ابن اسحاق کی روایات کا ہے۔

ابن ہشام کا علمی مرتبہ

ابن ہشام کی علمی توثیق وتائید پر ناقدان فن اور علماء سیرت وتاریخ اور اصحابِ جرح وتعدیل کا تقریباً اجماع نظر آتا ہے۔ کسی تذکرہ یا اسماء الرجال کی کتاب میں ان کی علمی دیانت، فنی وجاہت اور

دیانت و امانت اور ثقاہت پر کسی کا اعتراض و شبہ نظر نہیں آتا جیسا کہ ان کے مرجع و ماویٰ ابن اسحاق کے باب میں معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا اپنے معاصرین سے کوئی ایسا علمی اختلاف نہ تھا جو نقد و نظر تک لے جاتا۔ حالانکہ ان کے یہاں بھی بعض ایسے وجوہ پائے جاتے ہیں جن کے سبب ابن اسحاق کو مطعون کیا گیا۔

ابن ہشام دوسرے علماء کی مانند تدلیس کے مرتکب ہوتے ہیں یا مجہول الحال راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایک رجحان جو سیرت و تاریخ میں قابل نقد ہے اساطیری انداز سے روایات بیان کرنے کا بھی ہے۔ وہ بعض ضعیف روایات بھی بیان کرتے ہیں۔ عام طور سے یہ روایات اسلام سے قبل کی تاریخ سے متعلق ہیں اور بعض کا بعد کے زمانے سے بھی تعلق ہے۔ ان کے ہاں جنوبی قبائل اور افراد و عناصر کی طرف میلان بھی ملتا ہے جو اگرچہ فی نفسہ قابل اعتراض نہیں لیکن وہ بسا اوقات اس کے زیر اثر غالباً غیر شعوری طور پر روایات سیرت میں بھی ان کا لحاظ کر جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے غیر حاضری کے زمانے میں جو خلفاء رسول مقرر کئے جاتے تھے ان کے باب میں ابن ہشام اکثر و بیشتر ان کمزور روایات کو ترجیح دیتے ہیں جو کسی یمنی جنوبی عرب کے صحابی کے حق میں جاتی ہیں اور زیادہ صحیح روایات یا عام مورخین و مؤلفین سیرت کے نزدیک زیادہ معتبر روایات پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، قبائلی یا علاقائی رجحان ترجیح کے علاوہ ان میں فنی میلان کی بھی زیادتی تھی۔ وہ تاریخ و سیرتی مواد پر اتنی توجہ نہیں دیتے جتنی شعری ادبی یا لغوی تشریحات وتفصیلات پر۔ دراصل یہ ان کے علمی مذاق کے وفور و جوش کا اظہار تھا اور وہ اپنی پسندیدہ ترجیحات کے سامنے بے بس ہو جاتے تھے مگر یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ سلسلۂ کلام اور ربطِ سیرت میں زیادہ خلل نہیں آنے دیتے تھے۔

ابن ہشام کی علمی دیانت کے خلاف یہ بات بھی جاتی ہے کہ وہ کبھی مصلحت وقت سے یا اپنے ذہنی میلان اور مسلکی رجحان کے سبب بعض حقیقتوں پر پردہ ڈال دیتے تھے اگرچہ پردہ ڈالنے کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ مثلاً اسیران غزوۂ بدر میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی شامل تھے اور ابن اسحاق نے اپنی فہرست میں ان کا نام برملا گنایا تھا۔ مگر ابن ہشام نے ان کے نام کو نہیں گنایا مگر یہ وضاحت کر دی کہ اس فہرست یا تعداد میں ایک اور شخص بھی شریک تھا جس کا نام ہم نے نہیں لیا ہے۔ بعض علماء

کے نزدیک ابن ہشام کی یہ احتیاط بر بنائے مصلحت تھی کہ وہ عباسی خلفاء اور ان کے خاندان و حکام کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے اور بعض اسے کوئی دوسرا عنوان دے سکتے ہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ علمی دیانت کے خلاف تھا اور ضروری بھی نہیں تھا کیونکہ ابن اسحاق کی تمام روایات سیرت میں ان کا نام موجود تھا اور ایک طرح سے زبان زدِ خلق تھا۔ پھر وہ کیا مصلحت تھی جس نے ابن ہشام کو ایسی بے احتیاطی پر مجبور کیا؟

ایک اور قابل نقد چیز ابن ہشام کے ہاں یہ ہے کہ وہ اپنے بعض اضافوں میں بیان الجھا دیتے ہیں یا غلط بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ابوسفیان اموی کے خلاف حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی مہم میں حضرت خبیب کی نقش کے بارے میں ان کا بیان ہے۔ ابن اسحاق کا بیان دوسری روایت کے مطابق زیادہ صحیح بھی ہے اور بہتر بھی۔ سہیلی نے اس غلطی کے لئے ابن ہشام پر نقد بھی کیا ہے۔

ابن ہشام کے ہاں کسی حد تک خاندانِ علوی سے محبت و ترجیح کا رجحان بھی ملتا ہے جسے شیعیت یا تشیع سے تو تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ مگر رجحان تو پایا ہی جاتا ہے مثلاً حضرت علی کو پہلا مسلمان مرد قرار دیتے ہیں انہوں نے ابن اسحاق کی پیروی کی ہے اور دوسری بیانات و روایات کا وہاں کوئی ذکر نہیں کیا۔ یا بعض اشعار میں خاندانِ ابی طالب کے افتخار کے اشعار شامل کئے اور ان پر نقد نہیں کیا۔ اسی طرح مدنی مواخاۃ کے باب میں حضرت علی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دینی بھائی قرار دینے میں ابن اسحاق کی پیروی کی ہے اور کوئی وضاحتی نوٹ نہیں لکھا، حالانکہ جعفر و معاذ بن جبل کی مواخاۃ کے باب میں فوراً وضاحت کی ہے کہ اس وقت حضرت جعفر حبشہ میں تھے۔ حالانکہ یہ بیان بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ مواخاۃ حضرت جعفر کی حبشہ سے واپسی پر ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ انہوں نے بعض روایات میں حضرت علی کو ترجیح نہیں دی ہے مثلاً مناۃ کے مندر و بت کو منہدم کرنے کے سلسلہ میں حضرت ابوسفیان اموی کی روایت کو حضرت علی کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی تمام روایات پر تنقیدی نظر ڈالنی ضروری ہے۔

سیرتِ ابن ہشام اپنی جامعیت، صحت اور متانت کے سبب اپنے وقت میں، بہت مقبول و مشہور ہوئی اور اس کی مقبولیت اور افادیت اتنی بڑھی کہ اصل کتاب سیرت ابن اسحاق کی ضرورت گھٹتی گئی

تا آنکہ اس کا چلن اتنا کم ہو گیا کہ مخصوص علماء وائمہ فن تک ہی اس کے نسخے محدود ہو گئے اور ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے تمام نسخے ناپید ہو گئے۔ اب اس کا کوئی مکمل نسخہ نہیں پایا جاتا۔ دو مختصر قطعے ملے ہیں باقی سیرت ابن اسحاق ابن ہشام کی سیرت ہی کے روپ میں زندہ وباقی ہے۔

اس کی مقبولیت وافادیت کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ بعد کے ادوار میں اس کی بہت سی شروح، تلخیصات اس کی منظوم وشعری شکلیں شائع ہوئیں۔ اس کی شروح میں امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی اندلسی (م ۵۰۸-۵۸۱ھ/ ۱۱۱۴-۱۱۸۵ء) کی "الروض الانف"، ابوذر مصعب بن محمد خشنی (م ۵۳۵-۶۰۶ھ/ ۱۱۴۰-۱۲۰۹ء) کی "الاملاء علی سیرۃ ابن ھشام"، قاضی ابوالولید بن احمد وقشی اندلسی (۴۰۸-۴۸۹ھ/ ۱۰۱۷-۱۰۹۶ء) کی "تنبیھات ابن الوقشی"، علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی (م ۷۶۲-۸۵۵ھ/ ۱۳۶۰-۱۴۵۱ء) کی "کشف اللثام فی شرح سیرۃ ابن ھشام" اور یوسف بن عبدالہادی صالحی ابن المبرد (م ۸۴۰-۹۰۹ھ/ ۱۴۳۶-۱۵۱۳ء) کی "المیرۃ فی حل السیرۃ" معلوم ومشہور ہیں۔ تلخیصات میں تقی الدین ابوبکر بن علی، جو ابن حجہ حموی کے نام سے مشہور ہیں (م ۷۷۷-۸۳۷ھ/ ۱۳۷۵-۱۴۳۳ء) کی "بلوغ المرام من سیرۃ ابن ھشام والروض والانف والاعلام" ہے جو "بلوغ المرام" کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ ابراہیم بن محمد دمشقی (م ۷۳۸ھ/ ۱۳۳۷-۸ء) کی "الذخیرۃ فی مختصر السیرۃ"، احمد بن ابراہیم واسطی (م ۶۵۶-۷۱۱ھ/ ۱۲۵۸-۱۳۱۱ء) کی "مختصر سیرۃ ابن ھشام، علی بن الامام کی خلاصۃ السیرۃ النبویۃ" ہے۔ دورِ حاضر میں عبدالسلام ہارون، محمد عبدالعزیز اسمٰعیل شیراوی، عمر عبدالعزیز امین اور محمد لبیب وغیرہ کی تلخیص وتہذیب کردہ کتابیں ہیں۔ منظوم سیرتِ ابن ہشام میں فتح بن موسیٰ خضراوی قصری (م ۵۸۸-۶۶۳ھ/ ۱۱۹۲-۱۲۶۴ء)، ابو محمد عبد العزیز (م ۶۱۲-۶۹۴ھ/ ۱۲۱۵-۹۴ء)، قاضی محمد بن ابراہیم فتح الدین بن الشہید (م ۷۲۸-۷۹۳ھ/ ۹۰-۱۳۲۷ء)، حافظ زین الدین عراقی (م ۷۲۵-۸۰۶ھ/ ۱۳۲۵-۱۴۰۳ء) وغیرہ کی کاوش اس کے فارسی، اردو، انگریزی، لاطینی اور جرمن وغیرہ زبانوں میں متعدد تراجم بھی ہوئے اور شائع ہوتے ہیں۔ اب تک اصل کتاب کے پندرہ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مراجع و مصادر

ابن اسحاق اور ابن ہشام دونوں کے لئے حسب ذیل مآخذ سے رجوع کیجئے:

ابن حجر عسقلانی (۸۵۳ھ)، تہذیب التہذیب، حیدر آباد دکن، ۱۹۱۱ء، لسان المیزان حیدر آباد دکن ۱۹۱۱ء

ابن خلکان (م ۶۸۱ھ)، وفیات الاعیان، تحقیق محی الدین عبدالحمید، مکتبہ النہضہ مصر

ابن سعد (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، بیروت دار صادر ۸-۱۹۵۷ء

ابن العماد حنبلی (۱۰۸۹ھ)، شذرات الذہب، قاہرہ ۱۳۵۰ء

ابن قاضی شہبہ (م ۸۵۱ھ)، طبقات اللغویین والنحاۃ

ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ)، عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر، طبع مصر ۱۹۳۷ء

ابن قتیبہ دینوری (۲۷۶ھ)، کتاب المعارف، القاہرہ ۱۹۶۰ء

ابن کثیر (۷۷۴ھ)، البدایۃ والنہایۃ، القاہرہ ۱۹۳۲ء

ابن الندیم (م تقریباً ۳۷۷ھ)، الفہرست، قاہرہ ۱۹۶۸ء

ابوالفداء (م ۷۳۲ھ)، المختصر فی اخبار البشر، استانبول ۱۸۶۹ء

امام بخاری (م ۲۵۶ھ)، التاریخ الکبیر، طبع حیدر آباد دکن ۱۹۴۱ء

البکری (م ۴۸۷ھ)، معجم ما استعجم، مادہ عین التمر، قاہرہ ۱۹۴۵ء

خشنی (م ۶۰۴ھ)، شرح السیرۃ، مطبعہ ہندیہ، مصر ۱۳۲۹ھ

خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)، تاریخ بغداد، (قاہرہ ۱۹۳۱ء)

ذہبی (م ۷۴۸ھ)، (۱) العبر فی خبر من غبر، کویت ۱۹۶۰ء

(۲) تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن ۵-۱۹۱۴ء

(۳) میزان الاعتدال، قاہرہ ۱۹۱۰ء

(۴) سیر اعلام النبلاء

سہیلی (م ۵۸۱ھ)، الروض الانف، مطبعہ الجمالیۃ مصر ۱۳۳۲ھ

سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۱) بغیۃ الوعاۃ، مطبعہ السعادۃ مصر ۱۳۲۶ھ

(۲) حسن المحاضرۃ، مطبعہ ادارۃ الوطن مصر ۱۲۹۹ء

قفطی (م ۶۴۶ھ)، انباہ الرواۃ، تحقیق ابوالفضل ابراہیم دار الکتب ۱۳۷۱ھ

یافعی (۷۶۸ھ)، مرآۃ الجنان، حیدر آباد دکن ۱۳۳۸ھ

یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)، ارشاد الاریب یا معجم الادباء لائیڈن ۳۱-۱۹۰۷ء

جدید مصادر و مآخذ: عربی

احمد امین	ضحیٰ الاسلام	قاہرہ ۱۹۶۴ء
جرجی زیدان	تاریخ آداب اللغۃ	
خیر الدین زرکلی	قاموس الاعلام	قاہرہ
الدوری	علم التاریخ عند العرب	بیروت ۱۹۶۰ء
کحالہ	معجم قبائل العرب	دمشق ۱۳۷۸ھ/۱۹۴۹ء

اردو

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب لاہور۔

محمد حمید اللہ، نثار احمد فاروقی سیرت نبوی کی اولین کتابیں اور ان کے مؤلفین ندوۃ المصنفین، دہلی۔

نقوش رسول نمبر لاہور جلد اول الفریڈ گیوم/تحسین فراقی، ابن اسحاق اور سیرت رسول۔

محمد اجمل اصلاحی، ابن ہشام اور سیرت ابن ہشام، نیز نثار احمد فاروقی کا ترجمہ مضمون جوزف ہوروتس مذکورہ بالا۔

نقوش رسول نمبر جلد یازدہم: سیرۃ ابن اسحاق مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، محقق کا مقدمہ۔

سیرت ابن اسحاق وابن ہشام

ابن ہشام نے اپنی سیرت نبویہ کا آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک سے کیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام تک پچاس پیڑھیاں گنائی ہیں اور تصریح کی ہے کہ یہ شجرۂ نسب زیاد بن عبد اللہ بکائی کی روایت پر مبنی ہے جو انہوں نے ابن اسحاق سے کی ہے۔ اس کے بعد ابن ہشام نے قتادہ بن دعامہ کی سند سے اپنی ایک مختلف روایت دی ہے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام تک اکیس پشتوں کا ذکر کرتی ہے۔

سیرت نبویہ میں اس کے بعد ابن ہشام نے اپنے طریقۂ تالیف کا ذکر کیا ہے کہ وہ سلسلۂ اسماعیلی میں صرف ان کا ذکر کریں گے جن کا براہ راست تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور ان کے حالات نسل بعد نسل بیان کریں گے اور پھر سلسلۂ کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیں گے اور ابن اسحاق کے ان تمام بیانات وروایات کو ترک کریں گے جن کا سیرت نبوی سے کوئی ربط نہیں۔ اسی طرح وہ ابن اسحاق کے بیان کردہ اشعار میں کتر بیونت کریں گے جو اہل علم کے نزدیک مجہول وناقابل اعتبار ہیں۔

زیاد بن عبداللہ بکائی کی سند سے ابن اسحاق کے بیان کردہ شجرۂ نسب اسماعیلی میں ابن ہشام نے ان کی بارہ اولاد نرینہ، حضرت اسماعیل کی عمر اور مدفن کا ذکر کیا کہ وہ ایک سو تیس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوئے اور حجر میں اپنی والدہ ہاجرہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اسی ضمن میں حضرت ہاجرہ کے وطن مصر اور اہل مصر کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مادری تعلق اور ازدواجی ربط کا حوالہ دے کر آپ کی وصیت کا ذکر کیا ہے۔

عربوں کی اصل کے مبحث میں ابن ہشام کا خیال ہے کہ تمام عرب حضرت اسماعیل اور قحطان کی اولاد ہیں اور بعض یمنی علماء کے مطابق قحطان بھی اولاد اسماعیلی تھے۔ ابن اسحاق کی سند پر اولاد اسماعیل

اور اولا دعدنان کا ذکر ہے اور ابن ہشام نے عدنان کے فرزند عک کے وطن یمن اور اشعریوں سے ان کے ازدواجی تعلق اور اس کے نتیجہ میں ایک زبان کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اولا د معد، قضاعہ، قنص بن معد، حیرہ کے بادشاہ نعمان بن المنذر کا ذکر ہے۔ نعمان کے شجرۂ نسب کے ضمن میں حضرت ابوبکر صدیق کو عرب علم نسب کا سب سے بڑا ماہر بیان کیا گیا ہے اور عہد فاروقی میں نعمان کی تلوار کے حوالہ سے اس کے شجرۂ نسب پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مبحث لخم بن عدی کے نسب پر تمام ہوتا ہے۔

عمرو بن عامر اور اس کے یمن سے نقل وطن کرنے کا اور سد مارب کی تعمیر کا قصہ بیان کیا ہے اور اس ضمن میں اعشیٰ کے قصیدہ کے چار شعر دیئے ہیں۔ دوسری ذیلی سرخی دوسرے شاہ یمن ربیعہ بن نصر اور اس کے دو درباری کاہنوں شق اور سطیح کے بارے میں ہے، جنہوں نے شاہی خواب کی تعبیر بیان کی تھی، ساتھ ہی سطیح وشق اور قبیلہ بجیلہ کے نسب کا ذکر ہے۔ آخر میں ربیعہ بن نصر کی ہجرت عراق کا حوالہ ہے اور نعمان بن منذر کے نسب کا بھی۔ ابن اسحاق کے مطابق ربیعہ بن نصر کی ہلاکت کے بعد ملک یمن پر ابوکرب تبان اسعد کا غلبہ ہو گیا تھا جس نے اپنے ایک فرزند کا دھوکہ سے قتل کئے جانے پر ناراض ہو کر مدینہ پر حملہ کرنے اور وہاں سے ناکام ہو جانے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ اسعد کا نسب بھی بیان ہوا ہے اور مدینہ پر حملہ کے ضمن میں خالد بن عبدالعزیٰ کے گیارہ اشعار کا ذکر ہے جو مدینہ کا دفاع کرنے والے عمرو بن طلہ/ بنو قریظہ کی تعریف میں ہیں۔ اپنے واپسی کے سفر میں تبان نیش نصرانیت قبول کر لی اور خانہ کعبہ کو غلاف چڑھایا۔ سبیعۃ بنت الاحب/تیمی نے اس ضمن میں تیرہ اشعار کہے جو مذکور ہیں۔ یمن میں تبان کی دوسری سرگرمیوں میں عیسائیت کی تبلیغ، منکرین کی آتش زنی، عبادتگاہ رئام کا قصہ اور تبان کی وفات شامل ہے۔ اس کے بعد حسان بن تبان بادشاہ یمن بنا اور اس نے عرب وعجم کی فتح کا منصوبہ بنایا۔ وہ عراق/ بحرین میں تھا کہ حمیر اور دوسرے قبائل یمن کی سازش کے نتیجہ میں کہ وہ فتح کے منصوبہ کے خلاف تھے، حسان کو اس کے بھائی عمرو نے قتل کر دیا مگر خود عمرو جلد ہی مارے ندامت کے مر گیا۔ اس کے بعد ایک غیر خاندانی حمیری لخنیعہ ذوشناتر ملک یمن پر قابض ہوا جو بدکار وظالم حکمراں تھا۔ اس کو ذونواس نے قتل کیا۔ لوگوں نے ظالم سے نجات دلانے کی خوشی میں ذونواس کو ملک یمن کا بادشاہ چن لیا۔ وہ حمیری بادشاہوں میں آخری تھا اور وہی صاحب الاخدود تھا۔

سیرت ابن اسحاق وابن ہشام کا ایک اہم مبحث یمن بالخصوص نجران میں عیسائیت کی ابتداء،

ارتقاء اور فروغ پر ہے اور صحیح دین ربانی پر اہل انجیل کی ثابت قدمی اور راہ حق میں ان کی آزمائشوں سے متعلق ہے۔ ابن اسحاق نے منبہ بن وہب کی سند پر نجران میں فیمیون اور عبداللہ بن ثامر کی تبلیغ دین مسیح کی کوششوں اور محمد بن کعب قرظی اور بعض نجرانی اہل علم کے حوالے سے ان کے ذوانوس شاہ یمن کے ہاتھوں مظالم کا نشانہ بننے کا ذکر کیا ہے۔ ذونواس ہی تھا جس نے یہودیت کی محبت اور فروغ کے لئے نجران کے تقریباً بیس ہزار عیسائیوں کو گڑھوں میں زندہ جلا دیا تھا مگر ان کو راہ حق سے ہٹانے میں ناکام رہا تھا۔ قرآن مجید میں اصحاب الاخدود کا واقعہ سورۂ بروج میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن ہشام نے اخدود کے لغوی معنی بیان کئے ہیں اور جاہلی شعر سے استناد کیا ہے۔

ذوثعلبان دوس اور حکومت حبشہ اور یمن پر ارياط کے غلبہ کی ذیلی سرخی کے تحت یہ بحث آئی ہے کہ ذوثعلبان دوس جو سبا کا ایک شخص تھا یمن سے فرار ہو کر ذونواس کے خلاف قیصر روم سے مدد کا طالب ہوا۔ قیصر نے شاہ حبشہ نجاشی کو اس کی مدد کے لئے لکھا اور اس نے تعمیل حکم میں ستر ہزار فوج ارياط نامی کماندار کی ماتحتی میں بھیجی جس نے ذونواس کو شکست دی۔ ذونواس اس سمندر میں ڈوب مرا۔ یمن سے ملوک حمیر کا خاتمہ ہوا اور ارياط کا قبضہ ہو گیا۔ دوس کا کارنامے کے لئے شعراء نے قصیدے کہے جس میں سے ذوجدن حمیری کے تیرہ اشعار، ابن الذئبہ ثقفی کے چھ اور عمرو بن معدیکرب زبیدی کے چار شعر مذکور ہیں۔ موخر الذکر کے اشعار سبب اور ذونواس کی حکومت کے خاتمے کے بارے میں سطیح وشق کی پیشگوئی کی صداقت کا حوالہ ابن ہشام نے اپنی روایت سے دیا ہے۔

ابن اسحاق کے بقول ارياط کا ایک افسر ابرہہ بن الاشرم حبشی نے کچھ برسوں کے بعد اپنے افسرِ اعلیٰ کو قتل کر کے یمن پر قبضہ کر لیا۔ نجاشی پہلے ناراض ہوا مگر پھر ابرہہ کے خط سے راضی ہو گیا۔ امر الفیل اور قصۃ النسأۃ کی سرخی کے تحت ابرہہ کے صنعاء میں ایک مخصوص عبادتگاہ القلیس کی تعمیر ، کنیسہ کی طرف زائرین کو متوجہ کرنے کے لئے خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے مقصد سے مکہ پر حملہ کرنے ، اصحاب الفیل سے شیوخ طائف ومکہ کے طرز عمل: طائف کی اطاعت، لات کی عبادتگاہ کا ذکر، ابورغال کی ابرہہ کی اعانت ورہنمائی، حبشی لشکر کے ایک سردار اسود بن مقصود کی مکہ پر فوجکشی ، ابرہہ کے نمائندہ وسفیر حناطہ کی عبدالمطلب سے گفتگو اور عبدالمطلب وخویلد کی ابرہہ سے بالمشافہ بات چیت، عبدالمطلب کی بارگاہ الٰہی میں حبشی لشکر کی واپسی کی دعا اور اصحابِ فیل کے متعدد امراء کے باب میں قریشی

سرداروں کے اشعار، مکہ میں ابرہہ کے لشکر کے داخلہ اور اس کی تباہی، واقعہ فیل پر اشعار، قرآن مجید کے بیان، مختلف اصطلاحات جیسے نسأۃ، مواطاۃ، ابابیل وغیرہ کے لغوی معنی کے مباحث مذکور ہیں۔ واقعہ فیل پر اشعار کی سرخی کے تحت جن شعراء کا حوالہ آیا ہے ان میں ابن الزبعریٰ، ابن الاسلت، طالب بن ابی طالب، ابوالصلت، فرزدق، ابن الرقیات شامل ہیں۔

ابرہہ کے بعد یکسوم بن ابرہہ اور اس کے بھائی مسروق نے حکمرانی کی اور حبشی حکومت جاری رکھی۔ اہل یمن کی ابتلا جب طویل ہونے لگی تو سیف بن ذی یزن حمیری نے پہلے قیصر روم سے ان کی حکومت کی تبدیل کرنے کی خواہش کی اور ناکامی کی صورت میں کسریٰ ایران کے عاملِ حیرہ شاہ نعمان بن منذر کے ذریعہ دربارِ ایران میں حاضری دی اور اس کی فوجی مدد حاصل کی جو وہرز کی سرکردگی میں آٹھ جہازوں میں بھیجی گئی۔ مقامی مددگاروں کی اعانت سے وہرز اور سیف ذی یزن نے حبشی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس باب میں سیف ذی یزن، ابوالصلت بن ربیعہ ثقفی یا امیہ بن ابی الصلت اور نابغہ جعدی کے اشعار بیان کئے گئے ہیں۔ یمن میں ایرانی غلبہ کی کہانی کا سلسلہ پورا کرتے ہوئے ابن اسحاق نے بہتر سالہ حبشی حکومت کا ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے وہرز، اس کے فرزند مرزبان، اس کے بیٹے تینجان، کسریٰ ابن تینجان اور اس کی معزدلی کے بعد باذان کی حکومت کا ذکر کیا ہے جو بعثت نبوی تک جاری رہی۔ سلسلۂ کلام کے خاتمہ پر باذان کے نام رسول اللہ ﷺ کے باب میں خط، کسریٰ کے قتل اور باذان کے اسلام لانے کا ذکر ہے اور ضمنی مباحث میں سلمان کا اہل بیت میں ہونے، نبوت محمدی کی سطیح وشق کی پیشگوئی، حجر یمن کی موجودگی اور اعشیٰ کے ایک قصیدہ کا ذکر بھی آیا ہے۔

ملک حضر کے قصہ کی سرخی کے تحت شروع ہونے والے مبحث کا آغاز نعمان بن منذرہ کے نسب، اس ضمن میں عدی بن زید کے شعر کسریٰ سابور کے ملک حضر ساطرون پر حملہ، محاصرہ، قتل اور فتح کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں اعشیٰ اور عدی بن زید کے چند شعر بھی مذکور ہیں۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام دونوں نزار بن معد کی اولاد کی سرخی کے تحت مضر، ربیعہ اور انمار اور ان کے فرزندوں اور ان سے چلنے والے قبیلوں اور خاندانوں جیسے خثعم وبجیلہ، الیاس بن مضر، عیلان بن مضر، مدرکہ، طانجہ اور قمعہ فرزندان الیاس اور ان کی والدہ کے خاندان کا نسب بیان کیا ہے اور جاہلی واسلامی اشعار سے سند فراہم کی ہے۔

عرب میں بت پرستی کا آغاز عمرو بن لحی نے کیا تھا جو بنوخزاعہ سے تھا اور یہ خاندان/قبیلہ قمعہ بن الیاس کے پوتے عمرو بن لحی کی نسل سے تھا۔ عمرو کے جہنم کے اندر جلنے سے متعلق ایک حدیث نبوی کے بعد ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی ایک بار مکہ سے شام کسی کام سے گیا اور وہاں ارض بلقاء میں مآب نامی مقام پر عمالیق کو، جو سام بن نوح کی اولاد میں تھے، بت پرستی کرتے دیکھا اور ان سے ہبل نامی بت مکہ لایا اور اسے مکہ میں نصب کر دیا۔ ابن اسحاق کے بقول بنو اسماعیل میں اور مکہ میں اسی سے بت پرستی کا آغاز ہوا اور پھر مکہ کے پتھر اس کی تقدیس کے سبب پورے عرب میں پوجے جانے لگے۔ قوم نوح کے اصنام اور بنو اسماعیل کے مختلف قبیلوں کے اصنام جیسے سواع، برہاط، ودّ، یغوث، یعوق، نسر، عمیانس، سعد، ہبل، اساف ونائلہ، اعزیٰ، لات، منات، ذوالخلصہ، فلس، رئام، رضاء، ذوالکعبات وغیرہ اور ان کے مخصوص پجاری قبیلوں اور ان کے نسب اور بعض متعلقہ اشعار کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ذیلی سرخی میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کے بارے میں ابن اسحاق اور ابن ہشام کی الگ الگ رائے اور قرآن مجید میں ان اصطلاحات کے حوالے سے بعض دوسری تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ اس کے بعد پھر نسب عرب کی طرف گریز کر کے خزاعہ، اولاد مدرکہ وخزیمہ، اولادِ کنانہ، اولادِ نضر، اولادِ فہر، اولادِ غالب، اولادِ لؤی کا پدری اور مادری نسب مع بعض اشعار متعلقہ کے بیان کیا گیا ہے۔ پھر سامہ بن لؤی کے معاملہ کی سرخی کے ذیل میں اس کے عمان جانے اور وہاں مرنے کا ذکر ہے اور اس کی بعض اولاد کے بارگاہ نبوی میں حاضری کا مختصر حوالہ ہے۔ سامہ کی اپنی موت پر بعض اشعار بھی بیان ہوئے ہیں۔

پھر عوف بن لؤی کا معاملہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ کس طرح غطفان کے علاقے میں گیا اور ان سے ازدواجی ربط قائم کیا۔ نسب غطفان کے بعد ابن اسحاق نے مرہ کا نسب بیان کیا ہے اور اس کے بعض ممتاز افراد کے سیاسی وقبائلی روابط کے بارے میں کئی شعراء کے اشعار کا ذکر کیا ہے۔ سادات مرہ کے ذکر میں بھی اشعار موجود ہیں۔ نسل کی تعریف کے بعد کعب کی اولاد، اولاد مرہ، نسب بارق، کلاب کی اولاد، نسب جثمہ، اولاد قصی، اولاد عبد مناف، اولاد ہاشم کا مختصراً پدری اور مادری نسب دیا گیا ہے اور اولاد عبدالمطلب بن ہاشم کی سرخی کے تحت اس خاندان کا پدری اور مادری نسب مفصل بیان ہوا ہے۔ یہ بحث نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نسب پر تمام ہوتی ہے۔

عبدالمطلب کے ذکر میں زمزم کھودنے کا ذکر بھی ہے جو ابن اسحاق کے بقول خواب میں امر

الٰہی سے ہوا تھا۔ سیرت نگار نے زمزم کی پوری تاریخ -حضرت اسماعیل کے بعد بنو جرہم کے عہد میں اس کے مدفون ہونے سے اس کی بازیافت تک- بیان کی ہے اور اس ضمن میں بنو اسماعیل کے بنو جرہم سے تعلقات، خانہ کعبہ کی تولیت، جرہم وقطورا کے روابط، مکہ پر جرہم کے تسلط اور بنو بکر کے اخراج، مکہ / بکہ کی وجہ تسمیہ، مکہ کے بارے میں مختلف شعراء کے اشعار، خزاعہ ولایت بیت سے مشرف ہونے، قصی بن کلاب کی سردار خزاعہ کی دختر حبی بنت حلیل بن حبشہ سے شادی، اس سے اولاد قصی، مکہ کی سیاست میں قصی کے عروج بالخصوص خانہ کعبہ کی تولیت اور اس کے لئے مادری خاندان بنو رزاح / بنو ربیعہ کی فوجی مدد کا مفصل بیان ہے۔

ایک اور سرخی کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ الیاس بن مضر کی اولاد میں غوث بن مر اور اس کے بعد اس کے فرزند حجاج کو عرفہ سے واپسی کی اجازت دیتے تھے۔ اس ضمن میں ان کا نسب اور بعض شعر مذکور ہیں۔ پھر بنو صوفہ کے رمی جمار کی ولایت بیان کی گئی ہے اور ان کا جانشیں بنو سعد کو بتایا گیا ہے جن میں صفوان وکرب شامل تھے۔ مزدلفہ سے واپسی میں افراط وتفریط کی سرخی کے تحت ذوالاصبع کے اشعار اور ابوسیارہ کی آخری ولایت قبل اسلام کا ذکر ہے۔ اسی خاندان کے عامر بن ظرب کے ایک فیصلہ اور مشورہ کا بھی حوالہ آیا ہے۔ مکہ میں قصی بن کلاب کے غلبہ، قریش کی تنظیم نو اور قضاعہ کی معونت وامداد کی سرخی کے ذیل میں جو مباحث شامل ہیں ان میں صوفہ کی ہزیمت، خزاعہ اور بنو بکر سے قصی کی جنگ اور یعمر بن عوف کی تحکیم، قصی کی مکہ پر امارت اور ان کے جامع قریش ہونے کی وجہ تسمیہ، قصی کے مناصب اور مکہ میں ان کے سیاسی اختیارات میں دوسرے قبائل وبطون کے ساتھ شراکت جیسے عناوین شامل ہیں۔ آخر میں قصی کی امداد کے بارے میں رزاح کے اشعار اور قصی کا جواب واعتراف مذکور ہے اور بحث کے خاتمہ پر ابن اسحاق کی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ قصی بن کلاب نے اپنی چاروں اولاد نرینہ -عبدالدار، عبد مناف، عبدالعزیٰ اور عبد- میں سے صرف عبدالدار کو سارے مناصب عطا کر دئے تھے حالانکہ دوسرے فرزند بالخصوص عبد مناف اپنے والد کی حیات میں شرف ومجد سے مشرف ہو چکے تھے۔ مناصب مکہ میں سے رفادہ کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔

قصی کے بعد عبدالدار اور دوسرے بھائیوں کی اولاد میں مناصب وحکومت وسیادت کے معاملہ پر اختلاف ہوا اور خاندان قصی دو متحارب گروہوں المطیبون اور الاحلاف میں منقسم ہوا اور اسی طرح

قریش مکہ کے دوسرے قبائل اور بطون بھی۔ جنگ قریب تھی مگر تحکیم کے نتیجہ میں مناصب کی تقسیم ہوئی اور سقایہ ورفادہ بنو عبد مناف کو اور حجابہ، لواء اور دار الندوہ بنوعبدالدار کو مل گئے اور اختلاف تمام ہوا۔

حلف الفضول کی سرخی کے تحت جو بحث آئی ہے اس میں حلف کی وجہ تسمیہ، انعقاد، شرکاء/قبائل وبطون، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت اور اس کی تعریف کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ حضرت حسین اور ولید بن عتبہ امیر مدینہ کے درمیان گفتگو کا بھی حوالہ ہے۔ مزید صراحت یہ کی گئی ہے کہ بنوعبد شمس اور بنونوفل حلف الفضول میں شریک نہ تھے۔ پھر ہاشم کی تولیت رفادہ وسقایہ اور حجاج وزائرین کے ساتھ ان کے حسن سلوک اور فیاضی، ان کے بعد ولایت رفادہ وسقایہ پر ان کے بھائی مطلب کی تولیت کا ذکر ہے۔ پھر ہاشم کی شادی، عبدالمطلب کی ولادت اور وجہ تسمیہ، موت مطلب اور مراثی کے اشعار اور سقایہ ورفادہ پر عبدالمطلب کی تولیت کا ذکر ہے۔ ایک الگ عنوان کے تحت عبدالمطلب کے چاہ زمزم دوبارہ کھودنے اور اس سے متعلق دوسرے امور کا ذکر ہے۔ اسی کے متصل ایک مبحث مکہ کے ان کنوؤں سے متعلق ہے جو قریش کے قبائل نے مکہ میں مختلف اوقات میں کھودے تھے۔ آخر میں زمزم کی فضیلت اور اس سے متعلق اشعار کا ذکر ہے۔

ان اسحاق کے بقول عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے پیدا ہوئے تو وہ ان میں سے ایک کو اللہ کے لئے قربان کردیں گے۔ اس مبحث میں عبدالمطلب کی نذر، عربوں کی رسم تیر اندازی، کعبہ میں نذر ومنت کے تیروں اور صاحب تیر کا انتظام، عبداللہ کے نام فال نکلنا، باپ کا ارادۂ ذبح فرزند، قریش کی ممانعت، عرافہ حجاز سے مشورہ کی تجویز، اونٹوں کی قربانی اور عبداللہ کی گلو خلاصی جیسے ذیلی مباحث شامل ہیں۔ اس کے بعد کی سرخی اس عورت کے بارے میں ہے جس نے عبداللہ بن عبدالمطلب سے نکاح کی خواہش کا اظہار کا تھا مگر عبداللہ نے انکار کردیا۔ پھر اسی مبحث میں عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی اور آمنہ کا مادری نسب بھی مذکور ہے۔ پھر خاتمہ اسی عورت کے ذکر پر ہوتا ہے جو سرخی بنی تھی۔ دوسرا مبحث حمل کے دوران آمنہ کو سید الامت کے حمل اور آپ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھنے، نور کے دیکھنے، والد ماجد عبداللہ کی وفات سے متعلق ہے۔

اگلی سرخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ورضاعت ہے جس کے تحت آپ کی ولادت کے بارے میں ابن اسحاق کی ذکر کردہ تاریخ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول، عام الفیل، قیس بن مخرمہ کی رائے،

حسان بن ثابت کی روایت، آپ کی ولادت سے والدہ کے دادا کو باخبر کرنے دادا کی خوشی اور رضاعی کی تلاش، حلیمہ کی آمد، ان کا اوران کے والداور آپ کے رضاعی باپ کا نسب آپ کے رضاعی بھائی بہنوں کے نام، آپ کی برکتوں کے بارے میں حلیمہ کا بیان، شق صدر/ بطن کا واقعہ، والدہ کے پاس آپ کی واپسی، ولادت ورضاعت وشق صدر کے بارے میں آپ کی حدیث، آپ کا بکریاں چرانے، قرشیت ورضاعت بنی سعد پر فخر، حلیمہ کے ساتھ دوبارہ جانے کے دوران آپ کے گم ہونے اور ورقہ بن نوفل کے آپ کو پانے کے مباحث آئے ہیں۔ پھر آمنہ کی وفات اور دادا عبدالمطلب کی سرپرستی، عبدالمطلب کی وفات اوران کی وفات پران کی دختروں اور دوسروں کے مراثی، سقایہ پر عباس کی ولایت جیسے امور زیر بحث آئے ہیں۔ اگلی سرخی آپ کی کفالت ابی طالب ہے جس کے تحت آپ کی چچا ابو طالب کے گھر پرورش، ایک لہبی شخص کی آپ کی رفعت شان کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ قصہ بحیریٰ میں آپ کا رفاقت ابی طالب میں سفر شام، بحیرا راہب کی آپ کی نبوت کی پیشگوئی اور ابو طالب کو آپ کی حفاظت کی نصیحت، ابو طالب کے ساتھ آپ کی واپسی اور جاہلیت میں آپ کی حفاظت الٰہی کا بیان ہے۔ ایک مخصوص مبحث حرب الفجار کے لئے وقف ہے جس میں ابن ہشام نے اس کی وجہ تسمیہ، جنگ کے فریقین اور آپ کی شمولیت کا ذکر ہے اوراس کے بعد کا مبحث حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی، آپ کی تجارتی سرگرمیوں ،نسب خدیجہ، خدیجہ کے بطن سے آپ کی اولاد کے اسماء گرامی اور ترتیب زمانی، حضرت ماریہ اوران کے فرزند حضرت ابراہیم، ورقہ بن نوفل کی آپ کی نبوت کی پیشگوئی اوراس سے متعلق اشعار مذکور ہوئے ہیں۔ ایک علیحدہ فصل میں کعبہ کی تعمیر میں آپ کی تحکیم وشرکت، ابو وہب کا کردار اور آپ سے قرابت اور تعمیر کعبہ سے متعلق دوسرے امور بیان کئے گئے ہیں، کچھ اشعار زبیر بن عبدالمطلب کے بیان کئے گئے ہیں۔ آپ کے لقب ''الامین'' اور خانہ کعبہ کے مختلف غلافوں کا ذکر بھی ہے۔

حدیث الحمس کے تحت ابن اسحاق نے قریش کی وہ بدعت بیان کی ہے جو وہ حج کے دوران اختیار کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عرفات کے وقوف کا ترک بھی تھا۔ انہوں نے یہ بدعت نسلی اور مذہبی تفاخر کی بنا پر کہ وہ قریشی اور اہل حرم ہیں اختیار کی تھی اوران کے دین کو کنانہ اور خزاعہ نے بھی اپنا لیا تھا۔ مختلف الفاظ کی تشریح کے علاوہ اسی ذیل میں معرکہ جبلہ، معرکہ ذی نجب، حمس میں عرب کے اضافہ، اس سے متعلق اشعار، طواف میں اسلامی حکم اور حمس کی عادات کے خاتمہ کا ذکر ہے۔ ایک الگ سرخی کے ذیل میں آپ کی

بعثت سے متعلق عرب کاہنوں، یہودی احبار اور عیسائی راہبوں کی پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں اور اسی کے ساتھ قرآن کریم میں جنات کے ذکر سے بعثت محمدی پر استدلال کیا گیا ہے۔ جنوں کے بارے میں ثقیف کے حوالہ سے روایت، آپ کی انصارِ مدینہ کے سامنے حدیث، جاہلیت کی ایک کاہنہ غبطلہ کا معاملہ اور اس کا نسب اور دوسری متعلقہ روایات بیان ہوئی ہیں۔ بعثتِ نبوی کے ضمن میں یہود کی پیشگوئی اور بعثت کے بعد آپ کے یہودی انکار کی بحث الگ فصل میں ہے۔ بعض یہودیوں کے قبول اسلام کے ساتھ حضرت سلمان فارسی کے قبول اسلام، ان کے حالات قبل از اسلام، غلامی، آزادی وغیرہ کا مفصل ذکر ہے۔

اس کا بعد کا مبحث اسلام سے قبل احناف، ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو وغیرہ سے متعلق ہے کہ وہ اپنے رواجی دین سے بیزار ہو کر تلاشِ حق میں نکلے اور ان میں سے بیشتر عیسائی ہو گئے اور کچھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابن جحش کے ذکر میں آپ ﷺ کی ان کی سابق اہلیہ حضرت ام حبیبہ سے شادی کا ذکر ہے۔ احناف کے حالات کے ساتھ ساتھ زید بن عمرو یا امیہ بن الصلب کے اشعار، ان کی مخالفتِ اقربا اور زید کی موت پر ورقہ کا مرثیہ مذکور ہے۔ صفۃ رسول اللہ در انجیل کے تحت آپ کی آمد کی بشارت کا ذکر ہے کہ انجیل میں..... سریانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام ہے۔

مبعث النبی صلی اللہ علیہ سلم کی مستقل بحث میں آپ کے چالیس سال کی عمر میں رسول ہونے کا ذکر ہے۔ رسالت کے مختلف مدارج وعلامات جیسے رویاء صادقہ، پتھروں و درختوں کا سلام کرنا، جبریل علیہ السلام کا نزول، نزول قرآن، تحنث اور اس کے لغوی معنی، واپسی پر خدیجہ سے آپ کا واقعہ بیان کرنا، ان کا آپ کو ورقہ کے پاس لے جانا، دونوں کی تصدیق وغیرہ امور کا ذکر ہے۔ اس کے بعد تنزیل قرآن کی ابتدا کے تحت آیات قرآن اور نزول کی توقیت کی گئی ہے۔ اس کے بعد اسلامِ خدیجہ، فترۂ وحی اور اس کے خاتمہ پر نزول سورۃ الضحیٰ اور بعض الفاظ قرآنی کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ فرض نمازوں کی ابتداء کے مبحث میں بتایا گیا ہے کہ پہلے دو رکعتیں فرض ہوئیں پھر چار پوری کر دی گئیں۔ جبریل نے آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنی سکھائی اور نمازوں کے اوقات تعین کی، اور آپ نے خدیجہ کو سکھایا۔ ایک مخصوص سرخی کے تحت ابن اسحاق نے یہ بیان کیا ہے کہ دس سالہ حضرت علی پہلے مردِ مومن تھے اور اس ضمن میں آپ کے گھران کی تعلیم وتربیت کا ذکر بھی کیا ہے۔ دوسرے مردِ مسلم حضرت زید بن حارثہ تھے، اس بحث میں ابن اسحاق نے حضرت زید کے نسب، وطن، آپ کے متبنیٰ کرنے اور زید

کے گم ہونے پر ان کے باپ کے اشعار بھی بیان کئے ہیں۔ ایک مختصر فصل میں حضرت ابوبکر کے نسب، اسلام، قریش میں ان کی منزلت اور تبلیغ اسلام کا ذکر ہے اور ایک دوسری فصل میں ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جنھوں نے ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تھا۔ اولین آٹھ قریشیوں کے اسلام کے بعد متعدد خاندانوں کے لوگوں کے قبول اسلام، ان کے اسماء گرامی اور نسب اور تعداد کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حکم الٰہی پر آپ کی تبلیغ و دعوت اسلام کا ذکر ہے کہ ابتداء آپ نے اپنی قوم سے کی، ابن ہشام نے بعض مفردات قرآنی کی تشریح کی ہے۔ ابن اسحاق نے شعابِ مکہ میں اصحاب کے ساتھ نماز پڑھنے، قریش کی مخالفت کرنے، ابوطالب کی حمایت کرنے، آپ کے حوالہ سے ابوطالب سے وفد قریش کی ملاقات، دعوت نبوی کے استمرار اور دوبارہ وفد قریش کے آنے اور آپ کی ابوطالب سے کلام وغیرہ متعدد امورِ اسلام کا بیان کیا ہے۔ اس مبحث کا خاتمہ ابوطالب کے اشعار پر ہوتا ہے جو آپ کے دفاع اور قریش کی عداوت سے متعلق ہیں۔

اعجاز قرآن کا ایک الہامی پہلو معاصر عربوں کی کلام ربانی پر حیرت زدگی اور تحیر کا تھا۔ ابن ہشام نے قرآن کریم کی صفت بیان کرنے کے ضمن میں ولید بن مغیرہ کے تحیر کا عنوان باندھا ہے جس میں اس کی آپ سے ملاقات، آپ کی تلاوت قرآن، اس کا تحیر و واپسی اور آپ کے بارے میں تمام قیاسی خطابات، کاہن وشاعر، مجنون وساحر کی اور مختلف قرآنی آیات اور ان کی شان نزول مع ان کے اطلاقات کے مذکور ہے۔ ابن اسحاق کے بقول عرب معاصرین کے مخاصمانہ پروپیگنڈے کے نتیجہ میں بالخصوص ایامِ حج کے دوران آپ کی اور آپ کے پیغام کی شہرت تمام بلادِ عرب میں پھیل گئی۔ اس کے بعد ابوطالب کا ایک طویل قصیدہ مذکور ہوا ہے جس میں انہوں نے برملا واضح کیا تھا کہ اگرچہ وہ غیر مسلم ہیں تاہم آپ کی مدافعت سے باز نہ آئیں گے۔ ابوطالب کی وفات کے بعد مکہ میں قحط کو دور کرنے کے لئے آپ سے مشرکین نے استدعا کی تھی اور آپ نے ان کے حق میں دعا کی تھی۔ قصیدہ ابی طالب میں مذکورہ اسماء کی تشریح ابن اسحاق و ابن ہشام دونوں نے کی ہے۔ اس کے بعد قبائل عرب بالخصوص اوس وخزرج میں آپ کی شہرت، ابن الاسلت کا آپ کے دفاع میں قصیدہ اور اس کی لغوی تشریح، ابن الاسلت کا نسب اور قریش سے ازدواجی تعلق مذکور ہے۔ اسی ذیل میں کئی جاہلی ایام عرب حربِ راحس، حربِ حاطب کا حوالہ ہے اور خاتمہ حکیم بن امیہ کے ان اشعار پر ہوتا ہے جن میں انہوں نے اپنی قوم کو

آپ کی عداوت سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سے متصل سرخی کے تحت قوم کے ہاتھوں آپ کی تکلیف وابتلاء، آپ پر احمقان قریش کے الزامات، آپ کی اور ابوبکر کی تعذیب بیان کی ہے۔

ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نتیجہ میں حضرت حمزہ اسلام لائے۔ اس کا ذکر اسلام حمزہ کے تحت کیا گیا ہے اور اس کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک دوسرا مبحث آپ کے اور عتبہ بن ربیعہ کے درمیان گفتگو سے متعلق ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ آپ سے متاثر ہوا تھا اور اس نے قوم کو صبر کا مشورہ دیا تھا۔ مگر قریش نے اس کا مشورہ نہیں سنا اور مسلمانوں کی تعذیب جاری رکھی۔ اس ضمن میں آپ کے ساتھ قریش کے رؤساء کی ایک مفصل گفتگو، عبداللہ بن ابی امیہ کا مطالبۂ معجزہ، ابوجہل کی آپ کو دھمکی اور پتھر سے ہلاک کرنے کی کوشش اور ناکامی، نضر بن حارث/ بنوعبد مناف کی قریش کو آپ کے معاملہ میں تدبر کرنے اور ایذا دینے کی تراکیب سمجھانے اور خود ان پر عمل کرنے کی تجویز، رسالت محمدی کے بارے میں قریش کا یہود سے استفتاء، یہودیوں کا تجویز کردہ سوالوں کا جوابِ رسول کریم، مگر اس سے قبل وحی کا ایک مدت تک فترہ، اصحابِ کہف کے واقعہ، روح کی حقیقت، پہاڑوں کی نوعیت وغیرہ کے بارے میں آیات قرآنی کا نزول اور ابن اسحاق وابن ہشام کی لغوی وتفسیری تشریحات، دوسرے اکابر قریش کے بارے میں کلام الٰہی کی تشریح وتاویل، آپ پر قریش کے ایمان لانے سے گریز، ابوجہل کی مخاصمت واستہزاء وغیر متعدد اہم مباحث زیر بحث آئے ہیں۔

اہل مکہ کے ہاتھوں مسلمانوں کی تعذیب کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود پر ظلم کا ذکر ہے کہ انہوں نے پہلی بار قرآن کریم کو بالجہر پڑھنے کی جسارت کی تھی۔ قرآن کریم کی بلاغت وحلاوت تمام عربوں کو اسلام کی طرف کھینچتی تھی، اس بحث کو آپ کی قرأت چوری چھپے سننے کی رؤساء قریش - ابوسفیان وابوجہل واخنس - کی کوشش کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک علیحدہ فصل کے تحت کمزور مسلمانوں پر قریش کے ظلم وستم کی دلگداز کہانی بیان کی گئی ہے اور اس ذیل میں حضرات بلال، عامر بن فہیرہ، ام عبیس، زنیرہ، نہدیہ وغیرہ کی تعذیب اور ابوبکر صدیق کے ہاتھوں ان کی گلوخلاصی، عمار بن یاسر وغیرہ دوسرے مسلمانوں پر ابوجہل وغیرہ رؤساء قریش کے ظلم کا ذکر بھی ہے۔ دوسرا مبحث ہجرت حبشہ اولیٰ اس کے سبب، اسماء مہاجرین کی تفصیل مع ان کے قبائلی روابط اور تعداد کے اور آخر میں ہجرت حبشہ پر مختلف شعراء کے منظوم ردعمل سے مفصل مذکور ہے۔ اسی کے بعد ایک مبحث میں قریش کی اس

سفارت کا ذکر ہے جو مہاجرین مکہ کو حبشہ سے واپس لانے کے لئے بھیجی گئی۔ اس مبحث میں قریشی سفارت، نجاشی کو مہاجرین کی مدد کرنے پر ابھارنے والے اشعار ابی طالب، نجاشی کے دربار میں آنے والے قریشی سفیروں کے بارے میں حضرت ام سلمہ کی روایت، دربار نجاشی میں بحث و مباحثہ، حضرت عیسیٰ کے بارے میں مہاجرین اور اسلام کا عقیدہ، نجاشی کی تصدیق اور مسلمانوں کو واپس بھیجنے سے انکار کے علاوہ حبشہ پر نجاشی کا قبضہ، اس کے خلاف بغاوت، مسلمانوں کی امداد اور بعض دوسرے امورِ متعلقہ بھی آئے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب کے اسلام کا مبحث کافی مفصل ہے جس میں ذیلی مباحث ہیں: اسلام عمر سے مسلمانوں کی قوت، اسلام عمر کے بارے میں ام عبداللہ کی روایت، ابن اسحاق کی ایک اور روایت، عطاء و مجاہد کی روایت، ان کے اسلام سے اسلام و مسلمانوں کی قوت و حشمت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد کے الصحیفہ کے تحت جو بحث آئی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بقیہ مسلمان مکہ کے معاشرتی مقاطعہ کا مفصل بیان ہے جس کے ذیلی مباحث میں آپ کے خلاف قریش کا معاہدہ مقاطعہ، ابولہب کا بنو ہاشم سے اختلاف اور آپ کی عداوت، عداوت رسول پر ابو طالب کے اشعار، بعض مددگاروں جیسے حکیم بن حزام وغیرہ سے ابوجہل کا اختلاف اور ابوالبختری جیسے عاقلوں کی مداخلت وغیرہ شامل ہیں۔

قوم کے ہاتھوں آپ کی تکلیف و تعذیب کے ذیل میں ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کی شدید عداوت اور اس کے نتیجہ میں قرآن کریم کی تہدید کے نزول، امیہ بن خلف، العاص بن وائل، ابوجہل، نضر بن حارث کی تعذیب رسول اور اس کے بارے میں قرآنی بیانات، ابن الزبعریٰ کے قول پر قرآنی ردعمل، اخنس بن شریق، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف و عقبہ بن ابی معیط کی تعذیب کے بارے میں کلام الٰہی، سورہ کافرون کے نزول کا سبب اور قرآنی ارشادات کی تشریح اور ابن ام مکتوم کی شان میں نزول قرآنی مذکور ہیں۔

اہل مکہ کے اسلام لانے کی غلط خبر کے پھیلنے کے نتیجہ میں بہت سے مہاجرین مکہ حبشہ سے واپس لوٹ آئے تھے ایک علیحدہ فصل میں اس پر مکمل بحث ہے اور واپس آنے والے مہاجروں کا اسماء گرامی مع ان کے قبائلی تعلق اور تعداد اور مکہ میں جوار حاصل کرنے کی تفصیلات کے بیان کئے گئے ہیں۔ پھر الگ الگ فصل میں عثمان بن مظعون کی ولید کی جوار کے مسترد کرنے، ابوسلمہ کی جوار میں ابولہب کا ہمدردانہ ردعمل، ابوبکر کے ابن الدغنہ کی جوار قبول کرنے اور پھر مسترد کرنے اور اس کی تفصیلات میں احابیش کے نسبی تعلق، ابوبکر کی مہاجرت، واپسی وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ صحیفہ کے خاتمہ کے بیان کے ضمن میں

مسلمانوں کی ابتلاء کے علاوہ ہمدردان قریش ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی، ابوالبختری اور زمعۃ بن الاسود کی معاہدہ کو ختم کرنے کی مساعی، ابوجہل جیسے دشمنانِ قریش کی مخالفت، صحیفہ کے دیمک کے ذریعہ خاتمہ کا اعلان رسول، کاتب صحیفہ کی شامت، صیحفہ توڑنے/ختم کرنے والوں کی تعریف میں ابوطالب کے اشعار، ہشام بن عمرو کی شان میں حسان بن ثابت کی مدح، آپ کو مطعم بن عدی کی جوار جو طائف کے سفر سے واپسی پر دی گئی بیان کیے گئے ہیں۔

ایک الگ فصل میں طفیل بن عمر دوسی کے قبول اسلام، اپنے خاندان کو دعوت اسلام اور قبیلہ میں تبلیغ اور ان کے اسلام لانے کی قبل ہجرت کے پہلو بہ پہلو بعد ہجرت و وفات نبوی ان کے جہاد و تبلیغ کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کے بعد اعشیٰ بن قیس کے قصیدہ مدحیہ کا ذکر ہے اور اس کے بطور غیر مسلم نے اور اسلام قبول نہ کرنے کے سبب کا بھی ذکر ہے۔ ایک مختصر حوالہ ابوجہل کی ذلت کے باب میں ہے کہ وہ اپنی شدت عداوت کے باوجود ہمیشہ ذلیل ہوتا تھا۔ اور اس سلسلہ میں ایک اراشی تاجر کی رقم دبا لینے اور آپ ﷺ کے واپس دلوانے کا واقعہ مذکور ہے۔ اسی کے بعد رکانہ مطلبی کی اس کشتی کا ذکر ہے جس میں آپ ﷺ نے اس کو پچھاڑ دیا تھا۔ پھر نصاریٰ کے اس بیس نفری وفد کا ذکر ہے جو آپ کے پاس مکہ آکر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کے ضمن میں ابوجہل وغیرہ کی مخالفت اور قرآن کریم کی متعلقہ آیات کا حوالہ بھی ہے۔ بعد میں سورۂ کوثر، اور بعض دوسری آیات کے نزول اور اس کے اسباب کا مختصر بیان ہے۔

ایک مستقل فصل اسراء و معراج کے عنوان سے ہے جس میں حضرت ابن مسعود، حضرت حسن، حضرت قتادہ، حضرت عائشہ، حضرت معاویہ، حضرت ام ہانی کی مختلف روایات، واقعہ اسراء و معراج کی تفصیلات اور رؤیاء ہونے کے امکان پر بحث کی ہے قصۃ المعراج کی سرخی کے تحت ابوسعید خدری کی روایت مفصل بیان ہوئی ہے۔ اور دوران معراج مشاہدات نبوی کی تشریح و تاویل پیش کی گئی ہے۔ ساتھ ہی پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کا ذکر ہے۔

ابن اسحاق نے ایک علیحدہ فصل میں ان مشرکین مکہ کی قبیلہ وار تفصیل دی ہے جو رسول اکرم ﷺ سے استہزاء و تمسخر کر کے اذیت دیتے تھے اور جسمانی تعذیب کے مرتکب نہیں تھے۔ آخر کار ان کا انجام برا ہوا اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہونچے۔ ایک نئی سرخی کے تحت ابوازیہر دوسی کا قصہ بیان کیا ہے جس سے خون کا قصاص لینے کی ولید بن مغیرہ نے اپنے تین فرزندوں کو وصیت کی تھی، خزاعہ سے ابوازیہر کے

خون کا بنومخزوم کا مطالبہ، بعض قصاص کی ادائیگی، ابواز یہر کا ہشام بن ولید کے ہاتھوں قتل، اور نبوعبد مناف کا مطالبۂ خون، خالد بن الولید کا اپنے باپ کی سودی رقم کی وصولیابی کی کوشش، ابواز یہر کے خون کا بدلہ لینے کی دوس کی کوشش اور ام غیلان کی ممانعت جیسے امور زیر بحث آئے ہیں اور متعدد شعراء کے اشعار بھی مذکور ہیں۔ اگر چہ اس عہد سے تعلق نہیں تاہم ابن اسحاق نے اسی ضمن میں ام جمیل اور حضرت عمر اور ضرار و حضرت عمر کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔

وفات ابی طالب و خدیجہ کی سرخی کے ذیل میں سیرت نگار نے مشرکین کی ایذا پر آپ کا صبر، دونوں بزرگوں کی وفات، آپ کا عالم کسمپرسی اور مشرکین کا منصوبۂ تعذیب، مرض الموت میں ابوطالب سے قریشی رؤساء کی گفتگو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ کرنے سے انکار، آپ کا ابوطالب کے اسلام میں طمع اور ان کا انکار مگر بوقت وفات اقرار شہادتین، قریشی سرداروں کے بارے میں آیات قرآنی جیسے معاملات کو بیان کیا ہے۔

دوسری بحث آپ کی ثقیف سے طلب نصرت کے لئے طائف کے سفر اور اس کے واقعات سے متعلق ہے۔ طائف کے تین سرداروں سے آپ کی گفتگو اور تبلیغ اسلام، ان کی کج بحثی اور انکار، بارگاہِ الٰہی میں آپ کا شکوہ، واپسی کے سفر میں عتبہ و شیبہ کے باغ میں عداس نصرانی کا واقعہ اور جنون کے سماعت قرآن کے واقعات بیان کئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کا مبحث قبائل عرب کے سامنے آپ کی پیشکش سے متعلق ہے کہ آپ نے دورانِ معاسم متعدد قبائل جیسے بنو کلب، بنو حنیفہ، بنو عامر اور متعدد دوسرے لوگوں کے سامنے اسلام پیش کیا مگر کسی نے قبول نہیں کیا۔ اس میں کچھ تو اپنا تامل کارفرما تھا اور کچھ ابولہب جیسے دشمنان دین کا عناد جو آپ کی مخالفت پر ہر دم کمربستہ رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں یثرب کے سوید بن صامت سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اسلام پیش کیا۔ وہ تقریباً مسلمان ہو گیا۔ سوید کے نسب، کچھ حالات اور اشعار بھی مذکور ہیں۔ اسی طرح ایک اور یثربی ایاس بن معاذ اور ابوالحیسر وغیرہ کی آپ سے ملاقات ہوئی اور اول الذکر اسلام سے متاثر ہوا پھر وہ جنگ بعاث میں مارا گیا۔ یہی واقعات مدینہ میں اسلام کے آغاز کے ذمہ دار تھے جو اگلی سرخی ہے۔ اس بحث میں جو اہم واقعات و امور زیر کلام آئے ہیں ان میں خزرج سے پہلی ملاقات رسول اللہ اور اس کے شرکاء کے اسماء گرامی، بیعت عقبہ اولیٰ اور اس کے شرکاء قبیلہ وار، بیعت کی شرائط، مدینوں کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کی

مدینہ روانگی، مدینہ میں پہلا جمعہ اور اس کے قیام اور تبلیغِ اسلام میں حضرت اسعد بن زرارہ کا کردار، اسعد و مصعب کی تبلیغی مساعی، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر وغیرہ سرداروں اور ان کی قوم کا قبول اسلام، بعض بطون اوس کا اسلام قبول کرنے میں تامل اور تاخیر، اور کچھ اشعار، دوسری بیعت عقبہ، براء بن معرور کی کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش اور عمل، عبداللہ بن عمرو کا قبول اسلام، بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر حضرت عباس بن عبدالمطلب کی موجودگی اور مدینوں سے دفاع رسول کا وعدہ لینا، شرائطِ بیعت، اوس وخزرج کے نقیبوں کی تقررِی وار ان کے اسماء گرامی، کعب بن مالک کے قصیدہ میں ان کے ناموں کی تصریح، بیعت عقبہ کی اہمیت پر عباس بن عبادہ انصاری کی تقریر، پہلا بیعت کرنے والا، شیطان کی کارگذاری، قریش کے سرداروں کی بیعت عقبہ ثانیہ کے بارے میں انصاری وفد سے گفتگو اور ان کا انکار، حسان کے اشعار اور عبداللہ بن ابی بن سلول کا نسب شامل ہیں۔

ایک مختصر بحث عمرو بن جموح کے صنم توڑنے اور ان کے اسلام لانے کے قصہ سے متعلق ہے اور بعض اشعار بھی مذکور ہیں۔ آخر میں بیعت عقبہ اخر کی شرائط اور عقبہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد اور قبیلہ/بطون وار اسماء گرامی کی تفصیل ہے۔ اس میں ابن ہشام کی بعض تصریحات اور اختلافی تبصرے بھی موجود ہیں۔ اس کے بعد کی سرخی مسلمانوں کو جہاد وقتال کی اجازتِ ربانی سے متعلق ہے جس کے تحت متعلقہ آیات قرآنی اور مسلمانان مکہ کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت نبوی بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد ایک اہم اور طویل بحث میں مہاجرین مکہ کی ہجرت کی تفصیلات، اہم مہاجرین جیسے حضرات ابو سلمہ، عامر، بنو جحش، عمرو عیاش بن ربیعہ مخزومی اور ان کے خاندانوں اور دوسرے لوگوں کے واقعات ہجرت بیان ہوئے ہیں۔ مدینہ میں مہاجرین کی منزل وقیام کا ایک الگ مبحث ہے۔

ہجرت ﷺ کے اہم مبحث میں حضرات ابوبکر وعلی کی تاخیرِ ہجرت، آپ کے قتل کا قریشی منصوبہ، آپ کی روانگی اور بستر پر حضرت علی کا سونا، قرآنی آیات مشرکین کے مکر کے بارے میں، ابوبکر کی معیت کی خواہش اور تیاری، مدینہ کی ہجرت کی حدیث، حضرت ابوبکر کے گھر سے غارِ ثور تک کے واقعات متعلقہ جیسے اسماء کا نطاق باندھنا، بعد میں ابوجہل کا حضرت اسماء کو مارنا، ہجرت کے بعد اسماء وابوقحافہ کا مکہ میں رہ جانا، سراقہ کا تعاقب اور اس کی ناکامی اور قبولِ اسلام، ہجرت نبوی کے راستے اور منزلیں، قباء میں آمد اور قیام، حضرت علی کی آمد اور قیام، تعمیر مسجد قباء، قباء سے روانگی اور مدینہ آمد، قبائل

کی خواہش و پیشکش، ناقہ کا قیام اور حضرت ابوایوب کے گھر میں قیام، مسجد نبوی اور آپ کے خاندان کے لئے مساکن کی تعمیر، عمار بن یاسر کے قتل کی نبوی پیشگوئی، رجز علوی، تعمیر مسجد نبوی کی تفصیلات، مہاجرین کی آمد مدینہ، ابوسفیان کا مکہ کے گھروں پر قبضہ، آپ کا پہلا خطبہ، دوسرا خطبہ اور مہاجرین وانصار اور یہود کے ساتھ معاہدۂ نبوی اور اس کا متن شامل ہیں۔ دوسری متعلقہ بحث مواخاۃ کی ہے جو آپ نے مہاجرین وانصار کے دو دو افراد کے درمیان کی تھی۔ ایسے مہاجر اور انصاری بھائی چارہ کے جوڑوں کی متعدد مثالیں دی ہیں اور بعض مواخاتی بھائیوں کی بعد کی زندگی کی کچھ تفصیلات بھی، ابوامامہ کی سرخی کے تحت اسعد بن زرارہ کی وفات، اس پر یہود کا طنز، آپ کے بنونجار کے نقیب ہونے کا ذکر ہے۔

خبرالاذان کی مختصر فصل میں اذان کی ابتدا کے ضمن میں بوق وناقوس بجانے کی تجویز اور اس کو مسترد کرنے، اذان کے بارے میں حضرات عبداللہ بن زید اور عمر بن الخطاب کے الہامی خواب، حضرت بلال کو اذان کی تعلیم نبوی اور اذان سے قبل بلال کے دعوت نماز کے الفاظ ادا کرنے کا ذکر ہے پھر معاً بعد ابوقیس بن ابی انس کے قبول اسلام، نسب اور شخصیت کے بارے میں مختصر حوالہ کے بعد حمد الٰہی میں کچھ اشعار مذکور ہیں اور اس کے بعد اسی موضوع اور آپ پر ان کے متعدد اشعار ابن اسحاق سے مروی ہیں۔

یہودی دشمنوں کے مبحث میں جو سابق سے متصل ہے مسلمانوں سے ان کی عداوت کا سبب مختلف قبائل یہود جیسے بنونضیر، بوثعلبہ، بنوقینقاع، بنوقریظہ، بنوزریق، بنوحارثہ، بنوعمرو اور بنوالنجار کے دشمنان اسلام کے نام مذکور ہیں۔ اس کے بعد ایک نئی سرخی کے تحت ایک یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلام کے قبول اسلام، اس کی کیفیت، یہود کی تکذیب اور قبول اسلام سے احتراز کا ذکر ہے اور پھر ایک دوسرے یہودی عالم مخیریق کے قبول اسلام، وفات اور اپنی جائداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کرنے کا ذکر ہے۔ اسی کے معاً بعد آپ کی نبوت کی تصدیق کے بارے میں حضرت صفیہ کی شہادت مذکور ہے جو یہودیوں نے کی تھی۔ یہودی دشمنوں کے ساتھ انصاری منافقوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا تھا اور یہی اگلا مبحث ہے اور اس میں قبیلہ وار منافقین جیسے بنوعمرو، بنوحبیب، بنوضبیعہ، بنولوذان، بنوثعلبہ، بنوامیہ بن زید انصاری، بنوعبید، بنوالنبیت، بنوظفر، بنوعبدالاشہل، خزرج، بنوجشم، بنوعوف کے ناموں اور کارناموں کا ذکر ہے۔ ابن اسحاق نے بعض افراد کو منافقت کے الزام سے بری کیا ہے اور حضرت حسان وغیرہ کے اشعار بیان کئے ہیں، اسی کے ساتھ متصل مبحث میں ان یہودی علماء کے اسلام لانے کا

ذکر ہے جو نفاق سے اسلام لائے تھے، ان میں بطورِ خاص بنو قینقاع کے منافقوں کا بیان کیا گیا ہے اور آخر میں مسجد نبوی سے ان کے اخراج کا بھی حوالہ ہے اسی سے متعلق منافقین و یہود کے باب میں سورۂ بقرہ کی آیات کے نزول کا مبحث ہے جو احبارِ یہود، اوس و خزرج کے منافقین کے بارے میں قرآنی آیات، ان کی لغوی و تفسیری تشریح ابن ہشام کے قلم سے، یہود کے آخرت میں کم عذاب پانے کے دعویٰ کی تردید، آپ سے یہود کے سوال و جواب، حضرت داؤدؑ کی نبوت کی یہودی تردید کا رد، یہود خیبر کے نام فرمانِ رسالت، ابو یاسر اور اس کے بھائی کے بارے میں آیاتِ قرآنی، اوس و خزرج پر فتح مانگنے کے بعد یہود کا انکار نبوت محمدی، متعدد یہودی منکرین کے ناموں اور انکار بارگاہ رسالت میں یہود ونصاریٰ کا تنازعہ، تحویل قبلہ پر یہودی اعتراض، ان کا تورات میں مذکور حق کا کتمان، آپ کے دعوت اسلام کے جواب میں یہود کا انکار، بدر کے بعد بنو قینقاع کا بازار میں جمع ہو کر آپ کے خلاف تقریر و منصوبہ، آپ کا قیام بیت المدارس، ابراہیم علیہ السلام کے باب میں یہود و نصاریٰ کا اختلاف، یہود کے قبول و انکار اسلام کا کھیل، انبیاء بنی اسرائیل سے الٰہی میثاق اور انصار میں پھوٹ ڈالنے کی یہودی کوشش۔ جنگ بعاث کا واقعہ، یہودیوں سے دوستی کرنے کی مسلمانوں کو ممانعت، ابوبکر و فنحاص کے درمیان تنازعہ، یہود کا مسلمانوں کو بخل اختیار کرنے کا مشورہ، یہودی انکارِ حق، احزاب کے شریک قبائل، یہودی کا انکار تنزیل، بنو النضیر کا آپ پر چٹان گرانے کا منصوبہ، ان کا دعویٰ محبوبیت الٰہی، تورات کے بعد نزول کلام الٰہی کا انکار، رجم کے حکم کے باب میں آپ سے رجوع، دیت کے باب میں یہودی ظلم، آپ کے بارے میں فتنہ پیدا کرنے کی کوشش، نبوت عیسیٰ سے یہودی انکار، اپنی حقانیت کا دعویٰ، اللہ سے ان کا شرک، قیام قیامت کے بارے میں سوالِ یہود، حضرت عزیر کی ابنیت کا دعویٰ، آسمان سے کتاب کے نزول کا مطالبہ، ذوالقرنین کے بارے میں سوال، ذات الٰہی کے باب میں ان کی گستاخی اور آپ کا غصہ جیسے متعدد اور اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ اس بحث میں ابن ہشام کی تشریحات اکثر مقامات پر ملتی ہیں۔

یہودیوں کے بعد عیسائیوں سے متعلق بحث ہے جس میں اہم امور زیر بحث آئے ہیں، عاقب، سید اور اسقف کے منفی، قیصر روم کے دربار میں ابوحارثہ کی منزلت، کوز بن علقمہ کے اسلام کا سبب، نجرانی سرداروں کی آمد اور ایک کا قبول اسلام، وفد نجران کے شرکاء اور آپ سے انکا مناقشہ، سورۂ آل عمران میں ان کا ذکر، یہود و نصاریٰ کی بدعات کے باب میں قرآن کا بیان، مومنین کو قرآنی موعظت، تخلیق،

عیسیٰ میں قرآن کا عقیدہ، ذکر زکریا و مریم اور حضرت مریم کا واقعہ، عیسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں اور ان کا آسمان پر اٹھایا جانا، وفد نجران کا مباہلہ سے انکار اور حضرت ابوعبیدہ کی نجران پر ولات اور متعدد مقامات پر ابن ہشام کی تشریحات۔

منافقین کے مختصر تذکرہ میں متعدد منافقین کے کارناموں کا ذکر ہے بطور خاص ابن ابی اور ابن صیفی کے طرز عمل کی وضاحت کی گئی ہے اور اسی سے متعلق بعض دوسرے امور جیسے قیصر روم سے میراث پر رجوع، اب ابی کے فرزند کا قبول اسلام، ابن ابی کی قوم کی مخالفت سردار اور کچھ متعلقہ اشعار بھی مذکور ہیں، صحابہ کرام میں سے بیماروں کے عنوان کے ضمن میں حضرات ابوبکر و بلال و عامر بن فہیرہ کی بیماری، مدینہ کی مرض آمیز آب و ہوا اور اسے دور کرنے کی دعائے نبوی، وبائے مدینہ سے مسلمانوں کی تکلیف جیسے امور زیر بحث آئے ہیں۔

مشرکوں سے قتال کے آغاز سے جہاد و غزوات و سرایائے نبوی کا مفصل بیان شروع ہوتا ہے جس کا آغاز بعثت نبوی کے تیرھویں سال ہوا، پہلے ابن اسحاق نے تاریخ ہجرت دی ہے اور آپ کی عمر، مدینہ میں ابتدائی قیام کی مدت کا ذکر کرنے کے سلسلۂ غزوات کے آغاز کا ذکر صفر ماہ سے ہجرت کے بارھویں ماہ سے کیا ہے۔ آپ کا پہلا غزوہ ودّان تھا اور پہلا سریہ عبیدہ بن الحارث کا۔ ان دونوں مہموں کی بعض تفصیلات، ابوبکر کے اشعار، ان کی ابن الزبعریٰ کے ذریعہ رد، اپنی تیراندازی کے باب میں سعد بن ابی وقاص کے چند شعر اور ابن اسحاق کی تصریح کہ پہلی مہم عبیدہ بن الحارث کا سریہ تھی۔ پھر سریۂ حمزہ اس کی تفصیلات، اس کے باب میں حمزہ کے اشعار اور ان کا ابوجہل کی طرف سے منظوم جواب مذکور ہے۔ اس کے بعد بالترتیب غزوۂ بواط، غزوۂ العشیرۃ، سریہ سعد بن ابی وقاص، غزوہ صفوان، سریۂ نخلہ زیر کمان عبداللہ بن جحش کی تفصیلات، غیبتِ رسول کے زمانے میں خلیفۂ نبوی کی تقرری، متعلقہ اشعار اور ہجرت نبوی کے اٹھارھویں میں ماہ قبلہ کی تحویل کا ذکر ہے۔

عظیم غزوۂ بدر کا بیان کافی مفصل ہے جو تقریباً سوا سو (۱۲۵) صفحات قسم اول کے گھیرے ہوئے ہے اور تقریباً دسیوں صفحات قسم دوم پر محیط ہے۔ اس کے اہم مباحث اور ضمنی جزئیات حسب ذیل ہیں: قافلۂ قریش زیر کمان ابوسفیان، قریشی کارواں کو روکنے کا مسلمانوں کا ارادہ، عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب اور قریش مکہ میں اس کی شہرت، خواب عاتکہ کے سبب ابوجہل اور حضرت عباس میں مباحثہ اور

مستوراتِ قریش کی سرزنش، قریش کی تیاری، امیہ بن خلف کو عقبہ کی سرزنش اور اس کی روانگی، قریش وکنانہ کی جنگ جنگِ بدر کے لئے امر مانع، عام الحضرمی کے قتل پر مکرز بن حفص کے اشعار، قریش کو ابلیسی فریب، رسول ﷺ کی مدینہ سے روانگی، آپ کے روایات وعلم اوران کے علمبردار، مسلمانوں کے اونٹوں کی تعداد، مسلمانوں کا اختیار کردہ راستہ بدر اوراس کی منازل کی تفصیلات، جہاد پر آپ کا استصواب صحابہ اور حضرات ابوبکر وعمر مقداد کی پُر جوش تقریریں، انصار کی پر جوش حمایت، آپ اور حضرت ابوبکر کی قریشی خبریں جمع کرنے کی کوشش، دو قریشیوں کی گرفتاری اوران سے معلومات کی فراہمی، آپ کے جاسوسوں کی خبر رسانی، ابوسفیان کا خدشہ اور کاروان مکہ کے راستہ کی تبدیلی، قریش کی ہلاکت گاہوں کے بارے میں جُہیم بن الصلت کا خواب، ابوسفیان کا قریشی لشکر کو واپسی کا حکم، ابوجہل کی سرکشی اور بنوزہرہ وغیرہ کی واپسی، قریش کی عدوہ میں اور مسلمانوں کی بدر میں آمد، خیمہ گاہ کے بارے میں حُباب بن المنذر کا مشورہ، آپ کیلئے عریش کی تعمیر، قریش کی پیش قدمی، حکیم بن حزام کا اسلام، شیوخ قریش کا جنگ سے پہلوتہی کا مشورہ، ابوجہل کا عزمِ جنگ اور عامر بن الحضرمی کا دعوائے خون برادر، اسود مخزومی کا مقتل، مبارزت کا آغاز، عتبہ، شیبہ اور ولید بن عقبہ کا حمزہ، علی اور عبیدہ کے ہاتھوں قتل، جنگِ مغلوبہ، ابن عریہ کا بطنِ رسول کو چومنے اور صفین سیدھی کرنے کا واقعہ، آپ کی بارگاہِ خداوندی میں التجا وطلب نصرت، مہجع اور ابن سراقہ کی شہادت، جہاد کے لئے آپ کی تحریض، مشرکوں پر کنکریاں پھینکنے کا واقعہ، چند مشرکوں کے قتل سے ممانعت رسول، امیہ بن خلف کا قتل، واقعۂ بدر میں فرشتوں کی شرکت، ابوجہل کا قتل، مسلمانوں کا جنگی شعار، عکاشہ کی تلوار کا واقعہ، میدان جنگ میں حضرت ابوبکر اور مشرک فرزند عبدالرحمٰن کی گفتگو، مشرکوں کی لاشوں کا کنوئیں میں پھینکنے کا واقعہ، اس ضمن میں حضرت حسان کے اشعار، شہداء بدر کے بارے میں آیاتِ قرآنی اور نوجوان شہداء کے اسماء گرامی، بدر کے قیدیوں اور سے فے کا ذکر، آپ کے بشارت دہنداں ابن رواحہ اور زید بن حارثہ کی اہل مدینہ کا مژدۂ فتح، آپ کی بدر سے واپسی، نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا قتل، مشرکوں کی ہزیمت پر اہل مدینہ کا رد عمل، مکہ والوں کو قریش کی شکست کی خبر، اہل مکہ کا اپنے مقتولوں پر نوحہ، سہیل بن عمرو کا فدیہ، عمرو بن ابی سفیان کی گرفتار اور آزادی، ابوالعاص بن الربیع کی گرفتاری اور اسی ضمن میں ان کی دختر رسول حضرت زینب سے شادی، کفر شوہر کی بناپر علیحدگی، دوسری بناتِ رسول کی طلاق میں قریش کی سعی، حضرت

زینب کے شوہر کی فدیہ کی ادائیگی اور حضرت زینب کی واپسی اور مدینہ آمد، حضرت زینب کے سفر مدینہ میں قریش کی رکاوٹ اور زحمت اور ابوسفیان کا ہمدردانہ رویہ، حضرت زینب کے واقعہ پر ابوخیثمہ کے شعر، ہندو کنانہ کے اشعار، ھبار کے خون کا ہدر، اور اسی ضمن میں ابوالعاص سے متعلق ان کی کاروانِ تجارت میں گرفتاری، حضرت زینب کے گھر ان کی پناہ گیری، آزادی اور قبول اسلام کے واقعات بھی مذکور ہیں۔ بغیر فدیہ آزاد کئے جانے والے قریشی قیدیوں کے نام، فدیہ کی مقررہ رقم، عمیر بن وہب کا قبولِ اسلام اور اس کا پس منظر، ان کی مکہ واپسی اور وہاں دعوتِ اسلام، حضرت حسان کے اس باب میں کچھ اشعار، قریشی لشکر کو رسد فراہم کرنے والوں کی قبیلہ/بطن وار فہرست، مسلم شہسواروں کے نام، سورۂ انفال کا نزول جو مختلف ذیلی عنوانات جیسے تقسیم انفال/غنائم، مسلم لشکر کی مدینہ سے روانگی، آپ کی رمی جمار، فتح کی دعاء، قتال پر تحریکِ رسول، نعمت الٰہی کا مسلمانوں پر نزول، قریش کی فریب خوردگی اور ابن ہشام کی بعض غریب الفاظ کی تشریح پر مشتمل ہے۔ بدر اور سورۂ مزمل کے نزول کے مابین مدت، ابوسفیان کے معاونوں کے بارے میں قرآن کا بیان، قتال کفار کا حکم اور دوسری تفسیری تفصیلات بھی اسی ذیل میں آئی ہیں۔ ایک الگ سرخی کے تحت بدری مسلمانوں کی قبیلہ بطن وار مکمل فہرست، ابن ہشام کی تشریحات واختلافات کے ساتھ، بدری شہداء کی قبیلہ وار فہرست مع تعداد، مشرک مقتولوں کی قبیلہ وار فہرست مع ان کے مسلم قاتلوں کے، قریشی اسیروں کی فہرست مع ان کے اسیر کنندوں کے اور بحث کا خاتمہ غزوۂ بدر اور اس کے متعلقات کے بارے میں مختلف شعراء کے اشعار اور بدر سے فراغت پر جو بقول ابن اسحاق رمضان یا شوال کے آخر میں ہوئی کیا گیا ہے۔

غزوۂ بدر جو بنوسلیم کے خلاف ہوا دوسرا مبحث ہے جس میں تاریخِ غزوہ، مدینہ میں تقرری نائب رسول اور دو تین مختصر نکات ہیں، پھر غزوۃ السویق کی بحث ہے جس میں ابوسفیان کے چراگاہِ مدینہ پر حملہ کرنے، آپ کے تعاقب کے سبب ستو کے بورے چھوڑ بھاگنے اور ابوسفیان کے اشعار کا ذکر ہے اور اس کے بعد دو الگ مختصر بحثوں میں غزوہ ذی امر اور غزوہ الفرع/بحران کا ذکر کیا گیا ہے۔ ''امر بنی قینقاع'' کی سرخی کے تحت بنوقینقاع کو نصیحتِ رسول، قرآنی آیات، یہودی نقضِ عہد، سبب جنگ عبداللہ ابن ابی کی سفارش، محاصرہ اور ابن الصلت کی برائت وآیاتِ قرآنی کا بیان ہے۔ اس کے بعد حضرت زید بن حارثہ کا سریہ قردہ، کعب بن الاشرف کا قتل، اس کے سبب اور متعدد شعراء کے اشعار بیان کئے گئے ہیں۔ امر مُحیصہ

وحُویصہ کی سرخی کے ذیل میں ابن سینہ یہودی کے قتل اور حویصہ کے قبول اسلام کی بحث ہے اور اس کا خاتمہ بحران سے آپ کی واپسی اور غزوۂ احد کے درمیان مدینہ میں قیام نبوی کی مدت پر ہوا ہے۔

غزوہ احد کی بحث کافی مفصل ہے اور اس میں حسب ذیل ضمنی مباحث آئے ہیں: سند واقعہ، قریش کی جنگی تیاری اور اس کے متعلق قرآنی بیان، جنگ کے لئے قریش کا اجتماع اور عورتوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانگی، رویائے نبوی، ماہر نکل کر لڑنے یا مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کی مشاورتِ نبوی، منافقین کا فیصلہ سے اختلاف، فیصلہ کی تبدیلی اور وادیٔ احد میں آپ کا نزول اور جنگ کے لئے صف بندی، بعض کمسن بچوں کو شرکت کی اجازت، ابو دجانہ کی بہادری، ابو عامر الفاسق کی غداری، ابوسفیان کا جنگ پر برانگیختہ کرنا، ہند اور دوسری مکی عورتوں کے رجزیہ اشعار، مسلمانوں کا شعار، حضرت حمزہ کی شہادت اور قاتل کی زبانی اس کی تفصیلات، وحشی کا قبول اسلام اور جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کا قتل، حضرت مصعب بن عمیر کی شہادت، عاصم بن ثابت کی بہادری اور عہد اور حضرت حنظلہ کی شہادت اور اس پر اسود اور ابوسفیان کے شعر، ان کے رد میں حضرت حسان کے شعر، احد میں مسلم ہزیمت کا سبب حضرت زبیر بن عوام کی زبانی، صواب، کی شجاعت اور اس پر حضرت حسان کے شعر، غزوۂ احد میں آپ کا زخمی ہونا، اس موضوع پر اشعار، ابن السکن کی آزمائش، ام سعد کا بیانِ غزوہ، آپ کا صحابہ کرام کی طرف سے دفاع، انس بن النضر کی بہادرانہ شہادت، ابن عوف کی زخمی حالت، ہزیمت کے بعد آپ کی پہلی شناخت، ابی بن خلف کا قتل، وادی میں آپ کا محفوظ ہونا، حضرات یمان و ابن وقش کا غلطی سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل، اور متعدد دوسرے صحابہ اور دشمنوں کے قتل کے الگ الگ واقعات، حضرت حمزہ کا ہند کے ہاتھوں مثلہ، خاتمہ جنگ پر ابوسفیان کی ملامت اور مسلمانوں کا جواب، شہداء احد کا معاملہ تدفین، شہادت حمزہ پر آپ کا غم اور مثلہ کرنے سے ممانعت، شہداء احد بالخصوص حضرت حمزہ پر مستورات مدینہ کا نوحہ اور واپسی مدینہ پر تلواروں کا دھونا اور پندرہ شوال بروز شنبہ تاریخ غزوہ پر بحث کا خاتمہ۔ غزوہ حمراء الاسد غزوہ احد کا تتمہ تھا اور وہ ابن اسحاق و ابن ہشام نے غزوۂ احد کے ضمن میں مختلف مباحث جیسے دشمن کے تعاقب نبوی، معبد حزاعی کی مدد، اور ابوسفیان کی مسلمانوں کے استیصال کی دھمکی، مدینہ پر اس مقصد سے دوبارہ حملہ کرنے سے صفوان بن امیہ کی مخالفت اور کئی مکی سرداروں کے قتل کرنے کا ذکر آیا ہے۔ پھر ایک الگ مبحث میں غزوۂ احد کے بارے میں قرآنی آیات کو جمع کر دیا گیا ہے اور ا

س کی تفسیری تشریحات بالخصوص ابن ہشام کی تاویلات دی گئی ہیں۔ دوسری سرخی کے تحت شہداءِ احد کی نام بنام قبیلہ وطن وار تفصیل دی گئی ہے اور اسی طرح مشرک مقتولین کا ذکر آیا ہے۔ حسب دستور ابن اسحاق نے غزوۂ احد سے متعلق مختلف شعراء کے کلام کو مفصل بیان کیا ہے۔

واقعہ رجیع جس میں حضرت مرثد کی زیر کمان چھ معلمین کو عضل وقارہ کی درخواست پر قرآن واسلام کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا تھا، اگلی مفصل بحث ہے۔ اس میں تین حضرات کی موقعہ پر شہادت اور حضرت خبیب وغیرہ کی گرفتاری اور مکہ اور دوسرے لوگوں کے ہاتھوں قتل کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت خبیب کی شہادت کا واقعہ مفصل ہے اور اس سے متعلق مختلف شعراء کا کلام بھی منقول ہے۔ اسی سے متصل دوسرا المیہ بئر معونہ کا مذکور ہوا ہے جس میں چالیس چنیدہ مسلمانوں کو فریب سے قتل کیا گیا تھا۔ تاریخ المیہ، سبب، اہم افراد، عامر بن طفیل کی غداری، عمرو بن امیہ ضمری کی گرفتاری اور رہائی، دو عامریوں کا ان کے ہاتھوں قتل، حضرت عامر بن فہیرہ کی شہادت اور اس سے متاثر ہو کر ان کے قاتل کا قبول اسلام، مختلف حضرات کی شہادت اور المیہ پر مختلف شعراء کے اشعار اس کے اہم مباحث ہیں۔

اس کے بعد بنوالنضیر کو جلاوطن کرنے کا واقعہ/غزوہ مذکور ہے جس میں بحث کا آغاز، بنو عامر کے قتل کی دیت میں بنونضیر کا حصہ رسدی وصول کرنے کی غرض سے آپ کی بنونضیر کے علاقے میں تشریف آوری اور موقعہ سے فائدہ اٹھا کر آپ کو قتل کرنے کے یہودی منصوبہ سے ہوتا ہے۔ اس غزوہ کی بقیہ تفصیلات یہودی منصوبہ کی آپ پر انکشاف اور ان سے ارداہ جنگ، بنونضیر کے محاصرہ، ان کی عاجزانہ صلح، خیبر کو جلاوطنی، ان کے اموال (جائدادوں) کی مسلمانوں میں تقسیم، بنونضیر کے مسلمان، غزوۂ بنوالنضیر کے بارے میں قرآنی آیات وابن ہشام کی تشریحات اور مختلف شعراء کے اشعار کے عناوین کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

اگلا مبحث غزوہ ذات الرقاع ۴ھ، اس کی تیاری، وجہ تسمیہ، صلاۃ خوف کی اجازت، غورث کا واقعہ، جابر سے آپ کے اونٹ خریدنے کا واقعہ، لشکر نبوی کی حفاظت ونگرانی کے افسروں کا واقعہ اور آپ کی مدینہ واپسی سے متعلق ہے۔ پھر غزوۂ بدر ثانی کا بیان ہے اور اس میں آپ کی روانگی، غیر حاضری میں نائب کی تقرری، ابوسفیان کی بلا جدال واپسی، مخشی الضمری سے صلح نبوی، اور مختلف شعراء کے کلام کا حوالہ ہے۔ اس کے بعد غزوۂ دومۃ الجندل کا بیان ہے جو ربیع الاول ۵ھ میں ہوا اور اس میں صرف

نائبِ مدینہ کی تقرری اور آپ کی واپسی کی تاریخ کا ذکر ہے۔

غزوۂ خندق جو شوال ۵ھ میں ہوا کافی مفصل مبحث ہے۔ اس کی اہم بحثیں حسب ذیل ہیں: اس کی تاریخ، قریش کو یہود کا جنگ پر آمادہ کرنا اور قرآن کریم کا بیان، غطفان کو یہود کا جنگ کے لئے ٹھرکانا، احزاب کی روانگی، خندق کی کھدائی اور مومنوں اور منافقوں کے بارے میں قرآنی آیات، خندق کی کھدائی کے دوران معجزات کا ظہور، مدینہ میں قریش کی آمد، مدینہ پر ابن ام مکتوم کی تقرری، کعب بن اسد قرظی کو معاہدۂ نبوی توڑنے پر حی بن اخطب کی سازش اور آپ کی ان کو روکنے کی کوشش، مسلمانوں میں خوف و ہراس اور منافقین کے نفاق کا ظہور، غطفان سے آپ کا مدینہ کی تہائی پیداوار دے کر صلح کرنے کا ارادہ اور حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کی درخواست پر اس کو فسخ کرنا، بعض مشرک سواروں کا خندق پار کرنا اور کیفر کردار کو پہونچنا، خندق کھودنے کا حضرت سلمان فارسی کا مشورہ، حضرت علی کے ہاتھوں عمرو بن عبدوڈ کا قتل اور ان کے شعر، عکرمہ کے فرار پر حضرت حسان کے شعر، مسلمانوں کا شعار، حضرت سعد بن معاذ کے زخمی ہونے اور بنو قریظہ کے لئے بددعاء کرنے کا واقعہ، ابواسامہ جشمی کے اس بارے میں شعر، قاتل سعد کے بارے میں ابن ہشام کی رائے۔ حضرت صفیہ کا یہودی کو قتل کر کے سلب لانے کا واقعہ، احزاب کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کی مساعی، مشرکوں کے درمیان تفرقہ و اختلاف، حضرت حذیفہ کا احزاب کے بارے میں معلومات فراہم کرنا، ابوسفیان کا اعلانِ روانگی، حضرت حذیفہ کا خبر لانا اور آپ کی مدینہ واپسی۔

غزوۂ بنی قریظہ دراصل جنگِ احزاب کا تتمہ تھا لہٰذا وہ اگلا مبحث ہے اور اس میں اہم موضوعات یہ ہیں: آپ کو بنی قریظہ سے جنگ کرنے کا حکم الٰہی، مسلمانوں کو حکمِ قتال، مدینہ پر ابن ام مکتوم کی تقرری، حضرت علی کی بطور مقدمہ اور افسر علم نبوی تقرری اور پیشگی روانگی، حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حضرت جبریل کی آمد، آپ سے مسلمانوں کا آملنا، بنو قریظہ کا محاصرہ اور کعب بن اسد کا ان سے بات چیت کرنا، ابولبابہ کا اشارۂ قتل کرنا اور توبہ، ان کے بارے میں آیات کریمہ کا نزول اور آپ کا موقف، بنو ہدل کے بعض افراد کا قبولِ اسلام، عمرو بن سعدی کا بنو قریظہ کی غداری سے الگ رہنا اور ان کو چھوڑ کر چلا جانا، آپ کے حکم پر بنو قریظہ کا قلعوں سے اترنا اور حضرت سعد بن معاذ کی تحکیم، آپ کی تصدیق تحکیم، سبب تحکیم سعد، بنو قریظہ کی قید اور تمام بالغ مردوں کا قتل اور عورتوں بچوں کی غلامی، ابن اخطب کا قتل، صرف

ایک قرظی عورت کا قتل، زبیر بن باطا کو حضرت ثابت بن قیس کی سفارش پر معافی، عطیہ ورفاعہ کی معافی، بنو قریظہ سے حاصل شدہ فے کی تقسیم، ریحانہ کا واقعہ، خندق اور بنو قریظہ کے بارے میں قرآن کریم کی آیات کا نزول اور ابن ہشام کی تشریحات، حضرت سعد بن معاذ کی وفات اور متعلقہ واقعات، خندق کے شہداء کی قبیلہ وار فہرست اور جنگ خندق وغزوۂ بنو قریظہ کے بارے میں متعدد شعراء کے منظوم خیالات پر اس مبحث کا اختتام ہوتا ہے۔

ایک مختصر بحث میں سلام بن ابی الحقیق کے قتل ہونے کا بیان ہے جو غزوۂ قریظہ کے بعد ہوا۔ اس کی ضمنی سرخیاں ہیں: ابن ابی الحقیق کے قتل کا سبب، اس کے قتل کے لئے خزرج کا آپ کی اجازت حاصل کرنا، قتل کرنے والوں کے نام اور قصہ اور حضرت حسان کے اشعار۔

پھر حضرت عمرو بن العاص اور خالد بن ولید کے اسلام کی سرخی کے تحت ان دونوں بزرگوں کے قبول اسلام کا واقعہ جو صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے ذرا قبل پیش آیا، بیان کیا ہے۔ اس میں بعض مکی سرداروں کے ساتھ نجاشی حبشہ کے دربار میں حضرت عمرو بن العاص کی حاضری، نمائندہ وسفیر رسول حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی وہاں موجودگی (وہ حضرت جعفر اور ان کے اصحاب کو واپس لانے کے لئے گئے ہوئے تھے)، نجاشی کی زبان سے آپ کے رسولِ برحق ہونے پر قبولِ اسلام اور اس کا اخفاء، خالد بن ولید کے ساتھ ملاقات اور دونوں کا اسلام قبول کرنے کا فیصلہ اور ساتھ ہی عثمان بن طلحہ کا قبول اسلام، ابن الزبعریٰ کے اس معاملہ میں اشعار۔

سلسلۂ غزوات سے اس گریز کے بعد پھر غزوۂ بنی لحیان کا ذکر ہے۔ اس میں آپ کی بنو لحیان کے خلاف پیش قدمی، ابن ام مکتوم کی مدینہ پر تقرری، غزوہ کا راستہ اور آپ کی واپسی اور غزوہ سے متعلق حضرت کعب کے اشعار مذکور ہیں۔ اسی سے متصل غزوۂ ذوقرد کا ذکر ہے جس میں عیینہ بن حصن فزاری کے چراگاہِ مدینہ پر حملہ اور راعی کے قتل اور آپ کے جانوروں کو لے بھاگنے، حضرت سلمہ بن الاکوع کی شجاعت، آپ کے شہسواروں کا تعاقب، ان میں سے بعض کی شہادت، ان کے اسمائے گرامی، مشرک مقتولین کے نام، آپ کی روانگی، حضرت ابن ام مکتوم کی مدینہ پر تقرری، دشمنوں سے جانوروں اور مال غنیمت کا حصول اور تقسیم، ایک غفاری عورت کی نذر کا واقعہ اور حضرت حسان وغیرہ کے اشعار مذکور ہیں۔ اگلا غزوۂ بنی المصطلق ہے جس کے مبحث میں اس کی تاریخ، مدینہ پر بطور نائب حضرت ابوذر غفاری

کی تقرری، سبب غزوہ، مہاجرین وانصار میں اختلاف ونزاع اور آپ کے فیصلہ سے خاتمہ، اس اختلاف میں منافقین بالخصوص عبداللہ ابن ابی کا کردار، اور اس کے متعلق قرآن کا بیان، صحابہ بالخصوص اس کے بیٹے کا اس کے قتل کی اجازت طلب کرنا اور آپ کا انکار، ہشام بن صبابہ کا غلطی سے قتل اور مقیس بن صبابہ کا آپ کے پاس آ کر قصاص کا مطالبہ اور قاتل کا بلا اجازت قتل اور اس پر اس کے شعر، مسلمانوں کا شعار، بنوالمصطلق کا قتل، حضرت جویریہ بنت الحارث کی گرفتاری، مکاتبت اور آپ سے شادی کا واقعہ اور آخر میں حضرت ولید بن عقبہ کی بطور عامل صدقات بنی مصطلق تقرری اور اس سے متعلق قرآنی آیات اور آپ کی واپسی کا سفر بیان ہوا ہے۔

اسی سفر اور غزوہ سے واپسی پر واقعۂ افک پیش آیا جس کے اثرات دیرپا رہے۔ لہٰذا اگلا مبحث اسی سے متعلق ہے، سند کے ذکر کے بعد ازواج مطہرات کے بارے میں آپ کے طرز عمل کا ذکر ہے پھر حضرت عائشہؓ کے ہار کھو جانے اور ان کے پیچھے رہ جانے، حضرت صفوان بن معطل کے آنے اور حضرت عائشہؓ کو اپنی سواری پر بٹھا کر لشکر گاہ میں پہونچانے، آپ کے اعراض اور حضرت عائشہ کی بیماری، ان کی والدین کے گھر منتقلی اور افک سے آگاہی، آپ کے خطبہ، تہمت کی اشاعت میں عبداللہ بن ابی اور حمنہ بنت جحش کا حصہ، خطبہ نبوی کے بعد انصار وخزرج میں قبائلی عصبیت، حضرات علی واسامہ سے آپ کا مشورہ، حضرت عائشہؓ کی برأت میں کلام الٰہی کا نزول، دوسرے صحابہ کا حضرت عائشہؓ کو بری قرار دینا اور مسلمانوں پر ردعمل اور تفسیری تشریحات اہم مباحث ہیں۔ خاتمہ حسب معمول متعدد شعراء کے اشعار پر ہوتا ہے۔

۶ھ کے اواخر میں قریش اور آپ کے درمیان صلح حدیبیہ ہوئی۔ اور یہی اگلا مبحث ہے جس میں حسب ذیل اہم امور بیان کئے گئے ہیں: آپ کا عمرہ کی غرض سے ذوالقعدہ میں مکہ کے لئے روانہ ہونا، مدینہ پر نمیلہ بن عبداللہ لیثی کی تقرری، مدینہ اور قبائل عرب کے مسلمانوں کا آپ کے ساتھ سفر کرنا، زائرین کی تعداد، بشر بن سفیان کعبی کی فریقین میں صلح کرانے کی کوشش، قریشی دستہ سے بچنے کے لئے آپ کا راستہ تبدیل کر دینا، پانی کا معجزہ، بارگاہ نبوی میں بنوخزاعہ کی آمد اور قریش کے ارادوں سے آپ کو اور آپ کے مقصد سے قریش کو باخبر کرنا، قریش کے متعدد سفیروں کا بارگاہ نبوی میں آنا اور آپ کے سفیروں کا مکہ برائے صلح جانا، سفیر نبوی حضرت عثمان کے قتل کی غلط خبر کی اشاعت اور اس کے نتیجہ میں

بیعت رضوان اور مسلمانوں کا بدلہ لینے کے لئے حلف اٹھانا، قریش کا خوفزدہ ہو کر سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجنا اور صلح کرنا، حضرت عمر کی مخالفت اور شدید ردعمل، معاہدہ صلح کا حضرت علی کے قلم سے لکھا جانا، معاہدہ کی شرائط، بنوخزاعہ کا مسلمانوں سے اور بنوبکر کا قریش سے معاہدہ، حضرت ابوجندل کا واقعہ، صلح کے گواہ، آپ کا عمرہ کے تقاضے پورا کرنا، مسلمانوں کا غم وغصہ اور تعمیل حکم نبوی، سورہ فتح کا نزول اور تفسیری تشریحات اس کے ساتھ ہی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کے کمزور مسلمانوں حضرت ابوبصیر وغیرہ کا واقعہ فرار، مدینہ سے واپسی اور ساحل سمندر پر قیام، مکی مسلمانوں کا ان سے آکر ملنا اور قریشی کاروانوں پر تاخت کر کے صلح حدیبیہ کی ایک شق کا منسوخ کرانا اور کچھ اشعار بھی مذکور ہیں۔ ایک اور بحث مکی مہاجرات کی صلح حدیبیہ کی منسوخ شدہ شق سے آزاد رہنے کا واقعہ ہے۔ اس میں حضرت ام کلثوم کی ہجرت مدینہ، آپ کا ان کو واپس کرنے سے انکار اور آیات قرآنی کے نزول اور تفسیری تشریحات بیان ہوئی ہیں۔

محرم ۷ھ میں فتح خیبر کا واقعہ پیش آیا اور یہی اگلا مبحث ہے۔ غزوہ کی اہم تفصیلات میں خیبر کی طرف مسلمانوں کی روانگی، نائب رسول کی مدینہ میں اور علمبرداروں کی فوج میں تقرری، آپ کی دعائیں، خیبر میں ورود اور اہل خیبر کا فرار اور قلعہ بندی، دوران سفر آپ کی منزلیں، غطفان کی مداخلت سے پہلوتہی۔ خیبر کے قلعوں کی فتح کا آغاز، بعض ماکولات ومشروبات اور تجارتی لین دین کی تحریم نبوی، بنوسہم کی بھوک کی شکایت اور غنیمت سے ازالہ، مرحب یہودی کا قتل، مسلمانوں کا شعار، کچھ شعراء کے اشعار، حضرت محمد بن مسلمہ قاتل مرحب، مرحب کے بھائی یاسر کا قتل، فتح خیبر میں حضرت علی کا حصہ اور ایک فتح، حضرت صفیہ کی شادی کا واقعہ، کنانہ بن ربیع کی عقوبت، اہل خیبر کی آپ سے صلح، زہریلی بکری کا آپ کو تحفہ اور بشر کا انتقال، آپ کا مدینہ واپسی کا سفر، بعض ضمنی واقعات، حضرت صفیہ کی شب زفاف اور نماز فجر قضا ہونے کا واقعہ، فتح خیبر سے متعلق کئی شعراء کے اشعار، خیبر میں مسلم عورتوں کی شرکت، شہدائے خیبر کی قبیلہ وار تفصیل، اور اسود راعی کا قبول اسلام اور شہادت شامل ہیں۔ اسی سے متعلق حضرت حجاج بن علاط سلمی کے اہل مکہ سے اپنے قرضے وصول کرنے کا واقعہ ایک الگ سرخی کے تحت مذکور ہے۔ ایک مخصوص سرخی کے تحت خیبر کے اموال اور غنائم کی تقسیم اور مسلمانوں کے حصوں کا مفصل ذکر ہے۔ اس میں خیبر کے تین قلعوں شق، نطاۃ اور کتیبہ کے اموال، حصوں کی تعداد، تقسیم، آپ کے عطایا اور آخر میں ازواج مطہرات کے حصوں کا اور بوقت وفات وصیت کا ذکر ہے۔ خیبر سے متعلق

فدک والوں سے آپ کی صلح کا ذکر ہے اور اس کے ضمن میں داری حضرت کا ذکر اور نسب بیان ہوا ہے۔ دوسری تفصیلات یہ ہیں۔ خیبر کی پیداوار کے تخمینے کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حبار کی تقرری، عبداللہ بن سہل کا قتل اور آپ کا دیت ادا کرنا، حضرت عمر کے عہد میں یہود خیبر کی جلاوطنی اور مسلمانوں میں وادی کی تقسیم۔

اگلی بحث مہاجرین حبشہ کی مدینہ واپسی سے متعلق ہے جس میں ان کے اسماء گرامی قبیلہ وار دیئے گئے ہیں اور بعض ضمنی واقعات اور اشعار کا حوالہ بھی ہے۔ اس کے متصل عمرۃ القضاء کا واقعہ بیان ہوا ہے جس میں آپ کی ذوالقعدہ ۷ھ میں مکہ روانگی، مدینہ پر نائب کی تقرری، وجہ تسمیہ، عمرہ کی بعض تفصیلات، حضرت میمونہ سے آپ کی شادی، مکہ سے آپ کی واپسی اور عمرۃ القضاء سے متعلق قرآنی آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اگلی بحث غزوۂ موتہ سے متعلق ہے جو جمادی الاولی ۸ھ میں ہوا۔ ابن اسحاق نے اس کے ذیل میں تاریخ مذکورہ، شام بطورِ میدان جنگ، تین امراءِ سریہ: حضرات زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ کی ترتیب وار تقرری، روانگی سریہ اور اس سے متعلق عبداللہ بن رواحہ کا واقعۂ بکا، ہرقل کے لشکر سے مڈبھیڑ کا خدشہ اور مسلمانوں کا خوف، عبداللہ بن رواحہ کے تشجیعی اشعار، رومی لشکر سے جنگ بالترتیب تینوں امراء کی امارت وشہادت، خالد بن الولید کی امارت باتفاق مسلمین، جنگی تدابیر اور واپسی لشکر، آپ کو المیہ کی خبر، شہداء بالخصوص جعفر پر آپ کا غم، کاہنہ حدس کے مشورہ پر اس کی قوم کا حملہ سے گریز، مدینہ واپسی پر لشکر کے بارے میں مسلمانوں کا ردعمل، متعدد شعراء کے اشعار ومراثی اور آخر میں شہداء موتہ کی قبیلہ وار فہرست دی ہے۔

فتح مکہ اور اس کے اسباب کی سرخی کے تحت اگلا مبحث آیا ہے جس میں پہلے بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان جنگ میں قریش کی جانبدارانہ شرکت کے سبب معاہدۂ صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی بیان کی گئی ہے اور کچھ اشعار اس واقعہ سے متعلق مذکور ہیں۔ پھر جو مباحث آئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں: بارگاہ نبوی سے صلح حدیبیہ کے مطابق عمرو خزاعی کی طلب امداد، اسی مقصد سے مدینہ میں بدیل بن ورقاء اور ان کے قبائلی سرداروں کی آمد، ابوسفیان کی صلح حدیبیہ کو قائم رکھنے کی کوشش میں مدینہ آمد کیونکہ بعض سرداران مکہ نے آپ کے مطالبۂ فسخ معاہدہ / ادائیگی دیت پر معاہدہ توڑ دیا تھا۔ ابوسفیان کی ناکام

واپسی، وفتح مکہ کے لئے آپ کی تیاری، جنگ کے لئے تحریض حسان، قریش کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خفیہ خط اور خط بردار کی گرفتاری، رمضان ۸ھ میں آپ کی مکہ روانگی اور مدینہ میں ابورھم غفاری کی بطور نائب تقرری، دورانِ سفر کے واقعات ومنازل میں مرالظہر ان میں نبوی جاسوسوں کی خبرگیری، حضرت عباس کی ہجرت مدینہ، ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن امیہ کی قبولیت اسلام، حضرت عباس کے ہاتھ پر حضرت ابوسفیان کا قبول اسلام اور واقعہ مابعد، ابوسفیان کی بارگاہ نبوی میں حاضری اور مکہ میں مسلم لشکر کے داخلہ کا معائنہ، اہل مکہ سے ابوسفیان کا سرتسلیم خم کرنے کا حکم حضرت ابوقحافہ کا قبول اسلام، مکہ میں مسلم لشکر کا چار اطراف سے داخلہ، حضرت سعد بن عبادہ کی قتل ونہب کی دھمکی اور آپ کی تردید، مسلم دستہ سے صفوان وغیرہ بعض مکی سرداروں کی جھڑپ اور پسپائی، فتح مکہ اور غزوات حنین وطائف میں مسلم لشکر کا شعار، بعض سرداروں کے قتل اور بقیہ کی معافی کا حکم نبوی، حضرت عثمان کی سفارش پر عبداللہ بن سعد کے قتل کے حکم کی منسوخی، سرداروں کا خون بند کیا گیا ان کے نام اور ان کے قتل کے اسباب اور بعد کے واقعات، آپ کا طواف کعبہ، داخلہ اور خطبہ، عثمان بن طلحہ کی سدانہ/ حجابہ پر بدستور بحالی، کعبہ کے بتوں کی شکست اور تصویروں کو مٹانا، آپ کی کعبہ میں نماز، حضرت حارث وعتاب کا قبول اسلام، بعد کے بعض واقعات بھی اسی ضمن میں مذکور ہوئے ہیں، فتح مکہ میں آپ کے سکونت اختیار کرنے کا انصار کا خدشہ اور اس کی تردید نبوی، فضالہ کا قبول اسلام، صفوان بن امیہ کو امان نبوی، حضرت عکرمہ اور صفوان وابن الزبعری عباس بن مرداس کا قبول اسلام، اس سے متعلق اشعار، ام ہانی کے شوہر ہبیرہ کا فرار اور کفر پر وفات، فتح مکہ کے شرکاء کی تعداد اور واقعہ فتح کے بارے میں مختلف شعراء کا کلام مذکور ہے۔

فتح مکہ کے بعد آپ نے مختلف قریبی صنم کدوں کو منہدم کرنے کے لئے متعدد سرایا بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت خالد بن ولید کی کمان میں بنو جذیمہ کے علاقہ میں گیا تھا۔ یہ سریہ اگلا مبحث ہے اور حضرت خالد کو نصیحت نبوی، بنوخزیمہ کے مسلمانوں کے قتل واسیری پر غصہ نبوی اور حضرت علی کے ذریعہ ان کے مقتولوں کی دیت کی ادائیگی اور بعض ضمنی واقعات اور ان سے متعلق مختلف شعراء کے اشعار اس کے اہم مباحث ہیں۔ ایک اور ذیلی سرخی کے تحت عُزّیٰ کو منہدم کرنے کی خاطر سے ترتیب دئے گئے ایک اور سریہ خالد کا ذکر ہے اور اسی پر فتح مکہ کی طویل بحث ختم ہوتی ہے۔

غزوہ حنین اس کے بعد کے مبحث کا عنوان ہے اور اس میں قبیلہ ہوازن ان کے مسلمانوں کے خلاف اجتماع، فریقین کے جاسوسوں کی سرگرمیاں، صفوان بن امیہ سے اسلحہ کی مستعار طلبی، جیش نبوی کی ہوازن کے خلاف پیش قدمی، ذات نواط نامی درخت کے پوجنے کی خواہش کا اظہار، جنگ حنین اور آپ کی اور صحابہ کی ثابت قدمی اور ثابت قدم صحابہ کے نام و تعداد، مسلمانوں کو ابوسفیان کی شماتت، شیبہ بن عثمان کا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ، ہزیمت اولی کے بعد مسلمان سپاہ کی مراجعت اور جنگ جوئی، حضرت علی اور ایک انصاری کا واقعہ، ام سلیم کی شجاعت، ابوقتادہ کی بہادری، ملائکہ کی نصرت، مشرکوں کی ہزیمت، مختلف امراء ہوازن کی پسپائی اور فرار، درید بن الصمہ کا قتل، حضرت ابوعامر اشعری کی شہادت، آپ کے رضاعی رشتہ داروں کی گرفتاری، رہائی اور آپ کی عزت افزائی، حنین کے شہداء، غنائم حنین کا اکٹھا کرنا اور افسر غنائم کی تقرری، غزوہ حنین اور اس کے متعلقہ واقعات کے بارے میں مختلف شعراء کے اشعار اس کے اہم عناوین بحث ہیں۔

غزوہ طائف حنین کے فوراً بعد ہوا اور وہی دوسرا مبحث ہے جس میں ہوازن کے مفروروں کی طائف میں قلعہ بندی، آپ کی طائف پر چڑھائی اور اس سے متعلق اشعار، طائف کا راستہ، پہلی بار منجنیق کا استعمال، محاصرۂ طائف اور جھڑپ، ابوسفیان کی ثقیف سے مصالحت اور ناکامی، خواب رسول اور محاصرۂ طائف چھوڑ کر آپ کا کوچ، محاصرہ کے دوران اترنے والے ثقفی غلاموں کی آزادی اور دوسرے قیدیوں کی رہائی۔ شہداء طائف کی قبیلہ وار فہرست اور مختلف شعراء کا نسبتاً مختصر کلام مذکور ہے۔ پھر ایک مخصوص سرخی کے تحت ہوازن کے مال غنیمت اور قیدیوں اور مؤلفۃ القلوب کے عطایا کا ذکر ہے۔ اسی میں ایک عظیم ثقفی سردار مالک بن عوف نصری کے قبول اسلام کا الگ حوالہ ہے۔ عام تقسیم نے اور ہدایت نبوی کے علاوہ جعرانہ میں بیعت کرنے والوں کو حنین کے غنائم سے حصہ نبوی عطا کرنے کا قبیلہ وار ذکر بھی ہے۔ بعض دوسرے لوگوں کے عطایا کے ساتھ ساتھ انصار کی خمس سے محرومی، انصار میں جو شیلے افراد کی برہمی، آپ کا دلنواز خطبہ، انصار کی رضامندی اور کچھ اشعار متعلقہ بھی مذکور ہیں۔ ایک مختصر فصل میں جعرانہ سے آپ کے عمرہ کی ادائیگی اور مکہ پر عتاب بن اسید کی تقرری اور اس سال ان کی امارت میں حج کی ادائیگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ طائف سے واپسی پر مشہور شاعر کعب بن زہیر کی بارگاہ نبوی میں حاضری، اس کا پس منظر و سبب اور قصیدۂ مدحیہ اور اس پر آپ کے چادر عطا کرنے کا واقعہ بیان کیا

گیا ہے۔ کعب کا پورا قصیدہ لامیہ بھی مذکور ہے۔

اگلی بحث غزوۂ تبوک اور اس کے متعلقہ واقعات سے مربوط ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہیں: رجب ۹ھ میں آپ کا مسلمانوں کو روم سے غزوہ کرنے کے لئے تیاری کرنے اور روانہ ہونے کا حکم، جد بن قیس اور بعض دوسرے گریز پا منافقوں کے بارے میں قرآن کریم کا نزول، سازش کے اڈے بیت سویلم کی آتش زنی، لشکر کی تیاری کے لئے انفاق کا حکم نبوی اور حضرت عثمان کا عطیہ، معذوروں اور آہ وبکار کرنے والوں کا واقعہ، بعض مخلص مسلمانوں کی گریز پائی اور منافقوں کی بالعموم پہلوتہی، مدینہ پر حضرت محمد بن مسلمہ کی بطور نائب تقرری اور حضرت علی کی اہلبیت کے معاملات کی نگرانی اور متعلقہ واقعات، ابوخثیمہ کی تاخیر سے روانگی اور فوج میں جا ملنے کا واقعہ، سفر تبوک کے مختلف منازل جیسے حجر میں قیام، ناقہ رسول کے گم ہونے کا واقعہ، ابوذر کے پیچھے رہ جانے کا واقعہ، تبوک میں آمد اور شاہ ایلہ یحنہ بن روبہ سے جزیہ پر صلح اور معاہدہ نبوی کا متن، دومۃ الجندل کے حکمراں اکیدر بن عبدالملک کے خلاف حضرت خالد بن ولید کا سریہ، اکیدر کی گرفتاری، صلح اور رہائی، مدینہ کی طرف مراجعت نبوی، وادیٔ مشقق کا قیام، حضرت ذوالبجادین کی وفات وتدفین، پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں ابورہم غفاری سے سوال نبوی، غزوہ تبوک سے واپسی پر مسجد ضرار کے انہدام کا واقعہ جس میں اس کے بانیوں کا اور دوسری متعلقہ چیزوں کا ذکر ہے اور اسی ضمن میں تبوک سے مدینہ کے درمیان مختلف مساجد نبوی کا بیان ہے۔ اگلی فصل میں تین مخلص صحابہ کرام کی عذر جنگ سے پہلوتہی اور معذوروں کا واقعہ زیادہ تر حضرت کعب بن مالک کی زبانی مذکور ہے اور آخر میں ان کی معافی اور اس سے متعلق قرآنی آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔

رمضان ۹ھ میں ثقیف کے وفد کی مدینہ آمد اور ان کے قبول اسلام کا واقعہ ایک الگ مبحث میں بیان ہوا ہے۔ اس کے ضمنی واقعات میں حضرت عروہ بن مسعود کا قبول اسلام، تبلیغ دین، وراہ حق میں شہادت، بارگاہ نبوی میں وفد ثقیف کی آمد اور مختلف امور دین ودنیا پر بحث، قبول اسلام واطاعت مدینہ، عثمان بن ابی عاص کی ان پر بطور والی تقرری، ثقیف کے صنم کدہ کی ابوسفیان ومغیرہ کے ہاتھوں تباہی، ابوملیح وقارب کا قبول اسلام اور ثقیف کے نام آپ کے گرامی نامہ کا ذکر بھی ہے۔

ایک الگ فصل میں حضرت ابوبکر کی امارت میں ۹ھ کے حج کا واقعہ مع اس کے متعلقہ مباحث کے مذکور ہے، اس میں حج کی امارت پر حضرت ابوبکر کی تقرری، سورۂ براءۃ کا نزول اور مسلمانوں

ومشرکوں کے درمیان تفریق، آیات کریمہ کی ابن ہشام کی تشریحات تفسیری، حضرت علی کے ذریعہ سورۂ براءۃ کی اہل مکہ اور حجاج کو تعلیم، مشرکوں سے جہاد کی تعلیم اور مختلف آیات کریمہ کی موضوع وار تقسیم اور ان پر بحث بھی کی گئی ہے۔

اس کے بعد ایک مخصوص فصل میں حضرت حسان بن ثابت کا وہ قصیدہ دیا گیا ہے جس میں مغازئ رسول کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ایک الگ فصل میں ۹ھ اور اس کے عام الوفود کے تسمیہ کا ذکر ہے اس سال تمام عرب سے قبائل کے وفود آپ کی بالا دستی اور اسلام قبول کرنے مدینہ آئے۔ابن اسحاق وابن ہشام نے جن وفود عرب کا ذکر کیا ہے ان میں بنوتمیم اور ان کے باب میں سورۂ حجرات کے نزول اور مختلف شعراء کا کلام ذرا تفصیل سے مذکور ہے۔اس کے علاوہ بنو عامر کا وفد اور عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کا قصہ، اس سے متعلق اشعار، بنوسعد بن بکر کا وفد اور ضمام بن ثعلبہ کی آمد، عبدالقیس کے وفد میں جارود بن عمرو کی آمد، بنوحنیفہ کا وفد اور مسیلمہ کذاب کا واقعہ، وفدِ طے میں حضر زید حنبل کا آنا، حضرت عدی بن حاتم کا قبول اسلام اور اس کا پس منظر، فروہ بن مسیک مرادی کی آمد، بنوزبید کے وفد میں عمرو بن معدی کرب کی آمد اور اسلام اور بعد کے واقعات، وفد کندہ میں اسعث بن قیس کی آمد، ازد کے وفد میں صرد بن عبداللہ ازدی کی آمد، شاہان حمیر کے سفراء کی اپنے حکمرانوں کے خط کے ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضری، اور آپ کے فرمان کا متن، یمن پر حضرت معاذ بن جبل کی بطور والی تقرری اور ہدایات نبوی، فروہ بن عمرو جذامی کا قبول اسلام اور اس کے سفیر کی حاضرئ مدینہ، خالد بن الولید کے ہاتھوں پر بنوالحارث بن کعب کے قبول اسلام کا واقعہ اور اس کے متعلق مباحث، ان پر عمرو بن حزم کی بطور والی تقرری، اور فرمان رسول، رفاعہ بن زید جذامی کی آمد اور قبول اسلام، ہمدان کے وفد کی آمد کے علاوہ بعض متعلقہ واقعات بیان کئے گئے ہیں اور آخر میں ایک مختصر فصل میں مسیلمہ حنفی اور اسود عنسی جیسے کذابوں کے واقعات وانجام کا مختصر حوالہ ہے۔مسیلمہ کا آپ کے نام اور آپ کا جواب بیان ہوا ہے اور مختصر علیحدہ فصل میں صدقات پر عمال وامراء کی تقرری اور روانگی کا ذکر ہے۔یہ بیان عمال کے مقامات تقرری وقبیلہ وار روانگی سے متعلق ہے۔

اگلی بحث حجۃ الوداع کے بیان پر مشتمل ہے۔اس کے بنیادی مباحث میں آپ کی حج کی تیاری اور مدینہ پر نائب رسول کی تقرری، حضرت عائشہ کو حج کی ہدایات نبوی اور ان کا حج وعمرہ، حضرت علی کی

یمن سے واپسی اور مکہ میں ملاقاتِ رسول، امورِ حج پر ان کو تعلیم نبوی، حضرت علی کے بارے میں ان کے لشکر کی شکایت اور آپ کی تعلیم، حجۃ الوداع میں خطبہ نبوی، آپ کے خطبہ کے الفاظ کو دہرانے کی سعادت حاصل کرنے والوں کے نام، خطبہ نبوی کی ایک روایت عمرو بن خارجہ اور بعض تعلیمات نبوی شامل ہیں اور اسی پر خاتمہ بحث ہوتا ہے۔

ایک چارسطری فصل میں حضرت اسامہ بن زید کے سریہ فلسطین کی منصوبہ بندی وغیرہ کا ذکر ہے۔

ابن ہشام نے یہاں اپنے اضافات میں شاہان عرب وعجم اور امراء شرق وغرب کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وخطوط اور سفراء کے بھیجنے کا ذکر ایک مخصوص فصل میں مع متعلقہ واقعات کے کیا ہے۔ بحث کا آغاز حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے اختلاف کی مانند اختلاف امت سے بچنے کی نبوی تاکید سے ہوتا ہے پھر نو دس مشہور ترین سفیرانِ نبوی کے اسماء گرامی مع ان کے مقامات سفارت بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد اسی موضوع پر ابن حبیب مصری کی سند پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کے حواریوں اور قاصدوں کی فہرست دی ہے۔

جملہ غزوات کے ذکر کے عنوان سے ان تمام غزوات وسرایا کا الگ الگ بیان دیا ہے جو اوپر تاریخی ترتیب میں ذکر ہونے سے رہ گئے تھے۔ ان میں پہلے ستائیس غزوات کی مختصر یکجا فہرست ہے پھر جملہ سرایا یعنی ۳۸ کا ذکر ہے پھر الگ الگ غزوہ وسریہ کا ذکر ہے، آخر میں مفصل بیان میں جو غزوات وسرایا شامل ہیں وہ یہ ہیں: غزوہ غالب بن عبداللہ لیثی / بنوالملوح، اس کے بعض واقعات کے علاوہ بعض اور غزوات / سرایا کی ایک اور فہرست دی گئی ہے۔ پھر غزوہ زید بن حارثہ / جذام، غزوہ زید بن حارثہ / بنوفزارہ، غزوہ عبداللہ بن رواحہ / یسیر بن رازم کے قتل کے لئے، غزوۂ عبداللہ بن انیس / خالد بن سفیان ہذلی کے قتل کے لئے، غزوہ عیینہ بن حصن الفرازی / بنوتمیم، غزوۂ غالب بن عبداللہ / بنومرہ، غزوہ، عمرو بن العاص / ذات السلاسل، غزوہ ابن ابی حدرد / بطن اضم، غزوہ بن ابی حدرد / قتل رفاعہ بن قیس جشمی، غزوہ عبدالرحمٰن بن عوف / دومۃ الجندل، غزوہ ابی عبیدہ بن الجراح / سریہ عمرو بن امیہ ضمری / ابوسفیان کے خلاف، سریہ زید بن حارثہ / مدین، سریہ سالم بن عمیر / قتل ابی عفک، غزوہ عمیر بن عدی / عصماء بن مروان، سریہ ثمامہ بن اثال حنفی کی گرفتاری کے لئے جو بالآخر ان کے قبول اسلام پر ختم ہوا، سریہ علقمہ بن مجزز، سریہ کرز بن جابر / بنوبجیلہ، غزوۂ علی بن ابی طالب / یمن، سریہ اسامہ بن زید / فلسطین

جو عہد نبوی کی آخری مہم ہے۔ اسی پر یہ بحث ختم ہوتی ہے۔

ایک الگ فصل میں جس کا عنوان ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء'' باندھا گیا ہے آپ کی بیماری کے آغاز، بقیع والوں کے لئے دعائے مغفرت اوران کی زیارت، ازواج کے گھروں میں باری باری سے قیام کی تکلیف اور بالآخر حضرت عائشہؓ کے گھر میں مستقل قیام کا ذکر کیا گیا ہے۔

اسی سے متصل آپ کی ازواج مطہرات کے ذکر کے لئے ایک فصل مخصوص کی گئی ہے جس میں پہلے ابن ہشام کی روایت کے مطابق بوقت وفات ان کی تعداد نوتھی پھران کے نام نامی گنائے ہیں اور ہرایک کاالگ ذکر ''ان کی شادی'' کے عنوان سے کیا ہے۔ آغاز ظاہر ہے حضرت خدیجہ سے ہوتا ہے اور ترتیب وار حضرت عائشہؓ، حضرت سودہ، حضرت زینب بن جحش، حضرت ام سلمہ، حصرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ، تمام گیارہ ازواج مطہرات کا ذکر ہے پھرایک مختصر پیراگراف میں ان کی کل تعداد، آپ کی حیات طیبہ میں ان کی رفاقت کا ذکر کر کے دواور ازواج اسماء بنت نعمان کندی، عمرہ بنت یزید کلابی کا ذکر کیا ہے جن سے ازواج مکمل نہیں ہوا۔ پھرآخر میں قریشی ازواج، عربی ازواج اور غیرعربی ازواج کی تقسیم کاالگ الگ ذکر کیا ہے۔

آپ کے مرض الوفاۃ کا ذکر جہاں سے چھوڑا تھااس کا وہیں سے سلسلہ قائم کیا ہے اور حضرت عائشہ کے گھر میں آپ کی بیماری کے عنوان سے اس کے تمام مراحل بیان کئے ہیں۔ ان میں حضرت عائشہؓ کے گھر قیام، شدت مرض، حضرت ابوبکر کی تعریف وتخصیص اوران کے مکان کے دروازہ کے سوا مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا م حکم نبوی، سریۂ اسامہ کی روانگی کا حکم، انصار کے لئے خیر کی نبوی وصیت، بارگاہ نبوی میں دوا پلانے کا واقعہ، وفات کی پیشگوئی اوراسامہ کی طلبی، نماز کی امامت کے لئے حضرت ابوبکر کی تقرری، وفات نبوی اوراس کا دن اور تاریخ اوراس دن کے واقعات، آپ کا سنبھالا اور ابوبکر کی سنح روانگی، حضرت عباس وعلی کی خلافت نبوی کے بارے میں مباحثہ، وفات سے قبل مسواک، وفات کا وقت، بعد وفات حضرت عمر کا اضطراب اور بیان، ابوبکر کی آمد، تقریر اور موقف، تجہیز وتکفین کی تیاری، اس کے بعد اسی ضمن میں سقیفۂ بن ساعدہ کے معاملہ کے عنوان سے انصار ومہاجرین کی خلافت کے مسئلہ پر بحث اور تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور حصرت ابوبکر کی تقرری اور خطبۂ اولین کے بعد پھر آپ کی تجہیز وتکفین کی فصل قائم کر کے بقیہ امور متعلقہ بیان کئے ہیں۔ ان میں آپ کے غسل کی کیفیت اور

اس کے ذمہ داروں کے اسماء گرامی، تکفین، قبر کی کھدائی، تدفین کے انتظامات اور نماز جنازہ، تدفین اور اس کے ذمہ دار افراد، آپ کے جسم اطہر سے سب سے آخر میں جدا ہونے والے کا نام، آپ کی چادر اور آخری ہدایات، وفات نبوی کے بعد مسلمانوں کی آزمائش اور عرب میں ارتداد کا حوالہ شامل ہے اور اسی پر بحث ختم ہوتی ہے۔ آخری بحث حضرت حسان کے مرثیہ رسول پر مشتمل ہے۔ سیرت ابن اسحاق بروایت ابن ہشام کے یہی کل اہم اور بنیادی مباحث ہیں جن کا اوپر مختصر تعارف پیش کیا گیا۔

سیرت ابن اسحاق

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بڑی کدوکاوش سے سیرت ابن اسحاق کے دو اصل نسخے تلاش کر کے ایک کتابی شکل میں چھاپ دئے۔ یہ دونوں نسخے / قطعے ناقص ہیں۔ اول قطعہ مکتبۂ قرویین میں موجود دو قطعوں پر مبنی ہے جو یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ) کی روایت پر براہ راست ابن اسحاق سے مروی ہے۔ یہ فارسی قطعہ کہلاتا ہے اور دوسرا قطعہ دمشقی کہلاتا ہے جو مخطوطات ظاہریہ دمشق کے مجموعہ میں ملا ہے اور محمد بن سلمہ (م ۱۹۱ھ) کی روایت پر مبنی ہے۔ وہ بھی ابن اسحاق کے براہ راست شاگرد رشید تھے اور انہوں نے سیرت کی سماعت کی تھی جب کہ یونس بن بکیر نے کوفہ میں روایت کی تھی۔ ابن ہشام کی سیرت دراصل زیاد بن عبداللہ بکائی (م ۱۸۳ھ) کی روایت پر مبنی ہے اور وہ بھی کوفہ ہی میں روایت وسماعت کے ذریعہ ابن اسحاق سے حاصل کر سکے تھے۔ ان تینوں کا تقابلی مطالعہ ایک دلچسپ موضوع ہے۔

یونس بن بکیر کے دونوں فارسی قطعوں پر مشتمل کتاب سیرت ابن اسحاق کے پینتالیس ابواب ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر انتعارف پیش ہے۔

باب اول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت آدم علیہ السلام تک نسب سے متعلق ہے مگر اس کے ذیل میں متعدد واقعات وسوانح بیان ہوئے ہیں جیسے عبدالمطلب کا زمزم کھودنے کا خواب دیکھنا اور اس پر عمل کر کے چاہ زمزم کی بازیافت، حضرت اسماعیل کے لئے چاہ زمزم کا عطیہ الٰہی، زمزم کے بارے میں احادیث نبوی، کھدائی میں نکلنے والے تیروں کا ذکر اور قرعہ کے وقت عبدالمطلب کے اشعار، کعبہ میں سونے کے ہرن کا چڑھاوا۔ حرم میں پناہ اور منزلتِ کعبہ کے واقعات، عہد فاروقی کی مجالس میں متعدد واقعات کا ذکر وغیرہ۔ باب دوم عبدالمطلب کی نذر سے متعلق ہے جو انہوں نے دس بیٹوں کے عطا ہونے پر مانی تھی۔ اس میں آپ کے والد ماجد عبداللہ کے نام قرعہ نکلنے، پھر ان کی جگہ اونٹ ذبح کرنے کا ذکر مفصل ہے اور بہت سے اشعار مذکور ہیں۔

تیسرا باب عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی کی تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ اس میں ایک عورت ام اقبال کی دعوتِ اختلاط، حضرت آمنہ سے عبداللہ کی شادی، نور محمدی کا ذکر، بنو اسماعیل میں ایک نبی کے برپا ہونے کی پیشگوئی اور ام اقبال بنت نوفل بن اسد کے اس واقعہ کے بارے میں اشعار پیدائشِ محمدی کے وقت بصریٰ کے محلات کے جگمگانے کی پیشگوئی اور عبدالمطلب کے نذر ماننے اور عبداللہ کے کردار کے بارے میں اشعار مذکور ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر چوتھا باب ہے۔ اس میں آپ کی تاریخ وسنہ وفات، رضاعت حضرت حلیمہ سعدیہ آپ کے رضاعی بھائی بہنوں کا ذکر، مدت و واقعات و معجزات رضاعت کے علاوہ آپ کی حدیث پاک بھی شامل ہے جو آپ کی ولادت و رضاعت کے واقعات وغیرہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔

باب پنجم قبیلۂ حمیر کے بادشاہ تبع اوسط کی حکایت، باب ششم تبع کی قتل گاہ، اور باب ہفتم اصحاب الفیل کے واقعہ کے لئے مخصوص ہے۔ موخر الذکر میں مکہ مکرمہ پر ابرہہ حبشی کے حملہ اور اس کے عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کا واضح اور مفصل ذکر کیا گیا ہے۔

باب ہشتم میں عبدالمطلب کی وفات اور اس سے متعلق ان کی اولادوں کے مراثی مذکور ہیں۔ اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبدالمطلب کے بعد بنو عبد مناف کی سیادت حرب بن امیہ کو ملی اور عبدالمطلب نے ابوطالب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کے لئے وصیت کی تھی۔ مگر یہ روایت لوگوں کا گمان ہے کے فقرے سے شروع ہوتی ہے۔ وصیت کے بارے میں عبدالمطلب کے اشعار بھی بیان ہوئے ہیں۔

نواں باب بحیرا راہب کے قصہ سے متعلق ہے۔ اس میں آپ کا ابوطالب کے ہمراہ سفر شام، بحیرا سے ملاقات، اس کی ابوطالب کو نصیحت، ابوطالب کے اشعار کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی فضائل کی سرخی کے تحت آپ کے بچپن کے کچھ واقعات بھی مذکور ہیں۔ صادق و امین کے خطابات، صغر سنی میں دو راتوں میں لہو ولعب سے من جانب اللہ حفاظت، ازار بند کرنے کا واقعہ شامل ہیں۔

دسواں باب حضرت خدیجہ کے لئے آپ کا تجارت کرنے اور پھر ان سے نکاح اور نسب خدیجہ اور اولاد رسول اﷲﷺ خدیجہ کے مختصر ذکر پر مبنی ہے۔

گیارہویں باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علماءِ یہود کی بشارت کا ذکر ہے۔ آپ کا ذکر تورات میں اور اس سے متعلق آیاتِ قرآنی، متعدد یہودی علماء کی آپ کی آمد کے بارے میں پیشگوئی کا ذکر ہے جو مدینہ کے یہودی اور خاص کر بنو قریظہ کے یہودی علماء کیا کرتے تھے۔

بارہواں باب حضرت سلمان فارسی کے اسلام لانے اور اس کے پس منظر کے واقعات سے متعلق ہے۔ اس میں ان کی غلامی اور مکاتبت کے علاوہ مہرِ نبوت اور دورِ جاہلیت میں قریش کے دین کا بھی مختصر حوالہ ہے۔

تیرہواں باب آثارِ کعبہ کے عنوان سے ہے جس میں حضرت آدم سے لے کر معاصر وقت تک تاریخ کعبہ، دورِ جاہلیت میں حج کا تلبیہ، دورِ جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کے طواف کا طریقہ، وقوفِ عرفات اور حمس کا معمول، صفا و مروہ کے درمیان سعی، منیٰ میں رمی جمار، عرب میں نسی کا قاعدہ اور تقویم، مناسک حج کی اسلامی اصلاح کا ذکر شامل ہے۔ چودھواں باب تعمیر کعبہ پر ہے اور اس میں کعبہ کی تعمیر نو، پرانے کتبوں کی دریافت، حجرِ اسود پر جھگڑا، اس سے متعلق مختلف لوگوں کے اشعار، آپ کا فیصلہ اور تنصیب حجرِ اسود، آپ کی بعثت کے وقت اور تعمیر کعبہ کے وقت عمر مبارک اور بعد بعثت مکہ میں قیامِ نبوی کی مدت اور تعمیر کعبہ سے متعلق زبیر بن عبدالمطلب کے اشعار، تورات و انجیل میں اور عرب کاہنوں کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، بعثت کے قریب اور بعد جنات کو آسمانی خبروں سے روک دینے کا بیان اور سورۂ جن کے علاوہ دوسری آیات اور کاہنوں کا بیان، آپ کے متعلق ورقہ بن نوفل کا بیان، تعمیر نو کے بعد کعبہ کا حج، زید بن عمرو بن نفیل کا واقعہ حنفیت اور مشرکانہ رسوم سے ان کا اجتناب اور ان کے اشعار، قریش کا طریقہ حج، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خواب، غارِ حرا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ تحنث اور نزولِ وحی کی ابتداء کی تفصیلات، نظر لگنے کے بارے میں آپ کا معمول، انبیاء کا بکریاں چرانے کا معمول اور نبیوں کے وحی اور اسباط کے بارے میں آپ کی حدیث جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔

پندرہویں باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مفصل بیان ہے۔ اس کا آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کے لئے انبیاء کرام کے پیمان اور سورۂ آل عمران کی آیت ۸۱ سے ہوتا ہے۔ آپ کی بعمر چالیس سال اور کعبہ کی تعمیر نو کے پانچ سال کے بعد بعثت کا ذکر ہے پھر پہلی وحی کی تاریخ نزول قرآنی آیات کے ذریعہ ۱۷ رمضان جمعہ کے دن بتائی گئی ہے اور

لیلۃ القدر پر بحث ہے۔ پھر اولوالعزم رسول اور سیدنا یونس کے طرز عمل کا ذکر ہے اور حضرت خدیجہ کو پہلی مومنہ خاتون قرار دیا گیا ہے۔ دوبارہ آپ کے سچے خوابوں (رویاء صادقہ) اور حضرت ابوبکر صدیق کی معیت میں حضرت ورقہ بن نوفل سے دوبارہ ملاقات، سورۂ فاتحہ کے نزول، ورقہ کی تصدیق اور ورقہ کے ایمان کی تصدیقِ نبوی اور حضرت خدیجہ کے جبریل علیہ السلام کو شیطان سے ممیز کرنے کے طریقہ، تخلیق آدم کے وقت نبوت محمدی کے خدائی فیصلہ، بعثت کے بعد آپ کے مکہ اور مدینہ کے قیام کی مدت، طریق تبلیغ ودعوت نبوی، فترۂ وحی، اور وضو اور نماز کی تعلیم کے مباحث بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت علی کے قبول اسلام سے متعلق سولہواں باب ہے جب کہ سترہویں باب میں حضرت ابوبکر صدیق کے قبول اسلام کا ذکر ہے۔ مختلف روایات کے مطابق اولین مسلمانوں میں پہلی حضرت خدیجہ تھیں، دوسرے حضرت علی تیسرے حضرت زید بن حارثہ اور ابوبکر صدیق چوتھے تھے۔ لیکن بعض اور روایات اولیت وسبقت کا شرف کچھ اور صحابہ کو دیتے ہیں۔ اٹھارہویں باب میں حضرت ابوذر کے اسلام لانے کا ذکر ہے اور اس کے ساتھ ہی گزشتہ امتوں کی تعداد، تورات میں نبی موعود کی صفت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کی روایات ہیں۔ انیسویں باب مہاجرین یعنی اہل مکہ کے قبول اسلام سے متعلق ہے اور اس میں قبیلہ وطن وار اولین مکی مسلمانوں کی فہرست ہے۔ تبلیغ واشاعت اسلام کے ارتقاء، دشمنان اسلام کی فہرست ومخاصمت کی تفصیلات، قریب ترین اعزہ کو دعوت نبوی، آپ کے خطبے گھر میں اور کوہ صفا پر، مشرکین کی عداوت اور ابوطالب کی حمایت اور اس سے متعلق موخر الذکر کے اشعار، ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں خدمت نبوی میں قریشی سفارت اور آپکے خلاف قریشی پروپیگنڈا اور ابوطالب سے قریشی اکابر کی ملاقات اور بنوعبد مناف میں افتراق کا بھی ذکر ہے۔ بیسویں باب میں مسلمانوں پر ظلم وستم اور تشدد کے مبحث میں ابوطالب سے قریشی وفد کی ملاقات اور خطبہ رسول، ابوطالب کی حمایت اور ان کے سبب بنوہاشم وبنومطلب کی حمایت، ابولہب کی مخالفت اور سورۂ لہب کا نزول اور اس سے متعلق اشعار، بنوہاشم اور مسلمانوں کا مقاطعہ یعنی شعب ابی طالب کی محصوری اور بائیکاٹ کی دستاویز مسلمانوں کا دورِ ابتلا، آپ کے قتل پر قریش کا آمادہ ہونے اور اس کے خلاف ابوطالب کی مساعی واشعار اور مقاطعہ کے دستاویز کے خاتمہ کی اہم بحثیں ہیں اور باب کا خاتمہ مہاجرین حبشہ کو واپس لانے کے لئے عمارہ بن ولید اور عمرو بن العاص کی حبشہ کی قریشی سفارت پر ہوتا ہے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کا قبول اسلام اور اس کا پس منظر اکیسویں باب کا اہم ترین مبحث ہے اور اس میں حضرت حمزہ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔ جب کہ بائیسویں باب میں اصحاب رسول کی ہجرت حبشہ اور متعلقہ تاریخی واقعات اور آیات قرآنی کا ذکر ہے۔ تیئسویں باب میں پہلی ہجرت حبشہ کے قبیلہ/ بطن وار اسماء مہاجرین بیان کرنے کے بعد یہ ذکر ہے کہ اہل مکہ کے قبول اسلام کی جھوٹی خبر سن کر مہاجرین حبشہ کے مکہ لوٹ آنے والوں پر کیا گذری اور اسی ضمن حضرت عثمان کے لبید کے شعر پر کلام اور اول الذکر کے اشعار کا بھی ذکر آیا ہے۔ حضرت عمر فاروق کے قبول اسلام کے واقعات وروایات کو چوبیسویں باب میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر کے اشعار کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ پچیسویں باب میں پہلی بار حضرت عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کی جہری تلاوت اور ان پر قریشی تعذیب کا ذکر ہے۔ جب کہ چھبیسواں باب عام اہل ایمان کی تعذیب کے لئے مخصوص ہے۔ اس میں بعض اور دلچسپ روایات بھی مذکور ہیں جیسے اصنامِ مکہ کے بارے میں حضرت خالد بن ولید کی قبول اسلام سے پہلے رائے، مشرک سرداروں کو قتل کرنے کا مسلم منصوبہ، مسلمانوں پر ظلم وستم کے علاوہ حضرت علی کی مدنی زندگی کا ایک واقعہ اور آپ کی مدنی زندگی کا بھی ذکر ہے اور خاتمہ اراشی تاجر اور ابوجہل کے واقعہ میں آپ کے حصہ پر ہوتا ہے۔

ستائیسواں باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشرکین کی مخاصمت کے لئے مخصوص ہے اور پھر اس میں آپ کے بارے میں یہودی علماء اور اہل کتاب کی رائے۔ تورات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، حضرت علی اور قصہ ذوالقرنین، آپ کی تلاوت قرآن کو مشرکین کا سننا، آپ کی عادت سکوت اور طاقت، تبلیغ نبوی سے روکنے کے لئے مشرکین کے حربے، عتبہ بن ربیعہ کی مدافعت نبوی، روم وایران کی مسلم فتح کی نبوی بشارت اور ابوجہل کے کافرانہ عزائم اور ابوطالب کے اشعار دوسرے اہم مباحث ہیں۔ اٹھائیسواں باب دوسری ہجرت حبشہ، دربار نجاشی میں حضرت جعفر کی تقریر، حضرت رقیہ حبشہ میں، حبشہ کے نصاری کے وفد، نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ، ابن عمر کی آرزو ودعائے الٰہی، نجاشی کے فرزند کے قبول اسلام اور ہجرت حبشہ کے متعلق اشعار پر مشتمل ہے۔ دوسرے مرحلہ کے مہاجرین حبشہ کے اسمائے گرامی قبیلہ وار انتیسویں باب میں گناء گئے ہیں اور آخر میں بعض متعلقہ روایات کے علاوہ شاہ نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی نقل کیا گیا ہے۔ تیسویں باب میں بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش کی ایذا رسانی اور مسلمانوں کی تعذیب کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اکتیسویں باب میں اصل مبحث تو اہل عرب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ عام ہے اور اس میں ذیلی مباحث یہ ہیں:

قبائل عرب کو دعوت، طارق بن عبد اللہ محاربی کا واقعہ جس میں آپ کی ذوالمجاز میں تبلیغ اور ابولہب کی مخالفت کا ذکر ہے، دوسرے واقعہ میں مدنی دور میں آپ کے ایک اعرابی سے اونٹ خریدنے کا ماجرا بیان کیا گیا ہے۔ اسی ضمن میں یہ روایت بھی مذکور ہے کہ ابوطالب نے جنت کے انگوروں کی آپ سے فرمائش کی تھی اور ابوبکر نے ان کو کافروں کے لئے حرام کہا تھا۔ اس کے ساتھ کفار کے مظالم کے باوجود حلمِ نبوی، حضرت فاطمہ پر قریشی ظلم، آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبد العزیٰ کا قبول اسلام اور مکہ میں ابوبکر کی گھریلو مسجد، ہجرت حبشہ کا ارادۂ صدیقی، ابن الدغنہ کی حمایت میں ان کی واپسی اور مسجد کی تعمیر اور نماز میں تلاوت قرآن کے وقت رونے کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

خواجہ ابوطالب کی وفات اور اس سے قبل ان کو آپ کی دعوتِ اسلام، قریش کا دباؤ اور ان کا انکار قبولِ اسلام اور مرثیہ ابی طالب از حضرت علی بتیسویں باب میں اہم مباحث ہیں۔ جب کہ تینتیسواں باب حضرت خدیجہ کی وفات سے متعلق ہے اور اس میں جنت میں حضرت خدیجہ کا گھر، حضرت خدیجہؓ سے محبتِ رسول پر حضرت عائشہ کا رشک، حضرت خدیجہ کی سہیلیوں سے آپ کا حسنِ سلوک، دنیا و آخرت کی برگزیدہ عورتیں اور حضرت خدیجہ کی اولاد دوسرے اہم مباحث ہیں۔ چونتیسواں باب حضرت فاطمہ کے حضرت علی سے نکاح اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص ہے، پینتیسواں حضرت ام کلثوم بنت حضرت علی کے حضرت عمر فاروق سے نکاح سے متعلق ہے۔ چھتیسواں حضرت ام کلثوم بنت علی کے عون بن جعفر بن ابی طالب سے نکاح، سینتیسواں حضرت زینب بنت علی کے دو نکاحوں اور بنو ہاشم و بنو امیہ کے درمیان ازدواجی تعلقات، اڑتیسواں حضرت عثمان بن عفان کے حضرت رقیہ کے بعد حضرت ام کلثوم سے نکاح سے متعلق ہے۔ انتالیسویں باب میں حضرت خدیجہ کے علاوہ تمام دوسری امہات المومنین اور ازواج مطہرات کے ترتیب وار مفصل ذکر کے علاوہ ان عورتوں کا بھی ذکر ہے جن سے آپ نے نکاح کیا اور طلاق دے دی اور جنہوں نے اپنے آپ کو خدمت نبوی میں ہبہ کیا یا جو آپ کے ملک یمین میں تھیں۔ باب کا خاتمہ اولاد نرینہ کے عوض کوثر کے عطیہ الٰہی پر ہوتا ہے۔ چالیسویں باب میں آپ کا اور مسلمانوں کا مذاق

اڑانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اور رکانہ بن عبد یزید کی آپ سے کشتی لڑنے کا واقعہ مذکور ہے۔

علامات نبوت اکتالیسویں باب کا اہم کلیدی مبحث ہے اور اس میں متعدد معجزات نبوی کا ذکر ہے، جبکہ بیالیسویں باب میں حضرت ام شریک دوسیہ کے قبول اسلام کا ذکر ہے اور تینتالیسویں میں حضرت ابو ہریرہ کے قبول اسلام، چوالیسویں باب میں حضرت عدی بن حاتم اور دیگر چیدہ حضرات سے نمر بن تولب، جریر بن عبد اللہ بجلی اور اعرابی اور صحرائی رئیس وغیرہ کے قبول اسلام، اور متعدد دوسرے لوگوں کے قبول اسلام کے وقعات مذکور ہیں۔ اس قطعہ فاسی کے آخری اور پینتالیسویں باب میں واقعہ اسراء اور معراج اور ان سے متعلقہ روایات کا ذکر ہے۔

قطعہ ثانیہ جو دمشقی مخطوطہ پر مبنی ہے کا پہلا اور ترتیب سے چھیالیسواں باب غزوۂ بدر سے متعلق ہے۔ اس میں غزوہ کی تمام تفصیلات کے بعد غزوہ کدر کا بھی ذکر ہے۔ غزوۂ سویق سینتالیسویں باب میں، غزوہ ذوامر ۳ھ اڑتالیسویں باب میں بیان کئے گئے ہیں اور اسی کے ساتھ غزوہ نجران، غزوہ بنی قینقاع کا بھی ذکر ہے۔ انچاسواں باب حضرت زید بن حارثہ کے سریۂ قردہ کے لئے مخصوص ہے جب کہ پچاسویں باب میں کعب بن اشرف کا قتل بیان کیا گیا ہے۔ غزوۂ احد اکیاونویں باب میں بہت مفصل بیان ہوا ہے اور اسی باب پر قطعہ ثانیہ ختم ہوتا ہے۔ آخر میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ محقق و مرتب سیرت ابن اسحاق کا محاکمہ اور مقدمہ ہے۔

علامہ واقدی

(۲۰۷-۱۳۰ھ/۸۲۳-۷۴۷ء)

سیرت نبوی کا ایک رکن اور اہم باب مغازی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ سیرت کا آغاز مغازی کے نام اور فن سے ہوا۔ آغاز کار میں سیرتی مواد اور سوانحی روایات مغازی کے نام سے ہی جمع اور مدون کی گئیں۔ مصدر و مرکز سیرت - مدینہ منورہ - میں اس فنِ اصلی کا آغام ہوا اور اہم ترین سیرت نگارانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغازی کے نام سے اپنی روایات سیرت کی ترسیل وتحدیث کی، ان میں امام عروہ بن زبیر (۹۴-۲۲ھ/۷۱۳-۶۴۳ء) امام زہری (۱۲۴-۵۰ھ/۷۴۱-۶۷۰ء) اور امام موسیٰ بن عقبہ (۱۴۱-۵۵ھ/۷۵۸-۶۷۵ء) وغیرہ سرفہرست ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیفاتِ سیرت کو ''کتاب المغازی'' ہی کا عنوان دیا۔ ان کے معاصرین اور متصل جانشینانِ علم ان کو ''صاحب المغازی'' کے نام سے جانتے تھے اور مدتوں اہل سیر و سوانح صاحبانِ مغازی ومشاہد کہلاتے رہے۔ شاید اس بنا پر کہ ان کی کتب سیرت میں غزوات وسرایا کی روایات واخبار زیادہ نمایاں مقام اور مفصل بیان کے حامل تھے۔

مغازی اور صاحب مغازی کے عنوان ونام سے آج یہ خیال ہوتا ہے کہ ان کا محورِ فکر ونظر صرف غزوات وحروبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی محدود تھا۔ لفظی اور ظاہری لحاظ سے یہ فکر وخیال صحیح بھی ہے تاہم تکنیکی اور فنی اعتبار سے ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ابتدائی مؤلفینِ مغازی نے اپنی تالیفات میں غزوات وسرایائے نبوی کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے متعدد گوشوں کا بھی احاطہ کر لیا تھا اور اپنی روایات ومباحث کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور فوجی کارروائیوں تک محدود نہ رکھا تھا۔ اس کی ایک نمائندہ مثال امام عروہ بن زبیر کی ''کتاب المغازی'' ہے جس کا ایک قدم مخطوطہ مل گیا ہے۔ اس میں مدنی عہدِ مبارک کے واقعات کے علاوہ مکی

عہد مسعود کے بعض اہم واقعات سیرت اور روایات سوانح کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ مفصل تجزیہ حضرت عروہ کی کتاب پر بحث میں آچکا ہے۔ رفتہ رفتہ سیرت نبوی کی تالیفات مختلف عناوین سے لکھی جانے لگیں اور ان میں کتاب سیرت کا عنوان زیادہ وسیع و جامع بن گیا۔ اسی کے ساتھ دوسرا اہم ارتقاء یہ ہوا کہ سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر کتابوں کا مخصوص سلسلہ چلا۔ ایسی کتابوں میں خاص غزوات وسرایائے نبوی کو موضوع بنایا گیا اور فنِ مغازی کا اس طرح خاص ارتقاء ہوا۔

لیکن امام واقدی کی کتاب المغازی اور اس کی شہرت کا معاملہ ذرا مختلف ہے۔ اصلاً وہ کتاب المغازی کے زمرے کی کتاب نہیں ہے جس کا سلسلہ قدیم سے چلا اور وہ سیرت کی اصطلاح کا پیشرو کہلایا۔ اگرچہ امام واقدی کی تالیف کتاب المغازی ہی کے نام سے معروف ومشہور ہے، مگر وہ ایک دوسرے عظیم تر اور وسیع تر رجحان سیرت کی نمائندہ ہے۔ اس کا شمار امام ابن اسحاق اور امام ابن ہشام کی جامع سیرت کے زمرے میں ہونا چاہئے کیونکہ وہ اپنی بنیاد ونہاد کے اعتبار سے سیرت نبوی کی جامع ترین کتاب تھی اور امامین سیرت نے جو طرح ڈالی تھی اسی کی وہ ایک عظیم ووسیع ترین توسیع تھی۔ اس پر اصل بحث تو کتاب واقدی کے تجزیے میں آتی ہے۔ یہاں اس کی طرف تمہید میں اشارہ کر دیا گیا تاکہ بعد میں وہ حقیقت سے متصادم نظر نہ آئے۔

امام واقدی کے بارے میں دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ وہ صرف مغازی کے عالم وماہر تھے اور ان کی کتاب اسی پہلوئے سیرت پر مبنی تھی۔ یہ غلط فہمی ان کتاب کے اہم ترین اجزا یا مباحث کے مفقود ہو جانے کی بنا پر پیدا ہوئی۔ ان کی ثقاہت وامامت پر بھی شبہات وارد کئے گئے اور ان کا سبب تجزیاتی مطالعہ کی کمی ہے جیسا کہ آگے بحث میں آتا ہے۔

سوانحی خاکہ

نسب وخاندان

کنیت ابوعبداللہ، نام نامی محمد، اسم پدر عمر اور دادا واقد تھے اور عربوں کے ایک معروف سماجی ونسبی روایت کے مطابق اپنے دادا کی طرف منسوب ہوکر واقدی کے نام سے زیادہ معروف ومشہور ہوئے۔ وہ ایک موالی خاندان کے فرد تھے۔ ان کی ددھیال مدینہ منورہ میں آباد قبیلۂ اسلم کی ایک شاخ بنوسہم تھی اور اسی نسبت سے وہ اسلمی اور سہمی کہلاتے تھے۔ ان کی نسبتِ ولاء کا سماجی پس منظر یہ ہے کہ ان کے دادا واقد مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن بریدہ اسلمی کے مولیٰ تھے اور ان کا سرپرست خاندان عظیم صحابی حضرت بریدہ بن الحصیب اسلمی کا خاندان وقبیلہ تھا۔ اور یہ خاندان اپنے وطن وعلاقہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آبسا تھا اس لئے ان کا موالی خاندان اور وہ خود بھی خالصتاً مدنی بن گئے تھے۔ ان کی ننھیال عجمی تھی کہ ان کے نانا عیسی بن جعفر بن سائب خاثر تھے جو عجمی تھے۔ سائب خاثر مشہور مغنی تھے۔ واقدی کی والدۂ ماجدہ اسی سائب خاثر کی پڑپوتی تھیں۔

ولادت وتعلیم

واقدی (م ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء) کی ابتداء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اسی مرکز علم ودانش میں ان کی پوری پرداخت وتربیت ہوئی۔ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ابن اسحاق کی مانند اپنے سرپرست /آقا خاندان کی علم پروری اور بندہ نوازی کے طفیل بچپن ہی سے علم وفن کی تحصیل شروع کردی۔ ان کی ولادت اموی خلافت کے بالکل آخری برسوں میں ہوئی تھی جب کہ ان کی تعلیم وتربیت عباسی خلافت کے اوائل میں لڑکپن ہی سے ان کو روایات کی سماعت کی سعادت ملی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنی نوجوانی میں واقدی نے سماعت، قراءت، سوال وجواب اور دوسرے مروجہ طریقوں کی مدد سے اپنے دور کے تمام علوم وفنون خاص کر قرآن وتفسیر، حدیث وسنت، سیرت وتاریخ اور فقہ وفتویٰ میں مہارت حاصل کی۔ ان کو ادب وشعر سے بھی کافی شغف رہا تھا۔ سوانحی روایات اور تاریخی بیانات سے زیادہ ان کی اپنی تصانیف سے ان کی علمی گیرائی اور فنی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔ واقدی نے ان تمام علوم وفنون

کی تکمیل مدینہ منورہ ہی میں اور مدنی اساتذہ کرام سے کی تھی۔ اگرچہ بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا کیونکہ سماعت وقراءت کے طریقوں سے تعلیم کی تحصل حیاتِ مستعار کے آخری لمحات تک جاری رہتی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ واقدی کی زندگی کے واقعات وسوانح متعدد دوسرے راویوں، سیرت نویسوں، مغازی نگاروں اور مؤرخوں وغیرہ کی مانند بہت کم دستیاب ہیں۔ اور جو دستیاب ہیں وہ بھی محض لطائف وظرائف کے انداز ونوعیت کے ہیں۔ اس نقصِ معلومات کا سہرا زیادہ تر واقدی کے تلامذہ بالخصوص ابن سعد کے سر بندھتا ہے کہ وہ مفصل معلومات جمع کرنے کی سہولت کے باوجود صرف چند واقعات بیان کرنے پر اکتفا کر گئے۔ بعد کے مورخین وسوانح نگار بھی حقائق ومعلومات جمع کرنے کے بجائے پیشروؤں کے بیانات اور تبصروں پر ہی انحصار کرتے رہے۔

بہر حال مختلف مآخذ میں جو معلومات۔ براہ راست یا بالواسطہ ملتی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی نے اپنی تعلیم وتربیت نہ صرف مدینہ منورہ میں پوری کی بلکہ اپنی علم اور عملی زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ منورہ ہی میں گذارا۔ اپنی پیدائش (م ۱۳۰ھ/ ۷۴۷ء) سے (م ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء) تک کا عرصہ یعنی عمر عزیز کے پچاس سال مدینہ منورہ میں گذارے اور باقی ستائیس سال بغداد میں بسر کئے۔ اس لئے علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے کہ ''واقدی کا ابتدائی زمانہ گو مدینہ میں گذرا، لیکن اس کی عمر کا بڑا حصہ بغداد میں بسر ہوا، اور وہیں اس کو شہرت حاصل ہوئی۔'' (۱۶۴)۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ (م ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء) میں بغداد جانے کے بعد واقدی نے شام میں بھی کچھ مدت گذاری۔ وہ بغداد واپس آکر وہیں مستقل سکونت پذیر ہوگئے۔ یہاں تک خلیفہ عباسی المامون خراسان سے واپس آئے اور ان کو ''عسکرِ بغداد'' کا قاضی مقرر کیا۔ اس منصب پر وہ اپنی وفات (ذوالحجہ ۲۰۷ھ/ اپریل ۸۲۳ء) تک فائز رہے۔'' اس بیان سے بغداد میں ان کی اقامت کی مدت کچھ اور گھٹتی ہی ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران واقدی کی زندگی کے چند واقعات کا ذکر ملتا ہے جن سے ان کی شخصیت کی حیثیت کی تعین میں مدد ملتی ہے۔ ان کے شاگرد ابن سعد نے انہیں کا بیان کردہ خودنوشت سانحہ بیان کیا ہے کہ ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء میں جب خلیفہ عباسی ہارون الرشید حج کے لئے آئے تو مدینہ منورہ بھی پہونچے۔ اس کی مقدس زیارت گاہوں میں حاضری کا اشتیاق پیدا ہوا تو اپنے وزیر یحیٰ بن خالد برمکی (م ۱۹۰ھ/ ۶-۸۰۵ء) کو حکم دیا کہ مدینہ منورہ کے کسی ماہر مقاماتِ مقدسہ کو تلاش کر کے اس کی

خدمات حاصل کی جائیں۔ وزیر نے تلاش و تحقیق کی تو تمام اہل علم نے واقدی ہی کا نام لیا۔ چنانچہ واقدی نے حسب ارشاد عباسی خلیفہ اور ان کے وزیر باتدبیر کو نماز عشاء کے بعد سے اذان فجر تک تمام مقدس مقامات کی زیارت کرائی اور ان سے متعلق واقعات و روایات بتائے۔ خلیفہ عباسی کو ان کی رہبری بہت بھائی، وہ بہت متاثر ہوئے اور اس خدمت کے عوض ان کو دس ہزار درہم انعام میں دیئے جن سے واقدی نے قرض ادا کیا، بعض بچوں کی شادی کی اور فارغ البالی سے زندگی بسر کی"۔ اس واقعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں واقدی مدینہ منورہ کی تاریخ و مقامات اور سیرت و مغازی کے ممتاز ترین عالم و ماہر بن چکے تھے کہ سب ہی نے انہیں کا نام لیا تھا۔

۸۰-۱۷۰ھ/ ۹۶-۷۸۶ء کے دوران واقدی مدینہ منورہ میں مقیم اپنے تعلیمی اور علمی مشاغل میں منہمک رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقدی نے اپنا تعلیمی حلقہ قائم کیا تھا جس سے مستفید ہونے والوں میں سے بیشتر مدینہ منورہ ہی کے تلامذہ تھے۔ ان میں امام شافعی، ہارون الفروی (م ۱۷۴ھ/ ۷۹۰ء) دراوردی (م ۱۸۶ھ/ ۸۰۲ء) جیسے متعدد عظیم و جلیل علمائے حدیث و فقہ شامل تھے۔ بلاشبہ محمد بن سعد القاسم بن سلام اور متعدد دوسرے اکابر علم نے واقدی سے بغداد میں بھی استفادہ اور کسب فیض کیا تھا۔ ان کے تلامذہ و سامعین میں مذکورہ بالا کے علاوہ سلیمان بن داؤد شان کونی، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوعصیدہ، احمد بن عبید بن ناصح لغوی، ابوبکر صغانی، محمد بن یحییٰ ازدی، احمد بن خلیل برجلانی، احمد بن منصور رمادی اور حارث بن ابی اسامہ جیسے فضلاء شامل ہیں۔

علمی مشاغل کے ساتھ جسم و روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے واقدی مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں خطیب بغدادی کی ایک روایت کے مطابق گیہوں کی تجارت غالباً شراکت کی بنیاد پر کیا کرتے تھے۔ (م ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء) یعنی مدنی قیام کے آخری زمانے میں واقدی کو اس تجارت میں ایک لاکھ درہم کا نقصان ہوا جس کے نتیجہ میں وہ بہت سے شرکاءِ تجارت کے مقروض ہو گئے۔ ان کی مقروضیت کی ایک بڑی وجہ ان کی سخاوت و دریا دلی بھی تھی۔ بہر حال اسی مالی زیر باری نے ان کو مدینہ کی سکونت ترک کر کے بغداد جانے پر مجبور کیا۔ ابن سعد نے ان کی بغداد ہجرت و قیام کا واقعہ بہت تفصیل سے انہیں کی زبانی نقل کیا ہے۔ (م ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء) کے سفر بغداد کے دوران خلیفہ ہارون الرشید اور وزیر یحییٰ برمکی نے ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کا تمام قرضہ ادا کر کے ان کو مالا مال کر دیا۔

واقدی مدینہ منورہ لوٹ گئے تھے لیکن پھر جلد ہی بغداد جا کر بس گئے۔

قیام بغداد

بغداد میں واقدی کا قیام لگ بھگ ایک چوتھائی صدی سے کچھ اوپر ہی رہا۔ اس مدت میں واقدی نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اور وقت تحقیق و تصنیف اور تعلیم و تدریس میں گذارا۔ عمر کے آخری حصہ میں وہ بغداد کے عسکر المہدی یا مشرقی حصہ کے قاضی مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک چار سال تک اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ یہ ان کے معاصر شاگرد ابن سعد کا بیان ہے جس میں یہ مزید وضاحت بھی ہے کہ وہ امیر المومنین عبداللہ بن ہارون کے عہد خلافت میں قاضی رہے تھے۔ اس بیان سے واقدی کے عہدۂ قضا پر فائز ہونے کی مدت اور زمانے کا حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ دوسری تمام روایات اور ان کی بنا پر تشریحات اور تفصیلات جو بعد کے راویوں اور مورخوں نے بیان کی ہیں صحیح نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ ان میں نہ صرف مختلف قسم کا تعارض و تناقض پایا جاتا ہے بلکہ وہ معاصر قدیم ترین اور صحیح ترین روایات سے متصادم بھی ہیں۔ قاضی کی حیثیت سے واقدی کے فرائض و اختیارات کا کچھ علم نہیں ہوتا کیونکہ سوائے ایک آدھ روایت کے اور کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ ابوالقاسم سہمی (م ۴۲۷ھ/۱۰۴۵ء) کی ''تاریخ جرجان'' کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی نے اسماعیل بن فضل شالنجی کے بعد اشعث بن ہلال کو جرجان کا قاضی مقرر کیا تھا۔ اور یہ تقرری واقدی نے بغداد سے کی تھی۔ سہمی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ذوالقعدہ ۲۰۴ھ/مئی ۸۲۰ء میں واقدی نے ایک وقف نامے کو نافذ کیا تھا۔ ان دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض امصار و دیار کے قاضی مقرر کرنے کے اختیارات بھی رکھتے تھے۔ اور اوقاف کے محکمہ کے بعض اختیارات کے بھی مالک تھے۔

علمی مشاغل و مصروفیات کی پیوست کے باوجود واقدی نے بے انتہا وسیع الظرف، سخی حاتم فیاض و کشادہ دست تھے، اپنی ضروریات کے باوجود دوسروں کی حاجات پر اپنا مال بے دریغ خرچ کر دیتے تھے۔ سخاوت و فیاضی کے سبب نہ صرف تنگ دست رہتے بلکہ اکثر و بیشتر مقروض بھی رہا کرتے تھے۔ ابن سعد نے ایک طویل واقعہ لکھا ہے کہ ایک رمضان میں خستہ حالی کا سامنا تھا۔ اپنے تین دوستوں میں سے ایک سے وہ درہم کی ایک تھیلی اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مانگ لائے۔ ابھی اس کا مصرف بھی

تلاش نہ کر پائے تھے کہا یک علوی ضرورت مند آ گئے اور واقدی نے وہ تھیلی ان کے حوالہ کر دی۔ علوی ضرورت مند نے وہ تھیلی واقدی کے ایک دوسرے حاجت مند دوست کے حوالہ کر دی۔ جب واقدی اس کے ہاں امداد حاصل کرنے پہونچے تو ان کو اپنی موہوبہ تھیلی ملی، وہ حیرت زدہ نصف رقم لے کر گھر پہونچے ہی تھے کہ وزیر یحییٰ برمکی کا غلام ان کو بلانے آ گیا۔ وہ اس کے ساتھ وزیر کے گھر پہونچے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ وزیر نے تینوں حاجتمندوں میں سے ہر ایک کو مناسب رقم دی اور اس طرح سب کی ضرورتیں بحسن وخوبی پوری ہو گئیں۔

عباسی دربار سے تعلق

واقدی نے ۱۷۰ھ/۷۸۶ء میں اپنے قیام مدینہ منورہ کے زمانے میں خلیفہ ہارون الرشید اور وزیر یحییٰ برمکی سے جو علمی اور تمدنی تعلق قائم کیا تھا وہ ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں ان کے سفر بغداد کا سبب بنا۔ ان کی غربت اور مقروضیت نے ان کو خلیفہ اور ان کے وزیر سے تعلق پیدا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اگر چہ وہ اپنی عمر عزیز کے پچاس سال تک دربار سے دور اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہے تھے لیکن ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء کے سفر کے بعد وہ خلیفہ ہارون اور وزیر برمکی سے بہت متاثر ہوئے اور بالآخر بغداد منتقل ہو گئے جہاں وہ خاص طور سے یحییٰ برمکی سے وابستہ اور مستفید ہوتے رہے۔ اس کے باوجود وہ مدتوں کسی سرکاری منصب پر فائز نہ ہوئے اور اپنے علمی کاموں میں لگے رہے۔

البتہ خراسان سے خلیفہ المامون کی واپسی کے بعد وہ (م ۲۰۴ھ/ ۸۱۹ء) میں بغداد کے ایک قاضی بن گئے اور ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ اسی کے ساتھ ان کے دربار خلافت اور خلیفہ سے بہت خوشگوار تعلقات بھی قائم رہے۔ غالباً وہ خلیفہ اور دوسرے اہل دربار کو احادیث وسیرت کی روایات سے مستفیض کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے المامون کو کبھی ایک حدیث نبوی سنائی تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے فرمایا تھا کہ "رزق کی کنجیاں عرش پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ان کے اخراجات کے موافق رزق دیتا ہے۔ زیادہ خرچ کرتے ہیں تو زیادہ دیتا ہے اور کم خرچ کرتے ہیں تو کم۔" اسی بنا پر خلیفہ المامون ان کو ان کی طلب سے دوگنا عطیہ دیا کرتے تھے۔ واقدی حیا کے مارے اپنی ضرورت کا صحیح اظہار نہیں کرتے تھے اور سخاوت

کے سبب مقروض رہا کرتے تھے۔ المامون ان دونوں خوبیوں کے سبب واقدی کی بہت عزت کرتے تھے۔ واقدی کے خلیفہ سے بہترین تعلقات کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اپنی وفات کے وقت واقدی نے المامون کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور خلیفہ نے تعلقات اس طرح نبھائے تھے کہ ان کا تمام قرض ادا کیا، ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے سارے انتظامات سرکاری طور سے کئے اور ان کو شاہی قبرستان میں دفن کیا۔ تاریخ وفات دوشنبہ ۱۱ر ذوالحجہ ۲۰۷ھ/ ۲۷راپریل ۸۲۳ء ہے۔ نماز جنازہ دوسرے دن حنفی قاضی محمد بن سماعہ نے پڑھائی اور اسی دن تدفین ہوئی۔ بقول ابن سعد عمر ۷۸ سال کی پائی۔

اساتذہ وشیوخ

اسلامی عہدِ تعلیم وتہذیب کا ایک اہم اور سیرت ساز طریقہ یہ بھی تھا کہ طالبان علم اپنے اصل مرکز علم و دانش سے استفادہ کے بعد دوسرے علمی مراکز سے بھی بقدر استطاعت تحصیلِ روایات کرتے تھے۔ اس کے لئے سفر ناگزیر وسیلے تھے۔ واقدی نے بھی مدینہ منورہ کے علاوہ دوسرے مراکزِ علم کے شیوخ واساتذہ سے اکتساب فیض کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد سو سے اوپر جا پہونچی۔ ان کے اساتذہ وشیوخ میں مختلف مراکز علم وفن کے عظیم ترین اصحابِ علم وفضل شامل ہیں جیسے: (۱) عبداللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن خطاب (م ۱۴۷ھ/ ۷۶۴ء)، (۲) محمد بن عجلان، مولیٰ فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ عبدشمسی (م ۱۴۹ھ/ ۷۶۶ء)، (۳) امام ابن جریج اموی، عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (م ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء)، (۴) عبد الحمید بن جعفر (م ۱۵۳ھ/ ۷۷۰ء)، (۵) ہشام بن الغازی (م ۱۵۳ھ/ ۷۷۰ء)، (۶) ربیعہ بن عثمان عامری قرشی (م ۱۵۴ھ/ ۷۷۱ء)، (۷) امام سیرت معمر بن راشد بصری (م ۱۵۴ھ/ ۷۷۱ء)، (۸) امام زہری کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم بن شہاب زہری (م ۱۵۷ھ/ ۷۷۳ء)، (۹) امام ابن ابی ذئب، محمد بن عبد الرحمٰن بن المغیرہ بن ابی ذئب (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۴ء)، (۱۰) امام اوزاعی، عبدالرحمٰن بن عمرو بن ابی عمرو (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۴ء)، (۱۱) امام ثوری، سفیان بن سعد ثوری (م ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء)، (۱۲) ابوبکر بن ابی سیرہ (م ۱۶۲ھ/ ۷۷۸ء)، (۱۳) ابومعشر نجیح سندی (م ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء)، (۱۴) امام مدینہ منورہ مالک بن انس (۹۳-۱۷۹ھ/ ۷۱۴-۷۹۵ء)، (۱۵) امام سفیان بن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸ھ/ ۷۲۵-۸۱۳ء) وغیرہ۔ ان کے علاوہ بعض

دوسرے شیوخ واساتذہ بھی تھے جیسے اسامہ بن زید بن اسلم عدوی (دور خلافت المنصور عباسی) اور سعید بن بشیر الازدی وغیرہ۔

علوم وفنون میں تبحر

واقدی کو عام طور سے سیرت وتاریخ اور مغازی کا عالم و ماہر سمجھا جاتا ہے اور دوسرے علوم وفنون سے تہی مایہ یا کم مایہ، خاص کر حدیث میں ان کو زیادہ تر نا قابل اعتبار قرار دیا جاتا ہے۔ اس عدم اعتباری کی پرچھائیاں ان کی مخصوصی مہارت پر بھی پڑتی ہیں۔ لیکن ان کے اساتذہ وشیوخ کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کو حدیث وقرآن، فقہ وتفقہ اور شعر وادب وغیرہ میں بھی کافی مہارت حاصل تھی۔ ان کی کئی تصانیف بھی حدیث وفقہ اور قرآنی علوم پر ملتی ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے بعض معاصرین، تلامذہ اور متاخر اہل علم کے واضح بیانات بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ ان کی اپنی معرکہ آراء تصنیف ''کتاب المغازی'' سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے تنقیدی مضامین میں بھی واقدی کے علمی تبحر، قوی حافظہ اور وسعت معلومات کا ذکر مختلف ائمہ کرام کے حوالہ سے کیا ہے۔

واقدی کے شیوخ میں عبید اللہ بن عمر، محمد بن عجلان، ربیعہ بن عثمان وغیرہ حدیث کے علاوہ قرآن مجید کے بھی نامور عالم و ماہر تھے محدثین میں ابن جریج، ہشام بن المغازی، ابن ابی ذئب، امام مالک وغیرہ نادرۂ روزگار تھے۔ اور فقہ میں بھی ان کے تبحر وعلمیت کا خاص مقام تھا۔ امام ثوری اور امام اوزاعی تو نئی فقہ کے بانی مبانی تھے۔ مذکورہ بالا بزرگوں میں سے متعدد کو شعر وادب کے میدان کا مرد بھی سمجھا جاتا ہے۔ واقدی کی اپنی تصانیف میں ''کتاب الاختلاف''، ''کتاب تاریخ الفقہاء'' فقہ میں، ''کتاب غلط الحدیث''، ''کتاب السنۃ والجماعۃ وذم الھویٰ'' حدیث میں اور ''کتاب الرغیب فی علم القرآن''، ''کتاب الذکر فی القرآن'' اور ''تفسیر القرآن'' علوم وتفسیر قرآن میں ان کی علمی صیانت وفنی بصیرت کے شواہد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسری کتابیں بھی دوسرے علوم وفنون میں ان کی مہارت کی گواہی دیتی ہیں مثلاً ان کی ایک ''کتاب الطبقات'' بھی تھی جو سوانح وتذکرہ سے زیادہ علم اسماء الرجال یا حدیث کے ایک ذیلی فن کی کتاب ہے۔

ان کے متعدد معاصروں، شاگردوں اور متاخر عالموں نے بھی واقدی کے علمی تبحر اور فنی صلابت کی تعریف وتحسین کی ہے۔ بقول سید سلیمان ندویؒ امام مالک نے قتلِ ساحرہ اور خیبر کی یہودی عورت کے زہر ملانے کے واقعہ اور مسئلہ پر واقدی سے دوبار مراجعہ کیا اور ان کی رائے مانی۔ حدیث کے عظیم امام وحافظ عبداللہ بن مبارک (م۱۸۹ھ/۷۹۶ء) ان کے شاگرد تھے جو فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ میں واقدی سے زیادہ دوسرا کوئی نہ تو علمی فیض پہونچاتا تھا اور نہ شیوخ کی رہنمائی کرتا تھا۔ یہی بات دوسرے الفاظ میں ایک اور عالم حدیث ابوعامر العقدی (م۲۰۴ھ/۸۱۹ء) کہا کرتے تھے کہ علامہ محمد بن سلام جمحی (م۲۳۱ھ/۸۴۵ء) کے نزدیک واقدی ''عالم دہر'' تھے۔

ان کے ایک اور شاگرد اور امامِ علوم وفنون مجاہد بن موسیٰ (م۲۴۴ھ/ ۸۵۸ء) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی دوسرے حافظ حدیث (احفظ) احادیث کی کتابت نہیں کی۔ دوسرے حفاظِ حدیث اور ناقدینِ کلامِ نبوی میں سے بعض سربرآوردہ شخصیات نے بھی واقدی کی فن حدث میں مہارت وصلابت اور لیاقت وثقاہت کی تعریف کی ہے۔ حفاظ ذہبی (م۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء) ان کے لئے ''علامہ'' اور ''البحر'' (سمندر) کے القاب استعمال کرنے کے علاوہ احد اوعیۃ العلم (علم کے جامع ماہر) قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن سید الناس (م۷۳۴ھ/۱۳۳۴ء) ان کی وسعت علم کے قائل ہیں۔ جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء) ان کو 'اعلام' میں شمار کرتے ہیں۔ حافظ دراوردی نے تو بقول یعقوب مولی ابوعبیداللہ واقدی کو ''امیر المومنین فی الحدیث'' تک قرار دیا ہے جو علومِ حدیث میں ان کے تبحر فن اور جلالت مآبی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ واقدی کی فن حدیث میں صلابت ولیاقت کی گواہی دوسرے محدثین وعلماء کے ہاں بھی ملتی ہے۔ مثلاً ابن خلکان ان کو امام عالم اور مصعب زبیری اور مجاہد بن موسیٰ بے مثال وبے نظیر کہا کرتے تھے۔

علومِ فقہ وفتویٰ میں واقدی کی جلالت مرتبی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ بغداد میں خلیفہ المامون کے عہد میں چار سال تک قاضی رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے تلامذہ میں امام شافعی، ابوعبید القاسم بن سلام، ابوبکر بن ابی شیبہ اور سلیمان بن داؤد الشاذ کونی جیسے ماہرین فن شامل تھے۔ واقدی کو اپنے عہد میں معتبر وعالم قاضی سمجھا جاتا تھا۔ بغداد کے قاضی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اشعث بن ہلال کو قاضی 'جرجان' مقرر کیا تھا اور دوسرے افراد کو بھی علاقائی قضا کے منصب سے سرفراز

کیا تھا۔ وہ وقف کے احکام وفرامین بھی جاری کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سرکاری فرائض میں اوقاف کا محکمہ بھی شامل تھا۔ علوم فقہ وقضا میں واقدی کے بلند پایہ ہونے کا اندازہ ان کے معاصرین شاگردوں اور دوسرے اہل فقہ کے بیانات سے بھی ہوتا ہے۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام کی فقہ واقدی کی کتابوں پر ہی مبنی ہے جیسا کہ ان کا اپنا اعتراف تھا، ابراہیم بن اسحاق الحربی (م۲۸۵ھ/ ۸۹۸ء) کہا کرتے تھے کہ امام مالک اور امام ابن ابی وہب کے سب سے ثقہ راوی (اوثق) واقدی تھے۔ جب کہ مجاہد بن موسیٰ امام مالک اور امام سفیان کی فقہ (رائی) سے ان کی معرفت کا اعلان کرتے ہیں۔ واقدی کی اپنی تصانیف بھی ان کی فقہی مہارت کا ثبوت ہیں۔

سیرت وتاریخ میں واقدی کی مہارت ہی نہیں بلکہ امامت مسلم ہے۔ تمام نقد واعتراض کے باوجود ان کے فنی تخصص وامتیاز کا اعتراف بیانات میں بھی ملتا ہے اور اہل علم کی کتابوں میں واقدی سے استفادے کی صورت میں بھی۔ ابراہیم الحربی، ابن سعد، ابن ندیم، مسعودی، ابو عبداللہ الحاکم یاقوت حموی، ابوالفداء اسماعیل، ابن کثیر، ابن سید الناس جیسے متعدد علماء اسلام اور ماہرین سیرت نے واقدی کو عالم مغازی وسیرت وفتوح، (راس فی المغازی والسیر) اور سربرآوردۂ فن (مقدم فی ھذا العلم) وغیرہ قرار دیا ہے۔ جہاں تک واقدی کی کتابوں سے استفادہ کا تعلق ہے تو مشکل سے ہی کوئی ایسا ماہر فن اور فاضل علم ہوگا جس نے ان سے استفادہ نہ کیا ہو، چنانچہ قاضی ابویوسف، امام شافعی ،خطیب بغدادی، ابن حجر اور متعدد دوسرے شیوخ حدیث وفقہ نے ان کی تاریخی روایات نقل کی ہیں اور ان پر اعتماد کیا ہے۔ تاریخ نگاروں اور سیرت نویسوں میں تو ایسا کوئی نہیں ہے جس نے ان کی روایات سے استفادہ نہ کیا ہو۔ ان میں طبری، یعقوبی، بلاذری، مسعودی، ابن کثیر، ابن اثیر، ذہبی، حموی اور تمام دوسرے بزرگ اہل قلم شامل ہیں۔

نقد وجرح

تمام علمی جلالت مآبی اور فنی امامت وبزرگی کے باوجود واقدی پر سخت ترین اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان کو سب سے بڑا جھوٹا اور ان کی کتابوں کو جھوٹ کا پلندہ تک کہا گیا ہے۔ امام بخاری کے بقول وہ ''متروک الحدیث'' تھے اور ان کو امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن المبارک، ابن نمیر اور اسمٰعیل بن ذکریا نے ترک کر دیا تھا۔ ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ امام احمد نے ان کی تکذیب بھی کی ہے۔ معاویہ بن صالح

کا بیان ہے کہ واقدی کذاب ہیں۔ جب کہ یحییٰ بن معین نے ان کو "ضعیف" لیس بشیٔ (غیر ثقہ) وغیرہ قرار دیا ہے۔ ابن المدینی واقدی کو حدیث میں پسند نہیں کرتے تھے۔ متعدد دوسرے ائمہ حدیث اور ناقدین فن نے بھی اسی قسم کے بیانات اور تبصروں سے ان کو نوازا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے واقدی پر اپنے محققانہ مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ وہ کبار محدثین اور اہل علم کی اکثریت کے نزدیک غیر ثقہ اور نا قابل اعتبار ہیں جب کہ حدیث وعلم کے ایک خاصے بڑے طبقہ کے نزدیک وہ ثقہ اور قابل اعتبار بھی ہیں۔ موافق ومخالف آراء کا موازنہ کرنے کے بعد سید ندوی موصوف نے واقدی کی عدم ثقاہت کو ترجیح دی ہے۔ حالانکہ ان کے بقول واقدی کی توثیق کرنے والے علماء ومحدثین میں دراوردی، یعقوب بن شیبہ، مصعب زبیری، ابن نمیر، ابراہیم حربی، محمد بن اسحاق صنعانی، یزید بن ہارون، عباس عنبری، ابوعبید قاسم بن سلام اور مسیبی کو طرفداران واقدی بتایا ہے۔ برصغیر پاک وہند کے ایک عظیم ترین عالم دین اور محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کا ایک مختصر مضمون نظر نواز ہوا۔ حضرت محدثؒ نے "واقدی کے بارے میں اعتدال کی رائے" لکھی ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ امام واقدی وضاع یا کذات نہیں تھے اور حدیث میں بھی معتبر تھے۔ مغازی وسیر میں تو ان کا تفوق مسلم تھا۔ (الفرقان لکھنو، اگست ۲۰۰۵ء، ۳۲-۳۴)

واقدی کو غیر ثقہ، ضعیف اور نا قابل اعتماد قرار دینے والے علماء ومحققین نے ناقدین اور مخالفین کے عمومی بیانات پر زیادہ تکیہ کیا ہے اور ناقدین کے ناموں کی کثرت وعظمت سے مرعوب ہو کر ان کے حامیوں اور مداحوں کے بیانات کو یا تو مجروح قرار دے دیا ہے یا ان کی تاویل وتوجیہ کر دی ہے۔ ناقدین کا کہنا ہے کہ پہلے وہ ثقہ سمجھے جاتے تھے لیکن جب انہوں نے ایک حدیث غلط بیان کی تب سے ان کو ضعیف ومتروک سمجھا جانے لگا۔ عام طور سے ان پر تقلیب حدیث کا الزام لگایا جاتا ہے اور ثبوت میں صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے۔ اسی سبب سے ان کی کتابوں پر عمومی تنقید کر دی جاتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ناقدین میں جن علماء کو شامل کیا ہے وہ یہ ہیں: امام بخاری، امام شافعی، امام نسائی، ابن مدینی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوداؤد، بندار شیخ ترمذی، اسحاق بن راہویہ، ابوزرعہ رازی، ابوبشر دولابی، عقیلی، ابوحاتم رازی، دارقطنی، جوزجانی، ابن عدی، نووی، ذہبی زرقانی ان کے علاوہ سب سے توثیق کرنے والے علماء ومحدثین کے ترک کرنے کے حوالے بھی دئے ہیں۔

ابھی تک واقدی کی روایات واحادیث کا کوئی تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا ہے۔ ایسا واضح ہوتا ہے کہ ناقدین کے مخالفانہ تبصرے چند روایات وبیانات تک محدود تھے اور ان کی کتابوں کا صحیح مطالعہ اور معروضی تجزیہ کبھی کیا نہیں کیا گیا۔ البتہ جن علماء اور مورخین نے ان کی روایات کا مطالعہ کیا، انہوں نے نہ صرف ان سے استفادہ کیا بلکہ ان کو قابل اعتماد اور ثقہ بھی سمجھا کہ اصل مواد ان کے سامنے تھا۔ یہی سبب ہے کہ ابن سعد، طبری، مسعودی، ذہبی، ابن حجر، ابن کثیر جیسے مورخین ومحدثین اور ابو یوسف، قاسم بن سلام جیسے فقہاء نہ صرف ان کو قابل اعتماد اور ثقہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کی روایات وبیانات کو قبول بھی کرتے ہیں۔ انفرادی روایات سے اختلاف وار ان پر نقد وجرح دوسری بات ہے کہ اس سے تو کوئی بھی امام حدیث، ماہر فقہ اور عالم تاریخ نہیں بچا ہے۔

موجودہ دور میں ایک بڑی مشکل یہ ہے کہ واقدی کی تالیفات میں سے سوائے کتاب المغازی کے اور کوئی کتاب دستیاب نہیں۔ بازاروں اور کتب خانوں میں ان کے نام سے منسوب جو دوسری تاریخی کتب پائی جاتی ہیں وہ بلا شبہ ان کی نہیں ہیں، دوسروں نے ان کے نام سے منسوب کر کے ان کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر شائع کر دی ہیں۔ اس کا قوی امکان ہے کہ واقدی کی یہی جعلی کتابیں ان کے ناقدین کے ہاتھ لگی ہوں اور ان ہی کے سبب وہ ہدف ملامت اور نشانہ نقد وجرح بنے ہوں۔ اسی سے وہ گتھی بھی سلجھتی نظر آتی ہے جس کے سبب ان کے بارے میں متضاد بیانات ملتے ہیں، ورنہ اور کیا سبب ہوسکتا ہے کہ متعدد قابل اعتماد، مستند اور مشہور اہل علم ان کی ثقاہت وعلمیت کے قائل ہیں۔

واقدی کی ''کتاب المغازی'' کے مختصر تجزیہ سے قبل ایک بحث یہ بھی ضروری ہے کہ واقدی کی موجودہ دستیاب واحد کتاب مکمل تصنیف ہے یا ان کی جامع کتاب کا ایک جز ہے۔ مرتب کتاب مارسدن جونس کے مطابق وہ ''کتاب التاریخ والمغازی والمبعث'' کا محض تیسرا جزو ہے اور باقی دو اجزاء، جو ابن اسحاق کی سیرت کے مانند تھے، ضائع ہوگئے۔ بعض مقالہ نگاروں نے سلیمان الکلاعی اور ابن عبد البر کے بعض بیانات کی بنیاد پر یہ واضح کیا ہے کہ واقدی کی تین مستقل کتابیں تھیں: (۱) کتاب التاریخ، (۲) کتاب المبعث، (۳) کتاب المغازی اور ان میں سے صرف موخر الذکر ہم تک پہونچی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ابن ندیم، یاقوت حموی وغیرہ اس کو ایک ہی کتاب کے بطور گنوائے ہیں یعنی کتاب التاریخ والمغازی والمعبث، لہذا یہ خیال صحیح نہیں۔

طریقۂ کار

محدثین کے برخلاف اور احادیث کی روایت سے مختلف واقدی نے اپنے بیانیہ کا طریقہ اختیار کیا۔ مجموعی فہرس غزوات وسرایا دینے کے بعد تاریخی اور زمانی ترتیب کے مطابق واقدی الگ الگ ہر غزوہ اور سریہ کو بیان کرتے ہیں۔ عنوان کے بعد امیر سریہ/غزوہ، توقیت، تعداد مجاہدین، قبائلی تقسیم، مقام مہم، اہم واقعات بیان کرتے ہیں۔ شروع میں بیان کردہ اپنے پچیس شیوخ ورواۃ کی مجموعی سند ''قالوا'' (انہوں نے کہا) کے حوالے سے یا اپنے بیان سے بلا سند شروع کرتے ہیں مجموعی سند کی روایت سے علیحدہ کوئی اور روایت ہوتی ہے تو اس کو اس کی سند خاص کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ پھر اگر متفقہ روایت کے برخلاف کوئی اور روایت ہوتی ہے تو اس کو اس کی سند خاص کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ پھر اگر متفقہ روایت کے برخلاف کوئی اور روایت ہوتی۔ تو بالعموم اس کو "فیقال" (اور کہا جاتا ہے) جیسے لفظ کے ساتھ اس کو نقل کرتے ہیں۔ یہی ان کی وجہ ترجیح ہے۔ البتہ کسی کسی روایت میں صاف طور سے اس کو "الاثبت ،الثبت "وغیرہ الفاظ ترجیح کے ذریعہ زیادہ مستند اور قابل قبول قرار دیتے ہیں۔

انفرادی روایات معہ اپنی اسناد کے ساتھ اصل بیانیہ کے مختلف مقامات- ابتداء وسط یا آخر میں- مضمون کے تعلق کے حوالہ سے لاتے ہیں۔ اصل بیانیہ ان کے مذکورہ بالا شیوخ ورواۃ کی مجموعی اور متحدہ روایات پر مبنی ہوتا ہے جو شروع سے آخر تک چلتا ہے۔ انفرادی روایات اپنی سندوں کے ذریعہ اصل بیانیہ کو منقطع کرتی ہیں۔ ضرورت ہوتی ہے تو انفرادی روایات کے بعد اصل بیانیہ پھر شروع ہو جاتا ہے اور بالعموم اسی نکتہ سے جہاں سے وہ کسی انفرادی روایت کے سبب ٹوٹا تھا۔ انفرادی روایات یا تو اصل بیانیہ کی توضیح وتشریح کرتی ہیں یا ان کے مواد و مضمون پر اضافہ کرتی ہیں یا اصل بیانیہ کے کسی نکتہ سے اختلاف کر کے دوسرا نقطۂ نظر یا بیان پیش کرتی ہیں۔ مثلاً سریۂ حمزہ بن عبدالمطلب میں واقدی نے مجموعی سند پر مبنی اصل بیانیہ میں پندرہ مہاجرین اور پندرہ انصار پر مشتمل مجاہدین کا ذکر کیا ہے پھر اصل بیانیہ کے آخر میں تابعین کرام حضرات سعید بن المسیب اور عبدالرحمٰن بن سعید بن یربوع کی سند پر ایک انفرادی روایت میں کہا ہے کہ بدر تک کسی مہم میں انصار نے شرکت نہیں کی اور یہی ثابت ہے (وھو الثبت) کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان تھا کہ وہ (انصار) آپ کی مدد صرف گھر (الدار) میں کریں گے۔

مجموعی سند کے سلسلہ میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ واقدی نے اوپر کے سلسلۂ رواۃ کا ذکر نہیں کیا ہے یعنی یہ معلوم ہوتا ہی نہیں کہ ان کے راویوں اور استادوں نے کن راویوں اور شیخوں سے اپنی اپنی روایات لی تھیں۔ دوسرا اہم اور قابل اعتراض نکتہ یہ ہے کہ اصل بیانیہ میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا واقعہ کس کا بیان کردہ ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے واقدی پر اپنے نقد میں انہیں روایتی اور اسنادی فروگذاشتوں پر کلام کیا ہے۔ لیکن واقدی کی انفرادی روایات پر ان کی تنقید جزوی طور سے صحیح ہے کیونکہ واقدی کی بہت سی روایات متصل، مرفوع، مسند، اور صحیح ہیں اور ان کا پایہ کسی طرح ابن اسحاق اور دوسرے اہل سیر سے کم نہیں، بلکہ بہت سی روایات احادیث کی صحیح کتابوں کے ہم پلہ ہیں۔ بلا شبہ واقدی کے ہاں دوسرے سیرت نگاروں کی مانند منقطع، موقوف، مجہول روایات اور کمزور وضعیف احادیث موجود ہیں۔ ابھی تک دراصل واقدی کی کتاب المغازی کی روایتی اور اسنادی حیثیت کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا اور اس پر جو بھی تنقید کی گئی وہ عمومی قسم کی ہے۔

واقدی کی کتاب المغازی کے واقعات، روایات اور بیانات کا درایتی مطالعہ یا متنی تجزیہ تو ابھی تک کیا ہی نہیں گیا۔ مستشرقین میں سے مارسدن جونز وغیرہ نے اپنے بعض مضامین میں جو تجزیہ کیا ہے وہ صرف ایک پہلو سے متعلق ہے کہ واقدی نے ابن اسحاق سے سرقہ کیا ہے یا وہ ایک جیسے کے مواد کی ترسیل کا معاملہ ہے۔ واقدی کے صحیح مقام ومرتبہ کا تعین تو اسی وقت ہوگا لیکن کتاب المغازی کے عمومی تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیشتر روایات متنی وموضوعی لحاظ سے معمولی لفظی اختلافات کے باوجود سیرت وحدیث کی کتابوں کی صحیح روایات سے قطعی ہم آہنگ ہیں۔ مثلاً بخاری میں حضرت زبیر بن العوام کی روایت، جو ایک مکی کافر ابوذات الکرش کے قتل اور اس کے قاتل حضرت زبیر کے نیزہ (عنزۃ) سے متعلق ہے، واقدی کی روایت کے مماثل ہے۔ البتہ دونوں میں بعض جزوی اختلافات ہیں۔ بخاری اور واقدی کی روایات، حضرت مقداد بن اسود بھی قریب قریب یکساں ہیں، تفصیل صرف واقدی میں ہے۔ الفاظ کے بعض معمولی فرق اور ترتیب کے اختلاف کے ساتھ واقدی نے بخاری کی وہ روایت بھی نقل کی ہے جو حضرت جبیر بن مطعم کی سند پر منقول ہے اور جس میں آپ کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ ''اگر مطعم بن عدی آج زندہ ہوتے تو میں اسیران بدر ان کی خاطر آزاد کر دیتا۔''

واقدی کو علم خاص کر احادیث، سیرت اور مغازی کی روایات کی سماعت، جمع وتدوین کا ہوا تھا۔

وہ تمام اہل علم کے پاس جا جا کر روایات سنا کرتے تھے۔ خود واقدی کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے اشعار اصبغ بن عبدالعزیز سے اپنی نوعمری کے زمانے میں سنے تھے۔ خطیب بغدادی کے مطابق ابراہیم الحربی کہا کرتے تھے کہ واقدی امام مالک، امام ثوری، امام ابن ابی ذئب اور امام یعقوب سے سوالات کیا کرتے تھے۔ کتاب المغازی کی متعدد روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے شیوخ ورواۃ سے روایات کی سماعت کرنے کے علاوہ تنقیحی سوالات کر کے پورے مسئلہ کی تشریح وتوضیح بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ خود واقدی کا بیان خطیب بغدادی نے یوں نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام کی اولاد گرامی، شہدائے عظام کے فرزندانِ عالی اور ان کے قابل قدر موالی میں سے جس کسی سے میری ملاقات ہوئی میں نے ان سے تاریخی اور علمی معلومات ضرور حاصل کیں۔ کتاب المغازی سے اس کی تصدیق جا بجا ہوتی رہتی ہے۔

وہ صرف نظریاتی علم پر ہی بھروسہ اور اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مشاہدات تجربات کو بھی کام میں لاتے تھے۔ ہارون فروی کا بیان ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کی واقدی سے ملاقات ہوئی۔ وہ چھاگل لئے کہیں چلے جا رہے تھے۔ میرے استفسار پر بتایا کہ وہ وادی حنین کے مقام جنگ کا مشاہدہ کرنے جا رہے ہیں۔

شیعیت کا الزام

عام طور سے واقدی پر شیعیت کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور ابن ندیم کے ایک منفرد و منکر بیان سے سند پکڑی جاتی ہے کہ وہ اپنی شیعیت کو تقیہ کے پردے میں چھپائے رکھتے تھے۔ ابن ندیم نے تو حضرت علیؓ کی ذات گرامی کے معجزۂ نبوی ہونے کی روایت سے نتیجہ اخذ کیا ہے جب کہ دوسرے ناقدین بعض تاریخی اور سیرتی روایات واقدی سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن یہ الزام قطعی غلط ہے۔ ابن ندیم کے علاوہ قدیم مورخین اور مؤلفین نے ان پر یہ الزام نہیں لگایا۔ شیعہ رجال کے مآخذ بھی ان کو شیعہ نہیں قرار دیتے۔ ان کی تصانیف کی فہرست بھی ان کو سنی بتاتی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اپنی کتاب المغازی کی روایات واخبار میں واضح طور سے اہلسنت کا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ ان کے بعض الفاظ، خطابات یا دعائیہ فقروں کی بنا پر ان کو شیعہ قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔ مثلاً اگر وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے لئے کہیں کہیں علیہ السلام/علیہا السلام استعمال کرتے ہیں تو حضرت ابوبکر

صدیق کے لئے بھی علیہ السلام کا فقرہ دعائیہ لاتے ہیں۔

تصانیف واقدی

واقدی کو علوم وفنون میں کامل استغراق تھا۔ ان کو جتنی کتابیں مل سکیں ان سب کو نقل کرالیا۔ اس کام کے لئے انہوں نے دو غلاموں کو لگا رکھا تھا جو ان کے لئے دن رات کتابیں نقل کیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اول اول ان کے کاتب کی حیثیت سے ہی ان کی شاگردی کی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے اور بھی کاتب رہے ہوں۔ ان کے بہت سے تلامذہ اور شاگرد تو ان کی املا کردہ کتابیں لکھا ہی کرتے تھے۔ روایت ہے کہ ان کی وفات کے وقت چھ سو صندوق کتابوں کے مسودات ونقول سے بھرے تھے۔ ایک روایت کے مطابق واقدی نے بعض مسودات اور کتابوں کی کتابت پر دو ہزار دینار خرچ کئے تھے۔

واقدی کی اپنی تصانیف بھی کثیر تھیں۔ ابن ندیم قدیم ترین مصنف ہیں جو ان کی تصانیف کی کل تعداد اٹھائیس بتاتے ہیں۔ بعد کے مؤرخین ومؤلفین انہیں کی بیان کردہ فہرست کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ ابن ندیم کی ترتیب کے ساتھ واقدی کی کتابوں کے عناوین حسب ذیل ہیں۔ آخر میں چند دوسری تصانیف واقدی کا ذکر دوسرے مآخذ کے حوالہ سے کیا گیا ہے:

(۱) کتاب التاریخ والمغازی والمبعث — (۲) کتاب اخبار مکۃ
(۳) کتاب الطبقات — (۴) کتاب فتوح الشام
(۵) کتاب فتوح العراق — (۶) کتاب الجمل
(۷) کتاب مقتل الحسینؓ — (۸) کتب السیرۃ
(۹) کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم — (۱۰) کتاب الردۃ والدار
(۱۱) کتاب حرب الاوس والخزرج — (۱۲) کتاب صفین
(۱۳) کتاب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم — (۱۴) کتاب امر الحبشۃ والفیل
(۱۵) کتاب المناکح — (۱۶) کتاب السقیفۃ وبیعۃ ابی بکر
(۱۷) کتاب ذکر القرآن — (۱۸) کتاب سیرۃ ابی بکر ووفاتہ
(۱۹) کتاب مراعی قریش والانصار فی القطائع ووضع عمر الدواوین وتصنیف القبائل

ومراتبہا وانسابہا

(۲۰) کتاب الرغیب فی علم القرآن وغلط الرجال

(۲۱) کتاب مولد الحسن والحسین ومقتل الحسینؓ (۲۲) کتاب ضرب الدنانیر والدراہم

(۲۳) کتاب تاریخ الفقہاء (۲۴) کتاب الآداب

(۲۵) کتاب التاریخ الکبیر (۲۶) کتاب غلط الحدیث

(۲۷) کتاب السنۃ والجماعۃ وذم الہوٰی (۲۸) کتاب الاختلاف

(۲۹) کتاب طعم النبی ﷺ (۳۰) کتاب الصوائف

(۳۱) کتاب تفسیر القرآن (۳۲) کتاب الشوریٰ

(۳۳) کتب اخبار فتوح بلد السند (۳۴) کتاب البحرۃ

واقدی کی بیشتر تصانیف سیرت وتاریخ پر ہیں جو اسلامی تاریخ کے مختلف اہم واقعات اور ادوار سے بحث کرتی ہیں لیکن ان میں سے کئی قرآن، حدیث، فقہ، ادب پر بھی ہیں جیسا کہ ان کے عناوین سے واضح ہوتا ہے۔ آج کل کئی کتابیں واقدی کے نام سے منسوب ملتی ہیں مگر وہ سب کی سب جعلی ہیں۔ ان کی اصل تصانیف میں سے صرف کتاب المغازی ہی فی الحال دستیاب ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن ابی حاتم رازی	کتاب الجرح والتعدیل	حیدر آباد دکن ۱۹۵۳ء	قسم اول جلد رابع، نمبر ۹۲، ص ۲۱-۲۰
ابن خلکان	وفیات الاعیان	مکتبۃ العفیر والمصریہ قاہرہ ۱۹۴۸ء	۶۱۶، ۳/۷۳-۴۷۰
ابن سعد	الطبقات الکبریٰ	دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء	پنجم، ص ۳۳-۴۲۵
ابن سید الناس	عیون الاثر	موسسۃ عز الدین بیروت ۱۹۸۶ء	اول، ص ۲۹-۲۶
ابن عبدالبر	الاستیعاب		
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	دار الکتب العلمیہ بیروت، غیر مورخہ، ص ۲/ ۱۸	
ابن قتیبہ	المعارف	مطبعہ دار الکتب قاہرہ ۱۹۶۰ء ص ۲۲۶، ۲۵۸، ۵۱۸	(ترجمہ الواقدی)
ابن کثیر	البدیہ والنہایۃ	مطبعہ السعادۃ قاہرہ غیر مورخہ	۱۰/۲۶۱
ابن ندیم	الفہرست	مطبعہ الاستقامہ قاہرہ غیر مورخہ ص ۵۱-۱۵۰	
ابوالفداء	تاریخ	مطبعہ حسینیہ مصر	۲/ ۲۸
احمد امین	ضحیٰ الاسلام	قاہرہ ۱۹۸۲ء	۲/ ۳۷-۳۳۳
اطہر مبارکپوری	اسلامی ہند کی عظمت رفتہ	ندوۃ المصنفین ۱۹۶۹ء	ص ۱۶۰
اردو دائرۃ معارف اسلامیہ لاہور		(الواقدی) از جوزف ہوروولتس و ادارہ	
بخاری	التاریخ الکبیر	حیدر آباد دکن ۱۳۶۱ھ	قسم اول/ جزء اول ص ۵۴۳، ۱/ ۱۷۸
بروکلمان			۱/ ۱۳۵
ذہبی	تذکرۃ الحفاظ	حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء	۱/ ۳۴۸ ص ۳۴۴

سیر اعلام النبلاء	موسسہ الرسالہ	بیروت ۱۹۹۲ء، ۹/ ۴۶۹-۴۵۴ (۱۷۲) مفصل تذکرہ	
زرکلی	الاعلام ۶/ ۳۱۱	دار العلم للملایین	بیروت، ۱۹۹۰ء
سعید احمد اکبر آبادی	صدیق اکبر	ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۶ء ص ۱۴	
عثمان ذوالنورین		ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۸۳ء ص ۲۴-۲۳	
سمعانی	الانساب	حیدر آباد دکن ۱۹۸۲ء	۱۳/ ۲-۲۷۱

سید سلیمان ندوی ۱-محمد بن عمر الواقدی (اور سیرت میں علمائے مستشرقین کی ایک نئی غلطی)
۲-پھر واقدی (امام زہری پر الزام)
مقالات سلیمان، اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء، ۲/ ۱۱۱-۱۶۵
(منقولہ از معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۲۶ء و جنوری ۱۹۲۷ء)

حبیب الرحمٰن اعظمی، واقدی کے بارے میں اعتدال کی رائے، الفرقان لکھنؤ، اگست ۲۰۰۵ء، ۳۲-۳۴

واقدی کی کتاب المغازی

واقدی کی کتاب المغازی سیرت نبوی کے ایک خاص پہلو غزوات وسرایا سے تعلق رکھتی ہے، اس لحاظ سے وہ سیرتِ نبوی کی کوئی جامع وکامل کتاب نہیں ہے۔ البتہ غزوات وسرایائے نبوی کے موضوع خاص پر ایک خاص مقام ومرتبہ کی مالک ہے۔ مؤلف کتاب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات وسرایا کا مفصل ذکر کیا ہے اور ان میں عمرۂ حدیبیہ، عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع جیسے مذہبی اور دینی اسفار وزیارات کو بھی شامل کرلیا ہے۔

کتاب المغازی واقدی کی متعدد طباعتیں شائع ہوچکی ہیں ان میں سے سب سے جدید اور سب سے صحیح مارسدن جونس (Marsden Jones) کی مرتبہ طباعت ہے جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن سے ۱۹۶۶ء میں تین جلدوں میں کل ۱۳۲۱ صفحات پر مشتمل شائع ہوئی۔ اس میں متن کتاب کے کل صفحات ۱۱۲۷ ہیں۔ باقی میں محقق کا مقدمہ، مقدمۂ کتاب، انگریزی پیش لفظ، عربی اور انگریزی دونوں میں فہرست مراجع، مخطوطات کی عکسی تصاویر، فہرست عناوین کتاب ومجلدات اور اشاریہ وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا مقدمہ محقق جو "مقدمۂ التحقیق" کے عنوان سے ہے جلد اول کے صفحات ۳۵-۶ پر محیط ہے جس میں مؤلف کتاب واقدی کی سوانح، سیرتی ادب کے ارتقاء اور کتاب المغازی کی فنی اور علمی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس کے بعد محقق ومرتب سے اپنے "مراجع التحقیق" کی ایک فہرست دی ہے جو صفحات ۴۶-۳۷ پر مشتمل ہے اور حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہے۔ جلد اول کے اواخر میں انگریزی میں محقق کا ایک چار صفحات کا پیش لفظ (Preface) اور پانچ صفحات کی فہرس مراجع ہے۔

واقدی کی اصل کتاب المغازی جلد اول کے اولین صفحہ سے پھر شروع ہوتی ہے۔ ابتداء میں حمد ودرود کے بعد کتاب المغازی کے راوی وکاتب نے واقدی تک اپنا سلسلۂ سند بیان کرکے واقدی کے

مختلف شیوخ ورواۃ کا اسنادی سلسلہ دیا ہے اوران کے مجموعی سلسلۂ سند پر متن کتاب کا آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ مورخہ ۱۲/ربیع الاول بروز دوشنبہ سے کیا ہے۔ دوسری تاریخ ہجرت ۲/ربیع الاول بھی بیان کی ہے مگر اسے مرجوع قرار دے کر اول الذکر کو ''ثابت'' قرار دیا ہے۔ اس کے بعد بالترتیب تمام سرایا وغزوات نبوی کی فہرست بقید تاریخ ومقام دی ہے جو ص ۷-۲ پر مشتمل ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ختم ہوتی ہے۔ غزوات نبوی کی کل تعداد ستائیس بتائی ہے جن میں سے صرف نویں قتال وجنگ ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کے نام گنائے ہیں ۔ سرایا کی تعداد سینتالیس اور عمروں کی تعداد تین بیان کی ہے۔ اگلے پیراگراف میں غزوات نبوی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری کے زمانے میں آپ کے خلفاء کا ذکر نام بنام کیا ہے۔ اس فہرست کا خاتمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''شعار'' پر ہوتا ہے جو آپ نے مختلف غزوات کے دوران اختیار فرمائے تھے۔

فہرستِ غزوات وسرایا کے بعد زمانی ترتیب سے یکے بعد دیگرے غزوات وسرایا کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا ہے۔ واقدی کے مطابق اولین سریۂ حمزہ بن عبد المطلب ہے جو ہجرت نبوی کے ساتویں ماہ رمضان میں واقع ہوا تھا۔ امیر سریہ کے علاوہ شرکاء، مقام، دشمن اور بعض دوسری تفصیلات کا ذکر کیا ہے (ص ۱۰-۹)۔ دوسرا سریہ عبیدہ بن الحارث تھا جو شوال ہجرت کے آٹھویں ماہ رابغ کیا تھا۔ تیسرا خرار کی طرف حضرت سعد بن ابی وقاص کا سریہ تھا۔ (ص ۱۱-۱۰)

اس کے بعد بالترتیب چار غزوات - ابواء (ماہ صفر میں ہجرت کے گیارہویں ماہ)، بواط (ربیع الاول تیرہویں ماہ)۔ بدر اولیٰ (اسی زمانے میں) اور غزوۂ ذی العشیرۃ (جمادی الآخرہ سولہویں ماہ) ۔ کا مختصر ذکر ہے اور چار پانچ سطروں پر مشتمل ہے۔ (۱۳-۱۱) لیکن سریۂ نخلہ کا بیان کافی مفصل ہے (۱۹-۱۳) جو حضرت عبداللہ بن جحش کی کمان میں رجب ہجرت کے سترہویں ماہ، میں گیا تھا۔

غزوہ بدر کو ''بدر القتال'' کے عنوان سے واقدی نے بہت مفصل بیان کیا ہے (۱۷۲-۱۹) اس میں محرک غزوہ، ابتدائی اقدامات، طلیعہ کی روانگی، مسلم فوج کی جمعیت، شرکت سے متعدد صحابہ کی محرومی ، روانگی نبوی ، عرض لشکر ، مدینہ سے بدر تک کا راستہ ، دعائے نبوی، مسلم لشکر کی تعداد جو تین سو پانچ مجاہدوں اور ستر اونٹوں اور آٹھ دوسرے بدریوں پر مشتمل تھی، اونٹوں پر سفر کرنے کے شرکاء، مختلف

مقامات پر نبوی دعائیں، مسلم لشکر میں دو گھوڑوں کی موجودگی، قریشی قافلۂ تجارت کی تعداد اور ان کے اونٹوں اور سامان تجارت کی مالیت، نبوی ارادوں سے قریشی کارواں کی باخبری، مکہ میں عاتکہ بنت عبد المطلب کا خواب، قریشی لشکر کی تیاری اور تیاری کی تفصیلات، بدر سے قبل حضرت سعد بن معاذ کی مکہ زیارت، قریش کی بدر کے لئے روانگی میں کراہت، قریشی اکابر میں اختلاف، ابوسفیان اموی کے کاروان تجارت کا بچ نکلنا، قریشی لشکر کو ابوسفیان کا واپس ہونے کا حکم، کئی خاندان قریش کی واپسی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر آمد اور اس سے قبل مجلس مشاورت، پرچموں کی تفصیل، قریشی لشکر کے بارے میں معلومات کی فراہمی، رمضان کی سترہویں شب میں بدر میں نبوی آمد اور بدر کے کنوؤں پر مسلم قبضہ، میدان جنگ کے لئے نبوی مشاورت، بروز جنگ مسلم لشکر کی صف بندی، مبارزت اور جنگ کی تفصیلات، قریشی اکابر کا جنگ ونا جنگ پر اختلاف رائے، ابوجہل کا جنگ پر اصرار، مسلم شعار، قریشی لشکر میں محبوس مسلم نوجوان، بدر میں مسلم وقریشی طاقت کا الٰہی توازن، ملائکہ کی شرکت، مسلم لشکر اور قریشی فوج کی قلت وکثرت، جنگ کے واقعات، مسلم فتح اور قریشی ہزیمت، مسلم مجاہدین کی شجاعت ،اموال غنیمت میں تقسیم کا اصول اور پیادہ وسوار فوجیوں کا حصہ رسدی، اموال غنیمت کی تعداد و مالیت، قریشی اکابر میں سے ستر کا قتل، اور ستر کی گرفتاری، اسیران بدر کے بارے میں مجلس مشورہ اور فیصلہ، مقتولین بدر کے اسماء اور اسباب، فتح کی بشارت، قیدیوں کی مدینہ آمد اوران سے مسلم سلوک، بدر کا یہود مدینہ پر اثر، قریش پر اثر، صفوان بن امیہ کا ارادۂ قتل اور انکا اسلام خاصے مفصل مذکور ہوئے ہیں۔

اس کے بعد علیحدہ سرخیوں کے تحت بدر میں مشرکوں کے کھانا فراہم کرنے والوں کی فہرست، اسیران بدر کے آزاد کرانے کے لئے آنے والے قریشیوں کے اسماء، سورۂ انفال کی آیات کریمہ ،مشرکین کے قیدیوں کی نام بنام فہرست، بدر کے راستہ میں قریشی کھانا کھلانے والوں کے اسماء، مسلم شہدا کی فہرست، مشرکین کے مقتولوں کی نام بنام فہرست، بدر میں قریش وانصار کے شرکاء کی نام بنام اور قبیلہ وخاندان وار فہرست اور تعداد مذکور ہے اور یہی غزوہ بدر القتال کی آخری بحث ہے۔

اس کے بعد عصماء بنت مروان کے قتل کے سریہ کا ذکر ہے (۴-۱۷۲) اور اس سے متصل ایک یہودی ابوعفک کے قتل کا سریہ مذکور ہے (۵-۱۷۴) پھر غزوہ قینقاع کا مفصل بیان ہے (۸۰-۱۷۶)۔ اگلا مبحث غزوۃ السویق (۲-۱۸۱) ہے اس کے بعد غزوہ قراءۃ الکور (۴-۱۸۲)، قتل

ابن الاشرف (۹۳-۱۸۴)، غزوہ غطفان (۹۶-۱۹۳)، غزوۂ بحران (۷-۱۹۶)، سریۂ قردہ (۸-۱۹۷) کا بالترتیب ذکر آتا ہے۔

اگلا مفصل مبحث غزوۂ احد کا ہے جو ہجرت نبوی کے بتیسویں ماہ ۷رشوال بروز شنبہ پیش آیا تھا (۳۳۴-۹۹) اس کے ذیلی مباحث میں محرکِ غزوہ ابوسفیان اور قریش کا جذبۂ انتقام، قریشی تیاری، خواتین قریش کی شرکت، تعداد قریشی لشکر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باخبری اور تیاری، جنگ کے بارے میں مشاورت نبوی، میدان جنگ میں لڑنے کا مسلم فیصلہ، پرچم باندھنے کی رسم، مسلم لشکر کی روانگی اور احد میں آمد، میدان جنگ میں صف بندی، خطبہ نبوی، تیراندازوں کے دستہ کی تعیناتی اور ان کو نبوی ہدایت، دونوں لشکروں میں مبارزت اور مسلم کامیابی، عام جنگ، تیراندازوں کی نافرمانی، دشمن کا عقب سے حملہ، مسلم ہزیمت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زخمی ہونا اور آپ کی شہادت کی جھوٹی خبر، مسلم لشکر کی پسپائی اور واپسی، آپ کی جنگی مساعی اور لشکر کی جمعیت، مسلم حملۂ قریشی کی پسپائی، مختلف مجاہدین کی سرفروشی، نبوی ذات کے محافظ تیراندازوں کا دستہ، آپ کے زخمی ہونے کی تفصیلات، دوا علاج کی تفصیل، آپ کو زخمی کرنے والے قریشیوں کے نام، متعدد جنگی تفصیلات، مسلم خواتین کی میدان جنگ میں خدمات، مسلم شہداء کے بارے میں تفصیلات، متعدد رواۃ اور عینی شاہدوں کے بیانات، مسلم شہدا کا مثلہ، مسلم مجاہدین میں ثابت قدموں کے اسماء ابوسفیان اور حضرت عمر کے درمیان مکالمہ، قریشی لشکر کی واپسی مذکور ہیں۔ الگ سرخی کے تحت مسلم شہداء کی نام بنام قبیلہ وخاندان وار فہرست ہے۔ جس کے بعد مشرک مقتولین کے بعد مسلمان شہداء کی تدفین کی تفصیلات ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی کا ذکر ہے۔ اس بحث کا خاتمہ قرآن مجید میں غزوۂ احد کے ذکر کی فصل پر ہوتا ہے۔

اگلا غزوۂ حمراء الاسد بیان ہوا ہے جو دراصل غزوۂ احد کا تتمہ تھا (۴۰-۳۳۴)۔ اس کے بعد بالترتیب قطن کا سریہ ابوسلمہ بن عبدالاسد (۴۶-۳۴۰) غزوہ بئر معونہ (۵۴-۳۴۶) غزوۂ الرجیع (۶۳-۳۵۴) غزوہ بنی النضیر (۸۴-۳۶۳) غزوہ بدر الموعد (۹۱-۳۸۴) سریۂ ابن عتیک (۹۵-۳۹۱) غزوۂ ذات الرقاع (۴۰۲-۳۹۵) غزوۂ دومۃ الجندل (۴-۴۰۲) غزوہ المریسیع (۱۳-۴۰۴) بیان ہوا ہے اور اسی پر جلد اول تمام ہوتی ہے۔

جلد دوم کا آغاز رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی سازش اور اس کے نتیجہ میں پیش آنے

والے واقعہ افک سے ہوتا ہے اور دونوں کا بہت مفصل بیان ہے۔ (۲۶-۴۱۵ اور ۴۰-۴۲۶) یہ دونوں واقعات غزوۂ مریسیع کے تتمہ کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد غزوۂ خندق کا مفصل بیان ہے (۹۲-۴۴۰) اس کے ذیلی مباحث ہیں: تاریخ غزوہ، مدت غزوہ، محرک غزوۂ، جو یہودِ خیبر کی سازش تھی، اور قریش و یہود کا اتحاد اس کا فوری محرک بنا تھا، قریشی لشکر کی تعداد چار ہزار تھی اور دوسرے احزاب کے لشکروں کی تعداد بھی قبیلہ وار بیان کی گئی ہے۔ کل تین عظیم لشکر دس ہزار پر مشتمل تھے۔ پھر قریشی لشکر کی مکہ مکرمہ سے روانگی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی باخبری، مسلم مجلس شوریٰ، مدینہ کے شمال میں خندق کھودنے کا مسلم فیصلہ، خندق کے علاقے، مسلم قبائل کو خندق کھودنے کے تفویض کردہ علاقے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام مسلمانوں کی مانند خندق کھودنے کا عمل، خندق کھودنے کے دوسرے معاملات وتفصیلات، مسلم مجاہدین کا لشکر اور عرض (معائنہ لشکر) اور اس کی تین ہزار تعداد، مسلم لشکر کی خیمہ زنی، قریشی اور یہود بنی قریظہ کا اتحاد، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود بنی قریظہ کو باخبر کرنا اور معاہدہ کو بحال کرنے کی کوشش میں ناکامی، یہود کی غداری، بنوغطفان وغیرہ سے صلح کا ارادۂ نبوی اور اس کا فسخ کرنا، دورانِ خندق سخت حالات اور مسلم خوف و ہراس، مسلم اور مکی فوجوں میں جنگی محاربات، مشرک سرداروں اور فوجیوں کا قتل، دعائے نبوی، قریش و یہود کے اتحاد کو توڑنے میں حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کا کردار وحصہ، قریشی لشکر پر عذاب الٰہی اور ان کی واپسی، یہودیوں کی بے بسی اور قرآن مجید میں غزوۂ خندق کا ذکر۔ اس مبحث کا خاتمہ مسلم شہداء اور مشرک مقتولین کے مختصر ذکر پر ہوتا ہے۔

اسی سے متصل غزوۂ بنی قریظہ کا مفصل ذکر ہے (۳۱-۴۹۶) جس میں تاریخ و مدت غزوہ، خلیفہ نبوی کی تقرری، یہودی بنی قریظہ پر حملہ کرنے کا حکم الٰہی، مسلم لشکر کی مختلف دستوں میں روانگی، بنو قریظہ کا قلعہ بند ہونا، مسلم محاصرہ، مدت محاصرہ، یہودی سرداروں کی مشاورت، جنگ ومحاصرہ، مبارزت، سفراء نبوی کی روانگی، یہود کی مراسلت، حضرت سعد بن معاذ کا حکم بننا، یہودیوں کا بلاشرط ہتھیار ڈالنا، ان کی گرفتاری اور خانہ قید، اموال غنیمت، خزرج کی سفارش، حضرت سعد بن معاذ کا فیصلہ کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنالیا جائے۔ فیصلہ پر عمل، مقتول سرداروں کی فہرست، قتل یہود کا اثر، بعض سردارانِ یہود کی معافی اور جان بخشی، مغانم کی تقسیم اور فروخت کے بعد بحث کا خاتمہ حضرت سعد بن معاذ کی شہادت اور یہودی مقتولین کی فہرست پر ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس کے سریۂ برائے قتل سفیان بن خالد لحیانی (۴-۵۳۱) کے بعد تین غزوات کا ذکر ہے: غزوہ القرطا، غزوہ بنی لحیان اور غزوہ الغابہ کا۔ ان میں سے موخر الذکر نسبتاً مفصل مذکور ہے۔ (۴۹-۵۳۷) ان تینوں میں تاریخ، مدت و مقام غزوات کے علاوہ بعض دوسری تفصیلات بھی ہیں۔ پھر گیارہ سرایا کا ذکر ہے جو بالترتیب یہ ہیں: عکاشہ بن محصن کا سریۂ عمر، محمد بن مسلمہ کا سریۂ ذوالقصہ، ابوعبیدہ کا سریۂ ذوالقصہ، زید بن حارثہ کے تین سرایا جانب عیص، طرف اور حسمیٰ، عبدالرحمٰن بن عوف کا سریۂ دومۃ الجندل، علی بن ابی طالب کا سریۂ فدک، زید بن حارثہ کا سریۂ ام قرفہ، عبداللہ بن رواحہ کا سریۂ اسیر بن رازم اور کرز بن جابر کا سریۂ عرینہ (۷۱-۵۵۰)۔

عمرہ حدیبیہ کے سفر کو ''غزوۃ الحدیبیۃ'' کے عنوان سے بہت مفصل بیان کیا گیا ہے۔ (۶۳۳-۵۷۱) آغاز واقدی کے شیوخ و رواۃ کی مجموعی فہرست سے ہوتا ہے جب کہ غزوہ کا بیان خواب نبوی سے۔ اس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی زیارت و عمرہ کی تیاری کی اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا۔ ہدی اور ہتھیاروں کے ساتھ روانگی ہوئی۔ سولہ سو زائروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مقدمہ میں ہدی اور شہسوار دستہ شامل تھا، راستہ میں مسلمانوں نے شکار کیا اور آپ نے دوران احرام کے مسائل بیان کئے، سفر کے کئی واقعات کے بعد مشرکین مکہ کے ردعمل کا ذکر ہے۔ انہوں نے روکنے کا فیصلہ کرلیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام کیا، متعدد سفارتیں آئیں گئیں، ان میں مکی سفارتوں میں بدیل بن ورقاء، عروہ بن مسعود، مکرز بن حفص اور سہیل بن عمرو کا ذکر خاص ہے۔ مسلم سفارتوں میں حضرت عثمان کی سفارت کا ذکر ہے، جس کے بعد بیعت رضوان کا مفصل بیان ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط طے ہوئیں مگر ابھی لکھی نہ گئی تھیں، مکہ مکرمہ کے کمزور و مقید مسلمانوں کا دردناک معاملہ پیش آیا۔ آپ نے شرائط کے مطابق ان کو واپس کردیا۔ معاہدۂ صلح لکھا گیا، مسلمانوں پر سخت افسوسناک ردعمل ہوا۔ حضرت عمر نے اپنی برہمی اور پریشانی کا ذکر کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی وغیرہ انجام دی اور واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ حدیبیہ میں مدت قیام کا ذکر ہے پھر واپسی کی منازل بیان ہوئی ہیں۔ واپسی کے سفر کے بعض اہم واقعات کے ذکر کے بعد قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کا ذکر آیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی تیز رفتار اشاعت کا بیان ہے اور اہم قریشی سرداروں کے قبول اسلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابوبصیر کے واقعۂ فرار اور ساحل سمندر پر قیام اور مسلمانان

مکہ کے وہاں اجتماع کا ذکر ہے۔ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ اموی کی ہجرت رندانہ کا مفصل بیان ہے۔ اس بحث کا خاتمہ حضرت عروہ بن زبیر کے اس خط ہوتا ہے جو انہوں نے خلیفہ اموی ولید بن عبدالملک کے استفسار کے جواب میں لکھا تھا۔

غزوہ خیبر کا بیان بہت مفصل ہے (۶۰۷-۶۳۳) واقدی اوران سے پہلے اوران کے راویوں کے شیوخ کی اسناد کے بعد غزوۂ خیبر کا بیان حدیبیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی، ماہ ذوالحجہ ومحرم میں مدینہ میں قیام اور صفر ۷ھ میں خیبر روانگی سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہیں: صرف جہاد کی نیت والوں کو شرکت کی اجازت، مجاہدین کی تیاری، یہود مدینہ کی جلن وحسد، مدینہ میں نائب/ خلیفہ نبوی کی تقرری، یہودِ خیبر کی جنگی تیاری، ان کی جنگجو فوج کی دس ہزار تعداد، سفر نبوی کے منازل، معلومات کی فراہمی کے لئے طلیعہ کی روانگی، یہودِ خیبر کے ساتھ غطفان کا معاہدۂ اتحاد اور اس کی منسوخی، خیبر میں مسلم آمد، خیمہ گاہ کے نصب کرنے میں حضرت حباب بن منذر کا مشورہ، مساجد کی تعمیر، مسلم شعار، قلعہ نطاۃ پر حملہ، اس کی کھجوروں کی قطع و برید اور بعد میں اس کی ممانعت، رجیع میں خیمہ گاہ نبوی اور روزانہ سات یوم تک نطاۃ پر حملے اور ایک یہودی کی مدد سے اس کی فتح، قلعہ النزار کی فتح، ناعم کے قلعوں پر حملے، مرحب کا حضرت علی کے ہاتھوں قتل، دوسری روایت کے مطابق حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں اس کا قتل فتح قلعۂ، ناعم اُسیر اور دوسرے یہودی اکابر کا قتل، نطاۃ کے دوسرے قلعوں کی فتح، مسلم لشکر میں قلت رسد، اموال غنیمت کا حصول، گدھوں، گھوڑوں اور خچروں کے گوشت کی تحریم، نطاۃ کے بعد قلعہ الزبیر کی فتح اور شق کا محاصرہ، کتیبہ، وطیح اور سلالم کی فتح، کنانہ بن ابی التحقیق اور حضرت کے واقعات گرفتاری واسارت، یہودِ خیبر کی نصف پیداوار کی بطور خراج کی ادائیگی پر صلح اور فتح خیبر کی تکمیل، یہودیہ زینب بنت الحارث کی زہر آلود بکری کے گوشت کی دعوت اور آپ کی اثر پذیری، غنائم خیبر پر حضرت فروہ بن عمرو بیاضی کی بطور افسر تقرری، مختلف اسلامی احکام کا نفاذ، مہاجرین حبشہ کی خیبر آمد، دوسیوں کی آمد، تقسیم اموال غنیمت، خمسِ نبوی، غزوہ میں مسلم خواتین کی شرکت وخدمات، مسلمانوں کے حصے، قلعۂ کتیبہ سے مسلمانوں کو طعمہ عطا کرنے کی تفصیل اور اس سے متعلق دستاویز، خیبر کے مسلم شہداء، عربی شعر اور فتح خیبر کے اثرات، اسی کے بعد ''باب شان فدک'' کے عنوان سے فدک کی فتح اور نصف پیداوار کے بطور خراج لینے کا بیان ہے۔ خیبر سے مدینہ واپسی کے باب میں وادی

القریٰ کی فتح اور تقسیم اموال غنیمت، حضرت صفیہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی، بعض مسلم مقتولوں کی دیت کے بارے میں نبوی فیصلے مذکور ہیں۔ بحث کا خاتمہ حضرت عمر کے ہاتھوں ان کی خلافت کے دوران یہود خیبر کی ہدایت نبوی کے مطابق جلاوطنی پر ہوتا ہے۔

اس کے بعد پانچ سرایا کا ذکر ہے۔ تربہ کا سریہ عمر بن خطاب (۷۲۲) نجد کا سریہ ابوبکر صدیق (۷۲۲) اسی ماہ شعبان ۷ھ میں فدک کا سریۂ بشیر بن سعد (۷۲۳-۶) میفعہ کا سریۂ غالب بن عبداللہ لیثی (۷۲۶-۷) اور جناب کا سریۂ بن بشیر بن سعد (۷۲۷-۳۱)۔

اگلا مبحث ''غزوۃ القضیہ'' کے عنوان سے ہے جس کا تعلق صلح حدیبیہ کی ایک شرط کے مطابق خانہ کعبہ کی مسلم زیارت سے ہے۔ ۷ھ میں دو ہزار مسلمانوں نے خیبر سے واپسی کے چار ماہ بعد اپنا عمرۂ اول ادا کیا۔ اس میں قربانی کے جانوروں، ان کے افسروں، مکہ روانگی، منازل سفر، مکہ آمد، طواف وزیارت بیت اللہ اور عمرہ کی ادائیگی، حضرت حمزہ کی یتیم بچی کی کفالت نبوی، واپسی اور واپسی کے سفر میں حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی سے آپ کی شادی کا ذکر کیا گیا ہے (۷۳۱-۴۱)۔ آخری صفحہ پر مختصراً سلمٰی کے سریۂ ابن ابی العوجاء کا ذکر کیا ہے اور پھر ''اسلام عمرو بن العاص'' کی سرخی کے تحت حضرت عمرو بن العاص سہمی، خالد بن ولید مخزومی اور عثمان بن طلحہ عبدری کے قبول اسلام اور مدینہ ہجرت کا مفصل ذکر ہے۔ (۷۴۱-۵۹) اسی کے ساتھ بعض مجاہدوں اور قبول اسلام کے واقعات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اگلی بحث کدید کی جانب حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی کا صفر ۸ھ کا سریۂ ہے۔ (۷۵۰-۵۲) پھر سریۂ کعب بن عمیر جانب ذات اطلاع اور علاقہ السی میں سریۂ شجاع بن وہب کا مختصر ذکر ہے (۷۵۲-۵۵)۔ غزوۂ موتہ کے عنوان سے اس سریۂ شام کا مفصل ذکر ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسلمانوں۔ حضرات زید بن حارث، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ۔ کو بالترتیب امراء سریہ مقرر کیا تھا۔ یہ مہم سفر نبوی حضرت حارث بن عمیر ازدی کی شرجیل بن عمر وغسانی کے ہاتھوں ناحق شہادت کے بدلہ میں بھیجی گئی تھی۔ اس کے اہم مباحث ہیں: تین امیروں کی تقرری، امراء کو ہدایات نبوی، مسلم لشکر کی روانگی، اس کے منازل سفر، موتہ آمد، دشمن سے مقابلہ اور مختلف واقعات وروایات جنگ، تینوں امراء کی یکے بعد دیگرے شہادت، مسلم ہزیمت، حضرت خالد

بن ولید مخزومی کی بطور امیر تقرری، ان کی جنگی چال، مسلم لشکر کی واپسی، مدنی مسلمانوں کا شدید ردِ عمل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تالیف و تسلی، شہداء موتہ پر غم اور شہداء کے اسماء گرامی (۷۵۵-۷۶۹)۔

حضرت عمرو بن العاص سہمی کی قیادت میں جانے والے ایک سریہ کو "غزوۂ ذات السلاسل" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے (۷۶۹-۷۷۴) پھر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کے سریہ الخبط کا ذکر ہے۔ (۷۷۴-۷۷۷) اس کے بعد حضرت ابوقتادہ کے سریۂ خضرہ کا بیان ہے (۷۷۷-۷۸۰)۔

سب سے مفصل فتح مکہ کا بیان ہے جو "شان غزوۃ الفتح" کے عنوان سے جلد دوم کے اواخر میں شروع ہو کر جلد سوم کے اوائل تک وسیع ہے (۷۸۰-۸۷۵)۔ آغاز شیوخ و رواۃ واقدی سے ہوتا ہے۔ غزوۂ فتح کے محرک کا ذکر ہے کہ بنوبکر بن عبد مناۃ نے قریش کی مدد سے مسلمانوں کے حلیف بنوخزاعہ پر حملہ کر کے ان کے متعدد اشخاص کو مار ڈالا اور ان کا کافی مال لوٹ لیا۔ آپ نے قریش سے دیت ادا کرنے کو کہا مگر انہوں نے صلح حدیبیہ ہی توڑ ڈالی۔ نتیجہ میں آپ نے مکہ پر حملہ کر کے اس سے فتح کر لیا۔ اس عظیم فتح کے ذکر میں دوسرے متعدد ضمنی مباحث آئے ہیں جیسے بنوخزاعہ اور عبدالمطلب کے قدیم تعلقات حلف، دیت جاہلی کے بعض قوانین اور ان کا نفاذ نبوی، بنواسلم کا قبول اسلام اور ان کے لئے صحیفۂ نبوی، بنوبکر اور بنوخزاعہ میں جنگ، قریش مساعدت، خزاعی سرداروں کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد کی درخواست، ابوسفیان کی مدینہ آمد اور ناکام واپسی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انس بن زنیم دیلی کی ہجوگوئی اور پھر نعت و مدح، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کا فیصلہ، منصوبۂ فتح کو خفیہ رکھنا، مسلمانوں کی جنگی تیاری، قریش کے نام حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کا اطلاع نامہ، مخبر کی گرفتاری، مسلم قبائل کی افواج کی مدینہ اور دوسرے مقررہ مقامات میں آمد اور نبوی لشکر میں شمولیت، مسلم روانگی، قدید میں پرچموں کی تنصیب، ماہ رمضان میں افطار نبوی کا شرعی فیصلہ، منازل سفر اور مسلم وفود و افواج کی آمد اور شرکت، مقدمۂ لشکر میں شہسوارانِ مسلم و اسلم، حضرت ابوسفیان بن حارث ہاشمی کی عداوت رسول، حضرت عباس کی سفارش پر ان کی معافی، اسلام ابوسفیان بن حارث کی روایات، قدید میں بنوسلیم کی شمولیت، مرالظہر ان میں مسلم لشکر کی آمد اور اکابر مکہ جیسے حکیم بن حزام، ابوسفیان اموی، عباس ہاشمی وغیرہ کی آمد اور قبول اسلام اور بعض جنگی واقعات، مکہ میں چہار طرف سے مسلم داخلہ مسلم دستوں اور فوجوں کے داخلہ کے واقعات، مسلم لشکر کی جنگی طاقت سے ابوسفیان اموی کی

مرعوبیت، اہل مکہ کو امان نبوی، ذوطویٰ میں بعض سرداران مکہ کی ناکام جنگجوئی، مکہ مکرمہ میں آپ کا داخلہ، مختلف مسلم طبقات کے داخلے، مکان نبوی کا ذکر، خیمہ گاہ نبوی اوراس میں مختلف اکابر مکہ کی آمداور قبول اسلام، کعبہ کی زیارت نبوی اور بتوں سے اس کی تطہیر، سقایہ عباس کواور حجابہ عثمان بن طلحہ عبدری کو حسب سابق تفویض، کعبہ میں اذان ونماز، خطبۂ نبوی، بتوں کے بارے میں بعض تفصیلات، دشمنانِ اسلام کا فرار، اہل مکہ کو معافی، اکابر مکہ کے قبول اسلام کے واقعات، بعض دشمنوں کا قتل، بعض ارشاداتِ نبوی، خواتین مکہ خاص حضرت ہند بنت عتبہ کا قبول اسلام، مکہ کے قرب وجوار میں واقع صنم کدوں کی تخریب کے لئے سرایا کی روانگی جن میں مناۃ کے لئے حضرت سعد بن زید اشہل اور سواع کے لئے حضرت عمرو بن العاص کا بطور خاص ذکر ہے۔ جلد سوم کے آغاز میں عزیٰ کے ہدم کرنے کی سرخی اور بحث ہے پھر مختصراً فتح مکہ کے دو مسلم شہداء اور بعض مکی مقتولین کا ذکر ہے۔ غزوۂ بنی جذیمہ کے عنوان سے حضرت خالد بن ولید مخزومی کے سریہ بنی جذیمہ کا ذکر ہے جو کافی مفصل ہے۔ (۸۴-۸۷۵) اس میں حضرت خالد کی مہم کا مقصد، بنو جذیمہ کے خلاف ان کی جنگی کارروائی، اس کے خلاف مسلم بنوجذیمہ کی فریاداور حضرت علی کی مہم تالیف قلوب کا ذکر خاص ہے۔

غزوہ حنین کے عنوان سے اگلی بحث ہے جو اس غزوہ کی مفصل روداد پیش کرتی ہے۔ (۹۲۲-۸۸۵) اس کے اہم ترین مباحث ہیں: واقدی سے روایت کرنے والے ایک راوی کا سلسلۂ سند اور پھر واقدی کے شیوخ اور رواۃ، ہوازن وثقیف کا اسلام کے خلاف اتحاد اور اکابر کی جنگی مساعی خاص کر مالک بن عوف، قارب بن الاسود، سبیع بن الحارث اور درید بن الصمہ کی کوششیں، اموال وافراد خاندان کے ساتھ ہوازن کا حنین میں ورود، ابن الصمہ کی مخالفت اور مالک کی ہٹ دھرمی، فتح مکہ کے بعد مکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام، مکہ سے روانگی اور گورنر مکہ عتاب بن اسید کی تقرری، بارہ ہزار مسلم لشکر کی حنین کو روانگی، مسلمانوں کا اپنی کثرت پر غرور اور قرآن میں عتاب الٰہی کی وعید، ذات انواط کا واقعہ، ۱۰ رشوال ۸ھ کی شام کو حنین میں آپ کی آمد، جاسوسوں کی خبرگیری، سفر ومنزل کے متعدد واقعات، غیر مسلم سپاہ کی شمولیت، حنین میں دشمن کی تیاری اور جمعیت، مسلم لشکر کی صف بندی، مقدمہ مسلم پر دشمن کی اچانک تیراندازی، مسلمانوں کی پسپائی، ثابت قدم مسلم مجاہدین کی جرأت، آپ کی دعوت پر مسلم مفروروں کی واپسی، مسلم خواتین کی جرأت، ملائکہ کی شرکت، مسلم حملہ،

دشمنوں کی شکست وفرار، جنگی واقعات، مسلم فتح، ثقیف کی طائف میں قلعہ بندی، اوطاس کا سریۂ ابوعامر اشعری، واقعات جنگ، اموال غنیمت کی جمع، قیدیوں کی رہائی اور شہداء حنین کا ذکر ہے۔ اس کے بعد غزوہ طائف کا ذکر ہے جس میں واقدی نے اپنا سلسلۂ سند بیان کر کے طائف کی طرف مسلم لشکر کی پیش قدمی، جعرانہ میں اموال غنیمت کا جمع کرنا، طائف کا محاصرہ، منجنیق کا استعمال اور ترکیب استعمال، سرداران طائف سے حضرات ابوسفیان ومغیرہ کی مصالحانہ گفتگو، ثقیف کا صلح کرنے اور ہتھیار ڈالنے سے انکار، طائف کے ہتھیار ڈالنے والے غلاموں کی آزادی اور قبول اسلام، محاصرہ کا خاتمہ اور طائف سے مسلم سپاہ کی واپسی اور اس کے بعد شہداء طائف کا ذکر کیا ہے۔

''شأن سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الجعرانہ'' کے عنوان سے اس بحث کا مفصل بیان ہے جس میں حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۴۹-۹۳۹) اس کے ''وفد ہوازن'' کے عنوان کے تحت بنوسعد کی قیدیوں کے بارے میں سفارش، قیدیوں کی آزادی اور بعض دوسرے اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ (۶۰-۹۴۹) پھر حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی آمد کے عنوان کے تحت طائف میں اسلام کا ذکر کیا ہے۔ (۷۳-۹۶۰) اسی میں اشاعت وتبلیغ اور قبول اسلام کے کئی واقعات وروایات آئے ہیں۔ جن کے بعد صدقات کے افسروں کی تقرری اور مختلف علاقوں میں ان کی روانگی کا ذکر ہے۔ (۸۱-۹۷۳) اسی مبحث میں تمیم کے مختلف خاندانوں کے وفود کے آنے اور مدینہ کے خطباء وشعراء سے مقابلہ کرنے کے بعد ان کے اسلام لانے کا بیان بھی ہے۔ آخر میں ایک خاص سرخی کے تحت بنو مصطلق کے لئے حضرت ولید بن عقبہ اموی کی بطور عامل صدقات تقرری کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔

اس کے بعد چار سرایا کا مختصر ذکر ہے یعنی سریہ قطبہ بن عامر (خثعم کے خلاف)، بنوکلاب کے خلاف ضحاک بن سفیان کلابی کا سریہ، حضرت علقمہ بن مجزز مدلجی کا سریہ اور فلس کی طرف حضرت علی بن ابی طالب کا سریہ (۸۹-۹۸۱) غزوۂ تبوک اور اس کے ذیلی سرایا ومہمات کا ذکر کافی مفصل آیا ہے جو اس کے بعد ہی ہے۔ (۱۰۷۶-۹۸۹)۔ غزوۂ تبوک کی روایات کے رواۃ وشیوخ واقدی سے آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد انباط (نبطی) تاجروں کے ذریعہ شامی قبائل عرب اور شہنشاہ روم ہرقل کے متحدہ حملہ کی خبر کے مدینہ آنے کا ذکر ہے۔ دوسرے اہم مباحث میں شامل ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عام لام بندی، مسلمانوں کی تیاری، موسم کی سختی، فصل کی تیاری اور سامان رسد کی قلت، مسلم

اکابر کے جنگی عطیات، عام مسلمانوں کا ایثار، منافقین کی جنگ وغزوہ سے پہلوتہی، مخلص اور ایثار پیشہ مسلمانوں کی جرأت ایمانی، رسول اکرم ﷺ کی روانگی، منازل سفر، راستہ میں افراد وطبقات کی شمولیت، بعض مخلص مسلمانوں جیسے ہلال بن امیہ واقفی، کعب بن مالک، اور مرارہ بن ربیع کی لاپرواہی اور عدم شرکت، راستہ کی مساجد نبوی، انفرادی واقعات، مسلم لشکر کی تیس ہزار سپاہ اور دس ہزار گھوڑوں پر شمولیت، مسلم لشکر میں منافقین کی شرکت اور فتنہ انگیزی، راستہ میں ایک باغ کی پیداوار کا تخمینہ، بئر صالح کا ذکر، وضو اور تیمم سے متعلق احادیث وسنن سفر کے واقعات، تبوک میں آمد، قیام وانتظار دشمن، دشمن کی عدم آمد، تبوک کے قیام کے واقعات، قرآن مجید میں تبوک سے متعلق آیات، تبوک سے اکیدر بن عبدالملک شاہ دومۃ الجندل کے خلاف حضرت خالد بن ولید کا سریہ اور فتح کا بیان بھی اسی عظیم غزوۂ تبوک سے وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ جرباء، مقناء، اور اذرح کی یہودی بستیوں سے معاہدۂ صلح وجزیہ کی تفصیلات بھی اس میں شامل ہیں۔ قرآن مجید کی آیات اور ان کی تشریحات آخری بحث ہے اور کافی مفصل ہے۔

"حجۃ ابی بکرؓ سنۃ تسع" کے عنوان سے اگلا مبحث ہے جو ۹ھ میں حضرت ابوبکر کی امارت میں ادا کردہ دوسرے حج اسلام سے اور اس کے اہم واقعات سے متعلق ہے۔ اس میں شیوخ ورواۃ کے سلسلۂ سند کے بعد امیر حج کے منصب پر حضرت ابوبکر کی تقرری، ان کی تین سو مدنی حاجیوں کے ساتھ روانگی، رسول اکرم ﷺ کی جانب سے بیس اونٹوں کی بطور قربانی فرستادگی اور ان پر حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی کی تقرری، حضرت ابوبکر کے بعد حضرت علی کی بطور منادی رسول مکہ روانگی، ادائیگی حج اور خطبہ صدیقی وغیرہ کی مختصر تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ (۷۷-۱۰۷۶)۔

حضرت علی کے سریہ یمن کی بحث اس کے بعد ہے جو رمضان ۱۰ھ میں روانہ کیا گیا۔ حضرت علی کی بطور امیر تقرری، ان کے لئے پرچم بندی، ان کو ہدایات نبوی، تین سو سواروں کے ساتھ روانگی، علاقہ مذحج میں اموال غنیمت کی تحصیل اور ان پر حضرت بریدہ بن الحسیب اسلمی کی بطور افسر تقرری، جنگ ومال غنیمت سے متعلق بعض واقعات، ان کے سپاہیوں کی تقسیم مال پر شکایت، حضرت علی کی مکہ واپسی اور حجۃ الوداع میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ شرکت ذیلی مباحث ہیں۔ (۸۳-۱۰۷۸)

اگلی فصل میں صدقات کے شرحوں کا مفصل تذکرہ ہے۔ (۸۸-۱۰۸۴) اس میں سلسلۂ سند کے بعد رسول اکرم ﷺ کے ایک صحیفہ ودستاویز کا متن نقل کیا گیا ہے۔ اونٹوں، گایوں، بکریوں اور

بھیڑوں کے نصابات اور ان پر زکوۃ کے وجوب اور اس کی شرحوں کا ذکر ہے۔ اسی میں زمینی پیداوار کی زکوۃ کا بھی بیان ہے۔ جنوبی عرب میں خاص کر علاقۂ حمیر میں حضرات خالد بن سعید اموی اور علی بن ابی طالب ہاشمی کے بطور عاملین صدقات بھیجنے کا ذکر ہے۔ اس میں حضرت علی کے بعض فیصلوں اور حضرت علی اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ کے بارے میں بعض اہم واقعات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ خاتمۂ بحث اس پر امر پر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی کو اپنی ہدی (قربانی کے جانور) میں حجۃ الوداع میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر شریک کیا تھا۔

''حجۃ الوداع'' کے عنوان سے رسول اکرم ﷺ کے آخری حج اسلام کا مفصل ذکر کیا گیا ہے (۱۰۸۸-۱۱۱۶) اس کے اہم ترین مباحث ہیں: سلسلۂ سند کے بعد ہجرت مدینہ سے ہر سال عید الاضحیٰ میں قربانی کی سنت نبوی، آپ کے تین عمروں کا ذکر، ۱۰ھ میں حج کا ارادہ نبوی اور کثیر تعداد میں مسلم حجاج کا اجتماع، حجۃ الوداع کا نام، آپ کی روانگی، احرام باندھنے کا ذکر، ذوالحلیفہ میں قیام اور روانگی مختلف اصحاب کرام کی شرکت کے واقعات، قربانی کے جانوروں کے بارے میں تفصیلات، رسول اکرم ﷺ حجِ افراد آپ کے سفر مکہ کے واقعات بروایت حضرت عائشہ، حضرت ابوبکر صدیق کی تیاری روانگی اور سفر و حج کے واقعات، مکہ میں رسول اکرم ﷺ کا داخلہ اور داخلہ کی سمت، طواف نبوی، دعاہائے نبوی، نماز نبوی، سعی نبوی، ابطح میں قیام نبوی، کعبہ میں داخلہ و نماز نبوی، غلاف کعبہ، خطبہ نبوی بروز ترویہ، منیٰ میں ازواج مطہرات کے ساتھ قیام نبوی، عرفہ میں خطبہ نبوی، متن خطبۂ نبوی، عرفہ میں قیام حجاج کی حد بندی، افطار نبوی بروز عرفہ، عام ارشادات نبوی، حج کے دوران نماز نبوی کی تفصیلات، مواقف مزدلفہ و عرفہ اور منیٰ کی تفصیلات، رمی جمار کے مسائل حلق نبوی کی تفصیلات، قربانی کے دن خطبۂ نبوی اور متن خطبہ، طواف زیارت کی بعض تفصیلات اور حج کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت نبوی کا بیان۔

واقدی کی کتاب المغازی کی آخری بحث حضرت اسامہ بن زید کے ''غزوۂ موتہ'' سے متعلق ہے اور یہی اس کا عنوان ہے (۱۱۷-۲۷) حضرت اسامہ کو ان کے شہید والد حضرت زید بن حارثہ کا انتقام لینے کے لئے آپ نے موتہ روانہ ہونے کا حکم ۲۷ رصفر ۱۱ھ بروز منگل دیا مگر اگلے روز آپ بیمار ہوگئے۔ جمعرات کو آپ نے ان کے لئے پرچم باندھ کر پھر روانہ ہونے کا حکم دیا اور ہدایات دیں۔ حضرت اسامہ کو جُرف نامی مقام پر خیمہ زن ہونے اور فوج جمع کرنے کی ہدایت کی اور اس میں عظیم

صحابہ بھی شامل ہو گئے ۔ حضرت اسامہ کی تقرری پر بعض اکابر صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے ان کی صلاحیت ولیاقت کی تعریف میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ واقعہ سنیچر ۱۰ ربیع الاول کا ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت اسامہ کی مہم بھیجنے میں تاخیر کرنے کی درخواست کی مگر آپ نے نہ مانی۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ اسی دوران آپ کی وفات ہوگئی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں حضرت اسامہ کی مہم بھیجی گئی۔ حضرت ابوبکر کی صلابت، لشکر اسامہ کی روانگی، امیر لشکر کو ہدایات نبوی، بعض واقعات سریہ، تاریخ روانگی ومراجعت، حضرت اسامہ کے بارے میں بعض سوانحی تفصیلات اوران سے رسول اکرم ﷺ کی شدید محبت دوسرے اہم مباحث ہیں۔ اس پر تیسری جلد اور واقدی کی کتاب المغازی ختم ہوتی ہے۔

جلد سوئم کے موضوعات کی فہرست کے بعد اعلام، قبائل وامم، اصنام، اماکن، ایام وغزوات، شعراء، قوافی اور تصحیحات پر مرتب کی تالیف کردہ فہرستیں ہیں۔ (۱۳۲۱-۱۱۳۰)

امام ابن سعد

(۱۶۸-۲۳۰ھ/۷۸۴-۸۴۵ء)

دوسری تیسری صدی ہجری/ آٹھویں نویں صدی عیسوی اسلامی علوم وفنون بالخصوص حدیث وسیرت کی تدوین وارتقا کا تشکیلی دور ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سیرت نگاروں کی دوسری نسل نے اپنی تخلیقات وتالیفات سے فن سیرت کو نئی جہات اور گہرائیوں سے آشنا کیا اور حدیث وتاریخ کے عظیم ترین اور سب سے بڑے اماموں نے اپنے فن کو انتہائی بلندیوں سے روشناس کیا۔ یہ وہ عصر علم وآگہی ہے جب امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، احمد بن حنبل جیسے اکابر حدیث کے ساتھ ساتھ موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد جیسے عظیم وجلیل سیرت نگاروں نے علوم حدیث وسیرت کو ہر طرح سے مالا مال کیا۔ اس دور میں مرکز علم ودین —مدینہ منورہ— کی جگہ عراقی امصار بالخصوص کوفہ، بصرہ اور بغداد نے علوم اسلامی کے ارتقاء میں اپنا حصہ ادا کرنا شروع کر دیا تھا اور ان کی ایک علمی اور فنی پہچان بن چکی تھی۔ یہی تاریخ اسلامی اور سیرت نبوی کا عراقی مکتب فکر تھا۔ اسی اہم مکتب فکر وعلم کا ایک درخشندہ ستارہ امام ابن سعد تھے۔

نام ونسب

ان کا اصل نام محمد تھا اور کنیت ابو عبد اللہ، والد ماجد سعد بن منیع تھے اس لئے وہ اپنی نسبت پدری ابن سعد سے زیادہ معروف ہوئے۔ خاندان ونسب کے لحاظ سے وہ زہری تھے کہ ان کے ایک مولیٰ تھے۔ وہ بصرہ میں ۱۶۸ھ/۷۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی زندگی اور تعلیم وتربیت کے بارے میں ہماری معلومات کافی ناقص ہیں۔ یہ بہر حال حقیقت ہے کہ ابن سعد نے اپنے وطن بصرہ میں ابتدائی تعلیم پوری کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی اور پھر علوم اسلامی میں تبحر ومہارت حاصل کرنے کے لئے

دوسرے مراکز علم و دانش کے سفر بھی کیے تھے جیسا کہ اس زمانہ میں علمی دستور تھا۔ ان اسفار میں مدینہ اور کوفہ کے اولین سمجھے جاتے ہیں اور ان کے دوران ابن سعد نے ان کے عظیم اساتذہ سے تعلیم پائی تھی۔ مدینہ کے ایک سفر کا ذکر ۱۸۹ھ کے ضمن میں ملتا ہے۔ ان علمی اسفار کے دوران ابن سعد نے اکابر محدثین سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور خود اپنی ایک حیثیت بنائی۔ ابن سعد کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ ان کے اساتذہ و شیوخ کی فہرست سے ہوتا ہے۔

تعلیم و تربیت

مختلف اسلامی مراکز میں ابن سعد نے جن شیوخ و اکابر سے حدیث کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی ان میں سفیان بن عیینہ، ابوالولید الطیالسی، ابوجعفر محمد بن سعدان الضریر کوفی، وکیع بن جراح، سلیمان بن حرب، ہشیم، فضل بن دکین، ولید بن مسلم اور معن بن عیسیٰ جیسے عظیم لوگ اور ماہرین فن شامل تھے۔ ان کے علاوہ ابن علیہ، ابوبکر بن ابی الدنیا اور محمد بن عمر الواقدی بھی ابن سعد کے خاص اساتذہ میں تھے۔ یہ سب تیسری صدی ہجری اور نویں صدی عیسوی کے ابتدائی دور کے علماء و فضلاء تھے۔ ابن سعد نے اپنے معروف و گرامی استاد واقدی کے سامنے زانوئے ادب ۲۰۰ھ کے بعد تہ کیا جب وہ بغداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ ابن سعد کی وابستگی اور شاگردی اتنی بڑھی کہ وہ ان کی کتابوں کے علاوہ دوسرے مؤلفین کی سیرت و حدیث وغیرہ کی کتابوں کو نقل کیا کرتے تھے اس لئے وہ کاتب الواقدی کہلائے جانے لگے اور بعد میں اسی لقب سے زیادہ معروف ہوئے۔ ابن سعد نے سب سے زیادہ فائدہ واقدی سے ہی اٹھایا اور بعد میں انہیں کے علوم و فنون اور کتابوں پر اپنی تالیفات کی بنیاد رکھی خاص کر سیرت و تاریخ کی کتابوں کی۔

اگرچہ دوسرے علوم و فنون میں ابن سعد کی مہارت و تبحر کا صریح ذکر سوانح نگاروں نے نہیں کیا ہے تاہم بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم فقہ میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ ابن طیفور کا بیان ہے کہ خلیفہ المامون نے جب اسحاق بن ابراہیم سے سات فقہاء دربار خلافت میں بھیجنے کا حکم دیا تو انہوں نے جن فقہا کو بھیجا ان میں سے ایک ابن سعد بھی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ابن سعد نے دوسرے فقہاء اور علماءِ عصر کی طرح خلیفہ وقت کی سیاسی مصلحتوں کے تحت مسئلہ خلق پر رائے سے اتفاق کیا۔ معلوم

نہیں کہ یہ اتفاق کسی مصلحت کی بنا پر تھا یا سچ مچ وہ مسئلہ خلق قرآن کو دل سے صحیح سمجھتے تھے۔

مقام و مرتبہ

یہ عجیب بھی ہے اور دلچسپ بھی کہ ابن سعد کے استاد واقدی کو عام طور سے ضعیف و کمزور سمجھا جاتا ہے اور ان کی احادیث و روایات کو متروک قرار دیا جاتا ہے لیکن ابن سعد کو عام طور سے ثقہ اور مستند سمجھ کر ان کی روایات قبول کی جاتی ہیں۔ ناقدین حدیث اور اسمائے رجال کے ماہرین نے ابن سعد کی توثیق و تصدیق کی ہے۔ ان میں خطیب بغدادی، ابن خلکان، ابن حجر عسقلانی، سخاوی اور ابن تغری بردی وغیرہ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور ان کی روایات کو مستند قرار دیا ہے کہ وہ اپنی روایات کو چھان پھٹک کر پیش کرتے ہیں۔ موخرالذکر نے البتہ ایک روایت کی بنا پر یہ کہا ہے کہ امام یحییٰ بن معین کے علاوہ تمام ناقدین فن اور محدثین کرام نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن سعد کی فنی عظمت، صداقت اور علمی شہرت کا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل ہر جمعہ کو اپنا ایک آدمی ابن سعد کے پاس بھیجا کرتے تھے اور وہ ان سے واقدی کی روایات و کتب کے دو جزو لے جایا کرتا تھا اور امام موصوف ان کا مطالعہ کر کے دوسرے جمعہ کو واپس کردیتے تھے اور پھر اگلے اجزا منگا لیتے تھے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ دو اماموں کے درمیان علمی تبادلہ کا یہ سلسلہ کب تک چلا ہوگا۔ لیکن اس سے بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد و امام احمد کے تعلقات شخصی اور علمی دونوں سطحوں پر شگفتہ تھے اور ان پر مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں ابن سعد کی رائے سے یا تو اثر نہیں پڑا تھا یا وہ روایت صحیح نہ تھی یا عام نہ تھی۔ یہ روایت بہر حال واقدی کی علمی عظمت اور اس کے اعتراف کی ایک زندہ مثال ہے۔

اپنے استاد واقدی کے برخلاف ابن سعد نے بہت کم لکھا۔ ان کی ایک مشہور ترین کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' ہے جو آج بھی دستیاب ہے اور آٹھ جلدوں میں بیروت سے ۸۔۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب ''الطبقات الصغیر'' کے عنوان سے بتائی جاتی ہے اور ابن ندیم نے تیسری کتاب ''اخبار النبی'' کا بھی ذکر کیا ہے جس کے بارے میں بعض سوانح نگاروں اور علماء نے کہا ہے کہ وہ ان کی ''الطبقات الکبریٰ'' کا اولین حصہ ہے۔ نثار احمد فاروقی اور دوسرے مؤلفین نے

ابن سعد کی بعض دوسرے علوم وفنون جیسے غریب الحدیث اور فقہ، نحو، لغت اور تراجم وانساب پر تحریروں کا ذکر کیا ہے جو زیادہ تر ''الطبقات'' ہی کے مواد پر معلوم ہوتا ہے۔ بعض سوانح نگاروں نے ابن سعد کو ''صاحب تصانیف کثیرۃ'' کہا ہے مگر ان تصانیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن سعد کے اپنے تلامذہ اور شاگردوں میں ابن ابی الدنیا، احمد بن عبید، احمد بن یحییٰ ابن جابر بلاذری، الحارث بن ابی اسامہ اور حسین بن فہم (۸۹-۲۱۱ھ) کے نام بہت ممتاز واہم ہیں۔ موخر الذکر شاگرد نے ابن سعد کی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' کی روایت کی ہے۔ اس کتاب کے دوسرے راوی ان کے ایک اور شاگرد حارث بن ابی اسامہ تھے۔ ان دونوں نے ابن سعد کی طبقات کے کچھ کچھ حصے روایت کیے ہیں۔ حارث سے ابوایوب سلیمان بن اسحاق الحلاب نے روایت کی اور حسین بن فہم سے ان کے حصۂ طبقات کی ابوالحسن احمد بن معروف الخشاب نے۔ پھر یہ دونوں روایتیں ابوالحسن ابن حیویہ الخزاز کے پاس جمع ہوگئیں۔ اور اس طرح ابن سعد کی کامل طبقات کی روایت عام ہوئی۔

ابن سعد کی وفات کے بارے میں کئی روایات ملتی ہیں۔ صفدی نے ۲۲۲ھ کو سنہ وفات قرار دیا ہے اور ابن ابی حاتم نے ۲۶۳ھ کو مگر صحیح تاریخ وفات ہفتہ ۴/ جمادی الآخرہ ۲۳۰ھ/ ۱۶/ فروری ۸۴۵ء ہے کہ وہ ان کے شاگرد خاص حسین بن فہم کی بیان کردہ ہے اور تاریخ و ماہ اور دن اور سنہ کے ساتھ مقید ہے۔ وہ بغداد کے مقبرہ باب الشام میں دفن کیے گئے جب کہ ان کی عمر باسٹھ سال تھی۔

طریقۂ تالیف

ابن سعد نے نہ صرف اپنے استاد گرامی واقدی کی تالیفات سے فائدہ اٹھایا تھا بلکہ ان کے طریقۂ تالیف سے بھی، بعض مورخین نے لکھا ہے کہ واقدی کی روایات کی کثرت بلکہ انحصار کے مدنظر ابن سعد کے بارے میں ابن ندیم کا یہ تبصرہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب یا کتابوں کو واقدی کی بنیاد پر مرتب کیا تھا۔ ان کی عظیم کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ غالباً واقدی ہی کی اسی عنوان کی کتاب پر مبنی ہے۔ ابن سعد نے بس یہ اضافہ کیا ہے اس میں جا بجا اپنی روایات جو اپنی آزاد اسناد سے حاصل کی تھیں ان میں شامل کردی ہیں۔

نثار احمد فاروقی نے بیان کیا ہے کہ واقدی کی کتاب الطبقات کے علاوہ ابن سعد نے واقدی کی

دوسری تالیفات جیسے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اخبار مکۃ ، کتاب السیرۃ ، کتاب طعم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اور کتاب المغازی سے فائدہ اٹھایا ہے اور کتاب المغازی کو ''الطبقات الکبریٰ'' میں ضم کرنے کے علاوہ ابن اسحاق ، ابومعشر سندی اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعد نے اصلاً اپنے استاد واقدی کی کتاب سیرت کتاب ''التاریخ والمبعث والمغازی'' کو جس کا صرف آخری جزو کتاب المغازی اصل صورت میں دستیاب ہے بنیاد بنا کر اپنی کتاب سیرت لکھی تھی اور دوسرے ماخذ سے اس پر اضافہ کیا تھا۔ مزید یہ کہ ابن سعد نے ان تمام ماخذ سیرت بالخصوص واقدی کی کامل سیرت سے جوں کا توں استفادہ اور نقل نہیں کی ہے بلکہ ان کی تلخیص اور پیشکش اپنے الفاظ میں کی ہے۔

ایک اہم مسئلہ اس باب میں یہ ہے کہ ''الطبقات الکبریٰ'' کا حصۂ سیرت آزاد کامل کتاب سیرت تھی یا ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ کی پہلی دو جلدیں بطور دیباچہ لکھی تھیں اور پھر طبقات میں شامل کر دیں۔ ایک خیال جو عام طور سے مقبول ہے کہ پہلی دو جلدیں کتاب طبقات ہی کے اولین حصے ہیں لیکن یہ بات زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ طبقات کی بقیہ جلدیں رجال وفنِ حدیث کے راویوں کے اعتبار سے مرتب کی گئی ہیں اور سیرت نبوی کی جلدیں ان سے میل نہیں کھاتیں۔ پھر بعض قدیم مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن سعد نے سیرت نبوی پر ایک آزاد و کامل کتاب اخبار النبی کے نام سے لکھی تھی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ طبقات کی اولین دو جلدیں دراصل اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو بعد میں کسی وقت طبقات کبریٰ کی اولین جلدیں بنا کر اس میں شامل کر دی گئیں۔ مشہور مشرق جوزف ہورووتس کا بیان ہے کہ ''۳۰۰ھ کے لگ بھگ ابن معروف نے ان دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا اور کتاب ''اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کو طبقات کا پہلا جزء بنا دیا۔''

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں (۱۹۰۳ء میں) جرمن مستشرقین کی ایک جماعت نے ایڈورڈ سخاو کی سربراہی میں جب ابن سعد کی کتاب الطبقات الکبریٰ کی ترتیب وتحقیق کا کام شروع کیا تو ان کے سامنے طبقات کے پانچ مخطوطے موجود تھے اور ان میں ''اخبار النبی'' طبقات کے اولین حصہ کے بطور شامل تھی لہذا مستشرقین مذکورہ بالا نے اس کو من وعن شائع کر دیا۔ بعد میں بیروت دار صادر کے ناشرین نے اس کو بلا تحقیق آٹھ جلدوں میں شائع کر دیا جس کی اولین دو جلدیں سیرت نبوی پر ہیں۔

"طبقات کبریٰ" کی اولین دو جلدوں یا "اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کی ترتیب موضوعات بہت دلچسپ اور اہم ہے۔ جلد اول میں ابتدائے آفرینش، گذشتہ انبیائے کرام علیہم السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد و خاندان قریش کا مختصر ذکر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی از ولادت تا ہجرتِ مدینہ کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس جزو میں علامات نبوت، وحی، دعوت و تبلیغ کے واقعات کو ہجرت تک بیان کر کے جلد اول کے دوسرے جزو میں مدنی حیات طیبہ کے بعض اہم ابواب شامل ہیں جیسے فرامین و مکاتیب نبوی، وفود عرب، شمائل نبوی، طرز زندگی اور ترکہ وغیرہ متعلقات نبوی کا ذکر ہے۔ جلد اول کی مانند جلد دوم کے بھی دو جزء ہیں۔ اول جزو میں غزوات و سرایائے نبوی کا مختصر بیان ہے جب کہ دوسرے جزو میں سیرت و حیات کے آخری ابواب کا ذکر ہے جیسے مرض، وفات، تدفین، میراث اور مراثی وغیرہ۔ اس کو آخر اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ایک ضمیمہ شروع ہوتا ہے جو بقول جوزف ہورووتس طبقات کا عملی آغاز ہے کہ اس میں عہد نبوی کے نامور فقہاء گرامی اور مفتیان کرام کے سوانح ہیں۔ جلدوں کے موضوعات کا تجزیہ کتاب کی تفصیل میں موجود ہے۔

ابن سعد کی کتاب سیرت کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ابن اسحاق و ابن ہشام کی سیرت نبویہ کے بعد کامل و آزاد سیرت نبوی ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی ان کی کتاب سیرت کا تیسرا جزو ہے جو ہم تک پہونچا ہے ورنہ بقیہ حصوں - تاریخ یا عہد جاہلیت کے حالات - اور مبعث یعنی مکی اور مدنی حیات طیبہ کے دوسرے واقعات ماسوائے غزوات، کچھ روایات ہی ہم تک پہنچ سکی ہیں اور وہ مختلف ماخذ و مصادر میں منتشر ہیں۔

اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا سیرت ابن سعد کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ ابن اسحاق/ابن ہشام کے مقابلہ میں زیادہ مفصل اور منظم ہے۔ خاص کر اس میں سیرت نبوی کے بعض گوشوں پر جو تفصیلات موجود ہیں وہ ابن اسحاق اور ابن ہشام کے ہاں مفقود ہیں۔ مثلاً ابن اسحاق و ابن ہشام نے نسب نبوی کے ضمن میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد عربوں کی اصل عدنان و قحطان، نعمان بن منذر اور یمن کے عربوں کا ذکر کیا ہے جب کہ ابن سعد نے انبیائے سابقین سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب و ذکر کا تعلق جوڑا ہے۔ ابن سعد نے مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ آپ کی امہات - فواطم اور عواتک - کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ پھر ولادت کے بیان میں آپ کے اسماء گرامی اور کنیت عالیہ پر بحث کی ہے جو

زیادہ تر احادیث پر مبنی ہے۔ اسی طرح بکریاں چرانے کے نبوت کام پر فصل نئی ہے۔ نبوی محمدی کے باب میں ابن سعد نے ازلی نبوت اور علامات نبوت پر نئی باتیں کہی ہیں اور ایک خاص فصل میں ان محمد نامی اشخاص کا ذکر ہے جو نبوت سے سرفرازی کی توقع میں اس اسم گرامی سے موسوم کئے گئے تھے۔ ان کے علاوہ اسراء و معراج، تعمیر مسجد نبوی، صیام رمضان، فطرہ اور نماز عیدین، قربانی، منبر نبوی، اصحاب صفہ اور خاص کر فرامین و مکاتیب نبوی اور وفود عرب، حلیہ، معمول، اسباب، تورات و انجیل میں آپ کی صفات، اخلاق عالی، جنسی قوت، حسن کلام، حسن قراءت و ادا، خطبہ نبوی کے امتیازات، نماز و صدقہ و روزہ کے معمولات، کھانوں کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ اقسام، ملبوسات، خاتم، خضاب وغیرہ کی فصول بالکل نئی ہیں۔ آپ کے معمولات، متروکات وغیرہ پر باقی فصول و ابواب بھی ابن اسحاق و ابن ہشام پر گراں قدر اضافے ہیں۔

جلد دوم میں اسی طرح متعدد اضافات ہیں جن میں غزوات و سرایا کی تاریخی ترتیب کے مطابق بیان کے علاوہ متعدد سرایا و غزوات کا بیان زیادہ ہے اور جو ابن ہشام نے بھی اپنے اضافے میں نہیں دیا ہے۔ اس کے بعد آپ کی وفات کی قربت سے متعلق فصول بھی نئی ہیں۔ مرض و وفات نبوی پر بھی ابن سعد نے بعض قیمتی معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ سیرت نبوی کے بعد اس جلد کے دوسرے مباحث جیسے عہد نبوی کے قضاۃ و مفتیان کرام اور جماع قرآن پر ان کی بحثیں نئی اور اضافہ ہیں اور سیرت نبوی سے براہ راست متعلق نہ ہونے کے باوجود متعلق اور سیرت نبوی کا اہم باب ہیں۔

اگر چہ تاریخی ترتیب اور واقعاتی تنظیم کے لحاظ سے ابن اسحاق و ابن ہشام کی کتاب سیرت کو ابن سعد کی کتاب سیرت پر زیادہ فضیلت حاصل ہے تاہم اندرونی ترتیب موضوعات اور بیانات کے لحاظ سے ابن سعد کی کتاب سیرت زیادہ منظم ہے۔ ابن سعد کی کتاب سیرت کی دو جلدوں کی ایک خامی یہ ہے کہ وہ تاریخی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھتی اور دونوں جلدوں میں سیرت نبوی کے مسلسل ابواب کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ربط و تسلسل کو توڑ دیتی ہے۔ لیکن اندرونی ترتیب کے لحاظ سے وہ بعض اہم خصوصیات کی حامل بھی ہے جیسے انبیائے کرام سابقین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ربط و تسلسل قائم رکھا ہے جب کہ ابن اسحاق کے ہاں وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ابن سعد نے ولادت تا ہجرت کے واقعات کو زیادہ منظم طریقے سے بیان کیا ہے اگر چہ جلد اول کی بقیہ فصول و ابواب بعد میں آنے چاہئے تھے۔ اس طرح جلد دوم میں غزوات و سرایا کا بیان ابن سعد کے ہاں زیادہ منظم و مرتب ہے اور ابن اسحاق

کے ہاں خاصا ناقص اور ابن ہشام کے ہاں کافی غیر منظم ہے کہ انہوں نے اس باب میں بھی تاریخ ترتیب کا خیال نہیں رکھا ہے۔ مرض ووفات نبوی کے ابواب اور بعد کے دوسرے ابواب بھی خاصے مرتب ہیں۔

ابن سعد کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ واقعات سیرت کے ضمن میں آنے والے مقامات کے بارے میں خاص کر جغرافیائی معلومات بیان کرتے ہیں جو عام طور سے ابن اسحاق وابن ہشام کے ہاں مفقود ہوتی ہیں۔ غالباً یہ واقدی کی تفصیلات کا اثر ہے جو ابن سعد کے ہاں واضح طور سے نظر آتا ہے۔

ابن سعد کی کتاب سیرت کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ اپنے استاد گرامی واقدی کی مانند ابواب وفصول کے آغاز میں اپنے راویوں اور ماخذوں کا ذکر کرتے ہیں اور پوری فہرست دے دیتے ہیں او ران میں واقدی کو نمایاں مقام دینے کے باوجود کئی فصول وابواب میں ان کا ذکر قطعی طور سے نہیں کرتے کیونکہ ان ابواب میں واقدی کے سوا دوسرے شیوخ ان کے اصل ماخذ تھے۔ مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، معمولات ومتروکات وغیرہ میں وہ واقدی پر اتنا اعتماد نہیں کرتے جتنا کہ غزوات کے بیان میں جہاں وہ ان کے اصل اور بنیادی ماخذ ہیں۔

واقدی کی مانند ابن سعد بھی پہلے غزوات وسرایا اور دوسرے ابواب میں ایک بڑی روایت دیتے ہیں جو خاص روایت کہی جاسکتی ہے اور جو متعدد روایات واخبار کا مجموعہ ہوتی ہے اور مجموعی سند کے بنیاد پر بیان ہوتی ہے، اس کے بعد وہ انفرادی روایات ان کی علیحدہ اسناد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابن سعد کی انفرادی روایات ہمیشہ خاص روایت کے بعد آتی ہیں تاکہ اصل روایت یا بنیاوی واقعہ کا ربط وتسلسل نہ ٹوٹے۔

کتاب سیرت ابن سعد میں ایک اہم خامی یہ بھی نظر آتی ہے کہ مؤلف گرامی متعدد اقوال اور آراء ضرور بیان کرتے ہیں لیکن وہ ان پر محاکمہ نہیں کرتے اور نہ تنقید کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات، تبصرہ یا جملہ نہیں لکھتے۔ البتہ وہ تمام اقوال وآراء اور اشعار وغیرہ ان کے ماخذ یا مؤلفین کے حوالہ کے بغیر نہیں دیتے۔

ابن سعد کی کتاب سیرت کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ سیرت نگاروں اور حدیث کے ماہروں کے طریقہ ہائے تالیف کی جامع ہے کہ انہوں نے ابن اسحاق اور ابن ہشام جیسے خالص سیرت نگاروں کی روایات کو محدثین کرام کی احادیث کے ساتھ ملاکر ایک نیا طریقہ تالیف روشناس کیا۔ متاخرین خاص

کر خالص سیرت نگاروں اور محدثوں کی کتب و سیرت میں پیشکش و تالیف کا یہی فرق واضح طور سے نظر آتا ہے۔ سیرت نگار خاص کر ابن اسحاق و ابن ہشام کا طریقۂ تالیف اختیار کرتے ہیں جب کہ محدثین کرام ابن سعد کا۔ مثلاً حافظ ذہبی پر زیادہ اثر ابن سعد کا نظر آتا ہے۔

مأخذ و مصادر

ابن ابی حاتم رازی	کتاب الجرح والتعدیل
ابن حجر عسقلانی	تہذیب التہذیب
ابن الخطیب	تاریخ بغداد
ابن خلکان	وفیات الاعیان
ابن سعد	الطبقات الکبریٰ
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب
ابن کثیر	البدایۃ والنہایۃ
ابن ندیم	الفہرست
اردو دائرہ معارف اسلامیہ	ابن سعد (مقالہ)
جوزف ہورووتس	سیرت نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین (اردو ترجمہ) نقوش رسول نمبر اول ۸۶-۸۳، انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدر آباد، ۸-۱۹۲۷ء
ذہبی	تذکرۃ الحفاظ: العبر فی خبر من غبر
زرکلی	الاعلام
فواد سزکین	تاریخ التراث العربی (عربی) اول
نثار احمد فاروقی	طبقات ابن سعد سیرت نبوی کا قدیم ماخذ، نقوش رسول نمبر اول ۵۶۲-۴۹۸
یافعی	مرآۃ الجنان
یاقوت حموی	معجم الادباء

ابن سعد کی السیرۃ النبویۃ

ابن سعد کی واحد دستیاب کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' کے بارے میں محققین کا یہ خیال ہے کہ اس کی پہلی دو جلدیں سیرت نبوی کی آزاد و جامع کتب تھیں جن کو بعد میں طبقات کا جزو بنا دیا گیا۔ اگر برعکس خیال بھی صحیح ہو تو یہ حقیقت اپنی جگہ قائم و دائم ہے کہ ''طبقات'' کی اولین جلدیں سیرت نبوی سے متعلق ہیں اور ان کا بہر حال طبقات نویسی سے کوئی تعلق و ربط نہیں۔ کیونکہ ان دو جلدوں کا پورا مواد اور اس کا ترتیبی نظام خالص سیرتی بنیادوں پر استوار ہوا ہے جیسا کہ ان کے متنی تجزیے سے واضح ہوتا ہے۔

مرتب طبقات احسان عباس کے مقدمہ سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے جو مصنف محمد بن سعد کی سوانح اور کتاب الطبقات کے مختصر تجزیے پر مبنی ہے اور بالکل شروع میں ابن سعد کی سوانح کے ماخذ کی ایک مختصر فہرست بھی ہے۔ ابن سعد کی سوانح میں ولادت و وفات کی تاریخوں کے علاوہ تعلیم و تربیت، اساتذہ و شیوخ، مسلک و مقام اور تصانیف و علوم کا بہت مختصر ذکر ہے۔ پھر طبقات کی اہمیت، متاخرین و معاصرین پر اس کے اثرات، مصدری حیثیت، حارث بن ابی اسامہ اور حسین بن فہم شاگردانِ مؤلف کی روایت طبقات، اور اس کے پیشرو طباعتوں کا ذکر کیا گیا ہے (۱۷-۵)۔

اصل کتاب بسملہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد راوی و کاتب طبقات کی سند روایت کتاب سے شروع ہوتی ہے۔ جس کے اولین راوی شرف الدین ابو محمد عبد المومن بن خلف بن ابی الحسن الدمیاطی اور آخری مؤلف گرامی محمد بن سعد بن منیع ہیں۔ اور اولین بحث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سامی سے متعلق ہے جس میں ابن سعد متعدد روایات واحادیث ان کی الگ الگ سندوں کے ساتھ آپ کے نسب کے بارے میں لائے ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ بہترین نسل، علاقہ، قوم اور زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے (۲۵-۱۸)۔ دوسری بحث ''ذکر من ولد رسول اللہ ﷺ من الانبیاء'' حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت یا تخلیق الٰہی اور ان کی زندگی کے بعض واقعات کے ساتھ ان کے

بعض نبی اولادوں حضرت شیث اور ادریس علیہما السلام کا ذکر ہے۔ اس میں احادیث و روایات کے ساتھ ان کی عمروں اور قرآنی آیات کا بھی ذکر ہے (۳۹-۲۵)۔ پھر ایک الگ فصل ''ذکر حواء'' میں بی بی حواء کے بارے میں کئی روایات جمع کی ہیں پھر حضرت ادریس علیہ السلام کا الگ مختصر ذکر ہے (۴۰-۳۹)۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت مفصل ہوا ہے (۴۵-۴۰)۔

پھر ''ذکر ابراہیم خلیل الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم'' (۴۸-۴۶) اور ''ذکر اسماعیل علیہ السلام'' (۵۲-۴۸) ہے۔ اس کے بعد ایک فصل ان صدیوں اور سنین کے بارے میں باندھی ہے کہ جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان گذریں (۵۴-۵۳)۔ اگلی مختصر فصل انبیاء کے اسماء اور انساب کے ذکر سے متعلق ہے (۵۴-۵)۔

سیرتِ نبوی کا بیان ایک طرح سے نسب نبوی سے شروع ہوتا ہے جس کے تحت پورا شجرہ بیان کیا گیا ہے (۵۹-۵۵)۔ ''ذکر امہات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے تحت آپ کے مادری نسب نامہ اور شجرہ کا بیان ہے اور اس میں بعض روایات بھی ہیں (۶۱-۵۹)۔ اگلی سرخی ان خواتین عالی مقام کے ذکر کے لئے مخصوص ہے جن کے نام آپ کے نسب نامہ میں فاطمہ یا عاتکہ کے آئے ہیں اور عاتکہ کے کلام عرب میں معنی طاہرہ کے بتائے ہیں (۶۴-۶۱)۔ ان کے مطابق کل فاطمہ تیرہ تھیں اور عاتکہ کی تعداد دس تھی۔ اگلی فصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کی امہات سے متعلق ہے اور یہ نسب نامہ کے انداز وطریقۂ کار کے مطابق ہے (۶۶-۶۴)۔ نبوی اجداد میں ''ذکر قصی بن کلاب'' کے عنوان ان کے لئے ایک مخصوص فصل ہے (۷۳-۶۶)۔ جو خاصی مفصل ہے مگر آپ کے جد اصلی عبد مناف بن قصی کی فصل مختصر ہے (۷۴-۵)۔ البتہ جد امجد ہاشم بن عبد مناف کی فصل کافی مفصل ہے اور اس میں ان کے اپنے سوانح کے ساتھ خاندان بنو عبد مناف کا ذکر خیر بھی ہے اور اس کے ایک متحدہ اکائی ہونے کا حوالہ بھی (۸۱-۷۵)۔ پھر آپ کے دادا عبد المطلب بن ہاشم پر ایک الگ مفصل فصل ہے جس میں ان کے سوانحی تفاصیل کے علاوہ ان کی اولادوں کا ذکر خیر بھی ہے اور بعض اہم روایات وواقعات کا بھی، جیسے نذر قربانی فرزند جو الگ فصل میں آتی ہے (۸۸-۸۱ اور ۹۴-۸۸)۔ ایک فصل میں حضرت عبد اللہ کی حضرت آمنہ سے شادی کی مختصر روایات ہیں (۹۴-۵) پھر اس عورت کا ذکر کیا ہے جس نے عبد اللہ پر اپنے آپ کو پیش کیا تھا (۹۵-۸)۔ اگلی فصل میں دوران حمل حضرت آمنہ کی کیفیات اور خوابوں اور بشارتوں کا بیان ہے

(۹-۹۸) اور ایک اگلی فصل میں وفاۃ عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیان ہے (۱۰۰-۹۹)۔

''ذکر مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے سیرت نبوی کا اصل باب شروع ہوتا ہے جس میں متعدد روایات معہ اپنی اسناد کے اس مفہوم کی آئی ہیں کہ دوشنبہ ربیع الاول عام الفیل کے دن پیدا ہوئے تھے۔ تاریخ ولادت دس اور دو کی روایات ہیں۔ بارہ کی ایک بھی نہیں۔ باقی روایات آپ کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ کے خوابوں، بشارتوں اور بعض مشہور معجزوں سے متعلق ہیں (۱۰۳-۱۰۰)۔

اگرچہ ولادت نبوی والی فصل میں آپ کے بعض اسماءِ گرامی کا ذکر آیا ہے تاہم آپ کے اسمائے گرامی اور کنیتوں کے لئے ابن سعد نے الگ فصل باندھی ہے جس میں احمد و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے اسماء جیسے حاشر، خاتم و عاقب وغیرہ کا بھی ذکر ہے پھر کنیت کی دوسری فصل میں ابوالقاسم کی کنیت کے ذکر کے علاوہ آپ کی وہ حدیث بھی مذکور ہے جس کے مطابق آپ کے نام سے موسوم کرنے کی اجازتِ نبوی ہے مگر آپ کی کنیت کی ممانعت ہے۔ متعدد اسناد سے ایسی روایت آتی ہے (۷-۱۰۳)۔

اگلی فصل میں آپ کی رضاعت، رضاعی ماؤں اور رضاعی بھائیوں بہنوں کا ذکر خیر ہے۔ دونوں رضاعی ماؤں ثویبہ اور حلیمہ سعدیہ کے سوانح کے ساتھ ان کے تعلق سے حضرت ابوسلمہ وغیرہ کا ذکر ہے اور آپ کے حسن سلوک کا بھی (۱۵-۱۰۸)۔ اس سے اگلی فصل میں آپ کے والدہ مکرمہ کے ساتھ مدینہ منورہ جانے، وہاں ایک ماہ گذارنے اور قیام کے دوسرے واقعات کے علاوہ آپ کی والدہ کی وفات اور اس سے متعلق بعض روایات مذکور ہیں (۷-۱۱۶)۔ آئندہ بحث میں والدہ کی وفات کے بعد دادا عبدالمطلب کی کفالت، دادا کی وفات اور عمر اور آپ کی کفالت و حفاظت کی ان کی وصیت کا ذکر ہے جس کے مطابق چچا ابوطالب کفیل بنے اور اس سے اگلی فصل میں ابوطالب کی کفالت نبوی اور ان کی معیت میں آپ کے اولین شامی سفر، ابوطالب کی اولاد، ان سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق، ان کو آپ کی تبلیغ، اور کفر پر ابوطالب کی موت اور تازندگی آپ کی حمایت ابوطالب کا ذکر ہے (۲۵-۱۱۷)۔ ایک مختصر فصل میں وہ روایات جمع کی ہیں جن سے آپ کے بکریاں چرانے کا ذکر ملتا ہے (۶-۱۲۵) پھر الگ الگ دو فصلوں میں آپ کی حرب الفجار اور حلف الفضول میں شرکت کا مختصر بیان ہے (۲۹-۱۲۸)۔

پچیس برس کے سن شریف میں حضرت خدیجہ کا مال لے کر شام کے دوسرے سفرِ نبوی کا ذکر اگلی فصل میں ہے اور اس سے متصل فصل میں آپ کی حضرت خدیجہ سے شادی کا ذکر خیر ہے۔ اور پھر متصل

فصل آپ کی اولاد امجاد اور ان کے اسماء گرامی پر ہے جب کہ حضرت ابراہیم اور ان کی والدہ ماجدہ کے واقعات ایک خاص فصل میں اس کے بعد کئے ہیں اور وہ نسبتاً مفصل ہے (۴۴-۱۲۹)۔ سیلاب کے پانی سے خانہ کعبہ کی عمارت کو نقصان اور اس کی قریش کی تعمیر نو اور آپ کی شرکت و فیصلہ کے واقعات اگلی بحث کا موضوع ہیں (۸-۱۴۵) اور یہی قبل بعثت حیات مبارکہ کی آخری بحث ابن سعد کی سیرت نبوی میں ہے۔

نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کی احادیث اور روایات کا بیان آپ کی نبوی حیات کا پہلا مبحث ہے اور ان میں آپ کی ازلی نبوت کا بیان پایا جاتا ہے اور خاتمہ ختم رسالت پر ہوتا ہے (۹-۱۴۸)۔ اس سے متصل فصل ان علامات نبوت کے بیان کے لئے خاص ہے جو آپ کو وحی الٰہی ملنے سے قبل عطا ہوئی تھیں۔ ان میں آپ کی والدہ ماجدہ کو دی جانے والی بشارات، شق صدر، بحیرا راہب اور دوسروں کی پیشگوئی، آپ کی طاہرانہ زندگی، شجر و حجر کے سلام کرنے اور ندائے ہاتفی سننے وغیرہ کے معجزات کا ذکر ہے (۶۸-۱۵۰)۔ اس کے بعد کی مختصر فصل میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا نام محمد اس امید پر رکھا گیا تھا کہ شاید نبوت ان کا مقدر بن جائے (۱۶۹)۔ اس سے متصل فصل میں ان علامات نبوت کا ذکر و بیان ہے جو نزول وحی کے بعد ظاہر ہوئیں۔ ان کا تعلق آپ کی احادیث، دوسروں کی روایات اور آپ کی سیرت کے بعض واقعات مبارکہ سے ہے جیسے خیبر میں زہر آلود بکری کا گوشت نہ کھانا، کھانے میں برکت کے واقعات وغیرہ (۹۰-۱۷۰)۔

چالیس برس کے سن میں آپ کی بعثت اور پیغام ابدی کا مبحث اگلی خاص فصل میں پیش کیا گیا ہے (۹۳-۱۹۰-۱۹۱)۔ یوم نبوت دوشنبہ کا ذکر اس سے اگلی فصل کا مبحث ہے (۴-۱۹۳) اور آپ پر غار حراء میں نزول وحی کا مبحث اس سے اگلی فصل کا ہے (۵-۱۹۴)۔ سورۂ اقراء کی اولین تنزیل، فترۂ وحی، ندائے جبریل کا پھر ذکر ہے (۷-۱۹۶) اور ایک خاص فصل شدتِ وحی کے لئے ہے (۹-۱۹۷) دعوت و تبلیغ اسلام اگلی فصل کا مبحث ہے جو دونوں ادوار-خفیہ اور علانیہ-کو مشتمل ہے (۲۰۱-۱۹۹)۔ اس سے اگلی بحث آپ کے معاملہ میں ابو طالب سے قریش کی شکایت و سفارت سے متعلق ہے (۲۰۳-۲۰۱)۔ جب کہ اگلی فصل اولین ہجرت حبشہ اور اس کے مہاجرین کے لئے خاص ہے (۴-۲۰۳) اور اگلی بعض مہاجرین حبشہ کے واپس آنے کے سبب کے بارے میں ہے (۶-۲۰۵) اور اگلی فصل حبشہ کی دوسری ہجرت کے بارے میں ہے (۸-۲۰۷)۔ شعب بنی ہاشم میں آپ کی معہ آپ کے خاندان اور مسلمانوں

کی محصوری کا واقعہ آئندہ فصل کا موضوع ہے (۱۰-۲۰۸) اور اس سے اگلی بحث سفر طائف کے سبب سے متعلق ہے (۱۲-۲۱۰)۔ آدھے صفحہ کی مختصر فصل معراج اور فرض نمازوں کے لئے خاص کی ہے (۲۱۳) جب کہ بیت المقدس کے اسراء کے لئے اگلی خاص فصل خاصی طویل باندھی ہے (۶-۲۱۴)۔ مواسم حج میں قبائل عرب کو دعوت دینے کی فصل بھی خاصی مختصر ہے (۷-۲۱۶)۔ اس کے بعد فصلوں میں اوس وخزرج کو اسلام کی دعوت (۹-۲۱۷)، بیعت عقبہ اولیٰ (۲۰-۲۱۹)، بیعت عقبہ آخر ہے (۳-۲۲۱)، نبوت اور ہجرت کے دوران مکہ کے قیام نبوی (۵-۲۲۴) کا ذکر ہے۔

ہجرت مدینہ کی آپ کے لئے اذن الٰہی کی فصل (۶-۲۲۵) کے بعد آپ کے سفرِ ہجرت کا بیان ہے اس میں غارِ ثور کے قیام، قریش کے تعاقب، سفر کی منازل، ام معبد کے بیان، مدینہ میں مہاجرین کی آمد کے بعد آپ کی آمد، قیام قباء، حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں آپ کا قیام، اولاد واہل خاندان کی مکہ سے مدینہ لانے کے لئے انتظامات وغیرہ کا بیان ہے۔ (۳۸-۲۲۷)۔ مواخاۃ کا ذکر خیر اگلی مختصر فصل میں کیا گیا ہے جو بدر سے قبل نوے مہاجرین وانصار میں اول اول کی گئی تھی (۹-۲۳۸) پھر الگ فصل میں مدنی مسجد نبوی کی تعمیر کا بیان ہے (۴۱-۲۳۹)۔ تحویل قبلہ کا بیان اگلی فصل کا موضوع ہے (۴۴-۲۴۱) جب کہ اگلی فصل میں اس مسجد کا بیان ہے جس کو قرآن مجید نے تقویٰ پر مبنی قرار دیا ہے۔ تمام روایات اس کو مسجد قباء بتاتی ہیں (۶-۲۴۴)۔ اذان کی ابتداء کے لئے ایک خاص فصل باندھی گئی ہے (۸-۲۴۶) جس میں پہلے منادی کا ذکر ہے اور حضرات عبداللہ بن زید خزرجی اور عمر بن خطاب کی روایات مذکور ہیں۔ ایک الگ فصل میں روزۂ رمضان، فطرہ اور عیدین کی نمازوں کی فرضیت اور قربانی کی سنت کا ذکر ہے (۹-۲۴۸) جب کہ اگلی فصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تفصیلات کے ضمن میں مسجد نبوی کے مبارک مقامات جیسے روضہ جنت وغیرہ کے لئے مخصوص ہے (۵۴-۲۵۰)۔ اس سے اگلی فصل میں صفہ اور اصحابِ صفہ کا ذکر ہے (۶-۲۵۵) اور اس سے اگلی جنازوں کے مقام کے لئے مخصوص ہے (۲۵۷)۔

ابن سعد نے اس کے بعد موضوعاتی بحثوں پر توجہ دی ہے اور سیرت نبوی کے واقعات کی زمانی ترتیب کو قائم نہیں رکھا ہے جس طرح اب تک رکھا تھا چنانچہ اگلی فصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفراء کرام اور آپ کے فرامین سامی کے لئے مخصوص ہے جو آپ نے قرب وجوار کے ملکوں کے بادشاہوں اور

عرب حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے تھے۔ ان میں مشہور چھ سفراء کرام عمرو بن امیہ ضمری (نجاشی)، دحیہ بن خلیفہ کلبی (قیصر روم)، عبداللہ بن حذافہ سہمی (کسرائے ایران)، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی (مقوقس مصر)، شجاع بن وہب اسدی (حارث غسانی)، سلیط بن عمرو عامری (ہوذہ حنفی) کے علاوہ دوسرے سفراء کرام جیسے حضرات عمرو بن عاص سہمی، علاء بن الحضرمی کے ذکر کے ساتھ آپ کے فرامین ومکتوبات کے انداز اور متون کا بھی واضح ومفصل بیان ہے (۹۱-۲۵۸)۔ غالباً اپنے موضوع پر ایک جگہ اتنی مفصل بحث اور کہیں نہیں ملتی۔

اسی طرح ابن سعد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دینے والے عرب وفود کی بحث بھی سب سے زیادہ مفصل اور جامع ہے اور ان کا ذکر قبیلہ وار اور کافی حد تک زمانی ترتیب کے مطابق کیا ہے چنانچہ مزینہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، رؤاس بن کلاب، عقیل بن کعب، جعدہ، قشیر بن کعب، بنوالبکاء، کنانہ، بنوعبد بن عدی، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف، وفود ربیعہ (جیسے عبدالقیس، بکر بن وائل، تغلب، حنیفہ، شیبان)، وفادات اہل یمن جیسے وفد طے، تجیب، خولان، جعفی، صداء، مراد، زبید، کندہ، صدف، خشین، سعد ہذیم، بلی، بہراء، عذرہ، سلامان، جہینہ، کلب، جرم، ازد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، سعد العشیرہ، عنس، داری حضرات مذحج کے رہاوی خاندان، غامد، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعری خاندان، حضرموت، ازد عمان، غافق، بارق، دوس، ثمالہ وحدان، اسلم، جذام، مہرہ، حمیر، نجران، جیشان اور السباع کا الگ الگ ذکر ہے (۲۹۱-۳۵۹)۔

ابن سعد کی سیرت نبوی کی اگلی بحثیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف، معمولات، اسباب، وغیرہ سے متعلق ہیں۔ چنانچہ وفود عرب کے بعد جو فصل آئی ہے وہ تورات وانجیل میں مذکور آپ کی صفت وبیان کے لئے مخصوص ہے (۳۶۰-۳)۔ اگلی فصل آپ کے اخلاق عالی کے لئے (۳۶۴-۷۳)، اس سے اگلی آپ کی جنسی قوت کے لئے (۳۷۴)۔ اس سے متصل آپ کی اپنی ذات سے انتقام واحتساب کے لئے جس میں شیخین کے احتساب وانتقام کا ذکر ہے (۳۷۴-۵)، چھ سطری فصل آپ کے واضح کلام کے لئے (۳۷۵)، پھر آپ کی حسن قراءت، حسن ادا اور خوش آوازی کے لئے (۳۷۵-۶)، اگلی آپ کے خطبہ کے زور وشدت کے لئے (۳۷۶-۷) مخصوص ہے۔ اس

سے اگلی فصل میں آپ کے حسن سیرت اور حسن صورت کا خاص ذکر ہے (۹-۳۷۷)، پھر آپ کی چال کے لئے (۸۰-۳۷۹)، آپ کے کھانے کی صفت و بیان کے لئے (۱-۳۸۰)، آپ کے محاسن اخلاق جیسے بچوں کو سلام کرنے، مصافحہ کرنے، بول و براز کے آداب کے لئے (۴-۳۸۲) کے لئے خاص ہے۔ ایک خاص بحث آپ کی نماز کی کیفیات، نماز کی مداومت اور کھانے پینے وغیرہ کے آداب کے لئے خاص ہے (۸-۳۸۴)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدیہ قبول کرنے اور صدقہ سے احتراز کرنے کے معمول کے لئے ایک خاص فصل باندھی ہے (۹۱-۳۸۸)۔ اس سے اگلی آپ کی پسندیدہ غذاؤں اور کھانوں کے لئے ہے (۴-۳۹۱) جب کہ اس سے اگلی فصل میں ان کھانوں کا ذکر ہے جو جائز تو تھے مگر آپ ان سے احتراز فرماتے تھے (۷-۳۹۴)۔ اگلی فصل میں خوشبو اور عورتوں کی پسندیدگی کے لئے خاص ہے (۴۰۰-۳۹۸) جب کہ اگلی فصل میں آپ کی عسرت بھری زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آپ تمام نعمتوں کے حصول کے باوجود فاقہ وعسرت پسند فرماتے تھے (۱۰-۴۰۰)۔

اگلی فصل میں آپ کی جسمانی ساخت اور حلیہ شریف بیان کیا گیا ہے اور یہ خاصی مفصل ہے (۲۵-۴۱۰)۔ اسی میں آپ کے حسن اخلاق کی روایات وواقعات بھی مذکور ہیں۔ پھر آپ کی اس خاتمِ نبوت کا بیان ہے جو آپ کے مبارک شانوں کے درمیان تھی (۷-۴۲۵)۔ پھر آپ کے گیسو اور بال کے لئے (۳۱-۴۲۷)۔ آپ کے بڑھاپے، بال کی سفیدی اور خضاب کے استعمال کے لئے (۶-۴۳۱)۔ آپ کے خضاب لگانے کے قائلین کی روایات کے لئے (۸-۴۳۷)، خضاب خاص کر کالے خضاب کی کراہت پر آپ کے ارشادات کے لئے (۴۲-۴۳۹)، آپ کی طہارت کے لئے (۳-۴۴۲)، آپ کے فصد لگوانے کے لئے (۸-۴۴۳)، مونچھیں کتروانے کے لئے خاص ہے (۴۴۵)۔ ایک فصل میں آپ کے لباس کا ذکر ہے اور ان روایات و احادیث کا بیان بھی ہے جو سفید لباس کو مسنون بتاتی ہیں (۵۶-۴۴۹)۔ اسی سے متعلق آپ کے سندس وحریر کے استعمال اور پھر ترک کے لئے فصل باندھی ہے (۷-۴۵۶)۔ اگلی فصل میں آپ کے لباس کی اصناف اور ان کے طول وعرض کا ذکر ہے (۹-۴۵۸)۔ پھر ایک خاص فصل آپ کے ازار کے بیان میں ہے (۴۵۹)۔ لباس میں آپ کی قناعت اور پہننے کے وقت دعا کے لئے ہے (۶۱-۴۶۰)۔ ایک لباس میں آپ کے نماز پڑھنے

اوراس کو پہننے کا ذکر پھر دوسری فصل میں ہے (۴۰-۴۶۲)۔

معمولات نبوی میں ایک فصل خاص آپ کے استراحت وخواب اور فرش کے بیان کے لئے باندھی ہے (۸-۴۶۴)۔اس کے بعد اپنی بعض ازواج کی اوڑھنی پر آپ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے (۹-۴۶۸)۔اگلی فصل میں ذکر ہے آپ کی طلائی انگوٹھی کا (۱-۴۷۰)، پھر آپ کی چاندی کی انگوٹھی کا (۳-۴۷۱) اوراسی کا مزید ذکر ہے ملمع کی ہوئی انگوٹھی کے بیان میں (۴-۴۷۳) جب کہ نقش خاتم کے بارے میں اگلی بحث ہے (۴-۴۷۴)، پھر خلفاء اسلام کے پاس آپ کے خاتم کی منتقلی اور خلیفہ سوئم کے ہاتھ سے اس کی گمشدگی کا بیان ہے (۸-۴۷۶)۔اسی میں آپ کے انگوٹھی پہننے، بحفاظت رکھنے وغیرہ کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں۔آپ کے نعلین شریفین کے لئے ایک فصل خاص کی گئی ہے (۴۷۸-۸۲)، پھر آپ کے موزوں کے لئے (۴۸۲)، جب کہ اگلی فصل میں آپ کی سنت مسواک کا ذکر ہے (۴۸۳)۔اس کے بعد آپ کے کنگھی کرنے، سرمہ لگانے اور آپ کے شیشے اور پیالے کا بیان ہے (۴۸۴-۵)۔آپ کی تلواروں (۴۸۵-۷)، زرہوں (۴۸۷-۸)، تیر وکمان، نیزوں (۴۸۹) کی فصلوں کے بعد آپ کے مویشیوں جیسے گھوڑوں، خچروں وغیرہ (۴۸۹-۹۲)، آپ کے اونٹوں (۴۹۲-۳)، دودھاری اونٹنیوں (۴۹۴-۵)، مویشیوں میں آپ کو ملنے والوں تحفوں (۴۹۵-۶)، جن میں آپ کے عطایا اور ہدایا بھی شامل تھے، کی وہ کل فصول ہیں۔

آپ کے خدام وموالی کے لئے ایک خاص فصل باندھی گئی ہے (۴۹۷-۸)، پھر آپ کے مکانات اور ازواج مطہرات کے حجروں پر ایک فصل ہے (۴۹۹-۵۰۰)، اور اگلی فصل میں آپ کو ملنے والی آراضی اور زمینوں (صدقات) کا ذکر ہے اوران میں حضرت مخیریق کے باغات، اور بنوالنضیر اور خیبر کا ذکر خاص ہے (۵۰۱-۳) پھر ان کنوؤں کا ذکر ہے جن کا پانی آپ نے استعمال فرمایا (۵۰۳-۶) اور یہی جلد اول کی آخری فصل ہے۔اس کے بعد مرتب کی مرتبہ جلد اول کے مضامین کی فہرست ہے (۵۰۷-۱۱)۔

سیرت ابن سعد کی جلد دوم کا آغاز سرایا وغزوات نبوی کے بیان سے ہوتا ہے۔اس میں ابن سعد نے تین اہم ترین ائمہ سیرت — واقدی، ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ — کی اسناد ومرویات کی بنیاد پر پہلے آپ کے غزوات کی تعداد ستائیس بتائی ہے پھر سینتالیس سرایا کا ذکر کیا ہے اوران غزوات کی تعداد

جن میں قتال ہوا، صرف نو بتائی ہے اور ان کے نام گنا کران کو متفق علیہ قرار دیا ہے۔ پھر کچھ اور روایات متعلقہ دے کر ہجرت نبوی سے آغاز کلام کیا ہے اور ہجرت کے ساتویں ماہ سریۂ حمزہ کو اولین قرار دے اسی کی بعض تفاصیل دی ہیں۔ یہ بیان زیادہ تر واقدی کے مماثل ہے۔

''سریہ عبیدہ بن الحارث'' سے عنوان بعنوان تمام سرایا وغزوات کا زمانی ترتیب سے بلا سند ذکر کیا ہے، تینوں متعلقہ امامانِ سیرت ومغازی کے ہاں اگر کوئی اختلافی یا اضافی روایات ہوتی ہے تو اس کا بالعموم آخر میں ذکر آیا ہے جیسے سریۂ عبیدہ بن الحارث کے آخر میں ایک روایت ابن اسحاق کا مختصر ذکر ہے۔ اس کے بعد سریۂ سعد کا ذکر ہے۔ غزوۃ الابواء کے آخر میں ابن سعد نے اپنی اضافی روایت دی ہے۔ اس کے بعد ترتیب سے تین غزوات بواط، کرز فہری (سفوان) ذوالعشیرہ، اور سریہ عبداللہ بن جحش کا مختصر ذکر کر کے غزوۂ بدر کا کافی مفصل ذکر کیا ہے (۲۷-۱۱) جس کے اواخر میں اپنی اسناد سے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں سے متعدد دوسرے مغازی نگاروں کے ہاں بھی کسی نہ کسی شکل میں پائی جاتی ہیں۔ یہ اضافی یا انفرادی روایات غزوۂ بدر کی اصل روایت واقعہ کے بعد آتی ہیں۔

غزوۂ بدر کے بعد دو سرایا - سریۂ عمیر بن عدی اور سریہ سالم بن عمیر - کا مختصر بیان ہے اور پھر غزوۂ بنی قینقاع نسبتاً مفصل مذکور ہے (۳۰-۲۸)۔ اس کے بعد ترتیب سے ان مہمات نبوی کا مختصر یا مفصل بیان ہے: غزوۂ سویق، غزوہ قرقرۃ الکدر، سریہ قتل کعب بن الاشرف (۴-۳۱)، غزوہ غطفان، غزوہ بنی سلیم، سریہ زید بن حارثہ (قردہ)، غزوۂ احد (۴۸-۳۶) غزوۂ حمراء الاسد، سریہ ابوسلمہ مخزومی (قطن)، سریہ عبداللہ بن انیس (عرنہ)، سریہ المنذر بن عمرو (بئر معونہ)، سریہ مرثد بن ابی مرثد (رجیع)، غزوہ بنی النضیر، غزوہ بدر الموعد، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ المریسیع، غزوۃ الخندق (۴۷-۶۵) غزوہ بنی قریظہ، سریہ قرطاء، غزوہ بنی لحیان، غزوہ غابہ، سریہ غمر، سریہ ذی القصہ، سریہ ابوعبیدہ (ذوالقصہ)، سریہ جموم، سریہ عیص، سریہ الطرف، سریہ حسمیٰ، سریہ وادی القریٰ، سریہ دومۃ الجندل، سریہ علی (فدک)، سریہ ام قرفہ، سریہ عبداللہ بن عتیک (قتل ابی رافع)، سریہ عبداللہ بن رواحہ (قتل اسیر بن رازم)، سریہ کرز فہری (عرینہ)، سریہ عمرو بن امیہ ضمری (ابوسفیان)، غزوہ حدیبیہ (۱۰۵-۹۵)، غزوۂ خیبر (۱۷-۱۰۶)، سریہ عمر (تربہ)، سریہ ابی بکر (نجد)، سریۂ فدک، سریہ میفعہ، سریہ یمن وجبار، عمرۃ القضیۃ، سریہ ابن ابی العوجاء (بنوسلیم)، سریہ کدید، سریہ بشیر (فدک)، سریہ

السی، سریہ ذات اطلاح، سریۂ موتہ، سریۂ ذات السلاسل، سریہ الخبط، سریہ خضرہ، سریہ بطن اضم، غزوہ عام الفتح / مکہ (۴۵-۱۳۴)، سریہ غذیٰ، سریہ سواع، سریہ مناۃ، سریۂ بنی جذیمہ، غزوہ حنین (۵۷-۱۴۹)، سریہ ذی الکفین، غزوۂ طائف، سریہ بنی تمیم، سریہ خثعم، سریۂ بنی کلاب، سریۂ حبشہ، سریۂ فلس، سریۂ جناب، غزوۂ تبوک (۸-۱۶۵)، حج ابی بکر صدیق، سریہ عبد المدان، سریہ علی یمن (دوبار)، عمرہ نبوی (الجعرانہ)، حجۃ الوداع (۸۹-۱۷۲)، سریہ اسامہ بن زید (اہل ابنی)۔ یہ سرایا و مغازی کی پوری تفصیل ہے جو صفحہ ۱۹۲ تک وسیع ہے۔

''ذکر ما قرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اجلہ'' کے عنوان سے آپ کی وفات کے قریب آنے کا اشارہ دینے والی آیات قرآنی، احادیث نبوی اور روایاتِ سیرت کے ساتھ آپ کی بیشتر دعاؤں کا ذکر کیا ہے (۴-۱۹۲)، پھر حضرت جبریل پر آپ کے قرآن پیش کرنے اور سالِ وفات میں دوبار عرض معارضہ کرنے کا ذکر ہے۔ آپ کی وفات پر ایک فصل ہے جس میں ان دونوں سنتوں کا ذکر خیر ہے (۶-۱۹۴)، اگلی فصل میں ان لوگوں کا بیان و روایت پیش کی ہے جن کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود نے سحر کر دیا تھا (۹-۱۹۶)، پھر آپ کو یہودیوں کے زہر دینے کی روایات ہیں جن میں غزوہ خیبر کے دوران ایک یہودی عورت کے زہر آلود گوشت کھلانے کی روایت بھی ہے اور متعدد دوسری روایات بھی ہیں (۳-۲۰۰)، اس کے بعد ایک الگ فصل میں بیان کیا ہے کہ وفات کے قریب آپ نے بقیع کی زیارت کر کے اصحاب قبور اور دوسرے شہداء کے لئے استغفار کیا تھا (۵-۲۰۳)۔ اس کے بعد آپ کی بیماری کی ابتداء اور مرض الموت کے بارے میں روایات ہیں (۶-۲۰۵)، پھر شدت مرض پر ایک فصل ہے (۱۰-۲۰۶)، ایک اور فصل میں آپ کے استعاذہ کی دعاؤں کا ذکر ہے (۱۴-۲۱۰)، اسی میں حضرت جبریل کی تعوذ کی دعائیں بھی ہیں، مرض الموت میں آپ کے نماز پڑھانے کی فصل کے بعد حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے بارے میں کافی مفصل بحث ہے (۲۴-۲۱۵)۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر کے فضائل و مناقب پر آپ کے ارشادات عالی کا بیان ہے (۶-۲۲۴) اور اسی سے متصل ایک فصل میں یہ بیان ہے کہ مرض الوفاۃ میں آپ نے مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازوں اور روشندانوں کو بند کروا دیا تھا اور صرف حضرت ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا تھا۔ (۸-۲۲۷)۔ پھر حیات فانی اور لقائے الٰہی کے درمیان آپ کو اختیار دینے کے حکم الٰہی کا ذکر خاص

ہے (۳۱-۲۲۹)۔ایک مختصر فصل میں ازواج مطہرات کے مکانات میں آپ کے تقسیم اوقات کا بیان ہے اور اس سے متصل فصل میں ذکر ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ کے گھر میں ایام مرض گذارنے کی اجازت اپنی ازواج سے لی تھی (۲-۲۳۱)۔ بعد کی چند فصول میں آپ کی بعض سنتوں اور سیرت کے واقعات کا ذکر آتا ہے جیسے مرض الموت میں مسواک کرنے کی سنت (۴-۲۳۳)، آپ کی بیہوشی کے دوران آپ کو (لدود) کرنے کا واقعہ (۷-۲۳۵)، بچے ہوئے دیناروں کی تقسیم (۸-۲۳۷)، حبشہ کے ایک کنیسہ (گرجا) کے ذکر پر آپ کا ردعمل اور یہود و نصاریٰ پر لعنت (۴۲-۲۳۹)، کتاب/صحیفہ لکھنے کا ارادہ اور اختلاف صحابہ کے نتیجہ میں اس کی منسوخی (۵-۲۴۲)، خلافت نبوی کی وصیت کرانے کے لئے حضرت علی کو حضرت عباس کا مشورہ اور انکار کہ ممانعت نبوی کی صورت میں پھر کبھی نہ ملے گی (۷-۲۴۵)، حضرت فاطمہ کو وفات کی بشارت اور اپنی وفات کی اطلاع (۸-۲۴۷)، حضرت اسامہ کی امارت پر لوگوں کی طعن و تشنیع پر آپ کا خطبہ اور حضرت اسامہ کی منقبت و تعریف (۵۰-۲۴۸)، انصار کی تعریف اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت (۵۳-۲۵۰)، مرض الوفاۃ کے دوسری وصایائے نبوی جیسے نماز کی مداومت اور عورتوں (باندیوں) کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ (۷-۲۵۳)۔اس میں حضرت عباس حضرت صفیہ کو خاص وصیتوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی وصیتیں اور نصیحتیں موجود ہیں، آپ پر موت کے نزول کی کیفیت (۸-۲۵۷) اور وفات نبوی (۶۰-۲۵۸)، کسی کے حق میں خلافت کی وصیت نہ کرنے کی روایات، اور وقت وفات حضرت عائشہ کے موت میں استراحت (۲-۲۶۰)، ان لوگوں کی روایات جو کہتے ہیں کہ وقت وفات آپ کا سر حضرت علی کی گود میں تھا (۴-۲۶۲)-آپ کی تکفین اور اس کا کپڑا (۲۶۴)-وفات کے بعد پیشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابوبکر کا بوسہ (۶-۲۶۴)، آپ کی وفات کے وقوع کے بارے لوگوں کے شکوک بالخصوص حضرت عمر کا خطبہ (۷۲-۲۶۶) -اسی میں بعض واقعات اور حضرت ابوبکر کا مشہور خطبہ بھی بیان ہوا ہے۔آپ کی بیماری کی مدت اور تاریخ و یوم وفات (۴-۲۷۲) وفات نبوی پر لوگوں کی تعزیت اور غمگساری (۵-۲۷۴)، غسل کے وقت آپ کی قمیص کا ذکر (۷-۲۷۵)، آپ کے غسل کی کیفیت اور غسل دینے والوں کے اسماء گرامی (۸۱-۲۷۷)، تین کپڑوں میں آپ کی تکفین کے قائلین کی روایات (۴-۲۸۱)-تین کپڑوں میں سے ایک کے حبرہ ہونے کے بارے میں رویات (۵-۲۸۴)،

تکفین میں تین چادروں اور قمیص وحلہ میں تکفین کی مختلف روایات (۷-۲۸۵)، آپ کو حنوط لگانے کا ذکر ہے (۲۸۸)، آپ کی نماز جنازہ کے بارے میں متعدد روایات (۹۲-۲۸۸)، قبر نبوی کا مقام اور روایات (۴-۲۹۲)، قبر نبوی کے کھودنے کے واقعات اور لحدی قبر تیار کرنے کی روایت (۹-۲۹۴)، آپ کی قبر مبارک میں چادر وغیرہ بچھانے کی روایت اور مختلف قسم کے لباسوں کا ذکر (۳۰۰-۲۹۹)، آپ کی قبر میں اترنے والوں کے اسماء (۲-۳۰۰)، قبر نبوی سے سب سے آخر میں نکلنے والے صحابی حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں روایات (۴-۳۰۲)، آپ کی تدفین کے واقعات اور تاریخ ویوم (۵-۳۰۴)، قبر نبوی پر پانی چھڑکنے کی روایت (۳۰۶)، قبر نبوی اور قبور شیخین کی بناوٹ کی کیفیت (۷-۳۰۶)، بوقت وفات آپ کے سن شریف کے بارے میں روایات مختلفہ (۱۰-۳۰۸)، اسی میں مکہ اور مدینہ کے قیام نبوی کی مدتوں کا بھی ذکر ہے۔ ہجرت اور وفات کے دوران قیام مدینہ کی مدت (۱۱-۳۱۰)، وفات نبوی پر آپ کے صحابہ اور اعزہ کا ماتم اور غم (۱۴-۳۱۱)، میراث وترکۂ نبوی (۷-۳۱۴)، اس میں حضرت فاطمہ کے فدک وغیرہ آراضی پر دعوے اور حضرت ابوبکر کے انکار کا ذکر ہے کہ ترکۂ رسول صدقہ ہوتا ہے۔ آپ پر واجب قرض اور آپ کے وعدوں کی تکمیل میں مال کی ادائیگی کرنے کے بارے میں حضرت ابوبکر کے اقدامات (۹-۳۱۷)- آپ کے مراثی جیسے ابوبکر، عبداللہ بن انیس، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، اروی بنت عبدالمطلب، عاتکہ بن عبدالمطلب، صفیہ بنت عبدالمطلب، ہند بنت الحارث بن عبدالمطلب، ہند بنت اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب، عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل، ام ایمن کے مراثی جن میں زیادہ حضرت حسان اور حضرت صفیہ کے ہیں (۳۳-۳۱۹) اسی کو ابن سعد نے ''آخر خبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' قرار دیا ہے۔

اگلی بحث کا تعلق براہ راست ذات نبوی سے نہیں ہے۔ تاہم وہ عہد نبوی کا ایک اہم باب ہے۔ اس میں ان صحابہ کرام کا ذکر خیر کیا گیا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں فتاویٰ دیتے تھے۔ اور جن کو آپ نے خود مقرر کر کے امام ومقتدا قرار دیا تھا۔ ان میں حضرت ابوبکر، عمر، عمار، عبداللہ بن مسعود، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف کا ذکر خاص ہے اور شیخین خاص کر حضرت عمر کے مناقب وقضایا کا زیادہ حوالہ ہے (۷-۳۳۴)، پھر حضرت علی پر الگ فصل قائم کر کے ان کے قضایا اور فتاویٰ کا ذکر کیا ہے جو عہد نبوی سے عہد مرتضوی تک وسیع ہیں (۴۰-۳۳۷)، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے مختصر

چار سطری ذکر کے بعد حضرت ابی بن کعب کا کچھ مفصل بیان ہے (۴۱-۳۴۰)، حضرت عبداللہ بن مسعود کے مناقب وفضائل اور فتاویٰ اور علوم کا مفصل بیان ہے (۴-۳۴۲) جس کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری کے حسن قراءت اور علمیت کے بارے میں روایات ہیں (۵-۳۴۴)، ''مشائخ شتیٰ'' کی ایک خاص فصل میں حضرات ابن مسعود، عمار، حذیفہ، ابوذر سلمان، ابودرداء، عویمر وغیرہ کے علوم خاص اور علمی مقامات کا مختصر ذکر ہے (۳۴۶) پھر حضرت معاذ بن جبل پر خاص فصل باندھ کر ان کے علوم وفتاویٰ اور مناقب کا ذکر کیا ہے (۵۰-۳۴۷)۔

صحابہ کرام میں اہل علم وصاحب فتاویٰ حضرت کے لئے ایک الگ فصل قائم کر کے خلفاء اربعہ کے علاوہ ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابن مسعود، ابوموسیٰ اشعری کے علاوہ عبادہ بن صامت، عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد (ابن ابی سفیان) کا ذکر کیا ہے۔ جب کہ معلمین قرآن میں ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ کا خاص ذکر کیا ہے (۲-۳۵۰) پھر عبداللہ بن سلام اور ابوذر کے لئے الگ الگ فصلیں قائم کی ہیں (۴-۳۵۲)۔

عہد نبوی میں قرآن کریم جمع کرنے والوں پر ایک فصل قائم کر کے چھ صحابہ کرام: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، زید بن ثابت، سعد، ابوزید کے بارے میں متعدد روایات بیان کی ہیں اور ان کے بارے میں مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے پھر حضرت زید بن ثابت (۶۲-۳۵۸)، حضرت ابوہریرہ (۴-۳۶۲)، حضرت ابن عباس (۷۲-۳۶۵)، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو (۳۷۳) کے لئے خاص فصلیں قائم کر کے ان کے مخصوص علوم اور تبحر علمی کا ذکر کیا ہے۔ بلاعنوان مگر علیحدہ باب کے تحت حضرات عمران بن الحصین، عبادہ بن صامت، شداد بن اوس، اور ابوسعید خدری کی مہارت حدیث وفقہ کے بارے میں روایات لائی گئی ہیں۔ پھر حضرت عائشہؓ کی علمیت پر خاص فصل ہے (۸-۳۷۴)۔ جلد دوم کی آخری فصل ان مفتیان مدینہ منورہ کے ذکر کے لئے خاص ہے جو عہد نبوی اور صحابہ کرام کے بعد فتاویٰ دیتے تھے اور جو مہاجرین وانصار وغیرہ کی اولاد تھے جیسے سعید بن المسیب، سلیمان بن یسار، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، عروہ بن الزبیر اور ابن شہاب الزہری (۸۹-۳۷۹)۔ اور اسی پر جلد دوم ختم ہوتی ہے۔

طبقات ابن سعد کے بارے میں آخر میں ایک ضروری وضاحت یہ رہ جاتی ہے کہ ''مراثی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' دراصل سیرت نبوی کا باب آخر میں ہے کہ اسی کے ساتھ تکنیکی اور عملی لحاظ سے سیرت کے مباحث اختتام کو پہنچتے ہیں اور بعد کے تمام ابواب جلد دوم اور فصول سیرت وعہد نبوی کے مختلف گوشوں سے متعلق ہونے کے باوجود غیر متعلق ہیں اور وہ دراصل طبقات کے ابواب ومباحث ہیں نہ کہ سیرت کے۔ دراصل ان سے ابن سعد کی طبقات کا اصل حصہ شروع ہوتا ہے۔

علامہ خلیفہ بن خیاط عصفری

(م ۲۴۰ھ/۸۵۴ء)

دوسری تیسری/آٹھویں نویں صدی اسلامی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کے زریں ارتقا اور سنہری دور کی صدی تھی۔ اموی خلافت نے اپنے عظیم ترین پیشرووں سے جو علمی اور تہذیبی میراث پائی تھی اس میں چند در چند اضافہ کر کے اپنے جانشینوں کے سپرد کر دیا اور قابل ولائق جانشینوں نے اس میں نہ صرف متعدد بہ اضافے اور گراں قدر عطیے دئے بلکہ ان کو اوج ثریا پر پہونچا دیا۔ یہ اسلامی تاریخ بالخصوص سیرت نبوی کے عظیم الشان اور لاثانی ارتقاء کا زمانہ تھا جب عبقری شخصیات نے اس فن کو انتہائی عروج و کاملیت بخش دی تھی اور بعد میں آنے والے اہل علم وتاریخ وسیرت نے اسی پر انحصار کیا۔

نام ونسب

خلیفہ بن خیاط تیسری/نوی صدی کے عظیم ترین مورخوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ عظیم ترین مورخ طبری سے بزرگ تر اور ان کے پیشرو معاصر تھے۔ ان کا علمی خانوادہ تھا جو بصرہ میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا تھا۔ فن حدیث میں بالخصوص اس کی عظمت مسلم تھی، خلیفہ کا پورا نام ونسب یہ ہے۔ ابو عمر وخلیفہ بن خیاط بن ابی ہبیرہ خلیفہ بن خیاط اللیثی العصفری۔ وہ قبیلہ لیث کے فرد ہونے کے سبب لیثی تھے۔ عصفری ان کے طبقہ اہل حرفہ سے متعلق ہونے کی وجہ سے نسبت ہوتی تھی۔ عصفر دراصل کپڑوں کو رنگنے کا ایک مادہ ہوتا ہے جو لال رنگ میں ان کو رنگ دیتا ہے۔ ان کا لقب ''شباب'' تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ نہیں معلوم ہو سکی غالباً وہ ان کا قلمی نام تھا یا تخلص یا عرفیت۔ عصفر کے بارے میں خطیب بغدادی

صاحب تاریخ بغداد کا بیان ہے کہ اس نام سے عرب کا ایک خاندان بھی موسوم ہے۔ ہمارے مولف کے ہم نام دادا خلیفہ بن خیاط ابو ہبیرہ بصرہ کے اہل حدیث اور علماء وسنت میں سے تھے کہ انہوں نے عمرو بن شعیب اور حمید الطویل سے حدیث کی سماعت کی تھی، ان سے حدیث کی سماعت وروایت کرنے والوں میں بڑے بڑے محدثین کرام شامل ہیں جیسے عمرو بن منصور، وکیع بن جراح، اور ابو الولید الطیالسی وغیرہ۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ امام مسلم نے بھی ان سے حدیث بیان کی ہے۔ ان سے مراد امام بخاری کے ایک شیخ مسلم بن ابراہیم الفراحیدی البصری (م۲۲۲ھ/ ۸۳۷ء) ہیں، صحیح مسلم کے مؤلف امام مسلم بن حجاج قشیری نہیں۔ امام رجال ونقدِ حدیث یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق وتصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ خلیفہ بن خیاط ثقہ ہیں۔" مورخ خلیفہ نے اپنے دادا کے بارے میں کہا ہے (اپنی کتاب الطبقات میں) کہ ان کا انتقال ۱۶۰ھ/ ۷۷۷ میں ہوا۔ ان کی کنیت ابو ہبیرہ تھی اور وہ میرے دادا تھے ان کا اور امام شعبہ کا انتقال ایک ماہ میں ہوا۔ ان کے بیان کی تصدیق امام ابن حبان نے اپنی کتاب "مشاہیر علماء الامصار" میں کی ہے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

ان کے والد ماجد بھی حدیث کے رواۃ میں شمار ہوتے ہیں اور ان سے خلیفہ نے خود بھی روایت لی ہے۔ امام بخاری کی تاریخ کبیر اور ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل میں اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرزند گرامی کے علاوہ بعض دوسرے اہل علم نے بھی ان سے حدیث کی سماعت کی ہوگی۔

ہمارے مورخ خلیفہ بن خیاط نے ایسے آباء واجداد کے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی اور تربیت وتعلیم پائی۔ امام ذہبی کے مطابق خلیفہ بن خیاط نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی اس لحاظ سے ان کی ولادت کا سال ۱۶۰ھ بنتا ہے جب ان کے دادا نے وفات پائی تھی، ظاہر ہے کہ ان کی اپنے دادا سے سماعت نہیں ہوسکتی لیکن دوسرے بزرگوں سے سماعت کی تھی کہ بصرہ علمی وتہذیبی شہر تھا جو اس دور ہی میں نہیں ہر زمانے میں ایک علمی مرکز رہا اور جہاں مختلف علوم وفنون کے عظیم اساتذہ وشیوخ ہمیشہ موجود رہے۔ انہوں نے حدیث کے علاوہ علوم القرآن اور انساب واخبار وتاریخ کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

اساتذہ وشیوخ

ان کے اساتذہ کی فہرست خاصی طویل ہے جن میں بہت سے سرکردہ محدثین کرام بھی شامل ہیں جیسے: یزید بن زریع، غندر، ابوعبیدہ بصری (اسمٰعیل بن سنان)، ارطاۃ بن الحسین البنانی، بکار بن عبداللہ البصری، شعیب بن حیان، معاذ بن بانی البصری، عون بن کہمس البصری، بکر بن سلیمان البصری الاسواری، انیس بن سوار الجرمی، مرزوق بن میمون الناجی، دوست بن حمزہ البصری، بشر بن المفضل، جعفر بن سلیمان، معتمر بن سلیمان، سفیان بن عیینہ، ابوداؤد طیالسی، عمر بن علی بن عطاء، ابو حفص المقدمی البصری، عبدالرحمٰن ابن الہدی، کہمس بن المنہال اور اسمٰعیل بن امیہ وغیرہ۔

تلامذہ ورواۃ

خلیفہ بن خیاط کی ثقاہت، علمیت اور فضلیت کا ایک نا قابل تردید ثبوت یہ ہے کہ ان سے بعض اہم ترین اور جلیل القدر محدثین کرام نے روایت کی ہے۔ ان میں امام بخاری بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنی جامع صحیح اور تاریخ کبیر دونوں میں ان سے حدیث نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد بن حنبل کے فرزند گرامی امام عبداللہ اور امام ابویعلی موصلی بھی ان کے شاگرد ہیں امام ذہبی کا تبصرہ ہے کہ مسند ابی یعلی موصلی سے ان کی جو حدیث ہم تک پہونچتی ہے اس کی سند عالی ہوتی ہے۔ ان کے دوسرے راویوں اور شاگردوں کے نام ہیں: حسن بن سفیان نسوی، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ بن زیاد الاہوازی جن کا لقب عبدان ہے اور جس سے وہ زیادہ معروف ہیں، ابراہیم بن عبداللہ بن الجنید الختلی، ابوبکر بن ابی عاصم، یعقوب بن شیبہ صنعانی اور بقی بن مخلد قرطبی جو ان کی کتاب تاریخِ خلیفہ کے راوی ہیں۔ ان کی اس کتاب کا متن امام بقی ہی کی روایت سے ہم تک پہونچی ہے۔ اگر چہ امام بقی نے خلیفہ بن خیاط کی کتاب الطبقات کی بھی روایت کی تھی لیکن ہم تک وہ ان کی روایت نہیں پہونچا ہے بلکہ موسیٰ بن زکریا بن یحییٰ تستری کی روایت کے ذریعہ پہونچا ہے جو مؤلف گرامی کے دوسرے شاگرد خاص معلوم ہوتے ہیں کہ انہوں نے امام خلیفہ کی کتاب التاریخ کی روایت کی تھی جو ہم تک نہیں پہونچی۔ البتہ ابن عساکر کو وہ روایت حاصل تھی اور جہاں جہاں انہوں نے تاریخ خلیفہ کا ذکر کیا ہے اس کی روایت تستری سے ماخوذ و مستفاد ہے۔

مورخ خلیفہ بن خیاط نے خلفاء عباسی المامون اور المعتصم کی خلافت کے دوران اپنی ہوش وفرد کی زندگی زیادہ تر گذاری جب معتزلی عقائد کو سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کے سبب بڑا عروج حاصل تھا لیکن مورخ موصوف نے اپنی صلابت، حدیث کی گہری واقفیت اور کردار کی پختگی کی بنا پر اس کی شدید مخالفت کی۔ ان کے شاگرد امام وکیع کا بیان ہے کہ بصرہ کے بعض معتزلہ نے شہر قاضی احمد بن رباع سے جو ۲۲۳ھ/۸۳۶ء میں بصرہ کے قاضی تھے، شکایت کی۔ چنانچہ قاضی نے تمام اہم سربرآوردگان شہر کو اپنی عدالت میں طلب کر لیا جن میں ابوالربیع الزہرانی حسین بن محمد النداع اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ تھے۔ خلیفہ بن خیاط کی جرأت ایمانی تھی کہ وہ قاضی کی عدالت میں اپنے معتزلی مخالفین کے تقابل مردانہ وار کھڑے ہو گئے اور خلیفہ معتصم کے عقائد سے اختلاف کیا جو پوری طرح سے معتزلہ کے فکری جنگ میں گرفتار تھے۔ اس مقدمہ اور مولف گرامی کے ایماندارانہ موقف سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ بن خیاط شہر کے عظیم علماء میں شمار ہوتے تھے اور ایسے علماء میں جو علماء حق وصلابت تھے۔

مقام ومرتبہ

ان کے معاصرین وتلامذہ اور دوسرے اہل علم کے تبصرے ان کی کردار کی عظمت اور علمی صلابت وحمیت کی شہادت دیتے ہیں۔ علامہ صالح جبیزہ فرماتے تھے کہ میں نے بصرہ کے محدثین میں خلیفہ بن خیاط سے زیادہ کسی اور کو دانشمند وخردمند نہیں پایا۔

امام خلیفہ بن خیاط کی یہی علمی وجاہت، کردارانہ صلابت اور دینی حمیت تھی جس نے چاردانگ عالم اسلام سے طالبانہ حق وعلم کو ان کی جانب میں ذوق فراوانہ اور شوق بیکراں کے ساتھ جوق درجوق پہونچایا تھا۔ وہ خود بھی تمام اہل علم وکمال سے ملتے تھے اور احادیث واخبار کا علم برابر حاصل کرتے رہتے تھے۔

ان کے محدثانہ مقام ومرتبہ پر بعض علماء حدیث نے کلام بھی کیا ہے جس سے انکی تجریح کا بھی پہلو نکلتا ہے۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ امام بخاری نے ان سے ہمیشہ مقرون روایات کی ہے اور منفرد روایات میں ان کو متعلق رکھا ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے امام خلیفہ بن خیاط کی توثیق وتصدیق کے سلسلہ میں ان سے امام بخاری کی تمام مرویات کا تجزیہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

امام بخاری اپنے استادِ گرامی پر پورا بھروسہ رکھتے تھے اوران کو کامل ثقہ مانتے تھے۔ڈاکٹر موصوف نے دوسرے علماءِ حدیث کی آراء واقوال بھی نقل کیے ہیں جن میں امام علی بن المدینی ،الفضل بن الحباب، ابوالولید الطیالسی ،ابن عدی، ابوحاتم الرازی ،ابوزرعہ الرازی ،عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی، امام ذہبی ،امام ابن حبان بستی ،قاضی ابوبکر بن المدنی وغیرہ شامل ہیں ان میں سے بعض کی تنقیدی وتجریحی آراء بھی ہیں لیکن ان کے باوجود خلیفہ کی ثقاہت ومرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا۔

امام بخاری نے ان کو ثقہ بتایا ہے اور امام ابن حبان بستی نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے،امام ذہبی کا قول ہے کہ بعض نے ان کی توثیق کی اور بعض بلادلیل ان کو کمزور بتایا ہے۔اور امام ابن العربی نے نہ صرف ان کی توثیق کی ہے بلکہ ان کی روایات اپنی کتاب العواصم من القواصم میں نقل کی ہیں۔

خلیفہ بن خیاط صرف علم حدیث کے ماہر وعالم نہیں تھے بلکہ دوسرے علوم وفنون میں بھی درک رکھتے تھے خاص کر علم تاریخ واخبار میں۔ابن جان بستی کا قبول ہے کہ وہ مضبوط وماہر عالم تھے اور انسانی تاریخ وانساب کے عالم تھے۔ابن خلکان فرماتے ہیں: وہ حافظ حدیث ،عالم تواریخ اور صاحب فضیلت شخص تھے۔ابن الاثیر کا کہنا ہے کہ وہ فاضل اور تاریخ کے عالم تھے۔امام ذہبی کا تبصرہ ہے کہ حافظ امام ابوعمرو العصفری البصری جو شباب کے نام سے معروف تھے، محدث ،ماہر نسب (نسابہ) اخباری (مورخ) اور علامہ تھے۔ابن کثیر نے ان کو یکے از امامانِ تاریخ قرار دیا ہے۔امام قراءت ومورخ قراء امام ابوالخیر الجزری نے ان کا سوانحی خاکہ قراء کرام کے ساتھ لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کی قراءت کے علم کو بہت اہتمام سے حاصل کیا تھا کہ انہوں نے اس فن کو ورقاء بن عمرو، ابوعمر بن العلاء جیسے علماء وماہرین سے سیکھا تھا اور ان سے علم قراءت کی روایات لینے والوں میں احمد بن ابراہیم بن عثمان الوراق، المغیرہ بن صدقہ جیسے اہم لوگ شامل تھے۔اس فن میں ان کی بعض تصانیف بھی ملتی ہیں۔

وفات

خلیفہ بن خیاط کی وفات کی تاریخ پر علماء ومحدثین اور سوانح نگاروں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ مطین ،حافظ بن عساکر ،حافظ ابن کثیر کے مطابق انہوں نے ۲۴۰ھ/۸۵۴ء میں وفات پائی۔ابن زبیر کا خیال ہے کہ تاریخ وفات ۲۴۶ھ/۸۶۰ء ہے۔جب کہ ابن خلکان نے تصریح کی ہے کہ انہوں

نے رمضان ۲۳۰ھ/ جون ۸۴۵ء میں انتقال فرمایا تھا۔ اسماعیل پاشا بغدادی نے ابن زبیر کا قول اختیار کیا ہے جب کہ کتانی نے ابن خلکان کا اور ان دونوں نے دوسری تاریخوں کے احتمال کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ ذہبی کی تصریح وتوضیح کے مطابق ان کا سال وفات ۲۴۰ھ/۸۵۴ء ہے اور بقیہ تاریخوں کی غلطی ثابت کی ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے بھی اسی کو قبول کیا ہے۔

تصانیف

بالعموم خلیفہ بن خیاط کی شہرت ایک اخباری اور مورخ کی حیثیت سے ہے بہت کم لوگ ان کے دوسرے علوم وفنون میں دستگاہی اور مہارت کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اسی طرح ان کی صرف دو تاریخی کتابوں کی تالیف وتصنیف کی شہرت ہے شاید اس بنا پر کہ وہی ہم تک پہونچی ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سخاوی جیسے صاحب خبر وعلم نے ان کی انہیں دونوں کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے دوسرے سوانح نگاروں اور کتب نگاروں نے بھی اسی پر اعتماد کیا جیسے کتانی نے ان کی صرف تاریخی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ البتہ دوسرے سوانح نگاروں بعض اور کتابوں کا اضافہ کردیا ہے جیسے اسماعیل پاشا بغدادی نے ہدیۃ العارفین میں ان کی المسند فی الحدیث کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ان سے قبل امام ابوحاتم نے ان کی مسند کا ایک جگہ حوالہ دیا ہے۔ ابن عدی نے بھی صرف تاریخ اور طبقات کا ذکر کیا ہے اور ان کی تحسین کی ہے۔ ابن خلکان نے ان کی تعریف صاحب طبقات کہہ کر کی ہے امام ذہبی اور ابن العماد نے بھی انہیں دونوں کتابوں کے ذریعہ ان کی تصنیفی وتالیفی لیاقت کی خبر دی ہے۔ البتہ ابن ندیم واحد عالم کتب اور سوانح نگار ہیں جنہوں نے ان کی پانچ تصانیف کی اطلاع دی ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) الطبقات: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی تحقیق سے چھپ چکی ہے

(۲) التاریخ: ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے اس کو بھی شائع کیا ہے

(۳) طبقات القراء: جس کے بعض اقتباسات کو ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے

(۴) تاریخ الزمنی والعرجان والمرضی والعمیان

(۵) اجزاء القرآن واعشارہ واسباعہ وآیاتہ

بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ ان کی تصانیف میں سے ہم تک ان کی تاریخ اور طبقات ہی پہونچی ہیں۔

طریقہ تالیف

امام حدیث و تاریخ خلیفہ بن خیاط عصفری کا طریقۂ تالیف اصلاً حدیث اور اس کے اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے تھا مگر وہ زیادہ تر روایات تاریخ اور طریقہ مورخیں کے مطابق ہے۔ وہ ہر ایک روایت کی سند اپنی کتاب التاریخ میں نہیں دیتے حالانکہ ان کے زمانے تک حدیث میں بالخصوص اور تاریخ میں بالعموم سند و اسناد کا طریقہ مسلم ہو چکا تھا۔ ان کے بعض معاصرین اور بعض موخر معاصرین جیسے طبری وغیرہ نے اسناد کا اہتمام اپنی کتب تاریخ و سیرت میں کیا ہے۔ بالعموم ناقدین کرام یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ مورخین اخبار و تاریخ کے معاملہ میں اسناد کے بارے میں تساہل سے کام لیتے تھے جب کہ محدثین کرام اسناد کا نسب دقت نظر اور شدید اہتمام کے ساتھ التزام رکھتے تھے۔ دراصل یہ موضوع سے زیادہ مورخ اور صاحب قلم کا طریقہ تھا کہ وہ کس طریقہ کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ ایسے بھی مورخین گذرے ہیں جنہوں نے اپنی کتب تاریخ میں اسناد کا بہت التزام کیا ہے اور ایسے بھی محدثین و مورخین ہیں جنہوں نے اپنی کتاب تاریخ میں اسکا اہتمام نہیں کیا یا کیا ہے تو بہت زیادہ دقت نظر سے نہیں کی۔ خلیفہ بن خیاط انہیں مؤخر الذکر اہل قلم میں شمار ہوتے ہیں جو اسانید کا اہتمام نہیں کرتے، صرف خاص خاص مواقع پر اسناد کا ذکر ضرور لاتے ہیں کہ وہ مقامات ان کی نظر میں زیادہ اہم تھے ان کی سند ان کے پاس موجود تھی۔

خلیفہ بن خیاط کا ایک طریقۂ تالیف یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ سیرتی مواد کے لئے زیادہ تر سابقہ کتب سیرت اور اہم مصادر پر انحصار کرتے ہیں جیسے وہ جا بجا ابن اسحاق کا حوالہ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں موسیٰ ابن عقبہ کے حوالے دیتے ہیں ان کے علاوہ زیادہ بن عبداللہ بکائی کا ایک جگہ تذکرہ کیا ہے چونکہ انہوں نے اپنا زیادہ تر موادِ سیرت ان اہم مصادر سے لیا ہے لہذا وہ ان کو یا ان کی اسناد کو دہرانا ضروری نہیں سمجھتے۔ البتہ جس جگہ انہوں نے کوئی نئی بات کہی ہے یا نیا الشوع اٹھایا ہے وہاں وہ سند لے آتے ہیں۔

ان کی کتاب چونکہ اصلاً تاریخ اسلامی عالی پر مبنی ہے اور صرف سیرت نبوی پر ہی نہیں حاوی

ہے لہذا وہ سیرت نبوی کو اسلامی تاریخ کے ایک باب کی حیثیت سے ملاحظہ کرتے اور اس پر لکھتے ہیں۔ ان کے اس طریقہ کار کے سبب ان کے سیرت نبوی انتہائی مختصر ہی نہیں بلکہ واقعات مہمہ کی صرف ایک فہرست سازی نظر آتی ہے۔

عالمی تاریخ اسلامی کا ایک بہت اچھوتا اور نادر تصور ان کے مختصر مقدمہ یا تمہید یں نظر آتا ہے یہ وہ تاریخ / تقدیم اسلامی کا ایک نظریہ پیش کرتے ہیں اور تاریخ کو ولادت نبوی یا وفات نبوی کا نقطۂ آغاز کے طور پر نہیں بیان کرتے بلکہ تقدیم نبوی کو اس طرح اپناتے ہیں کہ ہجرت اسلامی یا تقویم اسلامی کے آغاز سے قبل کے دور کو غیر اسلامی تصور کر لیتے ہیں۔ اور ابتدائی عرب تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں اور نہ اس کا ذکر کرتے ہیں۔

سیرت نبوی میں خلیفہ بن خیاط کے اس خاص نظریۂ تاریخ کا اثر بہت صاف اور واضح جھلکتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ ان سے قبل اور ان کے بعد کسی نے نہ تو تاریخ اسلامی کا اور نہ ہی سیرت نبوی کا یہ تصور پیش کیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خلیفہ نے سیرت نبوی میں مکی دور حیات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ انہوں نے جن روایات و واقعات کا حوالہ دیا ہے وہ بھی تقویم و تاریخ ہجری کے حوالے سے ہیں۔ ورنہ آپ کے آباء و اجداد، مکہ کے اشراف اور حیات نبوی کے دوسرے واقعات جیسے ولادت و پرورش، رضاعت، وفات والدین و جد امجد، بچپن نوجوان کے واقعات حتیٰ کہ بعثت کے واقعات مکیہ کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔

مؤلف و مورخ خلیفہ بن خیاط نے اپنی خاص تعریف و تصور تاریخ اسلام کے عین مطابق سیرت نبوی پر بحث و کلام کا آغاز ہجرت نبوی کے بیان سے کیا ہے۔ اور وہ تاریخ مدنی پر ہی اکتفا کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ماقبل کی تاریخ یا سیرت کا دور تقویم اسلامی سے قبل کا ہے۔

سیرت نبوی اور تاریخ اسلام کے ضمن میں خلیفہ نے سنہ وار تاریخ نویسی یا سیرت نگاری کا طریقہ اپنایا ہے۔ وہ موضوعات کے مطابق اس کو بیان نہیں کرتے جیسا کہ ابن اسحاق وغیرہ کا طریقۂ کار ہے۔ ان کو اس طریقۂ کار میں یہ آسانی اور سہولت بھی حاصل تھی کہ وہ صرف مدنی عہد کے واقعات کو بیان کرتے ہیں کہ ان کی تاریخیں معلوم و معروف تھیں اھ تا ۱۱ھ کے اہم ترین واقعات کو ان کے اپنے اپنے برسوں/سنین کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

البتہ آخر کے بعض فصول وابواب موضوعاتی ہیں کہ ان میں تاریخی ترتیب قائم ،رکھنی مشکل تھی یا اگر ممکن ہو جاتی تو تفصیل طلب بن جاتی چنانچہ ان سیرتی ابواب یا متعلقات سیرت کو انہوں نے بعض منفرد عناوین وموضوعات کے تحت بیان کیا ہے۔ جیسے رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک اور اس کی مختلف فیہ روایات، آپ کے عدل کی فہرست ،سفیران نبوی کا تذکرہ اور صدقات کا ذکر خیر یا کاتبین نبوی وغیرہ دوسرے افسران نبوی/حکومت کی فہرستیں۔

ان کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ چند مآخذ پر انحصار کرتے ہیں مگر دو مصدروں کا تقابلی مطالعہ یا ان کی تقابلی روایات خود پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے تقریباً بالآخر ابن اسحاق کی روایت پیش کرنے کے بعد علی بن محمد مدائنی کی روایت ضرور نقل کی ہے خاص کر ان مقامات ومسائل میں جن میں اختلاف جمہور ومورخین پایا جاتا ہے۔ مثلاً غزوہ بدر کبریٰ کے فن میں وہ ابن اسحاق کے پہلو بہ پہلو مدائن کا بھی ذکر کرتے جاتے ہیں۔ ان کے بعض دوسرے مآخذ ومصادر میں امام ابوداؤد، یزید بن زریع، یحیٰ بن سعید، انس بن مالک، ابن عباس، حسن کا وغیرہ بھی ذکر ملتا ہے۔

اسی طرح وہ غزوات اور دوسرے واقعات کے سلسلہ میں اختلافی تاریخیں بھی ان دونوں یا دوسرے مولفین سیرت کے مذکور یا غیر مذکور حوالے سے پیش کرتے ہیں۔ تاریخ بعثت ،تاریخ ہجرت، غزوات میں غزوہ بواط ، بدر کی تاریخیں وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ ابن اسحاق کی روایات پر وہ بسا اوقات دوسرے مآخذ سے اضافہ بھی کرتے ہیں جیسے غزوات میں نالیہ، جھنیہ کے غزوہ کا ذکر مدائنی کے حوالے سے کی ہے۔ مدائنی کی روایات پر زیادہ تر وہ غزوہ کی روانگی اور واپس کی تاریخیں نقل کرتے ہیں کبھی کبھی وہ دوسرے مآخذ کی روایات ونظریات کو نظر انداز بھی کر دیتے ہیں مثلاً غزوہ مریسیع / بنی المصطلق کا ذکر ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ۶ھ کے واقعات میں کیا ہے جو جمہور کے خیال کے مطابق صحیح نہیں ہے کہ وہ اس کو ۵ھ کا واقعہ مانتے ہیں لیکن خلیفہ نے اس باب میں اختلافی روایت ونظریہ کا حوالہ تک نہیں دیا۔

خلیفہ بن خیاط نے غزوات اور سیاسی واقعات کے پہلو بہ پہلو ہر سال کے اختتام پر تہذیبی ،سماجی اور اسلامی واقعات کا بھی مختصراً ذکر ضرور کیا ہے جس سے ان کی کتاب صرف سیاسی کی تاریخ نہیں رہ گئی ہے بلکہ وہ اسلامی سیرتی مصدر بن گئی ہے۔ اگر چہ وہ مختصر ترین سیرت نبوی کی کتاب ہ اور

بہت زیادہ نئی معلومات نہیں فراہم کرتی مگر چونکہ وہ قدیم ترین کتابوں میں شامل ہے اس لئے اس کی اہمیت مسلم ہے۔ پھر چند ہی مسائل و اموراور معاملات وہ بہر حال بعض نئی معلومات وروایات پیش کرتی ہے جن کو سیرت نبوی کے مطالعہ میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن ابی حاتم	الجرح والتعدیل	مجلد ا، قسم ۲ ص ۳۷۸
ابن الاثیر	اللباب فی تہذیب الانساب	۱۴۰/۲
ابن حبان	مشاہیر علماء الامصار	ص ۱۵۷۰،
ابن حجر عسقلانی	تہذیب التہذیب	۱۶۱/۳
ابن خلکان	وفیات الاعیان	۱۵/۲
ابن خیر اشبیلی	فہرست ماروَاہ عن شیوخہ	۲۲۵
ابن زبیر	تاریخ مولد العلماء ووفیاتہم	۲۶۶
ابن عساکر	تاریخ مدینہ دمشق	۱۰/ ۲۹، ۱۱۳، ۱۳۲
ابن العلماء	شذرات الادب	دوم ص ۹۴
ابن کثیر	البدایہ والنہایۃ	دہم ص ۳۲۲
ابن ندیم	الفہرست ۳۸، اردو ترجمہ	
اکرم ضیاء العمری	تاریخ خلیفہ بن خیاط	مقدمہ ۲۰-۱
اسماعیل پاشا	ہدیۃ العارفین	اول ص ۳۵۰
بخاری	التاریخ الکبیر	جلد ۲، قسم ۱، ص ۱۷۶
خلیفہ بن خیاط	الطبقات	(مخطوطا کرم ضیاء العمری) ۶۰ ب
الذہبی	تذکرہ الحفاظ	اول ص ۳۹۴
	میزان الاعتدال	اول ص ۳۱۳
	سیر اعلام النبلاء	جلد ۱۱، ص ۴۷۳
زرکلی	الاعلام	دوم ۳۱۲
السخاوی	الاعلان بالتوبیخ	۶۰۱، ۶۴۸
الصفدی	الوافی الوفات	پنجم ص ۲۵
الکتانی	الرسالۃ المستطرفہ	ص ۱۳۹
مسلم	کتاب الکنی والاسماء	مخطوطہ، ص ۳۹ ب
وکیع	اخبار القضاۃ	۱۷۵/۲

خلیفہ بن خیاط کی سیرت نگاری - تاریخ خلیفہ

دوسری تیسری / آٹھویں نویں صدی میں اسلامی علوم وفنون کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے اور ایک مسلمہ حقیقت لیکن یہ بہت کم اہل علم پر واضح ہے کہ اس کے پیچھے پہلی ساتویں صدی کی تہذیبی ترقی اور علمی تربیت پشتہ لگائے کھڑی ہے۔ دور صحابہ کرام بالخصوص اموی دور کی علمی تدوین اور تہذیبی ترقی پر بہت کم نظر گئی ہے یا جان بوجھ کر اس سے اعراض کیا جاتا ہے۔ بہر کیف تیسری صدی ہجری اور اس سے قبل کے دور کی علمی ہمہ جہتی نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ان میں سے ایک کا نام تاریخ خلیفہ بن خیاط ہے۔ وہ دوسری تیسری / آٹھویں نویں صدی کے اہم ترین مورخین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی تاریخ ایک اہم ماخذ۔ حسب روایت اسلامی وہ بھی عالمی اسلامی تاریخ ہے جو سیرت نبوی سے شروع ہوتی ہے اور اس موضوع پر بہت اہم اور قدیم مولد رکھتی ہے۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے اس کو اپنی تحقیق وحواشی سے آراستہ کر کے دار طیبہ مدینہ منورہ سے ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے۔

تاریخ اسلامی پر مبنی ہونے کی وجہ سے خلیفہ بن خیاط کی سیرت نامی ایک مختصر کتاب کا درجہ رکھتی ہے اور کل ۵۰ پر مشتمل ہے۔ شروع میں محقق گرامی کا ۴۸ صفحات کا مقدمہ ہے۔ ۴۹ سے اصل کتاب سیرت شروع ہوتی ہے اور ۱۰۰ تک وسیع ہے۔ مقدمہ محقق میں مصنف گرامی کی سیرت وحیات کے علاوہ ان کے طریقہ کار اور طرز تصنیف کی خصوصیات کا ذکر ہے۔ آخر میں فہرست وغیرہ ہیں۔

خلیفہ کی کتاب سیرت مولف گرامی کے مقدمہ سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب التاریخ کے عنوان کتاب سے آغاز کر کے مولف گرامی نے تاریخ کے فن کی تعریف یا اس کے مقصود کے بارے میں کہا ہے کہ تاریخ کے ذریعہ لوگ اپنے حج وروزہ کے معاملات اور اپنی عورتوں کی تعداد کے القضاء اور

اپنے دیون وقرضوں کے عمل کے امور سے واقف ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگ آپ سے چاند (کی نئی تاریخوں) کے بارے میں پوچھتے ہیں فرمادیجئے کہ وہ لوگوں اور حج کے مواقیت ہیں (بقرہ :۱۸۹) خلیفہ بن خیاط نے اس تفسیر وتعریف تاریخ کی وضاحت متعدد آیات وتفسیرات سے کرنے کے بعد اپنی سندوں پر تاریخ کی تاریخ نزول آدم علیہ السلام، ایرانی قوم، بنو اسرائیل، بنو اسمٰعیل اور ہجرت اسلامی کے حوالے بیان کیا ہے۔ حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کی سند سے یہ دلچسپ روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے تاریخ کا آغاز نہ تو رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے کیا ہے نہ وفات سے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غلطی ہے۔ بہر حال انہوں نے ہجرت نبوی سے اس کا آغاز کیا ہے۔ پھر دور فاروقی میں اسلامی تقویم ہجری کے آغاز سے متعلق متعدد روایات دی ہیں (۵۱-۴۹)۔

رسول اکرم ﷺ کی ولادت ووفات کی ایک ہی مجموعی سرخی قائم کر کے متعدد روایات نقل کی ہیں جن میں آپ ﷺ کے یوم ولادت، تاریخ ولادت، سنہ پیدائش اور ماہ ورود کا ذکر رسول اکرم ﷺ کے معاصرین گرامی کی روایات کے حوالے کیا گیا ہے۔ ان میں قباث بن اشیم کے علاوہ ایک ہذلی مولی کا ذکر ہے۔ بعض روایات براہ راست نہیں ہیں بلکہ بالواسطہ ہیں جیسے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے فیل ابرہہ کے قائد وسائیس دونوں کو اندھے بھکاریوں کے روپ میں دیکھا تھا۔ واقعہ فیل، جنگ فجار، تعمیر کعبہ، بعثت نبوی کے درمیانی بُعد کو بتانے والی روایات بھی ہیں۔ مدنی اور مکی قیام نبوی کی مدتوں کے حوالے ہیں اور متفقہ یا جمہوری روایات وتواریخ کے علاوہ بعض اختلافی روایات بھی ہیں۔ خلیفہ بن خیاط نے اپنی دوسری اسناد کے علاوہ مشہور سیرت نگاروں موسی بن عقبہ، ابن اسحاق، زیاد بن عبداللہ بکائی وغیرہ کی روایات بھی نقل کی ہیں (۵۴-۵۱) انہیں روایات کے ذریعہ پوری مکی حیات طیبہ کا احاطہ کرلیا گیا ہے۔ اور ولادت تا ہجرت کے واقعات وحالات نہیں بیان کئے ہیں۔ خلیفہ بن خیاط تاریخ اسلامی یا تقویم ہجری کے تحت ہی سیرت نگاری کرنے کے قائل تھے۔

"سنة احدى من التاريخ" کے عنوان عام کے تحت ذیل سرخی ہے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد اور اس کے بعد ہجرت نبوی کا وہ بات شروع کیا ہے جو انصار کرام یا اہل مدینہ کے انتظار رسول اللہ ﷺ اور ہجرت وآمد مدینہ کی مختصر تفصیل پیش کرتا ہے۔ اصلاً یہ حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے جو حضرت عبدالرحمٰن بن عدیم بن ساعدہ انصاری کے واسطہ سے متعدد صحابہ کرام سے منقول ہوتی

ہے۔ ابن اسحاق کی روایات کی بنا پر دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول بوقت شدت اصحاب آپ کی مدینہ آمد، قباء میں حضرت کلثوم بن ہدم کے ہاں قیام وقباء میں قیام کی مدت، تعمیر مسجد، نماز جمعہ کی ادائیگی کا ذکر کر کے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان مبارک میں رسول اکرم ﷺ کے قیام اور تعمیر مسجد نبوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق ہی کی سند سے حضرت اسعد بن زرارہ کی وفات اور مرض وفات و تاریخ وفات، اسلام عبداللہ بن سلام اور اذان کی ابتداء کا بھی ذکر کیا ہے (۵۶-۵۴)۔

۲ھ کی سرخی کے تحت پہلے اپنا بیان مختصر غزوہ الابواء کے بارے میں دیا ہے۔ پھر ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے اور اپنی دوسری سند سے روانگی اور واپسی کی تاریخ اور مدینہ سے ابواء کی مسافت نقل کی ہے۔ اس کے بعد بالترتیب غزوات، بواط، العشیرہ، سفوان، ناحیہ جہینہ، بدر الکبری کا ذکر کیا ہے۔ موخر الذکر کے سوا سب کا ذکر بہت مختصر ہے لیکن ہر ایک میں اپنی سند دی ہے جو بالعموم ابن اسحاق یا علی بن محمد مدائنی پر یا ان دونوں پر مبنی ہے۔ مثلاً غزوۂ بواط وعشیرہ میں دونوں کی روایات ہیں سفوان میں صرف ابن اسحاق پر اور ناحیہ جہینہ علی بن محمد پر مبنی ہے۔ بدر الکبریٰ میں ابن اسحاق کے علاوہ امام ابوداؤد فصل بن وکین اور سلیمان بن داؤد کی روایا بھی ہیں اور ان کا تعلق تاریخ بدر سے ہے۔ ۱۷-۱۹-۲۱/ رمضان کے علاوہ ۱۱/ اور ۱۳/ رمضان کی تاریخیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کے بعد غزوۃ الکدر کا ذکر ابن اسحاق کی روایت پر مبنی ہے جس میں تاریخ روانگی وواپسی اور واقعہ کے علاوہ حضرت محمد بن مسلمہ کی جانشین کا بھی ذکر ہے۔ اس سے متصل غزوۃ السویق کا بیان ہے جو ابن اسحاق کی دو روایات کے علاوہ تاریخ روانگی وواپسی پر علی بن محمد راضی کی روایت بھی رکھتا ہے۔ اس کے بعد خلیفہ بن خیاط نے غزوۂ بدر میں شہداء کا ذکر خاندان وقبیلہ وار کیا ہے اور ترتیب سے بنو مطلب، بنو زہرہ، بنو عدی، بنو الحارث کو بیان کر کے علی بن محمد کی بنیاد پر ابوانسہ کی شہادت کا ذکر کیا ہے جو مولائے نبوی تھے۔ انصاری نے خزرج، بنو سلمہ بنو خبیب، بنو عدی اور بنو مالک کے شہیدوں کے اسمائے گرامی بلا سند گنائے ہیں۔ (۶۱-۵۶)

اگلی سرخی اور بحث سریہ عبیدہ طرف سیف البحر سے متعلق ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے اور ان کی کئی روایتوں کو الگ الگ بیان کرتی اور کافی مفصل ہے جس کے بعد حضرت حمزہ کے سریہ سیف البحر کا ذکر علی بن محمد کی روایت سے ہوتا ہے درمیان میں ابن اسحاق کی مفصل تر روایت ہے پھر اپنی سند سے امام شعبی کی روایت نقل کی ہے جس کے مطابق رسول اکرم ﷺ نے پہلا لواء (پرچم) بنو

امیہ کے حلیف حضر عبداللہ بن جحش کے لئے باندھا تھا۔ سریہ سعد بن مالک خرار کا ذکر ابن اسحاق سے منقول ہے، حضرت عبداللہ بن غالب لیثی کے سریہ کے بیان میں، ابن اسحاق کے بعد علی بن محمد کی روایت دی ہے اور دونوں کا تعلق تاریخ غزوہ ومدت سریہ سے ہے۔ حضرت ابوسفیان اموی کے زیر قیادت جانے والے کارواں قریش کی خبر گیری کرنے والے سریہ کا ذکر ابن اسحاق کی روایت پر کیا ہے ۔اس سال (۲ھ) کے غزوات وسرایا کا بیان اسی پر ختم ہوتا ہے۔ (۶۴-۶۱)

اس کے بعد کچھ دوسرے تہذیبی واسلامی واقعات کا ذکر ہے۔ تحویل قبلہ کے بیان سے اس کا آغاز ہوتا ہے اس میں خلیفہ کی اپنی سند سے روایت ہے پھر امام ابوداؤد، یزید بن زریع، یحییٰ بن سعید، انس بن مالک ابن عباس اور حسن کی روایات ہیں۔ اس میں ابن اسحاق کی ایک روایت بھی ہے۔ تین روایات/ وبیانات حضرت عائشہ کی شادی اور رخصتی کے متعلق ہیں۔ ایک بیان میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر کی ولادت اور حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات کا ذکر ہے۔ موخر الذکر سے متعلق دوسری روایات بھی ہیں۔ آخر میں ایک بیان ہے جس کے مطابق حضرت علی سے حضرت فاطمہ کی شادی، صیام رمضان کی فرضیت اور وفات حضرت عثمان بن مطعون اس سنہ میں ہوئی تھی۔ (۶۴-۶۳)

۳ھ کے سرخی کے تحت جن واقعات وحالات کا ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ آغاز ہوتا ہے غزوہ ذی امر سے اور اس میں غزوہ بحران کا بیان ہے۔ دونوں ابن اسحاق سے منقول ہیں۔ ابن اسحاق کی دو روایتوں کی بنیاد پر بنوقینقاع کے غزوہ کا ذکر ان کے محاصرہ کے عنوان سے کیا ہے۔ جس کے آخر میں حضرت زینب ام المساکین اور حضرت حفصہ بنت عمر سے رسول اکرم ﷺ کی اور حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ سے حضرت عثمان کی شادی کا ذکر ہے اور حضرت حسن بن علی کی ولادت کا بھی۔ (۶۶-۶۴)

غزوہ احد کا باب اس سنہ کے تحت آیا ہے جس کو خلیفہ بن خیاط نے کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ تاریخ روانگی وجنگ کا ذکر ابن اسحاق کی روایت پر مبنی ہے جس سے آغاز باب ہوتا ہے۔ علی بن محمد مدائنی کی روایت کی بنیاد پر مہاجرین یعنی رسول اللہ ﷺ کے روایت مبارکہ، انصار کے پرچم، اسلامی فوج کے مختلف حصوں کی کمانداروں کے علاوہ تین لواء کا بھی ذکر ہے جنگ کے گرم ہونے کا ذکر انہیں الویہ کے حوالے سے کیا گیا ہے جس کا خاتمہ حضر مصعب بن عمیر کی شہادت اور ان کے قاتل کے نام پر

ہوتا ہے۔ ابن اسحاق کی سند وروایت پر لوائے نبوی کی بقیہ تاریخ، حضرت ہند کی کرتوت، اور دشمن کی واپسی وغیرہ کا ذکر ہے (۶۸-۶۷) اس کے بعد شہداء احد کا بالترتیب ذکر ہے۔ اور یہ ترتیب قبیلہ وار قائم کی گئی ہے اور بہت مفصل ہے۔ (۷۳-۶۸) کل تعداد شہداء کا مجموعہ ۶۵ بتایا گیا ہے مگر یزید بن زریع کی سند پر ان کی کل تعداد ستر بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد حمراء الاسد کے غزوہ کا ذکر ابن اسحاق کی روایت پر کیا گیا ہے جو دو حصوں میں ہے (۷۴-۷۳) یوم الرجیع کی سرخی کے تحت بیان خلیفہ ہے کہ اس سنہ میں واقعہ رجیع ہوا اور پھر ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے جو کافی مفصل ہے حضرت خبیبؓ کی شہادت اور سنت وزکوۃ سے متعلق دوسری روایات بھی ہیں جو ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے مآخذ سے مستفاد ومستعار ہیں (۷۶-۷۴)۔

سنہ ۴ھ کی سرخی کے تحت واقعہ بئر معونہ کا ذکر ہے جو ابن اسحاق پر مبنی ہے اور کافی مفصل ہے۔ پھر دوسطری روایت علی بن محمد مدائنی کی ہے جو تاریخ وواقعہ غزوہ نبوی - غزوہ عسفان - کا ذکر کرتی ہے اور اس کا بیان ابن اسحاق کی روایت غزوہ پر ختم ہوتا ہے (۷۷-۷۶)۔

سنہ ۵ھ کے سرایائے نبوی کے عنوان سے اس برس کے واقعات کے ذکر کا آغاز ہوا ہے۔

اس میں بالترتیب حسب ذیل سرایا کا ذکر پایا جاتا ہے جو مختصر ترین ہے بلکہ اسے فہرست عناوین کہنا زیادہ صحیح ہے۔ سریہ حضرت عبداللہ بن انیس سریہ عمرو بن امیہ ضمری، سریہ عبداللہ بن رواحہ، سرایائے زید بن حارثہ (وادی القریٰ، ام قرفہ، سریہ حضرت عمر/ قارہ)۔ سریہ بلال بن مالک مزنی، سریہ بشیر بن سوید جہنی۔ ان میں سے موخر الذکر دو نئے سرایا ہیں۔ اس کے بعد مدائنی نے مذکورہ بالا اور بعض دوسرے سرایا کا ذکر کیا ہے جیسے سرایائے محمد بن مسلمہ، ابوعبیدہ بن جراح، غالب بن عبداللہ لیثی وغیرہ موخر الذکر کے بارے میں ابن اسحاق کی ایک روایت مع ان کی سند کے نقل کی ہے (۸-۷۷)۔

سنہ ۶ھ کی سرخی کے تحت دوسری سرخی سنہ ۶ھ کے سرایائے نبوی کی لگائی ہے اور اس میں حضرت بشیر بن سعد، کعب بن عمیر غفاری، عبدالرحمٰن بن عوف، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، عبداللہ بن رواحہ کا مختصر ترین ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ام حبیبہ سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کرنے اور سنہ ۷ھ میں رخصتی کرانے اور حضرت عمرو بن العاص کے اسلام لانے کا حوالہ ہے (۷۹)۔

امراء وملوک کی طرف سفیروں کی روانگی کے عنوان سے آپ کے سفارتی تعلقات اور سفیروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے ان میں حضرت حاطب (مقوقس)، شجاع بن ابی وہب (حارث غسان)، سلیط بن عمرو (ہوزہ حنفی)، عبداللہ بن حذافہ (کسریٰ) اور دحیہ بن خلیفہ (قیصر) کا حوالہ مختصر ہے۔ ابوعبیدہ کی سند سے شیرویہ کے ہاتھوں خسرو پرویز کے قتل اور قاتل کی موت کا بھی حوالہ دیا ہے (۷۹)۔

غزوہ بنی المصطلق کو اس ۶ھ میں ابن اسحاق کی سند وروایت کے مطابق بیان کیا ہے۔ دو روایتوں میں واقعہ غزوہ حضرت جویریہ بنت الحارث کے نکاح اور واقعہ افک کا پورا ذکر آ گیا ہے (۸۰)۔ پھر صلح حدیبیہ کا ذکر و بیان ہے جس میں زیادہ انصار ابن اسحاق کی روایات پر ہے۔ شریک غزوہ مجاہدین کے بارے میں ابن ذریع، بشر بن مفضل کی روایات بھی دی ہیں۔ یہ پورا واقعہ چند سطروں میں بیان کر دیا گیا ہے (۸۲-۸۱)۔

۷ھ کے تحت جن واقعات وغزوات وحالات کا بیان خلیفہ بن خیاط نے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: غزوہ خیبر جس کا آغاز ابن اسحاق کی روایت سے ہوتا ہے اور روانگی، واقعہ اور واپسی کی تاریخیں مدائنی سے بھی نقل کی ہیں جو اول الذکر سے مختلف ہیں فتوح خیبر کا بیان ابن اسحاق کی تلخیص ہے۔ مرحب کے قاتل کا نام محمد بن مسلمہ بتایا ہے بروایت ابن اسحاق، ہشام بن عروہ کی روائے پر نقد بھی کی ہے۔ محاصرہ، فتح اور صلح کا مختصر ترین ذکر ہے (۸۳-۸۲)۔

مصالحہ فدک کے عنوان سے ابن اسحاق کی روایت پر فدک کی فتح ومعاہدے کا ذکر کیا ہے اور حضرت صفیہ سے شادی کے بارے میں ان کے علاوہ دوسرے کی روایت بھی دی ہے۔ اور اس کے بعد خیبر مسلم شہیدوں کی فہرست قبیلہ واردی ہے ان میں قریش، انصار، بنی زریق اور اوس کے علاوہ بنی غفار کے حضرات شامل ہیں۔ خاتمہ مدائنی کی بیان کردہ تاریخوں پر کی ہے (۸۴-۸۳)۔ اسی سے متصل دو تین سطروں میں وادی القریٰ کے محاصرہ اور فدک کے معاہدہ کو پھر ابن اسحاق سے نقل کیا ہے۔ (۸۵)

ایک الگ عنوان کے تحت ۷ھ کے سرایائے نبوی کی فہرست دی ہے جو ابن اسحاق سے منقول ہے (۸۵) عمرۃ القضاء کا ذکر صرف ایک سطر میں اس کے بعد کیا ہے البتہ حضرت میمونہ سے شادی کا ذکر زیادہ سطروں میں ہے۔ اس میں مختصر حضرت ام حبیبہ کی آمد وشب زفاف، حضرت ماریہ قبطیہ کی آمد اور دوسرے ہدایائے مقوقس کی وصول، حضرت جعفر کی واپسی از حبشہ، حضرت صفیہ سے شادی، حضرت

ام کلثوم بن عقبہ کی اموی کی ہجرت، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمران بن حصین اور خالد بن الولید کے قبول اسلام اور اس کے زمانہ کا ذکر ہے۔ اول الذکر دو روایات ابن اسحاق سے لی ہیں (۸۶)۔

۸ھ کی سرخی کے بعد واقعہ موتہ کا چھ سطری ذکر ہے۔ پہلے واقعہ بیان کر دیا ہے اور پھر ابن اسحاق کی روایت دی ہے فتح مکہ کی سرخی کے تحت ابن اسحاق اور مدائنی کی روایات کی بنیاد پر فتح مکہ کی تاریخیں نقل کی ہیں سات سطروں میں (۸۷) مکہ کے گرد سرایا کی روانگی کے عنوان کے تحت سرایائے خالد (بنو جذیمہ، عزیٰ) کا ذکر کیا ہے پہلے ابن اسحاق کی سند سے اور موخر الذکر سریہ کے بارے میں یحیٰ بن سعید اموی کی ایک روایت دی ہے (۸۸-۸۷)۔

غزوۂ حنین کے الگ عنوان سے اس غزوہ کا ذکر ابن اسحاق سے کیا ہے جو مختصر ترین ہے۔ دو روایات ابن اسحاق کی ہیں اور ایک درمیان میں علی بن محمد مدائنی کی ہے جو حنین روانگی کے بارے میں ہے اور یکشنبہ نصف شوال دی گئی ہے۔ اس کے بعد غزوۂ طائف کا بیان ہے جو ابن اسحاق کے علاوہ بعض دوسری روایات پر مشتمل ہے لیکن ان میں غزوہ کی تفصیلات نہیں ہے۔ پھر جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ کے نزول و قیام اور مؤلفۃ القلوب میں تقسیم عطایا کا ذکر ابن اسحاق کی سند پر کیا گیا ہے تسمیۃ المولفۃ القلوبھم کے تحت ان کی فہرست دی ہے جو سولہ افراد اور ان کے عطایا کی مقدار پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد طائف کے مسلم شہداء کی قبیلہ وار فہرست دی ہے جو زیادہ مفصل ہے۔ ابن اسحاق کی سند پر جعرانہ سے عمرہ نبوی، حج تحائف بن اسید اسلام عکرمہ بن ابی جہل ولادت حضرت ابراہیم، وفات حضرت زینب اور حضرت فاطمہ کلابیہ سے آپ کی شادی کا ذکر ہے اور اسی پر ۸ھ کے واقعات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ (۹۲-۸۸)

۹ھ کے عنوان کے تحت دو سطروں میں غزوۂ تبوک کا بیان ابن اسحاق سے نقل کر کے تین پیچھے رہ جانے والے صحابہ کا نام گنا دیا ہے پھر دومہ کے سریہ اکیدر کا ذکر ابن اسحاق سے نقل کیا ہے اور آخر میں سورۂ براءت کے نزول اور اس کے قوانین کا بھی ذکر ہے جو دو روایتوں پر مشتمل ہے (۹۳-۹۲)۔ پھر ایک نئی سرخی کے تحت خلیفہ بن خیاط نے خدمت نبوی میں قبائل کے وفود کی حاضری کا ذکر ہے اس میں اشراف تمیم، بنو سعد بن بکر، عبدالقیس، بنو حنیفہ طے، مراد وغیرہ کی فہرست موجود ہے۔

۹ھ میں حضرت اصحمہ اور حضرت ام کلثوم کی وفات کے واقعات کے علاوہ ولد شاہ ایران کے قتل اور

بوران بنت کسریٰ کی تخت نشینی کا بھی حوالہ موجود ہے (۹۳)۔

۱۰ھ کے واقعات میں ایک سطر سے بھی کم میں حجۃ الوداع کا ذکر ہے پھر نئی سرخی کے ساتھ اہل نجران کے اسلام لانے کا ذکر حضرت خالد بن ولیدؓ کی مہم کے حوالے سے کیا ہے اور حضرت عمرو بن حزم کی مہم وتعیناتی کا ذکر کیا ہے جس کے مطابق ان کو دین کی تعلیم اور سنت کی تدریس کی گئی تھی اور ان سے صدقات کی وصولیابی ہوتی تھی۔ آخر میں وفات حضرت ابراہیم، بوران کی وفات اور اس کی بہن ازرما کی تخت نشینی کا حوالہ بھی ہے۔ (۹۴)

۱۱ھ کے واقعات میں رسول اللہ ﷺ کی وفات بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ دی ہے ۔۲ ربیع الاول کی بھی روایت "یقال" کے ساتھ موجود ہے۔ اور تدفین کی تاریخ شب چہارشنبہ بتاتی ہے۔ نہ تو ۱۰ھ کے واقعات کے سلسلہ میں اور نہ ہی ۱۱ھ کے واقعہ ہائلہ کے باب میں کوئی روایت یا روای یا سند بیان کی ہے۔

اگلی سرخی کے تحت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے بارے میں روایات نقل کی ہیں، ان کے اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں امام ابوداؤد کے علاوہ دوسری متعدد روایات ہیں جو تاریخ وفات اور آپ کی عمر مبارک دونوں کا ذکر ہے (۹۶-۹۴)۔ پھر ایک نئی سرخی کے تحت حضرت فاطمہؓ کی تاریخ وفات اور اس پر اختلافات سے متعلق پانچ روایات ہیں۔

تسمیۃ عمالہ ﷺ کے تحت رسول اکرم ﷺ کے عاملوں اور افسروں کا ذکر کیا ہے جیسے مدینہ منورہ پر حضرت ابن ام مکتوم کی تیرہ بار نیابت نبوی اور ان کی تفصیل، غزوات واسفار نبوی کے دوران دوسرے خلفائے نبوی کا بھی ذکر ہے پھر آپ کے گورنروں میں ولاۃ مکہ، طائف، اخلاف، قری عربیہ خیبر، وادی القریٰ، تیماء اور تبوک وغیرہ کا ذکر بہت تفصیل سے ہے۔ یہ دراصل گورنروں اور افسروں کی فہرست ہی ہے۔ (۹۷-۹۶)

اگلی بحث رسول اللہ ﷺ کے سفیروں سے متعلق ہے اور اس کا آغاز حدیبیہ کے دوران حضرت عثمان بن عفان کی سفارت سے کیا ہے دوسرے سفراء میں عمرو بن امیہ ضمری، عروہ بن مسعود، جریر بن عبداللہ، دبر بن نحنس، خبیب بن زید، سلیط بن سلیط، عبداللہ بن حذافہ، دحیہ بن خلیفہ کلبی، شجاع بن وہب اسدی، حاطب ابن ابی بلتعہ اور دوسری سفارت عمرو بن امیہ ضمری کا ذکر ہے (۹۸)۔

آپ کے عمال صدقات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، عدی بن حاتم، عیینہ بن حصن فزاری، الولید بن عقبہ اموی، حارث بن عوف مری، مسعود بن ذحیلہ اشجعی، انجم بن سفیان بلوی، مالک بن نویرہ، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم منقری وغیرہ کا ذکر ہے (۹۹-۹۸)۔ پھر دوسطری فصل آپ ﷺ کے کاتبوں پر ہے (۹۹)۔ اس کے بعد آپ کے حاجب خزانچی، خازن، خدام، مؤذنوں اور محافظوں پر ایک مختصر فصل ہے اور اسی پر خلیفہ بن خیاط کی تاریخ کا باب سیرت تمام ہوتا ہے (۹۹)۔

علامہ محمد بن حبیب بغدادی

(م ۲۴۵ھ/۸۶۰ء)

دوسری/آٹھویں صدی میں تاریخ نگاری میں ایک اہم رجحان یہ شروع ہوا کہ اہم ترین شخصیات، واقعات اور مسائل پر ضروری معلومات فہرست کی شکل میں مرتب کی جانی شروع ہوئیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کاتبوں، ادیبوں، عالموں اور طلبہ وغیرہ کو ایک نظر میں ضروری معلومات فراہم کردی جائیں۔ ان معلومات کی ترتیب و تنظیم اور پیشکش بلکہ انتخاب وحصول بھی مرتب ومدون کی صوابدید پر منحصر ہوتا تھا۔ ابتداء میں کتابوں کی اندرونی ترتیب میں بھی کسی قسم کی موضوعاتی یا تاریخی ترتیب کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ تاریخی یا موضوعاتی ترتیب کا خیال کسی حد تک رکھا جانے لگا اگرچہ اب بھی بعض موضوعات منتشر حالت میں ملتے تھے۔ اس صنف کے اولین مؤلفوں میں محمد بن حبیب بغدادی کا نام بھی آتا ہے۔

ان کا پورا نام ونسب محمد بن حبیب بن امیہ بن عمرو تھا۔ ابن حبیب کی نسبت پر تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے کہ وہ ان کے والد کا نام تھا یا ان کی والدہ کا۔ یاقوت حموی نے ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ حبیب ان کی والدہ کا نام تھا اور ان کی طرف ان کی نسبت اس لئے کی جاتی تھی کہ ان کی والدہ لعان کے ذریعہ اپنے شوہر سے الگ ہوئی تھیں لہٰذا ان کے باپ کے بارے میں شبہ تھا لیکن حبیب نام کی کسی عورت کا ہونا بڑا نادر وشاذ نظر آتا ہے کیونکہ عربی قاعدہ کے تحت وہ مذکر کی صفت ہوسکتی ہے عورت کی نہیں۔ بظاہر یہی صحیح ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے والد ہی کا نام تھا جیسا کہ ابن ندیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

ان کی کنیت ابوجعفر تھی اور وطن کی نسبت بغدادی۔ چونکہ ان کی ماں محمد بن عباس ہاشمی کے خاندان کے مولی تھے اس لئے ان کی نسبت ولاء سے ہاشمی بھی مشہور ہوگئے تھے۔ اور علوم تاریخ واخبار کے ماہر ہونے کے سبب ان کو اخباری بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی ولادت کی تاریخ اور ابتدائی تعلیم وتربیت

کے بارے میں ہمارے تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں۔ البتہ بحوالہ حمید اللہ، یاقوت نے یہ بیان کیا ہے کہ ان حبیب بغدادی نے اپنے عہد کے عظیم ترین ادیبوں اور شاعروں اور عالموں سے روایت کی تھی اور ان کی کتابیں حاصل کی تھیں جن میں ابن الاعرابی، ابن الکلبی، قطرب، ابوعبیدہ اور ابوالیقظان جیسے اکابر علم وادب کے نام شامل بتائے جاتے ہیں۔ یاقوت نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ وہ معلم اور استاد (مودب) تھے اور ابورؤبہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک بار میں محمد بن حبیب کے دفتر (مکتب) سے گذرا تو ان کو عباس بن محمد کے لڑکے کو ان شکوک کی تعلیم دیتے پایا جن میں مجھے خود بھی شبہ رہا تھا۔ یاقوت نے ہی محمد بن موسیٰ البربری کی سند سے ابن حبیب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر کسی شخص سے تم اس کا مشغلہ پوچھو اور وہ معلم بتائے تو اس سے درگذر کردو اور پھر اس موضوع پر دو شعر بھی معلم کی شان میں سنائے کہ معلم ہمیشہ معلم ہی رہتا ہے۔

یاقوت نے مرزبانی کا ایک بیان یہ بھی نقل کیا ہے کہ محمد بن حبیب بغدادی دوسرے مؤلفین کی کتابوں پر ڈاکہ ڈالتے تھے اور ان کے نام ساقط پوری کتاب بلا ایک حرف زیادہ یا کم کیے اپنی بنا کر پیش کرتے تھے۔ اس کی مثال میں اسماعیل بن ابی عبید اللہ کی کتاب کا معاملہ پیش کیا ہے کہ ان کی کنیت ابوعبید اللہ زیادہ معروف تھی اور اصل نام معاویہ کوئی جانتا نہ تھا لہٰذا وہ کنیت کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے تا کہ جانا نہ جا سکے۔ ممکن ہے کہ یہ الزام صحیح ہو کسی حد تک مگر سو فیصد صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مرزبانی نے ہی ان کو لغت وشعر اور اخبار وانساب کے ثقہ علما بغداد میں شمار کیا ہے اور یاقوت میں ان کا تذکرہ اسی بیان سے شروع ہوتا ہے۔ یاقوت نے بغدادی کی علمیت وفہم وذکاء کے بارے میں ایسی ہی دو تین روایات اور نقل کی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ابن حبیب بغدادی کو اپنے معاصر علماء وادباء کے ساتھ خاصا تعلق تھا اور ان میں سے متعدد سے عمدہ تعلقات تھے البتہ بعض سے منافرت ومعاصرانہ چشمک بھی تھی۔ ابن الکلبی سے ان کی روایت کچھ زیادہ ہی تھی جس کے سبب بقول محمد حمید اللہ انہوں نے کلبی اور ابن الکلبی کی کتابوں کے عناوین اور موضوعات بھی اپنائے تھے لیکن اس سلسلہ میں یہ بات بھی کہیں ضروری ہے کہ بغدادی نے اپنی دونوں زیر بحث کتابوں میں کلبی اور ابن کلبی کے حوالے جا بجا دیئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اپنے شیخ کی کتابیں زیادہ تر روایت کی ہیں اور خود بھی بہت سی کتابیں مختلف علوم وفنون میں لکھیں خاص کر مشترک موضوعات پر لہٰذا توارد ہو گیا۔ یا اپنے شیخ کے عناوین مستعارے لئے۔

جہاں تک ان کی علمیت اور فنی جلالت کا تعلق ہے ان کے تذکرہ نگاروں نے مختلف علوم وفنون میں ان کے تبحر وفضل کا اقرار کیا ہے۔ ابن ندیم نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابن حبیب انساب ولغت، شعر، اور احوال قبائل کے علوم میں علماء بغداد میں شمار ہوتے تھے۔ اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ وہ معلم ومودب تھے اور ان کی کتابیں صحیح ہیں۔ حافظ خطیب بغدادی نے بھی ان کی توثیق اپنی تاریخ میں کی ہے۔ ان کی اصلی علمی جلالت وعظمت ان کی کتابوں اور تصانیف کی فہرست سے نظر آتی ہے جو یاقوت حموی نے کافی مفصل نقل کی ہے۔

محمد بن حبیب بغدادی کی ساری زندگی غالباً بغداد اور سامرا میں گذری اور انہوں نے عباسی خلیفہ متوکل کے عہد میں وفات پائی۔ خطیب بغدادی نے سکری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے سامرا میں ۲۳ ذی الحجہ ۲۴۵ھ کو وفات پائی اور اس کی تصدیق ابن تغری بردی نے بھی کی ہے۔

اگر چہ محمد حمید اللہ نے مرزبانی وغیرہ کے بیانات کو منافرت معاصرین پر محمول کیا ہے تاہم خود ان کو شیعیت کی طرف مائل بتایا ہے کیونکہ وہ جب بھی ان کے بقول سیدنا ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ساتھ "رحمہ اللہ" کا کلمہ استعمال کرتے ہیں جب کہ حضرت خدیجہ اور حضرت علیؓ کے لئے وہ "رضی اللہ عنہ" کا معروف کلمۂ صحابیت لگاتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بعض جسمانی نقائص یا اسلام سے قبل ایک باندی کو مارنے کے اخلاقی نقص کا الزام لگایا ہے۔ اسی بنا پر محمد بن حبیب بغداد کے راوی جنہوں نے ان سے سب سے زیادہ روایت لی ہیں یا ان کی کتابیں نقل کی ہیں ابوسعید السکری کبھی کبھی متن میں اہل سنت والجماعت کی رائے کی مؤید روایات ضرور نقل کرتے ہیں اور ان کے شیعہ خیالات کی بالواسطہ تردید کر دیتے ہیں جیسے ایک بار حضرات شیخین نے حضرت عمرو بن العاص کی شکایت رسول اکرم ﷺ سے کی تو آپ نے فرمایا کہ تم دونوں پر میرے بعد کوئی دوسرا امیر نہ ہوگا اور اس طرح شیخین کی خلافت کی تاکید نبوی فرمادی۔

تصانیف

یاقوت حموی نے معجم الادباء میں جو فہرست کتابہائے بغدادی نقل کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

۱۔ کتاب النسب

۲۔ کتاب الامثال علی افعل جس کا نام المنمق ہے
۳۔ کتاب السعو دو العمود
۴۔ کتاب العمائر و الربائع
۵۔ کتاب الموشح
۶۔ کتاب المختلف والمؤتلف فی اسماء القبائل
۷۔ کتاب المحبر اور اس کو ان کی تصانیف میں سے عمدہ قرار دیا ہے
۸۔ کتاب المقتنیٰ
۹۔ کتاب غریب الحدیث
۱۰۔ کتاب الانواء
۱۱۔ کتاب المشجر
۱۲۔ کتاب من استجیبت دعوتہ
۱۳۔ کتاب الموشی
۱۴۔ کتاب المذہب فی اخبار الشعراء وطبقاتہم
۱۵۔ کتاب نقائض جریر وعمر بن لجأ
۱۶۔ کتاب نقائض جریر والفرزدق
۱۷۔ کتاب المفوف
۱۸۔ کتاب تاریخ الخلفاء
۱۹۔ کتاب من سمی ببیت قالہ
۲۰۔ کتاب مقاتل الفرسان
۲۱۔ کتاب الشعراء وانسابہم
۲۲۔ کتاب العقل
۲۳۔ کتاب کنی الشعراء
۲۴۔ کتاب السمات

۲۵۔ کتاب ایام جریر التی ذکر ہافی شعرہ

۲۶۔ کتاب امہات اعیان بنی عبد المطلب

۲۷۔ کتاب المقتبس

۲۸۔ کتاب امہات السبعۃ من قریش

۲۹۔ کتاب الخیل

۳۰۔ کتاب النبات

۳۱۔ کتاب القاب القبائل کلہا

۳۲۔ کتاب الارحام التی بین رسول اللہ ﷺ واصحابہ سوی العصبیۃ

۳۳۔ کتاب القاب الیمن ومفر وربیعۃ

۳۴۔ کتاب القبائل الکبیرۃ والایام جس کو وزیر کبیر فتح بن خاقان کے لئے تالیف کیا تھا۔

ان کے علاوہ ابن حبیب بغدادی نے بعض شعراء کے دیوان/ بیان بھی مرتب کی تھیں جیسے "کتاب شعر الشماخ، کتاب دیوان، زفر بن الحارث، کتاب شعر الاقیشر، کتاب شعر الصمۃ اور کتاب شعر لبید العامری"۔

ابن حبیب بغدادی کی کتابوں کے عناوین یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو مختلف علوم وفنون پر خاصی دسترس حاصل تھی اور ان میں شعروادب، لغت، قبائل وانساب، سیرت وتاریخ اور حیوانیات وغیرہ کافی اہم ہیں۔ ان کی علمی حیثیت کا صحیح تجزیہ تو اسی وقت کیا جاسکتا ہے جب ان کی سب نہ سہی بیشتر کتابیں دستیاب ہوتیں لیکن ان کی عدم دستیابی کی صورت میں ادھورا جائزہ ہی لیا جاسکتا ہے۔

ان کتابوں کے عناوین اور خاص کر کتاب المحبر اور کتاب المنمق کے موضوعات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن حبیب بغدادی سچ مچ اور صحیح معنوں میں اخباری تھے کہ مختلف اور منتشر واقعات وشخصیات اور کوائف ومعاملات پر الگ الگ عناوین سے کبھی مختصر نسبتاً مفصل معلومات جمع کر دیتے ہیں جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ نہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے وہ تاریخی تحریر میں ہوتی ہیں اور نہ واقعاتی اور موضوعاتی لحاظ سے ان میں ربط ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اصطلاحی طور سے چھوٹی چھوٹی اخبار بلا کسی منطقی ترتیب کے جمع کر کے ان کو کتاب بنادیتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے ان

معلومات کو جمع کرنے کے بعد ان کو موضوعاتی ترتیب دینی چاہی ہو لیکن ان کو اس کا موقعہ نہ ملا ہو یا اس انتشار موضوع اور پراگندگی بیان کی ذمہ داری ان کے راوی اضطراب بیان کی ہو۔

بہر حال ان منتشر معلومات کی اپنی اہمیت ہے اور تاریخ وسیرت کے مطالعہ میں ان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اول سبب تو یہ ہے کہ وہ دوسری تیسری/آٹھویں نویں صدی کے مؤلف واخباری تھے اور ہمارے متعدد متداول مورخین اور سیرت نگاروں سے قدیم تر۔ دوسری ان کی اخبار ومرویات بعض اعتبارات سے بہت نئی ہیں۔ ان میں متعدد معاشرتی اہمیت کی معلومات ہیں جو دوسروں کے ہاں موجود نہیں۔ جیسے حلف الفضول کے بارے میں تفصیلات، خاندان بنوعبدالمطلب اور بنوعبد مناف کے بعض اہم کارناموں پر مشتمل مطالعات۔ اسلام میں مختلف روابط اور محرکات وعوامل کے سبب داخل ہونے والوں کے بارے میں ان کی معلومات اسلام کی نشر واشاعت اور قبولیت کا ایک نیا زاویۂ نگاہ پیش کرتی ہیں۔ جاہلی ادوار اور شخصیات کے بارے میں ان کی اخبار تو بیش بہا خزانہ ہیں۔ جہاں تک ان کی ثقاہت اور معتبریت کا تعلق ہے تو جیسی جاہلی روایات دوسرے مولفین سیرت ابن اسحاق وغیرہ کے ہاں پائی جاتی ہیں اور جس پایہ کی پائی جاتی ہیں ویسی ہی بغدادی کے ہاں بھی ہیں اور ان دونوں میں کوئی خاص جوہری فرق نہیں۔

اسلامی عہد کی روایات واخبار کا معاملہ ان سے بہت مختلف ہے اور ان کا تقابلی مطالعہ دوسری روایات سے جو مستند سمجھی جاتی ہیں ان کے مقام ومرتبہ کو متعین کرسکتا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسی اسلامی مرویات بھی زیادہ تر معتبر اور مستند ہیں کہ ان کی تائید دوسرے مستند ماخذ سے ہوجاتی ہے۔ بعض مرویات غیر معتبر بھی ہوسکتی ہیں خاص کردہ اخبار جن کا تعلق ان کے طبعی رجحان، فکری تعصب یا عقلی کجروی سے ہے۔

ابن حبیب بغدادی کی روایات میں ایک اہم چیز یہ نظر آتی ہے کہ وہ زیادہ تر جدولی انداز کی ہیں یا فہرست نگاری کے ضمن میں آتی ہیں اور اس میں الحاق اور کذب کا عنصر ذرا کم ہی ہوسکتا ہے۔ ان میں ترتیب وتنظیم کا فقدان دراصل ان کی بڑی خامی ہے۔ اس کو جدید انداز سے مرتب کرکے ان کی افادیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

بعض اہم معلومات کو ابن حبیب بغدادی نے اپنی دونوں کتابوں میں مختلف مقامات پر مختلف

روایات کے لحاظ سے بیان کیا ہے ان کو بھی ایک جگہ لاکر ان کی افادیت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر ابن حبیب بغدادی نے اپنی دونوں کتابوں میں بعض معلومات کو دہرایا ہے ان کو بھی ایک جگہ جمع کر کے ان کو زیادہ قابل قبول اور لائق استعمال بنایا جاسکتا ہے۔ مثلاً حلف الفضول کے باب میں ان کی مختلف مرویات یا حلف واحلاف کے بارے میں مختلف فصول وغیرہ۔

مصادر و مآخذ

آغا بزرگ	مصفی المقال	۳۹۹-۴۰۰
ابن تغری بردی		
ابن ندیم	فہرست	اول ۷-۱۰۶
بغدادی	ایضاح المکنون	اول ۱۰۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۲۱۴، ۲۶۵، ۴۲۷،
بغدادی	ہدیۃ العارفین	دوم ۱۴
حاجی خلیفہ	کشف الظنون	۱۳۷، ۱۴۵، ۱۵۷، ۱۷۹، ۲۹۳، ۴۱۶، ۴۸۹، ۷۲۳ وغیرہ
خطیب بغدادی	تاریخ بغدادی	دوم ۸-۲۷۷
خورشید احمد فاروق	کتاب المنمق، مقدمہ المصحح	حیدرآباد دکن ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
زرکلی	الاعلام	ششم ۳۰۷
سیوطی	بغیۃ الوعاۃ	۲۹-۳۰
الصفدی	الوافی بالوفیات	دوم ۲۷-۳۲۵
کحالہ عمر رضا	معجم المولفین	نہم ۵-۱۷۴
محمد حمید اللہ	کتاب المحبر "کلمۃ الختام للکتاب"	۲۰-۵۰۳
یاقوت حموی	معجم الادباء	۱۸، ۱۷-۱۱۲

ابن حبیب بغدادی کی کتاب المحبر

ابن حبیب بغدادی کی متعدد کتابوں میں سے ایک کتاب المحبر دستیاب ہے اور سیرت نبوی اور تاریخ اسلامی پر بعض مواد رکھتی ہے۔ اگر چہ فہرست نگاری کے قبیل سے ہونے کے سبب اس کی معلومات خاصی مختصر، منتشر اور پراگندہ ہیں تاہم اس کی قدامت کی بنا پر اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ ابن حبیب کی یہ کتاب ان کے شاگرد رشید ابوسعید الحسن بن الحسین السکری کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے اور مطبوعہ نسخہ امریکی مستشرق محترمہ ایلزہ کیٹن شٹیتر کا مرتب و محقق کردہ ہے جس پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایک مقدمہ بنام کلمۃ الختام آخر میں درج کیا ہے اور اس میں ابن حبیب کی سوانح، علمی شخصیت، کتاب کی قدر و قیمت پر بحث کی ہے اور اس میں مختلف قسم کی فہارس بھی ہیں۔ کتاب حیدر آباد دکن کے مطبعہ دائرہ المعارف عثمانیہ سے ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی اور اس میں کل صفحات سات سو باون ہیں۔ جس میں فہرست کتاب، متن اور دوسرے تمہیدی یا اختتامی صفحات شامل ہیں۔

چونکہ کتاب کا نسخہ/مخطوطہ ناقص ملا ہے کہ ورق ۴/ب سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس میں مقدمۃ المولف نہیں ہے۔ آغاز متن انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان زمانی فاصلہ سے ہوتا ہے۔ اس میں سیرت کے موضوع پر جو مواد وہ بنیادی طور سے دو حصوں میں ہے: سیرت نبوی اور دوسرے متعلقات سیرت، اور یہ مواد بلا کسی ترتیب و تنظیم کے کتاب کے مختلف حصوں میں بکھرا ہوا ہے۔ جس میں درمیان درمیان اسلامی تاریخ و اخبار کے موضوعات آجاتے ہیں۔

کتاب المحبر کا اولین موضوع سیرت "مولد النبی ﷺ" ہے انہوں نے دو تاریخیں آپ کی ولادت کی دی ہیں دو/ربیع الاول کو صحیح تر اور ۸/ربیع الاول کو ضعیف تر قرار دیا ہے اور والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھائیس ماہ اور والدہ کی وفات کے وقت آٹھ برس بتا کر آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب مادری چھ اوپر کی پیڑھیوں تک گنایا ہے۔ پھر کفالت ابی طالب، اس میں بعمر نو سال بصریٰ شام

کے سفر، تعمیر کعبہ میں تنصیب حجر اسود کی سعادت بعمر ۳۵ سال دو ماہ، حضرت خدیجہ سے شادی اور دونوں بالترتیب پچیس اور چالیس سال عمر، شنبہ و یکشنبہ کو آمد جبریل اور دوشنبہ کو رسالت کے ساتھ آمد، تعلیم وضو اور نماز اور سورۂ اقراء کی تعلیم، وحی کے نزول کیوقت عمر چالیس سال، حضرت خدیجہ کا آپ کے ساتھ اسلام، بیس دن تک نجوم کا مارا جانا، مکہ کے قیام کی مدت، ہجرت مدینہ، اور غزوات بدر، احد اور خندق کی تاریخیں، واقعہ فیل، اس کے لحاظ سے ولادت کی تاریخ، حضرت حلیمہ کی رضاعت سے والدہ کے پاس واپسی، دادا کی وفات کے وقت عمر شریف آٹھ سال دو ماہ دس دن، محاصرۂ شعب کی تاریخ اور مدت، وفات خدیجہ وابوطالب، سفر طائف، جوار مطعم بن عدی، اسلام جنات نصیبین، اسراء اور مدت قیام مدینہ سب کچھ صرف دو تین صفحوں میں بیان کردیا ہے (۱۱-۸)۔

حج قائم کرنے والوں اور خلفاء کرام کی سرخی کے تحت عہد نبوی کے تین حج کا ذکر کیا ہے یعنی ۸ھ میں امارت عتاب بن اسید میں، ۹ھ میں حضرت ابوبکر کی امارت میں اور ۱۰ھ میں حجۃ الوداع (۱۲-۱۱) حجۃ الوداع میں ابن الکلبی کے حوالہ سے آپ کی عمر شریف ساڑھے باسٹھ سال بیان کی ہے۔

اگلے متعلقات سیرت میں آپ ﷺ سے مشابہت رکھنے والے سات حضرات۔حسن بن علی بن ابی طالب، جعفر بن ابی طالب، قثم بن العباس، محمد بن جعفر، ابوسفیان بن الحارث، عبداللہ بن نوفل، مسلم بن معتب بن ابی لہب، سائب بن عبد یزید اور کابس بن ربیعہ۔ کے اسماء گنائے ہیں اور صرف اول الذکر اور آخر الذکر کے بارے میں مختصری معلومات دی ہیں (۷-۴۶) اسی سے متعلق ومتصل عاتکہ نامی ان خواتین کا ذکر ہے جو آپ کی نانی دادی لگتی تھیں، ان کا قبیلہ وار ذکر کیا ہے اور جن کی کل تعداد بارہ تھی (۵۱-۴۷) پھر آپ کی فاطمہ نامی امہات کا ذکر خیر ہے اوران کی تعداد قبیلہ وار پانچ بنتی ہے (۵۲-۵۱)۔آپ ﷺ کی صاجزادیوں، ان کے شوہروں، ان کی اولاد اوران کی شادیوں اوراولاد وغیرہ کا ذکر اسی سے متصل آتا ہے (۵۳-۵۲)۔جس کے بعد خلفاء کے ازدواجی رشتہ داروں کا ذکر ہے۔ان کے بعد جاہلی اکابر قریش جیسے عبدالمطلب اوران کے فرزندوں اور اسلامی رنبوی عہد کے اکابر کے ازدواجی رشتہ داروں کا ذکر ہے (۷۰-۶۲) خاص کر اصحاب شوریٰ کے رشتہ داروں کا۔

ابن حبیب ان معدودے چند مورخین اور سیرت نگاروں میں ہیں جنھوں نے مکی اور مدنی دونوں مواخاۃ کا ذکر کیا اوران کے جوڑے گنائے ہیں۔مکی مواخاۃ کے نو جوڑوں کا اور مدنی مواخاۃ کے

پچاس سے اوپر کا۔ اور خاتمہ اس بیان پر کیا ہے کہ مواخاۃ بدر سے قبل تھی اور بعد میں نہیں رہی۔ (۷۵-۷۰) ان میں صرف نام ہیں۔

"رسل النبی ﷺ الی الملوک والاشراف" کے عنوان سے سفیران نبوی - جریر بن عبداللہ بجلی (ذی الکلاع وغیرہ۔ یمن)، دحیہ بن خلیفہ کلبی (قیصر)، شجاع (جبلہ غسانی)، حاطب بن ابی بلتعہ (مقوقس صاحب الاسکندریہ) عمرو بن امیہ ضمری (نجاشی) سلیط بن قیس (یمامہ) العلاء بن الحضرمی (بحرین) عمرو بن عاص سہمی (عمان) اور عبداللہ بن حذافہ سہمی (کسریٰ) کا ذکر مختصر معلومات کے ساتھ کیا ہے۔ (۷۷-۷۵)

"ازواج رسول اللہ ﷺ" کی سرخی کے تحت آپ کی تمام ازواج مطہرات کا ترتیب وار ذکر کیا ہے جو نسبتاً مفصل بھی ہے اور مختصر معلومات بھی رکھتا ہے۔ بغدادی کی ترتیب یہ ہے کہ حضرت خدیجہ، حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت غزیہ بنت دودان عامری (ان کو مکی ازواج کہا ہے) پھر دوسری ازواج میں حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ (اور ان ازواج کو منکوحہ و مدخولہ قرار دیا ہے)۔ پھر دوسری ازواج مطہرات کا ذکر کیا ہے جیسے خولہ بنت ہذیل، شراف بنت خلیفہ کلبی، عالیہ بنت ظبیان، ریحانہ بنت شمعون قرظی، اسماء بنت النعمان، حضرت الجونیہ الکندیہ، سنا بنت سفیان اور دوسری ان میں وہ خواتین بھی شامل ہیں جن کو آپ نے پیغام دیا مگر شادی نہیں کی۔ آخر میں حضرت ماریہ قبطیہ اور آپ کی ازواج کی تاریخ وفات کا ذکر ہے یہ دراصل ازواج مطہرا کے سوانحی خاکے بھی ہیں (۹۹-۷۷)۔

اسی سے متصل "اسلاف رسول اللہ ﷺ" یعنی آپ کے ہم زلف رشتہ داروں کا ذکر ہے اور اس میں ان کی اولاد وغیرہ کا بھی حوالہ ہے۔ ان کے جدی اور مادری نسب کا بھی ذکر ہے۔ یہی باب بلاذری کی کتاب "انساب الاشراف" میں زیادہ مفصل ہے۔ جو غالباً بغدادی وغیرہ سے یا ایک ہی ماخذ سے مستنبط ہے (۱۱۰-۹۹) اس باب میں بغدادی کے راوی سکری کی بعض تصریحات بھی ہیں۔

اسی سے متصل آپ کے غزوات کا باب ہے اور ترتیب وار ان کے نام، مقام، تاریخ اور نتیجہ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں بدر سے قبل آپ کے غزوات اولیٰ کی تعداد چھ بتائی ہے جو دوسرے مآخذ کے مقابلہ میں زیادہ ہے اور ان میں قرب و جوار کے قبائل سے معاہدہ کرنے کے واقعہ پر زیادہ زور دیا ہے

جس کی وجہ سے ان کی اہمیت زیادہ ہے۔ان میں بالعموم آمد ورفت کی تاریخیں ہیں اور عجب بات ہے کہ آخری اہم ترین غزوات فتح مکہ، حنین، طائف کا ذکر خاص کر بہت مختصر ہے (۱۶-۱۱۰)۔اسی سے ملحق آپ کی سرایا کا ذکر ہے جن کی تاریخوں، امیروں، نتیجوں کا مختصر ذکر ہے۔اس میں بعض سرایا نئی ہیں جیسے حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کا سریۂ بنی سلیم جو ۲ھ میں بتایا ہے۔یہ ذکر سنہ وار ہے۔(۲۵-۱۱۶)

اگلا باب سیرت امراء نبوی سے متعلق ہے اور آغاز حضرت علیؓ سے کیا ہے کہ وہ غزوہ تبوک کے دوران امیر مدینہ تھے۔دوسرے امراء/گورنروں اور عمال صدقات میں مہاجرین ابی امیہ، زیاد بن لبید، ابوموسیٰ، معاذ، عدی بن حاتم، مالک بن نویرہ، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، عتاب بن اسید، خالد بن سعید، یزید بن ابی سفیان وغیرہ کا ان کے منازل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔پھر امرائے مواسم میں عتاب اور ابوبکرؓ کا بیان ہے۔اور حضرت عثمان بن ابی العاص کی امارتِ صلوۃ کا ذکر کر کے ان کی خلافت میں امارت کا ذکر بھی کیا ہے۔قاسم پر آپ کے امیر کا ذکر کیا ہے اور سب سے اہم بیان یہ ہے کہ حضرت ''ابوبکر الصدیقؓ آپ کی امت پر آپ ﷺ کے خلیفہ تھے''۔اس پر یہ باب ختم ہوتا ہے۔(۲۸-۱۲۵)

''موالی رسول اللہ ﷺ'' کی سرخی کے تحت آپ کے غلاموں اور آزاد کردہ موالی کا ذکر محض ان کے اسماء گرامی کی حد تک ہے (۹-۱۲۸) پھر ''قصۃ ابی کبشہ'' کے عنوان کے ان تمام اجداد و آباء نبوی کا ذکر کیا ہے جو ابوکبشہ کہلاتے تھے اور جن کے سبب آپ ﷺ کو ''ابن ابی کبشہ'' کہا جاتا تھا۔(۳۰-۱۲۹) اسی سے متصل صفحہ پر ان تمام ''محمدون'' کا نام ہے جن کا نام نامی صرف اس آرزو میں رکھ دیا گیا تھا کہ شاید آنے والا نبی موعود وہی ہو۔(۱۳۰) انبیاء کرام کے مختون ہونے پر بحث میں آپ کا بھی ذکر ہے (۱۳۲) پھر حکام العرب کی سرخی کے تحت جاہلی شیوخ کے تذکرہ میں آپ کے بعض اکابر کا بھی ذکر ہے (۳-۱۳۲)۔اسی طرح ''اجواد الجاہلیہ'' کے عنوان کے تحت آپ کے بعض اجداد جیسے ہاشم وامیہ اور آپ کے معاصرین جیسے ابی بن خلف اور آپ کے صحابہ کرام جیسے صفوان بن امیہ وغیرہ کا ذکر ہے (۴۶-۱۳۷) اس کے بعد ''اجواد الاسلام'' کے باب میں نبوی معاصرین کا بھی ذکر ہے اور تاریخ اسلام کے بعض اکابر کا بھی۔(۵۶-۱۴۶)

النسأۃ کے تحت مہینوں کی ادلا بدلی کا اہم معاملہ بھی ایک مختصر فصل کا عنوان ہے (۷-۱۵۶) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے والے قریشی اکابر کی فہرست ہے (۸-۱۵۷) اور پھر قریش

کے مذاق اڑانے والوں اور کفر کی موت مرنے والوں کا تذکرہ ہے (۶۰-۱۵۸) بغدادی نے آپ کے دشمنوں کی ایک نئی قسم 'المقتسمون' کا ذکر کیا ہے جو آپ تک لوگوں کو پہونچنے سے روکا کرتے تھے اور قرآن کی سورہ ۱۵ آیت ۹۰ میں جن کا ذکر ہے (۶۱-۱۶۰) اس میں ان بزرگ صحابہ کا بھی ذکر ہے جن کو رسول اللہ ﷺ ان رکاوٹ ڈالنے والوں کی کاٹ اور تردید کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ (۶۱-۱۶۰)۔ پھر ''زنادقۃ قریش'' کی سرخی کے تحت آپ کے بعض اہم دشمنوں کا ذکر ہے۔ (۱۶۱)

بغدادی نے اگلی فہرست ان اکابر قریش کی دی ہے جنہوں نے بدر کے موقعہ پر قریش لشکر کو کھانا فراہم کرنے کے لئے اونٹ ذبح کئے تھے اور ان کی تعداد بھی بیان کی ہے (۶۲-۱۶۱) اس کے بعد ''اصحاب الایلاف'' کی سرخی کے تحت فرزندان عبد مناف کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مختلف ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم کرکے مکہ مکرمہ اور قریش کی مرفہ الحال کی راہ کھولی تھی (۶۴-۱۶۲) ''اشراف قریش'' میں جاہلی دور کے تمام اکابر اور اشراف کا خاندان وار ذکر کیا ہے اور بعض واقعات کا بھی کہیں کہیں حوالہ ہے (۵-۱۶۴) اس کا خاتمہ ایک دلچسپ تجزیہ پر کیا ہے کہ ''اسلام میں قریش کے مآثر تین ہیں: نبوت، خلافت اور شوریٰ۔ دوتو بنو عبد مناف کے لئے خاص ہیں اور تیسری میں زہرہ، تیم، عدی اور اسد بھی شریک تھے اور وہ شوریٰ تھی۔ شیخین کے بعد خلافت قریش کے دوسرے خاندانوں کے سوا صرف بنی عبد مناف کے لئے ہی خالص و وقف ہوگئی تھی''۔

جاہلی دور سے متعلق کئی دوسری فہرستیں ہیں جیسے قریش کے ''مطیبین'' قبیلے، احلاف قبیلے، حلف الفضول میں شامل قبیلے، قریش البطاح کے قبیلے، قریش الظواہر کے قبیلے، حرب الفجار میں قریش کے سردار (۷۱-۱۶۶) اس کے بعد ان جاہلی اکابر کا ذکر ہے جنہوں نے بعثت نبوی سے قبل بت پرستی ترک کردی تھی اور دین ابراہیمی کی تلاش میں حنیف بن گئے تھے۔ (۷۲-۱۷۱) پھر ایک مختصر فصل میں ان تمام اصحاب کرام کا ذکر ہے جو حضرت صفیہ کے بدری محرم تھے۔ (۷۳-۱۷۲) اس کے بعد قریش کے ان اکابر کے اسماء ہیں جو ایک دوسرے کے ندیم تھے۔ ان کے اسماء کے ساتھ بعض واقعات کا بھی ذکر ہے (۷۸-۱۷۳) قبائل حمس، قبائل حلہ، قبائل الطلس اور ائمۃ العرب کا بھی ذکر بھی جاہلی دور سے متعلق ہے (۸۳-۱۷۸)۔

اسلامی اور نبوی دور سے متعلق ایک فصل ان صحابہ کرام کے بارے میں باندھی ہے جن کو

حضرت ابوبکرؓ نے تعذیب سے آزاد کرایا تھا۔ اس میں ان کے بارے میں بعض سوانحی معلومات بھی دی ہیں۔ (۱۸۳-۸۴) پھر ''دہاۃ العرب'' کی تین سطری فہرست میں حضرت معاویہ، زیاد، عمرو بن العاص ،قیس بن سعد بن عبادہ، مغیرہ بن شعبہ ثقفی اور عبداللہ بن بدیل خزاعی کا ذکر کیا ہے (۱۸۴) پھر ایک فہرست ان بدبخت عورتوں کی دی ہے جو رسول اکرم ﷺ کی موت کی تمنا کرتی تھیں (۱۸۴) اس باب میں تاریخ اسلامی خاص کر مردہ کے بارے میں بھی معلومات ہیں (۱۸۴-۸۹) بعض دوسرے عرب اکابر کا ذکر کر کے بغدادی نے عربوں کے راہبروں اور قیافوں خاص کر موخرالذکر کا بہت مفصل ذکر کیا ہے۔ (۱۸۹-۲۳۲)

ایک فہرست عورتوں کو اپنے جمال سے بچانے کے خوف سے عمامہ باندھنے/ نقاب ڈالنے والے حسین حضرات پر باندھی ہے (۲۳۲-۳) اس کے بعد کی فصل ان قدآور شہسواروں کی ہے جن انگوٹھے زمین کو چھولیتے تھے (۲۳۲-۴) بعض عرب قبائل کی جاہلی خصوصیات مختصر فصول کے بعد ''فصحاء الاسلام'' کے عنوان سے ان تمام بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو فصیح و بلیغ خطیب جانے جاتے تھے (۲۳۵-۶)۔ ایک مختصر فہرست ان لوگوں کی ہے جن کی سنت جاہلی اسلام کی سنت بن گئی (۲۳۶) اگلی فصل میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے جاہلیت میں شراب، نشہ، اور جوا ترک کر دیا تھا (۲۳۷-۴۱) اس میں متعدد اشعار بھی ہیں اور آخر میں عرب کے چھ مناقب کا ذکر ہے جن میں سے تین کو اسلام نے ختم کر دیا اور تین کو باقی رکھا۔ (۲۴۱-۴۳)

تین فہرستیں اسلامی تاریخ سے متعلق ہیں پھر مضر و ربیعہ وغیرہ کے جراروں'' ایک بزار کے سرداروں کا ذکر ہے (۲۴۶-۵۳)۔ اگلی متعلقہ فہرست صاحب نبوی کی ہے (۲۵۸) اسی طرح جنگ میں آنکھ پھوٹنے والوں کی فہرست ہے (۲۶۱)۔ جاہلی اسواق عرب پر ایک اہم فصل ہے (۲۶۳-۶۸)۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کے بارہ نقیبوں کی فہرست ہے۔ (۲۶۸-۷۴) مہاجرین وانصار کے محمد نامی صحابہ کرام اور مہاجرین وانصار کی اولین اولاد بعد ہجرت کا ذکر الگ الگ فصلوں میں ہے۔ (۲۷۴-۷۶) پھر ایک دو فصلیں ان بدری مہاجر وانصاری صحابہ کی ہیں جن کے نام ''سعد'' تھے۔ (۲۷۶-۷) پھر عبداللہ نامی بدری صحابہ کی دو فہرستیں ہیں (۲۷۸-۸۰) اس کے بعد ان رونے والے صحابہ کرام کی فہرست ہے جن کو غزوہ تبوک میں سامان حمل و نقل نہ ہونے کے سبب محرومی

کے احساس نے دلا دیا تھا اور جن کا ذکر سورۂ توبہ میں ہے۔(۲۸۱) اگلی تین فہرستیں ان صحابہ کرام کی ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف، ابن ابی الحقیق اور عصماء بنت مروان کو قتل کیا تھا (۳-۲۸۲)۔ پھر جنگ میں پیٹھ دکھانے والے مہاجر و انصار صحابہ کرام کی دو فہرستیں ہیں (۴-۲۸۳)، اگلی فصل میں تبوک میں پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام کی ہے (۵-۲۸۴) ایک مختصر فصل رسول اللہ ﷺ کے جاسوسوں کی ہے (۲۸۵)۔ پھر عہد نبوی کے جامعین قرآن کی فصل ہے (۲۸۶) اگلی فصل میں جنگ میں بشارت فتح سنانے والوں کی ہے (۲۸۷)۔ بدری صحابہ میں مہاجر و انصار صحابہ کے موالی کی دو فہرستیں ہیں۔(۹-۲۸۷) ایک فصل میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کی پھوپھی اور خالہ دونوں سے شادی کی تھی۔(۲۸۹) اور تین سطری فصل میں ان صحابہ کرام کا ذکر جو متعہ کے قائل تھے۔(۲۸۹)

جنگ جمل و جنگ صفین میں حضرات علی و معاویہ کے ساتھ شرکت کرنے والے صحابہ کرام کی دو الگ الگ فصول ہیں۔ان میں سے بعض کے سوانحی حالات بھی ہیں (۹۶-۲۸۹)۔"اشراف نابینا" میں بعض صحابہ کرام کا بھی ذکر ہے (۹۹-۲۹۶)۔اسی طرح یک چشم، بھینگے اور لنگڑے اکابر و اشراف پر مشتمل فصول ہیں (۵-۳۰۰) نصرانی اور حبشی خواتین کے اولادوں کا ذکر ہے (۹-۳۰۵)۔

پھر ان جاہل سماجی معاملات و روایات اور سنن کا ذکر ہے جن میں سے بعض کو اسلام نے ختم کر دیا اور بعض کو باقی رکھا جیسے طلاق ثلاثہ، نکاح کے بعض طریقے، حج کے بعض مناسک خاص کر مختلف قسم کے تلبیہ، مختلف قسم کے اصنام کے حوالہ سے، ہدایا، تجہیز و تکفین کی رسوم، وراثت کے قوانین، مجرموں کی سزائیں، جسمانی نظافت اور حفظان صحت کے اصول، بعض جانوروں کی قربانی، ازلام والبسار، قسامت وغیرہ۔(۴۰-۳۰۹)

اسلامی تاریخ سے متعلق بعض فصول کے بعد ان حضرات مبارکہ کا ذکر ہے جو طلحہ نامی سخی تھے (۶-۳۵۵)، اسلام آنے کے وقت کس شخص کے پاس دس بیویاں تھیں جو سب کی سب ثقیف کی تھیں (۳۵۷)۔ملوک حیرہ، فارس، حمیر، کندہ، غسان کی فصول ہیں (۷۲-۳۵۸) اشراف کتاب میں کاتبین نبوی کا ذکر اولین ہے (۳۷۷)، پھر مختلف طبقات کے احمقوں کا ذکر ہے (۸۲-۳۷۹) سورۂ بقرہ ۱۴ کے مصداق شیاطین کا ذکر ہے (۹۱-۳۹۰)۔ پھر مختلف اشیاء اور اشخاص اور امور کے ناموں کا ذکر ہے جو قرآن میں آئی ہیں جیسے عجل سامری کا نام، حضرت ابراہیم کے دنبے کا نام وغیرہ۔(۲-۳۹۱)

بغدادی نے پھر خواتین کے تعلق سے کچھ فہرستیں دی ہیں جیسے وہ خواتین وفادار جنہوں نے اپنے شوہر کے بعد دوسری شادی نہیں کی۔ (۷-۳۹۶) وہ خاتون گرامی قدر جن کے والد، دادا، اور شوہر بدری تھے۔ وہ خاتون مکرم جنہوں نے سات بیٹے آپ کے ساتھ جنگ میں شہید کر دئے۔ وہ عورت جس کے دو بھائی بدر میں یا احد میں شریک ہوئے۔ وہ عورت جس کے باپ اور چچا نے آپ کے ساتھ اور جس کے ماموں نے مشرکوں کے ساتھ بدر میں شرکت کی۔ وہ عورت جس کے والد و چچا بدری تھے وغیرہ۔ بدر کے تعلق سے ایسی کئی فہرستیں ہیں (۴۰۳-۲۹۷)۔ پھر واقدی کے حوالہ سے ان خواتین کا ذکر کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ ان کا ذکر خاندان وار ہے (۳۲-۴۰۶)۔ پھر ان چھ خواتین کا ذکر ہے جنہوں نے مشرکین سے تعلق استوار کر لیا تھا اور رسول اکرم ﷺ نے ان کے شوہروں کو ان کا مہر دلوایا تھا (۳-۴۳۲)۔ ان خواتین پر ایک خاص فصل ہے جنہوں نے تین یا ان سے زیادہ شوہروں سے شادی کی تھی۔ (۵۵-۴۳۵) ان میں سے اکثریت کا تعلق غیر اسلامی عہد سے ہے یا بعد کی اسلامی زمانے سے۔ پھر ان گرامی قدر خواتین۔ منجبات۔ کا ذکر ہے جن کے تین فرزند اشراف تھے۔ (۶۳-۴۵۵)

مختلف فصول غیر متعلقہ کے بعد بغدادی نے ایک فصل میں قبیلہ وار چھتیس منافقوں کا ذکر کیا ہے جو عہد نبوی میں تھے۔ (۷۰-۴۶۷) پھر شراب پی کر غصہ میں مرنے والوں کا ذکر ہے اور مولفۃ القلوب کی فہرست ہے (۴-۴۷۳) جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حواریوں کی فہرست ہے۔ (۵-۴۷۴) ایک دلچسپ فصل نادرۂ روزگار معلمون کی ہے (۸-۴۷۵) جن میں اکثریت عہد نبوی کے بعد کے افراد کی ہے ایک فصل میں ان اشراف کا ذکر ہے جن کو دار پر چڑھایا گیا (۹۰-۴۷۸)۔

بعد کی فصول میں سیرت نبوی یا متعلقات سیرت سے متعلق مواد نہیں ہے۔ متن کے بعد محمد حمید اللہ کا کلمۃ الختام ہے اور پھر مختلف قسم کی فہرستیں ہیں (۴۷۵-۵۰۳)۔

ابن حبیب بغدادی کی کتاب المنمق

بغدادی کی ''کتاب المنمق'' کا پورا نام ''کتاب المنمق فی اخبار قریش'' ہے جسے خورشید احمد فاروق نے اپنی تصحیح و تعلیق سے سجا سنوار کر دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۶۴ء میں شائع کیا۔ جس میں چھ سو سے اوپر صفحات ہیں۔ ابتدائی صفحات میں سرورق کے بعد موضوعات کتاب کی فہرست (الف تا ی) ہے پھر تصحیح و تعلیق کے مراجع کی فہرست (الف تا د) ہے جس کے بعد مصحح کا مقدمہ (۲۷ صفحات) ہے اور ان کے الگ الگ صفحات دیے گئے ہیں۔ متن کتاب کے صفحات از سر نو شروع ہوتے ہیں اور وہ پانچ سو سینتالیس صفحات پر مشتمل ہے پھر مرتب و مصحح کی ترتیب داہ فہرس الاعلام والقبائل والاماکن ہے جو باون صفحات پر مشتمل ہے اور فہرست خطا و صواب نے مزید دس صفحات لئے ہیں۔ مرتب نے اپنے مقدمہ میں کتاب المنمق کے نسخہ کی بازیابی، علماء کی حوصلہ افزائی اور تصحیح و ترتیب اور اشاعت کی بعض تفصیلات دینے کے بعد (۵-۱) مولف کتاب کا سوانحی خاکہ کافی مفصل دیا ہے (۱۲-۵) پھر کتاب المنمق کے نسخہ اور اس کی بعض خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعض نقائص کا بھی۔ اس کے آخر صفحات نسخہ سے متعلق ہیں۔

کتاب کا ذکر اچانک ابوالحسن محمد بن العباس الحسنبل کے بیان سے ہوتا ہے کہ ان کو محمد بن حبیب بغدادی نے خبر دی ہے کہ اس کتاب کے راوی وغیرہ کا علم نہیں ہوسکا۔ پوری کتاب اپنے نام کے مطابق قریش کے مختلف افراد و طبقات اور معاملات سے متعلق ہے اور اس میں عہد جاہلی کے علاوہ سیرت نبوی سے متعلق بہت مفید معلومات ہیں۔ عام طور سے موضوعات کے درمیان کسی قسم کا ربط و نظم نہیں ہے خاص طور سے زمانی ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے سوائے اس کے کہ وہ از خود در آیا ہو۔ البتہ کہیں کہیں موضوعاتی ربط ضرور پیدا ہو گیا ہے۔

اس کتاب کا آغاز مؤلف کے مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں قریش اوران کے آباء واجداد کا نسب بیان کیا گیا ہےاوراس کا آغاز اس حقیقت سے کیا ہے کہ قریش کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ اس میں بنی الرحمہ پیدا ہوئے اوران کی زبان میں قرآن نازل ہوا- اس بنا پر قریش کی زبان سب سے زیادہ فصیح اوران کا نسب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ آیت قرآنی اور حدیث نبوی سے مدلل کرنے کے حضرت آدم سے سلسلۂ نسب شروع کیا ہے اورانبیائے کرام سے گذرتے ہوئے تمام نسل انسانی کے طبقات بیان کئے ہیں اور سلسلہ خاندان نبوی سے جوڑا ہے اور تمام اہم خاندانوں کا ذکر کیا ہے- پھر تمام خاندانوں پر رسول اکرم ﷺ کے خاندان کی فضیلت بیان کی ہے۔ خاندان نبوی کی فضیلت کے لئے متعدد مآخذ جیسے محمد بن سلام جمحی ، ہشام کلبی وغیرہ کے حوالہ سے متعدد روایات انساب حدیث نبوی نقل کی ہیں- اور بعض واقعات کا حوالہ بھی دیا ہے جو سیرت نبوی کے مکی اور مدنی دور سے متعلق ہیں- پھر ہاشم، عبدالمطلب ،قصی، ان کی اولاد خاص کر اولاد عبدالمطلب کا ذکر کیا ہے۔ (۲۶-۱)

دوسری بحث حضرت عباس بن عبدالمطلب کے فضائل سے متعلق ہے جس میں ان کے سوانحی واقعات وفضائل کے ساتھ سیرت نبوی پر قیمتی معلومات موجود ہیں- جیسے حضرت عباس کے ساتھ نبوی سلوک، ان کی قرابت داری اور منصب داری وغیرہ۔ (۳۱-۲۶) ''حدیث الایلاف'' کے عنوان سے ایک عمدہ بحث قریشی تجارت کی توسیع اور اولاد قصی بنو عبد مناف کے مساعی سے متعلق ہے- اس میں بعض دوسرے اکابر عہد کے واقعات بھی آئے ہیں۔ جیسے مطرود خزاعی کے سوانح اور عبدالمطلب پر مراثی وغیرہ۔ (۴۰-۳۱) پھر قصہ زہرہ وامیہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو قریش میں اول فرقہ (اختلاف) کا سبب بنا تھا۔ (۴۲-۴۰) اس کے بعد مناصب حرم کے سلسلہ میں بنو عبد مناف کے اختلاف اور حصول مناصب کا ذکر ''وهذا امر المطيبين'' کی سرخی کے تحت کیا ہے۔ (۴۵-۴۲)

سلسلہ واقعات کے برخلاف اس کے بعد اچانک ''ذکر حلف الفضول'' کے عنوان سے اس عظیم جاہلی معاہدہ امن وامان کا مفصل ذکر کیا ہے (۵۴-۴۵) جس میں اشعار کی کثرت ہے- اوراس کے بعد غزال کعبہ کے چوری ہونے کے واقعہ کا ذکر ہے (۶۷-۵۴)۔ اور دوسرے واقعات بھی ہیں اور یہ بحث خاصی قیمتی ہے- پھر اہم واقعہ فیل کا ذکر حدیث الفیل کے عنوان سے کافی مفصل ہے (۸۰-۶۸) دوسری بحث بنو عدی اور بنو سہم کے درمیان حلف سے متعلق ہے۔ (۸۲-۸۰) جس کے

بعد قصی بن کلاب اوران کی قریشی تنظیم واتحاد اورالبطح میں سکونت پذیری وغیرہ کے واقعات پر مشتمل فصل ہے۔(۸۴-۸۲) جس کا سلسلہ اس اختلاف سے جوڑا گیا ہے جو عبدالمطلب اوران کے چچا نوفل کے درمیان ایک جائداد (الارکاح) کے سلسلہ میں ہوا تھا۔(۸۸-۸۴) اس کے بعد عبدالمطلب سے خزاعہ کے معاہدہ حلف کا باب ہے۔(۹۴-۸۸)

ارکاح اورقصہ زہرہ وغیرہ کے سلسلہ میں اگرچہ قریشی خاندانوں کے درمیان منافرہ کا سلسلہ چل پڑا تھا تاہم ان کا ذکر ابن حبیب بغدادی نے دوسرے عناوین سے کیا ہے لیکن بعد کے بعض واقعات کے ضمن میں ان منافروں کا ذکران کے عناوین سے ہی نقل کیا ہے جیسے حرب بن امیہ اورعبد المطلب کے درمیان منافرہ (۹۸-۹۴)، عبدالمطلب اورثقیف کے مابین منافرہ۔(۱۰۳-۹۸)، ہاشم بن عبدمناف اورامیہ بن عبدشمس کا اہم منافرہ۔(۱۰۷-۱۰۳)، عائذ بن عبداللہ مخزومی اورحارث بن اسد بن عبدالعزیٰ کا منافرہ۔(۹-۱۰۷)، مالک بن عمیلہ اورعمیرہ بن ہاجر کے بیچ منافرہ۔(۱۱۱-۱۰۹) ،بنومخزوم اور بنوامیہ کے خاندانوں کا منافرہ۔(۱۴-۱۱۲)، بنوقصی اور بنومخزوم کے خاندانوں کے درمیان منافرہ(۱۶-۱۱۴)، بنولوی بن غالب کا منافرہ (۱۸-۱۱۶)، عتبہ بن ربیعہ اورفاکہ بن مغیرہ مخزومی کا منافرہ۔(۲۱-۱۱۸)

اس کے بعد ابن حبیب بغدادی نے بنوسہم کے سانپوں کے قتل کرنے کا ایک اہم واقعہ نقل کیا ہے۔(۲۲-۱۲۱) اور اہل مکہ کے اولین باغی بنوالسباق کی بغاوت اور ہلاکت کا مختصر ذکر کیا ہے۔ (۲۳-۱۲۲) پھر عبدالمطلب کے خضاب وسمہ کے استعمال کا ذکر آگیا ہے۔(۲۴-۱۲۳) جس کے بعد قریش وکنانہ کے مابین معرکہ ذات نکیف کا واقعہ مذکور ہے(۳۰-۱۲۴) پھر واقعہ/معرکہ المشلل کا بیان ہے۔(۳۳-۱۳۰) عہد جاہلی میں ایک معرکہ بدر قبائل عرب کے درمیان برپا ہوا تھا جس کا ذکر اس کے بعد ہے۔(۳۷-۱۳۴) پھر یوم/معرکہ فخ کا بیان ہے۔(۳۸-۱۳۷) اور یہ تمام ایام العرب ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ایام العرب کے اس بیان کا تسلسل آگے بھی چلا ہے اورمحارب بن فہر اور بنوضمرہ کے واقعہ۔(۴۰-۱۳۸)، قسامہ کے معاملہ۔(۴۲-۱۴۰) کو شامل ہے۔

قریش نے حج کے مناسک میں جو بدعات ایجاد کی تھیں ان میں سے ایک تحمس کی بدعت تھی اس کا ذکر بغدادی نے کیا ہے۔(۴۶-۱۴۳) پھر واقدی کی روایت پر بنواسد/شنوءہ اور بنوعدی کے

معرکہ یعنی یوم نخلہ کا ذکر کیا ہے۔ (۷-۱۴۶) جس کا سلسلہ اسی سند سے حضرت عمر بن الخطاب اور عمارہ بن الولید کے تجارتی تعلقات واختلاف سے جوڑا ہے (۸-۱۴۷) پھر ابن الحفص بن الاحنیف کا واقعہ قصاص اور قتل کے معمولات عرب سے متعلق ہے۔ (۵۰-۱۴۸) پھر بنو کنانہ کے عظیم ترین معرکہ (یوم) شہودہ کا ذکر مفصل ہے۔ (۵۹-۱۵۰) پھر کلبی کی سند پر حدیث القریہ بیان کی گئی ہے جو ایک چشمہ (ماء) کی اموی خریداری اور اس پر اختلاف سے متعلق ہے۔ (۶۲-۱۵۹) پھر اس سند پر بنو السبیعہ کی بغاوت وسرکشی کا واقعہ مذکور ہے۔ (۶۳-۱۶۲) جب کہ واقدی کی سند پر الفاکہ بن مغیرہ مخزومی کا واقعہ تجارت اور قتل سے متعلق ہے۔ (۶۴-۱۶۳)

ابن حبیب بغدادی نے اس کے بعد قیس بن نشبہ کو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے جوار دینے۔ (۶۶-۱۶۴) مخرمہ بن نوفل کی ماں رقیقہ بنت ابی صیفی کی بعثت محمدی کی پیشگوئی اور خواب میں الہام ہونے کے واقعہ پر مبنی اعلان وغیرہ۔ (۷۰-۱۶۶) اور کوہ ابوقبیس سے ایک ہاتف کے اعلان بعثت محمدی کرنے (۷۱-۱۷۰) کا ذکر کیا ہے۔ پھر عبداللہ بن جدعان تیمی کے مال کا اصل سرچشمہ زیر بحث آیا ہے (۲-۱۷۱)، جس کا تعلق ان کی وفات اور اس پر مراثی عرب سے جوڑا گیا ہے (۱۷۲-۷۴)۔

قصہ رکانہ کے تحت رسول اکرم ﷺ سے رکانہ بن عبد یزید کی کشتی کا ذکر کیا ہے جو اسلامی عہد کا واقعہ ہے اور سیرت نبوی کا ایک اہم باب (۷۵-۱۷۴)۔ پھر ان قریشیوں کا ذکر ایک فصل میں کیا ہے جنہوں نے اسلام سے قبل بت پرستی ترک کردی تھی۔ (۷۸-۱۷۵) اس ضمن میں عثمان بن الحویرث کے قیصر روم وغیرہ سے تعلقات کا جائزہ لیا ہے۔ (۸۵-۱۷۸)

جنگ فجار کا سلسلہ کافی طویل اور معرکوں سے بھرپور تھا - ابن حبیب نے ان کے مختلف معرکوں کے حوالے اس جنگ کے واقعات کا ذکر کیا ہے۔ (۲۱۷-۱۸۵) جس میں متعدد معرکوں کے واقعات کو مختلف روایتوں سے نقل کیا ہے اور ان کی تفصیلات دی ہیں، حلف الفضول کا دوبارہ ذکر حبیب کے واسطے سے ابوالبختری کی سند پر کیا ہے۔ (۲۲-۲۱۷) پھر قریش کے دو سیاسی گروہوں مطیبون اور الاحلاف کے بارے میں ابن الکلبی کی روایت بیان کی ہے۔ (۲۴-۲۲۲) اس کے بعد ولید بن مغیرہ مخزومی کی موت اور اس کی وصیت۔ (۳۴-۲۲۴)، اور اس کے نتیجہ میں بنو عبد مناف کے ایک جار

ابوایہر دوسی کے قتل اور قریشی اختلاف کا مفصل بیان ہے۔ (۵۲-۲۳۴)

بغدادی نے اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی اسلامی عہد کی ایک مہم کا ذکر کیا ہے جو آپ نے حضرت خالد بن ولید مخزومی کی سرکردگی میں بنو جذیمہ کے خلاف بھیجی تھی اور اس کا عنوان ہے حدیث یوم الغمیصاء- (۶۰-۲۵۲) جس کے بعد ایام ارتداد میں حضرت سہیل بن عمرو عامری کی دینی صلابت کا واقعہ مذکور ہے- (۶۱-۲۶۰) اور اس سے متصلاً رسول اکرم ﷺ کی اپنے خاندان کو اسلام کی دعوت دینے اور ابولہب کے مخالفت کرنے کا معاملہ زیر قلم آیا ہے- (۶۲-۲۶۱) اور اس کا تعلق سورہ ایلاف کے حوالہ سے قریش تجارت سے حدیث الرحلتین میں جوڑا ہے۔ (۶۴-۲۶۲)

ایک دلچسپ بحث یہ ہے کہ عبدالمطلب نے بنوزہرہ میں اپنی اور اپنے فرزند عبداللہ کی شادی کیوں کی۔ (۶۸-۲۶۴) اور اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ کسی نے بنوزہرہ میں ایک نبوت اور ایک بنوعبد المطلب میں ہونے کی پیشگوئی کی تھی- پھر دوسری بحث یہ ہے کہ حضرت طلیب رسول اکرم ﷺ کی اولین نصرت والے تھے۔ (۲۶۹) اس کے بعد ہشام بن المغیرہ اور ضباعہ بنت عامر کے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کافی قیمتی معلومات معاشرت جاہلیت سے متعلق ہیں۔ (۷۳-۲۷۰) پھر کنانہ میں مہینوں کے بدلنے کے رواج (نساہ) کا ذکر کیا ہے۔ (۷۵-۲۷۳) احابیش سے قریش کی حلف کا ذکر کیا ہے۔ (۷۹-۲۷۵) ،جس کا سلسلہ قریش، ثقیف اور دوس کے احلاف کے بیان سے جوڑا ہے ۔(۸۳-۲۸۰) اس کے بعد متعدد معاہدات حلف کا ذکر ہے جیسے حلف بنی علاج۔ (۸۴-۲۸۳) ،حلف حارثہ بن الاوقص۔(۶-۲۸۵)، حلف جحش بن رئاب۔(۸۸-۲۸۶)،حلف قارظ ۔(۹-۲۸۸)،حلف شیبان سلمی۔ (۹۰-۲۸۹) ،حلف آل سوید۔ (۹۳-۲۹۰)، حلف مرثد بن ابی مرثد الغنوی ۔(۹۴-۲۹۳)، حلف بنی نسیب بن الحارث۔(۲۹۴)، حلف آل عاصم وآل سباع۔(۹۵-۲۹۴) ،حلف آل عبداللہ بن مسعود الہذلی۔ (۹۷-۲۹۵) ،حلف آل صیر بن عذرہ۔ (۸-۲۹۷) ،حلف عمر بن الاعظم ۔(۲۹۸)، حلف ابی اسامہ۔(۹۹-۲۹۸)، حلف النباش بن زرارہ(۲۹۹) ،حلف مسعود بن عمرو (۳۰۰-۲۹۹)۔

کتاب المنمق کی ایک اہم بحث جو سیرت نبوی اور تاریخ اسلام سے متعلق ہے ان قریشی افراد و طبقات کے بارے میں ہے جو اسلام میں حلف کے بغیر ازدواجی تعلقات یا دوستی، قرابت داری،

جوار یا ولاء کے رشتوں کے سبب داخل ہوئے- پھر ان کے نام قبیلہ اور خاندان وار بیان کئے ہیں (۱۵-۳۰۱) اور ان کو ہر خاندان اور گھرانے کے عنوان کے تحت الگ الگ ذکر کیا ہے- یہ بہت اہم بحث ہے اور ابھی تک اشاعتِ اسلام کے محرکات میں ان اسباب کا تجزیہ نہیں کیا گیا ہے- اسی کے ساتھ بعض قبیلوں اور خاندانوں کے رشتۂ حلف کا ذکر بھی قبیلہ وار/ خاندانی وار دیا ہے جیسے حلف بنی سہم، حلف بنو الحارث بن فہر اور عبد مناف، حلف اوس وقریش جو ناتمام رہی- حلف مرداس بن ابی عامر وحرب بن امیہ، حلف بنی عامر وعدی بن عمرو، اور ابن ابی ثابت کی روایت کے مطابق مطیبوں اور احلاف کی حلف اور اسی روایت کے مطابق حلف الفضول۔(۴۴-۳۱۵)

بیت اللہ کی حجابت وتولیت کی تاریخ ہے جو ابن حبیب بغدادی نے ایک خاص فصل میں بیان کی ہے اور مختلف ادوار سے اس کے گذر کر قریش تک آنے کا احوال بیان کیا ہے اور اس میں متعدد روایات نقل کی ہیں- پھر فتح مکہ کے بعد رسول اکرم ﷺ کے اس فیصلہ کا ذکر کیا ہے جس کے تحت اسے بنوعبدالدار کے کلید بردار حضرت عثمان عبدری کی تولیت ہی میں رکھا تھا۔(۵۷-۳۴۴) سیرت نبوی اور تاریخ اسلام سے متعلق ایک اور بحث اموی خاندان کے ایک بڑے شیخ سعید بن العاص کے دو فرزندوں حضرات خالد وعمرو کے قبول اسلام اور اس کے سبب سے متعلق ہے۔(۶۱-۲۵۷) اسلامی خلافت میں بنوعدی بن کعب نے بعض اہم جنگیں بنوامیہ سے قبائلی ایام العرب کے انداز میں لڑی تھیں بغدادی نے ان کا ذکر ایک خاص فصل میں کیا ہے۔(۴۳-۳۶۱) اگلی بحث حضرت شرجیل بن حسنہ کندی کے قریشی نسب سے متعلق ہے۔(۵-۴۰۳) پھر مکہ مکرمہ میں اصنام کی پوجا کی تاریخ پوری تفصیل سے بیان کی ہے۔(۱۱-۴۰۵) اس کے بعد قریشی ریاسات/ مناصب کا مختصر ذکر ہے۔ (۱۲-۴۱۱) زبیر بن عوام اور ایک اعرابی کے واقعہ کا بیان کرنے کے بعد۔(۳-۴۱۲) ان سچے نوجوانوں کا ذکر کیا ہے جو قریش کے مختلف افراد نے اسلام سے قبل دیکھے تھے جیسے زمزم کے بارے میں عبدالمطلب کا خواب، ام الحکیم بنت عبدالمطلب اور عاتکہ بنت عبدالمطلب اور جہیم بن الصلت اور آمنہ بنت وہب کے خواب۔(۲۲-۴۱۳)

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی کی ایک اہم بحث حضرت حمزہ کے اسلام سے متعلق ہے جس کا ذکر ایک الگ فصل میں کیا ہے۔(۲۴-۴۲۲) پھر بنو ہشام کے بعض اہم افراد جیسے ابوجہل کے بعض

واقعات بیان کر کے (۲۶-۴۲۴) دارالندوہ کی حدیث بیان کی ہے۔ (۳۱-۴۲۶) ایک دلچسپ بحث اولاد کی لوری سنانے (ترقین) سے متعلق قریش کے مختلف لوگوں کی لوریاں بیان کرتی ہے۔ (۳۹-۴۳۱) یہ معاشرتی لحاظ سے اہم فصل ہونے کے علاوہ سیرت نبوی کے باب میں کافی اہم ہے اگلی فصل میں ہشام کے مرثیہ ہاتف کا مختصر حوالہ ہے۔ (۴۰-۴۳۹) پھر ایک جاہلی معرکہ یوم ذوضال کا ذکر ہے جس میں عبدالمطلب کے فرزند اکبر حارث اور بعض دوسرے لوگوں کے بارے میں قیمتی معلومات ہیں۔ (۴۳-۴۴۰) ایک تمیمی سردار اوس بن حجر کی مکہ میں آمد اور ابوجہل کی ضیافت پر مختصر بحث ہے۔ (۴۴-۴۴۳)۔ اور اس سے زیادہ مختصر فصل میں جحش بن رئاب کے حلف بنی امیہ اور مصاہرت عبدالمطلب کا حوالہ ہے۔ (۴۴۵) اس کے بعد اشراف قریش کی ایک اہم مجلس ''مجلس القلادہ'' کا ذکر ہے (۹-۴۴۵)۔

ابن حبیب بغدادی نے اس کے بعد تاریخ اسلامی کے ایک واقعہ حضرت عبدالرحمن بن خالد بن ولید کے قتل وسبب قتل کا ذکر کیا ہے۔ (۵۲-۴۴۹) پھر حضرت مقداد بن الاسود بہرانی صحابی کے حلف قریش کا ذکر کیا ہے۔ (۵۵-۴۵۳) بغدادی نے الندماء من قریش کے تحت قریشی تجارتی شرکاء کا ذکر کافی تفصیل سے کیا ہے۔ (۵۹-۴۵۵) پھر حکام قریش کا بیان ہے۔ (۶۰-۴۵۹) ایک مختصر فصل میں قریشی قافلہ کے زادِراہ پر باندھی ہے۔ (۶۱-۴۶۰) پھر عہد جاہلی کے ایک اہم واقعہ عشق کا ذکر ''حدیث مسافر وہند'' کے عنوان سے کیا ہے۔ (۶۴-۴۶۱) ''اجواد قریش'' کے عنوان سے قریشی سخی لوگوں کا ذکر ہے۔ (۸۳-۴۶۴) اور اس میں جاہلی، نبوی اور تاریخ اسلامی کے مختلف اشخاص شامل ہیں۔ پھر قریش کے حکام مفاخرات ومنافرات کا بیان ہے۔ (۸۴-۴۸۳) رسول اللہ ﷺ کو ستانے والوں پر تین سطری فصل (۴۸۴) دے کر قریش کے مذاق اڑانے والوں اور ان کے انجام بد کا ذکر کیا ہے۔ (۸۷-۴۸۴) پھر قریشی زندیقوں کا حال ہے۔ (۸۸-۴۸۷) جس کے بعد غزوۂ بدر میں قریش کے کھانا فراہم کرنے والوں کا مختصر ذکر ملتا ہے۔ (۹-۴۸۸) اور پھر قریش کے احمقوں کا کافی اہم اور دلچسپ ذکر ہے (۹۵-۴۸۹)۔

اگلی فصل میں ان قریشی اکابر وشخصیات کا ذکر ہے جن پر اسلامی حدود عہد نبوی اور خلافت کے دور میں جاری کی گئیں۔ (۵۰۲-۴۹۵) پھر قریش کے جھوٹوں پر مختصر فصل کے بعد۔ (۵۰۳)

قریش کے ان افراد کا ذکر ہے جو حبشی خواتین کی اولاد تھے (۵-۵۰۳) پھر قریشی فرزندان سندی خواتین نبطی والدت، اور یہودی ماؤں، نصرانی عورتوں کا ذکر ہے (۸-۵۰۵)۔ پھر ان قریشی شخصیات کا ذکر ہے جن کو کوئی نہ کوئی جسمانی عارضہ لاحق تھا جیسے وہ قریشی لوگ جن کے گالوں پر بال نہ تھے، یا قریش نابینا ہونے والے یا کانے ہو جانے والے، بھینگے لوگ یا جن اگلے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ یا لنگڑے تھے۔ (۱۱-۵۰۸)

قریش کے گھوڑوں کے ناموں پر الگ فصل باندھی ہے جس کا آغاز رسول اکرم ﷺ کے گھوڑوں سے کیا ہے اور اس میں مختلف دوسری اسلامی اور غیر اسلامی شخصیات کے حوالہ سے کیا ہے۔ (۱۸-۵۱۱) اگلی فصل قریشی تلواروں اور ان ناموں کے لئے مخصوص ہے۔ (۲۸-۵۱۸) اس میں ان کے حصول، استعمال اور دوسری بعض تفصیلات بھی پائی جاتی ہیں- پھر قریشی شہسواروں پر ایک فصل ہے۔ (۳۰-۵۲۸) پھر قریش کے اشراف و مناصب کا ذکر ہے (۳۱-۵۳۰)۔ اگلی فصل ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے جاہلیت میں شراب/نشہ خوری اور قمار بازی اپنے اوپر حرام کر لی تھی (۳۲-۵۳۱)۔ ایک مختصر فصل میں قریش کے مولفۃ القلوب کا (۳۳-۵۳۲) دوسری میں قریش حواریان رسول اللہ ﷺ کا (۵۳۳)۔ قریش صاحبان جمال کا (۳۵-۵۳۴) رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھنے والے قریشیوں کا (۳۶-۵۳۵) ذکر ہے۔ پھر اول ہاشمی والدین کی اولادوں، تین ہاشمی خواتین کے اولین فرزندوں کا ذکر کر کے (۳۷-۵۳۶) بعض خصوصیات کی مالک شخصیات کا ذکر کیا ہے جیسے وہ لوگ جن کے ماموں اور چچا دونوں خلیفہ تھے۔ یا وہ قریشی عورت جس کے باپ، دادا اور شوہر نے بدر میں شہادت پائی (۳۸-۵۳۷) اور کتاب المنمق کی آخری فصل سیف ذی یزن شاہ یمن کے پاس قریش وفد سے متعلق ہے جو ابن حبیب کے بجائے ابو سعید السکری سے مروی ہے۔ (۴۷-۵۳۸) اور جس میں متعدد اکابر قریش شامل تھے۔

حافظ ابن قتیبہ دینوری

(۲۱۳-۲۷۰ھ/۸۲۸-۸۸۲ء)

تیسری/نویں صدی اسلامی علوم وفنون اور ادب میں ایک اہمیت کی حامل ہے جب کہ خاص سیرت نبوی کے باب میں وہ نئے نئے رجحانات اور جدید تعبیرات کو اہل علم وادب کے سامنے پیش کرتی ہے کیونکہ سیرت نبوی کے اہم ترین مآخذ ومصادر پہلی دوسری ساتویں آٹھویں صدی میں پوری طرح سے مرتب ومدون ہو چکے تھے اور ان کی روایات واخبار زبانی ترسیل کے اسلامی اور حدیثی طریقہ کے مطابق مختلف نسلوں کے سینوں میں محفوظ ومامون ہوکر ہو بہو منتقل ہوتی رہی تھیں۔ جہاں تک سیرتی مواد کا تعلق ہے تیسری/نویں صدی میں خاص کر اور بعد کی صدیوں میں عام طور پر اس میں اضافہ بہت کم ہوا اور جو کچھ ہوا وہ دوسرے یا اصل مآخذ ومراجع سے حاصل کرکے جمع وتدوین یا تشکیل نو کی صورت میں ہی ہوا۔ البتہ مطالعۂ وتالیف سیرت نبوی کے نئے نئے زاویے اور جدید ووسیع رجحانات ضرور ابھرے اور ان میں سے ایک فہرست سیرت نگاری کا رجحان تھا جس میں واقعاتِ سیرت اور سوانحِ حیات مختلف عناوین کے تحت فہرستی مواد کی شکل میں جمع کردیا جاتا تھا تاکہ ایک نظر میں پوری سیرت نبوی کا خاکہ سمجھ میں آجائے۔ اور اس اہم رجحان کے ایک عظیم مؤلف امام ابن قتیبہ دینوری تھے۔

نام ونسب

مآخذ ومراجع کا کلی اتفاق ہے کہ امام ابن قتیبہ کا اسم گرامی عبداللہ، کنیت ابومحمد تھی اور ان کے والد ماجد کا نام نامی مسلم بن قتیبہ تھا اس لئے امام موصوف اپنے دادا کی طرف نسبت سے معروف ہوئے جیسا کہ عربوں کا قاعدہ اور اصول تھا کہ ان کے والد مکرم مسلم کے بارے میں خود فرزند گرامی کی تصدیق ہے کہ وہ اہل علم وحدیث تھے مگر وہ اپنے فرزند ارجمند کے پایۂ عظمت کو نہیں پہونچے اور نہ ہی ان کے نام

کا تذکرہ نگاروں کے ہاں ذکر ملتا ہے اور نہ ان کی کسی تصنیف کا پتہ چلتا ہے۔ وہ قلیل الحدیث تھے مگر تھے صاحب علم کہ امام موصوف ان سے اپنی سماعت وروایت کا حوالہ اپنی دونوں کتابوں المعارف اور عیون الاخبار میں کہیں کہیں دیتے ہیں۔ ان کے والد کی نسبت وطنی مروزی اور بغدادی سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً وہ مرو (خراسان) کے باسی تھے اور بعد میں بغداد میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ ان کے دادا قتیبہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ قتیبہ کی تصغیر ہے یا بقول زبیدی قتب سے ماخوذ ہے جس کے معنی بقول امیر مجاہد اموی قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ ''اکاف'' کے ہیں اور جس کی تصدیق امام لیث نے بھی کی ہے۔

ولادت ووطن

سوانح نگاروں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ امام ابن قتیبہ ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء میں پیدا ہوئے تھے اگر چہ بغدادی جیسے تذکرے نگاروں نے دوسرے اکابر کے حالات کی مانند ان کی تاریخ وماہ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بقول ثروت عکاشہ تاریخ ولادت کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا یہ تساہل قابل فہم بھی ہے کہ وہ اکابر کے دنیا میں تشریف لانے کے بارے میں اتنا نہیں جانتے جتنا کہ ان کی بزرگی اور عظمت اور شہرت کے بعد جان لیتے ہیں۔ لیکن امام موصوف کی جائے ولادت پر تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے ابن ندیم، ابن الاثیر ابن الابناری اور مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور بروکلمان وغیرہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ بغدادی (م ۴۶۳ھ) سمعانی (م ۵۶۲ھ) اور قفطی (م ۶۰۶ھ) وغیرہ کا خیال ہے کہ وہ بغداد میں متولد ہوئے تھے۔ ثروت عکاشہ کا خیال ہے کہ امام موصوف کے والد ماجد اور ان کا خاندان بغداد میں اجنبی اور غیر معروف تھا اور غالباً وہ کوفی نژاد تھے۔

ان کی نسبت وطنی/ مقامی - دینوری - کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ شہر وعلاقہ دینور کے قاضی رہے تھے اس لئے ان کی نسبت دینوری مشہور ہوگئی - دینور جبل کے اضلاع میں قرمیسین کے قریب علاقہ تھا اور وہ ہمدان سے پچیس فرسخ کے قریب مسافت پر واقع تھا - لیکن یہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے کہ وہ کسی خلیفہ/ امیر کے عہد میں دینور کے قاضی رہے تھے۔ ثروت عکاشہ نے امام موصوف کی کتاب ادب الکاتب میں ان کے اپنے بیان کے حوالہ سے اور ابن السید البطلیوسی کی کتاب الاقتضاب کے ایک حوالہ سے واضح کیا ہے کہ امام ابن قتیبہ دینوری عباسی خلیفہ المتوکل (۲۳۲-۲۴۷ھ) کے وزیر

کبیر ابوالحسن عبید اللہ بن یحیٰ بن خاقان (م ۲۶۳ھ) کے ساتھ وابستہ تھے اور اسی وزیر علم پرور نے امام موصوف کو عہد متوکل میں کسی وقت دینور کا قاضی مقرر کیا تھا۔ لیکن انکے عہدۂ قضا کے آغاز او انجام اور دوسری تفصیلات کے بارے میں ہماری معلومات ناقص ہی نہیں بلکہ صفر ہیں۔ البتہ یہ معلوم وثابت ہے کہ وہ دینور کی قضا پر ایک مدت گذار کر بغداد واپس آ گئے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنی ساری زندگی بسر کی مگر اس ہجرت مکانی اور بغدادی توطن کے باوجود ان کی نسبت دینوری ان کے نام نامی جز ولاینفک بن گئی۔

تعلیم وتربیت

ابن قتیبہ دینوری نے اپنے وطن ومقامِ ولادت کوفہ یا بغداد میں نشو ونما پائی اور تعلیم وتربیت حاصل کی۔ کوفہ اور بغداد میں کوئی اتنا فاصلہ بھی نہیں کہ وہ دونوں مراکز سے استفادہ کرنے میں مانع ہوتا۔ بہر حال بغدادی کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں حدیث اور دوسرے علوم کے شیوخ سے تعلیم پائی تھی۔ ثروت عکاشہ نے مختلف مراجع ومصادر کی بنیاد پر ان کے شیوخ واساتذہ کی تعداد چھبیس گنائی ہے۔ امکان ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ تھی۔ بہر حال انکے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) ان کے والد ماجد مسلم بن قتیبہ جن کا ذکر خیر امام موصوف کی کتابوں المعارف اور عیون الاخبار میں کئی بار آیا ہے۔

(۲) احمد بن سعید لحیانی، شاگرد امام ابوعبید القاسم بن سلام، جن سے ابن قتیبہ نے اٹھارہ سال کی عمر میں (۲۳۱ھ) میں کتاب الاموال پڑھی۔

(۳) ابوعبداللہ محمد بن سلام الجمحی (م ۲۳۱ھ) مؤلف طبقات الشعراء/طبقات فحول الشعراء۔

(۴) امام ابن راہویہ (ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم (م ۲۳۸ھ) جو امام فقہ وحدیث اور امام شافعی کے شاگرد ومستفیض تھے۔ اور جن سے اصحاب صحاح خمسہ۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت حدیث کی ہے۔

(۵) حرملہ بن یحیٰ تجیبی (م ۲۴۳ھ) شاگرد امام شافعی۔

(۶) قاضی یحیٰ بن اکثم (م ۲۴۲ھ) جن سے بروایت یکے امام ابن قتیبہ نے غالباً حج کے دوران مکہ

مکرمہ میں روایت لی تھی۔

(۷) علامہ المروزی (ابوعبداللہ الحسن ابن الحسین بن حرب السلمی م ۲۴۶ھ)

(۸) دعبل علی الخزاعی (م ۲۴۶ھ) جو اپنے عہد کے عظیم شاعر تھے۔

(۹) ابوعبداللہ محمد بن محمد بن مرزوق بن کبیر بن بہلول باہلی بصری (م ۲۴۸ھ)

(۱۰) امام زیادی (ابواسحاق ابراہیم بن سفیان م ۲۴۹ھ) شاگرد سیبویہ، اصمعی اور ابوعبیدہ۔

(۱۱) ابوحاتم سہل بن محمد بجستانی (م ۲۴۸ھ یا ۲۵۵ھ) جو مشہور ناقد حدیث اور ماہر اسماء الرجال ہیں۔

(۱۲) محمد بن زیادہ بن عبیداللہ بن زیاد بن الربیع الزیادی البصری (م ۲۵۲ھ)

(۱۳) ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد الصواف الباہلی البصری (م ۲۵۳ھ)

(۱۴) ابوعبداللہ محمد بن یحیٰ بن ابی حزم القطعی البصری (م ۲۵۳ھ)

(۱۵) ابوالخطاب زیاد بن یحیٰ بن زیاد الحسانی البصری (م ۲۵۴ھ)

(۱۶) شبابہ بن سوار (م ۲۵۴ھ)

(۱۷) ابوعمر عثمان الجاحظ (م ۲۵۴ھ) جن کے بارے میں امام موصوف کا بیان ہے کہ ان سے اجازہ ملا تھا۔

(۱۸) ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن حبیب بن الشہید البصری (م ۲۵۷ھ)

(۱۹) ابوطالب زید بن اخزم الطائی البصری (م ۲۵۷ھ)

(۲۰) ابوالفضل العباس بن الفرج الریاشی (م ۲۵۷ھ) شاگرد امام اصمعی

(۲۱) ابوسہل الصفار عبدہ بن عبداللہ الخزاعی (م ۲۵۸ھ)

(۲۲) عبدالرحمٰن بن بشر بن الحکم بن حبیب بن مہران العبدی (م ۲۶۰ھ)

(۲۳) ابوبکر محمد بن خالد بن خداش بن عجلان المہلبی

(۲۴) ابوسعید احمد بن خالد الضریر

(۲۵) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن قریب، امام اصمعی کے بھتیجے۔

(۲۶) ابوعبداللہ محمد بن عبید بن عبدالملک الہمدانی الاسدی۔

مشغلہ تعلیم وتدریس

اپنی تعلیم وتربیت پوری کرنے کے بعد امام ابن قتیبہ دینوری نے بغداد میں سکونت اختیار کر کے درس وتدریس اور تعلیم وارشاد کا پیشہ اختیار کیا۔ ان کے تلامذہ کے تذکروں اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف قرآن، علوم قرآن، حدیث اور علوم حدیث، فقہ، ادب، شعر، لغت ونحو، کلام اور متعدد دوسرے علوم عصریہ کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ان کا ایک حلقۂ درس تھا لیکن وہ کہاں قائم تھا اس کی طرف کسی نے اشارہ نہیں کیا ہے۔ خیال ہے کہ وہ جامع بغداد یا اپنے گھر میں تعلیم دیتے تھے۔ بہر حال یہ ابھی تحقیق طلب بات ہے۔ ثروت عکاشہ نے انکی تدریس وتعلیم کی تفصیلات تو بالکل نہیں بیان کیں لیکن ان کے تلامذہ کا ذکر ضرور کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

(۱) ان کے اولین اور اہم ترین شاگردان کے فرزند گرامی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن مسلم دینوری بغدادی (م ۳۲۲ھ) تھے جن کے بارے میں عیاض نے اپنی کتاب المدارک میں کہا ہے کہ وہ مالکی مسلک کے عامل، اپنے والد ماجد کی کتابوں کے حافظ وراوی اور صاحب علم وفضل تھے۔ وہ اپنی وفات سے پہلے تین ماہ تک مصر کے قاضی بھی رہے تھے اور اس سے معزولی کے بعد ہی انتقال کیا۔ فرزند امام ابن قتیبہ کے شاگردوں میں کئی اہم اکابر شامل تھے جیسے ابوعلی القالی (م ۳۵۶ھ)، ابوالقاسم الآمدی (۳۷۰ھ) ابوالفتح محمد بن جعفر المراغی ابوالقاسم عبدالرحمٰن الزجاجی جو خطبۂ ادب الکاتب کے شارح تھے۔ ابوجعفر کے ایک فرزند ابواحمد عبدالواحد (ولادت ۲۷۰ھ) بھی تھے جو مصر منتقل ہوگئے تھے۔ اور وہاں اپنے والد کے واسطہ سے اپنے دادا کی کتابوں کی روایت کیا کرتے تھے۔

(۲) احمد بن مروان مالکی (م ۲۹۸ھ) جو امام موصوف سے ان کی کتاب ''تاویل مختلف الحدیث'' کے راوی وناقل ہیں۔

(۳) ابوبکر محمد بن خلف بن المرزبان (م ۳۰۹ھ)

(۴) ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن ایوب بن بشیر الصائغ (م ۳۱۳ھ) جنہوں نے امام موصوف کی تمام کتابوں کی روایت کی ہے۔

(۵) ابو محمد عبید اللہ بن عبد الرحمٰن بن محمد بن عیسیٰ السکری (م ۳۲۳ھ) جنہوں نے غریب الحدیث اور اصلاح الغلط کی سماعت امام موصوف سے (۲۶۸ھ) میں کی تھی۔

(۶) ابو القاسم عبید اللہ بن احمد بن بکیر التمیمی (م ۳۳۴ھ)

(۷) الہیثم بن کلیب الشاشی (م ۳۳۵ھ) جنہوں نے امام ابن قتیبہ سے خاص کر ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔

(۸) قاسم بن اصبغ اندلسی (م ۳۴۰ھ) جنہوں نے ۲۷۴ھ میں اپنے سفر مشرق کے دوران ان سے معارف اور شرح غریب الحدیث کی قراءت کی تھی۔

(۹) عبد اللہ بن جعفر بن درستویہ الفسوی (م ۳۳۵ھ) جن کی روایت سے ہم تک کتاب الاشربہ پہونچی ہے۔

(۱۰) ابو القاسم عبید اللہ بن محمد بن جعفر بن محمد الازدی (م ۳۴۸ھ)

(۱۱) ابو بکر احمد بن الحسین بن ابراہیم الدینوری نے ان سے تاویل مختلف الحدیث پڑھی تھی۔

(۱۲) ابو عبد اللہ بن ابی الاسود (م ۳۴۳ھ)

(۱۳) ابو الیسر ابراہیم بن احمد الشیبانی البغدادی (م ۲۹۸ھ)

ظاہر ہے کہ امام ابن قتیبہ کے مذکور بالا تلامذہ وہ تھے جو سر برآوردہ تھے اور جن کا تذکرہ بآسانی دستیاب ہوگیا ورنہ ان کی طویل تدریسی زندگی میں ان سے ہزاروں افراد نے استفادہ کیا تھا جن سے بہت سے متبحر عالم بھی بنے تھے۔لیکن ان کا تذکرہ آسانی سے نہیں ملتا۔

تصانیف

امام ابن قتیبہ مختلف علوم وفنون کے ماہر ہی نہیں مؤلف ومصنف بھی تھے۔انہوں نے قرآن کریم، تفسیر وعلوم قرآنی، حدیث، فقہ، سیرت وتاریخ، دلائل نبوت، ادب وشعر، بلاغت وغیرہ میں متعدد کتابیں لکھیں، بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی تالیفات کی تعداد تین سو کے قریب بتائی ہے جس کے بارے میں ثروت عکاشہ کا خیال ہے کہ وہ ان کی تالیفات کے اجزاء یا ابواب کی تعداد ہے ورنہ انہوں نے امام موصوف کی تصانیف کی تعداد کتاب المعارف کے سوا سینتیس بیان کی ہے اور ان کے نام اور بعض

تفصیلات مختلف مراجع سے جمع کی ہیں جن میں ابن خلکان، خطیب بغدادی، داؤدی، سیوطی، ابن کثیر، ابن الانباری، قفطی، ابن العماد حنبلی، حاجی خلیفہ، قاضی عیاض، الطیب (قلاوۃ النحر)، ابوالطیب مؤلفِ طبقات فقہاء السادۃ الحنفیہ وغیرہ بہت اہم ہیں۔ امام موصوف کی مذکورہ بالا کتابوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) غریب القرآن: اس کا ایک مخطوط خزانہ ظاہریہ دمشق میں لغت ۳۳ کے نام سے موجود ہے اور اسکے مختلف نام ہیں۔

(۲) مشکل القرآن: سید صقر کی تحقیق سے یہ کتاب دار احیاء الکتب العربیہ سے میں چھپ چکی ہے۔ مشکل اور غریب القرآن دونوں کو ابوعبداللہ محمد بن احمد بن مطرف الکنانی (م ۴۵۴ھ) نے کچھ کمی بیشی کے ساتھ کتاب القرطین کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔

(۳) معانی القرآن: صرف سیوطی، داؤدی اور قاضی عیاض نے ذکر کیا ہے۔ اب دستیاب نہیں۔

(۴) القراءات: مولف گرامی نے مشکل القرآن میں اور ابن ندیم نے الفہرست میں ذکر کیا ہے۔ دستیاب نہیں ہے۔

(۵) اعراب القراءت: ابن خلکان قفطی نے اس نام سے اور ابن ندیم، سیوطی اور داؤدی نے اعراب القرآن کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اب ناپید ہے۔

(۶) الرد علی القائل بخلق القرآن: سیوطی اور داؤدی نے بالترتیب بغیۃ الوعاۃ اور طبقات المفسرین میں حوالہ دیا ہے، ناپید ہے۔

(۷) آداب القراءۃ: صرف حاجی خلیفہ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ تفصیل ندارد ہے۔

(۸) غریب الحدیث: کا ایک جزو خزانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے۔ ابن ندیم، ابن خلکان، خطیب بغدادی، داؤدی، سیوطی، ابن کثیر، ابن الانباری، قفطی اور ابن العماد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اب دستیاب نہیں ہے۔

(۹) اصلاح غلط ابی عبیدہ: مختلف ناموں سے معروف ہے جو امام ابوعبیدہ پر تقریباً پچپن مقامات پر استدراک غریب الحدیث میں کیا ہے۔ لیکن اب ملتی نہیں۔

(۱۰) مشکل الحدیث: بھی مختلف ناموں جیسے مختلف الحدیث، اختلاف تاویل الحدیث، کتاب

المناقضہ، وغیرہ کے نام سے معروف ہے۔ وہ قاہرہ سے ۱۳۲۶ھ میں چھپ چکی ہے اور اس کا عنوان ہے تاویل مختلف الحدیث۔

(۱۱) المسائل والاجوبۃ: جو مصر سے ۱۳۴۹ھ میں المسائل والاجوبۃ فی الحدیث واللغۃ کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔

(۱۲) دلائل النبوۃ: کا ذکر ابن ابن ندیم، داؤدی، سیوطی، حاجی خلیفہ نے کیا ہے اور ابن الانباری کے یہاں طویل تر نام ہے جب کہ قاضی عیاض نے اعلام النبوۃ کہا ہے اور معجزات النبی ﷺ کے عنوان سے خزانہ تیموریہ قاہرہ میں ایک مخطوطہ ہے اور اسی نام کا ذکر ابوالطیب بغوی نے دیا ہے۔

(۱۳) جامعہ الفقہ: کا ذکر ابن ندیم میں ہے جب کہ قفطی نے کتاب الفقہ کا عنوان دیا ہے اور ابن ندیم، ابن خلکان، قفطی، حاجی خلیفہ اور مولف طبقات السادۃ الحنفیہ نے کتاب التفقیہ کے عنوان سے بھی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ ثروت عکاشہ کے خیال میں یہ ایک ہی کتاب کے مختلف نام ہیں۔ ابن ندیم نے اس کے اجزا دیکھے تھے مگر اب موجود نہیں ہے۔

(۱۴) کتاب الاشربہ: خود مؤلف گرامی نے اس کو اپنی کتاب المیسر والقداح میں ذکر کیا ہے اور ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور اقتباسات نقل کئے ہیں۔ وہ علامہ محمد کردعلی کی تحقیق سے ۱۹۴۷ء میں چھپ چکی ہے۔

(۱۵) الردعلی المشبہ: جس کا متعدد اکابر نے ذکر کیا ہے اور جو مطبعہ سعادہ سے (۱۳۴۹ھ) محمد زاہد کوثری کی تحقیق کے ساتھ کتاب الاختلاف فی اللفظ والردعلی الجہمیۃ والمشبۃ کے عنوان کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

(۱۶) ادب الکاتب: مختلف ناموں سے معروف ہے اور مصر اور دوسرے ممالک سے متعدد بار چھپ چکی ہے اور الزجاجی اور ابن فاخر النحوی وغیرہ نے اس کے خطبہ کی شرح بھی کی ہے۔ دوسرے شارحین میں جوالیقی (م ۵۳۹ھ)، جذامی اور

اسحاق بن ابراہیم فارابی (م ۳۵۰ھ) ہیں۔

(۱۷) عیون الشعر: ابن ندیم نے اس کا ذکر کیا ہے کہ وہ اس کتابوں پر مشتمل تھی اور ان میں سے سات کا ذکر کیا ہے۔ اب ناپید ہے۔

(۱۸) کتاب المعانی الکبیر: کا حوالہ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار میں دیا ہے اور ابن ندیم نے اس کا ذکر کر کے اس کی بارہ کتابیں گنائی ہیں ناپید ہے۔

(۱۹) دیوان الکتاب: ابن ندیم، سیوطی اور حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ناپید ہے۔

(۲۰) تقویم اللسان: صرف حاجی خلیفہ نے حوالہ دیا ہے۔ دستیاب نہیں۔

(۲۱) خلق الانسان: ابن ندیم، داؤدی، سیوطی اور حاجی خلیفہ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ ناپید ہے۔

(۲۲) کتاب الخیل: متعدد فہرس نگاروں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ناپید ہے۔

(۲۳) کتاب الانواء: اس کا ایک مخطوطہ خزانہ الزکیہ میں موجود ہے۔

(۲۴) جامع النحو الکبیر: ابن ندیم، داؤدی، سیوطی، قفطی اور حاجی خلیفہ نے ذکر کیا ہے۔ دستیاب نہیں ہے۔

(۲۵) جامع النحو الصغیر: مذکورہ بالا تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ ناپید ہے۔

(۲۶) المیسر والقداح: بعض مذکورہ بالا مآخذ کے علاوہ صاحب طبقات السادۃ الحنفیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

(۲۷) فضل العرب علی العجم: خود ابن قتیبہ نے اس کا حوالہ عیون الاخبار میں دیا ہے۔ اس کا ایک حصہ رسائل البلغاء (۱۳۳۱ھ) میں اور کچھ المقتبس میں چھاپی ہے۔

(۲۸) عیون الاخبار: دارالکتب المصریہ سے ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے اور جلدوں میں ہے۔ وہ ان کی مشہور ترین کتاب۔

(۲۹) طبقات الشعراء: پہلی بار لائڈن سے ۱۸۷۵ھ میں چھپی تھی پھر ۱۹۰۴ء میں چھپی اور مصر سے احمد محمد شاکر نے ۱۳۶۶ھ میں اپنی تحقیق سے چھاپی ہے۔

(۳۰) الحکایۃ والمحکی: (۳۱) فرائد الدرر، (۳۲) حکم الامثال، (۳۳) آداب العشرۃ، (۳۴) کتاب العلم، (۳۵) تعبیر الرؤیا، (۳۶) الجوابات الحاضرۃ اور آخری کتاب،

(۳۷) الجراثیم۔ ان کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی ابن قتیبہ کے نام سے منسوب ہیں لیکن ان کی نسبت غلط ہے خاص کر کتاب الامامۃ والسیاسۃ کی جس کو ثروت عکاشہ نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے۔ بہرحال امام موصوف کی اب تک چند کتابیں ہی چھپ سکی ہیں۔

مصادر و مآخذ

ابن تغری بردی (م ۸۷۴ھ)	النجوم الزاہرۃ	سوم ۷۵
ابن الاثیر (۶۰۶ھ)	اللباب	دوم ۲۴۲
ابن الانبار (م ۵۷۷ھ)	نزہۃ الالباء	۲۷۲-۴
ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ)	المنتظم	۱۰۲
ابن کثیر (م ۷۷۴ھ)	البدایۃ والنہایۃ	یازدہم ۴۸
ابن خلکان (م ۶۸۱ھ)	وفیات الاعیان	دوم ۲۴۶
ابن قطلوبغا (م ۸۷۹ھ)	تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ	
ابن ندیم (م ۳۸۵ھ)	الفہرست	۷۷
(ابن العماد حنبلی (م ۱۰۳۲ھ)	شذرات الذہب	دوم ۱۶۹
ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)	لسان المیزان	سوم ۳۵۸
ابوالطیب (م ۳۵۲ھ)	مراتب النحویین	ص ۱۳۷
ازہری (م ۳۷۰ھ)	(م ۳۷۰ھ) التہذیب	مقدمہ ۱۲، ۱۶
اسحاق موسی حسینی	دی لائف اینڈ ورکس آف ابن قتیبہ	
خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)	تاریخ بغداد	دہم ۱۷۰
داؤدی (م ۹۵۰ھ)	طبقات المفسرین	
ذہبی (م ۷۴۷ھ)	میزان الاعتدال	دوم ۳۴
زبیدی (م ۳۷۹ھ)	طبقات النحویین	ص ۱۲۹
سیوطی (م ۹۱۱ھ)	بغیۃ الوعاۃ	۲۹۱
قرشی (م ۷۷۵ھ)	الجواہر المضیۃ	
قفطی (م ۶۴۶ھ)	انباہ الرواۃ	دوم ۱۴۳

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ لاہور	مقالہ ابن قتیبہ از بروکلمان	
السمعانی (م ۵۶۲ھ)	الانساب	ص ۴۴۳
محمد الطیب (م ۹۵۲ھ)	قلادۃ النحر فی وفیات الاعیان	
نووی (م ۶۷۶ھ)	تہذیب الاسماء واللغات	
یافعی (م ۷۶۸ھ)	مرآۃ الجنان	دوم ۱۹۱

ابن قتیبہ کی مطبوعہ کتابوں کے مقدمے جیسے عیون الاخبار، کتاب الاشربہ، کتاب المیسر والقداح، کتاب تاویل مشکل القرآن۔

ابن قتیبہ کی کتاب المعارف

امام حافظ ابن قتیبہ کی کتاب المعارف کو ثروت عکاشہ نے اپنی تحقیق کے ساتھ مطبعہ دارالکتب قاہرہ سے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا ہے جو آٹھ سو صفحات سے اوپر پر مشتمل ہے اور جس میں متن کتاب ۶۶۷ صفحات تک محدود ہے اور بقیہ میں مختلف قسم کی بارہ فہارس اور استدراکات ہیں۔ جہاں تک کتاب کے موضوع کا تعلق ہے وہ بہت وسیع ہے اور مختلف قسم کے موضوعات مضامین پر حاوی ہے۔ اس میں مقدمۂ مؤلف کے علاوہ ابتدائے خلق، حلیہ آدم، رسولوں کی تعداد، اور تاریخ کے بعد انساب عرب، سوتیلی ماؤں سے نکاح، مقت کرنے والوں اور قبائل کے اسماء متواطۂ کا ذکر ہے اور اس کے بعد سیرت نبوی سے متعلق مواد ہے۔ جو نسب رسول اللہ ﷺ سے ۱۱۷ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۶۴ تک جاتا ہے۔ اسکے بعد خلفائے راشدین، بقیہ عشرۂ مبشرہ، متعدو مہاجر و انصاری صحابہ کرام کے سوانح ۳۴۲ تک ہیں پھر مؤلفۃ القلوب، منافقین اور غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے اصحابِ ثلاثہ کا ذکر ہے، اسماء الخلفاء کے عنوان کے تحت اموی خلفاء اور عباسی خلفاء کے ساتھ ساتھ بعض اکابر جیسے زیادہ بن ابی سفیان، ابومسلم خراسانی ابوالعباس سفاح کے اعمام کرام، کا ذکر بھی ہے اور خلفاء کا ذکر معتمد تک کیا ہے (۳۹۴)۔ پھر اشراف اصحاب سلطان اور ان کے باغیوں کا ذکر ہے (۴۲۲-۳۹۵)۔ اس کے بعد تابعین کرام اور ان کے جانشینوں کا ذکر ہے۔ (۵۰۰-۴۲۳) پھر اصحاب الحدیث (۲۷-۵۰۱)، اصحاب القراء ات (۳۲-۵۲۸)، قراء ۃ الالحان (۵۳۳)، الغسابون اور اصحاب الاخبار (۳۹-۵۳۴)، رواۃ الشعراء (۴۶-۵۴۰)، معلمون (۴۹-۵۴۷) متہاجرون (۵۵۰۰)، کے اسماء گرامی ہیں- الاوائل کے تحت مساجد، کعبہ، بیت المقدس، مسجد مدینہ، بصرہ اور اسکی مسجد و نہروں اور کوفہ و راس کی مسجد اور مسجد دمشق کے حوالہ سے اولیت کا شرف والوں کا تذکرہ ہے (۶۵-۵۵۹)، پھر مختلف علاقوں کی فتوحات (۷۰-۵۶۶)، عراقین کے والیوں کے اسماء (۶۲۱-۵۷۲) اور اس میں مختلف

موضوعات ہیں - پھر فرقوں کی فصل ہے۔ (۶۲۲-۲۳) ، پھر روافض کے غالی فرقوں کا ذکر ہے (۶۲۴-۵) ، پھر کتاب الملوک ہے۔ (۶۲۶-۳۷) ، یمن کے ملوک الحبشہ ہیں (۶۳۸-۴۴) ، پھر ملوک الحیرہ کی فہرست ہے (۶۴۵-۵۱) اور آخر میں ملوک العجم کے تحت ایرانی حکمرانوں اور سلاطین کی فہرست ہے (۶۵۲-۶۷) اس کے بعد مرتب و محقق کی مرتب کردہ مختلف قسم کی فہارس ہیں۔

امام ابن قتیبہ کتاب المعارف میں سیرت نبوی پر اپنی نگارش کا آغاز نسب رسول اللہ ﷺ سے کرتے ہیں اور عدنان تک پیڑھیاں گنا کر عدنان کے بعد کے نسب پر ماہرین نسب کے اختلاف اور اس کی توضیح کے لئے اپنی کتاب النسب کا حوالہ دیتے ہیں، پھر عبدالمطلب ، ہاشم، عبدمناف اور قصی کے اصل نام بالترتیب عامر، عمرو، مغیرہ اور زید بتا کر موخر الذکر کو جمع کرنے والے بتاتے ہیں کہ انہوں نے قبائل قریش کو متحد کیا اور مکہ میں بسایا تھا۔ (۱۱۷)

ابو النبی وعمومة وعماتة ﷺ کی دوسری فہرست میں عبدالمطلب کے دس فرزندوں - عبداللہ، زبیر، ابوطالب (عبدمناف) ، عباس، ضرار، حمزہ، مقوم، ابولہب (عبدالعزیٰ) حارث اور غیداق (حجل) کے ناموں کے بعد آپ کی پھوپھیوں: عاتکہ، امیمہ، البیضاء (ام حکیم) ، برہ، صفیہ اور اروی کی فہرست دیتے ہیں۔ (۹-۱۱۸)

''الامہات'' کی سرخی کے تحت آپ کی دادیوں اور نامیوں کا ذکر ان کے اسماء و انساب کے ساتھ کیا، مثلاً فاطمہ بنت عمرو مخزومی، عبداللہ، زبیر، ابوطالب ، عاتکہ، امیمہ، بیضاء اور برہ یعنی سات اولاد عبدالمطلب کی ماں تھیں - پھر فتیلہ بنت کلیب نمریہ کا نام و نسب ہے جن کے اولاد عباس و ضرار دو تھے۔ ہالہ بنت وہیب زہری کے تین فرزند و دختر حمزہ، مقوم اور صفیہ تھے۔ لبنیٰ خزاعیہ کے واحد لڑکا ابولہب تھا۔ صفیہ عامری کے دو فرزند دختر حارث و اروی تھے اور ایک خزاعی اہلیہ ممعہ بنت عمرو کا ایک لڑکا غیداق تھا۔ (۱۱۹)

اخوال عمومته وابیه کی فہرست میں آپ کے والد ماجد اور چچاؤں کی اولاد کا ذکر کیا ہے اور ان کے اسلام لانے کا بھی، مثلاً زبیر کے بارے میں کہا ہے کہ وہ قریش کے اکابر میں سے تھے (من رجالات قریش) جن کی کنیت ابوطاہر تھی ان کے ایک عبداللہ نے قبول کیا تھا لیکن ان کی نسل نہیں چلی - ان کی دختر ضباعۃ حضرت مقداد کی بیوی تھیں اور ام الحکم ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کی اہلیہ

تھیں لیکن زبیر کے فرزندوں کی نسل نہیں چلی۔ پھر ابو طالب کی اولادوں اور ان کے اسلام لانے کا ذکر مختصر ہے اور وفات ابی طالب کا بھی حضرت عباس کے سقایہ زمزم، بیعت عقبہ میں موجودگی، خلافت عثانی میں وفات بعمر نواسی سال اور نابینا ہونے اور ان کی ولادت کا اسی ترتیب سے ذکر کر کے ان کی سات اولادوں، اہلیہ اور انکی سرگرمیوں کا کافی اچھا ذکر ہے پھر واقدی کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عباس کی اولاد کا ذکر ہے جس میں ابن الکلبی کا قول بیان کر کے بقیہ اولاد عبدالمطلب اور ان کی اولادوں کا بیان ہے۔ یہ دراصل نسب عبدالمطلب ہے۔ (۲۸-۱۲۰)

ذکر عماته کی فہرست میں آپ کی تمام پھوپھیوں، ان کے شوہروں اور ان کی اولادوں کا ذکر کر کے صراحت کی ہے کہ سوائے حضرت صفیہ کے اور کوئی پھوپھی اسلام نہیں لائیں جن کی وفات خلافت فاروقی میں ہوئی۔ اروی کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسلام لائیں یا نہیں۔ (۹-۱۲۸)

''ام النبی علیہ'' کے عنوان کے تحت آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب زہری کا نام ونسب مصر تک بیان کیا ہے اور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے کہ ان کا کوئی بھائی یا رسول اللہ علیہ کا کوئی ماموں تھا یا نہیں، البتہ بنو زہرہ اپنے کو اخوال النبی کہا کرتے تھے۔ (۱۲۹)

جدات النبی علیہ کے عنوان کے تحت آپ کی دادیوں کا اوپر کی نسلوں میں نضر بن کنانہ تک کیا ہے یعنی آپ کی دادی فاطمہ بنت عمر مخزومی تھیں، پردادی یعنی والدہ عبدالمطلب سلمٰی بنت عمرو نجاری خزرجی تھیں، سگڑدادی یعنی والدہ ہاشم عاتکہ بنت مرہ سلمی تھیں اسی طرح وہ عبد مناف، قصی کلاب، مرہ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک اور نضر کی والدہ کا ذکر معہ نام مختصر نسب کرتے ہیں۔ (۳۰-۱۲۹)

پھر جدات النبی لامہ علیہ کے تحت آپ کی نانیں کا پیڑھی در پیڑھی زہرہ بن کلاب تک کرتے ہیں جو قصی بن کلاب کے بھائی تھے اور ان دونوں کی ماں کا نام فاطمہ بنت سعد (از دسراۃ) تھا، جب کہ آپ کی نانی کا نام برہ بنت عبدالعزیٰ عبوری، پرنانی کا نام ام حبیب بنت اسد (عبدالعزیٰ بن قصی) اور سگڑنانی کا نام برہ بنت عوف (لوی بن غالب) تھا۔ جب کہ آپ کے نانا کی والدہ عاتکہ بنت الاوقص سلمی تھیں۔ (۱۳۱)

اگلی فہرست آپ کی دودھ پلائیوں (آظار النبی علیہ) کے نام ونسب پر ہے جس میں حلیمہ

بنت ابی ذوئیب سعدی/ ہوازنی آپ کے رضاعی والد حارث بن عبدالعزی اور رضاعی بھائی بہنوں عبد اللہ اور جدامہ (شیماء) کا ذکر مع آپ کے قیام بنی سعد کی مدت پانچ سالہ اور آپ کی فصاحت کے حوالہ کے ہے۔ (۲-۱۳۱)

ازواج النبی ﷺ کے تحت آپ کی تمام ازواج مطہرات کے نام ونسب اور ان کے بعض رشتہ داروں اور حالات کا ذکر ہے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد (اسد/قریش) کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ (عامر بن لوی) اور نانی کا ہالہ بنت عبدمناف (بنی معیص) کا ذکر کر کے آپ کی تمام اولادوں کی ماں (سوائے حضرت ابراہیم) کہا ہے اور ان کے دوسرے دوشوہروں اور انکی اولادوں کا ذکر کیا ہے اور آپ کی ازدواجی زندگی کی مدت بیان کی اور ان کی وفات کی تاریخ دی ہے۔ پھر حضرت خدیجہ کے بعد آپ کی تمام ازواج طاہرات کا یکے بعد دیگرے ذکر خیر ہے یعنی حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت میمونہ، حضرت صفیہ، حضرت جویریہ، حضرت عمرہ (بنی القرطات) اور بعض دوسری ازواج کا ذکر کیا ہے۔ ان سے شادی کی تاریخوں کا حوالہ بالعموم نہیں دیا ہے لیکن ان کی تاریخ وفات اور بعض دوسرے واقعات وحالات کا ضرور ذکر ہے جیسے ان کے موالی، رشتہ داروں اور ان کی اولادوں، خاص کر رسول اکرم ﷺ سے قبل سے سابقہ شوہروں اور ان کی اولادوں کا ذکر۔ ان میں وہ ازواج بھی شامل ہیں جن سے شادی مکمل نہیں یا کی طلاق دے دی یا صرف پیغام دے کر چھوڑ دیا۔ خاتمہ ایک موہوبہ حضرت خولہ بنت حکیم سلمی/ ام شریک ازدیہ کے ذکر پر کیا ہے۔ (۱۳۱-۱۳۲)

اولاد النبی ﷺ کی فصل میں آپ کے دو فرزندان خدیجہ حضرت قاسم اور حضرت طیب اور چار بنات طاہرات فاطمہ، زینب، رقیہ اور ام کلثوم اور حضرت ماریہ کے بطن سے حضرت ابراہیم کا ذکر کیا ہے۔ حضرت قاسم کی خاص کر وفات کی تاریخ بیان کی ہے اور تمام دختران گرامی کی شادی، شوہر، اولاد اور ان کی نسل اور بعض واقعات کا ذکر کر کے آپ کی باندی حضرت ماریہ اور ان کی وفات کی تاریخ دی ہے۔ (۱۴۱-۱۴۳)

موالی رسول اللہ ﷺ کی سرخی کے تحت آپ کے غلاموں اور آزاد کردہ موالی، ان کی اولاد، ان کی بیویوں اور بعض واقعات خاص کر ان کی غلامی، آزادی، اسلام، وفات اور بعض تفصیلات کا

اختصار ملتا ہے۔ موالی میں حضرت زید بن حارثہ، ان کی اہلیہ ام ایمن، انکی فرزند اسامہ، ابوغزیہ، ابورافع، سفینہ، ثوبان، یسار، شقران، ابوکبشہ، ابوعنیمرہ، مدعم، ابومویہبہ، النبیہ اور فضالہ کا ذکر ان کے نام ونسبت وغیرہ کے ساتھ ہے۔ (۹-۱۴۳)

خیل رسول اللہ ﷺ ومراکبہ کے تحت آپ کے تمام سواری کے جانوروں۔ گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں وغیرہ۔ کا مختصر بیان ان کے ناموں، خریداری، یا حصول کے ذریعہ کے ساتھ ہے اور یہ فصل ناقص معلوم ہوتی ہے۔ (۱۴۹)

احوال رسول اللہ ﷺ کا ذکر دراصل سیرت نبوی کے مختلف مراحل کا ذکر ہے جس میں آپ کی ولادت، مبعث اور مغازی وسرایا کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کی وفات تک وسیع کیا گیا ہے۔ ایک ایک سطر میں اور کہیں کہیں زیادہ سطروں میں آپ کی حیات طیبہ کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ جیسے تاریخ ولادت، رضاعت حلیمہ، واپسی از بنی سعد بن بکر، کفالت و پرورش والدہ ماجدہ اور انکی وفات مدینہ/ ابوا سے واپسی، وفات وعمر عبدالمطلب، سفر شام اور معیت ابوطالب، شرکت فجار، تجارت خدیجہ میں شرکت اور شادی، تعمیر کعبہ میں شرکت، بعثت نبوی، ستاروں کا گرنا، وفات وعمر ابوطالب، وفات خدیجہ، سفر طائف درمعیت حضرت زید بن حارثہ، قیام مکہ در جوار مطعم بن عدی، اسراء ومعراج اور فرضیت نماز، ہجرت نبوی، اور عمر نبوی بوقت ہجرت، کچھ اشعار بحوالہ ابوالقیظان اور ابن اسحاق کی تصریح، تاریخ ہجری، قیام قباء، تکمیل نماز مقیم، مواخاۃ، ابتدائی تین غزوات اور تحویل قبلہ کے بعد غزوہ بدر کا ذکر الگ سے ابو القیظان اور شعبی کے حوالہ سے کیا ہے جو نسبتاً مفصل ہے۔ اس میں بدر میں پیچھے رہ جانے والوں کے اسماء، قریش کے کھلانے والوں کے نام، مقتولین قریش اور اسیران بدر کی تعداد کی تفصیل ابن اسحاق وغیرہ کے حوالہ سے، شہداء بدر کا مختصر ذکر کر کے تاریخ غزوہ دی ہے اور بعض سماجی واقعات جیسے حضرت فاطمہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت حفصہ کی شادی اور ولادت حضرت حسن کی ایک روایت اور ابن اسحاق کی روایت سے صحیح روایت و تاریخ ولادت حضرت حسن وحضرت حسین ذکر کیا ہے۔ (۵۸-۱۵۰)

دوسرے غزوات میں غزوہ احد کا ذکر ابن اسحاق کے حوالہ سے کافی مفصل کیا ہے (۶۱-۱۵۸) جس میں تاریخ، تعداد مجاہدین، شہداء اور مقتولین مشرکین اور بعض واقعات غزوہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد دوسرے غزوات کی تاریخیں دی ہیں جیسے ۴ھ میں غزوہ خندق، ۵ھ میں جنگ

بنی المصطلق اور جنگ بنی لحیان اور ٦ ھ میں غزوہ خیبر اور حضرت جعفر کی واپسی، فدک سے مصالحت، عمرہ حدیبیہ، جس کا ذکر کچھ زیادہ ہے خاص کر بیعت رضوان کا، پھر غزوہ موتہ کا پانچ سطری بیان ہے۔ ٨ ھ میں آپ کے فرزند ابراہیم اور حضرت نجاشی کی اور حضرت ام کلثوم کی وفات، فتح مکہ، جنگ حنین، حج اول، جنگ حنین میں ثابت قدم رہنے والوں کے اسماء، طائف کے محاصرہ، غزوہ تبوک اور متعلقہ واقعات، امارت حج ابی بکر، وفود عرب کی آمد، مدینہ کے قیامِ نبوی اور وفات کا مختصر ذکر کر کے تدفین، دوشنبہ کی حیات نبوی میں اہمیت، قبر میں داخل ہونے والوں کے اسماء اور ان پر اختلاف علماء اور قبر کی نوعیت کا ذکر ہے۔ سیرت نبوی کا خاتمہ اس بیان پر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نیچے ایک چادر قبر میں بچھائی گئی تھی۔ (٦٦-١٦١)

علامہ بلاذری

(۲۷۹-۱۸۵ھ/۸۸۲-۸۱۰ء)

تیسری/نویں صدی کے مورخوں اور سیرت نگاروں میں بلاذری کو ایک منفرد و ممتاز مقام حاصل ہے۔ اگرچہ وہ اپنی سیرتی اور تاریخی کاوشوں کے لحاظ سے علم الانساب کے ماہرین کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں لیکن مواد وطریقۂ کار کے اعتبار سے ان کو عظیم سیرت نگاروں اور اسلامی تاریخ نگاروں میں سمجھنا چاہئے۔ اصلاً وہ ابن قتیبہ دینوری (م۲۷۰ھ/ ۸۸۲ء) ابوحنیفہ دینوری (م۲۸۲ھ/۸۹۷ء)، یعقوبی (م۳۱۵ھ/ ۹۲۸ء کے بعد) اور طبری (م۳۱۰ھ/۹۲۳ء) جیسے عالمی اسلامی مورخین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں کہ ان کی کتاب سیرت ان کی عظیم اسلامی تاریخ انساب الاشراف کا ایک جزو اعظم ہے لیکن فن سیرت نگاری میں ان کا پایہ محمد بن اسحاق، ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد وغیرہ کے برابر ہی ہے اگرچہ وہ زمانی اعتبار سے ان سے متاخر بھی ہیں اور ان کے خوشہ چیں بھی۔

عنوان وترتیب مواد کے طریقۂ کار کی بنا پر بلاذری کو فن انساب کے ماہرین کے خاص زمرے میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اسلامی تاریخ کو حکمراں خاندانوں -اشراف- کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں اور ان میں نسبی معلومات کو بھی پیش کرتے ہیں لیکن وہ خالص ماہرین انساب جیسے مصعب زبیری (۲۳۶-۱۵۶ھ/۸۵۱-۷۷۳ء) زبیر بن بکار اور سمعانی وغیرہ سے بالکل ممتاز ہیں اور اسی طرح انکی کتاب ''انساب الاشراف'' کو ان ماہرین انساب سے کوئی واسطہ نہیں کہ ان مولفین کا اصل مقصد نسبی معلومات فراہم کرنا ہے اور تاریخی وسیرتی معلومات ان کے ہاں ضمناً آتی ہیں جب کہ بلاذری کا اصل مقصود تاریخی اور سیرتی معلومات سے مفصل بحث کرنا ہے۔ اور نسبی روایات ان کے ہاں ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہیں یہی سبب یہ ہے کہ بلاذری کی عظیم وضخیم کتاب کا اولین حصہ سیرت نبوی پر مشتمل ہے جو سیرت انبیاء کا حصہ ہے اور مکمل سیرت نبوی کا جامع بیان پیش کرتی ہے۔

سوانح حیات خاندان

بلاذری کی زندگی اور خاندان کے بارے میں ہماری معلومات بہت ناقص ہیں کیونکہ آخذ ومراجع زیادہ تر ناقص روایات و بیانات پیش کرتے ہیں۔ ان کا نام احمد تھا، والد محترم کا یحیٰی اور دادا کا جابر اور پردادا کا داؤد۔ اس کے بعد خاندان کی بقیہ پیڑھیاں تاریکی ہیں۔ اسی طرح ان کی نسل وعلاقہ پر بھی پردہ خفا پڑا ہے۔ بعض مورخین نے فرض کرلیا ہے کہ وہ ایرانی النسل عجمی تھے محض اس لئے کہ انہوں نے کچھ فارسی کتابوں کے عربی ترجمے کئے تھے۔ ابھی تک بہرحال یہ بات تحقیق طلب ہے کہ وہ عرب تھے یا عجمی لیکن قرائن سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ عربی خاندان سے تھے۔ ان کے دادا جابر مصر کے شہر میں الخصیب کی ملازمت میں رہ چکے تھے۔ جیسا کہ جہشیاری کا بیان ہے۔ مورخ وسیرت نگار بلاذری کے والدین اور خاندان کے بارے میں مزید معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ بلاذری کی اپنی کنیت پر بھی اختلاف ہے یہی سبب ہے کہ ان کی تین کنیتیں ابوجعفر، ابوبکر اور ابوالحسن ملتی ہیں۔ غالباً موخر الذکر زیادہ راجح ہے اور اسی کو زیادہ تر علماء نے اختیار کیا ہے۔ ان کی نسبت بلاذری پر بھی اختلاف ہے۔

ولادت وتعلیم وتربیت

اسی طرح ان کی ولادت کی تاریخ ومقام، تعلیم وتربیت اور نشو ونما کے بارے میں بھی ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ ان کے نام کی نسبت بغدادی سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بغداد میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پلے بڑھے تھے۔ تاریخ ولادت کے بارے میں ان کی عمر و سن کے لحاظ سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بلاذری دوسری صدی ہجری کے اواخر اور نویں صدی عیسوی کے اوائل میں پیدا ہوئے تھے۔ یہی لگ بھگ ۱۹۵ھ/۸۱۰ء کے قریب۔

یہ قریب قریب یقینی ہے کہ بلاذری نے تیسری/نویں صدی کے عظیم ترین علمائے بغداد سے تعلیم وتربیت حاصل کی تھی۔ ان میں ہر علم وفن کے ماہرین شامل تھے۔ خاص کر اسلامیات۔ تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت وتاریخ وغیرہ کے علماء اور فضلاء سے کسب فیض کیا تھا۔ علوم وفنون کی تحصیل کا جذبہ بیکراں ان کو دمشق، حمص اور انطاکیہ جیسے شامی مراکز لے گیا تھا تو کوفہ، بصرہ وغیرہ کے عراقی مراکز سے

بھی استفادہ کیا تھا۔ ان کے اساتذہ وشیوخ قاسم بن سلام، المدائنی، ابن سعد مصعب زبیری اور حسین بن علی اسود (م ۲۵۴ھ) جیسے علماء تاریخ وحدیث شامل تھے۔ شامی علماء واساتذہ میں ہشام بن عمار (م ۲۴۲ھ) ابوحفص دمشقی (م ۲۲۵ھ) محمد بن مصفی حمصی (م ۲۴۶ھ) وغیرہ سے دمشق وحمص میں استفادہ کر کے حلب، منبج اور انطاکیہ کا سفر کیا۔ جس طرح عراق میں جزیرہ، رقہ، تکریت وغیرہ کے اسفار اختیار کئے تھے۔ پھر وہ مدتوں رومی سرحد پر بھی قیام پذیر رہے۔ قیاس کہتا ہے کہ بیس سال کی عمر تک بلاذری نے اپنی تعلیم وتربیت نہ صرف مکمل کر لی تھی بلکہ شاعری میں وہ مقام ومرتبہ حاصل کر لیا تھا کہ خلیفہ المامون (م ۲۱۸ھ / ۸۳۳ء) کے دربار خلافت میں حاضر ہو کر خود ان کی مدح میں قصیدے پڑھے اور انعام کے حقدار بنے تھے۔ بلاذری کی علمی زندگی کا یہ اولین واقعہ ہے جو حتمی طور سے ہم کو معلوم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تیسری صدی ہجری کے دوسرے عشرے سے کافی پہلے علوم وفنون کی تکمیل سے فارغ ہو کر علمی دنیا میں اپنے قدم جمانے لگے تھے۔

المامونی عہد میں بلاذری کے بعض قصیدوں کے علاوہ ان کی دوسری علمی، تہذیبی یا معاشرتی کارگزاریوں کا کوئی اور حوالہ نہیں ملتا۔ اسی طرح خلیفہ عباسی المعتصم (م ۲۲۷ھ) اور واثق (م ۲۳۲ھ) کے ادوار خلافت میں ان کی سرگزشت حیات کے اوراق پر کوئی تحریر نظر نہیں آتی۔ البتہ خلیفہ المتوکل (م ۲۴۸ھ) کے عہد خلافت سے وہ خلیفہ کی علمی مجالس میں ایک سرکردہ ادیب وسربرآوردہ شاعر کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آنے لگتے ہیں۔ خلیفہ وقت نے اپنے فرزند معتز کے لئے جو شاندار محل تعمیر کیا تھا اس میں علمی مجالس منعقد ہوئیں اور تمام معاصر شعراء وادباء جیسے بحتری، علی بن جہم، حسین بن ضحاک، علی بن ربن کاتب، یعقوب بن سکیت اور فرزندان حمدون ندیم شریک ہوا کرتے تھے اور بلاذری ان علمی مجالس میں عموماً صدر نشیں ہوتے۔ حیات بلاذری کے اس پہلو پر فتوح البلدان کی بعض روایات کافی روشنی ڈالتی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ بلاذری خلیفہ کے ندیم ومعتمد بھی تھے۔

خلیفہ متوکل کو اس کے ہی ہوسناک فرزند منتصر نے قتل کرا دیا لیکن وہ خود چھ ماہ بعد مر گیا۔ اس کا جانشین جب خلیفہ المستعین ہوا تو بلاذری نے اپنے سابقہ مقام ومرتبہ پر پھر ایک بار فائز نظر آتے ہیں۔ غالباً یہی دوران کی سیاسی منزلت، اقتصادی خوشحالی اور علمی رفعت کا بہترین زمانہ تھا۔ ابن ندیم، یاقوت اور تنوخی نے سیرت نگار بلاذری کے خلیفہ وقت سے گہرے تعلقات کے ضمن میں ایک اہم واقعہ

بیان کیا ہے، جوان کی قدرت بیان، زور گوئی، اثر اندازی اور عربی شاعری میں منزلت کو اجاگر کرتا ہے۔

مستعین کے جانشین معتز عباسی کے دور میں بلاذری کا سابقہ اثر ورسوخ برقرار رہا بلکہ نئے خلیفہ نے اپنے پانچ سالہ فرزند ولیعہد عبداللہ کی اتالیقی سے بھی انہیں سرفراز کیا۔ ۲۵۶ھ میں ترک سالار صالح بن وصیف نے جب معتز کا چراغ زندگی گل کر دیا تو نو سالہ عبداللہ مہتدی کے نام سے خلیفہ بنا اور اس کے بعد معتمد نے ۲۷۹ھ تک حکومت کی۔ ان دونوں ادوار میں بلاذری کی سرگرمیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ حتی کہ ابن المعتز نے اپنی تصانیف خاص کر ''طبقات الشعراء'' میں اپنے مورخ وشاعر استاذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا جب کہ ان سے فروتر شعراء وادباء کا تذکرہ کیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معتز کی خلافت کے بعد بلاذری کا ستارۂ اقبال گردش میں آ گیا تھا اور معتمد کے دور میں سیاسی سماجی زوال کے ساتھ اقتصادی بدحالی کا بھی ان کو سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ بلاذری نے معتمد کے وزیر عبیداللہ بن یحییٰ سے مدد چاہی۔ اگرچہ وزیر موصوف نے بلاذری کے دیرینہ تعلقات تھے تاہم اس نے ایک بار کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے بعد بلاذری نے ابوالصقر اسماعیل بن بلبل سے مدد چاہی۔ وزیر نے جب ان سنی کر دی تو بلاذری نے اس کو لئیم قرار دے کر اس کی زبردست ہجو کی۔ بعد میں اس کے جانشین وزیر احمد بن صالح شیرزاد نے ہجو کے ڈر سے اس کی مدد کی۔ یاقوت حموی نے عباسی وزراء سے بلاذری کے تعلقات اور ہجویہ اشعار کے بارے میں کچھ مواد محفوظ رکھا ہے۔

خلیفہ معتمد کے آخری زمانے میں ۲۷۹ھ میں بلاذری کی وفات ہوئی جب کہ ان کی عمر اسی سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ ابن ندیم کا بیان ہے کہ مورخ وسیرت نگار موصوف نے غلطی سے بلاذر کا زہر آلود شربت پی لیا جس کے سبب پہلے ان کے دماغ مختل ہوا پھر شدید بیماری کے بعد انتقال ہو گیا۔ اسی بناپر وہ بلاذری کہلائے۔ بعد کے دوسرے سوانح نگاروں نے بلاچوں وچرا ''سبب وفات'' اور ''وجہ تسمیہ'' قبول کر لی ہے لیکن یہ روایت مشتبہ بلکہ غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ یاقوت حموی نے اس کو مشکوک قرار دیا ہے پھر جہشیاری کا بیان ہے کہ مورخ بلاذری کے دادا جابر بن داؤد جو اپنے عہد کے ایک ممتاز کاتب تھے، بلاذری کی نسبت سے معروف تھے۔ اس سے بعض دوسروں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ مورخ موصوف کے دادا نے شربت پی کر اور جان دے کر یہ نسبت حاصل کی تھی۔ اور ان کے بعد دوسرے اخلاف اسی نسبت سے معروف ہوئے لیکن یہ توجیہ مطمئن نہیں کرتی۔ ایک خیال یہ ہے کہ بلاذر ایران یا

وسط ایشیا کا کوئی گمنام قریہ تھا جس کی نسبت مورخ کی شہرت بنی لیکن اس کا کوئی دستاویزی یا تاریخی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔

شخصیت اور طریقہ کار

مورخ وسیرت نگار احمد بلاذری کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں ان کے معاصر رجانات اور عصری عوامل نے بھر پور حصہ لیا تھا۔ بغدادی وعراق کے قیام اور شام وعراق کے علمی مراکز سے استفادہ نے بلاذری کی شخصیت کی تکمیل کی۔ اولاً انہوں نے عراقی مکتب فکر کے علماء وفضلاء سے بالخصوص حسین بن اسود (م ۲۵۴ھ) قاسم بن سلام، علی بن محمد مدائنی اور محمد بن سعد سے کسب فیض کیا پھر دمشقی اور شامی علماء بالخصوص ہشام بن عمار اور ابوحفص دمشقی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے مورخین کے مقابلہ میں بلاذری عراقی اور شامی روایات دونوں کے امین وراوی ہیں۔ جب کہ دوسرے مورخین زیادہ تر عراقی مکتب فکر کے نمائندے ہیں اور شامی روایات سے قطعاً عاری ہیں۔

بلاذری کی ایک دوسری اہم خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے صرف نظریاتی علم اور تاریخی معلومات کے جمع واکتساب کے ذریعہ ہی اپنی علمی شخصیت کی تعمیر نہیں کی تھی۔ بلکہ علاقائی اور تجرباتی مشاہدوں سے بھی بھر پور کام کیا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بازنطینی یا رومی تاریخ وثقافت سے واقف تھے اور خلفائے عباسی خاص کر متوکل کے دربار میں ان پر بحث کیا کرتے تھے۔ اور ان کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس کی تصدیق بلاذری کی تاریخ جغرافیہ کی تاریخی جغرافیہ کی شاہکار کتاب ''فتوح البلدان'' سے بھی ہوتی ہے۔ جو روایات ومشاہدات کا حسین مجموعہ ہے۔

ان دونوں عوامل وعناصر سے بلاذری کے ہاں اموی مخالفت کے رجحان کو کم کیا ہے۔ عراقی مکتب فکر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہاشمی خاندان خاص کر عباسی اور علوی خاندانوں کی مبالغہ آمیز محبت میں امویوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ اموی دشمن رجحان بلاذری کے ہاں بھی پایا جاتا ہے لیکن وہ کبھی کبھی اموی موافقت کے اخبار وروایات بھی نقل کر دیتے ہیں، دوسری کے مقابلہ میں ان کا طریقۂ تالیف کسی حد تک متوازن ضرور ہے۔ اس کا زیادہ ذکر ان کی کتاب کے ان حصوں میں ملتا ہے کہ جو اموی حکمرانوں کے بیان میں ''انساب الاشراف'' پیش کرتی ہے۔ شامی اسفار کے علاوہ عباسی

خلیفہ متوکل کے سیاسی رجحان نے بھی جو اموی خلافت کی حمایت میں تھا بلاذری کے تاریخی نقطۂ نظر کی تشکیل میں حصہ لیا تھا۔

بلاذری کا ایک اور اہم وصف تاریخی وعلمی شعور اور احساس تمیز وتعبیر ہے۔ ان میں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ کون سے باب کی روایت کس فرد یا جماعت سے لی جائے۔ انساب الاشراف اور فتوح البلدان دونوں ان کی اس صفت پر شاہد عادل ہیں۔ ان کے بیشتر رواۃ اور شیوخ اپنے اپنے میدان کے ماہرین واساتذہ ہیں مثلاً وہ نسبی امور میں ابن الکلبی ، ابن سعد، احمد بن ابراہیم دورقی ، عمرو بن محمد الناقد ، علی بن محمد مدائنی ، زبیری اور واقدی سے لیتے ہیں کہ انساب کے یہی اساطین تھے جب کہ فقہی امور میں وہ مشہور فقہاء جیسے ابوعبید قاسم بن سلام ، حسین بن اسود اور ان کے واسطہ سے یحییٰ بن آدم ، محمد بن وکیع ، عمرو بن حماد بن امام ابوحنیفہ اور سلیمان بن داؤد زہرانی سے رجوع کرتے ہیں، شان نزول اور دوسرے قرآنی علوم کے لئے وہ اپنے شیوخ سے جیسے ابوروق ہمدانی ، ضحاک ، ولید بن صالح ، ابن سعد اور دوسروں کے واسطہ سے عظیم مفسرین عکرمہ ، قتادہ ، مجاہد اور حضرت ابن عباس وغیرہ کی آراء وتشریحات نقل کرتے ہیں۔ لغات اور تشریح اشعار کے لئے وہ ابوالفراء ، اصمعی ، محمد بن زیاد اعرابی ، ابوعدنان الاعور اور ابوزید انصاری نحوی وغیرہ اساطین لغت وشعر کا حوالہ دیتے ہیں۔ اسی طرح بلاذری شامی علماء وماہرین کی مستند روایات کا ذکر کرتے ہیں جس طرح ان کے ہاں عراق کے مکتب فکر کے مسلم الثبوت اساتذہ فن سے روایت لینے کا سلیقہ ملتا ہے۔ ان کا یہی انداز نگارش ہے جو ایک طرف ان کے احساس وشعورِ تاریخ کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ تو دوسری طرف ان کی تحریروں کا علمی پایہ بھی بلند کرتا ہے۔

بلاذری کی سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کا ایک اہم متنی امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مختلف روایتی اور سندی سلسلوں کی بدولت نئی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ان کی شامی اثر پذیری کی فراہم کردہ ہیں اور کچھ انکی اپنی تلاش وجستجو کی۔ انہوں نے بعض گمشدہ اور نایاب کتابوں اور بعض گمنام یا غیر معروف رواۃ کی روایات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی روایات واخبار میں شک وشبہ کا عنصر داخل ہو جاتا ہے۔ امکان یہی ہے کہ زیادہ تر وہ صحیح اور مستند روایات ہیں لیکن ان میں سے بعض کے ضعیف ہونے سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ائمہ حدیث کے ہاں بلاذری کی روایات کا فقدان یا عدم ذکر تو سمجھ میں آتا ہے کہ وہ ان کے

نزدیک صرف اخباری اور تذکرہ نگار تھے لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان کے معاصر مورخین بلکہ ادیبوں نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ان کی کتاب کا حوالہ دیا۔ ان میں طبری اور ابوالفرج اصفہانی زیادہ نمایاں ہیں۔ لیکن ان کے دوسرے مورخین نے ان کے نام سمیت ان کی کتاب کا ذکر کرکے روایات یا معلومات نقل کی ہیں۔ مثال کے طور پر مورخ صولی نے یحییٰ بن ندیم کے ذریعہ سے اور شریف مرتضیٰ نے اپنی ''امالی'' میں علی بن محمد الکاتب کے واسطہ سے صولی سے اور صولی کے واسطہ یحییٰ بن المنجم کے ذریعہ بلاذری سے احوال وروایات نقل کئے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دوسرے مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بلاذری کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

اسنادی لحاظ سے بلاذری کا طریقہ روایت ابن اسحاق اور واقدی کے طریقہ جیسا ہے کہ وہ اکثر روایات اپنی الگ الگ سند سے بیانکرتے ہیں۔ کہیں کہیں مجموعی سند پر بھی بیان کرتے ہیں اور اس سے قبل واقدی کی طرح ''قالوا'' (انہوں نے کہا) سے ابتدا کرتے ہیں اور اس وقت ان کی مراد مذکورہ بالا رواۃ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مشہور رواۃ ومولفین جیسے مدائنی واقدی، ابن سعد کلبی وغیرہ کی روایات کبھی ان کے نام سے بلاسند نقل کرتے ہیں اور کبھی ان کی سند بھی بیان کردیتے ہیں لیکن اپنی روایات کی اسناد بھی ضرور بھی بیان کرتے ہیں۔ کبھی ''بعض مفسرین'' کی پناہ لیتے ہیں یا گمنام ومجہول رواۃ کا حوالہ دیتے ہیں۔ کہیں کہیں بلاسند ہی ذکر شروع کردیتے ہیں۔

مختلف روایات اور متصادم بیانات کا ذکر کرنے کے بعد اکثر وبیشتر حالات میں بلاذری ان میں سے صحیح ترین یا مسلم ترین روایات کو ترجیح بھی دیتے ہیں اور اس کے لئے ''ثبت'' اثبت وغیرہ کے الفاظ لاتے ہیں۔ مثال کے طور پر رسول اکرم ﷺ کے والد مکرم جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت کے بارے میں تین روایات نقل کرتے ہیں اور ان میں سے اس کو ''ثبت'' کہتے ہیں جو یہ بتاتی ہے کہ آپ مادر رحم میں تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ دوسری دو روایات کو وہ لفظ ''یقال'' (کہا جاتا ہے) کے ساتھ لاتے ہیں جو ان کے ضعیف اور مرجوح ہونے کی علامت ہے۔ یہی طریقہ انہوں نے ان کی عمر و سن کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ کبھی وہ مختلف روایات کا ذکر کرنے کے بجائے اپنی راجح وصحیح تر روایت ہی نقل کرتے ہیں جیسے جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی مدینہ میں وفات کے سلسلہ میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کی بیماری کی خبر سن کر عبدالمطلب نے عبداللہ کے بھائی زبیر بن

عبدالمطلب کو بھیجا تھا جو ان کی وفات پر دارالنابغہ میں تدفین میں شریک ہوئے تھے۔ حضرت حلیمہ کے نسب کے سلسلہ میں بلاذری ذکر کرتے ہیں کہ ابن الکلبی کے بقول ان کے والد ابوذیب کا نام حارث تھا جب کہ ابن اسحاق اور واقدی نے ان کا نام عبداللہ بن حارث بتایا ہے اور اس میں کلبی کا اولین قول ''اثبت'' ہے۔

تصانیف بلاذری

مورخ بلاذری کی تصانیف کی فہرست ابن ندیم نے جو بیان کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

(۱) کتاب البلدان الصغیر (۲) کتاب البلدان الکبیر (نامکمل رہی)

(۳) کتاب الاخبار والاشراف (۴) کتاب عہد اردشید (ترجمہ شعری)۔

یاقوت نے معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ یہی فہرست نقل کر کے پانچویں کتاب کا نام بھی ذکر کیا ہے جو ''کتاب الفتوح'' ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتاب کتاب البلدان ہی کا دوسرا نام ہے جو غلطی سے یاقوت کے ہاں پانچویں تصنیف بن گئی ہے۔ دوسرے مؤلفین ومورخین نے بلاذری کی تالیفات میں سے کسی نہ کسی کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً مسعودی نے مروج الذہب میں کتاب النسب کا اور کتاب التنبیہ والاشراف میں فتوح البلدان کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے مورخین ومؤلفین نے زیادہ تر انہیں دونوں میں سے کسی ایک کا مختلف عنوان سے ذکر کیا ہے۔ ان میں ابن ابی طاہر، حاجی خلیفہ، زبیدی صاحب تاج العروس، ابن عساکر، یاقوت (معجم الادباء میں)، صفدی ابن ابی الاصبغ وغیرہ نے زیادہ تر انساب الاشراف کا ذکر ''استقصاء فی الانساب والاخبار'' کتاب المعالیم مفاہیم الاشراف، التاریخ الاشراف، تاریخ البلاذری اور شروح البلاذری کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ ابن ابی الطاہر نے کتاب البلدان کا ذکر کیا ہے۔

موجودہ زمانے میں بلاذری کی صرف دو کتابیں موجود ہیں: ایک انساب الاشراف اور دوسری فتوح البلدان۔ موخر الذکر متعدد بار چھپ چکی ہے۔ انساب الاشراف کی جلد اول، جو سیرت نبوی پر محیط ہے، مصر سے ۱۹۵۹ء میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق کے ساتھ چھپی ہے۔ اس کے بعد کے حصے نہیں چھپ سکے پھر چوتھی جلد، پانچویں جلد اور گیارہویں جلد یروشلم سے بالترتیب ۱۹۳۸، ۱۹۳۶ء اور ۱۹۸۳ کے دوران شائع ہوئیں۔ باقی اجزاء ابھی تک طباعت کے منتظر ہیں۔ فتوح البلدان ایک

اوسط درجہ کی کتاب ہے جو اسلامی فتوحات پر محیط ہے اور علاقہ بعلاقہ فتح اسلامی کی تاریخ عہد نبوی سے عہد مؤلف تک بیان کرتی ہے۔

ماخذ و مصادر

ابن حجر	لسان المیزان، ۱/۳۲۲
ابن ندیم	فہرست
اردو دائرہ معارف اسلامیہ	مقالہ ''البلاذری''، روزنتھال و بیکر، ادارہ
بلاذری	انساب الاشراف، قاہرہ، ۱۹۵۹ء
	مقدمہ ناشر و محقق
بلاذری	فتوح البلدان، مرتبہ ڈی خویہ، مقدمہ
جرجی زیدان	آداب اللغۃ، ۲/۱۹۲ء
زرکلی	اعلام، ۱/۲۶۷
سرکیس	معجم المطبوعات، ۵۸۴
فازیلیف	العرب والروم، ۲۳۳
مجلۃ المجمع العربي العلمي	۱۶/۱۳۹
یاقوت حموی	ارشاد الاریب/معجم الادباء

بلاذری کی انساب الاشراف

علم الانساب کے اعتبار سے ترتیب دینے کے سبب سیرت نگار و مورخ احمد بن یحیٰ بلاذری کی کتاب ''انساب الاشراف'' عالمی نسب ناموں سے شروع ہوتی ہے اور اولین بحث حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد کا نسب ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بلاذری نے اپنی کتاب عالمی سیرت و تاریخ نگاروں کی مانند تخلیق زمان و آفرینش آدم علیہ السلام سے نہیں شروع کی تھی یا شروع کی تھی تو اس کا بیان معہ مولف کے دیباچہ کے موجودہ مطبوعہ کتاب میں ندارد ہے۔ بہر حال نسب نوح اور اولاد نوح کے بعد عربی زبان میں اولین متکلم کے بارے میں مختلف روایات دی ہیں۔ پھر حضرات ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اور ان کی اولاد امجاد کا ذکر خیر ہے۔ عدنان بن اُدد کے اخلاف کے نسب پر الگ بحث ہے۔ مختلف قبائلی، سماجی اور سوانحی معلومات کے بعد بحث نزار، مضر اور ان کی اولادوں تک پہونچاتی ہے۔ اخری سلسلۂ بحث قریش ظواہر اور قریش بطاح اور ان کے مختلف شیوخ خاص کر قصی بن کلاب اور ان کی اولاد سے متعلق ہے۔ (۵۷-۳)

رسول اکرم ﷺ کے خاص جد امجد عبد مناف بن قصی اور ان کی اولاد بدرشمس، ہاشم وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں ترجیح ہاشم کے ذکر کو دی ہے پھر اولاد عبد مناف کے سوانحی خاکوں اور بعض دوسرے واقعوں اور قصوں کو بیان کیا ہے۔ ''نسب بنی ہاشم'' کی سرخی کے تحت ہاشم، ان کے فرزند عبد المطلب کا خاص ذکر کر کے قصہ الفیل بیان کیا ہے۔ اس میں متعدد اشعار بھی مذکور ہیں۔ عبد المطلب کے متعلق مفصل روایات دینے کے بعد انکی اولاد کا ذکر کیا ہے اور بعض قبائلی واقعات کا بھی جیسے مختلف خاندانوں، قبیلوں اور افراد سے عبد المطلب کی منافرت کے قصے، ذات نکیف کی جنگ، زمزم کی کھدائی اور عبد المطلب کی نذر، عبداللہ کی آمنہ سے شادی وغیرہ۔ (۸۰-۵۷)

رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا بیان آپ کی والدہ ماجدہ کے الہامی خوابوں کے ذکر سے شروع ہوتا ہے جن میں ان کو آپ کو "سید الامۃ" بتایا گیا تھا اور احمد نام رکھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ پھر ولادت نبوی، عبدالمطلب اور خاندان والوں کی شادمانی، کفالت و پرورش جدی، خوابوں میں نبی موعود کی پیدائش وظہور اور حضر زمزم کا حکم، وفات عبدالمطلب، بوقت وفات عبدالمطلب کی کفالت نبوی کے باب میں اولاد کو وصیت، زبیر اور ابو طالب کی کفالت نبوی کے بارے میں روایات، وفات عبدالمطلب پر بعض مرثیے، اور بقیہ اولاد عبدالمطلب کا ذکر ہے۔ (۹۱-۸۰)

عبداللہ بن عبدالمطلب کی سرخی کے تحت آپ کے والد ماجد، والدہ ماجدہ کا نسب اور ابو کبشہ کی وجہ تسمیہ اور مسمّٰی کا ذکر کرکے آپ کی تاریخ ولادت دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول عام الفیل بیان کرکے دوسری تاریخیں بھی بیان کی ہیں جن میں دو اور بارہ ربیع الاول کے علاوہ نوشیروان اور حاکم حیرہ کی ولایت کی مدت بھی شامل ہیں۔ پھر آپ کے والد کی وفات، مدینہ میں تدفین عمر، مرثیہ کا ذکر کرکے آپ کی رضاعت حلیمہ کا ذکر ہے جس میں رضائی ماں کے حوالہ سے ان کا اور انکے متعلقین کا نسب بھی بیان ہوا ہے۔ رضاعت حلیمہ کا بیان کافی مفصل پھر آیا ہے۔ اس کے آخر میں رضاعت ثویبہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر چھ سال کی عمر میں دادا اور والدہ کے ساتھ مدینہ کا سفر، والدہ کا انتقال، اس کے بارے میں ایک نئی بصری روایت کا ذکر، رضاعت حلیمہ کے خاتمہ پر آپ کی مکہ آمد کے دوران آپ کی گمشدگی اور ورقہ بن نوفل کی اولین ملاقات، حضرت حلیمہ سے حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ کا حسن سلوک ثویبہ سے حسن سلوک، والد مرحوم کا ترکہ اور کفالت ابو طالب کا مختصر بیان آیا ہے۔ اس کے بعد بارہ سال کی عمر میں چچا ابو طالب کے ساتھ آپ کا سفر شام، بحیرا کی ملاقات، بیس سال کی عمر میں خدیجہ کی تجارت میں ابو طالب کی کوشش سے شرکت، ان سے آپ کی شادی، شادی کے وقت دونوں کی عمروں کے بارے میں مختلف روایات کا ذکر ہے۔ پھر بناء قریش الکعبۃ کی سرخی کے تحت کعبہ کی عمارت کی تعمیر نو اور رسول اکرم ﷺ کی شرکت اور مشہور فیصلہ کا ذکر کرکے حرب فجار کا ذکر یوم نخلہ اور یوم شمطہ کے دو عنوانوں کے تحت کیا ہے۔ (۱۰۳-۹۱)

مبعث رسول اللہ ﷺ کے عنوان کے تحت چالیس سال کی عمر میں آپ کی بعثت، شاہان ایران وحیرہ کی حکومتوں سے اس کی تاریخ، ۱۷ رمضان میں نزول جبریل علیہ السلام، ابتدائے نبوت

میں ندائے غیبی اور اشجار و احجار کی تسلیم، رویت جبریل، رویاء صادقہ کے بارے میں حضرت عائشہ کی روایت، رمضان میں تحنث کی روایت قریش، حضرت خدیجہ کے ذریعہ ورقہ بن نوفل سے آپ کی بعد نبوت اولین ملاقات، ورقہ کی سوانحی تفصیلات، سورۃ الحمد کے نزول، سورۂ مدثر کے نزول، فترۂ وحی، اولین سورۂ قرآنی اقراء کی تنزیل، سورۂ مزمل کی تنزیل، ان کے بارے میں مختلف روایات، آپ کو وضوء اور نماز اور قرآن کی جبریلی تعلیم، ورقہ سے اولین ملاقات کی ایک اور روایت، اولین مسلمانوں کے بارے میں مختلف روایات، حضرت علی کے اسلام کی روایت واقدی، مکہ اور مدینہ میں نبوی قیام کی مدت کے بارے میں مختلف روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱۱۵-۱۰۳)

دعاء رسول اللہ ﷺ کی سرخی کے تحت آپ کی تبلیغ اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پہلے خفیہ تبلیغ کا پھر علانیہ تبلیغ کا، ان دونوں زمانوں کی مدت کا بھی حوالہ ہے۔ اور مسلموں کے چھپ کر نماز پڑھنے، قریشی اکابر کے دیکھنے اور استعجاب کا بھی۔ واقدی کی روایت کا ذکر ہے کہ مسلمان ضحیٰ اور عصر کی دو نماز میں پنجگانہ فرض سے قبل ادا کرتے تھے۔ علانیہ تبلیغ کرنے کے حکم الٰہی کے نزول کے بعد خاندان بنو عبد مناف کی دعوت کے سلسلہ میں پھوپھیوں سے مشورے، دعوت کے انتظام، دعوت نبوی، قریشی خاندانی ردعمل، پھوپھیوں کی معاونت کا ذکر کرکے کوہ صفا سے آپ کی دعوت عام، ابولہب کی مخالفت اور اس کے اسباب سورۂ لہب کے نزول اور اس کی تشریحات، مسلم مبلغین کی مساعی کا ذکر کیا ہے اور خاتمۂ کلام رسول اللہ ﷺ کے خاص دشمنوں کے اسماء پر کیا ہے۔ (۲۴-۱۱۵)

بلاذری کی ایک خاص فصل اسلام دشمنوں کے مفصل ذکر پر مبنی ہے جس میں بالترتیب حسب ذیل اکابر قریش کا مفصل ذکر کیا ہے۔ آغاز ابوجہل مخزومی سے ہوتا ہے۔ ابوجہل کے اسلام دشمنانہ رویہ کے ذکر کے علاوہ متعلقہ آیات قرآنی کا بھی ذکر ہے اور مفسرین کے اقوال و تشریحات کا بھی۔ یہ ذکر ابوجہل کے قتل تک وسیع ہے۔ اور یہی طریقۂ کار دوسرے اسلام دشمنوں کے بارے میں بھی اختیار ہے۔ چنانچہ بالترتیب ابولہب بن عبد المطلب ہاشمی، الحارث بن قیس السہمی، ولید بن مغیرہ مخزومی اور ابواحیحہ سعید بن العاص اموی (ایک ساتھ) امیہ اور ابی فرزندان خلف جمحی (ایک ساتھ)، ابوقیس بن الفاکہ، العاص بن وائل سہمی، النضر بن حارث عبدری کا ذکر کرکے پھر امرابی احیحہ کے عنوان کے تحت ابواحیحہ کا ذکر کیا ہے۔ پھر النضر بن الحارث عبدری کا ذکر ہے۔ جس کے بعد بالترتیب منبہ اور نبیہ

فرزندان الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، عبداللہ بن امیہ، سائب، اسود، عدی اور عاص، ابوالبختری عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط اموی، اسود بن المطلب اسدی، ابن الاصداء ہذلی، الحکم بن العاص اموی، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، مطعم بن عدی، طعیمہ بن عدی، حارث بن عامر، مالک بن الطلاطلہ، رکانہ بن عبد یزید، ہبیرہ بن ابی وہب کا ذکر کیا ہے۔ بلاذری نے ان کی مخالفت وعداوت کو تین درجات - سخت عداوت، زبانی تعذیب اور استہزاء کرنے والوں۔ میں تقسیم کیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس فہرست میں ابوسفیان بن حرب کا ذکر نہیں ہے جب کہ مجمل فہرست میں ان کا ذکر عتبہ اور شیبہ کے ساتھ "جاہلی قریشیوں" کے مانند کیا ہے۔ (۵۶-۱۲۵)

اگلی سرخی ذکر المستضعفین من اصحاب رسول اللہ ﷺ ہے جس کے تحت رسول اکرم ﷺ کے کمزور صحابہ کرام کا ذکر خیر الگ کیا ہے۔ پہلے ان کی مجمل فہرست دی ہے اور ان کے بارے میں قرآنی آیات کا ذکر کیا ہے پھر ان کا الگ الگ بیان معہ ان کے انساب وحالات کے ہے۔ چنانچہ حضرات عمار بن یاسر، جناب بن الارت، صہیب بن سنان، بلال بن رباح، عامر بن فہیرہ، ابوفکیہہ، بنسیہ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس کا بالترتیب مفصل ومختصر ذکر ہے۔ اس میں ان کے اسلام راہ الٰہی میں ان کی تعذیب قریش کے ساتھ ان کی بعد کی زندگی کے وفات تک حالات بیان کئے گئے ہیں۔ (۱۹۸-۱۵۶)

قریش کی تعذیب وتکلیف کے حوالہ سے ہجرت حبشہ کا ذکر مختصر ہے۔ پھر مہاجرین حبشہ کی فہرست قبیلہ وار دی گئی ہے۔ اور ابتدا بنو ہاشم سے کی گئی ہے۔ پھر بنو امیہ، خلفاء عبد شمس، بنونوفل، بنو اسد، بنو عبد قصی، بنو عبد الدار، بنو زہرہ، خلفاء بنی زہرہ، بنو تمیم کا ذکر کر کے حضرت ابوبکر کی مہاجرت کا واقعہ بھی بیان کیا ہے پھر اسماء مہاجرین کا سلسلہ بنو مخزوم سے شروع کر کے خلفاء بنو مخزوم، بنو جمح، ان کے خلفاء، بنو سہم، خلفاء بنو سہم، بنو عدی، ان کے خلفاء بنو عامر بن لوئی، بنو الحارث کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ان تمام مہاجرین کے حالات ہجرت کے ساتھ ان کی پوری زندگی کے مرقعے بھی دیئے گئے ہیں جو نبوی عہد کے بعد کے دور سے بھی متعلق ہیں۔ وہ عہد نبوی اور اسلامی تاریخ دونوں کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ (۱۹۸-۲۲۷) اسی کے آخر میں بعض مہاجرین حبشہ کی واپسی، اس کے سبب، ان کے مکی قیام، نجاشی کے نام فرامین نبوی وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ (۲۲۸-۹)

نئی سرخی "امر الشعب والصحیفۃ" ہے۔ اس کے تحت بلاذری نے واقدی، ابن سعد وغیرہ

متقدمین کی روایات رسول اکرم ﷺ، بنو ہاشم اور مسلمانوں کے قریشی سماجی مقاطعہ کے اسباب، آغاز، مدت، صحیفہ، صحیفہ کی منسوخی اور مقاطعہ کے خاتمہ کے بارے میں بیان کی ہیں۔ آخر میں قریش کے ان نیک نفس اکابر کا ذکر خیر ہے جنہوں نے اس سماجی مقاطعہ کو ختم کرانے میں خاص کردار ادا کیا تھا۔ (۲۲۹-۳۷) پھر اس کے بعد سفر طائف کا مختصر ذکر ہے (۲۳۷) جو رسول اکرم ﷺ نے تبلیغ اسلام کے لئے ۲۷ر شوال تا ۲۳ر ذوالقعدہ ۱۰ھ میں حضرت زید کے ساتھ کیا تھا۔ مجموعی سند مورخین و اہل سیر پر قبائل عرب کے سامنے آپ کی تبلیغی مساعی کا ذکر بھی کافی مختصر ہے کہ ان میں بنو عامر بن صعصعہ، بنو محارب، بنو حنیفہ، کندہ، کلب وغیرہ کے علاوہ اوس اور مدینہ کے سوید بن صامت اور قیس بن حطیم کا خاص ذکر ہے۔ (۲۳۷-۸)

''امر العقبۃ الاولیٰ'' کے تحت مدینہ کے چھ افراد اوس کا ذکر کر کے پھر بارہ حضرات کے دوسرے سال اسلام لانے، پہلی بیعت عقبہ ہونے کا معہ ان کی شرائط کے ذکر کیا ہے۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر کے بطور معلم و مبلغ مدینہ جانے کا ذکر بھی ہے۔ اسی کے ساتھ مدینہ میں اشاعت اسلام، بارہ نقیبوں کی تقرری کے بعد عقبہ کی بیعت کرنے والے ستر صحابہ کرام کی مفصل فہرست ہے جس میں حسب معمولی خاندان وار ترتیب قائم کی گئی ہے۔ اور شرکاء کی زندگی کا مختصر مگر کامل خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس کو صرف عہد نبوی تک محدود نہیں رکھا گیا۔ اس میں مختلف واقعات تاریخ اور روایات مورخین کا بھی التزام ملتا ہے اس کے آخر میں بارہ نقیبوں کی فہرست ہے اور خاتمہ ضرار فہری اور حضرت حسان کے اشعار پر ہوتا ہے۔ (۲۳۹-۵۵) اسی کے مابعد ہی مورخین کی مجموعی سند پر قصہ معراج کو ''باب فی قصۃ المعراج'' کے عنوان سے ہجرت سے ایک سال پہلے ہونا بیان کیا ہے اور مختصر مختصر متعدد روایات نقل کی ہیں جس کا حسن خاتمہ پنجگانہ نماز کے مختصر ذکر پر کیا ہے۔ (۲۵۵-۷)

''امر الہجرۃ'' کی سرخی سے ہجرت کے اسباب، حکم الٰہی، ہجرت صحابہ، اولین مہاجرین، واقعات ہجرت، مکی مسلمانوں، رسول اللہ ﷺ کی حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ تیاری اور ہجرت، قریش کا ردعمل، ابوبکر کا انفاق فی سبیل اللہ، امانتوں کی ادائیگی کے لئے حضرت علی کی نامزدگی، اور دوران ہجرت حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی اور ان کے قبیلہ سے ملاقات اور ان کا قبول اسلام مذکور ہے۔ ''ام معبد'' کی سرخی کے تحت خزاعی خاتون سے آپ کی ملاقات کے علاوہ ان کی مہمان نوازی اور

توصیف کا مختصر ذکر ہے۔اسی میں سراقہ کے تعاقب، مدینہ میں آمد نبوی اور اس کی تاریخ، مدنی صحابہ کرام کی سرخوشی، قباء میں قیام اور اس کی مدت، مسجد قباء کی تعمیر، مدنی مسلمانوں کے اماموں کا ذکر قرآن کے معلمین اربعہ اور ان کی تعریف نبوی، حضرت علی کی آمد مدینہ، سورہ کی تنزیل اور سبب تنزیل، حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ بعض یہودی اکابر کے قبول اسلام کا پس منظر، ناقۂ رسول کا پابند حکم الہیٰ ہونا، حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کی مہمانی، حضرات انصار کی میزبانی، آمد و نعت نبوی پر اشعار، خاندان رسالت کے لانے کے لئے آپ کے انتظامات، فاضل آراضی مدینہ کی آپ کی خدمت میں حوالگی اور مہاجرین وانصار کی مواخاۃ کا ذکر ہے۔(۲۵۷-۷۱)

اسی ضمن میں بلا کسی علیحدہ عنوان کے بلاذری نے نماز پنجگانہ کے دو دو رکعتوں سے چار رکعتوں تک اضافہ شعبان ۲ھ میں تحویل قبلہ اور فرضیت صیام رمضان، عبداللہ بن زبیر اور نعمان بن بشیر کی ولادت، بعض اصحاب صفہ کی فہرست اور ان کے حالات بیان کئے ہیں۔اور باب الاذان کی خاص سرخی کے تحت مجلس مشاورت کے انعقاد، تجاویز اور حضرات عمر و عبداللہ بن زید کی تجویز اذان پر اذان کی ابتداء کا ذکر کیا ہے اور خاتمہ مدینہ کی نو مسجدوں کے ذکر پر کیا ہے۔(۲۷۱-۷۳)

اگلی سرخی ''اسماء المنافقین من الخزرج'' کے تحت خزرج قبیلہ کے نو منافقوں—عبداللہ بن ابی بن سلول، جد بن قیس، عدی بن ربیعہ، سوید بن عدی، قیس بن عمرو بن سہل، سعد بن زرارۃ، زید بن عمرو، عقبہ بن قدیم، ابوقیس بن الاسلت—کا نام گنایا ہے اور راس المنافقین کی موت کے حوالہ سے سورۂ توبہ ۸۴ کا ذکر کیا ہے۔اگلی شہ سرخی ''المنافقون من الاوس'' ہے جس میں اوس کے منافقوں جیسے جلاس بن سوید، حارث بن سوید بجاد بن عثمان، نبتل بن حارث وغیرہ کا نام بنام ذکر کر کے ان کے بعض حالات اور متعلقہ قرآنی آیات بیان کی ہیں۔یہ بیان خاصا مفصل ہے۔(۲۷۴-۸۳)

''اسماء عظماء یہود'' کی اگلی سرخی ہے جس کے تحت بنو النضیر، بنو قینقاع، بنو قریظہ، بنو حارثہ بن حارث، بنو عبدالاشہل کے اکابر اور مردان کار کا نام بنام تذکرہ ہے اور حالات وقرآنی آیات کی شہادت بھی ہے۔اس کا خاتمہ یہود مدینہ سے رسول اکرم ﷺ کے معاہدہ کرنے کے مختصر ذکر پر ہوا ہے۔(۲۸۴-۶) اور آخر میں سورۂ حج (۴۰-۳۹) کے حوالہ سے جہاد کی اجازت الٰہی کا مختصر ذکر ہے۔

مغازی رسول اللہ ﷺ کا باب بالکل الگ ''غزوات رسول اللہ ﷺ'' کے عنوان سے

باندھا ہے اور اس کا آغاز نو بسملہ سے کیا ہے۔ اور ترتیب وار بلا کسی تمہید کے غزوات کے مختصر و مفصل واقعات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ غزوہ ابواء/غزوہ ودان، بواط، سفوان، ذی العشیر ہ کے مختصر ذکر کے بعد (۲۸۷) بدر القتال کا بہت مفصل بیان ہے۔ (۳۰۸-۲۸۸) جس میں خروج مسلمین، کارواں قریش، فوج مکہ، بدر آمد، جنگی تفصیلات، وفات حضرت رقیہ، شہداء مسلمین معہ ان کے حالات وانساب، مقتولین مکہ مع ان کے قاتلین اور سوانح، اسیران بدر، تعداد وزرفدیہ اور اشعار بدر کا ذکر ہے اور خاتمہ بعض ''برادران بدر'' پر ہوتا ہے۔ پھر غزوہ بنو قینقاع، سویق، قرقرۃ الکدر، بنی غطفان، بنی سلیم کے بعد غزوہ احد کا مفصل ذکر ہے۔ (۳۸-۳۱۱) پھر حمراء الاسد، بنو النضیر، بدر الموعد، ذات الرقاع، دومۃ الجندل، بنو المصطلق کے مختصر بیان کے بعد جنگ خندق کا نسبتاً مفصل ذکر پایا جاتا ہے (۴۷-۳۴۳) اس کے بعد بنو قریظہ، بنو لحیان، ذو قرد، صلح حدیبیہ، خیبر، وادی قریٰ، عمرۃ القضاء کا ذکر ہے جبکہ فتح مکہ کا خاصا مفصل بیان ہے۔ (۶۴-۳۵۳) اسی طرح غزوہ حنین کا مفصل ذکر ہے (۸-۳۶۴) لیکن غزوہ تبوک کا نصف صفحہ پر ذکر ہے اور خاتمہ حجۃ الوداع کے بیان پر ہوا ہے۔ (۷۱-۳۶۸)

''سرایا رسول اللہ علیہ'' کی ذیلی سرخی کے تحت تمام سرایائے نبوی کا ذکر کیا ہے۔ سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ اور سریہ سعد کا مختصر ذکر ہے جبکہ سریہ نخلہ کا ذکر کافی مفصل ہے۔ (۳-۳۷۱) اسی طرح باقی سرایا کا ذکر مختصر اور کہیں کہیں تو ایک سطری ہے۔ اسی میں حج ابو بکر کا ذکر ہے اور بعد کے دوسرے سرایا کا۔ (۸۶-۳۷۱)

''صفۃ رسول اللہ علیہ'' کی علیحدہ سرخی کے تحت بلاذری نے حلیہ نبوی کا ذکر کیا ہے خاص کر ابن ابی ہالہ تمیمی کی زبان بلاغت نظام سے اور پھر اس متن روایت کی تشریح تفسیر لغت سے کی ہے اور حلیہ نبوی کے بارے میں متعدد دوسری مختصر روایات بھی جمع کر دی ہیں۔ (۹۶-۳۸۶)

''ازواج رسول اللہ علیہ وولدہ'' کے عنوان سے رسول اکرم علیہ کی ازواج مطہرات اور ان سے آپ کی ہونے والی اولادوں کا ذکر خاص کیا ہے مثلاً حضرت خدیجہ کی اولاد رسول اللہ علیہ میں آپ کی چاروں بنات مطہرات کا مفصل ذکر ہے۔ حضرت زینب (۴۰۰-۳۹۷) حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم (۲-۴۰۱) حضرت فاطمہ (۵-۴۰۲) اس میں ان کی شادی، وفات وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر حضرت خدیجہ کے بارے میں سوانحی تفصیلات دی ہیں۔ حضرت خدیجہ کے بعد حضرت سودہ کا ذکر خیر

ہے اور پھر بالترتیب حضرت عائشہ (۲۱-۴۰۹) حضرت غزیہ بنت دودان (موہوبہ) حضرت حفصہ (۲۸-۴۲۲) حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت ام سلمہ (۳۲-۴۲۹)، حضرت زینب بنت جحش (۷-۴۳۳)، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ اور ام ولد حضرت ماریہ قبطیہ کے ذکر خیر کے علاوہ ریحانہ بنت شمعون، فاطمہ کلابیہ، عالیہ بن ظبیان، عمرہ بن یزید، اسماء بنت النعمان، ملیکہ کنانیہ، ام ہانی بنت ابی طالب اور بعض متفرقات خواتین کا بھی ذکر ہے جن سے نکاح کی روایات ملتی ہیں، یہ بحث بہت مفصل اور نئی معلومات سے پر ہے۔ اس کی ایک خاص خصوصیت ہے کہ آپ کی تمام متفقہ ازواج مطہرات کے بیان کے ضمن میں آپ کے تمام ''ہم زلف'' رشتہ داروں اور ان کی اولاد وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے جو بلاذری کے علاوہ اور کہیں نہیں پایا جاتا ہے۔ آخر میں ازواج مطہرات کے حجۃ الوداع اور بعد کے زمانے کے دوسرے حج کرنے کے مواسم کا ذکر ہے (۳۹۶-۴۶۷)۔

''ذکر موالی رسول اللہ ﷺ وخدمہ'' کے مفصل اور نئے باب میں آپ کے تمام غلاموں اور خادموں کا ذکر ہے، بعض کا مفصل اور بعض کا مختصر۔ بالترتیب ان حضرات کا ذکر خیر ہے۔ حضرت زید بن حارثہ (۴۳-۴۶۷)، اسامہ بن زید، ابورافع، انسہ، ابوکبشہ، صالح شقران، یسار، فضالہ، سفینہ، ثوبان، انجشہ، رافع، ابولبابہ، ابوموہیبہ، مدعم، ابوضمرہ، کرکرۃ، رباح، ہشام، ابوہند، پھر بعض باندیوں کا مختصر تین سطری ذکر ہے۔ اور آخر میں حضرت سلمان فارسی کا کافی مفصل ذکر خیر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرہ کا الگ اور مفصل ذکر ہے۔ (۵۰۶-۴۸۹) اور بقیہ خدام رسول ابوطیبہ، عبید اور انس بن مالک کا مختصر ذکر ہے۔ اس میں ان کے اپنے سوانحی معلومات کے علاوہ ان کے فرزندوں کے حالات بھی ہیں، احادیث وروایات بھی ہیں اور دور نبوی اور عہد خلافت کے تاریخی واقعات بھی مذکور ہیں (۵۰۶-۴۶۷)۔

لباس رسول اللہ ﷺ کے تحت وہ تمام یا بیشتر روایات جمع کردی ہیں جو لباس نبوی سے متعلق ہیں (۸-۵۰۷) پھر آپ کے گھوڑوں (خیل) کا ذکر ہے (۱۴-۵۰۹)۔ اس میں ان کی خریداری، ملکیت، مسابقت وغیرہ کا بھی بیان ہے، آپ کی غنیمت میں صفی اور حصہ کا الگ سے ذکر ہے جو اصولی ہے اور ان کے مصارف کا بھی اسی میں ذکر ہے پھر فدک، خیبر، وغیرہ کے اموال کا بھی بیان آیا ہے۔ (۲۰-۵۱۴) سلاح رسول اللہ ﷺ کی سرخی کے تحت آپ کے اسلحہ کا بیان ہے (۲۵-۵۲۱) پھر آپ

کے تحت/ چار پائی کا ذکر "باب فی السریر" کے تحت ہے (۵۲۵)۔

آپ کے عمال کا ذکر خیر موذنین سے شروع ہوتا ہے جو الگ سرخی کے تحت ہے (۲۹-۵۲۶) پھر "اسماء عمال رسول اللہ ﷺ" کے تحت آپ کے ولاۃ (گورنروں) کا ذکر ہے۔ "اسماء الرسل الی الملوک" کے تحت مختصر ذکر سفیروں کا ہے۔ "اسماء کتاب رسول اللہ ﷺ" کے ضمن میں آپ کے کاتبوں کا ذکر ہے (۳۲-۵۲۹)۔

"ذکر الفواطم والعواتک من جدات رسول اللہ ﷺ" کی نئی سرخی کے تحت آپ کی ان رشتہ دار خواتین کا ذکر خیر ہے جن کا نام فاطمہ یا عاتکہ تھا۔ یہ نسب کے لحاظ سے بھی اور تاریخی معلومات کے لحاظ سے اہم باب ہے۔ (۵-۵۳۲) پھر الگ الگ سرخی کے تحت ان کنوؤں کا ذکر ہے جن کا پانی آپ کو بہت پسند تھا۔ (۸-۵۳۵) یہ بھی نئی معلومات کا باب ہے۔ اس کے بعد الگ الگ سرخیوں کے تحت دور جاہلیت میں اسم محمد ﷺ سے موسوم ہونے والوں، عہد نبوی کے اسم سامی سے موسوم ہونے والوں اور آپ سے مشابہت رکھنے والوں کا ذکر خیر ہے (۹-۵۳۸) ایک نئی سرخی کے تحت حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں قبول نبوی ہے جس میں خلافت صدیقی کا اشارہ نبوی ہے (۴۳-۵۴۰)۔

آپ کی بیماری کا ذکر الگ سرخی کے تحت شروع ہوا اور کافی مفصل ہے (۷۹-۵۴۳) اس میں بیماری کے واقعات احادیث، روایات، بیماری کی تاریخ، مدت، وفات، تاریخ اور تدفین کا ذکر ہے اور متعدد مختصر مفصل روایات آئی ہیں ان میں خلافت صدیقی کے بارے میں بھی بعض روایات ہیں۔ غسل و تکفین و تدفین کی الگ فصل ہے اور اسی میں عمر نبوی کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں "امر السقیفہ" کے تحت خلافت صدیقی کے اسباب و آغاز کا کافی ذکر ہے (۹۱-۵۷۹)۔ بلکہ خلافت راشدہ کا ذکر ہے۔ کتاب کا خاتمہ رسول اکرم ﷺ کی وفات پر متعدد مراثی پر ہوتا ہے (۹۴-۵۹۲)۔ اس کے بعد کی جلد کا آغاز حضرت زبیر بن عبد المطلب کے نسب اور حلف الفضول کے ذکر سے ہونے کا ترقیمہ ہے۔ آخر میں مرتب کی مرتبہ فہارس اسماء اعلام، استدراک اور فہرست عنوان کتاب ہے (۷۲۲-۵۹۵)۔

امام ترمذی

(۲۷۹-۲۱۰ھ/۸۹۲-۸۲۵ء)

تیسری صدی ہجری/نوی صدی عیسوی تک سیرت نبوی اور حدیث نبوی کے الگ الگ مضامین وموضوعات با قاعدہ متعین ہو چکے تھے۔ دونوں کی فنی حدود اور موضوعاتی سرحدیں بھی پوری طرح طے ہو چکی تھیں۔ سیرت وحدیث کے ائمہ کرام کے طبقات اور ان کی خصوصیات کا بھی تصفیہ ہو چکا تھا۔ تاہم سیرت نبوی ایسا عظیم وحسین، وسیع وعریض اور پرکشش وسحر آگیں میدانِ علم ومحبت تھا کہ محدثین کرام کبھی اس سے دستکش نہ ہو سکے، وہ اپنی جوامع ومسانید میں بالخصوص سیرتی مواد کو سمونے کی کامیاب مساعی کرتے رہے۔ اس موادِ سیرت میں مختلف موضوعات شامل تھے۔ ابتدائی سوانحی معلوماتِ حیات طیبہ کے علاوہ مغازی وغیرہ خاصی اہم تھیں۔ ان میں سے حلیہ وشمائل نبوی ﷺ غالباً سب سے اہم تھا کہ وہ حدیث نبوی کی چوتھی جہت-قول، فعل اور تقریر- کے بعد بنی۔ اصلاً تو سیرت نبوی کا ایک موضوع ومحور ہے کہ اس میں کسی قانونی، شرعی اور فقہی سنت کی مشکل سے ہی گنجائش نکلتی ہے سوائے چند صورتوں کے۔ بہر حال وہ محدثین کرام کو ایسا بھایا کہ اسے نہ صرف حدیث شریف کا ایک حسین مرقع بنایا بلکہ اس پر خاص تصانیف کا ڈول ڈالا اور شمائل نبوی کے عنوان سے اسے سرنامۂ محبت وعقیدت بنا دیا۔

یوں اس فن محبت اور عنوانِ عقیدت کے اسیر وامین کئی محدثین کرام ہیں لیکن ان میں امام ترمذیؒ کو بوجوہ امامت حاصل ہے۔ بلاشبہ ان کی روایات شمائل وخصائل حدیث شریف کے سرچشمے سے پھوٹی ہیں لیکن ان کی بنیاد ونہاد اصلاً سیرت کے سرمایہ سے اٹھی ہے۔ اس دعوے کی دلیل اور اس بیان کی صداقت تو تفصیل سے امامِ موصوف کی کتاب مستطاب الشمائل المحمدیہ کے ابواب میں ملتی ہے۔ مگر ان کی سندوں اور ماخذوں سے علم ہوتا ہے کہ بیشتر مواد سیرت نگاری کے مآخذِ اصلی سے

اٹھایا گیا ہے۔بعض اہل علم کے نزدیک شاید یہ بات قابل قبول نہ ہو، وہ اپنی بات اور نقطۂ نظر پر جمے رہ سکتے ہیں لیکن حلیۂ نبوی اور شمائل محمدی کے بنیادی رواۃ اور مآخذ بہر حال سیرت نگارانِ جمال تھے۔امام ترمذیؒ کا دوسرے محدثین کرام کے درمیان اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے ہم طبقہ بزرگوں اور خوردوں کے مقابلے میں خاص ایک کتاب شمائل مرتب کی اور اس کو نہ صرف جامع وکامل بنادیا بلکہ اسے حسین مرقع شمائل میں ڈھال دیا۔اسی جامعیت جمال وکمال نے ان کو شمائل کا امام اور ان کی کتاب کو ام الکتاب/الشمائل بنادیا۔

ولادت وخاندان

امام ترمذیؒ کی کنیت ابوعیسیٰ اور نام نامی محمد ہے۔والد ماجد کا اسم گرامی عیسیٰ اور جد امجد کا سورہ تھا۔وہ قبیلہ بنوسلیم کے ایک فرد تھے۔لہٰذا سُلمی کہلاتے تھے۔ترکستان کے مشہور شہر ترمذ میں ایک چھوٹے سے گاؤں بوغ میں پیدا ہوئے جو مشہور دریا جیحون کے کنارے واقع تھا۔مشہور جغرافیہ نویس یاقوت حموی کی معجم البلدان کے مطابق بوغ نامی گاؤں ترمذ شہر سے چھ فرسخ (پندرہ کلومیٹر) کی مسافت پر واقع ہے۔لیکن اپنے وطن مالوف کی بجائے ضلع ترمذ کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ان کا پورا نام ونسب یہ ہے: ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ سلمی ترمذی۔علامہ سمعانی وغیرہ نے آگے کا نسب بھی بیان کیا ہے اور کئی پیڑھیاں زیادہ بیان کی ہیں..... "سورہ بن موسیٰ بن ضحاک" اور ترمذی کے ساتھ بوغی نسبت وغیرہ بھی نقل کی ہے۔علامہ تقی الدین ندوی مدظلہٗ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ سمعانی نے بوغی کی نسبت کی جگہ سداد کی ہے، مقالہ نگار اردو دائرۂ معارف اسلامیہ کے مطابق جد امجد سورہ کے والد کے نام میں اختلاف ہے۔بعض نے السکن اور بعض نے موسیٰ بوغی سداد کی جگہ نہیں لے سکتی۔یہ وضاحت بھی کرنی ضروری ہے کہ اسلامی فتوحات کے ذیل اور اسلامی لشکروں کے ساتھ مختلف عرب قبیلوں کے مجاہدین ترکستان وغیرہ گئے تھے۔اور بعد میں وہیں سکونت پذیر ہوگئے۔ان میں امام ترمذیؒ کے سلمی آباد واجداد تھے۔لفظ ترمذی کے تلفظ کے بارے میں خاصا اختلاف ملتا ہے: رمذ، ترمذ اور ترمذ تینوں کو بیان کیا گیا ہے مگر امام ذہبیؒ وغیرہ نے وضاحت کی ہے کہ علماءِ کرام اور اہل مدرسہ اکثر وبیشتر ترمذ استعمال کرتے ہیں اور اسی کو صحیح ترسمجھتے ہیں۔

تاریخِ ولادت

حسب دستور اہل علم امام ترمذیؒ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور مختلف علماء نے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں۔ مشہور کتابیات نگار فواد سزگین نے ۲۱۰ھ/ ۸۲۵ء کی روایت کو ترجیح دی ہے اور مولانا تقی الدین ندوی وغیرہ نے ۲۰۹ھ کو۔ خیال یہ ہے کہ اول الذکر زیادہ صحیح تاریخ ہے کیونکہ اس میں مقام ولادت بوغ کا بھی ذکر ہے جبکہ موخر الذکر نے مقامِ ولادت ترمذ بیان کیا ہے جو بالکل صحیح نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ کے حالات زندگی کے بارے میں معلومات بہت کم ملتی ہیں البتہ محدثین کرام نے بالخصوص ان پر کافی لکھا ہے جس سے ان کا سوانحی خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔

تعلیم و تربیت

فواد سزگین کی تحقیقات کے مطابق امام ترمذیؒ نے ابتدائی تعلیم یا اولین اہم تعلیم بخارا کے مشہور علمی مرکز میں پائی۔ ابتدائی تعلیم کے لئے بخارا جانے کا ذکر نہیں ملتا اور قیاس بھی یہی کہتا ہے کہ چھوٹی عمر میں تعلیم و تربیت وطنِ مالوف یا ترمذ ہی کے ارد گرد محدود رہی تھی۔ بخارا وہ درسِ حدیث کے لئے گئے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے خراسان، عراق اور حجاز کے مختلف علمی مراکز سے اپنے طلب علم کا دامن بھرا۔ ان مراکز کی تفصیل نہیں ملتی۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بستان المحدثین میں البتہ بصرہ اور کوفہ، واسط، رے اور خراسان و حجاز کے مراکز میں مدتوں درسِ حدیث کے لئے قیام و استفادہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ان کے بعض شیوخ سے استفادہ کے ضمن میں ان علمی مراکز کا ذکر ملتا ہے۔

اساتذہ و شیوخ

ان شیوخِ حدیث کے بارے میں غالباً امام ذہبیؒ کا بیان سب سے زیادہ مفصل ملتا ہے۔ دوسروں نے محض ایک دو ناموں کا ذکر کیا ہے۔ فواد سزگین نے امام بخاریؒ کو ان کے اساتذہ میں شمار کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث کے بعد خراسان کے امام و شیخ بنے تھے۔ البتہ امام ذہبی نے ان کے اساتذہ و شیوخ میں متعدد کا ذکر کیا ہے۔ ان میں امام بخاری کے علاوہ امام

مسلم (م ۲۶۱/ ۸۷۵)، امام علی بن حجر مروزی (م ۲۴۴/ ۸۵۸)، امام ہناد بن سری (دارمی کوفی م ۲۴۳/ ۸۵۷)، امام قتیبہ بن سعید اور محمد بن بشار کا بطورِ خاص ذکر خیر شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بھی ان کے دوسرے اساتذہ و شیوخ تھے۔ ان میں امام ابوداؤد (سلیمان بن اشعث م ۲۷۵/ ۸۸۸) کا ذکر بہت اہم ہے اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ان کے شیوخ میں ان کا خاص ذکر کیا ہے۔

ان شیوخ و اساتذہ میں متعدد دوسرے اکابر محدثین کے بھی استاذ و شیخ تھے۔ مثلاً امام ہناد بن سری بن مصعب دارمی کوفی سے امامانِ جلیل بخاری، مسلم اور طبری وغیرہ نے روایات اخذ کی ہیں۔ اسی طرح ان کے پیشرو امام علی بن حجر مروزیؒ سے بھی شیخین وغیرہ نے حدیث لی ہیں۔ امام مروزی (ابوالحسن علی بن حجر بن ایاس المروزی) اصلاً تو خراسانی اور مروزی تھے مگر ایک مدت بغداد میں گذاری پھر مرو میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ امام ترمذیؒ کے شیوخ و اساتذہ میں متعدد وہ اصحاب حدیث شامل ہیں جو امام بخاری و مسلم وغیرہ کے بھی شیوخ تھے۔ یہ حقیقت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ امام ترمذیؒ اپنے بعض شیوخ کے خواجہ تاش تھے کہ شاگرد جلیل اور ان کے شیوخ کے متعدد اساتذہ مشترک تھے۔

فواد سزگین نے امام ترمذیؒ کے دوسرے شیوخ و رواۃ میں حسب ذیل کے اسماء گرامی گنائے ہیں:

۱- امام ابوعبداللہ احمد بن ابراہیم بن کثیر الدورقی البغدادی (۱۶۸/ ۷۸۴-۲۴۶/ ۸۶۰) جو امام مسلم و ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کے بھی شیخ تھے۔

۲- امام عبد بن حمید بن نصر الکسی/ سمرقندی (م ۲۴۹/ ۸۶۳) جو امام بخاری، امام مسلم وغیرہ کے بھی شیخ راوی تھے۔

۳- ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل الدارمی السمرقندی (۱۸۱/ ۷۹۷-۲۵۵/ ۸۶۹) سے امام مسلم و ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے بھی روایات لی ہیں۔ یہ وہی مشہور محدث ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بقول امام مالک بن انسؒ کی کتاب الموطا کی تمام غیر مرفوع روایات کو مرفوع بنانے کے لئے اپنی مشہور کتاب حدیث "المسند" مرتب کی تھی جسے دوسرے اہل علم کی مانند فواد سزگین نے بھی "کتاب فی السنن" قرار دیا ہے حالانکہ وہ ایک الگ کتاب ہے۔ یہ مشہور یا خلط ملط مبحث اس لئے ہوا ہے کہ امام دارمی کی کتاب "المسند" اب دستیاب نہیں ہے اور "کتاب السنن" متداول ہے اور

اب اسی کو ''کتاب المسند'' سمجھ لیا گیا ہے۔ اس بدیہی غلطی پر خاکسار نے اپنی کتاب شاہ ولی اللہ دہلوی کی خدماتِ حدیث میں مدلل بحث کی ہے۔

۴- امام ابوعلی الحسن بن عرفہ بن یزید البغدادی (۱۵۸/۷۷۴-۲۵۷/۸۷۱) امام ابن ماجہ کے بھی شیخ تھے اور دوسروں کے بھی۔

۵- امام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ الذہلی (م ۲۵۸/۸۷۲) نے بغداد و بصرہ میں بھی درس دیا۔ ان کے شاگردوں میں امام بخاری، امام ابوداؤد سجستانی اور امام نسائی وغیرہ بھی شامل تھے۔

۶- امام ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب السعدی الجورجانی دمشقی (م ۲۵۹/۸۷۳) امام ترمذی کے علاوہ امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام طبریؒ کے علاوہ بہت سے محدثین نے ان سے روایات لی ہیں۔ ان کے بارے میں ایک خیال یہ ہے کہ امام موصوف نے ساری عمر دمشق ہی میں گذاری تھی لہٰذا امام ترمذی کا ایک مرکزِ علم دمشق بھی رہا تھا۔

۷- امام ابویحییٰ عبدالکریم بن الہیثم بن زیاد القطان (م ۲۷۸/۸۹۱) جو اصلاً شہر ''دیر العاقول'' کے رہنے والے تھے اور اسی کی نسبت سے الدیر عاقولی کہلاتے تھے۔ وہ بغداد، واسط، بصرہ، کوفہ، دمشق اور مصر میں رہے تھے اور وفات اپنے وطن مالوف دیر العاقول ہی میں پائی تھی۔ غالباً امام ترمذی نے ان سے یہیں سماعتِ حدیث کی تھی۔

شیوخ و اساتذہ کے باب میں مختصر تجزیہ یہی کیا جاسکتا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اپنے وقت کے تمام اکابر محدثین سے احادیث و روایات لی تھیں اور متعدد اسلامی مراکز میں جا کر ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا، غالباً تمام مراکز میں۔ امام ترمذیؒ میں اسی وجہ سے اور متعدد دوسری وجوہ سے بھی وہ عبقریت پیدا ہوئی تھی جس نے ان کو اکابر محدثین میں درجہ و مقام دلایا۔ وہ خراسان میں ہی نہیں دوسرے مقامات ترکستان میں امام بخاریؒ کے جانشین اور شیخ الحدیث اور استاذِ کل گردانے گئے تھے۔ ان کے امامتِ فن اور صلابتِ علم کو ان کے زہد و ورع، تقویٰ و طہارت اور کردار کی پختگی نے چار چاند لگائے تھے۔

تلامذہ

امام ترمذیؒ کے شاگردوں کی تعداد دوسرے محدثین کرام اور سیرت نگاروں کی مانند خاصی طویل ہے۔ ان کے تلامذہ میں مختلف اسلامی دیار وامصار کے اصحاب علم وعرفان شامل تھے۔ وجہ بنیادی طور سے یہی تھی کہ وہ امام بخاریؒ کے زمانے سے ہی مرجع خلائق اور استاذ عصر کی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔

- ابوالعباس احمد بن محمد بن محبوب المروزی جو امام ترمذیؒ کے شاہکار جامع ترمذی کے ایک عظیم ترین راوی ہیں۔
- احمد بن یوسف نسفی
- ابوحامد احمد بن عبد مروزی
- داؤد بن نصر بن سہل بزدوی
- عبد بن محمد بن محمد النسفی
- محمد بن محمود
- ہیثم بن کلیف شاشی

تصانیف

قرونِ وسطیٰ کے جامع کمالات مؤلفین کی مانند امام ترمذی کی مختلف علوم وفنون میں کتب ورسائل ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض اب نایاب یا مفقود ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں دفن ہوں لیکن ان سے اہل علم ناواقف ہیں۔ ان کی علمی جولان گاہیں تمام اصلی علوم اسلامی تھے۔ ان میں حدیث کے علاوہ فقہ، تفسیر، تاریخ اور انساب وغیرہ کے فنون شامل ہیں، لیکن ان کی بنیادی شہرت اور اصل عظمت حدیث شریف اور اس میں بھی جامع ترمذی پر مبنی ہے اور شمائل کو بھی اسی میں شامل کیا جاتا ہے۔ بہر حال ان کی مختلف کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:

۱- کتاب العلل کے نام سے دو کتابیں لکھی تھیں: العلل الکبریٰ اور العلل الصغریٰ۔ اب مؤخر الذکر مطبوعہ بھی دستیاب ہے۔ فواد سزگین نے صرف چار کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ان میں کتاب

العلل آخری ہے۔اس کے نسخہ مطبوعہ کا ذکر نہیں کیا صرف ایک مخطوطہ کا ذکر کیا ہے۔

۲- کتاب المفرد بھی ایک کتاب کا نام ہے جو غالباً امام بخاریؒ کی کتاب المفرد کی مانند تھی۔

- "کتاب الزھد" ایک اور کتاب ترمذی کا نام ہے۔متعدد دوسرے محدثین کی مانند امام ترمذیؒ نے بھی زہد سے متعلق تمام روایات اپنی سند سے اس کتاب میں جمع کی تھیں۔امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد بھی کافی مشہور ہے۔

- ''کتاب الاسماء والکنیٰ'' بھی ایک اور تصنیف تھی جس میں راویوں کے اسماء اور ان کی کنیتوں سے بحث کی تھی۔یہ کتاب بھی روایت محدثین اور طریقہ اہل نسب کی ایک توسیع تھی۔

- "کتاب التاریخ" کا ذکر ابن ندیم کی فہرست میں ملتا ہے جیسا کہ مولانا تقی الدین ندوی نے ذکر کیا ہے۔

- "تسمية اصحاب رسول اللهﷺ" کے عنوان سے فواد سزگین نے ان کی تیسری کتاب کا ذکر کیا ہے۔

- جامع ترمذی صحاح ستہ میں ایک اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے وہ صحیحین کے بعد مرتب پاتی ہے۔

وہ آٹھ قسم کے موضوعات ومضامین کی جامع ہے: (۱) احکام، (۲) آداب، (۳) عقائد، (۴) تفسیر، (۵) فتن، (۶) اشراط، (۷) سیر اور (۸) مناقب۔ان کے سبب اس کو جامع کہا جاتا ہے اور فقہی ترتیب سے بیشتر احادیث واحکام لانے کی بنا پر اس کو سنن بھی کہا جاتا ہے۔امام ترمذیؒ نے البتہ اپنی کتاب لطیف کو ''المسند الصحیح'' کہا ہے اور اسی طرح امام ابن کثیر دمشقی نے اسے صحیح شمار کیا ہے۔بہر حال صحیح قرار دینے پر محدثین وناقدین کا نزاع بھی ملتا ہے جس سے سر دست ہمیں بحث نہیں۔اس عظیم الشان کتاب کی شروح اور مختصرات اور اس پر حواشی لکھے گئے جن کی تفصیل دوسروں کے علاوہ فواد سزگین نے بھی دی ہے اور وہ جامع ترین ہے۔مزید برآں ان کے مطابق وہ "الجامع الصحيح" ہی ہے اور اسی نام سے اس کی شروح ومختارات ومختصرات وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

- "الشمائل المحمدية" فواد سزگین نے امام ترمذی کی کتاب الشمائل کے بہت سے مخطوطات کی فہرست جمع کر دی ہے اور اسی طرح اس کی طباعتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ان کے علاوہ اس

کی بہت سی شروح کا ذکر کیا ہے جن کی تعداد کتیس سے اوپر پہونچتی ہے۔تذکرہ نگاروں کے مطابق شمائل ترمذی میں امام موصوف نے چار سو احادیث کو چھپن ابواب میں تقسیم کیا ہے،اور اسے جامع ترین کتاب شمائل قرار دیا ہے۔اس کی متعدد شروح ملتی ہیں،عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی۔تراجم بھی کئے گئے ہیں اور تلخیصات ومختصرات بھی۔وہ اپنی گونا گوں خصوصیات کے سبب ہمیشہ متداول ومقبول رہی ہے۔

طریقۂ تالیف اور تالیفی خصوصیات

کتابیات نگاروں بالخصوص صلاح الدین المنجد کے مطابق شمائل نبوی پر کم وبیش پچاس سے اوپر کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کی گئیں۔ان میں امام ترمذی کی کتاب الشمائل کو اولیت کا مقام ومرتبہ بھی حاصل ہے اور افضلیت وتفوق کا بھی۔دوسری کسی کتاب شمائل کو وہ مقبولیت حاصل ہی نہیں ہوسکی۔اور اس کی بنیادو وجوہ اس کتاب مستطاب کی تالیفی خصوصیات ہیں:

شمائل نبویہ کی بنیادی خصوصیت اور امام مصنف کا اہم ترین طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ شمائل کی تمام احادیث وروایات کو جمع کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ستانوے صحابہ کرام سے ان روایات کو جمع کیا ہے۔مولانا کرامت علی جونپوری کے اردو ترجمۂ شمائل کے مقدمہ نگار نے ان کے اسماء گرامی بیان کردئے ہیں۔وہ مقدمہ مولانا مجیب اللہ ندوی رحمہ اللہ کا لکھا ہوا ہے۔

امام موصوف نے ان رویات واحادیث کو موضوعات کے لحاظ سے چھپن ابواب میں تقسیم کرکے وضاحت شمائل کو آخری درجہ پر پہنچا دیا ہے۔لیکن اسی کے ساتھ ساتھ احادیث وروایات میں تکرار لازمی تھی اگرچہ اسے قند مکرر کہنا زیادہ صحیح ہے۔

شمائل نبوی کی بنیادی یا سب سے عظیم روایت تو رسول اکرم ﷺ کے ربیب اور فرزند حضرت ہند بن ابی ہالہ تمیمی کی حدیث ہے۔ان کو اوصاف نبوی (صفت نگار نبوی) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔وہ حضرت خدیجہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر ابو ہالہ کے فرزند تھے اور نکاح نبوی کے بعد رسول اکرم ﷺ کے دامن تربیت میں آئے تھے۔انہوں نے بچپن سے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا اور پرکھا تھا۔ان کی احادیث ومرویات کے بعد حضرت علیؓ کی روایات ہیں اور تعداد وکیفیات کے لحاظ

سے ان کے بعد حضرت انس بن مالک خزرجیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات ہیں۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایات کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ شمائل کے باب میں یہ حقیقت بڑی گراں قدر ہے کہ تمام حلیہ نگاروں اور شمائل بیانوں نے اپنے لڑکپن میں خدوخال نبوی کی دولت دیکھی تھی جب ان کی یادداشت سے زیادہ ان کا مشاہدہ تیز ہوتا تھا۔ اس کچی عمر نے ان کو زبان کی صلابت بخشی تھی اور بعد کے اوصافوں میں یہ صفت بدوؤں کو حاصل تھی اور ان کی نمائندگی حضرت ام عبد خزاعی رضی اللہ عنہا نے اپنی جادوبھری زبان اور سحر آگیں بیان سے کی ہے۔

شمائل اور حلیہ سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ امام ترمذی کی کتاب الشمائل صرف جسمانی خصائص کے بیان پر مبنی تھی۔ امام موصوف نے اسی بنا پر کتاب کے نام میں شمائل کے ساتھ ساتھ خصائل (عادات شریفہ) کو بھی شامل کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے جسم اطہر سے متعلق ابواب جیسے شکل وصورت، مہر نبوت، گیسوئے مبارک اور ان کی کنگھی اور تزئین وغیرہ کے علاوہ مختلف آرائشوں کا بھی بیان ان میں سمیٹ لیا ہے۔ اسی بنا پر سرمہ لگانے کی سنت، لباس، جوتے، انگوٹھی، اسلحہ نبوی، لباس کی مختلف اقسام وانواع کے علاوہ بہت سی خصلتوں کا ذکر بھی کرتے ہیں جیسے تشریف فرما ہونے، تکیہ لگانے یا ٹیک لگانے کی احادیث وغیرہ۔ اس کتاب خصائل نبویہ میں رسول اکرم ﷺ کے کھانا کھانے اور مشروبات نوش فرمانے کے بعض ابواب بوھی ہیں جیسے کھانے، روٹی، سالن کی اقسام، کھانے سے قبل اور بعد کی سنتیں، کھانے کے پیالوں اور برتنوں کی روایات اور مشروبات کے برتنوں وغیرہ کا ذکر۔ ابواب کی تفصیل کے بعد آپ ﷺ کے کلام، ہنسی، مذاق، تبسم اور خوش طبعی، استراحت وخواب، گریہ اور غم کرنے کے ذاتی احوال کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے بستر، نماز، روزے، قراءت وغیرہ کا بھی بیان ملتا ہے۔ اس طرح وہ شمائل نبوی اور خصائل محمدی/مصطفوی کی ایک جامع کتاب بن گئی ہے۔

ابواب شمائل نبوی اور خصائل مصطفوی میں موضوعاتی ترتیب کا فقدان بھی ملتا ہے جو اس کا سب سے بڑا تالیفی نقص ہے، رسول اکرم ﷺ کی جسمانی صفات اور خلقی وخُلقی خصائل کا ذکر ایک ترتیب سے نہیں آسکا ہے اور دوسری عادات وخصائل کے ابواب کی ترتیب بھی منطقی نہیں ہے۔ مثلاً صورت وشکل، مہر نبوت اور بالوں کے بعد سرمہ لگانے کا باب لایا گیا ہے اور ان کے بعد لباس، موزوں، پاپوش، انگوٹھی کے ابواب کو رکھا گیا ہے۔ یہاں تک تو کسی قدر ترتیب شمائل ملتی بھی ہے مگر ان

کے بعد اسلحوں کا ذکر آ گیا ہے اور پھر دستار و تہبند (ازار) اور لباس کے دوسرے انواع کے ابواب ہیں، راہ چلنے اور ٹیک وغیرہ لگانے کے ابواب کے بعد ماکولات نبوی سے متعلق ابواب متفرقہ ہیں اور پھر مشروبات سے متعلق ابواب لائے گئے ہیں، ان میں ایک موضوعاتی ترتیب ملتی ہے۔ لیکن ان کے بعد خوشبو لگانے کا باب ہے جسے لباس کے ساتھ ہونا چاہئے تھے، پھر آپ ﷺ کے کلام، ہنسنے، خوش طبعی، شعر گوئی، کلام شبا اور سونے کے ابواب لائے گئے ہیں۔ ان سے متصل عبادت شب و روز (چاشت، نفل، روزے، قراءت) اور اس میں گریہ وزاری کا بیان و باب ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کے بچھونے کا باب ہے جو بالکل بے جوڑ ہے۔ ان کے بعد ابواب آپ ﷺ کے اخلاق سے متعلق ہیں جیسے حیا وغیرہ۔ ان سے متصل سینگھی / پچھنے لگوانے کا باب بالکل الگ لگتا ہے۔ اور اس کے بعد اسمائل گرامی کا باب لایا گیا ہے جو خاصا انمل اور بے جوڑ ہے۔ ان ابواب شمائل و خصائل کی موضوعات ترتیب اس سے کہیں بہتر ہو سکتی تھی اور ہونی چاہئے تھی جیسے آخری ابواب کتاب سنن نبوی، وفات نبوی، میراث نبوی اور خواب میں دیدارِ نبوی کی فضیلت کے ابواب میں ایک موضوعات ترتیب اور منطقی تنظیم نظر آتی ہے۔

وفات

حضرت امام کی تاریخ وفات سے متعلق متعدد روایات یا اقوال ملتے ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین روایت یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے ۲۷۹/۸۹۲ میں وفات پائی۔ اسی کو اہل علم نے صحیح ترین قرار دیا ہے اور بیشتر سوانح نگاروں نے اسی کو بیان کیا ہے۔ مقام وفات فواد سزگین، تقی الدین ندوی وغیرہ ثانوی مآخذ میں اور اصلی مآخذ میں بھی ترمذی کو ہی قرار دیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایات کے مطابق امام موصوف کا وطن مالوف بوغ ہی مقام وفات بھی ہے اور مدفن بھی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آخری عمر میں امام ترمذیؒ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ جسمانی یا ظاہری بینائی بھلے ہی چلی گئی ہو مگر روحانی بصیرت اور اصلی بینائی تا عمر کار فرمائی کرتی رہی۔

مصادر و مآخذ

ابن اثیر اللباب ۱/۱۷۴

ابن حجر التہذیب ۹/۳۸۷-۳۸۹

ابن خلکان وفیات (بولاق) ۱/۶۱۲-۶۱۳

اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ الترمذی

ابن العماد حنبلی شذرات الذہب ۲/۱۷۴-۱۷۵

ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ ۱۱/۶۶-۶۷

ابن ندیم الفہرست ۲۳۳

ابوبکر محمد بن العربی المعافری عارضۃ الاحوذی مقدمہ شارح

تقی الدین مودی مظاہری محدثین عظام اوران کے علمی کارنامے، مظفر پور اعظم گڈھ ۱۹۹۵ء، ۱۷۵-۱۹۸

حسین بن مسعودی بغوی شرح الترمذی مقدمہ شرح

ذہبی تذکرہ الحفاظ ۶۳۳-۶۳۵

الدول ۱/۱۲۳

میزان الاعتدال ۳/۱۱۷

زرکلی الاعلام ۷/۲۱۳

سزکین فواد تاریخ التراث العربی جلد اول ۱/۲۹۹-۳۱۰

صدیق حسن خاں اتحاف النبلاء ۳۸۷ وغیرہ

صفدی الوافی بالوفیات ۴/۲۹۴-۲۹۶

نکت الہمیان ۲۶۴-۲۶۵

صلاح الدین المنجد معجم ما الف عن رسول اللہ ﷺ باب شمائل الرسول وخصالہ (بیروت: ۱۹۸۲ء)

معجم المولفین ۱۱/۱۰۴-۱۰۵

کرامت علی جونپوری، انوار محمدی ترجمہ شمائل ترمذی، اعظم گڈھ ۱۹۹۶ء مقدمہ مولانا محمد مجیب اللہ ندوی متن وترجمہ

محمد یوسف بنوی مقالہ الترمذی صاحب الجامع فی السنن مجلہ المجمع العلمی العربی دمشق ۳۲/۱۹۵۷ء

محمد انور شاہ کشمیری العرف الشذی علی جامع الترمذی، سنہ ۱۳۴۴ھ طباعت کا مقدمہ

(نیز کتاب الشمائل کی شروح وحواشی اور مختصرات وتراجم کے مقدامات ومباحث بھی ملاحظہ ہوں)

محمد یٰسین مظہر صدیقی شاہ ولی اللہ کی خدمات حدیث پھلت ۲۰۰۴ء

امام ترمذی کی الشمائل المحمدیۃ

حدیث نبوی کی تعریف میں قول و فعل و تقریر نبوی کے بعد چوتھا نام حلیہ و شمائل نبوی کا آتا ہے ان میں چاروں میں سے ہر ایک پر اصطلاحی طور سے حدیث کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ یوں تو حدیث کی ہر قسم سیرت نبوی ہے یا اس کا مصدر و سرچشمہ تاہم حلیہ و شمائل تو ہر لحاظ سے سیرت طیبہ کا حصہ ہیں کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے جسمانی شمائل اور خلقی خصائل کی صورت گری کرنے کے علاوہ بہت سے افعال و معمولات نبوی کا بھی احاطہ کرتے ہیں۔ محدثین کرام نے شمائل میں ان دونوں کو شامل کر کے اس باب کو بہت وسعت دے دی ہے۔

شمائل نبوی پر متعدد کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئیں لیکن ان میں امام ترمذی کی کتاب الشمائل النبویہ کو جو مقبولیت و اہمیت حاصل ہوئی وہ کسی کے حصہ میں نہ آئی۔ یوں تو اس کتاب مستطاب کی تمام احادیث و روایات ان کی کتاب جامع کا حصہ بن سکتی تھیں لیکن انہوں نے اس باب خاص کی اہمیت و دلپذیری کے پیش نظر ان کو ایک الگ فن کی کتاب میں درج کر کے ایک نئی نوع حدیث کی طرح ڈال دی۔

امام ترمذی کی کتاب الشمائل ایک مختصر سی کتاب ہے جو متعدد بار چھپ چکی ہے اور اپنی اہمیت و مقبولیت کے سبب مختلف شروح اور متعدد حواشی کے ساتھ چھپی ہے۔ اصل کتاب بروقت دستیاب نہ ہونے کے سبب اس کا وہ نسخہ پیش نظر ہے جو شیخ ابراہیم البجوری کے حاشیہ کے ساتھ المکتبہ التجاریۃ الکبریٰ قاہرہ سے مطبعہ الاستقامہ میں ۱۹۳۶ء میں چھپ کر شائع ہوا تھا۔ اس کے کل تین سو سات صفحات ہیں۔

متن کتاب کو جدول سے شرح و حاشیہ سے الگ کیا گیا ہے۔ عام طور سے حواشی کافی مفصل اور احادیث و روایات کی حرف بحرف اور لفظ بلفظ شرح پیش کرتے ہیں۔ متن کتاب کو نہ صرف الگ کیا گیا ہے بلکہ اس کا خط کافی جلی اور معرب ہے اور ہر حدیث کو الگ پیراگراف میں لکھا گیا ہے۔ اور ہر باب بھی الگ ہے اور درمیان سطر میں ہے۔

حسب معمول امام ترمذی نے اپنی کتاب الشمائل کو اپنی کتاب جامع/سنن کی مانند اپنے مخصوص انداز میں مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں متعلقہ احادیث لائے ہیں۔ اور کبھی کبھی ایسا ہی ہوا ہے کہ ایک حدیث یا اس کا ایک جزو دو یا زیادہ ابواب میں ان کی مناسبت سے لانا پڑا ہے۔

مختصر حمد و صلوۃ کے بعد امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی نے اولین باب قائم کیا ہے "باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ" کے جس میں رسول اللہ ﷺ کی جسمانی ساخت اور حلیہ مبارک کے باب میں حضرت انس بن مالک کی حدیث ہے جو آپ کی عمر شریف اور مکی و مدنی قیام کی مدت اور بالوں کی سفیدی بھی بیان کرتی ہے۔ دوسری حدیث بھی انہیں کی ہے جب کہ تیسری اور چوتھی حضرت البراء بن عازب کی اور پانچویں حضرت علی کی ہے۔ اور اس کی ایک تابع بھی ہے پھر حضرت علی کی ایک اور (چھٹی) حدیث جو کافی مفصل اور جامع اور ادبی مقام و مرتبہ کی مالک ہے۔ اور اسی کی مانند ساتویں حدیث حضرت حسن بن علی کی سند پر مروی حضرت ہند بن ابی ہالہ جو 'وصاف نبیؐ' کے لقب سے مشہور تھے کی عظیم و جلیل اور طویل حدیث مروی ہے۔ آٹھویں، نویں حضرت جابر بن سمرہ سے، دسویں حضرت البراء بن عازب سے، گیارھویں حضرت ابوہریرہ سے، بارھویں حضرت جابر بن عبداللہ سے، تیرھویں حضرت ابوالطفیل سے اور چودھویں حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور اسی پر یہ باب تمام ہوتا ہے (۳۴-۱)۔

دوسرا "باب ماجاء فی خاتم النبوۃ" کے عنوان سے مہر نبوت پر ہے جس میں بالترتیب حضرات سائب بن یزید، جابر بن سمرہ، جدہ عاصم بن قتادہ حضرت رمیثہ، علی بن ابی طالب، ابوزید عمر و بن الاخطب انصاری، بریدہ بن حصیب اسلمی، ابوسعید خذری، اور عبداللہ بن سرجس سے آٹھ احادیث مروی ہیں (۳۴-۴۴)۔

"باب ما جاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے تیسرا باب ہے جو رسول اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی صفات بیان کرتا ہے اور اس میں حضرات انس بن مالک، عائشہ صدیقہؓ، البراء بن عازب، ام ہانی بنت ابی طالب اور عبداللہ بن عباس سے کل آٹھ احادیث ہیں اور حضرت انس سے تین اور حضرت ام ہانی سے دو مروی ہیں (۴۹-۴۴)۔

چوتھا "باب ماجاء فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے جو کنگھی کرنے کی سنت سے متعلق ہے لیکن اس میں بالوں میں تیل لگانے سنوارنے اور بعض دوسری سنتوں کا

بھی ذکر ہے اور اس میں کل پانچ احادیث حضرات عائشہ صدیقہ، انس بن مالک، عبداللہ بن مغفل اور ایک نام معلوم صحابی سے مروی ہیں (۴۹-۵۲)۔

"باب ماجاء فی شیب رسول اللہ ﷺ" چھٹا باب ہے جو آپ کے بوڑھے ہونے کی روایات، بالوں میں خضاب لگانے یا نہ لگانے اور اسباب شیب وغیرہ کی مرویات رکھتا ہے اور حضرات انس، جابر بن سمرہ، عبداللہ بن عمر، ابن عباس، ابوجحیفہ، اور ابورمثہ تیمی / تیم الرباب سے آٹھ مروی روایات ہیں (۵۲-۵۷)۔

پھر خضاب نبوی پر الگ سے ایک "باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ" باندھا ہے اور اس میں آپ کے خضاب لگانے یا نہ لگانے سے متعلق کل چار احادیث حضرات ابورمثہ، رفاعہ بن یثربی التیمی، ابوہریرہ، جہذمہ زوجہ بشیر بن الخصاصیہ اور انس بن مالک نے متصادم طور سے نقل کی ہیں (۵۸-۶۱)۔

"باب ماجاء فی کحل رسول اللہ ﷺ" آٹھواں باب ہے جو آپ کے سرمہ لگانے کی سنت بیان کرتا ہے اور کل پانچ احادیث حضرات ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور ابن عمر کی سند پر رکھتا ہے (۶۱-۶۵)۔

نواں "باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ" پر حضرات ام سلمہ سے تین اسماء بنت یزید اور قرۃ مزنی سے ایک ایک، انس بن مالک ابوسعید خدری سے دو دو، ابوجحیفہ، البراء بن عازب، ابورمثہ، قیلہ بنت مخرمہ، ابن عباس، سمرہ بن جندب، عائشہ، مغیرہ بن شعبہ سے ایک ایک روایت اسی ترتیب سے رکھتا ہے (۶۵-۷۵)۔

"باب ماجاء فی عیش رسول اللہ ﷺ" دسواں باب ہے جو رسول اکرم ﷺ کی فقر وفاقہ اور قناعت اور زہد کی زندگی پر کل دو احادیث حضرات ابوہریرہ اور مالک بن دینار سے بیان کرتا ہے (۷۶-۷۸)۔

"باب ماجاء فی خف رسول اللہ ﷺ" گیارھواں باب ہے جو حضرات بریدہ اور مغیرہ بن شعبہ سے مروی دو روایوں کا جامع ہے اور آپ کے موزوں کے استعمال سے متعلق ہے (۷۸-۷۹)۔

بارہواں "باب ماجاء فی نعل رسول اللہ ﷺ" آپ کے نعلین شریفین سے متعلق ہے اور بارہ حدیثیں حضرات انس بن مالک ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ، عمرو بن حریث، جابر اور عائشہ صدیقہ سے روایت کرتا ہے۔ اس میں آپ کی بعض دوسری سنتوں جیسے ہر چیز میں داہنے ہاتھ سے شروعات کرنے وغیرہ کا بھی ذکر ہے (۸۵-۸۰)۔

تیرہواں باب "ماجاء فی ذکر خاتم رسول اللہ ﷺ" آپ کی انگشتری سے تعلق رکھتا ہے اور کل آٹھ احادیث پر مبنی ہے جو حضرات انس بن مالک اور ابن عمر سے روایت ہوئی ہیں اور ان میں دو کے سوا سب اول الذکر کی ہیں (۹۰-۸۵)۔ چودھواں باب اسی کا ضمیمہ ہے اور "باب ماجاء فی ان النبی ﷺ کان یتختم فی یمینہ" کے عنوان سے یہ صراحت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس میں مزید دس احادیث ہیں جو حضرت علی بن ابی طالب، شریک بن عبداللہ، عبداللہ بن جعفر، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، ابن عمر اسماعیل بن جعفر بن محمد اور انس بن مالک سے مروی ہیں اور متعدد صحابہ کرام جیسے عبداللہ بن جعفر، ابن عباس اور حسن و حسین کے انگوٹھی پہننے کا ذکر کیا ہے (۹۴-۹۰)۔

چودھواں "باب ماجاء فی صفۃ سیف رسول اللہ ﷺ" تلوار نبوی کی صفات حمیدہ پانچ احادیث کے حوالہ سے بیان کرتا ہے جو حضرات انس، سعید بن ابی الحسن البصری، سعید، سمرہ بن جندب وغیرہ سے مروی ہیں (۹۶-۹۴)۔

پندرہواں "باب ماجاء فی صفۃ درع رسول اللہ ﷺ" زرہ نبوی سے متعلق دو احادیث رکھتا ہے جن کے راوی ہیں حضرات زبیر بن عوام اور سائب بن یزید (۹۸-۹۷)۔

سولہواں باب "ماجاء فی صفۃ مغفر رسول اللہ ﷺ" بھی دو حدیثوں پر مبنی ہے جو آپ کے خود کے بارے میں حضرات انس سے مروی ہیں (۹۹-۹۸)۔

سترہواں باب "ماجاء فی صفۃ عمامۃ رسول اللہ ﷺ" عمامہ نبوی پر حضرات جابر، عمرو بن حریث، ابن عمر، ابن عباس کی سند پر پانچ روایات نقل کرتا ہے (۱۰۱-۹۹)۔

آٹھارہواں باب "ماجاء فی صفۃ ازار رسول اللہ ﷺ" آپ کے تہبند سے متعلق ہے اور حضرات عائشہ، عمۂ اشعث بن سلیم، سلمہ بن الاکوع، حذیفہ بن الیمان سے چار احادیث بیان

کرتا ہے(۴-۱۰۲)۔
انیسواں "باب ماجاء فی مشیة رسول الله ﷺ" آپ کی چال کی کیفیت بیان کرتا ہے اور حضرات ابو ہریرہ اور علی کی تین احادیث پر مبنی ہے(۵-۱۰۴)۔ بیسواں باب "ماجاء فی تضع رسول الله ﷺ" پر حضرت انس کی صرف ایک حدیث پر مبنی ہے(۱۰۶)۔
اکیسواں "باب ماجاء فی جلسة رسول الله ﷺ" آپ کی نشست و برخاست کے طریقہ پر مبنی ہے اور تین احادیث حضرات قیلہ بنت مخرمہ، عم عباد بن تمیم اور ابو سعید خدری پر مبنی ہے(۷-۱۰۶)۔ بائیسواں "باب ماجاء فی تکاۃ رسول الله ﷺ" آپ کے ٹیک لگانے سے متعلق ہے اور پانچ احادیث حضرات جابر بن سمرہ، ابو بکرہ اور ابو جحیفہ پر مبنی ہے(۱۰-۱۰۸)۔ تیئسواں "باب ماجاء فی اتکاء رسول الله ﷺ" بھی اسی موضوع پر دو حدیثیں حضرات انس اور فضل بن عباس سے نقل کرتا ہے۔(۱۲-۱۱۱)۔
چوبیسواں "باب ماجاء فی صفة اکل رسول الله ﷺ" آپ کے کھانے کے طریقہ و سنت پر چھ احادیث کا جامع ہے جو حضرات کعب بن مالک، انس، ابو جحیفہ وغیرہ سے منقول ہوتی ہیں(۱۴-۱۱۲)۔ پچیسواں "باب فی صفة خبز رسول الله ﷺ" آپ کی جو کی روٹی اور اس کی بھی قلت سے متعلق ہے اور آٹھ حدیثیں حضرات عائشہ، ابو امامہ، ابن عباس، سہل بن سعد اور انس بن مالک سے بیان کرتا ہے جن میں زیادہ حضرت عائشہ اور پھر انس سے مروی ہیں(۱۸-۱۱۴)۔
چھبیسواں "باب ماجاء فی ادام رسول الله ﷺ" آپ کے استعمال کے شوربہ/سالن سے بحث کرتا ہے اور حضرت عائشہ، نعمان، جابر بن عبداللہ، ابو موسیٰ اشعری، سفینہ، ابو اسید، عمر بن خطاب، زید بن اسلم، انس بن مالک، جابر بن طارق، ام سلمہ، عبداللہ بن عارث، مغیرہ بن شعبہ، ابو ہریرہ، ابن مسعود، ابو عبید، عبداللہ بن جعفر، ام ہانی، سلمیٰ، ام المنذر اور عبداللہ بن سلام سے تینتیس احادیث آپ کے مختلف کھانوں کے بارے میں بیان کرتا ہے(۳۶-۱۱۸)۔ اسی سے متعلق ہے ستائیسواں باب "صفة وضوء رسول الله ﷺ" آپ کی کلی کرنے کی سنت سے متعلق ہے اور تین احادیث کا جامع ہے اور وہ حضرات ابن عباس اور سلمان الفارسی سے مروی ہے(۳۸-۱۳۶)۔ جبکہ اٹھائیسواں "باب ماجاء فی قول رسول الله ﷺ" قبل الطعام وبعد ما یفرغ منه" کھانے سے پہلے اور

اس کے بعد آپ کی دعاؤں سے متعلق ہے اور حضرات ابوایوب انصاری، عائشہ، عمر بن ابی سلمہ، ابوسعید خذری، ابوامامہ اور انس بن مالک سے مروی سات احادیث پر مبنی ہے (۴۲-۱۳۸)۔ انتیسواں باب "ماجاء فی قدح رسول اللہ ﷺ" آپ کے پیالہ کے بارے میں دوروایات حضرات انس سے نقل کرتا ہے (۴۳-۱۴۲) اور تیسواں "باب ماجاء فی صفة فاکھة رسول اللہ" آپ کے پھل کھانے سے متعلق ہے اور حضرات عبداللہ بن جعفر، عائشہ، انس، ابوہریرہ اور ربیع بنت معوذ کی نقل کردہ سات احادیث پر مبنی ہے (۴۶-۱۴۳)۔ اکتیسواں "باب صفة شراب رسول اللہ ﷺ" آپ کی مشروبات پر دو احادیث حضرت عائشہ اور ابن عباس سے (۵۰-۱۴۶) اور بتیسواں "باب ماجاء فی صفة شرب رسول اللہ ﷺ" آپ کے نوش کرنے کے طریقہ پر ہے اور حضرات ابن عباس، عمرو بن شعیب کے دادا، ابن عباس، علی بن ابی طالب، انس بن مالک، کبشہ، انس بن مالک اور سعد بن ابی وقاص سے مروی کل دس احادیث پر مبنی ہے (۵۶-۱۵۰)۔ اسی سے متعلق ہے تینتیسواں "باب ماجاء فی تعطر رسول اللہ ﷺ" آپ کے عطر لگانے کی سنت پر ہے اور سات احادیث پر مبنی ہے جو حضرات انس، ابن عمر، ابوہریرہ، ابوعثمان الہندی اور جریر بن عبداللہ سے مروی ہیں (۶۰-۱۵۶)۔

چونتیسواں "باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ" آپ کے کلام بلاغت نظام پر ہے اور گفتگو کا طریقہ بیان کرتا ہے اور صرف تین حدیثیں حضرت عائشہ، انس، اور ہند بن ابی ہالہ سے نقل کرتا ہے (۶۴-۱۶۰)۔ پینتیسواں "باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ ﷺ" آپ کی ہنسی کی کیفیت اور تبسم کے انداز پر نو احادیث حضرات جابر بن سمرہ، عبداللہ بن حارث، ابوذر، جریر بن عبداللہ، ابن مسعود، علی بن ابی طالب اور سعد کی سند پر بیان کرتا ہے (۷۱-۱۶۴)۔ اسی سے متعلق چھتیسواں "باب ماجاء فی صفة مزاح رسول اللہ ﷺ" ہے جو مزاح نبوی پر چھ احادیث حضرت انس، ابوہریرہ اور حسن سے نقل کرتا ہے (۷۸-۱۷۲)۔ پھر سینتیسواں باب "ماجاء فی صفة کلام رسول اللہ فی الشعر" رسول اکرم ﷺ کے شعر کے بارے میں اسوہ کو بیان کرتا ہے اور حضرات عائشہ، ابوہریرہ، جندب بن سفیان بجلی، البراء بن عازب، انس، جابر بن سمرہ اور الشرید کی گیارہ احادیث رکھتا ہے (۸۶-۱۷۸)۔ اڑتیسواں "باب ماجاء فی کلام رسول اللہ فی

السمر" ایک دلچسپ معاشرتی روایت پر احادیث پیش کرتا ہے اور وہ ہے رات میں قصہ گوئی اور اس میں حضرات عائشہ کی سند پر مشہور حدیث ام زرع کے علاوہ حدیث خرافہ بیان ہوئی ہے (۹۵-۱۸۶)۔ پھر اسی سے متعلق آپ کی نیند و خواب پر انتالیسواں "باب ماجاء فی صفة نوم رسول الله ﷺ" ہے جس میں حضرات البراء بن عازب، عبداللہ، حذیفہ، عائشہ، ابن عباس، انس بن مالک اور ابو قتادہ کی سات حدیثیں ہیں (۹۹-۱۹۵)۔

عبادات نبوی سے مفصل ابواب کا آغاز چالیسویں باب "ماجاء فی عبادة رسول الله ﷺ" سے ہوتا ہے اور اس میں حضرات مغیرہ بن شعبہ، ابو ہریرہ، عائشہ، ابن عباس، زید بن خالد جہنی، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ، حفصہ، ابن عمر اور علی بن ابی طالب کی سند پر ستائیس احادیث موجود ہیں جو زیادہ تر سنن و نوافل نبوی خاص کر شبانہ نمازوں سے متعلق ہیں (۲۱۵-۱۹۹)۔ پھر اسی سے متعلق ہے۔ اکتالیسواں "باب صلاة الضحی" حضرات عائشہ، انس، ام ہانی، ابو سعید خدری ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن سائب اور علی بن ابی طالب کی آٹھ احادیث موجود ہیں (۲۲۰-۲۱۵)۔ پھر اپنے گھر میں نماز نفل ادا کرنے کی سنت نبوی پر بیالیسواں "باب صلاة التطوع فی البیت" ہے جس میں صرف ایک حدیث حضرت عبداللہ بن سعید کی سند پر مروی ہے (۲۰-۲۱۹)۔

رسول اکرم ﷺ کے معمولات روزہ پر تینتالیسواں "باب ماجاء فی صوم رسول الله ﷺ" حضرات عائشہ، انس بن مالک، ابن عباس، ام سلمہ، عبداللہ، ابو ہریرہ اور عوف بن مالک کی کل پندرہ احادیث پر مبنی ہے جو رمضان کے علاوہ عاشوراء، ایام بیض وغیرہ کے روزوں کا بیان پیش کرتی ہیں (۲۸-۲۲۰)۔ پھر آپ کی قراءت قرآن کریم پر چوالیسواں "باب ماجاء فی قراءة رسول الله ﷺ" ہے جس میں حضرات ام سلمہ، انس، عائشہ، ام ہانی، عبداللہ بن مغفل، قتادہ اور ابن عباس کی سات احادیث ہیں (۳۱-۲۲۸)۔ نماز میں رسول اکرم ﷺ کی گریہ وزاری سے متعلق چھ احادیث پینتالیسویں "باب ماجاء فی بکاء رسول الله ﷺ" میں حضرات عبداللہ بن شخیر، ابن مسعود، عبد اللہ بن عمرو، ابن عباس، عائشہ اور انس سے مروی ہیں۔ (۳۵-۲۳۱)۔ اڑتالیسواں "باب ماجاء فی فراش رسول الله ﷺ فی السمر" آپ کے بستر کی کیفیت بتاتا ہے اور وہ حضرت عائشہ کی دو حدیثوں پر مبنی ہے (۳۷-۲۳۶)۔

انچاسواں "باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ" انچاسواں باب ہے جو آپ کے تواضع وانکسار پر ہے اور حضرات عمر فاروق، انس، ہند بن ابی ہالہ، جابر، یوسف بن عبداللہ بن سلام اور عائشہ کی تیرہ روایات پر مبنی ہے اور ان میں سے زیادہ تر حضرات انس بن مالک کی ہیں اور سب سے زیادہ مفصل حضرت ہند کی حدیث ہے (۵۰-۲۳۷)۔

پچاسواں "باب ماجاء فی خلق رسول اللہ ﷺ" اخلاق نبوی پر پندرہ احادیث حضرت زید بن ثابت، عمرو بن العاص، انس، عائشہ، ابن ابی ہالہ، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، عمر بن خطاب اور ربیع بنت معوذ کی سند پر مروی ہیں اور ان میں زیادہ تر حضرت عائشہ ام المومنین کی روایات بابرکات ہیں (۶۴-۲۵۰)۔ پھر اکیاونواں "باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ ﷺ" حضرت ابو سعید خدری اور عائشہ صدیقہ کی دو حدیثوں پر مبنی آپ کی شرم وحیا بیان کرتا ہے (۲۶۴)۔

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے افعال میں باونواں "باب فی حجامة رسول اللہ ﷺ" آپ کے فصد لگوانے کے بارے میں حضرات کسب الحجام، علی ابن ابی طالب، ابن عباس، ابن عمر اور انس بن مالک سے چھ احادیث نقل کرتا ہے (۶۷-۲۶۵)۔

آپ کے اسماء گرامی پر ترپن واں "باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ" ہے جو حضرات جبیر بن مطعم اور حذیفہ کی بالترتیب ایک اور دو حدیثوں پر مشتمل ہے (۹-۲۶۸)۔

پھر باونواں باب آپ کی فقیرانہ زندگی پر ہے اور چونواں "باب ماجاء فی عیش النبی ﷺ" کے عنوان سے ہے جس میں نو احادیث حضرات نعمان بن بشیر، عائشہ ابوطلحہ، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص، ابوالرقاد شویس، انس اور نوفل بن ایاس ہذلی کی سندوں پر بیان کی گئی ہیں (۸۱-۲۷۰)۔ حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت بہت مفصل ہے۔

پچپنواں "باب ماجاء فی سن رسول اللہ ﷺ" آپ کی عمر مبارک کے بارے میں روایات پیش کرتا ہے جو تعداد میں سات ہیں اور حضرات ابن عباس، معاویہ، عائشہ، زعفل بن حنظلہ اور انس بن مالک کی سندوں پر بیان ہوئی ہیں (۸۳-۲۸۱)۔ چھپن واں "باب ماجاء فی وفاة رسول اللہ ﷺ" آپ کے وفات حسرت آیات پر چودہ احادیث پر مشتمل ہے جو حضرات انس بن مالک، عائشہ، جعفر بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سالم بن عبید اور ابن عباس سے مروی ہیں اور

ان میں سے حضرت سالم بن عبید کی روایت سب سے طویل ہے (۹۴-۲۸۴)۔ستاون واں "باب ماجاء فی میراث رسول اللہ ﷺ" سات احادیث رکھتا ہے جو حضرات عمرو بن حارث ابو ہریرہ ،ابوالبختری، عائشہ اور مالک بن اوس سے مروی ہیں۔(۹۸-۲۹۵)۔

کتاب الشمائل کا آخری اور ترتیب سے اٹھاون واں "باب ماجاء فی رویۃ رسول اللہ ﷺ فی المنام" کا تعلق خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے کے شرف عظیم سے ہے اور اس میں حضرات عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ، سعد بن طارق یزید الفارسی، عوف الاعرابی، ابوقتادہ، انس بن مالک، عبداللہ بن المبارک اور ابن سیرین کی احادیث وآثار موجود ہیں جن کی تعداد دس ہے (۳۰۴-۲۹۹)۔ جبکہ حاشیہ شیخ ابراہیم ص ۳۰۵ تک وسیع ہے۔اور اسی پر امام ترمذی کی کتاب الشمائل ختم ہوگی ہے۔

امام طبری

(۳۱۰-۲۲۴ھ/۹۲۳-۸۳۸ء)

دوسری/آٹھویں صدی میں عالمی اسلامی تاریخ کا جو ارتقا شروع ہوا تھا وہ تیسری/نویں صدی میں اپنے عروج کو پہونچا اور امام طبری کی تاریخ۔ تاریخ الرسل والملوک۔ اس کی نمائندہ ودرخشاں ترین کتاب بن گئی۔ طبری اور ان کے بزرگ معاصرین جیسے ابن قتیبہ دینوری، ابوحنیفہ دینوری، بلاذری اور یعقوبی وغیرہ نے جو طرح نو ڈالی تھی اس نے سیرت نبوی کو کتاب تاریخ عالم اسلامی کا ایک باب بنا دیا۔ ان میں سے کسی نے مختصر اور کسی نے مفصل کلام و بحث سیرت نبوی پر کی۔ امام طبری نہ صرف مفصل و مدلل لکھنے والے مورخوں اور سیرت نگاروں کے زمرے میں آتے ہیں بلکہ ایک خاص طریقۂ تالیف کے موجد بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر چہ ان کا یہ طریقہ بھی کسی اور سے مستفید تھا۔ لیکن ان کی امامت اس درجہ مسلم ہوئی کہ ان کے معاصرین اور متاخرین نے ان کے طریقۂ تالیف کو اپنا کر اس کی مستقل پیروی کی اور خاص کر عالمی اسلامی تاریخ نگاروں کے لئے وہ کامل نمونہ بن گئے۔

وہ اپنی وطنی نسبت طبری سے زیادہ معروف و مشہور ہیں اتنے کہ خالص طبری سے وہی مراد ہوتے ہیں اور دوسرے طبری اہل علم کے تعارف کے لئے ان کے نام و لقب کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کا اصل نام محمد تھا، اور کنیت ابو جعفر مگر دونوں اب غیر موقوف ہیں۔ ان کا کامل نام ونسب ہے: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب۔ وہ طبرستان کے باشندے اور ایرانی النسل تھے۔ ان کے خاندان اور والدین وغیرہ کے بارے میں ہماری معلومات ناقص ہیں۔

امام طبری کی ولادت کا سنہ اکثر مورخین وتذکرہ نگاروں نے ۲۲۴ھ/۸۳۴ء لکھا ہے جن میں ذہبی وغیرہ شامل ہیں۔ یاقوت حموی نے ۲۲۴ھ/۸۳۸ء کے ساتھ ۲۲۵ھ/۸۳۹ء کے آغاز کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے کسی نے ان کی پیدائش کی تاریخ، یوم اور ماہ وغیرہ کی تصریح نہیں کی ہے۔

ان کی ابتدائی تعلیم و ترتیب کے بارے میں مارگولیتھ وغیرہ مستشرقین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ ان کے وطن مالوف-آمل- میں شروع ہوئی ان کے ابتدائی اساتذہ کا ذکر بھی کم ملتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے انہوں نے غالباً آمل میں کچھ اساتذہ فنون سے استناد کے بعد مختلف مراکز کا دورہ کیا۔ پہلے وہ رے گئے اور اس کے عظیم محدثین وعلماء سے بالعموم اور شیخ ابواحمد بن حمید رازی سے بالخصوص احادیث کی تعلیم حاصل کی اور موخر الذکر سے ایک لاکھ احادیث کی سماعت کی پھر رے سے سفر کر کے قریبی گاؤں گئے اور اس کے امام حدیث شیخ احمد بن حماد دولابی سے مزید ایک لاکھ احادیث کی سماعت کی ۔ رے کے دوسرے مراکز کے بعد وہ بغداد پہونچے اور عراق، شام اور مصر کے متعدد علماء وشیوخ سے استفادہ کیا۔ مختلف علوم وفنون میں ان کے استفادہ کا سلسلہ تا عمر جاری رہا۔ بغداد کا سفر انہوں نے امام احمد بن حنبل سے استفادہ کرنے کے لئے کیا تھا لیکن ان کے آنے سے امام موصوف کا انتقال ہو گیا تو بغداد کے دوسرے شیوخ سے تلمذ کی سعادت حاصل کی، پھر بصرہ گئے اور اس کے شیوخ مثلاً محمد بن موسیٰ حرشی، عماد بن موسیٰ التغراز، محمد بن عبدالاعلیٰ صنعانی، بشر بن معاذ، ابوالاشعث، محمد بن بشار بندار، محمد بن المغنی سے استفادہ کر کے واسط کے شیوخ سے پڑھا پھر کوفہ پہونچے اور وہاں ابوکریب محمد بن العلاء الهمدانی، ہناد بن السری، اسماعیل بن موسیٰ وغیرہ سے تعلیم پائی، ان میں امام ابوکریب عظیم ترین امام حدیث تھے اور ان کے دروازے پر تلامذہ اور اصحاب استفادہ کی بھیڑ پڑ آن لگی رہتی تھی ۔ وہ بڑے کڑے امتحان کے بعد داخلہ دیتے تھے، کوفہ سے واپسی پر وہ مدتوں بغداد میں مقیم رہے۔ اور فقہ وقرآن کی تعلیم حاصل کرتے رہے ۔ پھر مصر سفر پر نکلے اور راستے میں شام اور سواحل اور سرحدوں وغیرہ کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ وہ ۲۵۳ھ میں بسطاط پہونچے اور ان سے امام مالک وشافعی اور ابن وہب کے علوم حاصل کئے۔ پھر شام واپس آ گئے۔ کچھ مدت کے بعد پھر مصر گئے اور شیخ ابوالحسن علی بن سراج مصری کے علاوہ امام ابوابراہیم اسماعیل بن ابراہیم مزنی وغیرہ سے ملاقات واستفادہ کیا۔

امام طبری نے بلاد ممالک اسلامیہ کے علمی مراکز کی زیارتوں کے بعد بغداد کو وطن بنالیا اور وہیں پوری عمر گذاری تا آنکہ وہیں وفات پاکر پیوند خاک ہوئے۔ ان کی وفات کے بارے میں خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ شنبہ ۲۶ رشوال ۳۱۰ھ کو وفات پائی اور دوسرے دن یک شنبہ کو رحبہ (محلہ) یعقوب کے ایک احاطہ (دار) میں صبح کے وقت مدفون ہوئے مگر دوسرے تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ خاص کر

امام ذہبی کے راوی ابن کامل کا جو ابن جریر طبری کے شاگرد تھے کہ ۲۸ رشوال (شوال کی دو راتیں باقی تھیں) کہ ان کا انتقال ہوا۔ دوسروں کا یہ بھی خیال ہے کہ رات ہی کو عوامی خوف کے سبب دفن کر دیئے گئے تھے لیکن خطیب بغدادی کا مزید بیان ہے کہ ان کے انتقال اور تدفین کا اعلان عام نہیں کیا گیا تھا تاہم ان کے جنازے میں بیشمار لوگ شامل ہوئے اور ان کی قبر پر کئی مہینوں تک رات دن نماز جنازہ ہوتی رہی اور بہت سے اہل ادب دین اور صاحبان شعر و قلم نے ان کے مراثی لکھے۔

قدیم تذکرہ نگاروں نے عام طور سے ان کی زندگی گذارنے کے وسائل وغیرہ کا ذکر واضح کیا ہے مارگولیتھ وغیرہ متعدد مستشرقین نے اس بنا پر تحقیق کی ہے کہ امام طبری نے کوئی ملازمت کی اور نہ کسی ادارہ کی وابستگی اختیار کی خاص کر سرکاری ملازمت سے دور رہے۔ ان معاشی ضرورتوں کے لئے ان کی آراضی جو ان کو وراثت میں ملی تھی، کافی سے زیادہ تھی ۔ اس کی آمدنی سال بہ سال ان کے پاس کارندوں یا حجاج کرام کے واسطہ سے طبرستان سے آیا کرتی تھی جیسا کہ ابوالطیب اور سلیمان کے حوالہ سے یاقوت حموی نے بیان کیا ہے۔ اس کی بنا پر وہ نہ صرف خود فراغت سے بسر کرتے تھے۔ بلکہ اپنے طلبہ اور تلامذہ کی معاشی امداد کیا کرتے تھے۔ اور بہت سوں کی تو کامل کفالت کرتے تھے۔ اسی مال سے وہ لوگوں کو ہدایا بھی دیا کرتے تھے۔

وطن سے ان کا تعلق اقتصادی طور سے قائم رہنے کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب بھی وابستہ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی اپنے وطن مالوف آمل کا دورہ کیا کرتے تھے۔ ان کے دوروں اور زیارتوں کا ذکر اکثر و بیشتر بغدادی طوفان مخالفت کے ضمن میں کیا جاتا ہے کہ جب مسلکی اختلافات کے سبب ان کی زندگی بغداد میں اجیرن ہوگئی تو وہ گھبرا کر وطن چلے گئے لیکن وہاں دوسرا طوفان بلا ان کا منتظر تھا جس نے ان کو ڈھکیل کر پھر بغداد بھیج دیا۔ وطن چھوڑنے کے بعد مصر سے بغداد پہونچے اور پہلی بار وطن کی زیارت کی، پھر دوسری بار ۲۹۰ھ میں وطن گئے تھے اور واپسی پر بغداد میں قنطرہ البردان میں مقیم ہوگئے۔ وطن کی زیارتوں کے دوران دینور وغیرہ کے مقامات سفر پر متعدد اہل علم سے بحث ومباحثہ کیا تھا۔ جن میں عبداللہ بن حمدان، ابوبکر بن سہل دینوری وغیرہ ممتاز تھے۔

امام طبری نے اپنی پوری زندگی علم کی خدمت میں بسر کردی۔ اپنی روایتی اور دوابی تعلیم پوری کرنے کے بعد انہوں نے بغداد میں تعلیم تدریس کا مشغلہ اپنالیا۔ ان کا مدرسہ تعلیم و تربیت ان کے گھر

ہی میں واقع تھا اور مسجد میں بھی ان کا ایک طبقہ درس تھا۔ وہ عصر کی نماز پڑھ کر لوگوں اور طالب علموں کو مغرب تک پڑھاتے اور ان کی قراءت کی ساعت کرتے تھے۔ پھر عشاء کی نماز تک فقہ اور دوسرے علوم کی تعلیم کے لئے تشریف فرما ہوتے۔ اور نماز عشاء پڑھ کر گھر چلے جاتے۔ انہوں نے رات دن کے اوقات کو اپنی راحت و کام، دین اور مخلوق کے لئے باقاعدہ تقسیم کر رکھے تھے۔

تلامذہ اور طلبہ کی تعداد تو سیکڑوں سے متجاوز تھی مگر تذکرہ نگاروں نے عام طور سے ان کا ذکر کم کیا ہے مثلاً یاقوت حموی نے ابوبکر الخطیب کے حوالہ سے صرف یہ کہا کہ ان سے احمد بن کامل القاضی وغیرہ نے حدیث بیان کی اور ان کے علاوہ دوسروں کی تصریح نہیں کی۔ تفسیر و تاریخ طبری کے ضمن میں ان کے چندر دوسرے تلامذہ کا ذکر کیا ہے جن میں ابوبکر کامل، فرزند ابو محمد عبدالعزیز بن محمد الطبر ی ، ابوالحسن عبداللہ بن احمد بن محمد بن المغلس الفقیہ ، ابوبکر بن بالویہ، حافظ ذہبی نے ان کے تلامذہ حدیث میں مخلد الباقرحی، احمد بن کامل، ابوالقاسم الطبر ی، عبدالغفار الحصینی اور ابوعمرو بن حمدان کے علاوہ ایک مخلوق (خلق) کا ذکر کیا ہے۔

علمی جلالت وعظمت

امام طبری ان معدودے چند عظیم ترین اہل علم وفن میں سے ایک تھے جنہوں نے تقریباً تمام علوم وفنون وقت میں اپنے تبحر وفضل کی دھاک بٹھادی تھی۔ یاقوت حموی اور حافظ ذہبی وغیرہ نے خطیب بغدادی کا تبصرہ نقل کیا ہے کہ ابن جریر یکے از امامان وقت تھے جن کے قول پر فیصلہ کیا جاتا اور جن کی رائے کی طرف مراجعت کی جاتی کیونکہ انہوں نے علوم وفنون میں وہ معرفت وفضیلت حاصل کرلی تھی جس میں ان کے معاصرین میں سے کوئی بھی ان کا شریک وسہیم نہ تھا۔ وہ کتاب اللہ کے حافظ، صحابہ وتابعین کے احوال کے عارف اور لوگوں کی تاریخ کے ماہر تھے۔ احکام قرآن کے فقیہ، سنن نبوی اور ان کی اسناد اور صحت وسقم اور ناسخ ومنسوخ کے عالم اور حلال وحرام کے مسائل کے ماہر تھے۔ ان کے فرزند عبدالعزیز کا بیان ہے کہ امام طبری نے منطق وحساب، جبر ومقابلہ اور حساب کے بہت سے فنون وابواب کے علاوہ طب میں بھی گہری بصیرت حاصل کی تھی۔ وہ ایسے قاری قرآن کہ جیسے قرآن کے سوا کچھ نہ جانتے ہوں۔ ایسے محدث تھے گویا حدیث کے سوا اور کسی فن سے ناواقف ہوں،

جب فقہ پر کلام کرتے تو لگتے کہ فقہ کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، ایسے نحوی کے مانند تھے کہ گویا صرف نحو جانتے ہیں، ایسے حساب داں تھے کہ حساب کے سوا اور کچھ نہ جانتے ہوں۔ وہ دراصل تمام دینی علوم کے عالم اور دنیاوی فنون کے جامع تھے۔

تصانیف طبری

ان کے شاگردوں اور تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ امام طبری عام طور سے صبح سے عصر تک لکھا پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے پینتیس ضخیم کتابیں تمام علوم وفنون میں تصنیف کیں۔ اور چالیس سال تک برابر ہر روز چالیس اوراق لکھتے رہے۔ ان کے ایک اور مداح شاگرد کا بیان ہے کہ تصانیف طبری کے اوراق کو ان کی عمر کے دنوں پر بلوغت سے چھیاسی سال کی عمر میں وفات تک تقسیم کر کے حساب لگایا گیا تو ہر روز چودہ ورق کا حساب پڑا۔ پھر ان کی تالیفات محض جمع وتدوین کی یا سطحی نہیں تھیں بلکہ وہ اپنے علوم اور موضوعات پر بے مثال و بے نظیر عالمانہ اور محققانہ تالیفات تھیں جن کی تعریف وتحسین ان کے معاصرین، تلامذہ اور متاخرین سب نے کی۔ ذیل میں فن وار ان کی تالیفات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

علوم القرآن

(۱) تفسیر طبری: امام طبری کی سب سے مشہور کتاب تفسیر قرآن ہے جس کا اصل عنوان یہ جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔ اس کی اصل ضخامت تیس ہزار اوراق تھی لیکن طلبہ اور اہل علم کی دون ہمتی کے سبب اس کو تقریباً تین ہزار اوراق میں مختصر کر دیا۔ ان کے شاگرد ابوبکر بن بالویہ نے حافظ ابن خزیمہ (ابوبکر محمد بن اسحاق م) کے استفسار پر بتایا تھا کہ انہوں نے استاد گرامی طبری سے پوری تفسیر آٹھ برسوں میں ۲۸۳ھ سے ۲۹۰ھ کے عرصہ میں بطریق املا نقل کی تھی۔ امام ابن خزیمہ سے مستعار لے گئے اور کئی برسوں بعد واپس کیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو شروع سے آخر تک غور سے پڑھا اور سطح زمین پر مجھے ابن جریر سے زیادہ بڑا اور کوئی عالم نظر نہیں آتا۔ ابن تیمیہ جیسا ناقد محدث وعالم بھی تفسیر طبری بہترین تفسیر شمار کرتا تھا۔

(۲) **کتاب القراءات وتنزیل القرآن**: طبری کی عظیم ترین کتاب تھی جو اٹھارہ جلدوں پر مشتمل تھی۔

(۳) **کتاب الفصل بین القراءۃ**: بھی امام طبری کی جید کتابوں میں سے تھی جس میں حروف قرآن پر قرائے کرام کے اختلاف پر بحث مفصل تھی۔ مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ اور شام وغیرہ کے قراء کرام کے اسامی گرامی بیان کئے تھے۔ اور ہر قراءت کا فرق وفصل، اس کی وجہ وتاویل، دلالت، ہر قاری کا مذہب اور اس کے دلائل اور راجح مسلک وغیرہ کا مفصل ومدلل ذکر تھا۔

علوم الحدیث

(۱) **کتاب تہذیب الآثار** مسند امام احمد بن حنبل کے طرز پر تصنیف کی تھی لیکن مکمل نہیں ہوسکی۔ انہوں نے مسند عشرہ مبشرہ اور مسند ابن عباس (حدیث معراج تک) مکمل کرلی تھی۔ باقی کی تکمیل نہیں کرسکے۔ وہ حدیث کے عظیم ترین ذخیروں میں سے ہے اور احادیث کے تقابلی مطالعہ پر سب سے عظیم کتاب ہے۔ اس میں فقہی اقوال اور مسالک، غریب الحدیث اور دوسرے اہم امور پر بھی بہت قیمتی مباحث ہیں۔ خود امام طبری اس کی تالیف پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اس کو اپنی دو بہترین تالیفات میں شمار کرتے تھے۔ آج اس کے تین مسانید عمر وعلی وابن عباس دستیاب ہیں اور وہ بھی ناقص شکل میں۔

(۲) **کتاب ذیل المذیل**: فن اسماء الرجال پر قیمتی کتاب تھی۔ اس میں تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین اور اپنے شیوخ واساتذہ کی سوانح مرتب کی تھی۔ اس کے آخری ابواب رواۃ حدیث کے مختلف طبقات، ان کے اسماء، کنیت وغیرہ کے لئے وقف تھے۔ اس میں تقریباً ایک ہزار اوراق تھے۔ اور ۳۰۰ھ کے اس کا املا کرایا تھا۔

(۳) **کتاب المسند المجرد** جس سے علماء حدیث نے کافی استفادہ کیا ہے۔ امام طبری نے اس میں اپنے شیوخ کی احادیث جمع کی تھیں۔

علوم فقہ

۱۔ **کتاب الحفیف فی احکام شرائع الاسلام** وہ کتاب اللطیف کا مختصر تھی جو چارسو

اوراق پر مشتمل تھی اور طلبہ کی سہولت کے لئے تالیف کی گئی تھی۔

۲۔ کتاب بسیط القول فی احکام شرائع الاسلام اوراس کا مقدمہ کتاب مراتب العلماء پر مشتمل تھا۔ اس تمام فقہاء صحابہ، اور مراکز اسلام کے فقہاء کا ذکر کیا ہے دو ہزار اوراق تھے۔

ا۔ کتاب لطیف القول فی شرائع الاسلام بھی امام طبری کی مایۂ ناز کتاب تھی جس کو تمام فقہاء کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ وہ فقہ طبری کی عظیم ترین کتاب تھی اوران کے تلامذہ اور پیروؤں کے لئے مستند ترین ماخذ تھی۔ اس میں کتاب الاختلاف سے تین ابواب/کتب الباس، امہات الاولاد اورشرب) زیادہ تھیں اس میں پندرہ سواوراق تھے۔

۲۔ کتاب اختلاف علماء الامصار فی احکام شرائع الاسلام۔ دوسری مایۂ ناز کتاب طبری تھی جس میں فقہاء کرام کے مسالک مسلمہ کا تقابلی مطالعہ کیا تھا۔ اور آخری میں قول راجح دے کر اپنے دلائل اور اپنے مذہب کا بھی ذکر کیا تھا۔ ائمہ کرام میں مالک بن انس، اوزاعی، سفیان ثوری، شافعی، ابوحنیفہ اوران کے صاحبین (ابو یوسف اور محمد) ابونصر ابراہیم بن خالد کلبی، عبدالرحمٰن بن کیسان وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں ابن کیسان کا مسلک کتاب سے خارج کر دیا گیا تھا۔ جب اس مسلک کا ملن ختم ہوگیا۔ یہ امام طبری کی اولین کتاب تھی اوراس پروہ بجاطور سے فخر کرتے اور فقہاء کے لئے ضروری قرار دیتے تھے۔ وہ تین ہزار اوراق تھی۔

۳۔ کتاب آداب القضاۃ والمحاضر والمسجلات ۔ دراصل کتاب البسیط کا اختصار تھی جس میں ایک ہزار اوراق تھے اور آداب قضاء کے احکام تھے۔

۴۔ کتاب المشروط جس کا نام تھا ''امثلۃ العدول''۔ وہ علم شروط پر بہت قیمتی کتاب تھی اوراس میں بغداد کے علماء کے مسالک تھے۔ وہ اصول فقہ کی عمدہ کتاب تھی جس میں بہت قیمتی مباحث تھے جیسے اجماع، اخبار آحاد، مراسیل، ناسخ ومنسوخ، مجمل ومفسر، اجتہاد، استحسان وغیرہ۔

تاریخ وسیرت

تاریخ طبری۔ جس کا اصل عنوان ''تاریخ الرسل والملوک واخبارہم'' ہے۔ جس میں ابتدائے آفرینش سے ۳۰۲ھ تک کی عالمی اسلامی تاریخ ہے، طبری نے اس کو بھی تیس ہزار اوراق میں لکھا

تھا۔ پھر طلبہ اور قارئین کے قصور ہمت کو دیکھ کر اس ہزار اوراق کے قریب مختصر کر دیا۔ وہ دس جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

دوسرے علوم

ا۔ کتاب آداب النفوس الجیدة والاخلاق النفیسة۔ جس کا دوسرا عنوان کبھی کبھی کتاب الآداب النفس الشریفه والاخلاق الحمیدة بھی بتایا جاتا ہے۔ اس میں فضائل اخلاق جیسے علوم دین وفضل، تقوی وورع، اخلاص، شکر وغیرہ اور ان کے رذائل وغیرہ پر بحث کی ہے۔ وہ تقریباً پانچ سو اوراق پر مشتمل تھی اور اس کے چار اجزاء تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے اس کو املا نہیں کرایا۔ لیکن جب وہ ابوسعید عمر بن احمد الوراق دینوری کے ہاتھ لگی تو وہ شام لے گئے لیکن راستہ میں ڈاکہ پڑا تو صرف دو جزء باقی رہ گئے جن میں اللہ کے حقوق پر بصارت وسماعت انسانی پر بحث ہے۔ اس کی ابتداء ۳۱۰ھ میں کی تھی۔ لیکن جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

۲۔ کتاب الرد علی ذی الاسفار۔ جس میں طبری نے اپنے استاد داؤد بن علی اصفہانی پر رد کیا تھا جن سے انہوں نے مدتوں تعلیم پائی تھی۔ اور ان کی کتابوں سے بہت سا مواد نقل کیا تھا۔ اس کتاب کے اسی اجزاء ان کی میراث میں ملے تھے۔ جس میں سے سو اوراق پر مشتمل ایک قطعہ انہوں نے لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا۔

۳۔ کتاب رسالة البصیر فی معالم الدین جو تقریباً تیس اوراق پر مشتمل رسالہ تھا اور جس کو طبری نے اہل طبرستان کے نام بطور ایک خط لکھا تھا اور اسم اور مسمی اور بدعتیوں کے خیالات وافکار سے بحث کی تھی۔

۴۔ کتاب صریح السنة۔ بھی چند اوراق پر مشتمل رسالہ ہے جو امام طبری کے مذہب ودین اور معتقدات کی تشریح کرتا ہے۔

۵۔ کتاب فضائل علی بن ابی طالب۔ جس کے آغاز میں امام طبری نے غدیر خم کے بارے میں وارد ہونے والی روایات کی صحت پر کلام کر کے حضرت علی کے فضائل پر لکھا ہے لیکن اسے مکمل نہیں کیا۔

۶۔ کتاب فضائل ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما ۔بھی ناقص رہ گئی۔ غالباً یہ دو کتابیں تھیں یا ایک کتاب دو حصوں میں تھی۔

۷۔ کتاب فضائل العباس ۔بھی وفات طبری کے سبب نامکمل رہ گئی۔

۸۔ کتاب عبارۃ الرویاء ۔تعبیر خواب کے بارے میں احادیث جمع کی تھیں مگر وفات کے سبب مکمل نہ کر سکے۔

۹۔ کتاب مختصر مناسک الحج

۱۰۔ کتاب مختصر الفرائض

۱۱۔ کتاب الرد علی ابن عبد الحکم علی مالک ۔جو ان کے تلامذہ اور اصحاب فقہ کو نہیں دستیاب ہوتی۔

۱۲۔ کتاب الموجز فی الاصول ۔جس کا آغاز رسالۃ الاخلاق سے کیا تھا لیکن نامکمل چھوڑ دیا پھر "کتاب الآدر فی الاصول" لکھنے کا وعدہ کیا مگر اسے نہ لکھ سکے اور اسی طرح "کتاب القیاس" بھی لکھنا چاہتے تھے مگر اس پر بھی کام نہ کر سکے۔ ابو القاسم حسین بن جیش الوراق کا کہنا ہے کہ مجھ سے امام طبری نے قیاس پر تمام کتابیں جمع کرنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے ان کو پینتیس کتابیں اس موضوع کی دیے ہیں جو ان کے پاس مدتوں رہیں لیکن پھر اپنی وفات سے چند ماہ قبل واپس کر دیں۔

طریقۂ تالیف

اگر چہ بنیادی طور سے امام طبری فقیہ اور محدث تھے اور انہوں نے اپنی عظیم و کبیر تالیفات کا آغاز بھی انہیں دو بنیادی موضوعات میں کیا تھا جن میں تفسیر و تاریخ کا اضافہ بعد میں کیا، لیکن ان کی تاریخ نگاری میں ان کی تدوین و تخریج حدیث کا طریقۂ کمال نظر نہیں آتا۔ یہ صحیح ہے کہ اسناد کی حد تک ان کی نگارش تاریخ طریقۂ حدیث پر مبنی یا اس سے متاثر نظر آتی ہے لیکن اس کے ماسوا ان کی تاریخ نگاری خالص اخباری رواۃ اور حولیات نگاروں کی دین نظر آتی ہے۔ اس بارِ خاص میں وہ حیرت انگیز طور سے اپنے جانشین متاخر اور خوشہ چین حافظ ابن کثیر سے بالکل مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ تاریخ نگاری میں حدیثی روایات کا بہت کم بلکہ شاذ و نادر استعمال کرتے ہیں۔

سیرت نگاری میں امام طبری زیادہ تر قدیم سیرت نگاروں یا سیرت کے راویوں کی روایات واخبار پر انحصار کرتے ہیں۔ان میں واقدی، عروہ بن زبیر، ابن اسحاق، سعدی، ابن حمید، کلبی، زبیر بن بکار، ابن سعد، اور ابن الکلبی وغیرہ اہم ترین مآخذ ومصادر ہیں اور اصل مآخذ تو صرف دو ابن اسحاق اور واقدی ہیں۔انہوں نے زیادہ تر روایات سیرت انہیں دونوں مآخذ سے حاصل کی ہیں۔البتہ کہیں کہیں دوسری روایات کا مختلف مآخذ سے اضافہ کیا ہے۔اضافات طبری میں بعض وہ روایات بھی شامل ہیں جو اکابر محدثین جیسے بخاری وغیرہ کے ہاں پائی جاتی ہیں اور ان کا زیادہ تر تعلق معراج، وحی، صلح حدیبیہ وغیرہ کے واقعات وحوادث سے ہے یا اسلامی اور تشریعی امور ومعاملات سے، لیکن ان روایات کو طبری نے اپنے اسناد سے نقل کیا ہے، محدثین کے حوالہ سے نہیں۔ان میں سے سب سے اہم صلح حدیبیہ کے بارے میں حضرات مروان بن حکم اور مسعور بن مخرمہ کی روایت بخاری ہے۔

روایات کی ترسیل کے ضمن میں امام طبری نے کئی مواقع پر اپنے مآخذ اور حوالوں کا صریحی ذکر کرنے کے بجائے عمومی اشارے کا طریقہ اپنایا ہے مثلاً رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت عمر مبارک کے بارے میں ''سلف'' کا ذکر کرکے ان کا اختلاف بیان کیا ہے۔اور یوم وماہ بعثت کے بارے میں ''اہل علم'' اور ''علماء'' کا خیال نقل کیا ہے۔ایسا زیادہ تر مکی حیات نبوی کے واقعات کے ضمن میں کیا ہے۔اور قبل ولادت واقعات اور جاہلی عرب کی تاریخ کے باب میں اکثر وبیشتر مآخذ کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔

امام طبری نے نقل روایات کے سلسلہ میں کہیں کہیں تقابلی مطالعہ اور روایات کے مابین محاکمہ کا طریقہ بھی اپنایا ہے اور کہیں کسی روایت کو اصول ترجیح کے مطابق راجح اور کسی کو مرجوح یا مردود قرار دیا ہے اور کہیں صرف مرجوح روایت پر نقل وتبصرہ سے کام لیا ہے۔اور کہیں کسی امام سیرت کے نقد وجرح کا حوالہ دیا ہے۔مثلاً بارہ برس کی عمر میں چچا ابوطالب کے ساتھ آپ کے اولین سفر شام کی مشہور روایت نقل کرکے دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس میں حضرت ابوبکر وبلال کی معیت کا ذکر ہے۔ سوق حباشہ میں مال تجارت خدیجہ رضی اللہ عنہا لے جانے کی روایت پر واقدی کی تنقید بیان کی ہے جس طرح حضرت خدیجہ کے نکاح کے بارے میں ایک اور روایت پر واقدی کی تنقید کا حوالہ دیا ہے۔بعثت کے وقت عمر نبوی کے بارے میں مختلف روایات نقل کرکے چالیس برس بتانے والی روایت کو ترجیح دی

ہے۔ تاریخ بعثت میں بھی اسی طرح متعدد روایات ذکر کر کے محاکمہ کیا ہے۔ عام طور سے امام طبری سے ابن اسحاق کی روایات کو تصادم و تضاد کی صورت میں واقدی پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن کہیں کہیں اور خاص طور سے ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے مآخذ پر واقدی کی راجح بناتے ہیں۔ اگر تقابلی مقصود نہ ہوتو واقدی کا نقطۂ نظر زیادہ راجح نظر آتا ہے۔

واقعات سیرت کی ترسیل میں امام طبری کا طریقہ دوگانہ ہے۔ ہجرت نبوی سے پہلے کے تمام واقعات کو وہ تاریخی ترتیب سے موضوعاتی اعتبار سے پیش کرتے ہیں جیسے ولادت، نسب، حیات مکی، حضرت خدیجہ سے شادی، بعثت و نبوت، دعوت اسلام، قریشی مخالفت، مسلمانوں کی تعذیب، ہجرت حبشہ، سماجی مقاطعہ، وفات خدیجہ و ابو طالب اور سفر طائف وغیرہ لیکن ان میں نسب کا ذکر نیچے سے اوپر کی پیڑھیوں کی طرف صعود کے طریقہ سے کرتے ہیں اور نسب کے ذکر کے بعد واپس اخبار و سیرت نبوی کی طرف آتے ہیں۔ بالعموم ان واقعات میں تاریخوں کا ذکر حتمی طور سے کم کرتے ہیں مگر ولادت و بعثت اور ہجرت کی تاریخوں کا واضح اور صریح حوالہ دیتے ہیں۔ البتہ بعض اہم حوادث و واقعات کے حوالہ سے بالعموم اور آپ کی عمر شریف کے ذکر خیر سے بالخصوص واقعات کی تاریخ نگاری کا کام لیتے ہیں۔

دوسرا طریقۂ نگارش سنہ وار واقعات کے تذکرہ کی شکل میں ہجرت نبوی سے شروع ہوتا ہے جو وفات نبوی پر ختم ہوتا ہے۔ اس حصہ میں اولین سنہ ہجری کے واقعات سے آغاز کر کے بالترتیب دو تین چار اور آخر میں گیارہ سنہ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ پہلے حصہ کے مقابلہ میں موضوعات کی جگہ سنہ مذکورہ کے واقعات عنوان بن جاتے ہیں۔ اور ہر سنہ کے واقعات میں امام طبری اندرونی ترتیب واقعات یا تاریخی اور زمانی ترتیب کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

امام طبری کا ایک خاص طریقہ یہ ہے کہ وہ اصل واقعہ کی اصلی یا اہم ترین روایت کو بالعموم پہلے بیان کرتے ہیں اور پھر اختلافی روایات یا اقوال کا ذکر کرتے ہیں اور ضرورت پڑتی ہے تو ان پر محاکمہ اور تنقید بھی کرتے ہیں۔ اگر روایات و اخبار کا تصادم و تعارض نہیں ہوتا تو اصل روایت واقعہ میں اضافہ و تشریح کے خیال سے کسی دوسرے مآخذ کی روایت بھی نقل کرتے ہیں اور اسی خاص مقام پر نقل کرتے ہیں لہٰذا اس کے سبب اصل روایت کو توڑنا پڑتا ہے لیکن وہ اضافی یا اختلافی روایت کو بیان کر کے پھر اصل روایت سے اس کا سلسلہ جوڑ دیتے ہیں اور اصل روایت کو اس کے آخری منطقی خاتمہ تک لے جاتے ہیں۔

خواہ موضوعاتی بیان ہو یا سنہ وار تحریر امام طبری اصل واقعات کو ان کے ضمنی روایات و اضافی ملحقات کے ساتھ بیان کرنے کے بعد مختصر مختصر روایات ان واقعات و حوادث کے بارے میں دیتے ہیں جن کو وہ اصل واقعات یا روایات میں کسی طرح پیوستہ کر کے اپنے تاریخی یا سیرتی بیان کا جزو نہیں بنا پاتے۔ ایسی مختصر اور غیر متعلق روایات وواقعات کا تعلق زیادہ تر وفیات، ولادات، ازدواج اور دوسرے سماجی یا تہذیبی امور سے ہوتا ہے۔ جیسے ۱ھ کے اواخر میں ابوقیس بن اسلت کی موت یا ۲ھ کے انتہاء پر حضرت عثمان بن مظعون کی وفات، حضرت فاطمہ کی رخصتی، حضرت حسن کی ولادت اور معاہدہ کے بارے میں روایات دی ہیں ۳ھ کے واقعات مہمہ کے بعد حضرت حسن کی ولادت کی قوی روایت دی ہے اور دوسرے اہم مختصرات میں حضرت حسین کے حمل اور عبداللہ بن ابی عامر کے حمل میں آنے کا ذکر کیا ہے۔ اگر واقعات سیرت کی صحیح تاریخ کا تعین ہو جاتا ہے تو اہم واقعات کے درمیان میں ہی تہذیبی واقعہ کا ذکر دیتے ہیں جیسے حضرت زینب ام المساکین سے آپ ﷺ کی شادی کا ذکر خیر سریہ عمرو بن امیہ ضمری اور بئر معونہ کے واقعہ ہائلہ کے درمیان میں کیا ہے۔ یہی طریقہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عثمان بن مظعون کی وفات اور حضرت حسین کی ولادت کے واقعات کے سلسلہ میں اپنایا ہے کہ ان کو غزوہ بنی النضیر اور غزوہ ذات الرقاع کے درمیان میں الگ سے ذکر کیا ہے۔ جبکہ حضرت ام سلمہ سے آپ ﷺ کی شادی اور حضرت زید بن ثابت کی کتاب یہود کی تعلیم کا ذکر چوتھے سال ہجری کے واقعات کے اواخر میں کیا ہے۔

واقعات سیرت نبوی کے بیان میں امام طبری نے (ایسا محسوس ہوتا ہے کہ) ابن اسحاق اور واقدی کے طریقہ تالیف کو امتزاج کر کے اپنا طریقہ تالیف نکالا ہے۔ وہ ابن اسحاق کا موضوعاتی طریقہ اور واقدی کا سنہ وار بیان ملا کر اپنی کتاب سیرت کا خمیر اٹھاتے ہیں۔ قبل ہجرت کے واقعات میں واقدی سے ان کے مسلسل استفادہ سے ایسا واضح ہوتا ہے کہ موخرالذکر (واقدی) کی کتاب التاریخ والمبعث جو آج ہمیں دستیاب نہیں اسی طرح موضوعاتی ابواب و مباحث میں منقسم تھی جب کہ کتاب المغازی سنہ وار واقعات کی ترسیل کا طریقہ رکھتی ہے۔ امام طبری نے ان دونوں طریقوں کو اپنایا اور نہ صرف اپنے دونوں بنیادی مآخذ و مصادر کی روایات کو ہم آہنگ کر کے پیش کیا بلکہ ان میں بعض دوسرے مآخذ سے بھی اہم ترین روایات کا اضافہ کیا۔

بالعموم طبریؒ نقدِ روایات کا کام نہیں کرتے۔ اپنے مقدمۂ کتاب میں انہوں نے یہ صراحت کردی ہے کہ وہ مورخ نہیں، صرف جامع الروایات ہیں۔ اور جتنی اور جہاں سے جو روایات ملیں ان کو ان کتاب میں جمع کردیا ہے، ان کی تحلیل و تجزیہ نہیں کیا ہے۔ ایسے مورخین کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے روایات طبری کے اخذ وقبول اور ردوقدح میں تحلیل کرنی ضروری ہے اور بلا نقد تنقید انہیں قبول نہیں کرنا چاہئے بالخصوص جب وہ اسلامی مسلمہ اصول وحقائق سے متصادم ہوں۔ بایں ہمہ امام طبری کہیں کہیں قیل ویقال (کہا گیا/کہا جاتا ہے) اور زعم/زعمو (ان کا خیال ہے) جیسے الفاظ نقد سے روایت /روایات کے مجروح ہونے کا عندیہ دیا ہے۔

مصادر و مآخذ

مصنف	کتاب	تفصیل
ابن اثیر	اللباب فی تہذیب الانساب	مکتبۃ القدسی ۱۳۵۶ھ دو ۸۱-۸۰
	الکامل فی التاریخ	ہشتم ۴۲
ابن تغری بردی	النجوم الزاہرہ	سوم ۲۰۵
ابن جزری	غایۃ النہایہ فی طبقات القراء	مکتبۃ الخانجی مصر، ۱۳۵۳ھ، ۱۹۳۳ء، دوم ۸-۱۰۶
ابن جوزی	المنتظم فی تاریخ الملوک والامم	دائرہ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ ہشتم ۲، ۷۲-۱۷۰
ابن حجر	لسان المیزان	پنجم ۳-۱۰۰
	تہذیب التہذیب	حیدر آباد دکن، ۱۳۲۵ھ
ابن خلکان	وفیات الاعیان	اول ۸-۵۷۷
ابن خیر اشبیلی	فہرست	
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	دوم ۲۶
ابن کثیر	البدایۃ والنہایۃ	یازدہم ۷-۱۴۵
ابن ندیم	الفہرستۃ	اول ۵-۲۳۴
احمد محمد شاکر	مقدمہ تفسیر الطبری	
اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور		"الطبری مقالہ"
بغدادی	ایضاح المکنون	دوم ۳۱۸ اور ۳۵۲
بغدادی	ہدیۃ العارفین	دوم ۷-۲۶
حاجی خلیفہ	کشف الظنون	۲۳،۴۲،۲۹۷،۴۳۷،۵۱۴،۵۷۶،۱۰۴۶،۱۴۲۹،۱۴۴۹
خطیب بغدادی	تاریخ بغداد	دوم ۱۶۲
الخوانساری	روضات الجنات	۵-۱۶۳

ذہبی	تذکرۃ الحفاظ	حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ دوم ۵-۲۵۱ شمار ۴۷
	دول الاسلام	اول ۱۴۷
	سیر اعلام النبلاء	نہم ۱۱-۲۰۶
	میزان الاعتدال	سوم ۳۵
زرکلی	الاعلام	مطبعہ کوستاتسوفاس بیروت ۱۹۵۵ء ہشتم ۲۹۴
سبکی	طبقات الشافعیۃ	سوم ۱۲۱
سیوطی	طبقات المفسرین	۳۱-۳۰
صفدی	الوافی بالوفیات	دوم ۷-۲۸۴
طاش کبری زادہ	مفتاح السعادۃ	اول ۲۰۵، ۲۱۵ وغیرہ
فرغانی عبداللہ بن احمد بن جعفر		کتاب الصلہ (ذیل الطبری)
القفطی	انباہ الرواۃ	المحمدون من الشعراء ۶۲
کحالہ عمر رضا	معجم المؤلفین	احیاء التراث العربی بیروت نہم ۱۴۷
المامقانی	تنقیح المقال	دوم ۹۱-۹۰
محمد ابوالفضل ابراہیم وغیرہ		مقدمہ تاریخ الطبری
محمد کرد علی	کنوز الاجداد	۲۳-۱۱۷
محمود محمد شاکر	مقدمہ تفسیر الطبری	
	مقدمہ تہذیب الآثار	ریاض ۱۹۸۲ء مسند ابن عباس، مسند عمر اور مسند علی
ناصر بن سعد الرشید وغیرہ		مقدمہ تہذیب الآثار
	مطابع الصفا مکہ المکرمہ ۱۴۰۲ھ	اول الف۔ط
نووی	تہذیب الاسماء واللغات	اول ۹-۷۸
یافعی	مرآۃ الجنان	دوم ۲-۲۶۱
یاقوت حموی	معجم الادباء	مطبعہ دار المامون قاہرہ طبع اخیر ہشتم ۹۴-۴۰

طبری کی سیرت نبوی

امام طبری کی سیرت نبوی دراصل دوسرے عالمی اسلامی تاریخ نگاروں کی تاریخ کا ایک حصہ اوران کی شہرآفاق ''کتاب الرسل والملوک'' کا ایک اہم جزو ہے۔ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے اور ہمارے زیر بحث وہ طباعت ہے جو محمد ابوالفضل ابراہیم نے اپنی تحقیق کے ساتھ دارالمعارف مصر سے ۱۹۶۱ء میں شائع کی۔ اس کی گیارہ جلدوں کا تجزیاتی مقام تو اسلامی تاریخ کی کتابیات کا باب ہے ۔ سیرت نبوی کی بحث میں اس کی دو جلدیں۔ دوم اور سوم۔ ہی آتی ہیں۔ اوران میں سے بھی جلد دوم کا باب ''ذکر رسول اللہ ﷺ واسبابہ'' جو ص ۲۷۷ سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کے جلد دوم کے صفحات اور پوری جلد اول کا تعلق تاریخ اسلامی سے ہے۔ جلد دوم کے صفحات ص ۲۷۷ تا ۶۶۴ اور جلد سوم کے اولین صفحات ۲۱۷ ہی سیرت سے متعلق ہیں یعنی کل مسلسل صفحات ۵۷۵ پونے چھ سو۔ لیکن اس سے پہلے بھی بعض ابواب سیرت نبوی سے متعلق ہیں جو ایرانی تاریخ کے ضمن میں آئے ہیں جیسے واقعہ فیل کے ذکر کے بعد رسول اکرم ﷺ کی ولادت کا ذکر ۶۶-۱۵۵ اوراس کے بعد آپ کے نسب اور آباء واجداد کا ذکر جو ۷۶-۲۳۹ تک محیط ہے۔ اس طرح پچاس صفحات کا اوراضافہ ہوجاتا ہے اور سیرت نبوی کے کل صفحات کی تعداد سوا چھ سو ہوجاتی ہے۔

آپ کی ولادتِ باسعادت کے ذکر خیر سے قبل صفحہ ۱۵۴ پر طبری نے حسب معمول اپنی تمہید میں عہد کسری نوشیرواں میں ابرہہ کے حملہ مکہ اور عام الفیل میں اس کی حکومت کے بیالیسویں سال اور جنگ جبلہ کے برس پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے پھر اگلے صفحہ ''ذکر مولد رسول'' کی سرخی لگائی ہے۔ اس میں مختلف انفرادی اسناد والی روایتوں کے تحت طبری نے آپ کے عام الفیل میں پیدا ہونے، آپ کے جائے ولادت (مکان) کی تحدید کرنے کے وہ بعد میں دار ابن یوسف کے نام سے معروف ہوا، آپ کی والدہ ماجدہ کے حمل کی کیفیات، ولادت نبوی کی بشارات و معجزات اور اسم عالی محمد ﷺ سے موسوم ہونے، عبدالمطلب کے کعبہ لیجا کر دعائے خیر کرنے، بی بی حلیمہ کے نسب کے ساتھ ان کی رضاعت کی

خدمت انجام دینے، ثوبیہ کی رضاعت اور اس کے ذریعہ آپ کے رضاعی بھائیوں کا حوالہ دینے، رضاعت حلیمہ کے دوران پیش آنے والے معجزات کی روایت بیان کرنے اور خود بعد نبوت آپ کی زبان مبارک سے ایک عامری شیخ اور صحابہ کرام کے استفسار کے جواب میں آپ نے بچپن کے واقعات جیسے رضاعت، ولادت کے وقت معجزات، شق صدر وغیرہ کے مباحث دیئے ہیں۔ اسی میں آپ کے والد عبد اللہ کے انتقال کی دونوں روایات کہ دوران حمل یا ولادت کے اٹھائیس ماہ بعد وفات پانے اور مدینہ میں دفن ہونے، چھ برس کی عمر میں والدہ کے ابواء میں انتقال پانے اور آٹھ برس کی عمر میں دادا کی شفقت سے محروم ہونے اور ابوطالب کی کفالت سے مستفید ہونے کی مختصر مختصر روایات بھی ہیں (۶۶-۱۵۵)۔

صفحہ ۲۳۹ سے نسب رسول اللہ ﷺ اور آباء واجداد کا ذکر شروع ہوتا ہے، آپ کے اسم سامی کے بعد آپ کے والد اور ان کے دو حقیقی بھائیوں ابوطالب وزبیر اور بعض اولا دعبد المطلب جیسے عبد الکعبہ، عاتکہ، برہ، امیمہ اور ان کی ماؤں کا ذکر کرکے وہ عبداللہ اور ان کے سوانح پر آجاتے ہیں۔ اس میں خاص طور سے وہ عبدالمطلب کی نذر قربانی فرزند، زمزم کے کھودنے ورقہ بن نوفل کی بہن ''ام قتال'' کی تجویز شادی اور عبداللہ کے انکار کرنے، پھر آمنہ سے شادی، رسول اللہ ﷺ کے مادر رحم میں تشریف فرما ہونے، عبد اللہ کے مدینہ یا شام جانے اور مدینہ میں وفات پانے کی روایات کا ذکر کیا ہے (۴۶-۲۳۹)، عبدالمطلب کی سوانح میں وہ ان نام، وجہ تسمیہ ہاشم کی شادی، عبدالمطلب کے بچپن، بنو عذرہ میں قیام، مکہ آمد، مکی سیاست میں عروج، بعض خاندان قریش سے اختلاف اور مناصب سقایہ ورفادہ سے سرفرازی کا بطور خاص بیان ہے (۵۱-۲۴۶) پھر ہاشم کے بارے میں تفصیلات ہیں (۴-۲۵۱) عبد مناف کا مختصر ذکر ہے (۲۵۴) مگر قصی کا بیان مفصل ہے (۶۰-۲۵۴) پھر کلاب، مرہ، کعب، لوئی، غالب، فہر، مالک، نضر، کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان کا ذکر مختصر ان کی علیحدہ سرخیوں کے تحت کرکے مختلف اختلافی روایات نسب کا ذکر کیا ہے اور نسب نبوی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہونچایا ہے۔ اور بعض وضاحتیں کی ہیں (۷۶-۲۶۰) حضرت ابراہیم اور حضرت آدم کے درمیان کے نسب کو بہت مختصر بیان کیا ہے۔

''ذکر رسول اللہ ﷺ واسبابہ'' کے تحت وفات عبد المطلب کا مختصر ذکر کرکے ابوطالب کی کفالت کے زمانے کے بعض واقعات بیان کئے ہیں، جیسے ابوطالب کے ساتھ سفر شام، بصریٰ کے

مقام پر بحیرا راہب سے ملاقات اور اس کی نبوی جلالت شان کی پیشگوئی، سفر شام کی دوسری روایت جس میں ابوبکر و بلال کا بھی ذکر ہے، اور بچپن میں بکری چرانے کے زمانے میں موسیقی کی محفل میں دو بار شرکت کے ارادہ کی منسوخی الٰہی کا بیان۔ (۹-۲۷۷)

اگلی بحث حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی کے متعلق ہے، جس میں پہلے ابن اسحاق کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ نے آپ کے کمالات سن کر پہلے آپ کو تجارت کرنے کے لئے شام بھیجا پھر آپ سے شادی کی تجویز رکھی جو اپنے چچاؤں کے مشورہ کے بعد قبول کر لی اور خویلد بن اسد نے آپ سے خدیجہ کی شادی کر دی۔ اسی میں آپ کی تمام اولاد کا مختصر ذکر ہے۔ ایک روایت کہ آپ تہامہ کے سوق حباشہ بھی ان کا مال لے کر گئے تھے، واقدی کے نزدیک غلط ہے۔ اور اسی طرح حضرت خدیجہ کے نکاح کے بارے میں بھی ایک اور روایت کو واقدی کی سند پر غلط ہونے کا ذکر کیا ہے۔ پھر طبری نے خود حضرت خدیجہ کے مکان کی نشاندہی کی جس کو بعد میں حضرت معاویہ نے خرید کر مسجد بنا دیا تھا (۸۲-۲۷۹)۔

طبری نے اس کے بعد ولادت و نبوت کے درمیان اہم واقعات کی سرخی لگا کر جو اہم حوادث بیان کئے ہیں ان میں کعبہ کی عمارت کی تعمیر نو، کعبہ میں محفوظ خزانہ خاص کر غزالین کعبہ کی چوری، اسی میں کعبہ کی تولیت کی تاریخ عہد ابراہیمی و اسمٰعیلی سے آباء نبوی تک، غزالوں کی تاریخ و اہمیت، اس سلسلہ میں عرب شعراء کے کلام کے بعض نمونے، غزالین کعبہ کی چوری کے مجرمین آپ کی عمر مبارک کے پینتیسویں برس عمارت کعبہ کو منہدم کر کے قریش کے ہر خاندان کی اپنے اپنے مقررہ حصوں کی تعمیر، حجر اسود کی تنصیب پر اختلاف قریش، رسول اکرم ﷺ کا فیصلہ اور سب کا اتفاق، تعمیر کعبہ کی تاریخ کہ پندرہ سال بعد جنگ فجار ہوئی جیسے مباحث شامل ہیں (۹۰-۲۸۳)۔

اس کے بعد کا اہم واقعہ آپ کی بعثت و نبوت ہے۔ بحث کا آغاز عمر شریف کے بارے میں "سلف" کے اختلاف سے کیا ہے کہ آپ کا سن مبارک کیا تھا۔ پہلے سات روایات میں چالیس برس کی عمر کا ذکر کیا ہے پھر بیس برس کی ایک روایت نقل کر کے مزید دو روایات میں چالیس برس کے سن کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے بعد تین روایات میں تینتالیس برس میں بعثت ملنے کا ذکر ہے (۲-۲۹۰)۔

پھر ایک علیحدہ سرخی کے تحت ان روایات کا ذکر کیا ہے جو یوم و ماہ بعثت سے متعلق ہیں۔ اول اس خبر کو صحیح قرار دیا ہے جس کے مطابق دوشنبہ کو آپ کی ولادت اور بعثت ہوئی۔ دو اور روایات سے اس

کی تصدیق کر کے کہا ہے کہ اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر دوشنبہ کے ماہ میں علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ بعض کے نزدیک ۱۸/ (اٹھارہ) رمضان تھی، بعض کے نزدیک چوبیس رمضان تھی، بعض کے نزدیک ۱۷/ رمضان تھی اور ان کا استشہاد سورہ انفال ۴۱ سے کیا ہے۔ (۴-۲۹۳)۔
اسی کے ساتھ دوسری بحث ان '' آثار واسباب'' پر ہے جو اللہ تعالی آپ کی جلالت شان، اکرام اور اختصاص کے لئے جبریل علیہ السلام کے ظہور سے قبل آپ کو دکھاتا ہے جیسے شق صدر کا معجزہ، شجر و حجر کی تسلیم، زید بن عمرو بن نفیل مشہور حنیف کی آپ کی نبوت کی پیشگوئی اور آپ کے حلیہ کی توصیف، عمر فاروقؓ کی روایت کہ ذبح کیے ہوئے اونٹ کی شہادت نبوت محمدی، درخت کا آپ کے پاس چل کر آنا اور پھر اپنی جگہ واپس جانا، طبری کہتے ہیں کہ آپ کے دلائل نبوت پر ایک پوری کتاب کی ضرورت ہے (۷-۲۹۴)۔
اگلا مبحث قرآن مجید کے ساتھ حضرت جبریل کے نزول سے متعلق ہے اس میں تمہید کے بعد حضرت عائشہ کی مشہور حدیث بیان کی ہے جو بخاری میں ہے یعنی ابتداء میں رویائے صادقہ دیکھنا، غار حراء میں جبریل کا سورۂ اقرا کی ابتدائی آیات کے نزول، آپ کی پریشانی، حضرت خدیجہ کی تسلی، حضرت ورقہ بن نوفل سے ملاقات اور تصدیق۔ پھر اقراء کے بعد سورہ نون کی ابتدائی آیات، پھر سورۂ مدثر اور پھر سورۂ ضحیٰ کا نزول، ان سورتوں کے نزول سے متعلق روایات، پہاڑ کے جوف میں حضرت جبریل کا دیدار اور حضرت ورقہ اور خدیجہ کی تسکین، حضرت خدیجہ کی آزمائش کہ فرشتہ آتا ہے۔ یا شیطان اور تصدیق کہ فرشتہ آتا ہے۔ اولین حصہ قرآن کے نزول کے بارے میں مختلف روایات اور اختلاف، وضو اور نماز کی تعلیم جبریلی، فرشتوں کے ذریعہ آپ کا وزن کرنا، شق صدر کرنا اور خاتم نبوت ثبت کرنا، فترۂ وحی اور آپ کا غم، فترۂ وحی کے خاتمہ پر سورہ مدثر کا نزول اور تسلسل تنزیل، سورہ ضحیٰ کا نزول، اس کے مطابق تحدیث نعمت، اولین مسلمین میں حضرت خدیجہ کی اولیت، اقرار توحید کے بعد اولین شریعت اسلامی میں نماز کی فرضیت، وضو اور نماز کا مفصل ذکر، حضرت خدیجہ کی تعلیم وضو اور نماز، اس کے ضمن میں حدیث معراج کا ذکر (۲۹۸-۳۰۸)۔

حضرت خدیجہ کے اسلام کے بعد صحابہ کرام کے بارے میں سلف کے اختلاف کا ذکر کر کے حضرت علی اور حضرت ابوبکر کے اول مسلم ہونے کے بارے میں متعدد روایات دی ہیں خاص کر اول الذکر کے بارے میں، پھر حضرت ابوبکر کی اولیت کے بارے میں روایات جمع کی ہیں۔ پھر حضرت زید بن حارثہ

کی اولیت کے بارے میں اور واقدی کی روایت پر اس بحث کا خاتمہ کر کے دوسرے اولین صحابہ کرام جیسے خالد بن سعید اموی، ابوذر غفاری، عمرو بن عبسہ سلمی، زبیر بن العوام کا ذکر مختصر کیا ہے (۱۸-۳۰۹)۔

اس کے بعد علانیہ دعوت نبوی کا سورہ شعراء ۲۱۴ کے حوالہ سے ذکر کر کے مسلمانوں کے خفیہ نماز پڑھنے اور قریش سے اختلاف مسلم، ابولہب کی عداوت، کوہ صفا کے خطبہ، خاندان عبد المطلب کی دربار دعوت اور اسلام کی پیشکش اور ابولہب کی مخالفت، البطح میں تمام قریش کو دعوت اسلام، تین سال خفیہ دعوت کے بعد علانیہ دعوت کا ذکر کیا ہے (۲۲-۳۱۸)۔

قریش کی مخالفت ودشمنی کا بیان بھی اس کے ساتھ کیا ہے اور پہلی روایت ہی میں ابوطالب کی حمایت اور ان سے قریشی وفد کی ملاقات، آپ کو باز رکھنے کی دھمکی اور ابوطالب کی حمایت کا ذکر کر کے پھر دوسرے وفد کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے سورج اور چاند کو ہاتھ میں رکھ دینے کے باوجود اپنا دعوتی کام جاری رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ اسی میں ابوطالب کو دعوت اسلام دینے، ان کے انکار کر کے کفر پر مرنے کی روایات بھی آگئی ہیں پھر ابوطالب سے قریشی وفد کے کلام کرنے، آپ کے عزم بالجزم کے سامنے ابوطالب کی حمایت کرنے کی روایت بیان کی ہے۔ اس کے بعد عمارہ بن ولید بن مغیرہ کے بدلے آپ کو قریش کے حوالہ کرنے کی روایت ہے (۷-۳۲۲)۔

اس کے بعد مسلمانوں کی تعذیب کا ذکر ہے کہ ہر قبیلہ نے اپنے مسلمانوں پر ظلم کرنے شروع کیے۔ اسی ضمن عبدالملک بن مروان اموی کے نام حضرت عروہ بن زبیر کا خط ہے جس میں مظالم قریش کے نتیجہ میں ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ پھر طبری نے حبشہ کی دونوں ہجرتوں کا ذکر کیا ہے اور مہاجرین حبشہ کی فہرستیں دی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی تعذیب قریش، آپ کی ان کو ذبح کی دھمکی، ابوبکر صدیق کی حمایت وحفاظت نبوی، دشمنان اسلام جیسے عقبہ بن ابی معیط اموی، ابوجہل مخزومی کی عداوت کے واقعات، اسلام حضرت حمزہ مجلس قریش کے سامنے حضرت ابن مسعود کی تلاوت قرآن، نجاشی کے دربار میں قریشی وفد اور اس کی ناکام واپسی، اسلام حضرت عمر کا مختصر بیان، شعب ابی طالب کی محصوری اور مقاطعہ کے مشکل واقعات، قریش کی مصالحتی کوشش اور سورہ کافرون کا نزول، سورہ نجم کا نزول اور واقعۂ غرانیق، بعض مہاجرین حبشہ کی واپسی اور اس کا سبب، مقاطعہ کے صحیفہ کی منسوخی اور اس کے لکھنے والوں کا انجام بد، بقیہ مہاجرین حبشہ کا ذکر، عداوت رسول کے واقعات، حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات

کا مختصر ذکر، مدد اور حمایت کے حصول کے لئے آپ کا سفر طائف اور اس کے واقعات، طائف سے واپسی، عداس کا اسلام اور عقبہ وشیبہ کی میزبانی رسول، جنات کا سماع قرآن اور اسلام، مکہ واپسی اور مطعم بن عدی کی جوار، مواسم حج میں قبائل عرب سے ملاقات اور ان کو اسلام کی دعوت اور ابولہب کی مخالفت، انہیں دعوتی دوروں میں مدینہ کے سوید بن صامت سے ملاقات، اس کے اشعار، دعوت نبوی اور جنگ بعاث میں اس کی بطور مسلم شہادت، دوسرے اہل مدینہ جیسے ایاس بن معاذ اور انس بن رافع سے ملاقات اور ایاس کی اثر پذیری، خزرج کے چھ نفری وفد سے ملاقات اور ان کا قبول اسلام، ان کے اسماء، بیعت عقبہ اولیٰ اور اس کی شرائط اور شرکاء کی فہرست، حضرت مصعب بن عمیر کی بطور معلم و مبلغ مدینہ روانگی، ان کی اور حضرت اسعد بن زرارہ کی مساعی سے مدینہ منورہ میں اسلام کی اشاعت اکابر مدینہ جیسے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ، اسید بن حضیر وغیرہ کے قبول اسلام کی روایات، بیعت عقبہ ثانیہ اور اس کی شرائط کے بارے میں حضرت کعب بن مالک کی حدیث، ستر مدنی ''نقیبوں'' کی آمد مکہ اور ملاقات، مدینہ میں اسلام کی مزید اشاعت، ہجرت مدینہ کی اجازت، صحابہ کرام کی ہجرت، رسول اکرم ﷺ اور بعض صحابہ کرام کا قیام مکہ، حضرت کو اذن الٰہی، ابوبکر صدیق کے ساتھ ہجرت مدینہ اور اس کے واقعات جیسے قتل نبی کا قریشی منصوبہ، آپ کی ابوبکر کو خبر، تیاری، روانگی، غار ثور کا قیام، راستے کی منازل وغیرہ، ہجرت نبوی کے بارے میں حدیث حضرت عائشہ واسماء، مدینہ میں آپ کے آنے کی خبر پر صحابہ کی خوشی اور انتظار، آپ کی قباء میں آمد اور قیام، تعمیر مسجد، قیام مکہ کی مدت، جیسے اہم واقعات پر یہ باب ختم ہوتا ہے (۳۲۷-۸۷)۔

وقت تاریخ یعنی سنہ ہجری کی ابتدا کے بارے میں بحث اور روایات اگلا مبحث ہے جو اگرچہ خلافت فاروقی سے تعلق رکھتا ہے مگر یہاں ہجرت نبوی کے تعلق سے اس کو بیان کیا ہے (۳۸۸-۹۳)۔ اسی پر طبری کی بلا تاریخ یا غیر مورخہ طرز نگارش ختم ہوتی اور اس کے بعد کے واقعات کو سنہ وار بیان کیا ہے۔

اولین سنہ ہجری کے واقعات میں سب سے پہلے ایک تمہید ہے اور اس میں قباء میں آمد و قیام اولین جمعہ کی نماز کا حوالہ دے کر آپ کے اولین خطبہ جمعہ کا متن دیا ہے، پھر مدینہ آمد، ناقہ کے معجزہ، حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام، دو یتیموں کی زمین خرید کر اس پر مسجد نبوی کی تعمیر، مسجد قباء کی تعمیر کا حوالہ، اولین مسلمانوں کی وفات جیسے کلثوم بن ہدم اور اسعد بن زرارہ، اس پر یہود کا طنز

واسالت محمدی سے انکار، بنونجار کے نقیب پر آپ کی اپنی تقرری، بعض مکی اکابر جیسے ابواحیحہ اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل کی موت، حضرت عائشہ کی رخصتی اور شادی کا مختصر ذکر اور ان کی فضیلت، حضرت سودہ اور آپ کی بنات مطہرات کی مدینہ آمد، خاندان ابی بکر صدیق کی ہجرت، نماز حضر میں دو رکعتوں کا اضافہ اور اس کی تاریخ، اولین مسلم بچہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی ولادت اور اس کی تاریخ، حضرت نعمان بن بشیر کی ولادت، واقدی کی روایت اور بعض دوسرے افراد کی ولادت کی روایات، واقدی کے حوالہ سے سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ، سریہ سعد بن ابی وقاص کا ذکر اور اس سے ابن اسحاق کا اختلاف، ابن اسحاق کی روایت پر مدینہ میں قیام کے اولین مہینوں کے ذکر کے بعد غزوہ ودان/ابوا، پھر سریہ عبیدہ، پھر سریہ حمزہ، غزوہ بواط، غزوۂ عشیرہ، سریہ سعد کا مختصر ذکر، واقدی کے ''زعم'' کے مطابق ابوقیس بن اسلت کو آپ کی اسلام کی دعوت اور اس کا غور کرنے کا وعدہ اور کفر پر موت آخری بحث ہے (۴۰۶-۳۹۴)۔

دوسرے برس کے واقعات میں اہل سیر کے اجماعی موقف کے مطابق غزوہ ابواء/ودان، غزوہ بواط، غزوۂ عسفان کا مختصر ذکر بروایت واقدی کیا ہے۔ پھر غزوہ ذات العشیرہ پر ابن اسحاق کی وہ روایت پیش کی ہے جس میں حضرت علی کو ابوتراب کی کنیت ملی۔ اس کے علاوہ دوسری روایت بھی دی ہے۔ اور آخر میں چار سطروں میں حضرت فاطمہ سے حضرت علی کی شادی کا ذکر ہے (۴۱۰-۴۰۷)۔ سریہ عبداللہ بن جحش کا مفصل ذکر ابن اسحاق کی روایت پر دیا ہے۔ اور کہیں کہیں واقدی کی روایات بھی دی ہیں۔ پھر سدی کی مخالف روایت نقل کی ہے (۴۱۱-۵)۔ دوسرے سال ہجرت کے بقیہ واقعات کی سرخی کے تحت تحویل قبلہ، اس کی تاریخ، روزہ رمضان کی فرضیت اور صوم عاشورا اور زکاۃ الفطر کی مسنونیت، عیدین کے نماز کے وجوب کا ذکر مختصر کر کے غزوۂ بدر کا ذکر کیا ہے۔ اس میں پہلے اس کی تاریخ پر اختلاف روایات لیلۃ القدر کی تاریخ اور اس کے بارے میں احادیث نبوی اور روایت ذکر کر کے سبب غزوہ مختصراً بیان کیا ہے (۴۲۰-۴۱۵)۔

''ذکر وقعۃ بدر الکبریٰ'' کی آزاد و منفرد سرخی کے تحت پہلے غزوہ کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان کو ان کے استفسار پر لکھی تھی۔ پھر اپنے شیوخ، ہارون بن اسحاق، جعفر بن محمد البزوری، عمرو بن علی، اور ابن حمید کی مختصر روایات نقل کر کے ابن حمید کی سند پر مفصل روایت دی ہے جو متعدد علمائے مغازی کی روایات کا مجموعہ ہے۔

اس میں اور دوسری روایات میں سبب غزوہ، قافلہ ابوسفیان کو روکنے کا ارادہ، قریش کے لشکر کی روانگی، عاتکہ کے خواب اکابر قریش کی روانگی، بعض شیوخ قریش کی پہلوتہی، روانگی مسلم فوج، اس کی تعداد، اصحاب طالوت سے مماثلت، پھر ابن اسحاق کی روایت غزوہ جس میں جاسوسوں کی تقرری، رسول اکرم ﷺ کی راونگی، صحابہ سے مشورہ، حضرات مہاجرین کی رائے، انصار کرام کی مشاورت وحمایت، آپ کا سفر طرف بدر، طلیعہ نبوی کی روانگی، ابوسفیان کے قافلہ کی تبدیلی سمت سفر، قریشی لشکر کی آمد، ابوجہل کی فرعونیت، ابوسفیان کا واپسی کا حکم، ابوجہل کا انکار اور بدر آمد، متعدد قریش افراد اور خاندانوں کی واپسی بروایت کلبی خباب بن منذر کا مشورہ، عریش کی تیاری وتعمیر، حکیم بن حزام اور عقبہ بن ربیعہ کی جنگ ٹالنے کی کوششیں، حضرت حکیم کی روایت بسند زبیر بن بکار، مبارزت، قتل عتبہ وشیبہ اور ولید، جنگ مغلوبہ، رسول اکرم ﷺ کی شرکت وقیادت، دعائے نبوی، بروایت طبری فرشتوں کی شرکت، مسلمان مجاہدین کی غیرت وشجاعت، ابوجہل کے قتل کی مفصل روایت، مقتولین بدر کا کنوئیں میں ڈالنا، اموال غنیمت کو جمع کرنا اور اس پر بعض مسلمانوں کا اختلاف، حضرت رقیہ کی وفات وتدفین، حضرت زید بن حارثہ کی فتح کی خوشخبری مدینہ والوں کو سنانا، بعض قریش مجرموں کا قتل، اسیران بدر، ان کے بعض واقعات کا ذکر، حضرت عباس کی گرفتاری، اسیران بدر کا فدیہ، داماد رسول حضرت ابوالعاص بن ربیع کی اسارت ورہائی، حضرت زینب کی ہجرت مدینہ، ابوالعاص کی مدینہ آمد اور اسلام عمیر بن وہب کا ارادۂ قتل سے مدینہ آنا اور اسلام قبول کرنا، اسیران ومقتولین بدر کی تعداد، اسیران بدر کے بارے میں مشاورت، فدیہ کے بدلے رہائی کا فیصلہ، سورۂ انفال کا نزول، مسلمان مجاہدین کے حصے، واقدی کی روایات کا ذکر اور بدر کے بعد آپ کا قیام مدینہ شامل ہیں (۴۲۱-۴۷۹)۔

اگلی سرخی ''غزوہ بنی قینقاع'' کی ہے جس کے تحت غزوہ سے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں (۴۷۹-۴۸۱)۔ اس کے اس کے خمس اور صفی لینے کا ذکر ہے۔ اور نماز عید الاضحیٰ اور قربانی کا بیان ہے۔ اور اس کو اولین قربانی اور نماز بقرعید کہا ہے۔ اور بعض روایات نقل کی ہیں جن کے مطابق بدر اور بنو قینقاع کے درمیان تین غزوات اور ایک سریہ ہوا تھا۔ اس کے بعد غزوہ قرقرۃ الکدر کے بارے میں تین روایات دی ہیں۔ اس کے بعد ایک نئی سرخی کے بعد غزوۂ السویق کا بیان ہے جس میں ابن اسحاق اور واقدی کی روایات بالترتیب نقل کی ہیں اور خاتمہ مدینہ منورہ کے نائب/خلیفہ ابولبابہ بن عبدالمنذر

کے ذکر نیابت پر کیا ہے۔ دوسرے انفرادی واقعات میں حضرت عثمان بن مظعون کی وفات، واقدی کے مطابق حضرت فاطمہ کی رخصتی، اور لفظ قیل کے ساتھ حضرت حسن کی ولادت، اور معاقل (دیت) معاہدہ کے لکھنے کی بات کہی ہے (۶-۴۸۲)۔

تیسرے سال ہجرت کے واقعات میں پہلے غزوہ ذوامرا کا پھر اسی کے بعد متصلاً غزوۂ بحران کا بہت مختصر ذکر بروایت ابن اسحاق کیا ہے۔ پھر ''کعب بن الاشرف کی خبر'' کی سرخی کے تحت اس کے قتل کے سریہ کی تاریخ بروایت واقدی بیان کی ہے اور سریہ کے بیان میں پہلے ابن اسحاق کی روایت مفصل بیان کی ہے اور واقدی کی روایت پر کعب بن الاشرف کا سرلانے، حضرت ام کلثوم سے حضرت عثمان کے نکاح اور ذوامر کے غزوہ کے واقع ہونے اور سائب بن یزید کی ولادت کا ذکر مختصر کر کے غزوہ القردہ کی تاریخ واقدی دی ہے پھر ابن اسحاق کی روایت بیان کر کے واقدی کی روایت بیان کی ہے۔ نئی سرخی کے تحت ابورافع یہودی کے قتل کے سریہ کی اپنی روایت طبری بیان کی ہے اور واقدی اور ابن اسحاق کی روایات اور بعض دوسری روایات بھی نقل کی ہیں۔

طبری نے اس کے آخر میں حضرت حفصہ سے آپ کی شادی کا مختصر ذکر کر کے غزوۂ احد کا مفصل بیان دیا ہے۔ اس میں تاریخ غزوہ اور سبب خود بیان کیا ہے پھر ابن اسحاق کی روایت مفصل نقل کر کے سدی کی روایت مخالف اپنی سند سے بیان کی ہے اور پھر ابن اسحاق کی طرف حسب معمول رجوع کیا ہے۔ اس کے بعد واقدی کی روایت نقل کر کے ابن اسحاق کی روایت، اپنی روایت، ابن سعد کی دوسری روایت اور مختلف روایات نقل کی ہیں۔ موضوعات ہیں: سبب غزوہ قریشی تیاری، ابوغرہ کی شرکت کا واقعہ، قریشی لشکر کی روانگی، خواتین قریش کی شرکت، خبر سن کر آپ کی مجلس مشورہ اور جنگی رائے جوشیلے مسلمانوں کا کھلے میدان جنگ لڑنے کی رائے۔ احد کی طرف مسلم لشکر کی روانگی اور منافقین کی علیحدگی، نابالغوں کی واپسی، اور بعض نوجوان صحابہ کو شرکت کی اجازت، احد تک کی منازل نبوی، آپ کی تیاریٔ جنگ اور اسلحہ وہتھیار کا ذکر، تیراندازوں کے دستہ تعیناتی، حضرت مصعب بن عمیر کو لوائے نبوی کا عطیہ، خالد قریشی سردار کا حضرت زبیر کا مقابلہ، تیراندازوں کی نافرمانی، مسلم لشکر پر عقبی حملہ اور نقصان، حضرت ابودجانہ کو تلوار نبوی دینے کا واقعہ اور ان کی شجاعت، ابوعامر فاسق کا واقعہ، ہند بنت عتبہ کی تشجیعی حرکات، آپ کے قتل کی افواہ، حضرت علی کی شجاعت، رسول اکرم ﷺ کا زخمی ہونا، آپ کی حفاظت

میں صحابہ کی جان نثاری، حضرت سعد کی تیر اندازی، حضرت مصعب کی شجاعت وشہادت، دوسرے صحابہ جیسے انس بن مالک کی بہادری آپ کی بازیابی اور مسلم مجاہدین کی واپسی، ابوسفیان کا اعلان اور اس کا جواب فاروقی، مفرورین کے نام، حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کی شہادت اور مرثیہ، دشمنوں کے اشعار کا جواب، وحشی کو ہند بنت ربیعہ کا انعام اور قتل حمزہ کے بعد ان کا مثلہ، ان کی ہجو حسانی، معاملہ عمرو ابوسفیان، شہداء کی تلاش وتدفین، شہادت وتدفین حمزہ کا واقعہ، دوسرے شہداء کا ذکر، حضرت مخیریق کا عطیہ آراضی وغیرہ (۵۳۳-۴۸۷)۔ اس میں غزوہ احد کا بیان کافی مفصل ہے جو چونتیس صفحات (۵۳۳-۴۹۹) پر مشتمل ہے اس برس کے بقیہ واقعات میں اس کے بعد غزوہ حمراء الاسد کے بارے میں روایات نقل کی ہیں اور حضرت حسن بن علی کی ولادت، حضرت حسین کے حمل اور جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی کے رحم میں عبداللہ بن ابی عامر کے آنے کا مختصر حوالہ ہے (۵۳۴-۷)۔

چوتھے سال ہجرت کے واقعات میں غزوۂ الرجیع (۵۳۸-۴۲) کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت خبیب کے واقعہ شہادت کی تفصیل ہے۔ پھر ابوسفیان بن حرب اموی کے قتل کے لئے سریہ عمرو بن امیہ ضمری کی تفصیلات ہیں (۵۴۲-۵) جس کے آخر میں ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ سے آپ کی شادی کا مختصر حوالہ ہے۔ پھر "ذکر خبر بئر معونہ" کے عنوان کے تحت متعدد روایات نقل کی ہیں (۵۴۵-۵۰) اور بنو النضیر کے قبیلہ کی جلاوطنی کے غزوہ کی تفصیلات دی ہیں۔ جس میں ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد کی روایت بالترتیب دے کر ابن اسحاق سے اس کی تکمیل کی ہے۔ غزوہ میں خلیفہ نبوی کے ذکر پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پھر عبداللہ بن عثمان بن مظعون کی وفات اور حضرت حسین کی ولادت کا مختصر حوالہ ہے۔ اور پھر ذات الرقاع کے غزوہ کے بارے میں مختلف روایات ابن اسحاق وواقدی ہیں اور صلوۃ خوف اور آپ کی شجاعت اور صحابہ کی شجاعت کے دو واقعے ہیں۔ غزوہ السویق یعنی بدر ثانیہ کے بارے میں پھر ابن اسحاق اور واقدی کی روایات دی ہیں۔ اور آخر میں موخر الذکر کی روایت پر حضرت ام سلمہ سے آپ کی شادی، حضرت زید بن ثابت کی تعلیم کتاب یہود کا ذکر ہے (۵۵۱-۶۱)۔

پانچویں سنہ ہجرت کا بیان حضرت زینب بنت جحش کی شادی کے مفصل ذکر سے شروع ہوتا ہے (۵۶۲-۴) پھر روایت کی واقدی غزوۂ دومۃ الجندل پر ہے، اپنی روایت دی ہے عیینہ بن حصن فزاری کی ولایت تغلمین پر، اور واقدی کی دوسری حضرت سعد بن عبادہ کی ماں کی وفات کے بارے میں ہے (۵۶۴)۔

اس کے جنگ خندق کے بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں (۵۶۴-۸۱) ان میں ابن اسحاق، واقدی کے علاوہ بعض دوسروں کی روایات بھی ہیں۔ جیسے ابن حمید کی سند پر اپنی روایت وغیرہ۔ لیکن زیادہ تر انحصار انہیں دونوں پر کیا ہے۔ موضوعات غزوہ میں تاریخ غزوہ، یہودی سازش پر قریش/ احزاب کی تیاری جنگ، قریشی لشکر کی روانگی، آپ کی خندق کھودنے کی جنگ ترکیب، خندق کی کھدائی میں آپ کی شرکت اور آیات قرآنی کا نزول، خندق کھودنے میں ہر قبیلہ کا حصہ، بعض معجزات بصریٰ، ایران وغیرہ کی فتوحات کی پیشگوئی، قریش کی آمد، مسلم لشکر کا مقابلہ، دونوں کی فوجی قوت، بنو قریظہ کو معاہدہ کی یاددہانی مسلمانوں کی آزمائش، بعض جھڑپوں کا ذکر، حضرت سعد بن معاذ کا زخمی ہونا، قلعہ میں حضرت صفیہ کا ایک یہودی کو قتل کرنا، حضرت نعیم بن مسعود کی مساعی سے احزاب میں پھوٹ، قریش لشکر کی ناکام واپسی اور مسلم لشکر کی مراجعت وغیرہ شامل ہیں۔ اسی کے بعد غزوہ بنی قریظہ کا بیان ہے۔ (۵۸۱-۹۳) جس میں حضرت جبریل کے حکم الٰہی لانے پر آپ کا بنو قریظہ کے خلاف اقدام، حضرت علی کی علمبرداری نبوی کی حیثیت تقرری، مقدمہ لشکر اور لشکر نبوی کا سفر، محاصرہ، ابولبابہ سے کلام یہود اور توبہ کا واقعہ، غیر مشروط طور پر بنو قریظہ کا نزول، حضرت سعد بن معاذ کا حکم مقرر کرنا، ان کا فیصلہ کہ تمام سپاہی قتل کردیئے جائیں اور عورتیں بچے غلام بنالئے جائیں۔ بعض عورتوں کا قتل، کئی یہودی اکابر کی معافی، اموال غنیمت کی تقسیم اور شرکاء کے حصے خاص طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ اسی میں یہودی جنگی قیدیوں کی فروخت اور حضرت سعد کی شہادت کا بھی ذکر ہے۔ اس کے آخر میں غزوہ مریسیع کی تاریخ پر مورخین کے اختلاف کا ذکر ہے (۵۹۳-۴)۔

چھٹے سال ہجرت کے واقعات میں غزوہ بنی لحیان کا ذکر کیا ہے (۵۹۵) پھر غزوہ ذی قرد کا (۵۹۶-۶۰۴) جس میں زیادہ تر حضرت سلمہ بن الاکوع کی شجاعت کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد بنو مصطلق کے غزوہ کا مفصل بیان ہے (۶۰۴-۱۰) پہلے ابن حمید کی سند پر اپنی روایت مختلف قدیم رواۃ سے بنو مصطلق قائد حارث بن ابی ضرار کے اجتماع، آپ کے حملہ، اور اسیروں، انصار و مہاجرین میں منافقین کے سبب قبائلی منافرت، آپ کی مساعی، عبداللہ بن ابی کی سازش، واپسی کے سفر اور سورۂ منافقون کے نزول کا ذکر ہے۔ دوسری سند پر اس کی مزید وضاحت قرآنی ہے۔ پھر ابن اسحاق کی روایت منافقین کے بارے میں نقل کی ہے۔ اس میں مقیس بن صبابہ کے ارتداد اور اس کے اشعار کا حوالہ ہے، حضرت جویریہ کی

گرفتاری، رہائی اور آپ سے شادی کا واقعہ مذکور ہے اور اس کے بعد حدیث افک کے عنوان سے ابن اسحاق وغیرہ کی روایات ہیں جن میں حضرت عائشہ کی خاص حدیث بیان کی ہے (۶۱۰-۶۲۰)۔

پھر ایک خاص عنوان کے تحت صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ پہلے اپنی ابن حمید کی روایت میں تین عمرات نبوی کا مختصر ذکر کیا ہے جو آپ نے مدینہ منورہ سے کئے، پھر انہیں کی سند سے ابن اسحاق کی روایت حدیبیہ بیان کی ہے جس میں عمرہ کی نیت سے ہدی کے جانوروں کے ساتھ صحابہ کے ساتھ مکہ روانگی، حضرات مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت کا خلاصہ، شرکاء غزوہ کی تعداد کے بارے میں متعدد روایات، زہری کی سند پر قریش کے ارادۂ منع، حضرت عمر کے مشورہ پر ہتھیاروں کے ساتھ خروج، حضرت خالد بن ولید کی بطور مسلم شرکت کی روایت، اور مکی دستہ سے ان کی جھڑپ، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق ایک اسلمی راہبر کی رہنمائی میں غیر معروف راستے سے مکہ روانگی، آپ کی ہدایات سفر، مسور و مروان کی روایت کے مطابق حدیبیہ میں قیام نبوی، بدیل بن ورقاء خزاعی، عروہ بن مسعود، حلیس بن علقمہ، مکرز بن حفص، اور سہیل بن عمرو کی مکی سفارتیں، حضرت عثمان بن عفان کی سفارت نبوی، ان کی شہادت کی افواہ، بیعت رضوان، بیعت کرنے والوں میں سے بعض کے اسماء گرامی سہیل بن عمرو کے ساتھ مصالحت، مسلمانوں کا خاص کر حضرت عمر کی شدت ردعمل، معاہدہ کی کتابت علی، حضرت ابوجندل کا واقعہ، شرائط معاہدہ، مسلمانوں کا غم، قربانی مویشی، صلح کا فتح مبین قرار دینا، حضرت ابوالبصیر کا واقعہ، حضرت ام کلثوم اموی کی ہجرت، کافر بیویوں کو طلاق کا حکم الٰہی، جیسے اہم مباحث ہیں (۶۲۰-۶۴۰)۔

اس برس کے دوسرے واقعات میں بعض سرایا کا مختصر ذکر ہے جیسے سریہ غمر، سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ ذوالقصہ، سریہ جموم، سریہ عیص، حضرت ابوالعاص بن ربیع کی گرفتاری کا سریہ زید، سریہ طرف، سریہ حسمی، سریہ وادی القریٰ، سریہ دومۃ الجندل، سریہ فدک، سریہ ام قرفہ، سریہ ابی بکر صدیق اور سریہ کرز بن فہری۔ انہیں کے دوران بعض معاشرتی واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جیسے حضرت عمر بن خطاب کی جمیلہ بنت ثابت انصاری سے شادی جو ان کے فرزند عاصم کی ماں بنیں، قحط اور نماز استسقاء (۶۴۰-۶۴۴)۔

اس برس کا دوسرا اہم واقعہ رسول اکرم ﷺ کے سفیروں کا بادشاہوں کے پاس جانا تھا۔ آپ کے چھ سفیروں حضرات حاطب بن ابی بلتعہ (مقوقس مصر)، شجاع بن وہب (حارث غسانی)، دحیہ بن خلیفہ (قیصر روم)، سلیط بن عامر (ہوذہ حنفی)، عبداللہ بن حذافہ (کسریٰ ایران) اور عمرو بن

امیہ ضمری (نجاشی حبشہ) کا مختصر ذکر کر کے آپ کے خطبہ کا ذکر کیا ہے اور پھر الگ الگ مذکورہ بالا سفارتیں ابن اسحاق کی روایت پر بیان کی ہیں۔ ان میں ابوسفیان اموی کی قیصر روم سے ملاقات کی وہ روایت بھی ہے جو بخاری میں ہے۔ اسی ضمن میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ایک نصرانی اسقف کا عینی بیان بھی ہرقل کے بارے میں ہے۔ درمیان میں واقدی وغیرہ کی اختلافی روایات یا حصوں کا الگ سے بیان کیا ہے۔ پھر کسریٰ کے ضمن میں اس کے شدید ردعمل، یمن کے ایرانی گورنر باذان کو آپ کی گرفتاری کے حکم، اور ان کے قبول اسلام کا بھی ذکر ہے۔ اور اس بحث کا خاتمہ حدیبیہ کے سفر سے واپسی پر آپ کے قیام مدینہ پر ہوتا ہے (۵۷-۶۴۴)۔ اسی پر جلد دوم ختم ہوتی ہے۔

جلد سوم کا آغاز ۷ھ ہجری کے واقعات سے ہوتا ہے اور اس کا پہلا واقعہ غزوہ خیبر ہے (۱۶-۹) اپنی تمہید کے بعد ابن اسحاق کی روایت بیان کی ہے اس میں غطفان کی یہود کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کی سازش، آپ کو اس کی خبر، آپ کا اقدام، قلعوں کی فتح، اسیران خیبر خاص کر حضرت صفیہ کی گرفتاری اور آپ کی ان سے شادی، قبیلہ اسلم کو قلعہ صعب بن معاذ سے سامان رسد کی فراہمی، وطیح وسلالم کے قلعوں کی فتح، مرحب کے قتل کا واقعہ، حضرت زبیر کے ہاتھوں یاسر کا قتل، کچھ اشعار، قلعہ مرحب کے فتح کی روایت اور حضرت علی کی قیادت میں اس کی فتح، اس کی کئی روایات، معاہدہ صلح اور آپ کو ایک یہودی عورت کے ہاتھوں زہر آلود گوشت کھلانے کا واقعہ اور آپ کی واپسی جیسے مباحث شامل ہیں۔ اس کے بعد وادی القریٰ کی فتح کا مختصر واقعہ اور نماز صبح کی قضا ہونے کا ذکر ہے (۱۷-۱۶)۔ فتح خیبر کے بعد اہل مکہ سے حجاج بن علاط سلمی کے قرض وصول کرنے اور ان کے ذریعہ اہل مکہ کو فتح خیبر کی خبر پہونچنے کی روایات ہیں (۹-۱۷)۔ پھر خاص عنوان کے تحت خیبر کے اموال غنیمت اور آراضی کی مجاہدین میں تقسیم کا ذکر کئی روایات کے ذریعہ کر کے اہم واقعات کا ذکر ہے جیسے حضرت زینب کی حضرت ابوالعاص پر واپسی، حضرت ماریہ قبطیہ کی آمد اور ان سے آپ کی ملاقات، آپ کے منبر میں دو درجوں کا اضافہ، اور بعض سرایا کا ذکر جیسے سریہ تربہ، سریہ نجد، سریۂ فدک، سریۂ میفعہ، سریۂ ثعلبہ، سریۂ یمن وخباب، صرف موخرالذکر کو مفصل بیان کیا ہے (۲۳-۱۹)۔

اگلا مبحث عمرۃ القضاء ہے اور اس میں ابن اسحاق کی روایت سے آغاز کر کے خیبر سے واپسی پر قیام مدینہ کی مدت، عمرۂ قضاء کے لئے روانگی، آمد مکہ، قریش کا دارالندوہ کے پاس قیام کر کے آپ

کے مناسک کا معاینہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعض اشعار، حضرت میمونہ سے شادی، مکہ سے تین دن بعد واپسی، واقدی کی مختلف مختصر روایات اور اسلحہ کے افسر کی تقرری کا بیان ہے۔ اس کے بعد سریۂ بنی سلیم کا مختصر ذکر ہے (۶-۲۳)۔

آٹھویں سنہ ہجری کا آغاز واقدی کی مختصر روایت سے کیا ہے اس برس حضرت زینب کا انتقال ہوا۔ پھر بنو الملوح کے خلاف حضرت غالب بن عبداللہ لیثی کے ''غزوہ'' کا مفصل ذکر ہے (۸-۲۷) اس کے بعد علاء بن حضرمی کی سفارت بحرین، عمرو بن العاص کی سفارت عمان، اور بنو عامر اور ذات اطلاح کے دو سرایا کا ذکر کیا ہے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے قبول اسلام کا نسبتاً مفصل ذکر ہے (۳۱-۲۸)۔ اس میں حضرات خالد بن ولید اور عثمان بن ابی طلحہ کے قبول اسلام و ہجرت کا ذکر شامل ہے۔ اس برس کے دوسرے واقعات میں ذات السلاسل کے سریہ عمرو بن العاص، سریہ/غزوہ خبط، سریہ ابوقتادہ، سریۂ بطن اضم کا ذکر بھی شامل ہے۔ پھر غزوہ موتہ کا الگ اور مفصل بیان ہے (۴۲-۳۱)۔

۸ھ کا سب سے اہم واقعہ فتح مکہ ہے۔ پہلے ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے جس میں قیام مدینہ بعد غزوہ موتہ، سبب غزوہ، یعنی آپ کے حلیف بنوخزاعہ پر قریش اور بنوبکر کا حملہ، بنوخزاعہ کی آپ سے استمداد، کچھ اشعار، آپ کا قریش سے مطالبہ دیت وقصاص، قریشی اکابر کا انکار، معاہدہ صلح حدیبیہ کی قریشی تنسیخ، ابوسفیان کی آمد مدینہ اور تجدید صلح کی کوشش، ان کی ناکام واپسی، آپ کی جنگی تیاری، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قریش کے نام خط اور خط بردار کی گرفتاری، آپ کی غیر معروف راستے سے روانگی، روزہ کی حالت میں روانگی، افطار، مسلم فوج کی طاقت، آپ سے ابوسفیان ہاشمی اور عباس کی ملاقات، اور ابوسفیان بن الحارث کا قبول اسلام اور ان کے اشعار، واقدی کی روایت، مرالظہران میں ابوسفیان اموی اور حکیم بن حزام کی حضرت عباس کے ذریعہ ملاقات نبوی اور ابوسفیان کا قبول اسلام، ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دینا، آپ کے داخلہ مکہ کا واقعہ، حضرت خالد کے حملہ کے بارے میں عبدالملک بن مروان کے نام حضرت عروہ کی روایت پر مبنی خط کا متن، مختلف سمتوں سے مکہ میں مسلم فوج کا داخلہ، حضرت زبیر و خالد کو ہدایات نبوی، بعض قریشی جوشیلوں کا مقابلہ اور قتل، بعض مجرمین کے قتل کا حکم نبوی اور ان کے اسماء کی تفصیلات و واقعات، اہل مکہ کی معافی، ان کا قبول اسلام، صفوان بن امیہ جیسے اکابر کا فرار، واپسی، معافی اور قبول اسلام، جیسے اہم مباحث ہیں (۶۵-۴۲)۔

فتح مکہ کے بعد کے واقعات میں ملیکہ بنت داؤد لیثی سے آپ کی شادی اور فراق بروایت واقدی، عزیٰ کے مندر کا حضرت خالد کے ہاتھوں انہدام، سواع کا انہدام حضرت عمرو بن عاص کے ذریعہ، بنو جذیمہ کے خلاف حضرت خالد کی مہم جو ذرا مفصل بیان ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت علی کی مہم کا ذکر ہے خاتمہ مکہ میں قیام نبوی کی مدت پر ہوا ہے (۶۹-۶۵)۔

غزوہ حنین کا بیان اس کے بعد مفصل آیا ہے۔ اس کے اہم واقعات ہیں: ہوازن کا وادی حنین میں مع اموال وخاندان اجتماع ، مالک بن نضر قائد ہوازن کے فیصلہ سے درید بن الصمہ کا اختلاف، رسول اکرم ﷺ کے جاسوسوں کی اطلاع، آپ کی روانگی کا فیصلہ، صفوان بن امیہ سے قرض لینا، اہل مکہ کے دو ہزار مجاہدین کی شرکت، مسلم فوج کی اکثریت، مکہ کے گورنر کی تقرری، وادی حنین میں دشمنوں کا پہلے پہونچنا، اور مسلم فوج پر اچانک حملہ کر کے ان کے قدم اکھاڑ دینا، مسلمانوں کی پسپائی، صحابہ کرام کی ثابت قدمی، آپ کا ثبات واستقلال، حضرت عباس کی پکار پر مسلم مجاہدین کی واپسی، مجاہدین ومجاہدات کی سرفروشی، بعض اکابر ہوازن کا قتل، ہوازن کی شکست اور قیدیوں کی گرفتاری اور اموال غنیمت کی حصول یابی، شکست خوردہ دشمن کی اوطاس کی طرف پسپائی، حضرت ابو عامر اشعری کا سریہ اوطاس ، درید بن الصمہ کا قتل، حضرت ابو عامر کی شہادت، عوف بن مالک کی پسپائی اور فرار، آپ کی رضاعی بہن حضرت شیما کی گرفتاری اور آپ کی خدمت میں حاضری، مسلمان شہداء محاصرہ طائف کا آغاز اور خاتمہ، جعرانہ کی واپسی اور اموال غنیمت کی تقسیم خاص کر مولفۃ القلوب کا ذکر، ہوازن کے قیدیوں کی آزادی، تقسیم اموال پر انصار کی شکایت اور آپ کا خطبہ، اور ان کی خشیت، جعرانہ سے آپ کا عمرہ اہم مباحث ہیں (۹۵-۶۹)۔ اسی میں بعض دوسرے واقعات کا ذکر ہے جیسے حضرت عمرو بن عاص کی عمان سے جزیہ وخراج کی وصولیابی فاطمہ کلابیہ سے نکاح اور فراق، حضرت ابراہیم کی ولادت اور رضاعت وغیرہ۔

۹ھ کے اہم واقعات میں ذکر کیا ہے بنو اسد اور بلی اور داریوں کے وفود کی آمد کا مختصرا پھر ثقیف کے اسلام اور ان کے وفد کا مفصل ذکر ہے (۱۰۰-۹۶) اس کے بعد غزوۂ تبوک کا ذکر ہے اس میں اہم واقعات ونکات یہ ہیں: طائف سے واپسی پر مدینہ کا قیام نبوی، صحابہ کرام کو رومیوں سے جنگ کرنے کی تیاری کرنے کا حکم نبوی، صحابہ کرام کی تعمیل وتیاری ، منافقین کی عذر خواہی، سورۂ توبہ ۲-۸۱ کے حوالے، سفر نبوی کی تیز رفتاری، رونے والوں یعنی اسباب سفر وجنگ کی مقدرت نہ رکھنے

والے مخلص مسلمانوں کی آہ وزاری اور سورہ توبہ ۹۲ کی آیت قرآنی، اعراب میں معذرت خواہوں کا بہانہ، بعض مخلص مسلمانوں کی لاپرواہی، مدینہ پر سباع بن عرفطہ اور خاندان میں حضرت علی کی تقرری، منافقین کی افترا پردازی اور آپ کی تعریف علی، مخلص مسلمانوں جیسے ابوخیثمہ، عمیر بن وہب وغیرہ کی تیز رفتاری کے ساتھ مسلم فوج میں شرکت، دوران سفر پانی کی کمی اور افراط آب کا معجزہ نبوی، نفاق ومنافقین سے مسلمانوں کی واقفیت، آپ کی اونٹنی کی گمشدگی پر منافقین کا اعتراض رسالت، ابوذر جیسے پیادہ پا مجاہدین کا استقلال، حضرت ابوذر کی عہد عثمان میں ربذہ کی غریب الوطنی، منافقین اور ان کی حرکات، اکیدر بن عبدالملک شاہ دومہ کے خلاف حضرت خالد کی مہم، تبوک میں نبوی قیام اور دشمن کی غیر حاضری، قیام کے بعض واقعات، مسجد ضرار اور اس کے بارہ بانیوں کا معاملہ، مسجد ضرار کا انہدام اور مراجعت نبوی (۱۱۱-۱۰۰)۔

اسی ۹ھ میں قبیلہ طے اور عدی بن حاتم طائی کے خلاف حضرت علی کی مہم کا ذکر کیا ہے جس میں ان کے معبد کی بربادی اور خاص کران کی بہن کی گرفتاری اور مدینہ آمد کے بارے میں واقدی کی روایت بیان کی ہے پھر ابن اسحاق کی۔ اس میں خواہر عدی کے ساتھ آپ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت عدی کے قبول اسلام کا ذکر ہے اور پھر قبیلہ طے کے قبول اسلام کا بیان ہے اور بابل کے اسلامی فتح کے حوالے اور پیشگوئی ہے (۵-۱۱۱)۔

ایک اگلی اہم بحث بنوتمیم کے وفد کی مدینہ آمد اور سورۂ حجرات کے نزول کے عنوان سے باندھی گئی ہے۔ اس میں عطارد بن حاجب اقرع بن حابس، اور برقان بن بدر وغیرہ اکابر بنی تمیم کی مدینہ آمد، مسجد نبوی میں داخلہ کے بعد آپ کو پکار کر شاعری وخطابت میں مفاخرہ کرنے کا چیلنج، مقابلہ میں تمیمی خطیب وشاعر کی نبوی خطیب ثابت بن قیس اور نبوی شاعری حسان بن ثابت سے شکست اور ان کی اعتراف، خطابت اور شاعری کے نمونے اور سورۂ حجرات کے نزول کا سبب بیان کیا گیا ہے (۲۰-۱۱۵)۔ اور آخر میں واقدی کی روایت کہ اسی سال میں عبداللہ بن ابی بن سلول کا انتقال ہوا۔

پھر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں ملوک حمیر کے سفیروں کی آمد، ان کے خطوط اور ان کے جواب میں فرامین نبوی کے متون کا ذکر ہے جس میں اسلامی احکام بیان کئے گئے ہیں (۲۲-۱۲۰)۔ دوسرے واقعات میں بہراء، بنوالبکاء، بنوفزارہ اور وفات نجاشی کا مختصر حوالہ بروایت واقدی ہے اور اسی

سند پر مختصر ذکر حج ابوبکر صدیق کا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے نقش قدم پر حضرت علی کی روانگی پر زیادہ سطریں ہیں، طبری کی اپنی روایت ہے کہ اسی سنہ میں زکاۃ فرض کی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اطراف وولایات میں اپنے عمال بھیجے، جب کہ روایت واقدی پر حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آخر میں وفد ثعلبہ کی آمد کا ذکر وحوالہ ہے (۴-۱۲۲) البتہ بنوسعد کے وافد حضرت ضمام بن ثعلبہ کے آنے اور قبول اسلام کرنے اور اپنی قوم کو مسلمان کرنے کا واقعہ زیادہ مفصل ہے (۵-۱۲۳)۔

۱۰ھ کے واقعات میں سب سے پہلے طبری نے بنوالحارث بن کعب کی طرف حضرت خالد بن ولید کی مہم بھیجنے اور اس کے نتیجہ میں ان کے اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کی بنا پر مہم کے واقعات کو ان کے مکتوب کے متن اور آپ کے جواب باصواب کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے مدینہ آنے کا ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے لئے حضرت عمرو بن حزم انصاری کو بطور معلم، مصدق، اور عامل مقرر کرنے کا ذکر کیا ہے جس میں ان کے پروانہ تقرری کا نبوی فرمان بھی اپنے پورے متن کے ساتھ موجود ہے (۹-۱۲۶)۔ اس کے بعد مختصراً واقدی کی روایت پر وفات نبوی کے وقت حضرت عمرو بن خرم کی نجران کی گورنری، اور سلامان، غسان اور غامد کے وفود کی آمد مدینہ کا ذکر ہے (۱۳۰)۔ البتہ ابن اسحاق کی روایت پر ازد کے وفد کی صرد بن عبداللہ کی قیادت میں آمد مدینہ کا نسبتاً مفصل بیان ہے اور پھر اسی سند سے حضرت علی کی مہم یمن کا ذکر خیر ہے اور اس کے بعد زبید کے وفد کی آمد اور اس کے قائد عمرو بن معدی کرب کے اشعار کا ذکر ہے۔ اس کے بعد فروہ بن مسیک مرادی۔ کے وفد کا بیان معہ اشعار ہے۔ اس کے علاوہ عبدالقیس کے وفد میں حضرت جارود بن المعلی، بنوحنیفہ کے وفد میں مسیلمہ کذاب کی شرکت، وفدِ کندہ میں حضرت الاشعث بن قیس کی آمد کا نسبتاً مفصل ذکر کر کے واقدی کے حوالہ سے محارب، رہاویین، نجران کے عیسائیوں، عبس، صدف، عدی بن حاتم طائی کے وفود کی آمد اور ابوعامر راہب کی ہرقل کے ہاں موت کا مختصر ذکر کیا ہے (۴۰-۱۳۰) اس کے بعد رفاعہ بن زید جذامی اور ان کے وفد خولان کا مفصل ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عامر بن صعصعہ، وفد طے میں زید الخیل کا مفصل بیان کر کے رسول اکرم ﷺ اور مسیلمہ کذاب کے درمیان مراسلت اور ان کے متون کا ذکر کیا ہے (۴۷-۱۴۰) اس کے فوراً بعد ہی طبری نے ”صدقات کے عمال وامراء کی روانگی“ کے عنوان کے تحت آپ کے مختلف علاقوں میں مقرر کئے گئے عمال کی ایک مختصر فہرست دی ہے (۱۴۷)۔

''حجۃ الوداع'' کے عنوان سے رسول اکرم ﷺ کے آخری حج کے واقعات مختلف روایات کی بنا پر نقل کئے ہیں جن میں ابن اسحاق کی روایت کو اہمیت حاصل ہے کہ اس کے حوالہ سے حج کے لئے تیاری، حضرت عائشہ کی مجبوری، حضرت علی کی مہم نجران سے مکہ واپسی اور حج کے مناسک کے بارے میں حضرت فاطمہ سے کلام، حضرت علی سے ان کے فوجیوں کا اموال غنیمت کی تقسیم پر اختلاف، آپ کا خطبہ مبارکہ، مختلف مقامات پر خطبات نبوی کا ذکر ہے (۵۲-۱۴۸)۔

''ذکر جملۃ الغزوات'' کے عنوان کے تحت آپ کے ستائیس غزوات کی فہرست دی ہے اور چھبیس غزوات کی روایات بھی نقل کی ہیں (۴-۱۵۲)۔ اس میں ابن اسحاق اور واقدی کی روایات پر زیادہ انحصار ہے۔ اس کے بعد آپ کے تمام سرایا اور مہموں کا ذکر ہے۔ ابن اسحاق کی روایت پر پینتیس کا ذکر و فہرست ہے۔ اس میں بعض سرایا کی تفصیلات بھی ہیں اور واقدی کی روایات اور ان کا محاکمہ بھی ہے۔ (۵۹-۱۵۴)۔ اس کے بعد آپ کے تمام حجوں اور عمروں کا ذکر ہے (۶۰-۱۵۹)۔

ازواج مطہرات کا ذکر خیر اگلا مبحث ہے جس میں آپ کی پندرہ منکوحات، تیرہ ازواج، گیارہ کے اجماع، اور نو کو بیوہ چھوڑنے کا ذکر ہے۔ ابن ہشام کی روایت پر زیادہ انحصار ہے تاہم اپنی رائے بھی جا بجا دی ہے۔ پھر ترتیب وار حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت جویریہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ کے علاوہ دوسری منکوحات اور ان سے جدائی کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں حضرت ماریہ قبطیہ کا ذکر کر کے چھ کو قرشی ازواج ہونا بتایا ہے پھر ابن ہشام کے بیان پر اضافہ کیا ہے کہ آپ نے حضرت زینب ام المساکین سے بھی شادی کی تھی جن کا ذکر ابن ہشام نے چھوڑ دیا ہے۔ آخر میں ابن الکلبی وغیرہ کی اسناد پر بعض اور ازواج کا ذکر کیا ہے جن سے نکاح مکمل نہیں ہوا۔ (۶۸-۱۶۰) اس کے بعد ان خواتین کا ذکر کیا ہے جن کو پیغام تو دیا مگر نکاح نہیں کیا (۱۶۹)۔ دو سطروں میں اس کے بعد آپ کی باندیوں (سراری) کا ذکر ہے۔

بعد کے فصول آپ کے متعلقین سے متعلق ہیں جیسے آپ کے موالی / غلام (۷۲-۱۶۹)، آپ کے کاتبین (۱۷۳)، آپ کے گھوڑے (۴-۱۷۳) آپ کے سواری کے گدھے (بغال) (۵-۱۷۴)، آپ کی دودھاری اونٹنیاں (۶-۱۷۵)، آپ کے پسندیدہ کنوئیں (منائح) (۱۷۶)، آپ کی تلواریں (۷-۱۷۶)، آپ کی کمانیں اور نیزے (۱۷۷)، آپ کی زرہیں (۸-۱۷۷)، آپ کا ترکش (۱۷۸)۔

آپ کی ذات بابرکات پر چند فصلیں ہیں جیسے آپ کے اسماء گرامی (۹-۱۷۸)، آپ کی صفت وشمائل وحلیہ (۸۰-۱۷۹)، آپ کی خاتم نبوت (۱۸۰)، آپ کی شجاعت وسخاوت (۱۸۱)، آپ کے بال (۸۳-۱۸۱)، اوراس کے بعد آپ کے مرض الموت کی ابتداء، سورۂ نصر کے نزول سے قریب الاجل ہونے کا ذکر ہے (۱۸۳)۔

۱۱ھ کے واقعات وحوادث میں پہلے حضرت اسامہ کی مہم کی روانگی کا ذکر ہے پھر آپ کے مرض کے آغاز کے حوالہ کے بعد آپ کی زندگی میں ہونے والی ارتداد کی بغاوتوں کا ذکر مفصل ہے ان میں اسود عنسی اور طلیحہ اسدی کا ذکر کرکے ان سے آپ کے فرستادوں اور والیوں کے جنگ کرنے کا حوالہ ہے (۷-۱۸۴)۔

مرض الوفاۃ کے حضرت زینب بنت جحش کے گھر میں شروع ہونے کا ذکر کرکے جنت البقیع کی زیارت، حضرت عائشہ سے کلام، بیماری میں خطبہ مسجد، اوراس سے متعلق متعدد روایات، مرض کی شدت، کتاب لکھنے کا ارادہ اوراختلاف پراس کا فسخ، حضرت عائشہ کے گھر میں قیام، وفات نبوی کی حضرت عباس کی پیشگوئی اورحضرت علی سے ان کی خلافت کے بارے میں بحث، دوادارو کا بیان، حضرت ابوبکر کی امامت کے لئے تقرری، سکرات موت کے وقت کی دعائیں، مسواک، آخری کلام نبوی، وفات کا ذکر ہے (۹۹-۱۸۷)۔

اگلی سرخی آپ کے یوم وفات اورعمر مبارک کے بارے میں ہے اوراس میں متعدد روایات بیان کی ہیں جن کے مطابق دوشنبہ متفقہ تاریخ وفات ہے پھر ماہ پر علماء کا اختلاف بیان کیا ہے۔ ربیع الاول کے ماہ پر بھی تقریباً اتفاق ہے لیکن تاریخ پر اختلاف بیان کرکے بارہ کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ واقدی کے علاوہ متعدد روایات بیان کی ہیں۔ پھر وفات کے بعد کے واقعات کا ذکر ہے جیسے حضرت ابوبکر کی سنح سے آمد، آپ کے جسم اطہر کی تقبیل، آپ کی تعریف، حضرت عمر اور دوسرے مسلمانوں کا شک وشبہ اور اضطراب، حضرت ابوبکر کا خطبہ، سقیفہ بنی ساعدہ کا معاملہ، حدیث السقیفہ کے تحت حضرت ابوبکر کی خلافت کے واقعات (۱۱-۲۰۳)، آپ کی تجہیز وتکفین کا اس کے بعد ذکر کیا ہے (۱۵-۲۱۱)، پھر آپ کی عمر شریف پر علماء کے اختلاف کی روایات جمع کی ہیں کہ ترسٹھ سال تھی یا ساٹھ یا پینسٹھ یا ستر (۶-۲۱۵)، اس کے بعد اس دن اور مہینہ کا ذکر ہے جس میں آپ نے وفات پائی (۲۱۷)، اور سیرت نبوی پر یہی آخری فصل طبری ہے کہ اس کے بعد یعقوبی کے امور ومباحث پر مفصل بحث شروع ہوتی ہے جو خلافت صدیقی کا آغاز کرتی ہے۔

علامہ یعقوبی

(م ۳۱۵ھ/ ۹۲۷ء)

سیرت و تاریخ نگاری میں جس طرح مختلف اسالیب و نقطۂ ہائے نظر کی کارفرمائی رہی ہے اسی طرح مختلف طبقات فکر اور جماعاتِ نظر نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ اور اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ ان دونوں میں تال میل، ہم آہنگی اور تعلق و ربط بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خالص محدثین، سیرت نگاروں، تاریخ دانوں، اساتذہ، علماء، فقہاء ادباء اور دوسرے علمی طبقات و جماعات کے علاوہ اہل حکومت اور اصحاب مناصب نے بھی اپنی علمی اور تاریخی فکر کی آبیاری یا اس کے تقاضوں اور مطالبوں کی بجا آوری کے لئے سیرت نگاری کی سعادت حاصل کی ہے۔ ان میں سے ایک اہم طبقہ کاتبین کا تھا جو عہد نبوی سے رفتہ رفتہ اور مرحلہ بہ مرحلہ ارتقاء پذیر ہوتا ہوا اموی اور عباسی ادوار خلافت میں خالص پیشہ ورانہ طبقہ بن گیا اور ان کے بعض جلیل القدر نمائندوں اور اصحاب علم و قلم نے سیرت و تاریخ مبادین مقدسہ میں بھی اپنی کارکردگی دکھائی۔ یعقوبی انہیں خوش نصیب و خوشی بخت کاتب مورخوں میں تھے کہ انہوں نے عالمی اسلامی تاریخ کے ضمن میں ہی سہی سیرت نبوی پر ایک اہم باب رقم کیا اور اپنی مخصوص فکر اور نقطۂ نظر کے سبب اس فن میں ایک خاص مقام پایا۔

الیعقوبی کا اصل نام احمد تھا اور کنیت یا نسبت ابن الواضح تھی۔ ان کا پورا نام و نسب تھا: احمد بن ابی یعقوب اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح۔ عام طور سے ان کو اصبہانی اور ایرانی النسل سمجھا گیا ہے۔ ان کے جد امجد واضح کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عباسی خلیفہ المنصور کے ایک مولیٰ تھے اس لئے ان کو بنو عباس یا بنو ہاشم کا مولی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے اور اسی نسبت ولاء سے وہ عباسی بھی کہلاتے تھے۔ یاقوت حموی نے اپنے مختصر سوانحی خاکہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ بنو ہاشم کے مولی تھے۔ لیکن

کسی کے یہ نہیں لکھا ہے۔ یہ امامی عقیدہ یا شیعہ افکار کا حامل خاندان تھا۔ چنانچہ مصر کے والی کی مانند جو ادریس بن عبداللہ حسنی کی الفسخ ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء میں حمایت کرنے اور شکست کھانے کے بعد جان سے مارا گیا۔ یاقوت حموی نے یعقوبی کا نہ تو سنہ ولادت بتایا ہے، نہ ان کے مقام پیدائش کے بارے میں کچھ کہا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں ہماری معلومات بالکل صفر ہیں۔ قوی امکان ہے کہ یعقوبی نے بھی اپنے عہد کے اہل علم بالخصوص کاتبوں کے لئے مروجہ نصاب کے مطابق اعلیٰ تعلیم پائی تھی کیونکہ جب کوئی شخص تاریخ وسیرت، ادب وشعر اور دوسرے اسلامی علوم وفنون میں اچھی دستگاہ نہ رکھتا ہو نہ کاتب بن سکتا تھا اور نہ کتابت وانشا میں نام پا سکتا تھا۔

اسی طرح یعقوبی کی عملی زندگی کے بارے میں بھی ہماری معلومات کافی کم ہیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جوانی میں یا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں آرمینیا اور خراسان میں سلطنت طاہری یا خاندان طاہریہ کی خدمت کی تھی اور غالباً ایک کاتب ہی کی حیثیت سے بعد میں انہوں نے کسی وقت عباسی خلافت میں کاتب کا عہدہ حاصل کیا۔ غالباً عباسی خلیفہ یا ان کے کسی متوسل کے ہاں ملازمت کر لی تھی لیکن قدیم مآخذ میں ان کے آقا کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی اس کے سفروں اور مقام توطن کا ذکر ملتا ہے سوائے اس کہ آل طاہر/ طاہری خاندان کے زوال کے بعد یعقوبی نے مصر کا رخ کیا اور وہاں غالباً زندگی آخری سات آٹھ برس گذارے اور وہیں ۲۸۴ھ/ ۸۹۷ء میں وفات پائی۔ البتہ زرکلی نے ان کو کثیر الاسفار کہا ہے اور بغداد کا باسی بتایا ہے۔ ان کے اسفار کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مغرب کا سفر کیا اور مدتوں آرمینیا میں قیام کیا۔ وہ ہند کی زیارت کو بھی گئے اور کئی عرب ممالک کی بھی زیارت کی۔ تاریخ یعقوبی اور کتاب البلدان کے نجف ایڈیشن میں مزید کہا گیا کہ یعقوبی نے شام اور مغرب اور اندلس تک کا سفر کیا تھا۔

یعقوبی کی تاریخ وفات کے بارے میں یاقوت کی بیان کردہ تاریخ زیادہ تر قبول کی جاتی ہے لیکن بعض دوسرے مورخوں نے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک ۲۷۸ھ/ ۸۹۱ء اور دوسری ۲۸۲ھ/ ۸۹۵ء ہے لیکن تاریخ یعقوبی کے نجف ایڈیشن ۱۹۶۵ء کے مرتب سید محمد صادق بحر العلوم نے اپنے مختصر مقدمہ میں یعقوبی کی کتاب البلدان میں مذکورہ چند اشعار جو مصر کے حاکم خاندان بنو طولون کی جلالت شان ورفعت آن کے بارے میں کہے گئے ہیں نقل کر کے کہا ہے کہ ان اشعار کو یعقوبی

نے ۲۹۲ھ/ ۹۰۷ء کی عید الفطر کی چاندرات کو نظم کئے تھے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یعقوبی نویں صدی عیسوی کے پہلے عشرہ میں موجود وحیات تھے۔ کتاب البلدان کے نجف ایڈیشن کے ترجمۃ المولف میں بھی یہی شہادت دہرائی گئی ہے اور ان کی تواریخ وفات پر بحث کی گئی ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یعقوبی ابوحنیفہ دینوری (م ۲۸۲ھ/ ۸۹۵ء) ابن قتیبہ دینوری (م ۲۷۰ھ/ ۸۸۲ء) کے مقابلہ میں امام طبری (م ۳۱۰ھ/ ۹۲۳ء) کے زیادہ معاصر تھے۔ مورخین واہل سیر میں یعقوبی کے اور بھی کئی معاصر ین تھے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سے کسی نے یعقوبی کا ذکر کیا ہے اور نہ حوالہ دیا ہے۔ یعقوبی کے بارے میں اس سے زیادہ مواد نہیں ملتا ہے اور اس کی بنا پر کی زندگی کہانی ادھوری ہی نظر آتی ہے۔

تصانیف یعقوبی

داستان حیات کی طرح یعقوبی کی علمی اور تصنیفی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات کافی کم ہیں۔ یاقوت حموی نے ان کی چار تصانیف کا ذکر کیا ہے اور بعد کے تمام مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اسی کو دہرایا ہے۔ اسی کو دہرایا ہے۔ البتہ محمد صادق آل بحر العلوم نے ان کی پانچویں تصنیف کی بھی نشاندہی کی ہے۔ ان تصانیف یعقوبی پر مختصر بحث ذیل میں کی جاتی ہے۔

یعقوبی مورخ، جغرافیہ نگار اور شاعر تھے۔ اور ان ہی فنی میدانوں میں ان کی ساری کتابیں ہیں۔ جہاں تک ان کی شاعری کا تعلق ہے اس پر ان کی کوئی الگ کتاب نہیں ہے بلکہ ان کی تاریخ اور جغرافیائی تصانیف میں ان کے اشعار ملتے ہیں جن کے سبب ان کو محمد صادق آل بحر العلوم نے عمدہ شاعر قرار دیا ہے۔

ان کی تاریخی کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت ان کی تاریخ کی ہے جو ان کے نام پر تاریخ الیعقوبی کے عنوان سے کئی بار چھپ چکی ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار بروکلمان کا خیال ہے کہ یعقوبی نے اپنے قیام آرمینیا کے زمانے میں ۲۶۰ھ/ ۸۷۴ء سے قبل اس کو مکمل کرلیا تھا۔ تاریخ یعقوبی عالمی اسلامی تاریخ کو دو جلدوں میں بیان کرتی ہے۔ وہ ابتدائے آفرینش اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کرام کا ذکر کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی اسرائیل، سریانی، یونانی، رومی، ایرانی، اقوام کے علاوہ ہندوؤں، نوبیوں، البجہ، زنج، حمیریوں، غسانیوں اور آل منذر کی تاریخ مختصراً بیان کرتی ہے۔ اور یہ قدیم تاریخ جلد اول میں آتی ہے۔ اس کی جلد دوم میں اسلامی تاریخ ہے جو ظہور

اسلام سے شروع ہوتی ہے اور پندرہویں عباسی خلیفہ معتمد کے زمانے ۲۵۹ھ/۸۷۳ء پر ختم ہوتی ہے۔
تاریخ یعقوبی کو عہدواریعنی خلفاء کے زمانے کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے۔

ان کی دوسری تاریخی کتاب اخبار الامم السالفۃ تھی جو اول الذکر کے مقابلہ میں مختصر تھی۔اس کے بارے میں ہماری معلومات کافی کم ہیں اور سچ یہ ہے کہ ہم نام کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔نام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قدیم اقوام کی تاریخ پر مشتمل تھی۔اوراب دستیاب نہیں ہے۔

جغرافیہ میں یعقوبی کی کتاب البلدان اہم ترین سمجھی جاتی ہے اور دستیاب ہے۔ وہ کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کی بنا پر متعدد مورخوں اور جغرافیہ نگاروں نے بالخصوص مستشرقین نے یعقوبی کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی جغرافیہ نویسی میں تبحر کی تحسین کی ہے۔ بروکلمان کے مطابق یعقوبی نے اپنی کتاب البلدان مصر کے قیام کے دوران ۲۷۸ھ/۸۹۱ء سے قبل لکھی تھی۔وہ پورے عالم اسلام کے جغرافیائی حالات علاقہ وشہروار بیان کرتی ہے۔اور بلاشبہ ایک قیمتی کتاب ہے۔

کتاب البلدان کے مرتب محمد صادق آل بحرالعلوم نے اس کتاب کے ایک حوالہ کی بنیاد پر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یعقوبی نے جغرافیہ کے فن پر ایک اور کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا کتاب الممالك والمسالك ۔لیکن یہ بھی امکان ہے کہ یعقوبی کی کتاب البلدان ہی کا یہ دوسرا نام ہو کیونکہ عام طور پر مورخین، تذکرہ نگار اور جغرافیہ داں جغرافیہ پر کسی کتاب کو اسی موخر الذکر عنوان سے یاد کیا کرتے تھے۔ بہر حال محمد صادق آل بحر العلوم کے ظاہر کردہ امکان کے قرائن تو ہیں لیکن اس کے بارے میں کچھ حتمی طور سے کہنا مشکل ہے۔

یعقوبی کی ایک اور کتاب کا ذکر یاقوت حموی نے "کتاب مشاکلۃ الناس لزمانھم" کے عنوان سے کیا ہے اس کے موضوع اور فن وغیرہ کے بارے میں ہماری معلومات تقریباً صفر ہیں۔

طریقۂ تالیف

مشہور جدید مورخ ڈاکٹر عبدالعزیز دوری کا یہ خیال ہے کہ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں جعفری یا شیعی رجحانات کی عکاسی کی ہے کیونکہ وہ بلاشبہ شیعی تھے۔بعض لوگوں نے ان کو معتدل شیعہ کہا ہے اور

کسی حد تک ایسا کہا بھی جا سکتا ہے لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ و فکر سے کہیں بھی سر مو انحراف نہیں کیا ہے۔ البتہ بات صحیح ہے کہ انہوں نے اپنے افکار و عقائد کی خاطر تاریخ کو غالی انداز میں مسخ نہیں کیا ہے۔ اگرچہ قدیم و جدید مورخین اور تذکرہ نگاروں نے ان کی شیعیت پر کچھ نہیں لکھا ہے سوائے ایک دو شیعی تذکرہ نویسوں کے تاہم ان کی کتاب تاریخ میں ان کی شیعیت کی واضح اور ناقابل تردید شہادتیں موجود ہیں۔ ایک اہم شہادت یہ ہے کہ وہ خلفاء اسلام ادوار کا عنوان مقرر کرتے وقت اپنے عقیدہ کا اظہار خوبصورتی اور ہوشیاری سے کرتے ہیں مثلاً وہ حضرات علی اور حسن کے ادوار کو تو خلافت سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جب حضرات ابوبکر صدیق، عمر وفاروق، عثمان غنی اور اموری اور عباسی خلفاء کے ادوار کا عنوان باندھتے ہیں تو اس کو "ایام" کا نام دیتے ہیں یعنی "خلافة علي" کے بالمقابل "ایام ابی بکر" بظاہر یہ بڑی معصوم و غیر اہم ادا معلوم ہوتی ہے لیکن ان دو الفاظ کے پیچھے خلافت اسلامی کے بارے میں امت مسلمہ کے دو اہم ترین فرقوں - اہل سنت اور شیعہ - کے سیاسی اور مذہبی نظریہ کی پوری تاریخ جلوہ گر ہے۔

ظاہر ہے کہ یعقوبی کا مذہبی عقیدہ تاریخ نگاری اور سیرت نویسی پر اثر انداز ہوا ہے۔ وہ حضرت علی اور ان کے خاندان سے مبالغہ آمیز عقیدت و محبت رکھتے ہیں، اس لئے وہ ان کی مبالغہ آمیز مدح سرائی کرتے ہیں اور دوسری طرف دوسروں کی مخالفانہ نکتہ چینی، تنقیص، کردار کشی کے ساتھ ساتھ واقعات و حالات کی غلط تعبیر بھی کرتے ہیں اور ضعیف و جعلی روایات کا بھی سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً وہ اولین مسلمانوں میں حضرت خدیجہ کو عورتوں میں اولین مسلم اور حضرت علی کو مردوں میں اولین مسلم قرار دے کر حضرات زید بن حارثہ اور ابوذر غفاری کو دوسرا اور تیسرا مسلمان بتاتے ہیں اور بعد میں بلالحاظ درجہ بندی حضرت ابوبکر کو "قیل" سے شروع ہونے والی مجروح روایت میں ابوذر غفاریؓ سے قبل کا مسلم ہونے کا ذکر کر دیتے ہیں۔ یعنی ان کو حضرت ابوبکر صدیق کو چار اولین مسلمانوں میں بھی شامل کرتے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے صحابہ کرام اور خلفاء عظام سے ان کے شیعی عناد نے رنگ دکھایا ہے۔ یعقوبی کو اس کا تو اعتراف ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی چار دختران گرامی قدر تھیں۔ ان میں سے صرف دو حضرت فاطمہ اور حضرت زینب کی شادی خانہ آبادی اور ان کے شوہران گرامی کا تو وہ ذکر کرتے ہیں لیکن بقیہ دو محترمات - حضرت رقیہ اور حضرام کلثوم - کی شادی اور ان کے شوہر محترم کا قطعی حوالہ نہیں دیتے کہ اس سے ان کے نظریہ امامت پر زد پڑتی ہے۔ اور بقیہ منکرین شیعہ کی مانند وہ صرف ایک ہی

دختر نبوی کے ذکر خیر پر اکتفا نہیں کر سکے۔ موخر الذکر بنات مطہرات کی حضرت عثمان بن عفان سے شادی کے بارے میں تو وہ صرف چپ سادھ لیتے ہیں لیکن حضرت زینب کے بارے میں تو وہ بہتان وافترا پردازی یا افسانہ نویسی سے کام لیتے ہیں کہ ان کے شوہر کا نام ابوالعاص بن بشر بن عبد دہمان ثقفی بتاتے ہیں، حالانکہ ان کا اسم گرامی ابوالعاص بن ربیع تھا۔ اور خاندان اموی کے بزرگ تر خانوادے بنو عبد شمس کے فرد اور بنو امیہ کے خاندانی تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی ان تینوں دختروں کے ''اموی'' شوہروں کا ذکر خیر کرنے سے انکار یعقوبی کی معلومات کی کمی کے سبب نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے ان کا شیعی عقیدہ کارفرما تھا۔ لیکن یعقوبی کا بھرم ۲ھ کے واقعات کے ذکر میں غلطی سے کھل جاتا ہے جب وہ حضرت زینب کے شوہر کا صحیح نام لکھ جاتے ہیں۔

یعقوبی کی شیعی عقیدہ کی کارفرمائی سیرت نبوی اور تاریخ اسلامی کے دوسرے ابواب ومسائل میں بھی نظر آتی ہے مثلاً وہ غزوہ بدر کے بعد حضرت زینب کو مدینہ بھیجنے کا شرف حضرت ابوالعاص عبد شمس کی بجائے حضرت عباس بن عبد المطلب کے سر باندھ دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ محض اموی مخالف رجحانات کے سبب سریہ زید بن حارثہ (۲ھ) معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص کو اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کا جد اور قیدی بتاتے ہیں حالانکہ ان کا رشتہ، نام اور غزوہ وغیرہ ذکر سب غلط ہے۔ یعقوبی کی شیعی تعبیرات کی متعدد مثالیں سیرت نبوی کے باب میں نظر آتی ہیں جن کا ذکر بعض دوسرے عناوین کے تحت بھی آئے گا۔

یعقوبی کی تاریخ وسیرت نگاری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ تاریخی واقعات کی تشکیل میں ماورائی عناصر یا دینی محرکات کی کارفرمائی دکھاتے ہیں۔ اور خالص انسانی کاموں اور کارناموں کی تائید وتشکیل کے لئے غیبی عوامل سے کام لیتے ہیں۔ اور اس میں کبھی کبھی مبالغہ سے بھی کام لیتے ہیں اور کبھی کبھی خالص مبالغہ آمیز اساطیری اور من گھڑت روایات سے بھی۔ بنیادی طور سے یہ انداز بیان قاص (قصہ گو اور دستان طرز) ادب کا حصہ ہیں کہ وہ اساطیری روایات کو تاریخی روایات میں ملا کر بیان کرتے ہیں تاکہ سامعین پر اچھے اثرات مرتب ہوں۔ عام طور سے یہ اسلوب معجزات متعلق بہ ولادت ورضاعت نبوی، معراج واسراء وغیرہ کے علاوہ حضرت فاطمہ کی شادی، حضرت علی کے خاندان کے اسلام، ہجرت کے واقعات وغیرہ میں نظر آتا ہے۔

ان کے ہاں اسرائیلی روایات کا عمل دخل بھی خاصا نظر آتا ہے جیسے یہ روایت کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت اہل کتاب نے آپ کی بعثت ونبوت کی شہادت دی تھی۔ یا قرآن مجید کی بعض سورتوں میں مذکور حروف مقطعات جیسے "الم، المر، المص" وغیرہ کی بنیاد پر اعداد کی قیمت کے مطابق امت مسلمہ کی عمر کی تعیین کی یہودی کوششوں کے بارے میں بیان کردہ روایات وغیرہ۔

تیسری/نویں صدی کے مورخین واہل سیر بھی محدثین کی مانند اپنی روایات میں اسناد کا بالعموم اہتمام کرتے تھے۔ مگر یعقوبی کے ہاں یہ طریقہ بالکل مفقود ہے۔ وہ اپنی کتاب کے شروع ہی میں اپنے تمام راویوں اور اخباریوں کا تذکرہ کر دیتے ہیں اور پھر درمیان یا موضوعات وابواب میں ان کا ذکر نہیں لاتے۔ انہوں نے کل تیرہ راویوں کے نام گنائے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی (م ۱۷۸ھ/۷۹۴ء) جو بنو ہاشم کے شیوخ وقت میں سے ایک تھے۔

(۲) ابوالبختری وہب بن وہب قریشی (م ۲۰۰ھ/۸۱۵ء) جو جعفر بن محمد (م ۱۴۸ھ/۷۶۵ء) وغیرہ سے روایات نقل کرتے تھے۔

(۳) ابان بن عثمان جو جعفر بن محمد سے روایات بیان کرتے ہیں اور شیعی راوی ہیں۔ ان کو غلطی سے مشہور راوی ومحدث حضرت ابان بن عثمان، جو خلیفہ سوئم کے فرزند گرامی تھے، سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔

(۴) محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ/ ۲۲۲ء) مشہور مغازی نویس تھے اور بقول یعقوبی موسیٰ بن عقبہ سے نقل کرتے ہیں۔

(۵) عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ/۸۳۲ء) مشہور سیرت نگار جو ابن اسحاق کی روایات کتاب سیرت زیاد البکائی کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں۔

(۶) ابوحسان زیادی جو ابوالمنذر کلبی وغیرہ جیسے رجال اور اخباریوں سے روایات لیتے تھے۔

(۷) عیسیٰ بن یزید بن داب (م ۱۷۱ھ/ ۷۸۷ء) عبداللہ بن عباس ہمدانی سے اخبار روایات بیان کرتے تھے۔

(۸) ہیثم بن عدی طائی (م ۲۰۷ھ/۸۲۲ء) بھی اول الذکر عبداللہ بن عباس ہمدانی کے شاگرد راوی تھے۔

(۹) محمد بن کثیر قریشی اپنی روایات زیادہ تر ابوصالح اور ان کے طبقات سے نقل کرتے تھے۔

(۱۰) علی بن محمد مدائنی (م ۲۲۵ھ/ ۸۴۰ء) مشہور راوی تھے اور اخبار وروایات میں امارت کا درجہ رکھتے تھے۔

(۱۱) ابومعشر نجیح مدنی (م ۱۷۰ھ/ ۷۸۶ء) بھی اپنے عہد کے اہم محدث، راوی اور اخباری تھے۔

(۱۲) محمد بن موسیٰ خوارزمی منجم (م بعد ۲۳۲ھ/ ۸۴۷ء) سیرت واخبار اور تاریخ کے واقعات میں تقویم کے ماہر تھے۔

(۱۳) ماشاءاللہ بھی خوارزمی کی مانند ایک اہم منجم ومقوم تھے جو نجوم وہیئت کی رو سے واقعات کی تاریخ متعین کرتے تھے۔

ان تمام رواۃ وشیوخ میں سوائے ایک دو کے باقی اپنے عہد کے مشہور اور قابل اعتماد شیوخ سیرت تھے۔ خاص طور سے ابن ہشام، واقدی، مدائنی، ہیثم بن عدی اور ابومعشر مدنی مشہور صاحبان مغازی اور اہل سیر تھے۔ لیکن ان میں سے اکثر سے یعقوبی کی ملاقات نہیں تھی اس لئے ان کا سلسلہ بسند منقطع ہے۔

خوارزمی اور ماشاءاللہ منجم کی موجودگی اور ان کی تقویموں اور حسابوں سے واقعات کی تاریخ تعیین اور زمانی ترتیب یعقوبی کی تاریخ کو بالعموم اور سیرت کو بالخصوص ایک خاص امتیاز عطا کرتی ہے کیونکہ یعقوبی کے سوا اور مسعودی کے علاوہ قدیم سیرت نگاروں اور تاریخ نویسوں میں کسی اور نے تقویم وسنین نوازی کا اتنا اہتمام نہیں کیا ہے۔ اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ یعقوبی نے زبانی روایات سے زیادہ مذکورہ بالا شیوخ ورواۃ کی کتابوں اور تحریروں سے استفادہ کیا تھا۔ بعض ابواب میں البتہ وہ کہیں کہیں راوی یا مصنف کا نام لے لیتے ہیں لیکن اکثر ان کا یا اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کرتے۔

سیرت یعقوبی میں مؤلف گرامی نے موضوعاتی طریقۂ نگارش اختیار کرتے ہیں جو ان کی تاریخ اسلامی میں بھی جاری رہتا ہے یعنی وہ سیرت نبوی کے مختلف واقعات کو موضوعات کے تحت تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جو عام سیرت نگاروں کا آسان اور پسندیدہ طریقۂ ادا ہے، جیسے ولادت نبوی، رضاعت نبوی، وفات والدین، کفالت دادا وغیرہ اور یہ سلسلہ مکی عہد کے واقعات کو بیان کرکے عہد مدینہ کے واقعات کو یکے بعد دیگرے وفات نبوی تک پہونچاتا ہے۔

یعقوبی اپنی سیرت میں بعض نئے واقعات اور روایات بھی نقل کرتے ہیں جو اپنی تاریخی،

اہمیت کے لحاظ سے کافی قابل ذکر ہیں مثلاً والدین کی شادی اور ولادت نبوی کی درمیانی مدت دس ماہ بتاتے ہیں۔ وفات والد کی تاریخ ولادت کے دو ماہ بعد مقرر کرتے ہیں، والدہ ماجدہ کی عمر تیس سال بیان کرتے ہیں دادا کو ابراہیم ثانی بتاتے ہیں، زبیر بن عبدالمطلب کو حکومت وامر کعبہ کی اور ابوطالب کو سقایہ اور کفالت نبوی کی وصیت پدری کا ذکر کرتے ہیں۔ وفات عبدالمطلب کے بعد متعدد دعویداران حکومت وسیادت کے ظہور کا حوالہ دیتے ہیں۔ حرب فجار میں ابوطالب کی عدم شرکت کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ بیس سال کی عمر میں حلف الفضول میں شرکت نبوی کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایسی نئی معلومات سیرت یعقوبی میں بہت ہیں۔ لیکن ان کو قبول یا مسترد ان کی تنقید وتعدیل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد ہی کرنا چاہیے۔

انہوں نے بعض مشہور روایات کا ذکر یکسر نظر انداز کیا ہے مثلاً وہ ابوطالب کے ساتھ آپ کے سفر شام کا ذکر کرتے ہیں لیکن بحیرا راہب سے ملاقات کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ آپ کی دو صاحبزادیوں کی شادی کا ذکر بھی نظر انداز کرتے ہیں۔

سیرت یعقوبی میں ایک اہم ذکر قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں کی تفصیل کے بارے میں ہے اور ابن حفص کی روایت پر ان کو الگ الگ مکی اور مدنی عہد میں بیان کرتے ہیں۔

وہ عام طور سے اکابر وشخصیات کی عمر میں متعین کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی بعض مشہور شخصیات کی عمر میں نظر انداز بھی کر دیتے ہیں جیسے حضرت خدیجہ کی عمر نہیں بیان کی ہے۔

یعقوبی کہیں کہیں روایات پر محاکمہ بھی کرتے ہیں اور بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں مثلاً انہوں نے آپ کی پیدائش کے دو ماہ کے بعد والد عبداللہ کی وفات والی روایت کو اجماعی روایت کہہ کر قبل ولادت وفات کی تعیین کرنے والی روایت کو مسترد کر دیتے ہیں۔

مجموعی لحاظ سے یعقوبی کی سیرت نبوی اپنی کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود اس موضوع شریف پر اہم تالیف ہے۔

مصادر و مآخذ

اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور "الیعقوبی (مقالہ)

بروکلمان اول ۷-۲۲۶

البغدادی ایضاح المکنون اول ۱۲۹، دوم ۲۷۹

المقتبس ششم ۵۴۷-۵۳

دی خویہ (De Goeje) وغیرہ کے مضامین اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں حوالہ جات ہیں۔

زرکلی، خیر الدین الاعلام طبع دوم، اول ۹۱-۹۰

فتح العرب للمغرب ص ۳۰۴

صدیقی، محمد یسین مظہر تاریخ یعقوبی۔ سیرت نبوی کا ایک اہم قدیم ماخذ،

نقوش رسول نمبر لاہور اول ۹۴-۵۶۳

العاملی اعیان الشیعۃ دہم ۳۶-۳۰۳

فازیلیف معجم المطبوعات والعرب والروم ۱۹۴۸، ص ۲۳۵

فہرس المولفین۔ ظاہریۃ (مخطوطہ)

کحالہ، عمر رضا مجم المولفین اول ۱۶۱

مارگولیتھ ڈی ایس Lectures on Arab Historion، دہلی

منگانا (Mingana) Catalogue of Arabic Manuscripts، ۴-۳۷۲

یاقوت حموی، معجم الادباء طبعہ قاہرہ دار المامون پنجم ۴-۱۵۳

یعقوبی، تاریخ الیعقوبی طبع نجف، مقدمہ جز و اول، مقدمہ ہوتسما (Houtsma) تاریخ الیعقوبی مطبوعہ لائیڈن ۱۸۸۳ء، کتاب البلدان۔

یعقوبی کی سیرت نبوی

عالمی اسلامی تاریخ نگاری میں یعقوبی کی تاریخ کو جس طرح امتیاز حاصل ہے اسی طرح اس کی سیرت نبوی کو اس طبقۂ مورخین وصاحبان سیرت کی کتابوں میں اختصاص حاصل ہے۔ ان کی تاریخ عالم کا آغاز طبری کی مانند ابتدائے آفرینش اور اقوام سابقہ سے ہوتا ہے اور تاریخ اسلام بشمول سیرت طیبہ اپنے مقام پر اس کا ایک حصہ بنتی ہے اسی طرح جلد اول دوسری اقوام کے لئے مخصوص ہے اور جلد دوم کا آغاز سیرت نبوی سے ہوتا ہے اور کتاب کے صرف ایک سو بائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب متعدد بار چھپ چکی ہے اور ہمارے زیر نظر وہ نسخہ ہے جو دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء کا مطبوعہ ہے۔

جلد دوم کا آغاز مولف گرامی کے ایک مختصر مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنی یہ کتاب متقدمین علماء اور رواۃ اور اصحاب سیر کی روایات پر لکھی ہے۔ (۶-۵) سیرت نبوی کا آغاز آپ کی ولادت کے بیان سے کیا ہے۔

"مولد رسول اللہ ﷺ" کے عنوان کے تحت یعقوبی نے آپ کی ولادت باسعادت کی تاریخ دوشنبہ ۲/ربیع الاول یا شام سہ شنبہ ۸/ربیع الاول عام الفیل بیان کر کے یوم جمعہ بوقت طلوع فجر ۱۲/رمضان بھی دی ہے، جو جعفر بن محمد کی روایت پر مبنی ہے، یعقوبی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اہم واقعات کا زائچۂ نجوم بھی دیتے ہیں، چنانچہ اصحاب حساب کے مطابق "قرآن العقرب" بتایا ہے اور پھر ماشاء اللہ منجم اور خوارزمی کے دو زائچے عبارت میں کافی مفصل ذکر کئے ہیں۔ سنہ رائج الوقت کے بارے میں کہا ہے کہ قریش جلالت بن کلاب کے سبب سنین (برسوں) کا حساب یا تاریخ ان کی موت سے کیا کرتے تھے لیکن واقعۂ فیل نے اپنے اشتہار کے سبب اس کو بدل دیا۔ اسی بنا پر آپ کی ولادت کی تاریخ اس عام الفیل سے متعین کی جانے لگی۔

یعقوبی نے ولادت نبوی کے معجزنما واقعات میں شیاطین کے رجم کئے جانے اور ستاروں کے ٹوٹنے ،زلزلوں کے آنے ، بت خانوں اور گرجوں کے منہدم ہونے ، ساحروں اور کاہنوں کے معاملات خراب ہونے ، نئے ستارہ کے طلوع ہونے ،ایوان کسریٰ کے تیرہ کنگروں کے گرنے اور نار فارس کے بجھنے کے علاوہ موبذان عالم ایران کی پیشگوئی کرنے انوشیروان کے خوفزدہ ہوکر نعمان شاہ حیرہ سے کاہن عرب عبدالمسیح بن بقیلہ کو طلب کر کے پیشگوئی کا مفہوم پوچھنے اور اس کا مفہوم بتانے کا ذکر کیا ہے ۔اسی طرح اندرون عرب بھی ایک اہل کتاب کی پیشگوئی اور آپ کو دیکھ کر اہل کتاب کی بربادی اور اہل عرب کے عالمی عروج کی پیشگوئی بیان کرنے کو نقل کیا ہے(۹-۷)۔

تاریخی اور سیرتی واقعات میں مختصراً عبداللہ بن عبدالمطلب کی آمنہ بنت وہب سے شادی اور نذر عبداللہ کی تاریخیں بیان کی ہیں اور ان کا اصل نام عبدالدار یا عبدقصی بتایا جو قربانی کے واقعہ کے بعد عبد اللہ ہوگیا۔اسی کے بعد آپ کے والدین کی شادی اور آپ کی ولادت کے درمیان کی مدت کی تاریخ مشہور دس ماہ اور بعض کے مطابق ایک سال آٹھ ماہ بتائی ہے۔یہ یعقوبی کی نئی معلومات ہیں۔پھر ولادت کے وقت نور بلند ہونے اور قصور شام کے روشن ہونے کے معجزات کا ذکر کر کے آپ کی رضاعت ثوبیہ اور اس سے رضائی رشتہ داریوں اور اس کے انجام بد میں رضاعت نبوی کے حصہ کا ذکر کیا ہے(۱۰-۹)۔

وفات عبداللہ کی تاریخ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ آپ کی ولادت کے دو ماہ بعد ہوئی اور اس کو اجماع قرار دے کر ولادت سے قبل والی روایت وفات کو غلط قرار دیا ہے۔ان کی مدینہ میں وفات ،تدفین اور عمر کا ذکر بھی کیا ہے۔پھر مختصراً رضاعت حلیمہ سعدیہ کا ذکر ان کے شوہر کے نام وقبیلہ سے کیا ہے اور شق صدر معجزہ کا حوالہ دے کر پانچ یا چار سال کی عمر میں دادا عبدالمطلب کی گود میں واپس آنے کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد اہم واقعات بیان کئے ہیں۔ان میں تیں سال کی عمر آپ کی والدہ کے ابواء نامی مقام پر انتقال،دادا کی کفالت اور اس کے حوالہ سے ان کی عظمت و بزرگی اور ان کے اوصاف حمیدہ جن میں ان کو ابراہیم الثانی وغیرہ بھی کہا گیا ہے۔پھر ان کے اولادوں کا ذکر کیا ہے۔ان کے سیف ذی یزن کے وفد کا بھی حوالہ ہے کہ وہ اس کو مبارکباد دینے اکابر قریش کے ساتھ یمن گئے تھے۔پھر قحط کے زمانے میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ استسقاء کی دعاء اور واقعہ کا ذکر ہے(۱۳-۱۰)۔

یعقوبی ان چند مورخوں میں ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالمطلب نے اپنے فرزند زبیر کو

"حکومت وامر کعبہ" کی اور ابو طالب کو سقایہ اور آپ کی کفالت کی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد عبد المطلب کی وفات، ان کی عمر تکفین وتدفین کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے بعد مکہ میں "رسیاست" کے کئی دعویدار پیدا ہوگئے۔ اگلی بحث ہے ابو طالب کی کفالت نبوی کی جس میں آپ کی چچی کی شفقت آمیز کفالت، آپ کی ان سے محبت کے علاوہ سفر شام کا ذکر ہے، مگر بحیرا کا نہیں ہے۔ البتہ آپ کی بیس سال کی عمر شریف علامات نبوت کے ظہور اور عبد المطلب کی پیشگوئی درباب نبوت محمدی اور ابو طالب کے علم وایقان کا ضرور حوالہ ہے (۴-۱۴)۔

"الفجار" کی سرخی کے تحت یعقوبی نے سترہ سال کی عمر میں آپ کی جنگ فجار میں شرکت کا ذکر کیا ہے اور عمر شریف کی مشہور روایت کے حوالہ کے علاوہ سبب الفجار اور اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دوسری روایات یہ ہیں: ابو طالب کی مخالفت کے سبب بنو ہاشم اور عبداللہ بن جدعان تیمی اور حرب بن امیہ کی عدم شرکت، لیکن زبیر بن عبد المطلب کی مجبوری وجبر کے سبب شرکت، لیکن دوسری روایات کے مطابق ابو طالب اور ان کے ساتھ آپ نے بھی شرکت کی، ابو طالب کی شرکت کی وجہ، شرکت نبوی کے بارے میں آپ کی حدیث، آپ کی عمر شریف کی مدت اور چند ماہ بعد حرب بن امیہ کی شام میں وفات (۱۶-۱۵)۔

اگلا عنوان "حلف الفضول" ہے۔ اس میں بیس سال سے زیادہ عمر ہونے کے بعد آپ کی شرکت کا ذکر کیا ہے اور اس میں آپ کی شرکت کرنے کے بارے میں ایک صحیح حدیث بیان کرکے سبب حلف، حلف کے شرکاء خاندان، معاہدہ کی کارفرمائی اور مکی سماج پر اس کے اثرات، وجہ تسمیہ کے بارے میں تین اقوال کا ذکر ہے (۸-۱۷)۔

پھر "بنیان الکعبة" کا مختصر باب ہے جس کے اہم موضوعات ومباحث ہیں: پچیس برس کی عمر مبارک میں حجر اسود کو اس کے مقام پر آپ کا نصب کرنا، ہدم کعبہ کے اسباب، تعمیر کے مختلف مراحل، صحیح وجائز مال سے تعمیر کعبہ، ایک طائر لاہوتی کا معجزانہ واقعہ، آپ کے سواسب کا غیر سائر ہونا، پتھر لانے کا مقام، قریشی خاندانوں کے حصے میں عمارت کعبہ کے حصے، تنصیب حجر اسود پر اختلاف، آپ کا حکیمانہ فیصلہ، چادر کے چاروں کونوں کے پکڑنے والے شیوخ قریش کے اسماء اور آپ کی تنصیب حجر (۲۰-۱۹)۔

اسی کے بعد "تزویج خدیجۃ بنت خویلد" کے عنوان سے آپ کی بعمر پچیس سال شادی خانہ آبادی کا بیان ہے اس میں آپ کی عمر کے بارے میں دوسری روایت (تیس سال)، لیکن حضرت خدیجہ کی عمر کا حوالہ نہیں ہے۔ پھر آپ کی ان کے بطن سے اولادوں میں قبل بعثت قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم کی ولادت کا اور بعد نبوت عبداللہ کا (کہ اسی سبب سے وہ طیب وطاہر کہلاتے تھی) اور فاطمہ کی ولادت کا ذکر ہے۔ آپ کی شادی کے بارے میں حضرت عمار بن یاسر کا عینی بیان ہے۔ جس کے مطابق صفا ومروہ کے درمیان خدیجہ اور ان کی بہن ہالہ نے آپ کو دیکھ کر ہالہ نے سلسلہ جنبانی کی اور آپ نے قبول کرلیا۔ آپ کے چچاؤں نے شرکت کی، ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور شادی حضرت خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد نے انجام دی۔ پھر ابن اسحاق کی روایت کا حوالہ دیا کہ ان کے والد نے شادی کی تھی (۲۱-۲۰)۔

"المبعث" کے عنوان سے آپ کی نبوی زندگی کا بیان شروع کیا ہے اس کے اہم مباحث ہیں: چالیس سال مکمل ہونے پر ربیع الاول اور ماہ عجم شباط میں مبعث، رمضان کی بھی روایت مرجوح، مبعث کے دن و تاریخ کا زائچہ اور نجوم کا حساب، جو خاصا مفصل ہے اور ماشاء اللہ الحاسب کا بیان کردہ ہے، دوسرا خوارزمی کا ہے۔ اس کے جبریل کے ظہور، آپ سے کلام وندا، اور گندگی (رجس من الاوثان) سے اجتناب کی ہدایت، حضرت خدیجہ کو بتانے پر آپ کی خاموشی کی تلقین، دوشنبہ (جمعرات) یا بروایت جعفر بن محمد جمعہ، ۱۰ار رمضان کو ظہور جبریل اور تنزیل اقراء، پھر نزول مدثر، تین سال تک اسرافیل کی پھر بیس سال تک جبریل کی وکالت ومصاحبت، یا صرف موخر الذکر کی مصاحبت کلی، ورقہ بن نوفل کی توجیہ وتفریق درفطرت میکائیل وجبریل، اولین نماز ظہر کی فرضیت جبریل کی تعلیم صلوۃ ووضو، پھر خدیجہ اور پھر علی کی تعلیم نماز ووضو، بوقت بعثت شیاطین کی مار، اصنام کی سرنگونی اور نار عبادت کی خاموشی، عورتوں میں اولین مسلم خدیجہ اور مردوں میں علی کے بعد زید، ابوذر پھر ابوبکر پھر عمرو بن عبسہ سلمی، پھر خالد بن سعید وغیرہ کا اسلام، عمرو بن عبسہ سلمی کے قبول اسلام کی روایت، مکہ کی تین سالہ خفیہ دعوت توحید ورسالت، وعبادت، قریش کا طنز، اظہار واعلام دعوت، ابطح کا خطبہ نبوی، قریش کا استہزاء اور ابوطالب سے آپ کی شکایت، آپ کو ایذا دینے والوں کے نام، سوق عکاظ کا خطبہ نبوی اور ابولہب کی عداوت، آپ کا مذاق اڑانے والوں کے نام، آپ کی ابتلاء وآزمائش، ابوطالب کی حمایت نبوی اور

قریشی وفود کی شکایات وتجاویز، ابوطالب کے اشعار پر یہ باب ختم ہوتا ہے (۲۵-۲۲)۔

"الاسراء" کے مختصر باب میں آپ کے اسراء کا ذکر ہے اس میں براق کی توصیف، بیت المقدس کی زیارت، آسمانوں کی معراج، ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں اترنا، شب اسراء میں آپ کی گمشدگی پر ابوطالب کا قریشی اکابر کو قتل کرنے کا ارادہ کرنا شامل ہے (۲۶)۔

پھر "النذارة" کے عنوان سے آپ کے قریبی اعزہ کو دعوت اسلام دینے کا باب ہے۔ اس میں مروہ سے آپ کے نام بنام بطون قریش کو بلانے اور پھر آخر میں بنو ہاشم سے خطاب کر کے ان کو کسی مکان پر جمع کر کے دعوت طعام پر اسلام کی طرف بلانے کا ذکر ہے۔ اس مجلس میں ابولہب کی مخالفت اور ابوطالب کی حمایت کرنے کے علاوہ اسی دن جعفر، عبیدہ بن الحارث، اور ''خلق عظیم'' کے اسلام لانے کا ذکر ہے۔ پھر قریش کے مظالم خاص کر کمزور مسلمانوں جیسے عمار، یاسر، سمیہ، خباب وغیرہ پر مظالم کا ذکر ہے اور خاتمہ رسول اکرم ﷺ سے حضرت خباب کی استدعاء دعا اور آپ کے جواب پر ہوتا ہے (۸-۲۷)۔

"مهاجرة الحبشه" کے باب میں ہجرت حبشہ کی اذنِ نبوی، پہلی بار بارہ اور دوسری بار ستر مردوں اور ان کی عورتوں بچوں کی ہجرت، دربار نجاشی میں قریشی وفد کی آمد، حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر، عمرو بن العاص اور عمارہ کی واپسی اور اختلاف، عمارہ کی موت اور عمرو کی واپسی، مسلمانوں کا قیام حبشہ اور تمام اولاد جعفر کی حبشہ میں ولادت اور نجاشی کا نام اصحمہ مذکور ہے (۳۰-۲۹)۔

"حصار رقريش لرسو ل الله وخبر الصحيفة" میں آپ اور مسلمانوں کے سماجی مقاطعہ کا ذکر ہے۔ اس میں سبب محصوری قتل رسول اللہ ﷺ کا ارادۂ قریش بتایا گیا ہے پھر آپ اور بنو ہاشم کے سماجی مقاطعہ کے معاہدہ اور اس کی شرائط، تین سال تک محصوری (۹-۶ نبوی)، دوران محصوری ابوطالب اور خدیجہ کا مال خرچ کرنے کے باوجود فقر وفاقہ کی زندگی گذارنے، دیمک کے صحیفہ کو چاٹ کر ختم کرنے کی بذریعہ جبریل علم نبوی ہونے، آپ کے ذریعہ ابوطالب کو علم ہونے اور مجلس قریش میں ابوطالب کا اس کا اعلان کرنے اور صحیفہ و معاہدہ کے ختم ہونے کا ذکر ہے (۳۲)۔ اس کے بعد "وفاة القاسم بن رسول الله" کے عنوان کے تحت آپ کے بڑے صاحبزادے قاسم کی بعمر چار سال اور ان کے ایک ماہ بعد عبداللہ کے دودھ پینے کے زمانے میں وفات کا ذکر ہے۔

"ما نزل من القرآن بمكه" کے تحت ابن حفص کی روایت پر مکہ میں بیاسی سورتوں کے نزول اور ان کی ترتیب نزول کا ذکر کیا ہے جس میں اولین اقرأ پھر قلم، پھر ضحیٰ، پھر مزمل پھر مدثر پھر فاتحہ اور آخر میں عنکبوت کے نزول کا ذکر ہے۔ اس ترتیب کے خلاف دوسری روایت ابن عباس کا حوالہ ہے جس میں قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے، مکی اور مدنی سورتوں کی ترتیب قائم کرنے کا ذکر ہے پھر دوسری آسمانی کتابوں کے نزول اور ان کے درمیان زمانی بُعد کا حوالہ ہے۔ پھر نزول قرآن کی ابتداء کی دوسری تاریخ کے حوالہ کے بعد ہر قوم کے غالب ثقافتی وسماجی عنصر اور اس پر ان کے نبی کے غالب ہونے کا ذکر ہے جیسے حضرت موسیٰ کے زمانے میں جادو غالب تھا، حضرت داؤد کے عہد میں صنعت کا غلبہ تھا، حضرت سلیمان کے عصر میں تعمیر وغیرہ اور عہد عیسیٰ میں طب ومسیحائی کا اور عہد محمدی میں کلام وکہانت کا (۵-۳۴)۔

"وفاة خديجة وابى طالب" کے اہم مباحث ہیں: پینسٹھ سال کی عمر میں ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہ کی وفات، وقت وفات آپ کی موجودگی، ان کو جنت کی بشارت، اور ان کے ذریعہ سے اپنی جنتی ازواج کو سلام کا پیغام، اور حضرت فاطمہ کا غم وحزن، چھیاسی سال کی عمر میں خدیجہ تین دن بعد ابو طالب کا انتقال، آپ کا حزن وملال، جنازہ میں شرکت اور اپنے چچا کی تعریف و توصیف (۳۵)۔

اس کے بعد یعقوبی نے عرب کے قبائل کے سامنے آپ کو پیش کرنے اور طائف کا سفر کرنے کا عنوان باندھ کر اس کے تحت قریش کے مظالم، قبائل عرب سے ہر موسم میں ملاقات ودعوت، ان کے انکار، طائف کا سفر اور اس کے تین شیوخ سے ملاقات اور ان کو اسلام کی دعوت، ان کے استہزا اور انکار، آپ پر ظلم وستم، طائف میں عتبہ وشیبہ اور غلام عداس سے ملاقات اور غلام کے اسلام اور آپ کے مکہ واپس آنے کا ذکر کیا ہے (۳۶)۔

"قدوم الانصار مكة" کی فصل میں اہم مباحث ہیں: اوس وخزرج کی جاہلی جنگیں، ان کے نتیجہ میں یہودی قبائل کا غلبہ، قریشی حمایت کے حصول کے لئے مدنی وفد کی مکہ آمد، ابوجہل سے معاہدہ پر بات چیت، مگر شرائط پر عدم اطمینان، مدنی وفد کا سفر طائف اور ناکام واپسی، بعثت کے بعد سوید بن صامت کی حج یا عمرہ کے زمانے میں آپ سے ملاقات اور آپ کی دعوت سے اس کی اثر پذیری

اور واپسی میں خزرج کے ہاتھوں قتل، بنوعضراء کی آمد مکہ، ایاس بن معاذ کی ملاقات نبوی، ان کا ایاس کی دعوت پر قبول اسلام، مدینہ واپسی اور وم کو اطلاع، آپ سے معلم کی درخواست اور حضرت مصعب کی تقرری، مصعب اور اسعد بن زرارہ کی تبلیغ، بارہ مدنیوں کی آپ سے ملاقات، اسلام اور عقبۂ اولی، ستر اوسی وخزرجی مسلمانوں سے بیعت النساء، مدینہ میں اسلام کی اشاعت، مدنی صحابہ کرام کی دعوت ہجرت اور معاہدہ حرب (۸-۳۷)۔

ہجرت نبوی کا باب "خروج رسول الله من مكة" کے عنوان سے ہے جس میں اہم مباحث ہیں: آپ کے قتل کا قریشی منصوبہ، اس کا علم نبوی، ابوبکر کے ساتھ آپ کی رات کی تاریکی میں ہجرت، جبریل ومیکائیل پر اللہ میاں کی پھٹکار اور علی کی طرح بننے کی ہدایت، حضرت علی کے ساتھ آپ کی الہٰی مواخاۃ، حضرت علی پر ملائکہ کا افتخار، حضرت علی کا بستر نبوی میں سونا اور امانتیں واپس کرنا، غار ثور کا قیام، قریش کا ناکام تعاقب، مدینہ کا سفر، ام معبد سے ملاقات، مکہ کے قیام کی مدت، ہدائے ہاتف سے آپ کے سفر مدینہ کی قریش کو خبر، سراقہ کا تعاقب اور معجزہ کے بعد ناکام واپسی اور سراقہ کے دو شعر (۴۰-۳۹)۔

رسول اکرم ﷺ کے قدوم مدینہ کا بیان نجوم کے حساب وزائچہ سے شروع ہوتا ہے جو دوشنبہ ۸ ربیع الاول کا ہے۔ جمعرات بارہ ربیع الاول کا بھی حوالہ ہے۔ پھر کلثوم بن ہدم کے گھر نزول، ان کی وفات سعد بن خیثمہ کے مکان میں قیام، بنوعمرو بن عوف سے مدینہ روانگی، اونٹنی کا سفر وقیام، ابوایوب انصاری کی میزبانی چند روزہ، اپنے مکانات میں منتقلی، ناقہ کے بیٹھنے کی جگہ مسجد کی تعمیر، حضرت علی کا حضرت فاطمہ کو قبل نکاح مدینہ لانا، آنے کے دو ماہ بعد ان کی شادی، جو اللہ نے کی تھی، زینب بنت رسول اللہ کو حضرت عباس بن عبدالمطلب کا مدینہ لانا، ہجرت نبوی کے وقت وہ طائف میں ابوالعاص بن بشر ثقفی کے پاس تھیں، حضرت عباس کی واپسی اور انصار کی مہاجرین کے ساتھ مواسات (۴۲)۔

پھر ایک مختصر فصل میں روزہ اور نماز کی فرضیت، تحویل قبلہ، روزہ رمضان اور تحویل قبلہ کے درمیان تیرہ دن کی مدت، مسجد قبلتین میں دوران نماز تحویل قبلہ، مسجد نبوی کی تعمیر اور توسیع اور غلام عباس کے ہاتھوں منارۂ مسجد کی تعمیر، بلال وابن ام کلثوم موذنین رسول اور اذان کے بعد آپ کو خبر کرنے کی عادت بلالی کے بارے میں واقدی کی روایت کا ذکر ہے (۴۲)۔

اگلی فصل میں مدنی سورتوں کی تعداد بتیس بتاتی ہے اور ان کے نزول کی ترتیب بیان کی ہے اور ابن مسعود اور جعفر بن محمد کی روایتوں کی بنا ان کے موضوعات امر و نہی، تحدیر و تبشیر، حلال و حرام، فرائض و احکام، قصص و اخبار کا ذکر کر کے قتال و جہاد کی اجازت الٰہی اور آپ کی تیاری کا حوالہ قرآنی آیات سے دے کر اولین سریہ حمزہ کا ذکر کیا ہے (۴۴-۴۳)۔

"وقعة بدر العظمی" کے تحت تیرہ رمضان بروز جمعہ اس کی تاریخ، سبب غزوہ قافلہ تجارت زیر کمان ابوسفیان، قافلہ کی حفاظت سے واپسی مکہ، مکی فوج کی آمد، اس کی تعداد، اونٹوں کی تعداد سے ان کی تعداد کا فیصلہ نبوی اور مطمئن قریش کا ذکر، مسلم فوج کی تعداد، مہاجرین و انصار کی عددی قوت، گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد، ۱۰ رمضان کو جنگ، چودہ شہداء اور ستر قریشی مقتولین، اور اتنے ہی اسیران بدر، اڑسٹھ سے فدیہ کے بعد رہائی، حضرت عباس کی ادائیگی فدیہ کے بعد قبول اسلام، ابولہب کی مکہ میں موت عرب وفود کی آمد مدینہ، یوم ذی قار کی جنگ اور عجم پر عرب کی اولین فتح، مدینہ میں اولین بقر عید اور قربانی اور نماز عید (۶-۴۵)۔

"وقعة احد" کے سبب، ابوسفیان کی تیاری، عباس بن عبدالمطلب کی مدینہ اطلاع بھیجنا، مشرک لشکر کی تعداد خواب نبوی، انصار کا میدان جنگ میں لڑنے کا فیصلہ و مشورہ، مسلم لشکر کی تعداد ایک ہزار کی شرکت، شدید جنگ، قتل حمزہ اور ان کا مثلہ، آپ کا غم، مسلمانوں کی شکست، آپ کی شہادت کی خبر اور زخمی ہونا، خالد کا حملہ اور "ثغرہ" کے مجاہدین کا قتل، اڑسٹھ مسلمانوں کی شہادت اور بائیس مشرکوں کا قتل، قریشی لشکر کی واپسی، قلعہ میں حضرت صفیہ کا ایک یہودی کو قتل کرنا، حمراء الاسد کا تعاقب اس کے اہم مباحث ہیں (۸-۴۷)۔

"وقعة بنی النضیر" میں جبل نضیر پر ان کے قیام کے سبب ان کی وجہ تسمیہ، ان کا واقعہ، پھر بنو قریظہ کا احد کے چار ماہ بعد واقعہ، قتل کعب بن اشرف کا حوالہ، عبداللہ بن ابی بن سلول کی حمایت یہود، مصالحت پر نزول، ان کی شام جلاوطنی، متعدد اکابر یہود کا اسلام، ان کے اموال کا خالصہ نبوی ہونا اور ان کی تقسیم، شراب کی تحریم اور سبب تحریم (۴۹)۔

"وقعة الخندق" کا وقوع ۶ھ میں ہجرت کے پچپن ویں ماہ میں ہونے کا مقدمہ قائم کر کے اس کے سبب قریش و یہود اور قبائل کے گٹھ جوڑ، اجتماع احزاب، خندق کی کھدائی، اس کی

حفاظت اور اسلامی لشکر کی تعیناتی، صرف سات سو مسلمانوں سے اس کی تشکیل، قریشی احزاب کی آمد اور خندق دیکھ کر ان کی حیرانی، پانچ دن کے بعد پانچ نفری قریشی دستہ کے حملہ اور اس کی پسپائی، قہر الٰہی کے نزول اور ان کی واپسی، تین دن کی گھمسان تیراندازی میں چار نمازوں کی قضاء نفاق کے ظہور، سورہ احزاب کے نزول، قرآنی سورتوں کے حروف مقطعات جیسے الم، المر، المص وغیرہ سے یہودی علماء کے عمرامت محمدی استنباط پر بحث کی ہے اور خاتمہ چھ مسلم شہداء اور آٹھ کفار مقتولین کے حوالہ پر کیا ہے (۵۱-۵۰)۔ اس کے بعد "وقعہ بنی قریظہ" میں ان کے نسب، وجہ تسمیہ، غزوہ کے سبب، آپ کے خندق کے بعد ان کے محاصرہ، حضرت علی کے مشورہ، محاصرہ کے حکم سعد بن معاذ پر نزول، مقاتلین کا قتل اور عورتوں بچوں کی غلامی اور اموال غنیمت کی تقسیم کے مباحث ہیں (۵۳-۵۲)۔

اگلا عنوان " وقعة بني المصطلق " ہے اس کے تحت غزوہ کے واقعات کا کم ذکر ہے۔ البتہ حضرت جویریہ سے آپ کی شادی اور اس کے نتیجہ میں ان کے قیدیوں کی آزادی، واقعہ افک میں حضرت عائشہ کی براءت، مجرمین کی سزا، بنوالمصطلق کے اسلام اور سورہ حجرات ۱۰ کے حوالہ سے حضرت ولید بن عقبہ کے مصدق ہونے کا زیادہ ذکر ہے (۵۳)۔ پھر صلح حدیبیہ کا ذکر "غزاۃ الحدیبیہ" کے عنوان سے کیا ہے کہ آپ ۶ھ میں عمرہ کی غرض سے صحابہ کرام کے ساتھ ستر اونٹ لے کر گئے لیکن قریش نے روکا، پھر آپ کے خواب کا اور متعدد قریشی سفارتوں کا ذکر کر کے معاہدہ صلح کے تین سال کے لئے لکھے جانے اور شرائط صلح طے کئے جانے کا ذکر کیا ہے اور خاتمہ میں قربانی کرنے کے علاوہ مدینہ واپسی اور پھر دوسرے سال عمرۃ القضاء ادا کرنے اور حضرت میمونہ سے شادی کرنے کا بھی مختصر ذکر کر دیا ہے (۵۵-۵۴)۔

"وقعة خيبر" میں فتح خیبر کا واقعہ بیان کیا ہے جس میں سات قلعوں کا نام بنام ذکر کر کے ان کی فتح، ان کے بیس ہزار لشکریوں ان کے قتل اور ان کی آل اولاد کی گرفتاری کا مختصر حوالہ دے کر قموص کے قلعہ کے فتح اور حضرت علی کے ہاتھوں مرحب یہودی کے قتل ہونے کا زیادہ بیان ہے۔ پھر حبشہ سے حضرت جعفر کی واپسی، حضرت صفیہ سے آپ کی شادی، بنو ہاشم میں اموال غنیمت اور قیدیوں اور غلاموں کی تقسیم قحط میں مبتلا اہل مکہ کی غذائی اور مالی امداد، ابوسفیان کے نام پیغام و سفارت، آپ کو زیر آلود کھانا کھلانے کی یہودی سازش، حجاج بن علاط کی مکہ والوں سے قرض کی وصولیابی، اور ان کے ذریعہ اہل مکہ کو فتح خیبر کی خبر وغیرہ بھی مختصراً ذکر کئے ہیں (۵۷-۵۶)۔

اگلا باب "فتح مکہ" کا ہے۔ اس میں قریش و کنانہ، اور خزاعہ و رسول اللہ ﷺ کے معاہدہ، قریش و کنانہ کی خزاعہ پر تاخت، خزاعہ کی آپ سے استمداد، آپ کا فیصلۂ فتح، حضرت حاطب کے خط، قاصد کی گرفتاری، مختلف قبائل کی مقررہ مقامات پر مسلم لشکر میں شمولیت، ۱۲ رمضان ۸ھ کو آپ کی روانگی، افطار صیام کی اجازت، مرالظہر ان میں ابوسفیان وغیرہ کی ملاقات نبوی، اور ان کا قبول اسلام اہل مکہ کو امان، چاروں طرف سے مکہ میں اسلامی لشکر کا داخلہ، مجرمین کی معافی اور بعض کا قتل، قریش کا اسلام، کعبہ میں آپ کا داخلہ نماز اور خطبہ، معافی کا عام اعلان، اصنامِ کعبہ کی شکست، بعض قریشی اکابر کا ردعمل، سورۂ نصر کا نزول، بنو جذیمہ کے خلاف حضرت خالد بن ولید کی مہم اہم مباحث ہیں اور خاص کر موخر الذکر نسبتاً بہت مفصل ہے (۶۱-۵۸)۔ غزوہ حنین کے اگلے باب میں بھی اسی طرح کے عام بیانات مختصر انداز میں ہیں مثلاً حنین میں ہوازن کا معہ مال و متاع مالک بن عوف اور درید بن الصمہ کی قیادت میں جمع ہونے کی آپ کو خبر ہونا۔ بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ آپ کی روانگی، صفوان بن امیہ سے ہتھیاروں کا قرض، وادی حنین میں داخلہ پر مسلمانوں پر اچانک حملہ اور مسلمانوں کی پسپائی صرف دس یا نو بنو ہاشم کی استقامت، ان کے اسماء گرامی، قرآنی آیت سے استشہاد، ابوسفیان وغیرہ کا استہزاء، آپ کی پکار پر مسلمانوں کی واپسی اور جنگ، مسلم فتح، ہوازن کی سخت ہزیمت، کثیر اموال غنیمت اور قیدیوں کا حصول، درید کا قتل، ہزیمت خوردہ دشمن کا اپنے سردار مالک کے ساتھ طائف کی طرف فرار، چار مسلمانوں کی شہادت، حضرت شیماء کی آمد اور آپ کی محبت، ان کے سبب اسیران ہوازن کی رہائی، حضرت مالک بن عوف کا قبول اسلام، محاصرہ طائف، مؤلفۃ القلوب کو عطیۂ نبوی، ان کی تفصیل اور انصار کی شکایت پر ان کی تشفی، طائف کا محاصرہ اور واپسی، محاصرہ پر ابوسفیان کی اور اصنام کی شکست کے لئے حضرت علی کی تقرری (۴-۶۲)۔

اس کے بعد "**غزاة موتة**" کے نام سے اس غزوہ کا بیان ہے۔ اس میں تین امرائے غزوہ کی تقرری، ان کی منزل مقصود پر پہونچ کر جنگ، تینوں کی یکے بعد دیگرے شہادت، حضرت خالد کی امارت، حضرت جعفر کی شہادت پر آپ کا حزن و ملال اور تعزیت کے لئے ان کے گھر والوں کے ہاں تشریف آوری اور ان کے لئے کھانے بھجوانے کی سنت کا ذکر ہے (۶-۶۵)۔

پھر ان غزوات کا ذکر کیا ہے جن میں جنگ نہیں ہوئی۔ ان میں غزوات ابوء و بواط کا مختصر

حوالہ ہے۔ ذوالعشیرۃ پر دو سطریں ہیں، قرقرۃ الکدر پر چھ سطریں، حمراء الاسد ایک سطر میں ہے، البتہ بدر صغریٰ اور تبوک پر بالترتیب ایک اور دو پیراگراف ہیں (۸-۶۷)۔

اگلی بحث سرایا و جیوش کے امراء سے متعلق ہے۔ اس میں بالترتیب ان سرایا کا ذکر ہے: سریۂ حمزہ، سریہ سعد حضرت حمزہ کا دوسرا سریہ عیص، سریہ نخلہ جس کا ذکر نسبتاً زیادہ مفصل ہے، سریہ رجیع کا ذکر اس سے زیادہ مفصل ہے، اسی طرح قردہ کے سریۂ زید میں بھی کافی تفصیل ہے، پھر حضرت زید کے کئی سرایا جیسے جموم، جذام، وادی القریٰ (ام قرفہ) اور طرف کا ذکر کر کے سریۂ بئر معونہ کو قریب ایک صفحہ میں بیان کیا ہے۔ پھر موتہ کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے بعد بنو مدلج کے خلاف سریۂ غالب لیثی، بنوضمرہ کے سریۂ نملہ بن عبداللہ لیثی، بنوالدیل کے سریۂ عمرو بن امیہ ضمری، بنومعیص کے سریۂ عبداللہ عامری، ذات القصہ کے سریۂ ابوعبیدہ بن جراح، عمر کے سریۂ زبیہ اور دوسرے تمام سرایا کا ذکر کیا ہے۔ یہ بحث کافی مفصل ہے اور دوسری فصول سے طویل تر بھی (۶۹-۷۸)۔

مورخ یعقوبی نے آپ کے امراء و عمال صدقات، امیر حج ابوبکر، امیر برائے اعلان سورۂ برأت حضرت علی، ولایات و صوبوں کے ولاۃ و گورنر بادشاہوں کے نام سفارتیں جیسے کسریٰ، روم، نجاشی وغیرہ اور ان میں سے بعض کے نام کے فرامین نبوی کے متون کا بھی ذکر شامل کر لیا ہے۔ خاتمہ ان امراء سرایا کے ذکر پر کیا ہے جن کو مشرکوں کے بعض لوگوں کے قتل کے لئے متعین کیا گیا تھا جیسے ابوسفیان کے لئے عمرو بن امیہ ضمری، کعب بن الاشرف کے لئے محمد بن مسلمہ وغیرہ۔

خدمت نبوی میں حاضر ہونے والے وفود عرب کا اگلا باب ہے جو مختصر ہے اس میں قبیلہ کے وفد اور ان کے سردار کے نام گنا دئے ہیں (۷۹-۸۰)۔ اس کے بعد "کتاب النبی" کے باب میں آپ کے کاتبین گرامی جیسے علی، عثمان، عمرو بن العاص، معاویہ، شرحبیل، عبداللہ بن سعد، مغیرہ، معاذ، زید، حنظلہ، ابی جہیم اور حصین کا ذکر کر کے اہل یمن، ہمدان، نجران، اہل ہجر کے نام فرامین نبوی کے متون اور اہل نجران کے وفد کی آمد، ان کے مباہلہ کے واقعہ اور ان کے نام معاہدہ نبوی کا متن شامل ہے (۸۰-۸۳)۔

"ازواج رسول اللہ" کے عنوان سے ترتیب وار تمام ازواج مطہرات کے اسماء گرامی، شادی کا ذکر کیا ہے جو بہت مختصر ہے۔ ان میں حضرت غزیہ بنت دودان اور بنت نفیل بن عبدالعزیٰ کا اضافہ کر کے حضرت ماریہ سمیت چودہ ازواج کا ذکر کیا ہے پھر ان خواتین کا ذکر کیا ہے جن سے نکاح تو

کیا مگر کامل نہ کیا یا نکاح ہی مکمل نہ ہوا۔ ان کی تعداد بارہ بیان کی ہے (۶-۸۵)۔

"مولد ابراهيم بن رسول الله" کے عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم کی ولادت و رضاعت اور وفات کا ذکر ایک طویل پیراگراف میں کیا ہے پھر آپ کے غلاموں اور باندیوں اور ان کے آزاد کرنے کا ذکر کیا ہے (۸۷)۔ اسی میں آپ کے پرچم و علم، تلوار و نیزہ، عنزہ، تیر و کمان، زرہ، مغفر (خود)، سواری کے گھوڑوں، اونٹوں، خچروں، بکریوں اور گھریلو اشیاء جیسے پیالہ وغیرہ، لکڑی (چھڑی)، لباس، بستر، خوشبو، بال اور بال سنوارنے وغیرہ کا بھی مختصر مختصر ذکر ہے (۹-۸۸)۔

آپ کے خطبوں، وعظوں اور اخلاق شریفہ کے ذریعہ لوگوں کو تربیت و تعلیم کے عنوان کے تحت متعدد خطبوں، ارشادات اور احادیث کا ایک نہایت حسین اور جامع مجموعہ پیش کیا ہے (۱۰۸-۸۹) جو اس سیرت نبوی کا سب سے مفصل اور طویل باب ہے۔

"حجة الوداع" کے باب میں اس کا نام و سنہ، روانگی، احرام، مناسک احرام، حج تمتع (بروایت واقدی)، مکہ میں داخلہ، طواف، منیٰ کے خطبہ، قربانی، دوسرے مناسک کی ادائیگی، دوسرا خطبہ جو خاصا طویل ہے بیان کیا ہے (۱۲-۱۰۹)۔ دوسرے خطبہ کے متن کی عبارت تقریباً تین صفحات پر وسیع ہے۔

"الوفاۃ" کے باب میں سریۂ اسامہ کی تیاری، آپ کی بیماری کی ابتداء، اس کی شدت، اور ۲ ربیع الاول ماہ آذار میں چودہ دن کی بیماری کے بعد وفات کا مختصر ذکر کر کے وفات نبوی کا زائچہ نجوم ماشاء اللہ منجم اور خوارزمی دونوں سے نقل کیا ہے۔ پھر آپ کے غسل اور غسل دلانے والوں کے اسماء کے ساتھ اسی وقت ایک ندائے غیبی کے آنے کا ذکر کیا ہے جس میں آیات تطہیر موت، اجر وغیرہ کا قرآنی حوالہ بھی ہے اور اہل بیت کی طہارت و پاکیزگی کا بھی، جعفر بن محمد کی روایت پر اس کو جبریلی نداء کہا گیا ہے۔ پھر آپ کی تکفین، اس کے کپڑوں، قبر میں اترنے والوں، لحدی قبر بنانے، کئی دنوں تک آپ کی نماز جنازہ انفرادی طور سے ادا کئے جانے، تدفین کا ذکر کر کے حضرت عمر کے اضطراب و خطبہ، اور حضرت ابوبکر کے خطبہ کا مختصر حوالہ ہے۔ آپ کی اخلاف میں صرف حضرت فاطمہ کے زندہ رہنے، چالیس دن بعد وفات پانے، ان کی تدفین اور تیئیس سال عمر پانے کا ذکر کیا ہے لیکن ازواج مطہرات سے ان کے سلوک کا شیعی حوالہ بھی دیا ہے (۵-۱۱۳)۔

اگلی بحث "صفة رسول الله" ہے جس میں پہلے آپ کے جسمانی صفات اور حلیہ کا بیان ہے پھر آپ کے بعض اخلاق وصفات معنوی کا (۱۱٦)۔ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھنے والوں کی فصل میں حضرت جعفر بن ابی طالب، حسن بن علی، قثم بن العباس، ابوسفیان بن الحارث، اسهد بن العسر ہ، ہاشم بن عبدالمطلب، اور مسلم بن معتب بن ابی لہب کا حوالہ ہے (۱۱۷)۔ پھر آپ کے نسب اور عاتکہ اور فاطمہ نامی جدات کا ذکر کیا ہے۔ نسب حضرت آدم تک پہونچایا ہے لیکن عنوان باب میں صرف حضرت ابراہیم تک پہونچانے کا ذکر ہے پھر آپ کی والدہ اور دوسری امہات کا اوپرام ابراہیم تک ذکر کیا ہے پھر عاتکہ نامی امہات کا اسی باب میں ذکر کیا ہے اور فاطمہ نامی امہات کا ذکر سیرت نبوی کے آخری باب "تسمیه من ولدنه من الفواطم" میں کہا ہے اور دوسرے پیراگراف میں اس عنوان کے تحت آپ کے بعض ولایات کے گورنروں اور بعض عمال صدقات کا ذکر کیا ہے (۲۲-۱۱۸)۔ اسی پر یعقوبی کی سیرت نامی کا حصہ تمام ہوتا ہے۔

علامہ ابوزید احمد سہیل بلخی

(م ۳۲۲-۲۳۶ھ/۹۳۴-۸۵۰ء)

تیسری چوتھی/نویں دسویں صدی اسلامی تاریخ بالخصوص سیرت نبوی کی تالیف میں رجحان ساز عہد کا درجہ رکھتی ہے اگر چہ دوسری تیسری/آٹھویں نویں صدی سیرتی مصادر کے اصل زمانے ہیں کہ انہیں صدیوں میں سیرت نبوی کی بنیادی کتابیں لکھی گئیں لیکن بعد کی صدیوں میں سیرت نبوی پر دوسرے انداز سے نظر ڈالی گئی اور ہر صاحب فن نے اپنے تخصص وامتیاز کے مطابق اس کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے بنیادی مواد میں تو بہت اضافہ نہیں کیا تاہم بعض قابل قدر اضافے ضرور کئے جن سے نئی معلومات حاصل ہوئیں اور سیرت نبوی سے متعلق بعض گتھیاں سلجھائی جاسکیں۔ ان کے علاوہ ہر صاحب تالیف وسیرت کا ایک مخصوص انداز ہوتا ہے جو اس کو انفرادیت عطا کرتا ہے اور سیرت نگاری کے ایک نئے رجحان کو سامنے لاتا ہے۔

ابوزید احمد بن سہل بلخی بالعموم جغرافیہ نویس اور اس فن کے امام سمجھے جاتے ہیں اگر چہ وہ اپنے عہد کے علماء وفضلاء کی مانند مختلف علوم وفنون کے امام وماہر تھے اور اپنی امامت وفضیلت کی متعدد نشانیاں بشکل کتب وتصانیف چھوڑ دی تھیں۔ حاجی خلیفہ اور دوسرے سوانح نگاروں بالخصوص یاقوت حموی کے مطابق بلخی متعدد فنون کی کتابوں کے مؤلف تھے اور اول الذکر نے ان کو صاحب تاریخ وسیرت بھی گردانا ہے۔ اور کتاب البدء والتاریخ کو انہیں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اگر چہ دوسرے مؤلفین کے بیانات سے اس کی زیادہ تائید نہیں ہوتی۔

کتاب البدء والتاریخ کے جدید محقق وناشر کلمان ہوار نے الجھن میں کچھ زیادہ ہی اضافہ کیا ہے۔ ان کا مقدمہ تو دستیاب نہیں مگر کتاب کے سرورق پر انہوں نے اس کتاب کو بلخی کی تالیف بتایا ہے۔ کسی جلد پر اس کو ان کی طرف منسوب قرار دیا ہے اور کسی اور جلد پر اس کتاب کا مؤلف مطہر بن طاہر مقدسی کو بتایا ہے۔ یہ الجھاو محض اس لئے ہے کہ مرتب ومحقق کتاب نے بعض سوانح نگاروں کے

متضاد اور مختلف بیانات کا تجزیہ کر کے یہ نہیں منقح کیا کہ اصل مؤلف کون ہے۔ بہر حال ہماری بحث سے یہ مسئلہ کس قدر واضح ہو جائے گا لیکن دونوں نقاط نظر میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر دونوں ہی مؤلفین کی سوانح مختصراً بیان کی جارہی ہے ابن ندیم کا قول یاقوت نے نقل کیا ہے کہ ابوسہل احمد بن عبید اللہ بن احمد مولی امیر المومنین نے ایک کتاب ابوزید بلخی اور ابوالحسن شہید بلخی کے حالات میں لکھی تھی اور ابن ندیم نے مؤلف/سوانح نگار کے خط میں اس کے مسودہ کو ملاحظہ کیا تھا اور ان تینوں صاحبان علم وفن کی سوانح میں اس کی تلخیص پیش کی ہے۔

ولادت اور خاندان

اصل نام احمد تھا اور والد کا اسم گرامی سہل اور ان کی کنیت ابوزید، مگر وہ اپنی وطنی نسبت بلخی سے زیادہ معروف تھے۔ بلخی کے سوانح نگار کے بقول وہ بلخ کے ایک گاؤں شامستیاں نامی میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ گاؤں بلخ کی بارہ نہروں میں ایک کے کنارے (نہر غزنیکی) میں واقع تھا۔ ان کے والد ماجد سنجری تھے اور بچوں کو تعلیم دیتے تھے۔ یہ معلومات ابومحمد حسن بن محمد وزیری نے اپنی کتاب میں فراہم کی ہیں جنہوں نے ابوزید بلخی کی ایک اور سوانح لکھی تھی۔ وطن مالوف ہونے کے سبب بلخی کو شامستیاں سے بہت محبت تھی۔ اور جب وہ زندگی میں کامیاب وبامراد ہوئے تو وہیں سکونت اختیار کی اور جائداد وغیرہ بنالی۔ جو بعد میں ان اولاد وافکار کے ہاتھوں میں رہی اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے بلخی کی تاریخ پیدائش ۲۳۶ھ/۸۵۰ء دی ہے۔ زرکلی نے تاریخ پیدائش ۲۳۵ھ دی ہے۔

تعلیم وتربیت

انہوں نے اپنے عہد کے بہترین اساتذہ سے مروجہ علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی تھی۔ یاقوت کے بقول ابوزید بلخی نے زمانے کے رواج کے مطابق اسفار کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے اور بہترین اساتذہ اور شیوخ کاملین کی تعلیم وتربیت سے استفادہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے انہوں نے عراق کا رخ کیا اور حجاج کے ایک قافلے میں شریک ہو کر پیدل روانہ ہوئے اور آٹھ برس مسلسل وہاں قیام کر کے عظیم ترین اور کامل ترین شیوخ سے تعلیم وتربیت حاصل کی۔ زرکلی نے بلا

سند یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے بہت سیاحت کی ہے۔

ان کے شیوخ میں ایک ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی تھے جن کے تمام علوم وفنون پر قدرت حاصل کی۔ بالخصوص فلسفہ میں کہ وہ شیخ کندی کا خاص مضمون تھا۔ اس کے علاوہ علم نجوم، ہیئت وہندسہ، طب اور علم طبائع میں بھی مہارت وحداوقت حاصل کی، انہوں نے اصول دین سے بھی پوری بحث کی اور اس میں مہارت حاصل کی۔ ابوزید بلخی میں غالباً اس بنا پر اپنی صلابت اور اسلامی حمیت کلی طور سے موجود تھی جس نے ان کو پوری زندگی ثابت قدم اور صراط مستقیم پر گامزن رکھا۔ ان کے معاصرین کا کہنا ہے کہ ابوزید بلخی پورے خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے تھے اور علم نجوم سے وہ احکام کا اثبات نہیں کرتے تھے کہ صحیح اعتقاد کا تقاضا تھا۔ بلکہ وہ اصول وقواعد سے ان کو ثابت کرتے تھے۔ بلخ کے امام ومفتی احمد بن محمد بن العباس البزار۔ ابوزید بلخی کے صحیح المذہب ہونے اور حسن اعتقاد کی تعریف کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں ابوزید بلخی امام (اثناعشری) شیعہ تھے لیکن امام الکبری کے زیر اثر وہ صحیح راستہ پر آ گئے تھے۔ عراق کے طویل قیام کے دوران وہ تمام علوم وفنون میں ماہر ہو گئے پھر اپنے وطن واپس چلے گئے۔ وہ ہرات کے راستے بلخ پہونچے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کی علمی شہرت بھی پہونچی۔

تصانیف

بلخی بہت سے علوم وفنون کے ماہر بھی تھے اور مؤلف بھی۔ مختلف سوانح نگاروں نے ان کی متعدد کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یاقوت حموی نے غالباً سب سے جامع فہرست بیان کی ہے جو حسب ذیل ہے ابن ندیم کی فہرست کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے:

۱۔ کتاب اقسام العلوم

۲۔ کتاب شرائع الادیان

۳۔ کتاب اختیارات السیر

۴۔ کتاب السیاسة الکبیر

۵۔ کتاب السیاسة الصغیر

۶۔ کتاب فضل صناعة الکتابة

۷۔ کتاب مصالح الابدان والانفس جو عام طور سے دو مقالوں کے نام سے معروف ہے کہ ان دونوں موضوعات پر مشتمل ہے۔

۸۔ کتاب اسماء اللہ وصفاتہ

۹۔ کتاب صناعۃ الشعر

۱۰۔ کتاب فضیلۃ علم الاخبار

۱۱۔ کتاب الاسماء الکنی والالقاب

۱۲۔ کتاب اسماء الاشیاء

۱۳۔ کتاب النحو والتصریف

۱۴۔ کتاب الصورۃ والمصدر

۱۵۔ کتاب رسالۃ حدود الفلسفۃ

۱۶۔ کتاب مایصح من احکام النجوم

۱۷۔ کتاب الرد علی عبدہ الاوثان

۱۸۔ کتاب فضیلۃ علوم الریاضات

۱۹۔ کتاب فی اقسام علوم الفلسفۃ

۲۰۔ کتاب القرابین والذبائح

۲۱۔ کتاب عصمۃ الانبیاء

۲۲۔ کتاب نظم القرآن

۲۳۔ کتاب قوارع القرآن

۲۴۔ کتاب انقاك والنساك

۲۵۔ کتاب ما اغلق من غریب القرآن

۲۶۔ کتاب فی ان سورۃالحمد تنوب عن جمیع القرآن

۲۷۔ کتاب اجوبۃ ابی القاسم الکعبی

۲۸۔ کتاب النوادر فی فنون شتی

۲۹۔ کتاب اجوبۃ اھل فارس

۳۰۔ کتـاب تـفسیـر صـور" غـالبـاً یہ تفسیر کی کتـاب تھی اور صـور تـصـحـیف ھے سـور ھـونـا چـاھـے کـہ وہ قـرآنـی سورتوں کی تفسیر کے لئے مخصوص تھی۔

۳۱۔ کتاب السماء والعالم لابی جعفر الخازن

۳۲۔ کتاب اجوبة ابی علی بن محتاج

۳۳۔ کتاب اجوبة ابی اسحاق المؤدب

۳۴۔ کتاب المصادر

۳۵۔ کتاب اجوبة ابی الفضل السکری

۳۶۔ کتاب الشطرنج

۳۷۔ کتاب فضائل مکة علی سائر البقاع

۳۸۔ کتاب جواب رسالة ابی علی بن المنیر الزیادی

۳۹۔ کتاب منیة الکتاب

۴۰۔ کتاب البحث عن التاویلات

۴۱۔ کتاب الرسالة السانقه الی العاتب

۴۲۔ کتاب الرسالة فی مدح الوراقة

۴۳۔ کتاب الوصیة

۴۴۔ کتاب صفات الامم

۴۵۔ کتاب القرود

۴۶۔ کتاب فضل الملك

۴۷۔ کتاب المختصر فی اللغة

۴۸۔ کتاب صولجان الکتبة

۴۹۔ کتاب نثارات الکلا م

۵۰۔ کتاب ادب السلطان والرعیة

۵۱۔ کتاب فضائل بلخ

۵۲۔ کتاب تفسیر الفاتحة والحروف المقطعة فی اوائل السور

۵۳۔ کتاب رسول الکتب

۵۴۔ کتاب الی ابی بکر بن المستنیر جو معلمین اور وراقین کی ذمہ داری کے سلسلہ میں مکتوب الیہ کے لئے لکھی تھی تا کہ ان کو سمجھایا جاسکے۔

۵۵۔ کتاب فی شرح حدود الفلسفه نامی کتاب ایک خط تھا جو ابوبکر بن مظفر کو لکھا تھا کہ فلسفہ کے حدود پر بحث کی جاسکے۔

کتاب اخلاق الامم

ابوزید بلخی کے ایک پوتے علی بن محمد بن ابی زید کا بیان ہے کہ انہوں نے تقریباً ستر تالیفات اپنے پیچھے چھوڑی تھیں۔ جن میں سے ابن ندیم نے کل تینتالیس کتابوں کی فہرست دی ہے جس پر یاقوت نے تیرہ کا اضافہ کر کے تعداد پچپن کتابوں تک پہنچائی ہے۔ بقیہ چند کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اور کچھ نے صرف دو تین کا۔ ابوزید بلخی کی کتابوں کی اس طویل فہرست سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو بہت سے مضامین سے دلچسپی تھی اور ان میں انہوں نے کتابیں تصنیف کی تھیں۔ قرآنیات پر ان کی پانچ کتابوں کا ذکر ملتا ہے جن میں سے نظم القرآن کی تعریف ان کے معاصرین، تلامذہ اور دوسرے اہل علم نے بہت کی ہے مگر سورہ فاتحہ اور اس کی تفسیر اور دوسری کتابیں بھی کلام الٰہی کے اسرار و حقائق کو واضح کرنے میں بہت امتیاز رکھتی ہیں۔ اسی طرح ان کی دوسرے علوم وفنون پر کتابوں کا حال ہے۔ ان کی کتاب کمال الدین کے حاشیہ پر ابوالحسن الحدیثی نے امام ابوبکر فقیہ کی رائے تحریر کی ہے کہ اسلام میں ابوزید بلخی کی مصنفہ کتاب کمال الدین سے زیادہ مسلمانوں کے لئے نفع بخش کتاب نہیں لکھی گئی تاویلات وتفسیرات سے بحث کرتی ہے۔

مشاغل حیات

ابوزید احمد بن سہل بلخی اپنے علم وفضل اور مقام ومرتبہ کی وجہ سے امراء اور ملوک کے ہاں بھی

بہت قدر و منزلت رکھتے تھے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ امیر بلخ احمد بن سہل بن ہاشم نے ایک بار ہندو کے کسی علاقے کی فتح کے بعد ایک بے انتہا قیمتی ہار حاصل کیا تو ایک رات اپنے دو عظیم علمی دوستوں ابوزید بلخی اور ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود کعبی کو اس کے قیمتی اور بے بہا بوہر سے نوازا اور ابوزید بلخی نے ان کی قیمت سے ایک بڑی جائداد خرید کر اپنے وطن کی جائداد میں اضافہ کیا۔

مذکورہ بالا امیر بلخ کے بارے میں یاقوت حموی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مسند امارت پر فائز ہونے کے بعد ابوزید بلخی کو وزیر بنانا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا، تب امیر نے ابوالقاسم کعبی کو وزیر اور ابوزید بلخی کو اپنا کاتب بنایا کہ یہ منصب ان کے علم وفضل کی راہ میں رکاوٹ نہ تھا۔ ان دونوں صاحبان علم کی امیر بلخ نے بہت قدر و منزلت کی۔ اور ان دونوں کی تنخواہ بالترتیب نوسو اور چھ سو درہم مقرر کی۔ ابوعبداللہ البشاری مولف کتاب البلدان نے لکھا ہے کہ امیر خراسان نے ابوزید بلخی کو بخارا بلایا تا کہ وہ ان کے امور سلطنت میں ان کی مدد کریں۔ جب وہ دریائے جیون پر پہونچے اور اس کا تلاطم دیکھا تو ان کو خط لکھا کہ آپ نے میری اصابت رائے کے سبب مجھے طلب فرمایا تھا۔ اگر میں نے اس دریا کو عبور کر لیا تو میں صاحب رائے نہیں رہ جاؤں گا کیونکہ میری رائے اسکو پار کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ امیر خراسان نے خط پڑھا تو ان کی ذکاوت پر تعجب کیا اور ان کو بلخ واپس جانے کی اجازت دے دی۔

مقام و مرتبہ

بلخی اپنے معاصرین، تلامذہ اور اصحاب علم وفضل میں ہمیشہ ممتاز مقام کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے ایک شاگرد ابومحمد حسن ابن الوزیری کا بیان ہے کہ امام بلخی باوقار، اپنے نفس پر ضبط رکھنے والے، عمدہ اخلاق والے، زبان کے پکے اور عمدہ بیان والے تھے۔ وہ بہت سے رسائل اور تالیفات کے مالک ومولف تھے۔ گفتگو کرتے تو ان کے منہ سے پھول اور موتی جھڑتے، وہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق عمدہ زبان قول حسن والے شخص تھے۔ اور قرآن مجید کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے (یعنی خلق قرآن) کے عقیدہ سے وہ پاک ومنزہ تھے البتہ تاویل وتفسیر اور مشکل کی وضاحت کے قائل تھے۔ نظم قرآن میں ان کی کتاب اس فن کی عظیم ترین کتابوں میں ہے بلکہ اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔ ابوحامد القاضی کا بھی یہی بیان ہے کہ ابوزید بلخی کی کتاب قرآن سے بہتر دوسری اور ان کی نظر سے نہیں

گذاری، اگر چہ وہ فلسفہ کے فاضل تھے اور اسی کے مطابق کلام کرتے تھے۔ لیکن قرآن مجید کے بارے میں انہوں نے بہت لطیف کلام کیا ہے جو بہت سے مواقع پر رفیق بھی ہے اور اس کے سربستہ رازوں کو کھولتا ہے اگر چہ کتاب کا نام نظم القرآن ہے تاہم وہ قرآن کریم کے تمام مثال سے بحث نہیں کرتی۔

وزیری یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ صحابہ کرام میں بعض کی بعض پر تفصیل کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور اس موضوع پر کلام کرنے سے اجتناب کرتے تھے اس طرح وہ عرب وعجم کے مفاخرہ پر بھی سکوت اختیار کرتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ ان تینوں مناظروں میں نہ معقول بات کہی جا سکتی ہے اور نہ اس کا کوئی حاصل ہے۔ اور اپنے اس مسلک کے سلسلہ میں وہ قرآن کریم کی آیات سے استشہاد کرتے تھے۔

بعض اہل ادب کا کہنا ہے کہ کلام کے فن کے ماہرین کے مطابق عالم کے تین اصل متکلمین ہیں: جاحظ، علی بن عبیدہ لطفی اور ابوزید بلخی، ان میں بعض ایسے ہیں جن کے الفاظ ان کے معانی سے زیادہ ہوتے ہیں اور وہ جاحظ ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کے معانی الفاظ سے زیادہ ہوتے ہیں وہ علی بن عبیدہ ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کے الفاظ ومعانی میں کامل موافقت ہوتی ہے اور وہ ابوزید بلخی ہیں۔ ابوحیان نے اپنی کتاب النظائر میں لکھا ہے کہ ابوزید بلخی کو عراق میں خراسان کا جاحظ کہا جاتا ہے۔ مرزبانی کے مطابق وہ محدث ثقہ تھے۔ یاقوت حموی نے ابوزید بلخی کی ذہانت فطانت اور حسن اخلاق کے بعض واقعات بھی نقل کئے ہیں۔ شہرستانی نے ان کو حکمائے اسلام میں شمار کیا ہے۔ زرکلی نے ان کو علماء اسلام میں عظیم ترین اور نادرۂ روزگار اہل علم میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ انہوں نے شریعت، فلسفہ اور ادب وفنون میں خالص اجتماع پیدا کیا تھا۔

وفات

ابوزید دمشقی نے ابوزید بلخی کی وفات اور ان کے آخری دن کے واقعات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں جو ان کے حسن خاتمہ کے شاہد ہیں۔ ان کی وفات جمعہ ۲۰ ر ذی القعدہ ۳۲۲ھ کو نماز عشاء کے بعد استغفار کرتے ہوئے اور کلمہ شہادت کا ورد کرتے ہوئے واقع ہوئی۔ اسی سال سے زیادہ عمر پا کر ۱ اکتوبر ۹۳۴ء میں انتقال ہوا اور بلخ میں تدفین ہوئی۔ لیکن حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ ان کی تاریخ وفات ۳۴۰ھ ہے۔

مطہر بن طاہر مقدسی

(م۳۵۵ھ/۹۶۶ء)

سوانح نگاروں نے دوسرے مولف و مورخ مطہر بن طاہر مقدسی کے بارے میں بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔ اور جو کچھ ملتی ہیں وہ اتنی ناکافی ہیں کہ ان کی بنا پر ان کے سوانحی خاکہ میں رنگ نہیں بھرا جاسکتا۔ بہرحال جو تھوڑی بہت معلومات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مورخ ہے اور بیت المقدس کی طرف منسوب ہونے کے سبب مقدسی کہلاتے تھے۔ غالباً وہ ان کا مولد و مسکن تھا لیکن یہ حقیقت بھی سوانح نگاروں نے نہیں بیان کی ہے۔ مقدس نام کے کئی اہل علم ہوئے ہیں لہٰذا ان کے نام سے ان کو یاد کرنا زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ان کا نام حاجی خلیفہ اور زرکلی کے بقول مطہر بن طاہر مقدس تھا۔ ان کی تاریخ ولادت کا علم نہیں اور نہ ہی ان کے دوسرے سوانح کا۔ روایت کے مطابق ان کی وفات ۳۵۵ھ/۹۶۶ء کے بعد کسی وقت ہوئی تھی۔ کلمان ہوار نے ان کو بعض اجزاء کتاب میں مصنف کتاب البدء والتاریخ کہا ہے۔ لیکن حاجی خلیفہ کا کہنا ہے کہ وہ معروف و مشہور بات یہی ہے کہ ابوزید بلخی اس کتاب کے مولف تھے۔ ان کی تائید صاحب فریدۂ العجائب نے بھی کہا ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ کتاب البدء والتاریخ میں اسلامی تاریخ کا سلسلہ ۳۵۵ء تک دراز ہے جب کہ بلخی کا انتقال ۳۲۲ھ میں ہوگیا تھا۔ حاجی خلیفہ کے مطابق مولف بلخی کی تاریخ وفات ۳۴۰ھ ہے اور کتاب ابتداء خلق سے ان کے معاصر زمانے کی تاریخ کے ۳۲۳ھ کے کچھ بعد تک واقعات پر مشتمل ہے اور وہ صرف ایک جلد میں ہے۔ جب کہ موجودہ نسخہ چھ اجزاء میں چھپا ہے۔

کلمان ہوار کے بقول مطہر مقدسی کی ولادت بجستان کے شہر نسبت میں ہوئی تھی بروکلمان نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس شہر میں ان کی وفات بھی ہوئی۔ حاجی خلیفہ کا کہنا ہے کہ مجھے ان کی سوانح کہیں بھی نہیں مل سکی۔ زرکلی کا دعوی ہے کہ اہل تحقیق میں سے اکثر مطہر بن طاہر مقدسی ہی کو اس کتاب کا مصنف سمجھتے ہیں اور اس کتاب کی بلخی کی طرف نسبت کرنے کی روایت بصیغہ مجہول نقل کی ہے۔

طریقۂ تالیف

حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ کتاب البدء والتاریخ ایک مفید اور مہذب کتاب ہے اور قصہ گوؤں کے خرافات اور مزخرفات سے پاک ہے کیونکہ مولف گرامی شیخ امام ابوزید احمد بن سہل بلخی (متوفی ۳۴۰ھ) تخلیق کائنات کے آغاز وانتہا دونوں کے بیان میں صحیح ترین اسناد (صحاح الاسانید) کی پیروی کرتے ہیں۔ انہوں نے قدیم کو ثابت کیا ہے اور اختلاف ونظر کو محدود رکھا ہے۔ پھر تخلیق کے آغاز سے شروع کر کے انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان کرتے ہیں، امتوں اور قوموں کی تاریخ واخبار نقل کرتے ہیں اور ملوک وخلفاء کی تواریخ کو اپنے زمانے تک لاتے ہیں یعنی (۳۲۳ھ کے کچھ بعد تک)۔ حاجی خلیفہ کے اس بیان اور ہمارے تجزیہ کتاب سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا کتاب عالمی تاریخ اسلامی پر مشتمل ہے اور سیرت نبوی اس میں ایک باب کی مانند زیر بحث لائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب کی اولین تیرہ فصلوں کا تعلق قبل از اسلام تاریخ وواقعات اور مقالات سے ہے، چودھویں فصل پس منظر فراہم کرتی ہیں اور پندرہ تا اٹھارہ فصلیں سیرت کا موارد بحث ہے۔

مؤلف بلخی/مقدسی کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ موضوعات کے اعتبار سے اپنے ابواب وفصول قائم کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ سیرت اور اسلامی تاریخ کے علاوہ دوسرے موضوعات وامور میں بھی اپنایا گیا ہے۔ لیکن مدنی عہد کی سیرت طیبہ کو انہوں نے بھی سنہ وار تاریخ (Annalistic) بنا دیا ہے اور غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ اسی میں آسانی تھی۔ ۱۱ھ کے واقعات کے بیان کے بعد کتاب البدء والتاریخ پھر موضوعاتی ترتیب وانداز اختیار کر لیتی ہے کہ ترتیب سے آباء واجداد، اولاد، ممالیک وعبید، دواب وشرائع وغیرہ بیان کرتی ہے۔

محدثین اور محدث مورخین کی مانند مؤلف کتاب البدء والتاریخ نے سلسلہ اسناد تو نہیں دیا

لیکن وہ واقعات سیرت میں اہم مصادر و مآخذ کی نشاندہی برابر کرتے جاتے ہیں۔ ان کے دو بنیادی مآخذ ابن اسحاق اور واقدی معلوم ہوتے ہیں کہ ان کا حوالہ برابر دیتے ہیں۔ ان کے دوسرے مآخذ ہیں ابوعبیدہ کا نام بھی کئی جگہ آیا ہے۔ بعثت نبوی اور تنزیل وحی کے باب میں ان کی بیان کردہ روایت امام بخاری کے مماثل ہے کہ دونوں ایک ہی مصدر یعنی امام زہری سے مروی ہیں۔

مؤلف کتاب البدء والتاریخ کے بعض اختلافی مباحث میں یا مختلف فیہ روایات میں محاکمہ کرکے اپنی پسندیدہ یا ترجیحی روایت بھی دیتے ہیں مثلاً تاریخ ولادت نبوی کے مسئلہ پر وہ ابن اسحاق کی روایت بھی نقل کرتے ہیں لیکن ۲ ربیع الاول کی تاریخ کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہی انداز بعض دوسرے واقعات سیرت کے سلسلہ میں اپنایا ہے۔ تاریخ کی تعیین میں وہ کبھی کبھی زائچہ بھی بیان کرتے ہیں جس سے ان کی ترجیحی روایت کی تائید ہوتی ہے۔

سیرت نبوی کے واقعات میں ان کا انداز دوسرے سیرت نگاروں کی مانند ہے کہ وہ تمام واقعات و حالات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے جاتے ہیں لیکن ان میں مولف گرامی کا امتیاز یہ بھی ملتا ہے کہ وہ بسا اوقات نئی معلومات دیتے ہیں یا واضح طریقہ بیان اپناتے ہیں جیسے تقویم اسلامی کے سلسلہ میں ان کی رائے، یا مکی طریقہ تجارت پر ان کی مختصر تبصرہ، ہجرت حبشہ کے سلسلہ میں ان کا بیان و طریقہ زیادہ واضح ہے۔ اس کے مطابق دو ہجرتیں ہوئی تھیں، پہلی ہجرت کے امام حضرت عثمان بن عفان تھے اور دوسری کے حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمی، اور پہلی ہجرت کے مہاجرین اپنے امام سمیت جب مکہ واپس آگئے تھے تب دوسری ہجرت ہوئی تھی۔ ان کے اس بیان سے یہ گتھی سلجھ جاتی ہے کہ ہجرت حبشہ کے دوران کون مسلم لیڈر تھا اور کس نے دربار نجاشی میں تقریر کی تھی کیونکہ بعض روایات میں دونوں اصحاب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تصریح ملتی ہے کہ وہ امام وخطیب تھے۔ خیبر میں مرحب کے قاتل کی حیثیت سے حضرت محمد بن مسلمہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کا واضح بیان ہے کہ شیعہ کے نزدیک حضرت علی نے ان کو قتل کیا تھا۔ وہ اس روایت کو نہ صرف غلط قرار دیتے ہیں جب کہ حضرت علی کے بارے میں شیعی غلو پر بھی کلام کرتے ہیں۔

مؤلف بلخی کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ وہ ہر موضوع اور ہر مقام کی مناسبت سے قرآن مجید کی آیات کریمہ لاتے ہیں اور ان سے استدلال واستشہاد کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان کے بارے میں یہ کہا

جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کو بھی انہوں نے ایک تاریخی و سیرت مآخذ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ان کی قرآنی آیات اتنی برمحل اور مناسب وموزوں ہوتی ہیں کہ وہ متعلقہ واقعات کی تصدیق وتائید کامل کرتی ہیں۔غالباً سیرت نگاروں میں کسی اور نے قرآنی آیات سے اس طرح استدلال کرنے کا التزام نہیں کیا ہے ان سے آیات قرآنی کی شان نزول بھی متعین کی جاسکتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید پر مؤلف کی نظر کتنی گہری تھی ۔ یہ حقیقت یہ بھی ثابت کرتی ہے کہ اس کتاب کے اصل مصنف بلخی تھے کہ مورخ مقدسی کی نظر قرآن مجید پر اتنی وسیع تھی۔

مدنی عہد حیات نبوی ﷺ کے دس گیارہ برسوں کے نام پہلے پہل اسی کتاب میں ملتے ہیں۔ان کا حوالہ مورخ مسعودی کے یہاں بھی آیا ہے۔غالباً مسعودی نے یہ معلومات یا نام بلخی ہی سے لئے تھے۔

ہر سنہ ہجری کے واقعات کا ذکر بالعموم غزوات وسرایا کے شمار سے کرتے ہیں۔ان کی تفصیلات بہت کم دیتے ہیں اور پھر اس برس کے تمدن اور معاشرتی واقعات اور اسلامی احوال وکیفیات کا بھی برابر ذکر کرتے ہیں جیسا کہ مورخ طبری کے ہاں ہمیں ملتا ہے۔اگرچہ درمیان میں کتاب البدء والتاریخ سنہ وار واقعات بیان کرنے کے بعد موضوعاتی بن جاتی ہے مگر اس کا خاتمہ وفات نبوی کے بیان پر ہوتا ہے جس کے بعد صحابہ کرام میں سے اہم ترین (افاضل) کی مختصر سوانحی عمریوں پر مشتمل ایک فصل دی ہے۔

بعض مسلمہ واقعات وسنین سے ان کے ہاں اختلاف بھی ملتا ہے جیسے عام سیرت نگاروں اور مورخین اسلام نے ۹ھ کو عام الوفود بتایا ہے لیکن مؤلف کتاب البدء والتاریخ کے نزدیک ۱۰ھ عام الوفود ہے کہ اس سال وفود کثرت سے آئے تھے۔یہ تحقیق طلب بات ہے کہ تجزیہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کس کا بیان زیادہ حقیقت آمیز ہے۔ ۶۲۰ء میں چھ مدنیوں کے قبول اسلام کے سلسلہ میں ''اوس کے چھ افراد'' کا ذکر ملتا ہے مگر وہ خزرج کی تصحیف یا کتابت کی غلطی معلوم ہوتا ہے۔اولاد نبوی کی فصل میں ترتیب میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ آغاز وہ حضرت رقیہؓ کے سوانحی خاکہ سے کرتے ہیں اور پھر حضرت زینب، ام کلثوم اور فاطمہ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

اسلامی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ مؤلف بلخی نے قرب وجوار کے ممالک کے واقعات بالخصوص ایران کے بعض اہم واقعات کو بھی اشاتا بیان کیا ہے جیسے وہ ملکہ بوران کی تخت نشینی، خسرو پرویز

کے قتل، اس کے فرزند کی موت اور ایران و روم کی جنگ اور ہرقل کی فتح وغیرہ کا بھی اسی سنہ کے واقعات میں حوالہ دیے جاتے ہیں۔

اپنی انہیں گوناگوں خصوصیات کی بنا پر بلخی کی کتاب سیرت ایک اہم مصدر بن کر ابھرتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا اختصار اور وضوح ہے تقریباً دو سو صفحات میں جو کافی جلی طباعت پر مشتمل ہیں وہ پوری سیرت نبوی کو آنکھوں کے آگے اجاگر کر دیتی ہے۔

مصادرو مآخذ

ابوحیان توحیدی الامتاع والموانسہ، لجنۃ التالیف قاہرہ ۱۹۵۳ء، دوم ص ۱۵

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، مقالہ البلخی (ڈی ایم ڈنلپ MD. Dunlop)

بروکلمان، تکملہ، اول ص ۲۲۲

البیہقی تتمہ صوان الحکمۃ طبع محمد شفیع لاہوری ص ۲۷-۲۶

حاجی خلیفہ کشف الظنون مطبعہ بہیہ مصر ۱۹۴۳ء، اول ص ۲۲۷

ذہبی لسان المیزان اول ص ۱۸۳

زرکلی الاعلام اول ص ۱۳۴ (بلخی) جلد ہفتم ص ۲۵۳ (مقدسی)

- خریدۃ العجائب، ۲۴۹

- الفاطمیون فی مصر، سوم ۲۲۲

سرکیس معجم المطبوعات ص، ۲۴۱

مقریزی خطوط مصر، بولاق، اول ص، ۱۱۵

یاقوت حموی معجم الادباء عیسی البابی الحلبی مصر، سوم ۱۹، ص ۸۶-۶۴

ابوزید احمد سہل بلخی (م ۳۲۲ھ/ ۹۳۴ء)
مطہر بن طاہر المقدسی (م ۳۵۵ھ/ ۹۶۶ء)
کی سیرت نبویؐ

اسلامی تصنیف وتالیف کی تاریخ میں ایک روایت یہ بھی رہی ہے کہ بعض کتابوں کے مؤلفین ومصنفین کے صحیح تعیین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کتابوں کے تالیف کرنے والوں کا پتہ ہی نہیں چلا۔ ان کے بارے میں ہماری معلومات ناقص کہی جاسکتی ہیں لیکن جن کتابوں کے مؤلفین کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے ان پر کلام کچھ داخلی اور کچھ خارجی شہادتوں کی بنا پر کیا جاتا ہے اور صحیح مؤلف کے نام وکام کی تعیین کی جاتی ہے۔ پھر بھی شبہ باقی رہ جاتا ہے جو مورخین اور صاحبان علم وفضل کو مختلف نتائج تک لے جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک کتاب سیرت وتاریخ کتاب البدء والتاریخ ہے۔

بعض علماء اور مورخین کتاب کا خیال ہے کہ یہ کتاب اصلاً چوتھی/ دسویں صدی کے اہم عالم وماہر جغرافیہ امام ابوزید احمد بن سہل بلخی کی ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں یہی تصریح کی ہے۔ مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ کتاب دراصل چوتھی/ دسویں صدی کے ایک دوسرے عالم ومورخ وجغرافیہ نویس مطہر بن مقدسی کی تحریر کردہ ہے اور غلطی سے امام بلخی کی طرف منسوب کردی گئی ہے۔ ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس تاریخی مصدر میں اسی زمانے کے حالات وواقعات کا بھی تذکرہ ملتا ہے جو امام بلخی کی وفات کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرے بعض اور قدیم سوانح نگاروں نے امام بلخی کی کتابوں اور تصانیف میں کتاب البدء والتاریخ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جب کہ مطہر مقدسی اپنی اس کتاب کے سبب ہی شہرت رکھتے ہیں۔

بہر حال صورت حال کافی پیچیدہ ہے اور کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ فرانسیسی عالم و محقق کلمان ہوار، جنہوں نے پیرس سے ۱۸۹۹ء میں یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع کی اور اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی کیا ہے، شک وشبہ اور گوناگوں کی کیفیت کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے متن کتاب میں تو کوئی مقدمہ وغیرہ لکھا نہیں، فرانسیسی ترجمہ کا علم ہمیں نہیں البتہ سرورق کتاب پر ان کی علمی بے احتیاطی کا نشان ملتا ہے۔ جلد اول کے سرورق پر اس کو ابوزید احمد بن سہل بلخی کی کتاب لکھتا ہے، مگر جلد چہارم کے سرورق پر اس کو امام بلخی کی طرف منسوب بتایا ہے اور اصل مصنف مطہر بن طاہر مقدسی کو قرار دیا ہے۔ اور یہی صورت حال پانچویں جلد کے سرورق کی ہے انہیں دونوں موخر الذکر جلدوں میں سیرت نبوی کا مواد موجود ہے۔

مصنف اصلی کی تعیین سے قطع نظر یہ حقیقت اپنی جگہ تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ کتاب البدء والتاریخ میں موجود مذکور مواد سیرت بہت اہم ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اس کو اہل علم کے سامنے از سر نو لایا جائے اور اس کی خصوصیات اجاگر کی جائیں تاکہ سیرت نبوی کا ایک قدیم اہم مصدر نہ صرف منصۂ شہود پر آسکے بلکہ سیرت نبوی سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم وقلم اس سے استفادہ بھی کر سکیں۔

کلمان ہوار کی شائع کردہ کتاب البدء والتاریخ دراصل عالمی اسلامی تاریخ کی کتاب ہے جس کی پہلی تین جلدیں ابتدائی تاریخ سے متعلق ہیں اور چوتھی جلد کے اولین ایک سو صفحات بھی اسلامی تاریخ یا سیرت سے پہلے کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ چوتھی جلد ۲۴۲-۱۰۵ صفحات اور پانچویں جلد کے ۶۹ صفحات سیرت نبوی کے لئے وقف ہیں، یعنی تقریباً دو سو سات صفحات جو چار فصول پر مشتمل ہیں۔ چودھویں فصل اسلامی تاریخ یا سیرت نبوی سے براہ راست تو متعلق نہیں تاہم وعربوں کے انساب وایام کا بیان پیش کرتی ہے جو سیرت نبوی کا پس منظر ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اجداد وآباء کا ذکر اسی فصل میں ہے۔ اسمٰعیل اور غیر اسمٰعیل نسب عرب پر اختلاف کا ذکر کر کے مؤلف گرامی نے حضرت اسمٰعیل سے ان کے نسب کا سلسلہ نیچے کی پیڑھیوں تک درجہ بدرجہ اور نسل در نسل بیان کیا ہے۔ نزار، معد وعدنان سے ہوتے ہوئے لوی بن غالب، قصی بن کلاب، بنو عبد مناف، عبد المطلب، عبد اللہ بن عبد المطلب، والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری وغیرہ کا نسب اور ان کے بعض حالات وواقعات بیان کیے ہیں، اس فصل میں اشعار بھی ہیں۔ پھر اہل یمن کے نسب پر بحث

کی ہے۔نسب اوس وخزرج پر کلام بھی اس میں شامل ہے۔ان کے علاوہ دوسرے قبائل عرب جیسے ربیعہ،قیس عدنان کا ذکر بھی ہے۔پھر روساء مکہ کی تاریخ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے جدامجد نبوی تک بیان کی ہے اس طرح مدینہ کے رؤساء کی تاریخ بھی مختصراً نقل کی ہے (۳۰-۱۰۵)

پندرہویں فصل سے سیرت نبوی شروع ہوتی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت ونشو ونما اور بعثت تا ہجرت یعنی پورے مکی دور حیات کے واقعات کی تفصیل وتشریح کی ہے۔حضرت آدم علیہ السلام تک نسب نبوی کو بیان ضرور کیا ہے مگر اس تصریح کے ساتھ کہ عدنان تک نسب متفقہ ہے اور اس کے اوپر مختلف فیہ۔ ولادت نبوی کی تاریخ ۸/ ربیع الاول عام الفیل۔اس سال کی اول تاریخ یعنی محرم سے متعین کی ہے اور متعدد دوسرے واقعات اور تقدیموں کی تاریخیں دینے کے بعد بیان کی ہے۔ ابن اسحاق کی بیان کردہ ۱۲/ ربیع الاول بھی ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ علم نجوم پر مبنی زائچہ بھی دیا ہے۔ مقام ومکان ولادت کے علاوہ بعض واقعات ومعجزات بھی بیان کئے ہیں۔رضاعت حلیمہ کے بارے میں ابن اسحاق کی روایت نقل کیا ہے اسی طرح والدہ ماجدہ کی مدینہ کے رشتہ داروں کی زیارت سے واپسی پر ابواء میں وفات،حضرت ام ایمن کے ہمراہ واپسی ، دادا عبدالمطلب کی کفالت ابوطالب کی کفالت، ان کے ساتھ سفر شام، بحیرا راہب کا واقعہ، بے داغ نشو ونما اور گندگی سے محفوظیت الامین الصدوق کا خطاب ملنا، بیس سال کی عمر مبارک میں ابن اسحاق وواقدی کے مطابق اور چودہ برس کی عمر میں ابوعبیدہ کی روایت کے مطابق جنگ فجار میں شرکت ،سبب وتسمیہ فجار، حلف الفضول میں شرکت وغیرہ دوسرے موضوعات ہیں۔پھر ذیلی سرخی کے تحت حضرت خدیجہ کے مال کے ساتھ سفر شام کا ذکر کیا ہے، اس بیان میں مکی عرب تجارت کا طریقہ واقدی کی روایت کے ساتھ موجود ہے۔پھر نئی سرخی سے حضرت خدیجہ سے آپ کے نکاح وغیرہ کی تفصیلات بھی واقدی سے نقل کی ہیں۔اولاد نبوی کے بارے میں واقدی کے علاوہ ابن اسحاق کی روایت بھی ہے جس کے مطابق دو فرزند تھے جو اسلام سے قبل وفات پا گئے اور چار دختر میں تھیں جنہوں نے اسلام کا زمانہ پایا۔اگلی بحث نئی سرخی کے ساتھ تعمیر کعبہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے جو آپ کی عمر شریف کے پینتیسویں سال کا واقعہ ہے۔(۴۰-۱۳۱)۔

اسی پندرہویں فصل میں امام بلخی/ مقدسی نے ذکر المبعث ونزول الوحی کی نئی سرخی کے ساتھ آپ کی بعثت کے آغاز وتنزیل قرآن کریم کا ذکر کیا ہے۔چالیس سال کی عمر شریف میں پہلے رویا، آواز

،خیال کی تمثیل سے اس کا آغاز ہوا پھر قرآن کی تنزیل ہوئی۔ مکی قیام کی مدت اور تنزیل قرآن کی مدت بھی بیان کیا ہے۔ امام زہری سے ابن اسحاق کی روایت نزول وحی جو امام بخاری نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ تاریخ تنزیل، آیات تنزیل اور غار حراء کی دوسری تفصیلات کے علاوہ حضرت خدیجہ کے رول کا بھی ذکر ہے۔ اس میں کئی اشعار بھی ہیں اور آیات قرآنی بھی۔ راویوں میں عبید بن عمیر لیثی، زہری وغیرہ کی روایات ہیں۔ حضرت خدیجہ کے نماز پڑھنے اور اول مسلمان ہونے کے علاوہ حضرت ورقہ بن نوفل کے تصدیق کرنے اور اظہار دعوت سے قبل وفات پانے کا ذکر ہے۔ بعض کتب تاریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ بعثت اور قریش کے ستاروں کو ٹوٹتے دیکھنے کے درمیان بیس دن کا فرق تھا۔ آیات وحدیث سے اس کو مدلل کیا ہے۔ پھر فترۃ الوحی کی سرخی کے تحت اس کا ذکر کیا ہے اور ابن عباس کی روایت نقل کیا ہے۔ جس کا خاتمہ سورۂ مدثر کی تنزیل پر ہوا (۴۵-۱۴۰)۔

اولین مسلمانوں پر مورخین اور سیرت نگاروں کے اختلاف کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت خدیجہ کو اولین بتایا ہے اور ان کے بعد علی، زید اور ابوبکر کو اور اس سلسلہ میں ابن اسحاق کی روایت نقل کی ہے اور واقدی کی بھی جن کے مطابق اولین چار حضرات کے بعد چار مزید اشخاص دعوت صدیقی پر ایمان لائے اور سعد بن ابی وقاص کے بارے میں واقدی کی روایت آئی ہے۔ متعدد دوسرے اولین مسلمانوں کے بارے میں روایات ہیں پھر دارارقم میں داخلہ اور قیام نبوی کا ذکر ہے اور تین سالہ خفیہ تبلیغ کے بعد علانیہ دعوت کے آغاز کا ذکر ایک نئی سرخی کے تحت کیا ہے۔ اس میں ابوطالب سے رؤساء وشیوخ قریش کی ملاقاتوں اور مخالفتوں اور اذیتوں کا ذکر ہے، جابجا قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے (۴۹-۱۴۵)۔

بعثت کے پانچویں سال پہلی ہجرت ہونے کا ذکر نئے عنوان سے کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ اس میں گیارہ افراد گئے تھے جن کے امیر حضرت عثمان بن عفان تھے۔ اسی زمانے میں سورہ النجم کے سجدہ کا واقعہ پیش آیا جس سے خبر اڑ گئی کہ قریش مسلمان ہو گئے، تو حضرت عثمان اپنے اصحاب سمیت واپس آ گئے۔ مگر پھر جب ابتلاء وآزمائش کی چکی چلی تو حکم نبوی پر دوسری ہجرت حبشہ ہوئی، جس میں تراسی مسلمان رفتہ رفتہ گئے۔ اور ان کے امیر حضرت جعفر بن ابی طالب تھے، اس میں بعض اشعار بھی ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر کی مہاجرت اور ابن الدغنہ کا واقعہ بیان کیا ہے جس کے متصلاً بعد دربار نجاشی میں حضرت جعفر کی تقریر اور اس کے تاریخی پس منظر کو بیان کیا ہے اور اس کا خاتمہ قریش وفد کی ناکام واپسی

اور مسلمان مہاجرین حبشہ کی خیبر کے زمانے میں مدینہ آمد پر کیا ہے (۵۳-۱۴۹)۔

شعب ابی طالب/ بنی ہاشم میں مسلمانوں کی محصوری کا واقعہ معہ اس کی مدت سہ سالہ بیان کیا ہے جس میں زیادہ زور صحیفہ کے دیمک کے چاٹنے کے سبب ختم ہونے پر ہے۔ اس میں چار شعر بھی ہیں جو ابوطالب کے بتائے گئے ہیں۔ محاصرہ کے خاتمہ پر ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کا ذکر واقدی کے قول کے مطابق کیا ہے۔ اور پھر قریش مظالم کا ذکر کر کے سفر طائف کا مقصود یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے مدد کے خواہاں تھے۔ سفر طائف کا بیان الگ عنوان سے مختصراً کیا ہے۔ اور واپسی کے سفر میں جنات کی ملاقات اور اسلام لانے کا بیان ہے۔ مؤلف گرامی بلخی/مقدسی نے دو الگ الگ عناوین قصہ الجن الاولی اور قصہ الجن الثانیۃ کے تحت اس کی تفصیل دی ہے۔ ان دونوں میں نصیبین کے جنات کا ذکر ہے سات جنات کے قبول اسلام اور دعوت حق کے بعد تین سو کے قریب دوسرے جنات نے حجون میں اسلام قبول کیا۔ ان دونوں میں قرآن کی آیات اور سورۂ ملک وسورۂ جن کا ذکر بھی ہے۔ اسی سے متعلق و متصل سورۂ روم کے حوالے رومیوں کی فتح کی پیشگوئی اور اس کا پورا واقعہ مختصر بیان کر دیا ہے۔ (۵۹-۱۵۳)

ایک ذیلی سرخی کے تحت اسری اور معراج کا واقعہ بیان کیا ہے۔ پہلے اس اختلاف علماء کا ذکر کیا ہے کہ بعض اسری اور معراج دونوں کو ایک مانتے ہیں پھر معراج کی حقیقت پر بحث کی ہے کہ وہ رویا تھی یا جسمانی حقیقت۔ اس ضمن آیات، احادیث اور روایات نقل کی ہیں۔ سیرت نگاروں میں ابن اسحاق اور واقدی، بالخصوص موخر الذکر کی مفصل روایت وسوانح بیان کی ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی کی روایات یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں۔ مؤلف گرامی حسب معمول آیات قرآنی سے بھی اس بیان کو برابر آراستہ وپیراستہ کیا ہے۔ (۶۴-۱۵۹)۔

مؤلف گرامی نے "ذکر مقدمات الھجرۃ اول من ھاجر" کی نئی اور نادر سرخی کے تحت رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت دعوت بیان کی ہے کہ ہر موسم میں آپ سوق عکاظ وسوق ذوالنجار اور سوق الجنہ کے قبائل سے ان کے قیامگاہوں اور جلسوں میں ملاقات فرماتے اور دن کو دعوت اسلام دیتے۔ اس کے بعد ۱۱ھ بعثت میں چھ روسی حضرات (ستۃ نفر من الاوس) سے ملاقات کا ذکر کیا ہے، پھر دوسرے سال بارہ سے ملاقات/ بیعت عقبہ اول اور تیسرے سال بہتر انصار کرام کی بیعت

ثانیہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی تمام تفصیلات بھی دی ہیں، خاتمہ اشعار پر کیا ہے (۶۷-۱۶۴) پھر اذن نبوی سے مکی مسلمانوں کی ہجرت شروع ہونے اور اولین مہاجروں کے مہاجرت کا کچھ مفصل ذکر ہے (۶۸-۱۶۷)۔

"ذکر دار الندوۃ" کے عنوان سے قریش مشاورت برائے قتل نبوی اور ہجرت نبوی کا واقعہ معہ اسکے بعض مراحل کے بیان کیا ہے جیسے ذکر لیلۃ الدار، ذکر حدیث الغار، ذکر خروج سراقۃ، حضرت ابوبکر کے ساتھ غار ثور سے مدینہ روانگی اور قبا آمد اور راستہ میں بعض بزرگ صحابہ کرام کی ملاقات دہرایا، پھر اس فصل میں اہل علم کے اختلاف کے لئے ایک نئی ذیلی سرخی قائم کر کے تمام مختلف فیہ مسائل و مراحل اور واقعات و روایات کا ذکر کیا ہے جیسے سراقہ کے گھوڑے کے پیروں کا دھسنا، ام معبد کی بکری کا دودھ دینا، ہجرت کی رات محاصرہ کرنے والوں کا بے بصر ہونا، دارالندوۃ میں ابلیس کا کلام کرنا، معراج و سری کے واقعات، روم اور جن کا قصہ، صحیفہ کو دیمک زدہ ہونا، دوران سفر آپ پر بادل اور شجر کا سایہ کرنا، بحیرا اور ورقہ کی پیشگوئی، ولادت کے وقت کے معجزات وغیرہ یہ فصل کافی قیمتی معلومات و مباحث پر مبنی ہے (۷۶-۱۶۸)۔

سولہویں فصل کتاب البدء والتاریخ بلخی/مقدسی رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد کے واقعات کے علاوہ آپ کے تمام سرایا وغزوات اور دوسرے واقعات پر مشتمل ہے اور وفات تک کے حالات بیان کرتی ہے۔ اس کی تصریح مؤلف نے عنوان ہی میں کر دی ہے۔ مدینہ آمد کی تاریخ دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول بوقت شدت ضحیٰ سے بیان شروع ہوتا ہے اور ہجرت کے بعض مراحل کی تاریخ دینے کے بعد پندرہ دن بعد مدینہ میں داخلہ، قیام، لوگوں کے استقبال، کلثوم بن ہدم کی ضیافت، مہمانداری، قباء کے قیام و تعمیر مسجد، اولین جمعہ کی ادائیگی، مدینہ آمد، حضرت ابوایوب کے مکان میں سات ماہ قیام، اسی دوران مسجد و مکانات نبوی کی تعمیر، خاندان و ازواج نبوی، سودہ و عائشہ وغیرہ کی مہاجرت، دختروں کی آمد، حضرت زینب اور ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کا واقعہ، خاندان صدیقی کی آمد، حضرت علی کی مہاجرت، نماز پنجگانہ کی تکمیل، یہود سے معاہدہ و صلح اور اس کی بعض شرائط، یہودی اکابر کے اسماء منافقین اور ان کے شیوخ کے اسماء، اور اذن قتال کے بعد غزوات و سرایا کا مختصر حوالہ، دس سالہ مدنی قیام کے تمام برسوں کے مختلف اسماء جیسے ۱ھ سنۃ الھجرۃ، ۲ھ سنۃ الامر بالقتال، ۳ھ سنۃ

التمحیص ، ٤ھ سنة الترفیه، ٥ھ سنة الزلازل ، ٦ھ سنة الاستیناس ، ٧ھ سنة الاستغلاب ، ٨ھ سنة الاستواء ، ٩ھ سنة البراءة اور ١٠ھ سنة حجة الوداع، گیارہویں سنہ کے دو ماہ اور بارہ دن حیات نبوی کے تھے، اس لئے ان کا نام نہیں لیا۔ کل مہمات نبوی کی تعداد ۷۴ بتائی ہے جو "یقال" کی روایت کے ساتھ ۷۵ بھی کہی جاتی ہے۔ غزوات کی تعداد ۲۷ تھی جن میں نویں قتال ہوا اور ان کے نام گنائے ہیں (۸۰-۱۷۷)۔

۱ھ کے واقعات میں اہم ترین یہ ہیں: ربیع الاول: رمضان قیام مدینہ، پھر سرایا کی ترتیب، اول سریہ حمزہ، دوم سریہ عبیدہ بن الحارث، سوم سریہ سعد بن ابی وقاص، حضرت عائشہ کی رخصتی، ولادت عبداللہ بن زبیر، ونعمان بن بشیر، ۲ھ میں غزوات ودان/ ابواء، بواط، سفوان/ بدر الاول، ذوالعشیرہ سریہ نخلہ جو نسبتاً زیادہ مفصل ہے، تحویل قبلہ بروایت ابن اسحاق، آغاز اذان، فرضیت صیام رمضان، ذکر قصہ بدر کے تحت غزوہ مذکورہ کا ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے (۹۳-۱۸۵)۔ اس کے بعد عمیر بن وہب جمحی کا واقعہ اور موت ابولہب کا ذکر کیا ہے (۹۴-۱۸۱)۔

اس سنہ ہجری میں سریہ عصماء بنت مروان، غزوہ یہود بنی قینقاع، غزوہ السویق، وفات حضرت رقیہ، حضرت فاطمہ کی رخصتی، موت مطعم بن عدی، عید الاضحیٰ کی قربانی نبوی، باقی واقعات ہیں (۹۶-۱۹۳)۔

اسی سے متصل ۳ھ کے واقعات بیان کرنا شروع کر دیئے ہیں جن میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں: غزوۂ الکدر، سریہ محمد بن سلمہ/قتل کعب بن اشرف جو نئے عنوان سے کچھ تفصیل سے آیا ہے، پھر غزوات غطفان بنی سلیم، سریہ غزوۂ بیان کر کے غزوہ احد کو ایک نئے عنوان سے زیادہ مفصل بیان کیا ہے۔ اس کا خاتمہ بہت سے اشعار پر ہوتا ہے۔ جا بجا درمیان میں قرآنی آیات بھی نقل کی ہیں۔ دوسرے واقعات میں ولادت حضرت حسن، وحمل حضرت حسین، حضرت زینب ام المساکین سے زواج نبوی، اور حضرت ام کلثوم کی حضرت عثمان سے شادی کے واقعات شامل ہیں (۲۰۸-۱۹۶)۔

"پھر ۴ھ میں داخل ہوا" کے بیان سے اس سنہ کے واقعات بیان کئے ہیں جیسے سریہ ابوسلمہ، واقعہ رجیع بروایت ابن اسحاق معہ اشعار، قصہ بئر معونہ بروایت مورخین (قالوا) غزوہ بنی النضیر، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر المیعاد، خاتمہ میں حسب معمول تہذیبی واقعات کا ذکر کیا ہے مثلاً حضرت رقیہ

کے فرزند حضرت عبداللہ بن عثمان کی وفات اور ولادت حضرت حسین۔ مؤلف نے اس سنہ کے تمام واقعات کے سلسلہ میں بالعموم قرآنی آیات اور سورتوں کا حوالہ ضرور لیا ہے۔ (۱۴-۲۰۸)۔

۵ھ کے اہم واقعات میں حسب ذیل شامل ہیں:-غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بنی المصطلق اور واقعہ افک، حضرت حسان کے اشعار، اس میں زیادہ تفصیل موخر الذکر واقعہ کی ہے۔ غزوہ خندق و ذوقعدہ ۵ھ کی تفصیلات، واقعہ بنی قریظہ، اشعار و آیات قرآنی سمیت، حضرت ریحانہ کی زخمی، سورہ احزاب اور سریہ عمرو بن امیہ ضمری برائے قتل ابوسفیان اموی اور اسی پر اس سنہ کے واقعات ختم ہوتے ہیں (۲۲-۲۱۴)۔

۶ھ کے واقعات کی تفصیل مولف بلخی / مقدسی نے یہ بیان کی ہے سریہ عبداللہ بن انیس، سریہ محمد بن سلمہ، / قرطاء غزوات بنی لحیان و غابہ، سریہ عکاشہ بن محصن / غمر، سریہ محمد بن مسلمہ / ذوالقصہ، سریہ ابوعبیدہ جراح / ذوالقصہ سرایائے حضرات زید بن حارثہ / وادی القریٰ، ام قرفہ وعیرہ، غزوہ بنی لحیان، بنوعرینہ کے خلاف غزوہ، جس کے آخر میں حضرت حسان کے اشعار ہیں۔ پھر غزوہ الحدیبیہ کی تفصیلات ہیں۔ اس سنہ کے واقعات کا خاتمہ فارس پر روم کی فتح اور خدمت نبوی میں وفد السباع کی حاضری سے ہوتا ہے (۲۵-۲۲۲)۔

۷ھ کے واقعات امام بلخی اور مقدسی کے قلم سے یہ ہیں غزوہ خیبر کی تفصیلات پہلے آتی ہیں جن میں یہ بیان کافی اہم ہے کہ اہل حدیث کے مطابق مرحب کو حضرت محمد بن مسلمہ نے قتل کیا تھا جب کہ شیعہ اس سے اختلاف کر کے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اس کو قتل کیا تھا۔ اس سے متصل غزوہ وادی القریٰ، سریہ عمر / سریۂ غالب / میفعہ، سریہ بشیر / نزد خباب من فدک و وادی القریٰ اور عمرۃ القضاء کا بیان ہے پھر سلاطین عرب و عجم کے نام آپ کے فرامین اور سفارتوں کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ ہے جس میں بعض متون فرامین بھی منقول ہیں اور خاتمہ بیان میں واقعہ ذی قار کے واقع ہونے کا حوالہ ہے حسب معمول آیات قرآنی کا مناسب استعمال کیا گیا ہے (۳۰-۲۲۵)۔

۸ھ میں سرایائے غالب / بنی اللوح، شجاع بن وہب / بن عامر، کعب بن عمیر / ذات اطلاع کے مختصر ذکر کے بعد قصہ موتہ کے عنوان سے اس غزوہ / سریہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس میں بہت سے رجزیہ اشعار بھی ہیں۔ پھر سریہ عمرو بن العاص / ذات السلاسل، سریہ الخبط، سریہ ابی قتادہ / خضیرہ

ارض الشام کا مختصر حوالہ ہے۔ فتح مکہ کے غزوہ کا بیان زیادہ تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ اس کے بعد غزوات حنین وطائف، جعرانہ میں تقسیم غنائم، مولفۃ القلوب کے ہدایا، رسول اللہ ﷺ کے عمرہ، حضرت ابراہیم کی ولادت، ملک دمشق حارث بن ابی شمر غسان کی موت اور جبلہ بن صمیم کی بادشاہت اور ملکہ بوران رخت بنت پرویز کی سلطنت اور عورت کی حکومت کے بارے میں حدیث مذکور ہے (۲۳۹-۲۴۰)۔

۹ھ کے واقعات کے آغاز میں چند سرایا کا ذکر کر کے غزوہ تبوک کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس میں سریہ خالد/ اکیدر صاحب دومۃ الجندل کا بھی ذکر ہے۔ اسی سنہ میں سورۂ براءت کی تنزیل، امارت صدیقی میں حج کی ادائیگی اور حضرت کی تلاوت وآیات براءت کا خاتمہ ہے۔ مؤلف نے حدیث نبوی کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ حضرت ابوبکر امیر تھے اور حضرت علی مبلغ (۴۱-۲۳۹)۔

۱۰ھ میں متعدد سرایا کا ذکر کرنے کے بعد خدمت نبوی میں کثرت سے وفود آنے کا ذکر کیا ہے جو عام سیرت نگاروں کے خلاف ہے کہ وہ ۹ھ کو عام الوفود بتاتے ہیں، پھر مختصراً حجۃ الوداع کا ذکر اور خطبہ نبوی کے متن کا حوالہ ہے خاتمہ اس پر کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط بھیجا تھا (۴۲-۲۴۱)۔

۱۱ھ کے واقعات میں جیفر بن جلندی ملک عمان کے پاس حضرت عمرو بن العاص کی سفارت برائے دعوت، سریہ اسامہ، مرض ووفات نبوی کا مختصر ترین حوالہ ہے اور وہ چند سطروں میں کیا گیا ہے (۲۴۲) اور خاتمہ میں جزء ثانی کے اختتام اور جزء ثالث کے نماز اور سترہویں فصل کے موضوع شمائل واخلاق نبوی کا اعلان ہے۔ آخر میں اس جلد کی فہرست مضامین ہے۔

پانچویں جلد کتاب البدء والتاریخ بلخی/ مقدسی کا آغاز حسب اعلان سترہویں فصل سے ہوتا ہے اور عنوان کے بعد یہ صراحت ملتی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے خلق وخلق، سیرت وخصائص، شرائع، مدت عمر، ازواج واولاد، قرابات اور وفات کا ذکر اختصار وایجاز کے ساتھ کیا گیا ہے۔

شمائل نبوی کے بارے میں اختلاف روایات کا ذکر کرنے کے بعد حضرت علی کی روایت نقل کی ہے جس میں ابوطالب اور حضرت حسان کے اشعار بھی ہیں جو ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہیں۔ اخلاق نبوی کے بارے میں حضرت عائشہ کی مشہور حدیث اور آیت قرآنی "وانک لعلی خلق

عـظـیـم" نقل کی ہے۔ پھر امام زہری/عروہ ابن عباس کی روایت ہے اس میں شرم وحیا، عفو وکرم وغیرہ کا ذکر فتح کے حوالہ سے بھی ہے (۳-۱)۔

ذکـر آبـاء رسـول اللـه ﷺ کے عنوان سے آپ کا نسب قصی تک بیان کیا ہے اور ہر ایک جد امجد کی خصوصیات چند لفظوں میں نقل کی ہیں۔ پھر ذکر امہات رسول اللہ ﷺ کے تحت آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب بتایا ہے۔ اس تصریح کے ساتھ کہ آپ کی کوئی خالہ اور ماموں نہ تھے کہ حضرت آمنہ کا کوئی بھائی بہن نہ تھا لیکن بنو زہرہ اپنے آپ کو آپ کا اخوال بتاتے ہیں اس کے بعد جدات رسول اللہ ﷺ کے عنوان سے آپ کی تمام پدری دادیوں کا ذکر خیر ہے جو (۱۲-۴) کے غائب ہونے کے وجہ سے ہمارے نسخہ میں ناقص ہے لیکن فہرست موضوعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پدری جدات کے بعد مادری جدات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں (عمومۃ) اور عمات (پھوپھیوں) کا اور اس کے بعد آپ کی دودھ پلائیوں (آظار النبی) کا اس کے بعد ازواج مطہرات کی فصل ہے۔ اس میں ترتیب سے حضرت خدیجہ، سودہ عائشہ، حفصہ، زینب خزیمہ زینب بن جحش ام حبیبہ، ام سلمہ، میمونہ، صفیہ، جویریہ کا ذکر خیر کرنے کے بعد اس خاتون کا ذکر بھی ہے جنہوں نے اپنا آپ ہبہ کر دیا تھا۔ (۱۵-۴)۔

ذکـر اولاد رسـول اللـه ﷺ کے تحت آپ کی سات اور "یقال" کی روایت کے تحت آٹھ اولادوں کا ذکر کیا ہے جن میں چار بنات طاہرات اور دو فرزند حضرت خدیجہ سے تھے۔ اور ایک فرزند حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ سے، حضرت ابراہیم پر زیادہ تفصیل دی ہے۔ اس میں ابن اسحاق اور واقدی کی روایات آتی ہیں۔ بنات طاہرات میں بلخی/مقدسی نے حضرت رقیہ سے شروع کیا ہے اور پھر ترتیب سے حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ کا ذکر ان کی اولادوں سمیت کیا ہے حضرت زینب کے بارے میں کافی تفصیل ہے اس کے بعد ہی ایک مختصر عنوان کے تحت آپ کے حفدہ/نواسوں کے اسماء گرامی گنائے ہیں (۲۱-۱۶)۔

اگلی فصل ممالیک وعبید یعنی غلامان نبوی کی ہے جس میں حضرت زید بن حارثہ، ابو واقع، سفینہ، یسار، ابو مویہبہ، ثوبان، سقران ابو کبشہ، ابو حمزہ اور دوسرے غلاموں کے علاوہ کنیزوں کا ذکر بھی کیا ہے پہلے ان کی فہرست دی ہے پھر انہیں سے اکثر کے بارے میں تفصیلات دی ہیں (۲۴-۲۱)۔

"ذکـــر دوابـــــہ" کے تحت آپ ﷺ کے سواری کے جانوروں کی تفصیل مہیا کی ہے (۴۴-۴۵)۔ اس کے بعد معجزات نبوی کی نسبتاً مہتم بالشان اور اہم اور مفصل فصل ہے (۲۵) اہم مباحث ہیں (امام بلخی نے سب سے پہلے انبیاء کے معجزات پر روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں کی اس باب میں تصنیف کردہ کتب کثیرہ کا ذکر کیا ہے پھر تورات وانجیل اور دوسرے صحف سماویہ سے آپ کی صفات کا ذکر نقل کیا ہے۔ اس باب میں اصل عبرانی آیات بھی دی ہیں جو عربی رسم الخط میں ہیں اور ان کے تلفظ کے لئے عربی الفاظ وحروف میں دیئے ہیں۔ اس باب کا یہ اہم اور نادر مبحث ہے۔ پھر ابتداء وحی ورقہ بن نوفل کی تفسیر اور تصدیق، بھیڑیے کا ایمان، ام معبد کی بکری کا قصہ، طعام اور دوسری اشیاء میں برکت وغیرہ کے دوسرے بہت سے معجزات کا ذکر ہے، اس میں بہت سے اشعار بھی نقل کئے گئے ہیں ۔اخبار رغیت کا بیان الگ سرخی کے تحت کیا ہے پھر دعوت مستجابہ کی سرخی اور ذکر ہے، قرآن کریم سے آپ کے دلائل نبوت کا بیان ہے (۴۴-۲۱)۔

شرائع نبوی کے عنوان سے ایک اور ذیلی فصل قائم کی ہے جس میں آغاز اس سے کیا ہے کہ شریعت اسلام کتاب وسنت سے ماخوذ ہے۔ اس کے اہم مباحث یہ ہیں: وحی کے نزول سے قبل عبادت ربانی کی کیفیت کیا تھی۔ طہارت کا وجوب اور اس کے طریقے نماز سراسر خضوع وخشوع ہے اور اس کی تفصیل، روزے ریاضت وتذلل میں اور ان کی اقسام مختصراً حج کا مقصد ومتعدد، مع تفصیلات، نکاح طلاق ومواریث کے قوانین، جمعہ وعیدین، دس اہم ترین جسمانی سنن (۴۴-۵۵)۔

آخر میں مــرض رســول اللـــہ ﷺ کا بیان مع تفصیلات کے ہے اس میں مرض کی شکایت، وفات، تجہیز وتکفین، اور تدفین، نماز جنازہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ ذکر وفاۃ النبی ﷺ کے عنوان کے ساتھ اس کی تفصیل زیادہ ہے، اس میں حضرت ابوبکر صدیق کا خطبہ عالیہ ہے، سقیفہ بنی ساعدہ کی بحث اور حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کا واقعہ بھی آیا ہے الگ الگ عناوین سے، پھر غسل نبوی کی تیاری ہے، تدفین کا ذکر ہے اور خاتمہ حضرت حسان کے مرثیہ پر ہوتا ہے (۶۹-۴۵)۔ اور اسی پر بلخی/ مقدسی کی کتاب البدء والتاریخ کا باب سیرت ختم ہوتا ہے۔

اگرچہ اٹھارہویں فصل کتاب البدء والتاریخ کا موضوع افاضل صحابہ کے ذکر خیر ہے جن کا تعلق مہاجرین وانصار دونوں سے تھا تاہم اس میں سیرت نبوی کا مواد کافی پایا جاتا ہے اس لئے اس کا

مختصر تجزیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے (۱۲۰-۷۰)۔ اس فصل میں جن صحابہ کرام کے حالات اور ان کے اولاد و احوال کا ذکر ہے وہ حسب ذیل اور بالترتیب ہیں۔ مختصر تمہید صحابہ کرام کی اہمیت و عظمت پر، (۱) حضرت علی اور ان کی اولاد گرامی (۷۶-۷۱)۔ (۲) حضرت ابوبکر صدیق (۷۹-۷۶)۔ (۳) حضرت عثمان بن عفان (۸۱-۷۹)۔ (۴) حضرت طلحہ بن عبیداللہ (۸۳-۸۱)۔ (۵) حضرت زبیر بن عوام (۸۴-۸۳)۔ (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص (۸۵-۸۴)۔ (۷) حضرت سعید بن زید (۸۶-۸۵)۔ (۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۸۷-۸۶)۔ (۹) حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۸۷)۔ (۱۰) حضرت عمر بن الخطاب اور اولاد گرامی (۹۳-۸۸)۔ (۱۱) حضرت ابوذر غفاری (۹۵-۹۳)۔ (۱۲) حضرت خالد بن سعید اموی بروایت واقدی وغیرہ (۹۶-۹۵)۔ (۱۳) حضرت مصعب بن عمیر عبدری (۹۷-۹۶)۔ (۱۴) حضرت عبداللہ بن مسعود (۹۸-۹۷)۔ (۱۵) حضرت جعفر بن ابی طالب (۹۹) پھر بنو عبد مناف کے سابقین اسلام میں حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ وغیرہ کا ذکر کر کے عمار بن یاسر، صہیب بن سنان، خباب بن الارت، الارقم بن ارقم مخزومی، بلال بن رباح، ابوموسی الاشعری، العلاء بن الحضرمی، عثمان بن مظعون، جریر بن عبداللہ بجلی، عثمان بن العاص الثقفی، عکاشہ بن محصن الاسدی، المغیرہ بن شعبہ، العباس بن عبدالمطلب، عبداللہ بن العباس، عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمرو بن العاص کا ذکر کیا ہے۔ عام الفتح کے مسلمانوں میں سے جن کا ذکر کیا ہے وہ ہیں: حضرت عتاب بن اسید، ابوسفیان بن حرب، اور دوسرے مؤلفۃ القلوب، وفود میں مسلمان ہونے والوں میں حضرت حجر بن عدی، عدی بن حاتم طائی، لبید بن ربیعہ عامری، الاشعث بن قیس کندی، قیس بن عاصم المنقری، عمرو بن الحمق، عبداللہ بن عامر بن کریز، یعلیٰ بن منبہ، سلمان فارسی کا ذکر تفصیل کے ساتھ نئی سرخی سمیت ہے۔ پھر اسلام ابی ہریرہ کی سرخی ہے۔ انصار صحابہ میں سے حسب ذیل کا ذکر خیر ہے: حضرات اسعد بن زرارہ، سعد بن قتادہ، سعد بن معاذ، عبادہ بن الصامت، جابر بن عبداللہ سابقین میں تھے۔ ہجرت نبوی کے بعد اسلام قبول کرنے والے تھے بروایت واقدی زید بن ثابت، ابی بن کعب، ابوطلحہ انصاری، انس بن مالک، ابوایوب انصاری، عویم بن مالک، عبداللہ بن سلام، حسان بن ثابت، سہل بن حنیف بن جبیر اور محمد بن مسلم اس پر بلخی/مقدسی کی کتاب الصحابہ اختتام پذیر ہوتی ہے۔

علامہ مسعودی

(۲۸۰-۳۴۵ھ/۸۹۳-۹۵۶ء)

مسعودی کی شہرت زیادہ تر مورخ اور جغرافیہ نگار کی حیثیت سے ہے اور ان کی سیرت نگاری ان کی عالمی تاریخ نگاری کا ایک جزو ہے اور وہ بھی جز و مختصر۔ وہ امام طبری یا مورخ بلاذری کی مانند یا کسی حد تک مورخ یعقوبی کی طرح اسلامی تاریخ نگاری کا طرز مفصل اپناتے ہیں اور نہ سیرت نگاری کا طریقہ۔ مسعودی نے جو تاریخ نگاری اور سیرت نویسی میں طریقہ خاص ایجاد کیا ہے اس پر کچھ مفصل بحث بعد میں آئے گی لیکن یہاں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کی سیرت نگاری ان کی تاریخ نویسی کا ایک حصہ ہے۔ انہوں نے سیرت نبوی کے بعض ابواب پر زیادہ زور دیا ہے لیکن بد قسمتی سے ان کی زیادہ تر کتابیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں لہذا ان کی دو کتابوں — مروج الذھب اور کتاب التنبیہ والاشراف — ہی کے حوالہ سے ان کی سیرت نگاری کے خدوخال متعین کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر ان کی اپنی سیرت وسوانح کے پس منظر کو جاننا ضروری ہے۔

نام ونسب

مورخ مسعودی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی اولاد میں ہونے کے سبب مسعودی نسبت رکھتے ہیں۔ ان کا اصل نام علی تھا اور کنیت ابوالحسن اور ان کے والد ماجد کا حسین۔ پورا نام جیسا کہ مورخ موصوف خود نقل کرتے ہیں یہ ہے: ابوالحسن علی بن الحسین بن علی بن عبداللہ المسعودی۔ ابن حزم کے مطابق نسب یہ ہے: عبداللہ بن زید بن عتبہ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن عبداللہ

بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ پروفیسر مقبول احمد کا یہ بیان کہ مسعودی کا حضرت عبداللہ بن مسعود کی نسل سے ہونا ان کی اپنی تحریر سے نہیں معلوم ہوتا صحیح نہیں ہے کم از کم مروج الذہب میں اس کا ایک حوالہ موجود ہے اور جس کو طریف خالدی نے نقل کیا ہے (مروج حصہ ۵۲۲)

ولادت اور تعلیم

مسعودی کے اپنے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت بغداد میں ہوئی تھی۔ لیکن ان کا خاندان کوفہ کا باسی تھا۔ جیسا کہ ابن حزم کا بیان ہے۔ ان کی تاریخ ولادت کے بارے ہماری معلومات ناقص ہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ مسعودی کی پوری سوانح حیات کے بارے میں آخذ میں معلومات کافی کم ملتی ہیں۔ ایک سبب طریف خالدی نے یہ بیان کیا ہے کہ وطن مالوف سے مسعودی کی طویل غیر حاضریوں نے ان کو ان کے معاصر عراقی سوانح نگاروں اور تذکرہ نگاروں کے نزدیک غیر معروف بنا دیا تھا۔ دوسرا سبب ان کے مترجم بربردی مینارڈ (Barbierde Meynord) کا بیان کردہ ہے کہ بہت سے فریب مسعودی کی ذات سے منسوب کر دیئے گئے تھے جس نے ان کو مشتبہ شخصیت بنا دیا تھا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ مسعودی کے مصری سوانح و تذکرہ نگاران کے بارے میں زیادہ صحیح معلومات دیتے ہیں اور ان سے عراقی تذکرہ نگاروں کی غلطیوں یا غلط بیانیوں کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ بہر حال قیاس سے ہم مسعودی کی پیدائش کا سال ۲۸۰ھ/۸۹۳ء متعین کر سکتے ہیں۔ یہ طریف خالدی کا خیال ہے۔

بعض مستشرقین اور جدید مورخین نے مسعودی کی تعلیم کے بارے میں کہا ہے کہ اسفار اور دوسرے اسباب سے انہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا لیکن طریف خالدی نے ان کے شیوخ و رواۃ کی فہرست کے پیش نظر خیال ظاہر کیا ہے کہ انہوں نے دوسرے اہل علم معاصرین کی مانند اعلیٰ تعلیم مختلف علوم و فنون میں حاصل کی تھی۔ ان کے اساتذہ و شیوخ میں متعدد اہل علم اور صاحبان عقل و دانش اور ماہرین علوم و فنون نظر آتے ہیں جیسے امام طبری (م ۳۱۰ھ/ ۹۲۳ء)، ابوبکر محمد بن یحیٰ الصولی (م ۳۳۵ھ/ ۹۴۶ء)، ابوبکر محمد بن خلف وکیع الضبی (م ۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء)، ابوالحسن احمد بن سعید دمشقی اموی (م ۳۰۶ھ/ ۹۱۸ء)، ابوخلیفہ الفضل بن الحباب جمحی (م ۳۰۵ھ/ ۹۱۷ء)، ابوبکر محمد بن الحسن بن درید (م ۳۲۱ھ/ ۹۳۴ء)، ابوبکر القاسم بن محمد بشار الانباری (م ۳۰۴ھ/ ۹۱۶ء)، ابوعبداللہ ابراہیم

بن محمد بن عرفہ ابن نفطویہ (م ۳۲۳ھ/ ۹۳۵ء)، ابواسحاق ابراہیم بن جابر الزجاج النحوی (م ۳۱۱ھ/ ۹۲۳ء)، ابوالعباس احمد بن عبداللہ بن عبید اللہ بن عمار (م ۳۱۴ھ/ ۹۲۶ء)، محمد بن سلیمان داؤد منقری، سنان بن ثابت بن قرہ (م ۳۳۱ھ/ ۹۴۳ء)، ان کے علاوہ مسعودی کے بہت سے اہل علم سے ذاتی تعلقات تھے۔

جن علماء وقت سے مسعودی کے ذاتی اور علمی تعلقات تھے ان میں حسب ذیل سربرآوردہ حضرات شامل تھے: ابوعلی محمد بن عبدالوہاب الجبائی (م ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء)، ابوالقاسم علی بن احمد بلخی (م ۳۱۹ھ/ ۹۳۱ء)، حسن بن موسیٰ نوبختی (م قریباً ۳۱۰ھ/ ۹۲۲ء)، ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری (م ۳۲۴ھ/ ۹۳۵ء)، ابوالعباس عبداللہ بن محمد الناشع (م ۲۹۳ھ/ ۶-۹۰۵ء)، مسعودی کے اساتذہ وشیوخ اور اہل معاملہ وتعلق میں مورخین، محدثین، علماء خاص کر معتزلی مفکرین، نحوی وصرفی اکابر، ادباء اور ناقدین، شعراء، فقہاء، لغت اور لسانیات کے ماہرین فلاسفہ اور سائنسداں، متکلمین اور مناظرین اور دوسرے مسالک میں معتزلہ اور شیعہ اکابر نظر آتے ہیں۔ ان سے مسعودی کے تعلقات یوں ہی صرف معاصرانہ نہ تھے بلکہ قریبی، جائداد اور علمی تھے۔ ابوبکر محمد بن زکریا رازی (م ۳۲۰ھ/ ۹۳۲ء) سے مسعودی نے حدوث عالم کے اہم اور نازک مسئلہ پر بحث کی تھی۔ طریف خالدی نے اپنی کتاب کے باب اول میں غیر مسلم علماء اور ادباء سے متعدد معاملات پر مسعودی کی بحثوں کا ذکر کیا ہے۔

اسفار

مسعودی کی تعلیم وتربیت اور معلومات ومشاہدات ایک اہم ترین ذریعہ ان کے عالمی اسفار تھے۔ پروفیسر مقبول احمد نے ان کے اسفار کے محرکات وعوامل اور انداز واسلوب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ ''حصول علم اور معلومات'' کے لئے نکلے تھے اور ''طویل سیاحتوں پر آمادہ کرنے والا اسلامی اخوت کا وہ جذبہ تھا جو عالم اسلام کو بین الاقوامی کردار عطا کرتا ہے اور ملت اسلامیہ کو نسل اور رنگ کے امتیازات سے قطع نظر ایک لڑی میں پرو دیتا ہے۔ مسعودی کو یقین تھا کہ حقیقی علم صرف مشاہدے اور تجربے ہی سے حاصل ہوسکتا ہے جیسا انہوں نے ہندوستان کی ابتدائی سیاحتوں کے باب میں وہ ان پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔

نوجوانی ہی کے زمانے سے مسعودی کی عالمی سیاحت کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی ابتدائی سیاحی کے بارے میں ہماری معلومات اسی طرح صفر ہیں جس طرح ان کی مالی حالت اور اقتصادی زندگی کے بارے میں۔ ایک قوی امکان ہے کہ ابتدائی اسفار (م ۳-۳۰۰ھ/ ۱۵-۹۱۲ء) کے دوران کئے گئے ہوں۔ مسعودی نے المغرب یعنی موجودہ مراکش اور تیونس کے سوا تقریباً پورے عالم اسلام اسپین اور ہندوستان کے اسفار کئے۔ ان میں مدغاسکر، سیلون، ملایا، تبت اور چین کے اسفار شامل نہیں تھے۔ پہلے سفر کے دوران وہ اصطخر گئے اور بصرہ میں ابوزید سیرانی سے ملاقات کی۔ اسی سال وہ ہندوستان گئے اور بحر زنج کے علاوہ بری سفر کئے۔ (م ۳۰۳ھ/ ۹۱۵ء) میں ہندوستان کے اولین سفر کے دوران وہ ملک کے مغربی سواحل، کونکن اور دوسرے علاقوں کی سیاحت دو سال تک کی۔ ہندوستان کے اندرونی اور مرکزی علاقوں کی سیاحت نہیں کی۔ پھر (م ۴-۳۰۳ھ/ ۶-۹۱۵ء) کے دوران ہی انہوں نے سندھ کے دو شہروں ملتان و منصورہ کی زیارت کی۔ مسعودی کے اسفار میں صرف دو سمندروں کے سفر کا ذکر ملتا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ چین و ایران اور لاروی کے سفر بھی کئے لیکن ان کا ثبوت ان کی تحریروں میں نہیں ملتا۔

ان کی سیاحی کے دوسرے دور (م ۰۳-۳۰۴ھ/ ۲۱-۹۱۵ء) کے دوران مسعودی کو ہم خراسان کے شہر بلخ، بجستان، کرمان، فارس، اصطخر، سیراف، قومس، جرجان، اور بحر اخضر، طبرستان، جبال (میڈیا)، خوزستان، عراق کے زیریں اور بالائی علاقوں اور آزربیجان کا سفر کرتے ہوئے پاتے ہیں جب کہ تیسرے دور (م ۴۵-۳۳۰ھ/ ۵۶-۹۴۱ء) میں انہوں نے شام کے مختلف شہروں حلب ، العواصم، طبریہ، انطاکیہ، نظارۃ، دمشق، طرابلس وغیرہ کا دورہ کیا۔ دراصل شام کے کئی سفر کئے اور پہلے اور دوسرے دور میں بھی کئے۔ وہ بحر مردار،، بحیرہ روم کے علاقوں کے علاوہ یمن، حضرموت اور شحر، بحیرہ احمر اور مصر کے کئی شہروں فسطاط، اخمیم، اسوان وغیرہ کی سیاحتیں بھی کیں۔ مسعودی نے جزیرہ نمائے عرب اور حرمین شریفین کے علاوہ بیت المقدس اور دوسرے مرکزی مقامات کا سفر نہیں کیا۔ دراصل ان کی زیادہ تر سیاحتیں ساحلی علاقوں اور مشہور مقامات تک محدود تھیں۔ اسپین اور شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں کے اسفار کے بارے میں بھی ان کا دعویٰ ہی دعویٰ معلوم ہوتا ہے۔

عالمی سیاحتوں کے دوران مسعودی نے متعدد سربرآوردہ شخصیات، مختلف اقوام و ملل اور متعدد

علاقوں کے مشاہدات وتجربات کئے۔ انہوں نے ان مشاہدات وتجربات کو اپنی کتابوں کے مختلف ابواب میں جمع کر دیا۔ اورانہیں کی بنا پر مسعودی کو ایک عظیم جغرافیہ نگار کہا جاتا ہے کہ وہ تاریخی معلومات کے علاوہ جغرافیائی معلومات اور قیمتی مشاہدات بھی ان میں محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے جغرافیہ پر کوئی مخصوص کتاب نہیں لکھی۔ پروفیسر مقبول احمد نے مسعودی کی جغرافیہ نگاری پر اور طریف خالدی نے ان کی تاریخ نگاری پر عمدہ اور تحقیقی کام کیا ہے۔

مسعودی نے آخری زندگی میں مصر میں بالخصوص فسطاط میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہ اکثر وبیشتر وہاں سے شام چلے جایا کرتے تھے۔ اور وہیں انہوں نے ۲ر جمادی الثانیہ ۳۴۵ھ/۹۵۶ء میں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

تصانیفِ مسعودی

مورخ وجغرافیہ نگار مسعودی عظیم عالم اور زود نویس مؤلف تھے۔ ان کی عادت اور طبیعت یہ تھی کہ وہ مختلف اوقات میں اپنی معلومات ومشاہدات کو کتابی شکل میں مدون ومرتب کر دیا کرتے تھے۔ مختلف مورخوں اور محققوں نے تصریح کی ہے کہ وہ اپنے اسفار اور تجربات کے ایک وقفہ کے بعد ایک کتاب مرتب کرتے تھے اور پھر نئی اور پرانی معلومات کو ملا کر دوسری کتاب لکھتے تھے اس طرح ان کی مختلف کتابوں میں مضامین ومعلومات کی تکرار بھی ہے اور ایک موضوع ومضمون پر نئی معلومات بھی۔ انہوں نے بعض کتابوں کی تلخیص بھی کی ہے۔ مختلف کتابوں میں انہوں نے اپنی کل تصانیف کی تعداد پینتیس بتائی ہے۔ جن میں سے سات اگر چہ بنیادی طور پر تاریخی مواد پر مشتمل ہیں لیکن ان میں دوسرے مضامین وموضوعات جیسے جغرافیہ، فلکیات، علم کائنات، علم نجوم اور ماحولیات وغیرہ پر بھی کافی قیمتی معلومات ہیں۔ ان کی فہرست کتب میں تین کتابیں فقہ وشریعت پر تھیں۔ ان کی ایک کتاب کائنات کی قدامت کے عقیدہ کے رد میں ہے اور کلامی بحث ہے۔ بعض کتابوں میں قیمتی سیرتی مواد ہے۔ اور بعض دوسروں کا تعلق علوم وفنون کی تعریف وتقسیم سے ہے۔ ان کی ایک مکمل فہرست درج ذیل ہے:

(۱) کتاب الابانہ فی اصول الدیانۃ (۲) کتاب اخبار الزمان ومن اباده الحدثان (۳) الاخبار المسعودیات (۴) کتاب الاستبصار ووصف اقاویل الناس فی الامامہ (۵) کتاب

الاسترجاع فی الاحکام (۶) کتاب الاستذکار لماجریٰ فی سالف الامصار (۷) الکتاب الاوسط (۸) کتاب التنبیہ والاشراف (۹) حدائق الاذہان فی اخبار بیت آل النبی ﷺ (۱۰) کتاب خزائن الدین وسر العالمین (۱۱) کتاب الدعاوی الشنیعہ (۱۲) ذخائر العلوم وما کان فی سالف الدھور (۱۳) رحۃ الارواح (۱۴) رسالۃ البیان فی اسماء الائمۃ (۱۵) کتاب الزاھی (۱۶) کتاب الزلف (۱۷) کتاب سر الحیلۃ (۱۸) السیاسیات المدنیۃ (۱۹) کتاب الصفوۃ (۲۰) کتاب طب النفوس (۲۱) کتاب الفردوس السبعیۃ فی السیاسۃ الملو (۲۲) کتاب فنون المعارف وماجریٰ فی الدھور والسوالف (۲۳) کتاب القضایا والتجارب (۲۴) کتاب المباری والترکیب (۲۵) کتاب مروج الذھب ومعاون الجوھر (۲۶) کتاب مزاھر الاخبار وطرائف الآثار (۲۷) کتاب المسائل والعلل فی المذاھب والعلل (۲۸) مقاتل الفرسان العجم (۲۹) المقالات فی اصول الدیانات (۳۰) کتاب نظم الادلۃ فی اصول الملۃ (۳۱) کتاب نظم الاعلام فی اصول الاحکام (۳۲) کتاب نظم الجواھر (۳۳) کتاب النھی والکمال (۳۴) الکتاب الواجب فی فروض اللوازم (۳۵) کتاب وصل المجالس بجوامع الاخبار ومختلط الآثار

ان کتابوں میں سوائے دو کے باقی مفقود ہیں۔صرف کتاب التنبیہ والاشراف اور کتاب مروج الذہب دستیاب ہیں اور کئی بار چھپ چکی ہیں۔اوران دونوں میں بھی مسعودی کی شہرت زیادہ تر موخر الذکر کے سبب ہے کہ وہ زیادہ ضخیم اور مفصل ہے۔ان کتابوں میں سے ۱۸اور۲۱ کے بارے میں پروفیسر مقبول احمد کا خیال ہے کہ شاید دونوں ایک تھیں۔بعض دوسرے تجزیہ نگاروں نے ان کی سات تاریخی کتابوں کو ایک ہی سلسلہ کتب کی مختلف کڑیاں قرار دیا ہے۔جہاں تک خود مؤلف گرامی مسعودی کا تبصرہ وتجزیہ ہے تو ان کی نگاہ میں ان کی سب سے عظیم کتاب (کتابنا الاعظم) اخبار الزمان کو قرار دیا ہے۔اس کے اقتباسات خود مسعودی کی دوسری تصانیف میں ملتے ہیں اور بقیہ کتابوں کے حوالے بھی دونوں موجودہ کتب میں موجود ہیں۔جن کی تفصیل مقبول احمد کی کتاب میں موجود ہے اور طریف خالدی نے مسعودی کی گمشدہ کتابوں کی بازیافت نو کی عمدہ کوشش کی ہے۔

طریقۂ تالیف

مورخ وسیرت نگار مسعودی کی زیادہ تر مطالعہ ان کی جغرافیہ نگاری اور تاریخ نگاری کے حوالے کیا گیا ہے۔ پروفیسر مقبول احمد اور متعدد دوسرے مستشرقین نے ان کی جغرافیہ نگاری پر لکھا ہے۔ ان کی تاریخ نگاری پر مستشرقین اور جدید مورخوں میں سب سے اچھا تجزیہ اب تک طریف خالدی کا مل سکا ہے۔ سیرت نگاری کے لحاظ سے کوئی وقیع تجزیہ اب تک نظر سے نہیں گذرا۔ بہرحال موضوعات کے اعتبار سے ایک رجحان تو مسعودی کے ہاں یہ ملتا ہے کہ وہ تاریخ اسلامی عالمی کے ایک باب کے طور پر سیرت نبوی کا مواد جمع اور پیش کرتے ہیں۔ موجودہ دونوں کتابوں کے علاوہ وہ اپنی مفقود کتابوں میں بھی سیرت نبوی پر اپنی تحریروں کا حوالہ برابر دیتے رہتے ہیں۔ پھر بعض ابواب سیرت کو بار بار کئی کئی کتابوں میں دہراتے ہیں۔ گمشدہ مواد ہونے کے سبب یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اس قند مکرر میں باہمی فرق کتنا پایا جاتا ہے لیکن بہرحال اختصار وتفصیل کے علاوہ نئے مواد اور نئے تجزیہ کے امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً وہ غزوہ تبوک کی بعض تفصیلات کا حوالہ کئی کتابوں میں دیتے ہیں۔

ان کی کتابوں اور تصنیفات کی فہرست سے بعض مخصوص مباحث کا بھی پتہ چلتا ہے جن کے لئے انہوں نے کوئی نہ کوئی کتاب مخصوص کی تھی مثلاً ایک کتاب اہل بیت نبوی کے اخبار وحالات کے بارے میں ہے۔ (کتاب ۹)

مسعودی کی سیرت نگاری میں ایک خاص رجحان یہ ملتا ہے کہ وہ زبانی روایات کی ترسیل کے طریقہ کے ذریعہ معلومات جمع نہیں کرتے۔ اس کی غالباً ایک وجہ یہ تھی کہ ان کے عہد تک تمام زبانی روایات کتابی شکل میں مدون ومرتب ہوچکی تھیں اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہے ان کے عہد تک زبانی روایات کا سلسلہ تقریباً ختم ہوچکا تھا اور کتابوں کی سماعت وقراءت ہی کے ذریعہ ان کی ترسیل ہوتی تھی۔

ان کی سیرت نگاری بنیادی طور پر تحریری مواد یعنی کتابوں اور رسالوں پر مبنی تھی۔ انہوں نے دونوں دستیاب کتابوں میں ہشام بن محمد الکلبی، تورات، ابن ہشام، ابن اسحاق، واقدی، طبری کی روایات اور کتابوں کا عام طور سے حوالہ دیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض محدثین اور ان کی روایات حدیث

اور عام اہل سیر کی روایات تاریخ کا عمومی ذکر بھی کرتے جاتے ہیں جیسے نسب گرامی میں معد بن نزار سے اوپر توقف کرنے کے بارے میں ایک حدیث بیان کی ہے۔ اور عمر نبوی کے سلسلہ میں مختلف صحابہ اور محدثین کی آراء کا حوالہ دیا ہے۔

بعض دوسرے مباحث خاص طور سے جغرافیائی مباحث میں انہوں نے علی بن محمد مدائنی، بلاذری کی فتوح البلدان، واقدی کی فتوح الامصار اور بعض دوسری کتابوں کا حوالہ دیا ہے ممکن ہے کہ سیرت نگاری کے باب میں بھی ان سے استفادہ کیا ہو۔

مزید اور مفصل بحث کے لئے اپنی دو کتاب اخبار الزمان اور کتاب الاوسط کا خاص طور سے بار بار حوالہ دیتے ہیں مثلاً مروج الذہب میں وہ اپنی کتاب الاوسط کا حوالہ جنگ فجار کی تعداد، ہجرت نبوی، ازواج مطہرات، بنات مطہرات وغیرہ میں دیتے ہیں اور اخبار الزمان کا ذکر آپ کے سفر شام برائے تجارت اور بنات مطہرات میں کرتے ہیں۔ بنات مطہرات کے ضمن میں دونوں کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ جب کہ دوسری کتاب التنبیہ والاشراف میں اپنی سابقہ کتب کا حوالہ عام نبوت و بعثت کے بارے میں پیشگوئیوں کے باب میں دیتے ہیں۔ نسب نبوی کے باب میں کتاب الاستذکار لما جری فی سالف الاعصار کا مفصل بحث کے لئے حوالہ دیتے ہیں۔

مروج الذہب میں خاص کر الاعصار کے بعض ابواب میں اشعار بھی نقل کرتے ہیں جیسے آپ کی کنیت ابوالقاسم، حلف الفضول، حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت میں چھ صحابہ کرام کے قبول اسلام، بعثت نبوی کی تاریخ ۱۰ھ کے خاتمہ پر کئی اشعار کا ذکر ملتا ہے۔

مسعودی کی سیرت نگاری کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر نگاری کی ضمن میں آتی ہے۔ مروج الذہب میں انہوں نے کل بیس صفحات وقف کئے ہیں جب کہ التنبیہ والاشراف میں ساٹھ صفحات۔ مگر یہ ساٹھ صفحات کافی کھلے ہوئے ٹائپ میں ہیں۔

ان کی سیرت نگاری میں تاریخوں کی تعیین بہت اہم ہے۔ وہ غزوات و سرایا کے علاوہ متعدد دوسرے ابواب سیرت میں واقعات و حادثات کی تاریخوں کی تعیین کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر دوسری تقویموں سے کام لیتے ہیں اور عالمی واقعات سے بھی ان کا موازنہ کرتے ہیں جیسے ولادت نبوی کے ضمن میں عہد ذوالقرنین کے ۸۸۲ھ سال، ابرہہ کے حملہ کی تاریخ ۱۷ محرم ۲۱۶ ق ولادت اور

نوشیرواں کی بادشاہی کے چالیسویں سال کا ذکر کر کے تاریخ ولادت ۸ ربیع الاول متعین کرتے ہیں جو سب سے الگ ہے۔

اسی ضمن میں ان کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختلف واقعات سیرت کے درمیان کی زمانی تفریق کا حساب بھی بتاتے ہیں مثلاً بعثت نبوی کے چار سال نو ماہ اور چھ ماہ بعد نسطور راہب نے مشاہدہ نبوی کیا تھا۔ تعمیر کعبہ اور بعثت نبوی کے درمیان پانچ سال کا اور ولادت و نبوت کا درمیانی وقفہ چالیس سال اور ایک دن تھا۔ عمر نبوی کے تیسرے سال شق صدر، چوتھے سال والدہ کے پاس واپسی، ساتویں برس وفات والدہ، آٹھویں برس وفات جد امجد وغیرہ بھی متعین وقفوں کے زمرہ میں آتا ہے۔

واقعات کی تاریخوں میں اختلاف مورخین کی صورت میں وہ تمام اختلافات بیان کر کے ان کے درمیان محاکمہ بھی کرتے ہیں اور ان میں سے جو تاریخ ان کے نزدیک صحیح ترین ہوتی ہے وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں جیسے ولادت نبوی، وفات والد ماجد وغیرہ کے باب میں۔

ان کی تاریخ کی تعیین میں ایک دلچسپ چیز بعد ہجرت نبوی دس سالوں کے اسماء کی تعیین ہے۔ مثلاً وہ کتاب التنبیہ والاشراف میں اولین سال کو سنة الهجرة، دوسرے سال کو سنة الامر، ۳ھ کو سنة التمحیص، ۴ھ کو سنة التعرفیه، ۵ھ کو سنة الاحزاب، ۶ھ کو سنة الاستئناس، ۷ھ کو سنة الاستغلاب، ۸ھ کو سنة الفتح، ۹ھ کو سنة البراءة، ۱۰ھ کو سنة حجة الوداع اور ۱۱ھ کو سنة الوفاة قرار دیا ہے۔

تاریخ و سنین کے علاوہ مسعودی بعض واقعات میں بھی نئی معلومات اور تعبیرات پیش کرتے ہیں۔ مثلاً حلف الفضول کے انعقاد کا اولین محرک رسول اکرم ﷺ کے دوسرے سگے چچا زبیر بن عبد المطلب کو قرار دیا ہے۔ یا حضرت علیؓ کو اولین مسلم قرار دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دوسری روایات پر نقد وجرح بھی کی ہے۔ اس ضمن میں وہ ایک دلچسپ بات اپنے طریقۂ کار کے بارے میں یہ بتاتے ہیں کہ جس بات کو ان کے ہاں ترجیح حاصل تھی اس کو مقدم رکھا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ ابوطالب کو بھی اولین مسلم مانتے ہیں اور ان کے اسلام کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ ان کے اسلام کے ثبوت میں دلائل بھی دیتے ہیں۔ اسی بنا پر اکثر مورخین اور سیرت نگاروں نے مسعودی کو شیعہ گردانا ہے اور دوسری کتابوں سے بھی اور بعض مورخین کے بیانات سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ مقبول احمد نے ان پر معتزلی

افکار کے اثرات کا بھی پتہ لگایا ہے۔

مسعودی نے بعض واقعات کے ضمن میں فقہی اور اسلامی احکام پر بحث بھی کی ہے۔ مثلاً ہجرت مدینہ کے بعد نماز جمعہ کے انعقاد پر انہوں نے فقہاء کی آراء نقل کی ہیں۔ قرآن کی مکی اور مدنی سورتوں پر اور ان کی تعداد پر بحث کی ہے۔ مروج الذہب میں آپ کی بلاغت پر اور التنبیہ والاشراف میں اخبار غیب، کاتبین وحی، حضرت میمونہ سے شادی پر فقہی بحث کی ہے۔

تمام اختصار واختلاف اور انفرادی روایات وبیانات کے باوجود مسعودی کی سیرت نگاری اپنی بعض اہم خصوصیات کے لئے مطالعہ سیرت کے لئے ناگزیر ہے اور اس سے کسی طرح صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

مصادر و مآخذ

ابن تغری بردی (م ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء)	النجوم
ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۹ء)	لسان المیزان، چہارم ص ۵-۲۲۴
ابن شاکر کتبی، (م ۷۶۴ھ/ ۱۳۶۳ء)	فوات الوفیات
ابن العماد حنبلی، (م ۱۰۹۰ھ/ ۱۶۷۹ء)	شذرات الذہب
ابن الندیم (بعد ۳۷۷ھ/ ۹۸۷ء)	الفہرستہ ص ۱۵۴
احمد بن علی النجاشی (م ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء)	رجال
حاجی خلیفہ (م ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۷ء)	کشف الظنون، اول ۶-۱۸۵، ۲۷۱، ۳۳۴، ۴۳۳، ۴۹۴، دوم ۸۴۲
اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور	"المسعودی (مقالہ)"
ذہبی، (م ۷۴۹ھ/ ۱۳۴۸ء)	دول الاسلام، اول ۱۶۷، العبر فی من غبر، دوم ۲۶۹
سبکی تاج الدین (م ۷۷۲ھ/ ۱۳۷۰ء)	طبقات الشافعیہ، دوم ۳۰۷
طریف خالدی	Islamic Historigraphy: the Histories of Masuoi، اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس البانی ۱۹۷۵ء، بالخصوص ضخیمہ الف، ب ۱۴۸-۶۴
مقبول احمد	مسعودی بحیثیت جغرافیہ نگار، آزاد کتاب گھر کلاں محل دلی، ۱۹۷۸ء، بالخصوص ۲۲-۹
یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ/ ۱۲۲۸ء)	معجم البلدان، ۱۳، ۹۴-۹۰

مسعودی کی سیرت نبوی: مروج الذہب

عالمی نگارش تاریخ میں مسعودی بالکل منفرد مقام ومرتبہ کے مالک ہیں کہ وہ ابتدائے آفرینش سے اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہیں اور انبیاء سلاطین اور ملوک اوران کے ممالک ودیار کی تاریخ ثقافت وتہذیب بیان کرتے ہیں اور جب وہ عہد نبوی پر آتے ہیں تو اس کی تاریخ وتہذیب بھی اسی کے پس منظر میں لکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی سیرت نبوی ان کی عالمی تاریخ نگاری کا حصہ بن جاتی ہے اور پھر ظاہر ہے کہ وہ کافی مختصر ہو جاتی ہے۔ اس کے دوسرے اسباب میں یہ بھی ہے کہ وہ سیرت نبوی پر مفصل نظر نہیں ڈالتے اور طبری یا بلاذری وغیرہ کے برخلاف اس کو مختصر ہی رکھنا پسند کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ اپنی دوسری کتابوں میں سیرت نبوی کے مختلف ابواب بھی شامل کرتے جاتے ہیں۔ بہر کیف "مروج الذہب" میں صرف بیس صفحات ہیں جن کے اہم مباحث یہ ہیں:

پس منظر کے طور پر مسعودی نے رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک کا تعلق عالمی تاریخ کے پہلے ابواب سے تعلق اپنے ایک باب "ذکر جامع التاریخ من بدء العالم الی رسول اللہ ﷺ ومالحق بھذا الباب" (۹۳-۳۸۹) میں واضح کیا ہے اور پھر سیرت نبوی کا بیان شروع کیا ہے۔

"ذکر مولد النبی ﷺ ونسبہ وغیر ذلک مما لحق بھذا الباب" میں رسول اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت آپ کے نسب مطہر اور اس سے متعلق امور کا ذکر کیا ہے۔ اس میں اہم مباحث یہ ہیں: تمہید جس میں عالمی تاریخ سے عہد نبوی کے تعلق کا حوالہ اور آپ کی رسالت وبعثت کے دلائل وبراہین کا اظہار ہے، پھر نسب سامی کو حضرت آدم علیہ السلام تک ابن ہشام کی کتاب سے نقل کیا ہے اور دوسری کتابوں اور ماخذوں سے نسب کے اختلاف کو جو نزار بن معد بن عدنان وغیرہ کے بارے میں یا اوپر کی پیڑھیوں میں پایا جاتا ہے واضح کیا ہے۔ مسعودی نے ہشام بن محمد الکلبی، توراۃ وغیرہ کی

روایات نقل کی ہیں اور موخر الذکر سے انبیاء کرام کی عمریں نقل کر کے آپ کے ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ معد سے اوپر توقف کیا جائے، پھر خود دوسرے ذریعہ و مآخذ سے معد سے حضرت ابراہیم تک نسب پہونچایا ہے۔ دوسری بحث آپ کی کنیت ابوالقاسم کے بارے میں ہے اور اس میں کسی شاعر کے دو شعروں کے ذکر کے بعد آپ کے بعض اسماء گرامی کا بیان ہے۔ آپ کی ولادت کا صرف سال (عام الفیل) بیان کر کے عام الفجار سے اس کا زمانی بعد (بیس سال) بتا کر حرب الفجار کے سبب و واقعہ کا بیان کیا ہے۔ اس میں قریش کے پچیس بطون میں قریش البطاح اور قریش الظواہر ذکر کیا ہے، پھر حرب الفجار سے واپسی کے بعد حلف الفضول کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ چند اشعار کا بھی ذکر ہے۔ پھر حلف الفضول کے سبب، انعقاد و اثرات کا ذکر کرتے ہیں جس میں وہ الزبیر بن عبد المطلب کو اولین محرک و مساعی قرار دیتے ہیں اور ان کے دو شعر بھی نقل کئے ہیں۔ اسی ضمن میں وہ اپنی کتاب الاوسط کے حوالہ سے چار جنگ فجار کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چوتھی جنگ فجار میں رسول اکرم ﷺ نے شرکت کی تھی۔

اس کے بعد وہ اسی تسلسل میں آپ کے مال تجارت خدیجہ کے ساتھ شام کے سفر، نسطور راہب کے مشاہدہ نبوی ﷺ، اس کی بعثت محمدی کے چار سال نو ماہ اور چھ دنوں کے بعد ظاہر ہونے اور معجزہ سایہ بادل کا حوالہ دیتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی، تعمیر کعبہ میں شرکت اور تنصیب حجر اسود کی سعادت، تعمیر کعبہ کی وجہ، کعبہ کے خزانے اور تصاویر (جن کی تعداد ساٹھ کے قریب بتائی ہے) کا مختصر و مفصل ذکر کیا ہے۔ ان میں سے صرف تعمیر کعبہ کا بیان مفصل ہے۔ پھر عہد نبوی بلکہ حیات نبوی کے مختلف واقعات و امور کے درمیانی زمانی مسافت و بعد کا ذکر کیا ہے جیسے تعمیر کعبہ اور آپ کی بعثت کے درمیان پانچ سال کا وقفہ تھا اور ولادت و نبوت کے درمیان کا عرصہ چالیس سال اور ایک دن۔ پھر ولادت کی صحیح تاریخ دوشنبہ ۱۲ رشب جو ماہ محرم کی باقی تھیں۔ اور عہد ذوالقرنین کا ۸۸۲ تھا اور عربوں کی تاریخ کے مطابق مکہ پر ابرہہ کا حملہ ۱۷ رمحرم ۲۱۶ھ کو ہوا تھا اور نوشیرواں کی بادشاہی کا چالیسواں سال، اس لحاظ سے ۸ رربیع الاول کو آپ کی پیدائش دار ابن یوسف میں ہوئی تھی۔ والد ماجد شام گئے تھے کہ بیمار ہو کر مدینہ میں انتقال کیا اور تب آپ مادر رحم میں تھے۔ ان کے انتقال پر تاریخ دانوں کا اختلاف بھی نقل کیا ہے۔ پھر آپ کی والدہ ماجدہ کا نسب، عمر کے سال اول میں رضاعت حلیمہ،

سال دوم اقامت علاقہ بنی سعد (چار اشعار کے ساتھ) تیسرے سال میں شق صدر، چوتھے سال والدہ کے پاس واپسی، اور دوسری روایت اور تاریخ، ساتویں برس میں ماں کی وفات، آٹھویں برس دادا کی وفات اور چچا ابوطالب کی کفالت وسفر شام تیرھویں برس میں، پچیسویں برس میسرہ کی معیت میں تجارت خدیجہ کے ساتھ سفر شام کا مختصر ذکر کر کے آخر میں حوالہ اپنی کتاب اخبار الزمان کا دیا ہے کہ اس میں اس باب کو مفصل (مبسوط) بیان کیا ہے (۹۹-۳۹۳)۔

باب دوم ''آپ کی بعثت وہجرت کے درمیانی عرصہ کے واقعات'' پر مبنی ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ ان امور کا حوالہ دیا ہے۔ کامل چالیس بعد بعثت، تیرہ سال مکی قیام، تین سال تک معاملہ خفیہ، خدیجہ سے نکاح، مکہ میں بیاسی سورتوں کا نزول، بقیہ کا مدینہ میں نزول، اولین منزل سورۂ اقراء، سنیچر کی رات کو اولین ظہور جبریل، اتوار کو دوسرا اور دوشنبہ کو حراء میں رسالت کے ساتھ تیسرا، ''**مالم یعلم**'' تک آیات کا نزول، فرض نمازوں کی دو دو رکعتوں کا حکم، نماز سفر وحضر کا حوالہ، عالمی تقویم کے حساب سے آپ کی بعثت کی تاریخیں، اور تین شعر متعلقہ، اسلام ابی طالب پر علماء کا اختلاف، بعض کے نزدیک وہ اول مومن تھے اور بہت سوں کے نزدیک کافر رہے۔ مسعودی ان کے اسلام کے قائل ہیں اور اس موضوع پر اپنی کتابوں کے مفصل مباحث کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کے بعد دوسرے مسلمان بالترتیب ابوبکر، اور ان کی دعوت پر چھ صحابہ کرام کا اسلام، اس سے متعلق چھ اشعار، اولین مسلم کے مسئلہ پر مورخین کے اختلاف اور ان کے اقوال کا ذکر، خاتمہ اس پر کرتے ہیں کہ ہمیں جو قول پسند ہے اس کو ہم نے مقدم رکھا ہے۔ (۴۰۱-۳۹۹)۔

تیسرا باب ''ہجرت نبوی سے وفات تک کے واقعات'' پر مشتمل ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ ہجرت کا حکم الٰہی، جہاد کی فرضیت، اذان کا نزول، اور آپ کی بعثت، ہجرت، مکی قیام، وفات کی تاریخوں کے حوالہ دے کر اپنی کتاب اوسط کے حوالہ سے آپ کی ہجرت کا واقعہ چار سطروں میں بیان کر کے مدینہ میں تاریخ داخلہ، قباء میں قیام وجائے قیام، اول نماز جمعہ کی ادائیگی، نماز جمعہ پر فقہاء کی آراء، ناقہ منجانب اللہ تقرری، قیام وضیافت ابوایوب انصاری، ایک ماہ قیام کے بعد مسجد کی تعمیر اور اس کی زمین کی خرید کے بارے میں صرمہ بن انس کے قصیدہ کے سات اشعار، صیام رمضان کی فرضیت، تحویل قبلہ، بتیس سورتوں کا نزول، وفات، حضرت عائشہ کے گھر میں بیماری کے زمانے کا قیام، غزوات

نبوی کی تعداد اور اس پر مورخین کے اختلاف کی توجیہ، ترتیب وار غزوات کی فہرست صرف منازل کے ذکر کے ساتھ (چند میں نتائج کا بھی حوالہ)، نو غزوات میں قتال، ابن اسحاق اور واقدی کی روایات، سرایا کی تعداد اور اس پر معدحنین اور اہل سیر کا اختلاف، ابن جریر طبری اور محمد بن عمر واقدی کے اقوال کا حوالہ، وفات اور عمر، اولاد واخلاف میں حضرت فاطمہ اور ان کی وفات کی تاریخ، اور حضرت علی سے ان کی شادی کی تاریخ الترتیب، آپ کی تین ازواج مطہرات کا بالترتیب ذکر ترتیب زمانی کے ساتھ اور درمیان میں پیش آنے والے واقعات جیسے اسراء، وفات ابوطالب، وفات خدیجہ کا ذکر اور بقیہ تمام ازواج کے لئے اپنی کتاب اوسط کا حوالہ، آپ کے حسن معاملت پر جعفر بن محمد کی روایت، کل ازواج کی تعداد پندرہ مگر منکوحہ گیارہ اور نو بیواؤں کا ذکر، آپ کی عمر پر اختلاف اور ابن ہشام اور متقدمین محدثین صحابہ وغیرہ کے حوالہ سے مختلف اقوال، غسل، تکفین، قبر میں اترنے والوں کے نام اہم واقعات ہیں (۵-۴۰۱)۔

"ذکر امور واحوال من مولده الی وفاته صلی اللہ علیه وسلم" کے تحت واقعات عہد نبوی کا خلاصہ پیش کیا ہے جو زمانی ترتیب کے ساتھ ہے۔ جیسے اول برس رضاعت حلیمہ، پانچویں برس والدہ کے پاس واپسی، چھٹے برس مدینہ کا سفر اور وفات والدہ، نویں برس ابوطالب کے ساتھ سفر شام، کفالت ابی طالب اور اولاد عبدالمطلب کا ذکر، بحیرا کا واقعہ، اکیسویں برس جنگ فجار میں شرکت ذرا تفصیل کے ساتھ، پچیسویں برس خدیجہ سے شادی، چھتیسویں برس تعمیر کعبہ میں شرکت، اکتالیسویں برس بعثت، چھیالیسویں برس شعب میں محصوری، پچاسویں برس سفر طائف، وفات خدیجہ، اکیانویں برس اسراء، چون ویں برس ہجرت مدینہ، تعمیر مسجد نبوی، رخصتی حضرت عائشہ (کچھ تفصیل کے ساتھ)، اذان کی ابتداء، حضرت علی کی فاطمہ سے شادی، ۲ھ میں صیام رمضان کی فرضیت، تحویل قبلہ، وفات رقیہ حضرت علی کے گھر حضرت فاطمہ کی رخصتی، واقعہ بدر، ۳ھ حضرت زینب بند خزیمہ سے شادی اور وفات، آپ کی حضرت حفصہ سے شادی، حضرت عثمان کی حضرت ام کلثوم سے شادی، حضرت حسن کی ولادت اور غزوہ احد، غرضکہ اسی طرح ۴ھ، ۵ھ، ۶ھ، ۷ھ، ۸ھ، ۹ھ، ۱۰ھ کے اہم واقعات کو مختصر ذکر کیا ہے جس کا خاتمہ دو شعروں پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک ضمنی سرخی کے تحت آپ کے تین فرزندوں، چار بنات مطہرات کا مختصر ذکر کر کے پھر اپنی دو کتابوں - کتاب اخبار الزمان اور کتاب اوسط - کا حوالہ دے کر اس باب کو ۳۳۲ھ میں ختم کرنے کا ذکر کیا ہے (۹-۴۰۵)۔

سیرت نبوی کا آخری باب مروج الذھب میں آپ کے کلام بلاغت نظام پر " ذکر مابداء به علیه الصلاة والسلام من الکلام مما لم یحفظ قبله عن احدمن الانام" کے عنوان سے ذکر کیا ہے جو خاصا مفصل ہے۔ پہلے قرآن کے ساتھ آپ کے مبعوث ہونے کا حوالہ ہے پھر قرآنی اعجاز و بلاغت اور نظم پر مختصر گفتگو ہے، اس کو آپ کے دلائل نبوت اور معجزات کا جز و اولین بتایا ہے پھر جوامع الکلام کو بھی ثبوت رسالت میں پیش کر کے اس کے معنی و مفہوم کی اہمیت ذکر کی ہے اور متعدد مواقع کے خطبات وارشادات نقل کئے ہیں (۱۲-۴۰۹)۔ اور ساتھ ہی ان کی معنوی اہمیت، ترفع اور بلاغت کا بھی حوالہ دیا ہے۔ خاتمہ ان مولفین گرامی کے ذکر پر کیا ہے جنہوں نے آپ کے کلام بلاغت نظام کو جمع کیا ہے جیسے ابواسحاق الزجاجی النحوی شاگرد ابوالعباس المبرد وغیرہ۔ یہی ان کی اس کتاب کی سیرت نبوی کا آخری باب ہے۔

مسعودی کی سیرت نبوی- التنبیہ والاشراف

مسعودی کی "مروج الذہب کے سوا دوسری دستیاب کتاب "التنبیه والاشراف " بھی عالمی تاریخ نگاری کا ایک مرقع ہے جو اول الذکر کے بالمقابل نسبتاً کمتر وسعت وضخامت کی حامل ہے۔ اور وہ بعد کی بھی تالیف ہے کہ مؤلف گرامی ۳۴۵ھ میں اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔ اس کی طباعت واشاعت بھی کئی بار ہو چکی ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ جو نسخہ ہے وہ مکتبہ خیاط بیروت ۱۹۶۵ء کا ہے اور چار سو صفحات کے متن کتاب میں سے لگ بھگ ساٹھ صفحات سیرت نبوی کے مختلف ابواب کے لئے وقف کئے ہیں (۸۴-۲۲۷)۔

مروج الذهب کی مانند ذکر نبوی سے پہلے کے باب میں وہ عہد نبوی یا سیرت نبوی کو عالمی تاریخ سے متصل کرتے ہیں کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے آپ کی ولادت تک کے اہم عالمی تاریخ کے ابواب وواقعات کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں پھر اس کو تاریخ اسلامی -از ولادت نبوی تا خلافت المطیع ۳۴۵ھ- تک جوڑ دیتے ہیں۔ اور اس کا عنوان بھی ایسا طویل وواضح بیان کرتے ہیں کہ وہ پوری تاریخ اسلامی کا جامع بن جاتا ہے۔

سیرت نبوی کا باب "ذكر التاريخ من مولد رسول الله ﷺ ومبعثه وهجرته ومغازيه وسراياه وسواريه وكتابه ووفاته الخ" کے عنوان سے شروع کرتے ہیں۔ اور اس کی تمہیدی سطور میں اپنی سابقہ کتب کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی ولادت ونبوت کی پیشگوئیاں اور نشانیاں تواتر کے ساتھ ظاہر ہو چکی تھیں۔ آپ کے معجزات اور دوسرے دلائل نبوت جیسے قرآن کریم، اخبار غیب یا مبشرات، تکثیر طعام وغیرہ کا حوالہ دے کر وہ آپ کی سیرت کا آغاز کرتے ہیں۔

ولادت ہی بیان میں آپ کا نسب گرامی معد (بن عدنان) تک بیان کر کے بقیہ اوپر کے نسب نبوی کو نہ بیان کرنے کی وجوہ جیسے ممانعت نبوی، کذب نسابین، اختلاف مورخین کا مختصر ذکر کرتے ہیں اور پورے موضوع پر مفصل بحث کے لئے اپنی "کتاب الاستذکار لماجری فی سالف الاعصار" کا حوالہ دیتے ہیں، پھر آپ کی کنیت اور والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بیان کر کے تاریخ ولادت آٹھ ربیع الاول عام الفیل ذکر کرتے ہیں اور اس کی موافق دوسری تاریخیں بھی دیتے ہیں اور دوسری تاریخوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جیسے مکہ پر اصحاب الفیل کے حملہ کی تاریخ جو ولادت نبوی سے پینسٹھ دن پہلے تھی یا کچھ کم تھی۔ اسی ضمن میں وہ آپ کے والد گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کی معروف تاریخ کے علاوہ دوسری اختلافی تاریخیں بھی بیان کرتے ہیں اور شامی تجارت میں شرکت، مدینہ میں تدفین اور عمر کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ دوسرے واقعات سیرت طیبہ کا ذکر یوں ہے: رضاعت حلیمہ، ان کا نسب، ان کے شوہر اور اولادوں کے نام، حضرت شیماء کے کاندھے پر بچپن میں آپ کے کاٹ کھانے اور اس واقعہ اور نشانی کے حوالہ سے غزوہ حنین میں آپ سے اپنا تعارف کرانے اور اسیران حنین کو آزاد کرانے کا واقعہ، آپ کی مدت رضاعت (چار سال)، والدہ کے پاس واپسی، والدہ کی وفات وجائے وفات وتدفین، ان کے سفر مدینہ کا سبب اور عبدالمطلب کی والدہ کا نسب، آپ کی حضرت ام ایمن کے ساتھ مکہ واپسی، کفالت ووفات عبدالمطلب، کفالت ابوطالب، چچا کے ساتھ تیرہ سال کی عمر میں سفر شام، اور بحیرا راہب کی پیشگوئی رسالت محمدی، حرب الفجار اور حلف الفضول میں آپ کی شرکت، حضرت خدیجہ کی تجارت میں شرکت، ان کے مال کے ساتھ شام کا سفر، نسطور راہب کی نبوت محمدی کے بارے میں پیشگوئی، شام سے واپسی، خدیجہ سے شادی، تعمیر کعبہ میں شرکت وتنصیب حجر اسود، چالیس سال کی عمر دوشنبہ ۱۰ ربیع الاول کو بعثت، اس کی دوسری موافق تاریخیں، اولین مسلم پر اختلاف اور ان کے اسلام کی روایات جیسے اسلام علی پر مفصل بیان ہے اور امامت کے نظریہ پر بھی، پھر حضرات ابوبکر، زید بن حارثہ، خباب بن الارث اور بلال کی اولیت کی روایات واقوال، قیام مکی، وفات وعمر ابوطالب، وفات خدیجہ کی تاریخ، شعب کی محصوری اور اس کی مدت، سفر طائف وغیرہ (۲۲۷-۲۳۳)۔

ہجرت نبوی کی تاریخ، ہجرت علی، اذن ہجرت اور اولین مسلم مہاجرین کے نام کے مختصر حوالوں کے بعد سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ بن الحارث، رخصتی وشادی حضرت عائشہ اور سریہ سعد کا اھ میں نسبتاً

تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔(۵-۲۳۳)۔دوسرے سنہ ہجرت کی سرخی میں اس کو سال حکم الٰہی (سنة الامر) کہا ہے کہ اس میں قتال کا حکم دیا گیا تھا۔اس کے تحت جو واقعات مذکور ہوئے ہیں یہ ہیں: غزوہ ودان/ابواء کی کچھ تفصیل کے بعد حضرات علی و فاطمہ کی شادی کا حوالہ،غزوۂ بواط ، غزوۂ سفوان ، غزوۂ ذوالعشیرہ ،سریہ عبداللہ بن جحش،فرضیت صیام رمضان،تحویل قبلہ،ابتداء اذان کی مختصر تفصیل،غزوہ بدر کا واقعہ کافی تفصیل کے ساتھ (یعنی ۹-۲۳۷)۔سریہ عمیر بن عدی (عصماء بنت مروان)،فرضیت زکوۃ الفطر،سریہ سالم بن عمیر،(ابوعفک) غزوہ بنوقینقاع،غزوہ سویق،رخصتی حضرت فاطمہ،عیدالاضحیٰ اور قربانی کی سنت،واقعہ ذی قار (نسبتاً تفصیل کے ساتھ) (۴۳-۲۳۹)۔

۳ھ جو سنة التمحيص کے نام سے موسوم تھا حسب ذیل واقعات بیان کرتا ہے: غزوہ قرقرۃ الکدر،سریہ قتل کعب بن الاشرف،غزوہ بحران،غزوہ غطفان،(ذوامر)،سریہ قردہ،حضرت حفصہ سے آپ کی شادی،ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ سے شادی ، اور غزوہ احد واحمراء الاسد (۵-۲۴۳)۔

۴ھ سنة الترفيه کے اہم واقعات یہ تھے: سریہ قطن،سریہ عبداللہ بن انیس،سریہ رجیع، سریہ عمرو بن امیہ ضمری،غزوہ بنی النضیر ،نسب بن النضیر و بنوقریظہ،تحریم خمر،ولادت حسین بن علی، حضرت ام سلمہ سے شادی،دو یہودیوں کی زنا کے جرم میں سنگساری،غزوہ بدر موعد (۸-۲۴۵)۔

۵ھ سنة الاحزاب کے اہم واقعات وحوادث کا بیان مسعودی یہ ہے: غزوہ ذات الرقاع،صلاۃ الخوف،غزوہ دومۃ الجندل،غزوہ بنوالمصطلق ، واقعہ افک،تیمم کی آیات کا نزول،غزوہ خندق/احزاب،غزوہ بنی قریظہ،وفات حضرت سعد بن معاذ،حضرت زینب بنت جحش سے شادی،سریہ ابوعبیدہ بن جراح (۵۱-۲۴۸)۔

۶ھ سنة الاستئناس کے غزوات وسرایا اور حوادث تھے: سریہ قرطاء،غزوہ بنی لحیان، سریہ عمر (طرف قارہ)،سریہ ہلال بن حارث مزنی،سریہ بشر بن سوید جہنی،اسی غزوہ کے دوران،غزوہ ذی قرد،پھر سرایائے سعد بن عبادہ (غمیم) ابوعبیدہ (اجاء سلمیٰ) عکاشہ (غمر) محمد بن سلمہ (ذوالقصہ) ،ابوعبیدہ (ذوالقصہ)،زید بن حارثہ (جموم) (عیص)،الطرف حسمیٰ،وادی القریٰ،عبدالرحمٰن بن عوف (دومۃ الجندل) علی بن ابی طالب (فدک)،زید بن حارثہ،(ام قرفہ)،عبداللہ بن عتیک،عبد

اللہ بن رواحہ، (اسیر بن رازم)، کرز بن جابر (عرینہ)، نورا تفصیل کے ساتھ غزوہ صلح حدیبیہ سے واپسی پر حدیث غدیر خم کا واقعہ، نماز استسقاء اسلام مغیرہ بن شعبہ، اور نزول سورۂ روم (۵۶-۲۵۱)۔

۷ھ سنة الاستغلاب کے بارے میں مسعودی نے ان واقعات کا ذکر کیا ہے: غزوہ خیبر، قدوم جعفر از حبشہ اور حضرت ام حبیبہ کی رخصتی معہ شادی کے حوالہ کے، آپ کو زہر آلود کھانا کھلانے کا واقعہ (کچھ تفصیل کے ساتھ) اور بعض روایات اور کتابوں جیسے ابوعبید القاسم بن سلام کی کتاب غریب الحدیث کے حوالہ کے ساتھ)، فتح فدک و وادی القریٰ، اور تیماء، خاتم نبوی کا استعمال اور فرامین نبوی میں استعمال، خطوط نبوی کا طریقہ کار، سفراء نبوی کی روانگی برائے کسریٰ ایران، قیصر روم، نجاشی حبشہ، بحرین، ہوذۃ الحنفی، حارث غسانی وغیرہ، سریہ عمر (تربہ) سریہ ابی بکر (بنی کلاب نجد)، سریہ بشیر، سریہ غالب (میفعہ) سریہ بشیر بن سعد (یمن و جبار)، غزوہ عمرۃ القضاء، حضرت میمونہ سے شادی اور فقہی بحث اور کچھ تفصیل کے ساتھ اور حضرت عباس کی اہلیہ ام الفضل کے رشتہ کے حوالہ کے سمیت، حضرت جعفر کی اسماء سے شادی اور ان سے دوسری شادیوں کا حوالہ، ولید بن مغیرہ مخزومی کی لبابہ الصغریٰ سے شادی، سریہ ابن ابی العوجاء، سریہ عبداللہ بن ابی حدود (دوعدو) (۶۴-۲۵۶)۔

۸ھ سنة الفتح کے اہم واقعات میں سے یہ ہیں: سریہ غالب (بنی الملوح)، سریہ غالب (فدک)، اسلام عمرو بن العاص، سریہ شجاع بن وہب، سریہ کعب بن عمیر غفاری، سریہ موتہ، سریہ عمرو بن العاص (ذات السلاسل)، سریہ ابوعبیدہ بن جراح، سریہ ابوقتادہ بن النعمان (دوعدد)، غزوہ فتح مکہ کچھ تفصیل کے ساتھ (۸-۲۶۶) مکہ کے اردگرد کے سرایا جیسے خالد بن الولید (نخلہ)، عمرو بن العاص (سواع) سعد بن زید (مناۃ) خالد بن سعید (عرنہ) ہشام بن العاص (یلملم) وغیرہ، غزوہ ہوازن/حنین (کچھ تفصیل کے ساتھ جس میں عاریت پر فقہاء کے اقوال شامل ہیں)، مسعودی نے اسی سنہ کے تحت غزوہ تبوک کا بھی ذکر کر دیا ہے اور اس کے واقعات میں اپنی بعض کتابوں اور تین پیچھے رہ جانے والے صحابہ کرام کے واقعہ، مسجد ضرار کے انہدام، وفات حضرت ام کلثوم، عبداللہ بن ابی کے انتقال، صدقات کی فرضیت، عشر وغیرہ کا قانون، حج ابوبکر، امارت علی کا بھی شامل ہے (۷۳-۲۶۴)۔

۱۰ھ سنة حجة الوداع کے اہم واقعات ہیں: سریہ اسامہ (فلسطین) سریہ خالد بن الولید (بنو عبدالمعان) وفات حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ، سریہ علی بن ابی طالب (یمن) خراج

و جزیہ کے اموال بحرین کی آمد مدینہ، وفود عرب کی آمد (اختصار کے ساتھ)، حجۃ الوداع مختصراً مع خطبہ نبوی (۶-۲۷۳)۔

اا ھ سنة الوفاة کے اہم واقعات اس کتاب میں جو بیان ہوئے ہیں یہ ہیں: سفارت عمرو بن العاص طرف عمان، اسود عنسی کا ظہور و عروج، سریہ حضرت اسامہ بن زید، غزوات نبوی کی تعداد اور اس کے اسماء، نو میں مقاتلہ کا حوالہ، ابن اسحاق اور واقدی کے حوالہ کے ساتھ، کل تعداد سرایا و مہمات تہتر کا ذکر، اور اس تعداد پر علماء کا اختلاف اور ان کے حوالے جنگ کے طریقہ پر کچھ بحث (۸۱-۲۷۹)، وفات کی تاریخ، اس پر علماء کا اختلاف، مختلف تاریخیں، غسل و تکفین اور تدفین (۸۲-۲۷۶)۔

اسی کے بعد آپ کے کاتبین کا ذکر خیر ہے اور ان کے کام کی نوعیت کا بھی حوالہ ہے اور اسی پر سیرت نبوی کا باب ختم ہوتا ہے (۸۴-۲۸۳)۔

امام ابن حبان بُستی

(۳۵۴-۲۶۹ھ/۹۶۵-۸۸۲ء)

سیرت نگاری بلا شبہ تمام طبقات امت یا طبقات اہل قلم کا ایک محبوب و مقبول مشغلہ رہا ہے۔ وہ تاریخ داں رہے ہوں یا خالص سیرت نگاری، مفسر ہوں یا محدث، منطقی و فلسفی رہے ہوں یا اہل لغت وادب، شاعر رہے ہوں یا نثر نگار، صوفی ہوں یا فقیہ، صاحب دل رہے ہوں یا ظاہری، غرض کہ ان کی پہچان و معرفت کچھ بھی رہی ہو وہ سیرت نبوی کے عاشق اور سیرت نویسی کے دلدادہ ضرور نظر آتے ہیں۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ہر ایک کو اپنے فکری مسلک اور دینی مذہب کی بنیاد و نہاد سیرت نبوی ہی میں ملتی ہے۔

لیکن ایک ایسا میدان فکر و نگارش جہاں بظاہر سیرت نبوی اور سیرت نگاری کا امکان ہی نظر نہیں آتا شیفتگی رسول اکرم ﷺ اور الفت نبوی وہاں اس کی نمود و پرورش پیدا کر دیتی ہے۔ فن جرح و تعدیل اور علم اسماء الرجال ایک ایسا ہی موضوع معلوم ہوتا ہے جہاں سیرت نگاری کی گنجائش نظر ہی نہیں آتی لیکن ماہرین فن نے وہاں بھی اس کو نہ صرف ضروری سمجھا بلکہ اپنی کتاب مستطاب میں اس پر سب سے زیادہ یا کافی حد تک لکھ ڈالا۔ اس فن میں سیرت نبوی پر ایک نمائندہ تحریر امام ابن حبان بُستی کی "کتاب الثقات" میں ملتی ہے۔ جس کی اولین ڈیڑھ جلدیں سیرت نبوی کے لئے وقف ہیں اور باقی نصف تقریباً تاریخ اسلامی کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔

فن اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے امامان وقت میں سے کئی صاحب قلم نے سیرت نبوی سے تبرکاً تعرض کیا ہے جس طرح بعض دوسرے اصحاب فکر و نظر نے سعادت و برکت کی خاطر خامہ فرسائی کی ہے تاہم کسی اور کے ہاں اتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ سیرت نبوی سے متعلق تحریر نظر نہیں آتی۔

نام ونسب

اسم گرامی محمد ہے اور کنیت ابو حاتم۔ مگر وہ ابن حبان کی نسبت سے زیادہ معروف ہیں جو ان کے والد کے نام کی طرف راجع ہے۔ ان کا نسب ہے: محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد بن سہید بن ہدیہ بن مرہ بن سعد بن یزید بن مرہ بن زید بن عبداللہ بن دارم بن مالک بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی۔ یہ شجرہ نسب امام ذہبی نے شروع ہی میں نقل کیا ہے، وہ عرب قبیلہ تمیم کے ایک فرد ہونے کے سبب تمیمی کہلاتے ہیں اور بجستان کے شہر بُست میں پیدا ہونے کی بناء پر بُستی۔ یاقوت حموی نے یہ کہہ کر کہ معبد تک تو غنجار (ابوعبداللہ محمد بن احمد النجاری) اور دوسروں کا اتفاق ہے پھر غنجار نے اوپر کی پیڑھیاں بیان کی ہیں جن میں امام ذہبی سے اختلاف بھی ہے اور اضافہ بھی۔

ولادت

تذکرہ نگاروں کے خیال کے مطابق ان کی ولادت بُست (بجستان) میں ہوئی۔ براکلمان نے تاریخ ولادت نہیں دی ہے مگر ان کی بیان کردہ تاریخ سے وہ ۲۷۰ھ کے لگ بھگ آتی ہے۔ امام ذہبی نے بھی تاریخ ولادت کا حوالہ نہیں دیا اور ان کی بیان کردہ عمر امام سے وہ اس سنہ سے بھی پہلے رہی ہوگی۔ احتیاط کے طور پر وہ ۲۶۹ھ متعین کی جاسکتی ہے۔

تعلیم وتربیت

امام ابن حبان کی تعلیم وتربیت گھر کے مدرسہ اور وطن کی درسگاہوں سے شروع ہوئی اور اس کی تکمیل متعدد اسلامی مراکز میں زانوے ادب تہہ کرنے سے ہوئی۔ انہوں نے بہت سے مراکز وامصار کے سفر کیئے۔ امام ذہبی کے مطابق انہوں نے جن شیوخ سے سماعت کی تھی ان کے اسماء گرامی ہیں: الحسین بن ادریس الہروی، ابو خلیفہ الجمحی، ابوعبدالرحمٰن نسائی، عمران بن موسی بن مجاشع، الحسن بن سفیان، ابو یعلی الموصلی، احمد بن الحسن الصوفی، جعفر بن احمد الدمشقی، اور ابوبکر بن خزیمہ۔ ان کے علاوہ بہت سے دوسرے شیوخ تھے جو مصر سے خراسان تک پھیلے تھے اور جن کی تعداد نہیں گنائی جاسکتی۔

براکلمان نے ان کے اساتذہ میں صرف امام نسائی کا ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے ان کے اسفار کے حوالہ سے ان کے بعض دوسرے شیوخ کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً نیسا پور گئے تو عبداللہ بن شیرویہ وغیرہ سے سماعت کی، بخارا کا سفر کیا تو عمر بن محمد بن بجیر سے تعلق خاطر پیدا کیا۔

یاقوت حموی نے امام ابن حبان بُستی کے شیوخ واساتذہ کی ایک طویل فہرست دی ہے جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علاقہ اور مضمون کی بھی قید ملتی ہے۔ مثلاً ان کے سب سے بڑے استاذ اور فقہ حدیث وفرض کے شیخ امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ تھے جن کی خدمت میں وہ مدتوں رہے۔ ان کے وطنی شیوخ میں قاضی ابواحمد اسحاق بن ابراہیم، ابوالحسن محمد بن عبیداللہ بن الجنید البستی کا نام لیا ہے، ہرات میں ابوبکر محمد بن عثمان بن سعد الداری سے سماعت کی تھی۔ دوسرے شیوخ تھے: ابوعبداللہ، ابوعبد الرحمٰن عبداللہ بن محمود بن سلیمان السعدی، اور ابویزید محمد بن یحییٰ بن خالد المدینی (مرو میں)، ابوعلی الحسین بن محمد بن مصعب السنجی اور ابوعبداللہ محمد بن نصر بن ترقل الہورقانی (قریہ سنج میں)، ابوحفص عمر بن محمد بن یحییٰ الہمدانی (صغد / ماوراء النہر میں)، ابوالعباس الحسن بن سفیان الشیبانی، محمد بن عمر بن یوسف، اور محمد بن محمود بن عدی (نساء میں)، ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج الثقفی اور ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن شیرویہ الازدی (نیسا پور میں)، ابوعبداللہ محمد بن المسیب بن اسحاق الارغیانی (ارغیان میں) عمران بن موسیٰ بن مجاشع اور احمد بن محمد بن عبدالکریم الوزان (جرجان میں)، ابوالقاسم العباس بن الفضل بن عاذان المقری اور علی بن الحسن بن مسلم الرازی (رے میں)، حافظ ابوعمارہ احمد بن عمارہ بن الحجاج اور حسین بن اسحاق الاصبہانی (الکرج میں)، ابومحمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ الجوالیقی المعروف بعبدان الاہوازی (عسکر مکرم)، حافظ ابوجعفر احمد بن محمد بن یحییٰ بن زہیر (تستر میں)، ابویعلی محمد بن زہیر اور حسین بن محمد بن نسطام (ابلہ میں)، ابوخلیفہ الفضل بن الحباب الجمحی، ابویحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی، ابوسعید عبدالکریم بن عمر الخطابی (بصرہ میں)، ابومحمد جعفر بن احمد بن سنان القطان، خلیل بن محمد الواسطی ابن بنت تمیم بن المنتقر (واسط میں)، عبداللہ بن قحطبہ بن مرزوق الصلحی (فم الصلح میں)، خلاد بن محمد بن خالد الواسطی (نہر سابس/قریہ واسط میں)، ابوالعباس حامد بن محمد بن شعیب البلخی، ابواحمد الہیثم بن خلف الدوری، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز العفوی (بغداد میں)، ابومحمد بن عبد اللہ بن زیدان البجلی (کوفہ میں)، فقیہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نیسا پوری صاحب/مولف ''کتاب

الاشــراف فی اختلاف الفقهاء " ،ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی (مکہ مکرمہ میں)،علی بن سعد بن العسکری (عسکر سامرا میں)،ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی، ہارون بن المسکین البلدی،ابو جابر زید بن علی بن عبدالعزیز بن حیان الموصلی ،روح بن عبدالمجیب الموصلی (موصل میں)، علی بن ابراہیم بن الہیثم الموصلی (شہر سنجار میں)،ابوالسری ہاشم بن یحیٰ النصیبی اور مسدد بن یعقوب بن اسحاق الفلوسی (نصیبین میں)،محمد بن الحسین بن ابی معشر السلمی (کفرتوثا/ دیار ربیعہ میں)،ابوبدر احمد بن خالد بن عبد الملک بن عبداللہ بن مسرح الحرانی (سرغامرطا/ دیار مضر میں)،محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن فروخ البغدادی (رافقہ میں)،حسین بن عبداللہ بن یزید القطان (رقہ میں)،حافظ عمر بن سعید بن سنان اور صالح بن الاصبغ بن عامر التنوخی (منبج میں) علی بن احمد بن عمران الجرجانی ،حلب میں)،ابوطالب احمد بن داؤد بن محسن بن ہلال المصیصی (مصیصہ میں) حافظ ابوعلی وصیف بن عبداللہ (انطاکیہ میں)،محمد بن یزید الدورقی اور ابراہیم بن ابی امیہ الطرسوسی (طرسوس میں)،محمد بن علان الاذنی (اذنہ میں)،محمد بن ابی المعانی بن سلیمان الصیداوی (صیداء میں)،محمد بن عبداللہ بن عبدالسلام البیروتی المعروف بمکحول (بیروت میں)،محمد بن عبیداللہ بن الفضل الکلاعی الراہب (حمص میں)، حافظ ابوالحسن احمد بن عمیر بن جوصاء،جعفر بن احمد انصاری،حافظ ابوالعباس حاجب بن ارکین الفرغانی (دمشق میں)،عبداللہ بن محمد بن مسلم المقدسی الخطیب (بیت المقدس میں)،ابوبکر محمد بن الحسن ابن قتیبہ العسقلانی (رملہ میں)،ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی ،سعید بن داؤد بن وردان المصری ،علی بن الحسین بن سلیمان المعدل (مصر میں)،اور مذکورہ بالا کے علاوہ اس طبقہ کی ایک کثیر جماعت سے انہوں نے سماعت کی تھی۔

امام ذہبی کے مطابق امام ابن حبان نے کتاب الانواع میں لکھا ہے کہ ہم نے شاید دو ہزار شیوخ سے زیادہ سے لکھا ہے۔زرکلی نے ان کے اسفار خراسان،شام،مصر،عراق اور جزیرہ کا ذکر کیا ہے۔لیکن یاقوت حموی نے ان کے علمی اسفار کے ضمن میں جن امصار و دیار کا ذکر کیا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔شاش اور اسکندریہ کے درمیان واقع تمام علاقوں کی زیارت کی تھی اور غالباً عالم اسلام کا کوئی معروف وغیر معروف علاقہ اور مرکز علم نہیں چھوڑا تھا۔

تعلیمی و منصبی مشاغل

امام ابن حبان نے جس طرح مختلف امصار و دیار میں تعلیم حاصل کی تھی اسی طرح تعلیم و تدریس کے فرائض بھی مختلف مراکز میں انجام دیئے جن میں نساء اور نیشاپور کا تذکرہ براکلمان نے کیا ہے۔ موخر الذکر میں ان کا قیام ۳۳۴ھ/۹۴۵ء میں رہا تھا۔ بعدہ وہ سمرقند میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور استاذ حدیث وفقہ بن گئے۔ وہ سمرقند کے قاضی بھی رہے لیکن براکلمان بہ سند گولڈز کا قول ہے، ذہبی نے ابوسعد الادریسی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ ایک زمانے تک سمرقند کے عہدہ قضا پر فائز رہے۔ براکلمان نے لکھا ہے کہ نبوت کو علم وعمل کا مجموعہ بتانے کے جرم میں ان پر الحاد کا بہتان لگایا گیا جس کی بنا پر شہر بدر کر دیا گیا۔ پھر نساء اور نیشاپور اسفار کئے۔ امام ذہبی کے مطابق ۳۳۴ھ میں جب وہ نیشاپور گئے تو نسا کے عہدۂ قضا پر مقرر ہوئے۔ پھر نیشاپور گئے اور وہاں کے قیام کے دوران یعنی ۳۳۷ھ میں ایک خانقاہ تعمیر کی اور اس میں ان کی تمام کتب کی قراءت کی گئی۔ نیشاپور سے اپنے وطن بجستان گئے (۳۴۰ھ میں) اور اس کا سفر بھی ان کی کتابوں کی سماعت کے لئے تھا اس کے قیام کے بعدہ وہ دوبارہ سمرقند میں سکونت پذیر ہوئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔ ان کے تلامذہ میں ذہبی نے حاکم، منصور بن عبداللہ خالدی، ابومعاذ عبد الرحمٰن بن محمد بن رزق اللہ، ابوالحسن محمد بن احمد بن ہارون الزوزنی، اور محمد بن احمد بن منصور النوقانی کا ذکر کر کے کہا ہے کہ ان کے علاوہ بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا تھا اور سماعت کی سعادت پائی تھی۔

وفات

بقول براکلمان اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۲۲ر شوال ۳۵۴ھ/ ۲۱ر اکتوبر ۹۶۵ء کو وفات پائی۔ حافظ ذہبی کی ایک روایت میں ہے کہ امام ابن حبان نے شوال ۳۵۴ھ میں وفات پائی اور وہ اسی کی دہائی میں تھے۔ براکلمان نے بھی اسی سال کی عمر بتائی ہے۔ حافظ موصوف نے ان کے ساتھ اسی سنہ میں ان کے بعض اہم معاصرین کی وفات کا بھی ذکر کیا ہے جیسے شاعر متنبی (ابوالطیب احمد بن الحسین الجعفی الکوفی) اور مستند نیشاپور ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ایوب الصبغی (بعمر ایک سو چار سال)۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ ان کا جمعہ کی شب میں انتقال ہوا اور نماز جمعہ کے بعد شہر بُست میں اس صفہ میں مدفون ہوئے

جو اپنے گھر کے قریب بنایا تھا۔ان کے شاگرد حافظ غنجار نے لکھا ہے (اپنی تاریخ بخارا میں) کہ وہ بجستان میں فوت ہوئے تھے۔اوران کا مزار مرجع خلائق ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ان کا انتقال بُست ہی میں ہوا تھا۔

یاقوت حموی نے ان کے شیوخ کی مانندان کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ان کی فہرست حسب ذیل ہے: حافظ الحاکم ابوعبداللہ، ابوعبداللہ بن مندہ الاصبہانی، حافظ ابوعبداللہ محمد بن احمد الغنجار البخاری، ابوعلی منصور بن عبداللہ بن خالد ذہلی ہروی، ابومسلمہ محمد بن محمد بن داؤد الشافعی، جعفر بن شعیب بن محمد بن السمر قندی، الحسن بن منصور الاسفیجابی، الحسن بن محمد بن سہل الفارسی، ابوالحسن محمد بن احمد بن محمد بن ہارون الزوزنی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن خشنام الشروطی ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت اور ہے جس کی تعداد گنانی ناممکن ہے۔

تصانیف

امام ابن حبان متعدد گرانقدر کتابوں کے مولف بھی ہیں۔جن میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں:

(۱) "کتاب التقاسیم والانواع" کو براکلمان نے ان کی سب سے بڑی تصنیف قرار دیا ہے کیونکہ یہ مجموعۂ حدیث مصنوعی ترتیب رکھتا ہے۔اس پر علی بن بلبان الفارسی (م ۷۳۹ھ/ ۱۳۳۸ء) نظر ثانی کی اور جس پر ابن حجر کے حواشی بھی ہیں۔ زرکلی کے بقول اس میں صحاح ستہ کی روایات جمع کروی ہیں لیکن ان کی اسانید حذف کر کے۔

(۲) "کتاب الثقات" رواۃ حدیث کی مشہور تالیف ہے۔جسے ابن حجر الہیثمی نے از سر نو مرتب کیا ہے۔حیدر آباد دکن کی مجلس دار المعارف العثمانیہ سے ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء) میں جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۳) "مشاهير علماء الامصار" ایک جزءلطیف میں ہے۔

(۴) "روضة العقلاء ونزهة الفضلاء" ادب پر اخلاقی کتاب ہے جو قاہرہ سے ۱۳۲۸ھ میں چھپ گئی ہے۔مولف گرامی نے اس میں اپنی گیارہ دوسری تصانیف کا حوالہ دیا ہے۔

(۵) "المسند الصحيح" علم حدیث کی اہم کتاب ہے۔ذہبی اورزرکلی وغیرہ نے اس کا

ذکر کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ابن ماجہ سے زیادہ صحیح ہے۔

(۶) "التاریخ" کا عنوان صرف ذہبی نے دیا ہے جب کہ زرکلی نے "علل اوھام اصحاب التواریخ" کا نام لیا ہے۔ یہ کتاب دس اجزاء میں ہے۔

(۷) "کتاب الضعفاء"، زرکلی نے "معرفة المجروحین من المحدثین" عنوان دیا ہے۔ وہ ضعیف و غیر ثقہ رواۃ حدیث کی کتاب ہے۔

(۸) "کتاب التابعین" بقول یاقوت و زرکلی بارہ جلدوں میں ہے۔

(۹-۱۰) "اتباع التابعین" اور "مستباع التبع" دونوں پندرہ جلدوں/اجزا میں ہیں یہ زرکلی کا بیان ہے۔ یاقوت کے مطابق اول الذکر پندرہ اجزاء میں ہے اور کتاب تبع الاتباع سترہ میں، تباع التبع بیس اجزاء میں ہے۔

(۱۱) "غرائب الاخبار" بقول زرکلی بیس اجزاء میں ہے

(۱۲) "اسامی من یعرف بالکنی" کی تین جلدیں/اجزاء ہیں۔

(۱۳) "المعجم" (شہروں/بلاد و مدن کا) دس جلدوں میں ہے

(۱۴) "وصف العلوم وانواعها" تیس اجزاء میں ہے۔

یاقوت حموی نے ان کی کتابوں کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جن میں سے متعدد مذکورہ بالا کتب سے مختلف اور ان کے علاوہ ہیں۔ وہ فہرست حسب ذیل ہے:

کتاب الصحابه	پانچ اجزاء
کتاب الفصل بین النقله	دس اجزاء
کتاب علل اوهام اصحاب التاریخ	دس اجزاء
کتاب علل حدیث الزهری	بیس اجزاء
کتاب علل وحدیث مالک	دس اجزاء
کتاب علل مناقب ابی حنیفه امثاله	دس اجزاء
کتاب ما خالف الثوری شعبة	تین اجزاء
کتاب ما انفرد فیه اهل المدینة من السنن	دس

كتاب ما انفرد به اهل مكه من السنن	دس
كتاب ما عند شعبة عن قتاده وليس عند سعيد عن قتاده	دو جز
كتاب غرائب الاخبار	بیس اجزاء
كتاب ما اغرب الكوفيون عن البصريين	دس اجزاء
كتاب ما اغرب البصريون عن الكوفيين	آٹھ
كتاب كنى من يعرف بالاسامى	تین اجزاء
كتاب الفصل والوصل	دس
كتاب التمييز بين حديث النضر الحمدانى والنصر الخراز	دو اجزاء
كتاب الفصل بين حديث اشعث بن مالک واشعث بن سوار	دو اجزاء
كتاب الفصل بين حديث منصور بن المعتمر ومنصور بن زاذان	تین اجزاء
كتاب الفصل بين مكحول الشامى ومحكول الازدى	ایک جزء
كتاب موقوف مارفع	دس اجزاء
كتاب آداب الرجالة	دو اجزاء
كتاب ما اسند جنازة عن عبادة	ایک جزء
كتاب الفصل بين حديث نور بن زيد ونور بن يزيد	ایک جزء
كتاب ما جعل عبد الله بن عمر عبيد الله بن عمر	دو اجزاء
كتاب ماجعل شيبان سفيان اوسفيان شيبان	تین اجزاء
كتاب مناقب مالک بن انس	دو اجزاء
كتاب مناقب الشافعى	دو اجزاء
كتاب المعجم على المدن	دس اجزاء
كتاب المقلين من الحجاز يين	دس اجزاء
كتاب المقلين من العراقيين	بیس اجزاء
كتاب الابواب المتفرقة	تیس اجزاء

كتاب بين الاخبار المتضادة	دواجزاء
كتاب وصف المعدل والمعتدل	دواجزاء
كتاب الفصل بين حدثنا واخبرنا	ایک جزء
كتاب وصف العلوم وانواعها	تیس اجزاء

"كتاب الهداية الى علم السنن" جس میں صناعۃ حدیث وصناعۃ فقہ پر بحث واظہار کیا ہے۔ایک حدیث بیان کر کے ان صاحب روایت کا ترجمہ دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اس حدیث میں کس کا تفرد ہے اور کس شہر کے (امغاریذ) سے وہ تھے پھر اپنی اسناد کے ہر نام بیان کرتے ہیں صحابہ کرام سے اپنے شیخ تک اور اس میں ان کی نسبت، جائے ولادت، موت، کنیت، قبیلہ، فضل وکمال (تیقظ) کا بیان دے کر اس حدیث کی فقہ وحکمت اجاگر کرتے ہیں۔اگر کوئی خبر (حدیث) اس کے معارض ہوتی ہے تو اس کا ذکر لاتے ہیں اور ان دونوں میں تطبیق (جمع) کرتے ہیں۔اور اگر دوسری خبر میں الفاظ کا اختلاف ہوتا ہے تو ان دونوں میں جمع کی سعی لطیف کرتے ہیں تا آنکہ دونوں خبروں کی صناعت وفقہ وحدیث ایک ساتھ معلوم وواضح ہوجاتی ہے۔یہ ان کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ قابل افتخار واحترام ہے (وهذا من انبل كتبه واعزها)۔

صاحب معجم البلدان کے مطابق ابوبکر خطیب نے مسعود بن الخمری سے پوچھا کہ کیا یہ سب کتابیں تمہارے پاس موجود ہیں اور تمہارے علاقہ (بلاد) میں پائی جاتی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ان میں سے بہت تھوڑی سی دستیاب ہیں۔امام ابوحاتم ابن حبان نے اپنی تمام کتابوں کو وقف کر کے ایک دارالکتب میں جمع کر دیا تھا جو اسی مقصد سے تعمیر کیا تھا۔ان کے ضیاع کے اسباب میں سے امتداد زمانہ کے علاوہ اس علاقہ میں سلطان (اسلام) کی کمزوری اور اہل ہوئی وفساد کا غلبہ ہے۔خطیب فرماتے تھے: اس قسم کی عظیم کتابوں کے ضمن میں یہ واجب ہے کہ ان کے زیادہ سے زیادہ نسخے تیار کیے جاتے اور اہل علم ان کی تحریر وکتابت میں ایک دوسرے سے تنافس ومسابقہ کرتے اور ان کی جلدیں بندھواتے اور ان کو محفوظ رکھتے۔اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی سوائے اس کے کہ اس علاقہ کے لوگ امام موصوف کے علم وفضل کے مرتبہ ومنزلت سے ناواقف تھے اور ان کو دراصل کوئی پرواہ ہی نہ تھی کہ وہ بے بصیرت لوگ تھے۔

امام تاج الاسلام نے امام موصوف کی بعض کتابوں کی سند متصل کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی اوران میں کتاب التقاسیم والانواع (پانچ جلدیں)،کتاب روضۃ العقلاء شامل تھیں اور ان کے علاوہ بعض بلاسند حاصل کی تھیں جیسے کتاب الھدایۃ .....جوان کی مشہورترین کتابوں میں شامل ہے۔کتاب الثقات ، کتاب الجرح والتعدیل ،کتاب شعب الایمان اور کتاب صفۃ الصلوۃ.....

مقام ومرتبہ

امام ذہبی نے آغاز ہی میں ان کو " الحافظ الامام العلامۃ " کے القاب سے یاد کیا ہے اور امام حاکم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ فقہ ،لغت ،حدیث اور وعظ کے زبردست عالم وحافظ تھے اور انتہائی دانشمند لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔امام خطیب کا فرمان ہے کہ وہ ثقہ،شریف اور عاقل وفہیم تھے۔ابوعمر وبن الصلاح نے طبقات الشافعیہ میں ان کا ذکر کرتے ہیں کہ امام ابن حبان بسا اوقات اپنے تصرفات میں سخت غلطیاں کرتے تھے۔ابواسمٰعیل ہروی کا بیان ہے کہ ہم نے یحییٰ بن عمار سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ان کو بجستان سے نکال باہر کیا کہ ان کے پاس علم تو بہت تھا لیکن دین زیادہ نہ تھا۔جب وہ ہمارے ہاں آئے تو انہوں نے اللہ کی حد کا انکار کیا لھذا ہم نے ان کو خارج کردیا۔ابن الذہبی نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے غلطی کی ہے کیونکہ حد کے اثبات کے بارے میں کوئی نص آئی ہے نہ اس کی نفی کے بارے میں اور آدمی کا بہترین اسلام یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کردے۔

براکلمان نے گولڈزیہر کی سند پر جو قول امام ابن حبان کے الحاد اوران کے شہر بدر کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ امام ذہبی نے اس کی حقیقت یوں بیان کی ہے:عبدالصمد بن محمد نے اپنے والد کی سند سے نقل کیا ہے کہ (لوگوں نے)ابن حبان کے قول بر کہ نبوت علم وعمل (کا مجموعہ) ہے" پر نکیر کی اور ان پر زندقہ کا الزام لگا کر ان کو چھوڑ دیا۔انہوں نے خلیفہ کو بھی اس کی اطلاع کی اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم لکھ بھیجا۔عبدالصمد کا تبصرہ ہے کہ اس کی خوبصورت توجیہ کی جاسکتی ہے کہ انہوں نے مبتداء کو خبر میں محصور کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔اس کی مثال یہ ہے کہ حج عرفہ ہے اور یہ معلوم ہے کہ آدمی محض عرفہ

کے قیام کرنے سے حاجی نہیں بن جاتا، اس میں دراصل حج کی اہم ترین خبیر کا ذکر ہے اور نبوت کی اہم ترین شے یہ ہے کہ نبی صفات علم وعمل کی تکمیل کر لے، اور ہر نبی بلا شبہ عالم عامل ہوتا ہے۔ نبوت کی نعمتیں اللہ تعالی کی عنایات ہیں جو صاحبان علم وعمل میں سے چیدہ حضرات کو عطا ہوتی ہیں اور کسی شخص کے بس کی بات نہیں کہ ان کو اپنی کوشش سے حاصل کر سکے۔ اسی سے علم نافع اور عمل صالح جنم لیتا ہے بلا شبہ ابوحاتم سے اس باب میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے وہ لوگوں کی فہم سے بالاتر رہا کہ وہ فلسفی شخص تھے۔ حافظ ذہبی نے مختلف سندوں سے امام ابن حبان کی بیان کردہ احادیث نبوی بھی نقل کی ہیں۔

زرکلی نے ان کو مورخ، علامہ، جغرافی اور محدث قرار دینے کے بعد لکھا ہے کہ ان کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، یاقوت نے لکھا ہے کہ انہوں نے ان علوم حدیث پر لکھا اور ان کی تخریج کی جن میں دوسرے عجز وقصور کا شکار ہوئے۔ خراسان کا سفر انہوں نے اپنے علمی کارناموں-تصانیف- کے لئے کیا تھا۔ غالباً امام ابن حبان واحد عالم وصاحب تصانیف تھے جن کی کتابوں کے لئے ایک خاص کتب خانہ ان کے وطن بُست میں قائم کیا گیا تھا۔ جہاں ان کی کتابیں عام مطالعہ کے لئے رکھی گئی تھیں۔ ان کی تمام کتابوں کی قراءت ان کے سامنے بھی کی گئی تھی۔

یاقوت حموی نے امام موصوف کے بارے میں غالباً سب سے زیادہ اور سب سے زیادہ قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ حدیث، سفر علم اور شیوخ میں کثرت کے علمبردار تھے۔ وہ متون واسانید کے عالم اور بحر العلوم تھے۔ انہوں نے اسکندریہ اور شاش کے درمیان واقع تمام بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی اور ائمہ اور علماء سے ملاقات کی اور اسانید عالیہ کو حاصل کیا۔ یاقوت حموی نے مختلف امصار ودیار کے محدثین وعلماء کا نام بنام ذکر کیا ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

امام حاکم کی رائے اپنی سند سے بیان کرتے ہوئے یاقوت لکھتے ہیں کہ قاضی ابوحاتم البستی لغت وفقہ اور حدیث ووعظ کے عظیم ترین عالموں میں سے تھے اور ان کی عقل سے بھی حصۂ وافر ملا تھا۔ ان کی تصانیف حدیث میں بیمثال ونادر ہیں۔ وہ سمرقند کے علاوہ بعض دوسرے شہروں کے بھی قاضی رہے۔ پھر نیساپور کے قضا کے منصب پر رہے۔ یاقوت حموی نے ان کے دو شاگردوں کی آراء بھی نقل کی ہیں۔ عبداللہ بن محمد استرآبادی فرماتے تھے کہ وہ طویل مدت تک سمرقند کے قاضی رہے۔ وہ دین کے فقہاء اور آثار کے مشہور حفاظ میں سے تھے۔ طب ونجوم اور فنون العلم کے عالم تھے۔ ہر فن میں بہت

سی کتابیں تالیف کیں۔ ابو حاتم بن حبان کا گھران کے اصحاب کے لئے مدرسہ اور غرباء کے لئے مسکن تھا جہاں اہل حدیث وفقہ قیام کرتے تھے اور ان کے کل مصارف وہاں پورے لئے جاتے تھے۔ اسی میں ان کا خزلیۂ الکتب تھا جو ایک وصی کے حوالہ اور نگرانی میں تھا اور ہر شخص کو اجازت تھی کہ جو چاہے ان سے نقل کر لے لیکن ان کتابوں کو باہر لے جانے کی اجازت نہ تھی۔

ابو حامد احمد بن محمد بن سعید نیساپوری کی روایت ہے کہ ہم ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ کے ساتھ نیساپور کے راستہ میں تھے۔ ہمارے ساتھ ابو حاتم بُستی بھی تھے۔ وہ ان سے اتنا پوچھتے تھے کہ ان کے لئے تکلیف دہ بن گئے۔ ابن خزیمہ نے ان سے کہہ دیا: اے بارد! مجھ سے دور ہو جاؤ اور مجھے ایذا نہ دو۔ یا اسی جیسا کوئی کلمہ کہا۔ ابو حاتم نے ان کی یہ بات بھی لکھ لی۔ ان سے کہا گیا کہ تم یہ بھی لکھ رہے ہو! کہا: ہاں میں ان کی ہر بات لکھ لیتا ہوں۔ امام حاکم کہا کرتے تھے کہ ابو حاتم کا مرتبہ علم اتنا بلند تھا کہ لوگ ان سے حسد کرتے تھے۔

بہر حال یاقوت حموی نے بعض علماء کی آراء نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو کذاب سمجھا جاتا تھا اور ان کی روایات نہیں لی جاتی تھیں ان پر الزام تھا کہ انہوں قرامطہ کی شان میں کتاب لکھی لہٰذا ان کو قضاء کا عہدہ ملا اور جب اہل سمرقند نے اس بنا پر ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو بھاگ نکلے اور ان کو نجارا میں ہزاروں کا ایک مدتوں کی ....اور ان کے پانچ ہزار درہم کے کپڑے خریدے اور وہ بھی لے بھاگے۔ نیساپور کے حافظ سلیمان نے ان کی روایات لینے سے منع کیا ہے۔

طریقۂ تالیف

چونکہ امام ابن حبان بُستی محدث اور ماہر جرح وتعدیل ہیں اور انہوں نے اپنی ''کتاب الثقات'' اسی فن میں لکھی ہے لیکن اس میں سیرت نبوی اور تاریخ اسلامی کو شامل کر لیا ہے کہ وہ خالص ثقات کے سوانح وکوائف کو بیان کرنا چاہتے تھے اس لئے رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کو بھی بیان وشامل کیا۔ آپ کی شمولیت تبرک وسعادت کی خاطر نہیں ہے بلکہ اس مقصد اعلیٰ کے سبب کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت مقدسہ کو جانے بغیر فن تعدیل کا نہ آغاز ہو سکتا ہے نہ اعتبار قائم ہو سکتا ہے۔ سیرت نبوی کا اس نقطۂ نظر سے بیان کرنا ایک نئے نقطۂ نظر کو سامنے لاتا ہے۔ یہیں یہ بھی کہہ دینا

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ یا خلفاء اسلام کے ساتھ سیرت نبوی کا اشتراک وارتباط اسے عالمی تاریخ نگاری کا رجحان ورنگ بھی عطا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین مہدیین کے اسماء گرامی وطبقہ میں تمام اموی اور عباسی خلفاء کو بھی شامل کیا ہے اور ان کو ثقات مانا ہے۔

جغرافیائی نقطۂ نظر سے یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ امام ابن حبان کی کتاب سیرت اس علاقے کی نمائندگی کرتی ہے جس کو وسط ایشیا اور ترکستان کہتے ہیں۔ ہماری تمام متداول ومقبول سیرتیں یا تو مدینہ منورہ کے مکتب فکر کی نمائندہ ہیں یا عراقی مراکز کی یا دمشقی/شامی دیار وامصار اور مصر کے علمی مقامات کی۔ وسط ایشیا یا دوسرے الفاظ میں غیر عرب علاقے کی نمائندگی یہ کتاب کرتی ہے۔

محدث ہونے کی وجہ سے امام ابن حبان اپنے بیشتر یا اہم ترین موضوعات ومباحث میں روایات واخبار واحادیث سے پہلے اپنی اسناد لاتے ہیں لیکن اکثر جگہ وہ بلاسند روایات بیان کرتے ہیں غالباً وہ ماقبل کی اسناد کے تحت ان کو لاتے ہیں اور بقیہ روایات واخبار اپنے قول کے تحت لاتے ہیں۔ امام موصوف کی سندوں کا جائزہ لیا جائے تو صحیح حقیقت کا علم ہوگا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی احادیث واسناد صحاح خاص کر شیخین کی احادیث واسناد کے مماثل ہیں۔ مقام ومرتبہ کے لحاظ سے بھی ان کا شمار امامان صحاح میں ہوتا ہے اور تقریباً اس پر اتفاق محققین نظر آتا ہے کہ وہ اور ان کی صحیح ابن ماجہ سے زیادہ صحیح (اصح) ہے۔

محدث ہونے اور حدیثی روایات کا معتبر نام ہونے کے باوجود امام ابن حبان نے اہل سیر کی روایات واخبار بھی قبول کی ہیں۔ انہوں نے ابن عبدالبر سے بہت روایات لی ہیں لیکن بحیثیت محدث نہیں بلکہ بطور مورخ وتذکرہ نگار۔ دوسرے اہل سیر ہیں: ابن اسحاق لیکن وہ ان کا ذکر بھی کم کرتے ہیں اور دوسروں کا حوالہ تو صفر ہی ہے مگر واقعات سیرت کی ترتیب وبیان دونوں اہل سیر کے مطابق ہیں، محدث کے طریقہ کے مطابق نہیں۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق/ابن ہشام کو سامنے رکھتے ہیں اور اس میں اپنی روایات واخبار واحادیث شامل کرتے جاتے ہیں۔

امام ابن حبان کی سیرت نبوی بہر حال کسی کی نقل نہیں ہے۔ ان کے ہاں بہت سی نئی معلومات ملتی ہیں اور محدثین سے اختلاف بھی اور اہل سیر کی مخالفت بھی۔ مثلاً وہ عام خیال وروایت کے برعکس بتاتے ہیں کہ جناب آمنہ کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر صرف چار سال تھی، ان کا کوئی سگا بھائی

یا رسول اکرم ﷺ کا ماموں نہ تھا، سوائے عبد یغوث بن وہب کے۔ اولاد نبوی کے بارے میں نئی معلومات فراہم کی ہیں۔ دوسرے شامی سفر نبوی کے ذیل میں وہ حضرت ورقہ بن نوفل کی ملاقات وبشارت کی نئی خبر لاتے ہیں۔ حضرات علی وابوبکر کے اولیت اسلام کے بارے میں توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت علی قدیم تر مسلم تھے لیکن انہوں نے اعلان نہیں کیا جب کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اعلان کرد تھا۔ حبشہ میں نومولود مسلمانوں کی تفصیل دیتے ہیں، قبائل عرب کے سامنے اسلام پیش کرنے میں حضرات ابوبکر وعلی کے کردار کو بیان کرتے ہیں۔ مدینہ میں مسلم بچوں کی ولادت کا ذکر بھی خاص طور سے کرتے ہیں۔ غزوات وسرایا میں وہ اولین سریہ کا حضرت عبیدہ بن حارث کے سر سہرا باندھتے ہیں اور حضرت حمزہ کے سریہ کو دوسرا بتاتے ہیں۔ بنوقینقاع کے غزوہ کے بارے میں مال غنیمت کی تقسیم کا اہم مبحث لاتے ہیں جب کہ غزوہ مریسیع کا وقت وزمانہ اہل سیر کے مطابق اور محدثین کے خلاف متعین کرتے ہیں۔ ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ کے اولین نکاح ورخصتی کے بارے میں نئی معلومات دیتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی کے قبول اسلام اور آزادی اور اسلامی خدمات کے زمانوں کی تعیین کرتے ہیں جو دوسرے مآخذ میں اتنی صراحت سے نہیں ملتے۔ اسی طرح بدر الموعد میں حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کا کردار نیا ہے۔ چاند گرہن کی تفصیل بھی نئی ہے۔ مجاہدین صلح حدیبیہ کی تعداد سب کے خلاف اٹھارہ سو بتاتے ہیں۔ ۸ھ میں مدینہ میں نرخوں کی گرانی کی زمانی تعیین بھی نئی ہے اور ان کی توقیت کے شعور کی عکاس بھی۔ دوسری نئی معلومات کے علاوہ سماجی امور کا تذکرہ بھی اہم ہے۔

کتاب الثقات کی سیرت نبوی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ زمانی ترتیب کے ساتھ اور سیاسی واقعات کے درمیان سماجی وتہذیبی امور کو بھی اسی اہمیت وتفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں جو امام موصوف کی سیرت وتاریخ اسلامی اول کو نئی جہت وممتاز اہمیت عطا کرتی ہے۔ ان کا حوالہ اوپر نئی معلومات کے ضمن میں آچکا ہے جیسے نرخ کی گرانی۔ ان کے علاوہ بنو واقف کے آخر میں مسلمان ہونا، نماز کی رکعتوں میں موقت یا متعین طور سے اضافہ، بعض جرائم کی سزا وغیرہ بعض دوسرے معاملات ہیں۔

امام طبری کی مانند اور غالباً انہیں کے زیر اثر امام ابن حبان بُستی نے مدنی حیات طیبہ کو سنہ وار بیان کیا ہے۔ مکی عہد کو سنہ وار بیان کرنا مشکل ہے اگرچہ وہاں بھی تاریخی ترتیب کا خیال رکھا ہے تاہم

مدنی عہد کے واقعات کی سنہ وار تقسیم اور بیان زیادہ سہل ہے۔ امام ابن حبان کا کارنامہ ہے کہ وہ بہت سے مذہبی/دینی، تہذیبی اور سماجی واقعات وامور کی بھی توقیت کرتے ہیں اور بسا اوقات تاریخ دون کی قید کے ساتھ جیسے نماز حضر کی چار رکعتوں کی فرصیت کی تاریخ ۱۲ ربیع الآخر اھ ہیں۔

بعض دوسرے اہل سیر وحدیث کی طرح امام ابن حبان بھی بحیرا راہب اور دوسرے راہب کے قصوں کو بیان کرنے کے علاوہ ان مبشرات اور بشارتوں کا ذکر کرتے ہیں جن سے آپ ﷺ کی بعثت ونبوت کا علم اس کے ظہور ووقوع کے سال سے قبل یا آپ کے بچپن سے ہونے لگتا ہے حالانکہ یہ ایسا مبحث ہے جو قرآن مجید کی آیات صریحہ سے ٹکراتا ہے جس کا بیان ہے کہ نبی بننے سے قبل خود آپ کو علم نہ تھا تو دوسروں کو کیسے ہوگیا اور اگر ہوگیا تھا اور انہوں نے اس کی بشارت دے دی تھی تو سب کو علم رہا ہوگا، امام ابن حبان نے غالباً روایت کے معیار پر پورا اترنے کے سبب ان روایات واخبار کو قبول کیا ہے۔

سیرت ابن حبان میں بعض موضوعات وابواب تشنہ بھی ہیں جیسے حضرت حمزہ کے قبول اسلام کا واقعہ اور بعض دوسرے واقعات لیکن ان تمام خامیوں کے باوجود ان کی سیرت نبوی بہت اہم ہے کہ وہ ابتدائی دور کی کتاب سیرت ہے اور محدث وامام فن تعدیل کے قلم سے نکلی ہے اور اپنی نئی معلومات اور توجیہات وتعبیرات کے لئے ممتاز مقام کی حامل ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن تغری بردی	النجوم الزاہرہ	۳۷۲-۲،۴۱۸
ابن حجر عسقلانی	لسان المیزان، حیدر آباد دکن ۱۳۳۰ھ	۱۲،۵
اردو دائرہ المعارف اسلامیہ	مقالہ ''ابن حبان'' از براکلمان	
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	۱۶:۳
الذہبی	تذکرہ الحفاظ، حیدر آباد دکن ۱۹۷۵ء	سوم ۹۷۹،۲۴،۸-۹۲۰
	میزان الاعتدال	اول ۳۶۱
الزرکلی	الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۹۰ء	ششم، ۷۸
السبکی	طبقات الشافعیہ	۲-۱۴۱
السیوطی	تدریب	۳۲
شاہ عبدالعزیز	بستان المحدثین	۴۱
یافعی	مرآۃ الجنان، بیروت ۱۹۷۰ء	۳۵۷،۲
یاقوت حموی	معجم البلدان، دار صادر، بیروت ۱۹۵۵ء	(بست مادہ)

امام ابن حبان بُستی کی

کتاب الثقات میں سیرت نبوی

امام موصوف (م ۳۵۴ھ/ ۹۶۵ء) اگر جرح و تعدیل کے میدان میں سیرت نگاری کی قلم لگانے والے اولین فرد نہیں ہیں تو بلاشبہ اس رجحان سیرت نگاری کے اہم ترین نمائندہ و علمبردار ہیں۔ ان کی کتاب سیرت نبوی کا بہت مفصل بیان پیش کرتی ہے جو اس کی اولین ڈیڑھ جلدوں کے تقریباً پونے پانچ صفحات پر محیط ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اتنی ضخامت سے ایک کامل کتاب سیرت بنانے کے لئے کافی ہے۔ جلد اول میں کل تین سو بارہ صفحات ہیں جن میں کچھ کا تعلق مدینہ وغیرہ سے ہے اور جلد دوم کے ایک سو پچاس صفحات سیرت کے لئے وقف ہیں۔ موضوع، مواد، ہیئت وغیرہ کے اعتبار سے بھی کتاب الثقات کا یہ حصہ سیرت ایک منفرد و مکمل کتاب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لئے سیرت نبوی کی تالیفات میں اس کا تذکرہ و جائزہ ازبس ضروری ہے۔ خاص کر اس نقطۂ نظر سے کہ وہ فن جرح و تعدیل یا فن تعدیل کی کتاب کا حصہ ہے جیسا کہ امام مولف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے صرف ثقات ہی کا تذکرہ روا رکھا ہے اور ضعفا و مجروحین کو در آنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

دوسرا اہم سبب یہ بھی ہے کہ وہ بہت قدیم زمانے کی کتاب ہے اور غالباً چوتھی صدی ہجری /دسویں صدی عیسوی کے آغاز میں لکھی گئی تھی۔ اس کا مولف گرامی مشہور مورخ و محدث و سیرت نگار طبری کا متاخر معاصر ہے اور مورخ و سیرت نگار مسعودی کا بالکل ہمعصر معاصر بلکہ ایک لحاظ سے بزرگ معاصر کہ وہ مسعودی سے قبل پیدا ہوئے اور دنیا سے روانہ بھی ہوئے۔ اگرچہ طبری بھی ترکستان کے علاقے کے باسی تھے لیکن ان کی زندگی اور علمی سرگرمی کا میدان بغداد رہا مگر امام بُستی کی ساری زندگی سمرقند یا ترکستان کے اہم علاقوں میں گذری، اس لئے ان کی کتاب سیرت اس علاقۂ اسلام کی نمائندگی بھی

کرتی ہے اور ان کے افکار ونظریات کی عکاسی بھی۔ ابن حبان کی سیرت نگاری پر محدثین کے طریقۂ تالیف کی چھاپ ہے اور وہ نئی معلومات بھی فراہم کرتی ہے۔ وہ طبری کی مانند موضوع وار وسنہ وار واقعات وحوادث کا بیان پیش کرتی ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ سیرت نگاری کو تاریخ اسلامی کا حصہ بنا کر لاتی ہے جس کے سبب عالمی اسلامی تاریخ نگاری کا رجحان تالیف بھی سامنے آتا ہے۔ اس کی اہمیت اس بنا پر مزید بڑھ جاتی ہے کہ ایسا وہ فن تعدیل کی کتاب کے ایک جزو کے طور پر کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ طبری کی تاریخ کا اثر ہو۔

حیرت ہے کہ کتاب الثقات کے مرتبین وناشرین نے نہ تو اپنا پیش لفظ ومقدمہ لکھا ہے اور نہ ہی فہرست عنوانات جلد اول میں دی ہے اگرچہ اس کے خاتمہ پر تصحیح وطباعت جلد اول کی مختصر تصریحات موجود ہیں۔ جلد دوم کے اواخر میں البتہ فہرست عنوانات موجود ہے۔ کتاب کا آغاز براہ راست مؤلف گرامی امام ابن حبان کے بیان سے ہوتا ہے، جسے کوئی عنوان نہیں دیا گیا ہے اور ہم اسے مقدمہ مؤلف کہہ سکتے ہیں۔ امام موصوف نے بسملہ اور درود سے آغاز کر کے حمد الٰہی لکھی ہے جو ادبی لحاظ سے بھی کافی اہم ہے۔ اس کے بعد اسی انداز میں صلوۃ نبوی ہے۔ کتاب الثقات لکھنے کا مقصود یہ بیان کیا ہے کہ سنت کی معرفت چونکہ دین کے عظیم ترین ارکان میں سے ہے اور اس کی حفاظت وحفظ اکثر مسلمانوں کے لئے واجب ہے مگر صحیح وسقیم کی معرفت رواۃ کے ثقہ ہونے یا نہ ہونے پر مبنی ہے اس لئے یہ کتاب تحریر کی۔ چونکہ سنت کی صحیح معرفت رسول اکرم ﷺ کی صحیح سیرت کے بغیر ناممکن ہے اس لئے شروع میں سیرت کا باب عالی لکھا۔ اس مقدمہ میں امام عالی مقام نے رسول اکرم ﷺ کا الوداعی خطبہ نقل کیا ہے جس میں سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین مہدیین سے تمسک کا حکم لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پھر اپنی سند سے ہی رسول اکرم ﷺ کی اطاعت اختلاف کی صورت میں رجوع بہ طرف سنت کے موضوع پر قرآن وسنت سے بحث کی ہے اور سیرت وسنت کے حفظ وتحفظ کی ضرورت واضح کی ہے۔ ایک سرخی کے تحت علم کی نشر واشاعت اور دوسری کے تحت تاریخ محدثین کے حفظ کی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور صرف ثقات کے ذکر اور تعدیل کے اصول کی تشریح پر اکتفا کرنے پر بحث کر کے سیرت نبوی کا آغاز کیا ہے (۱۴-۱)۔

رسول اکرم ﷺ کے مولد کے ذکر سے بیان سیرت کا آغاز ہوتا ہے جس میں اپنی سند سے

جو حضرت ابن عباسؓ پر منتہی ہوتی ہے، عام الفیل میں ولادت نبوی کا ذکر ہے۔ پھر ابو حاتم یعنی بقول خود دوشنبہ عام الفیل بارہ ربیع الاول کی تاریخ ولادت بیان کر کے عام الفیل کے حوالہ سے ابرہہ کے واقعہ کا مفصل ذکر ہے۔ اس میں حضرت عبدالمطلب کا بھی کافی ذکر ہے (۲۱-۱۴)۔ اگلی سرخی سید ولد آدم کے نسب اور قیامت کے دن اولین شق ارض کے تحت اپنی سند سے شرف نسبت پدری پر احادیث ہیں اور ابو حاتم کے قول کے مطابق نسب نامہ بیان کیا ہے کہ عدنان تک صحیح ہے اور بعد کا مختلف فیہ اور مفصل ہے (۲۶-۲۱)۔ پدری نسب کے بعد مادری نسب نامہ مختصر دیا ہے اور نئی وضاحت کی ہے کہ حضرت آمنہ کا کوئی بھائی نہ تھا کہ رسول اکرم ﷺ کا کوئی خال (ماموں) ہوتا سوائے بعد یغوث بن وہب کے۔ بنو زہرہ کو اخوال حضرت آمنہ کی خاطر کہا جاتا ہے۔ دوسرے پیرے میں ماں کی طرف سے جدات یعنی نانیوں کا شجرہ نسب ہے۔ اس کے بعد دادیوں کا۔ جدات مادری و پدری کا سلسلہ نسل در نسل عدنان تک لے جایا گیا ہے۔ اس کے بعد دس اولاد عبدالمطلب کا نام بنام مع مختصر تعریفات کے ذکر ہے۔ جس کے بعد چھ عمات نبوی کا بیان نام بنام ہے اور اس میں تصریح ہے کہ سوائے حضرت صفیہ کے اور کوئی اسلام نہیں لایا تھا۔ پھر یہ جوامع نسب ختم ہوتا ہے (۳۶-۲۶)۔

بلا عنوان و بلا سند ولادت نبوی کا ذکر ہے جس میں عبدالمطلب کی خوشی، تسمیہ، قصور شام کے منور ہونے کا حوالہ ہے۔ حضرت حلیمہ کی رضاعت اور اس کے متعلق واقعات کا بیان کافی مفصل ہے جس کے خاتمہ پر معجزات بوقت ولادت کا بیان بزبان والدہ دہرایا گیا ہے (۴۱-۳۶)۔ اپنے قول کے تحت بعمر چار سال والدہ کی وفات در ابواء کا مختصر حوالہ دیا ہے، دادا کی شفقت و کفالت اور بعمر آٹھ سال وفات، ابوطالب کی وصیت پدری برائے کفالت نبوی، ان کی سگی رشتہ داری، کفالت اور بسند ابن عبد البر کی الاستیعاب ختنہ و تسمیہ کا ذکر کیا ہے (۴۲-۴۱)۔

شام کی طرف سفر نبوی کی سرخی کے تحت اپنی سند سے ابوطالب کے ساتھ سفر شام، بحیرا راہب سے ملاقات اور آپ کی نبوت کی بشارت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے بعد میسرہ کے ساتھ دوسرے سفر شام، حضرت خدیجہ سے شادی بعمر پچیس سال، حضرت خدیجہ کی سوانحی تفصیلات، سفر شام کے دوران دوسرے راہب سے ملاقات، شادی، اولاد مذکور و اناث اور حضرت ورقہ بن نوفل کو حضرت خدیجہ کے راہب ثانی کی بشارت سے مطلع کرنے کا ذکر موجود ہے (۴۷-۴۲)

ایک خاص اور طویل عنوان کے تحت اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ آپ کی نبوت کا وجوب تخلیق آدم سے قبل ہوا تھا۔ "ذکر صفة بدء الوحی علی رسول ﷺ" کے عنوان کے تحت اپنی سند سے حضرت عائشہ کی حدیث بابت آغاز وحی بیان کی ہے جو امام بخاری کی صحیح کے آغاز میں بھی موجود ہے۔ اس میں غار حرا میں نزول قرآن، تصدیق حضرت ورقہ وخدیجہ کا ذکر ہے پھر دوسری حدیث جابر ہے جو سورۂ مدثر کے نزول سے متعلق ہے۔ امام ابوحاتم نے ان دونوں میں تطبیق پیدا کی ہے۔ بعثت کی تاریخ دوشنبہ بعمر چالیس سال بیان کی ہے۔ اولین مسلم حضرت خدیجہ کو بتانے کے بعد حضرت علی کو دوسرا مسلم بتایا ہے مگر ان کے اسلام کے خفیہ ہونے اور حضرت ابوبکر صدیق کے اسلام کے ظاہر ہونے کے سبب التباس واشتباہ کا ذکر کیا ہے پھر اولین مسلمانوں کی طویل فہرست دی ہے جو ابن اسحاق کی فہرست کے مانند ہے (۴۸-۵۴)۔

مکہ مکرمہ میں اسلام کی اشاعت کا ذکر ابن اسحاق کے الفاظ میں بلا حوالہ وسند بیان کیا ہے۔ اس میں قریبی رشتہ داروں کو مختصر دعوت کا ذکر ہے پھر کوہ صفا کا خطبہ منقول ہے۔ جس کے معاً بعد حضرت خدیجہ کے بعد حضرت سودہ سے آپ کی شادی کا ذکر ہے۔ صاحبزادیوں اور ام کلثوم کی ابتدائی شادیوں اور ان کی تنسیخ بعد نزول سورہ لہب اور حضرت عثمان سے شادی کا مختصر حوالہ دے کر ابوطالب کی بیماری، موت اور ان کے اقرار/انکار اسلام کا ذکر کر کے مسلمانوں کی تعذیب، ہجرت حبشہ، مہاجرین حبشہ کے اسماء گرامی، شاہ نجاشی سے مسلمانوں کی گفتگو، حضرت جعفر کی تقریر، حبشہ میں نومولود مسلمانوں کے اسماء کا ذکر بہت مفصل ہے۔ اسی کے ساتھ ابوبکر صدیق کے ارادۂ ہجرت، واپسی اور جوار ابن الدغنہ کا مفصل بیان ہے۔ ابولہب کی مخالفت، رسول اللہ ﷺ کی دعوت، ابوجہل کی مزاحمت، مجالس قریش، موذیوں کے اسماء اور ان کی تعذیبات، عتبہ بن ربیعہ کی گفتگو کا کافی اچھا ذکر ہے۔ پھر حضرت عمر کے قبول اسلام کا مشہور واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت حمزہ کے اسلام کا واقعہ نہیں بیان کیا صرف ضمناً حوالہ دیا ہے۔ دو سطروں میں حضرت خدیجہ کا ذکر کر کے اتنی ہی سطروں میں حضرت عائشہ سے شادی کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اس کے بعد طائف کا سفر مفصل بیان کا مستحق قرار پایا ہے جس کے بعد مکہ کے قیام کا ذکر ہے (۵۴-۸۰)۔

"ذکر عرض رسول اللہ ﷺ نفسه علی القبائل" کے عنوان کے تحت امام ابن

حبان کا بیان ان کی اپنی سند پر حضرت علی سے مروی ہے جس میں حضرات ابوبکر و علی کے کردار و مشایعت مختلف قبائل سے گفتگو اور کلام موجود ہے اور اس میں کئی نئی تفصیلات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور اس کے الفاظ اور ابولہب کی مخالفت، سالانہ موسم میں دعوت اسلامی کا ذکر ہے، خاتمہ چند اشعار پر ہوا ہے (۹۲-۸۰)۔

ذکر بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کے عنوان سے بارہ انصار کی بیعت و اسلام، بیعت نساء کی شرائط، اسماء شرکاء، خطبۂ نبوی، مدینہ میں انصار کی اشاعت اسلام اور اقامت صلوۃ، حضرت مصعب بن عمیر عبدی کی بطور معلم مدینہ روانگی، حضرات سعدین وغیرہ کے قبول اسلام کا ذکر ہے (۹۹-۹۳)۔ اسراء و معراج کا مفصل بیان اپنی سند پر کیا ہے (۱۰۵-۹۹)۔ پھر بیعت عقبہ آخرہ کا ذکر اپنی سند سے کیا ہے (۱۱۲-۱۰۶)۔ اس میں انصار کی اشاعت اسلام کا بھی ذکر ہے۔ بلاعنوان اور بیعت عقبہ آخرہ سے متصل ہجرت نبوی کا سبب بیان کر دیا ہے (۱۱۶-۱۱۲)۔

"ذکر ھجرۃ رسول اللہ ﷺ الی یثرب" کے عنوان کے تحت ہجرت نبوی کا مفصل بیان ہے۔ اس کے اہم مباحث ہیں، اپنی سند پر حضرت عائشہ کی حدیث ہجرت جس میں ہجرت کی اجازت، دارالہجرۃ کی نشاندہی اور حضرت ابوبکر کے گھر سے غار ثور تک سفر کا بیان ہے، ابوحاتم کے قول پر دلیل کی فراہمی، غار ثور سے روانگی قیام کے واقعات کے بعد، سراقہ کا تعاقب، حضرت زبیر کی ملاقات، حضرت ام معبد خزاعیہ کے خیمہ میں قیام اور ان کی زبان سے شمائل نبوی کا بیان، مکی شاعر کے اشعار اور جواب حضرت حسان، خیمہ ام معبد پر مسلمانوں کا ازدحام، اولین مہاجرین کے اسماء گرامی، سفر نبوی کے منازل اور قدوم قباء اور سرخوشی کی فضا مذکور ہے (۱۳۱-۱۱۶)۔

"ذکر قدوم النبی ﷺ المدینۃ" کی سرخی کے تحت اپنی سند سے حضرت ابوبکر کی حدیث ہجرت بیان کی ہے جو انہوں نے حضرت براء کی فرمائش پر پیش کی تھی۔ پھر بقول ابوحاتم بنونجار کے ہاں نزول نبوی کا ذکر کیا ہے اور بعض مہاجرین کی منازل کا بھی۔ قباء کے قیام، تعمیر مسجد، نماز جمعہ کی ادائی، مدینہ قدوم، متعدد اکابر انصار کی نام بنام فہرست اور درخواست قیام، منزل ابی ایوب انصاری میں قیام، تعمیر مسجد نبوی، خاندان رسالت و خاندان صدیقی کی مہاجرت، حضرت براء بن معرور کی موت، حضرت مسلمہ بن مخلد کی ولادت، بنو واقف کا آخری زمانہ میں مسلم ہونا، انصار کے ہدایا، حضرت انس

بن مالک کے دار میں دخول وضیافت نبوی، نماز کی رکعتوں میں اضافہ اور ۱۲/ربیع الآخر کا واقعہ، وبائے مدینہ میں مسلم ابتلاء اشعار، اکا بر قریش پر لعنت نبوی، مواخاۃ اور اس کے متعلق رسولی خطبات وارشادات جو قطعی نئی چیزیں ہیں۔ اکابر قریش کی موت، حضرت عبداللہ بن زبیر اولین مولود مدینہ، اسی میں سرایا کا ذکر شروع کر دیا ہے اور اولین سریہ عبیدہ بن حارث کا بتا کر اس کی تفصیل دی ہے پھر دوسری مہموں کا ذکر کیا ہے جیسے سرایا حمزہ، سعد اور درمیان میں حضرت عائشہ کی رخصتی اور ابوقیس بن الاسلت کے واقعہ اسلام کا حوالہ ہے (۴۴-۱۳۱)۔

۲ھ کی سرخی کے تحت اپنی سند سے جن اہم مباحث کو لائے ہیں وہ یہ ہیں: روزہ عاشورا، حضرت فاطمہ وعلی کی شادی، غزوات ابواء (اولین غزوہ)، رضوئی، سریہ سعد بطرف خرار، غزوہ عسفان درتعاقب کرز بن جابر فہری، ولادت حضرت نعمان بن بشیر، سریہ عبداللہ بن جحش/نخلہ جو نسبتاً مفصل ہے، غزوہ ذوالعشیرہ، تحویل قبلہ، فرضیت رمضان (۵۲-۱۴۴)۔ اس کے بعد غزوہ بدر کی سرخی لگا کر اس کی تفصیلات بیان کی ہیں اور اس سے قبل کسی سند کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں عام تفصیلات کے علاوہ بعض نئی معلومات بھی ہیں اور مباحث بھی (۸۲-۱۵۲)۔ البتہ شہدائے بدر کے تسمیہ کی سرخی کے نیچے سند بیان کر کے ان کی مغفرت سے متعلق حدیث نبوی نقل کی ہے اور اصحاب کی تعداد -۳۱۳- بیان کر کے قبیلہ واران کی فہرست دی ہے (۲۰۷-۱۸۲)۔ فہرست کے خاتمہ پر قریش، اوس اور خزرج کی تعداد بالترتیب ۸۳، ۶۰، ۱۷۰ بیان کی ہے اور اسی سے متصل عصماء بنت مروان کے قتل کا سریہ عمیر، ابوقیس بن الاسلت کی موت، خطبہ عید الفطر، زکوۃ فطر وغیرہ بیان کیا ہے (۹-۲۰۷)۔ نئی سرخی کے تحت غزوہ بنی قینقاع (۱۱-۲۰۹) اور غزوہ السویق (۱۲-۲۱۱) کا مختصر ذکر کیا ہے۔ آخر میں حضرت عثمان بن مظعون کی وفات، عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی اور حضرت فاطمہ کی رخصتی کا ذکر بقیہ ماہ کیا ہے۔ اس میں غزوہ بنو قینقاع سے متعلق بعض نئی معلومات وتصریحات ہیں جیسے اول غنیمت جس کا خمس لیا گیا، صفی لی گئی اور باقی چار حصے مجاہدین/مسلمین میں تقسیم کئے گئے (۲۱۱)۔

۳ھ کا آغاز اس کی سرخی سے کر کے سند کے ساتھ قتل کعب بن الاشرف بیان کیا ہے (۱۶-۲۱۳) پھر غزوہ قرقرۃ الکدر سواد وسطروں میں، حضرت عثمان سے حضرت ام کلثوم کی شادی ڈیڑھ سطر میں، غزوہ ذوامر نسبتاً مفصل، سائب بن یزید ولادت اور غزوہ بحران کا ذکر کیا ہے (۱۸-۲۱۶)۔

سریہ القردہ کے لئے الگ سرخی لگائی ہے اور کچھ تفصیل دی ہے۔ حضرت حفصہ سے شادی کی کچھ تفصیل دینے کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ سے شادی کا ذکر کیا ہے اور ان کے شوہر اور رخصتی کا ذکر نیا ہے۔ خاتمہ پر حضرت حسن کی ولادت وعقیقہ کا ذکر مختصر ہے (۲۰-۲۱۸)۔

غزوہ احد کا بیان نئی سرخی کے ساتھ اور بلا کسی نئی سند کے ساتھ کیا ہے جس کے شروع میں سب غزوہ کا اشارہ ہے پھر تفصیلات ہیں جن میں بعض نئی معلومات ہیں (۳۴-۲۲۱) اس میں بلا کسی عنوان کے حمراء الاسد کے غزوہ کا ذکر ہے۔ اور اسی پر ۳ھ کے واقعات کا اختتام ہوتا ہے (۳۷-۲۳۴)۔

۴ھ کی سرخی کے بعد اپنی نئی سند سے واقعہ بئر معونہ بیان کیا ہے (۳۹-۲۳۷) پھر نئی سرخی کے تحت صفر کے مہینہ میں غزوۂ الرجیع کا ذکر بلا سند کے کیا ہے (۴۰-۲۳۹) اور اس کے امیر کا نام مرثد بن ابی مرثد بتایا ہے اور وہ ذکر مختصر ہے۔ البتہ غزوہ بنی النضیر نئی سرخی کے تحت بلا سند نو زیادہ مفصل بیان ہوا (۴۴-۲۴۰) جس کے آخر میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد کے سریہ، حضرت عبداللہ بن عثمان بن عفان کی وفات اور حضرت حسن کی ولادت کا ذکر مختصر ہے۔ پھر نئی سرخی کے تحت بدر الموعد کا ذکر بلا سند ہے اور اس میں حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کا کردار نیا ہے۔ آخر میں حضرت ام سلمہ سے شادی یہودی زانیوں کے رجم اور حضرت زید بن ثابت کی تعلیم کتاب یہود کا ذکر مختصر ہے (۴۶-۲۴۴) اس کے بعد نئی سرخی کے تحت سلام بن ابی الحقیق کے قتل کا سریہ آیا ہے (۴۸-۲۴۶)۔

۵ھ کی سرخی کے تحت نئی سند کے ساتھ حضرت سلمان فارسی کے قبول اسلام کا واقعہ ان کی طویل حدیث کے حوالے بیان کیا ہے اور آخر میں وضاحت کی ہے کہ وہ اس سنہ میں آزاد ہوئے اور خندق میں پہلی بار شریک ہوئے (۵۷-۲۴۹)۔ نئے عنوان سے بلا سند محرم میں ہونے والے غزوۂ ذات الرقاع کا بیان ہے (۵۹-۲۵۷) پھر غزوہ دومۃ الجندل کے مختصر ذکر کے بعد بعض سماجی واقعات نقل کئے ہیں جیسے حضرت سعد بن عبادہ کی ماں کی وفات، چاند گرہن اور صلاۃ کسوف، قریش کے قحط میں مالی امداد نبوی، وفد مزینہ کی آمد، ضمام بن ثعلبہ کی آمد جو نسبتاً مفصل ہے (۶۳-۲۵۹)۔

شعبان ۵ھ میں غزوہ المریسیع کا ہونا بتایا ہے ایک نئی سرخی کے تحت اور بلا سند۔ یہ ذکر بہت مختصر ہے اور اس میں تیمم کے حکم کا ذکر بھی ہے (۶۴-۲۶۳)۔ البتہ غزوہ خندق کا ذکر کچھ مفصل ہے

(۷۳-۲۶۴) جس کے بعد غزوہ بنی قریظہ کا بیان ہے دونوں بلاسند ہیں (۷۹-۲۷۴) جس کے آخر میں حضرت زینب بن جحش کی شادی ولیمہ کا ذکر ہے۔ اسی سنہ میں نئی سرخی کے تحت حضرت عبداللہ بن انیس کا سریہ بلانئی سند مذکور ہے (۸۰-۲۷۹)۔ اسی میں غابہ جانے اور گھوڑے سے گر کر زخمی ہونے، بیٹھ کر نماز میں امامت کرنے، قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ نہ رکھنے کا حکم بھی موجود ہے۔

۶ ھ کے عنوان نو کے تحت اور نئی سند کے ساتھ امام ابن حبان نے حضرت ثمامہ بن اثال حنفی کی گرفتاری اور رہائی، قرطاء کے سریہ محمد بن مسلمہ، غمر کے سریہ عکاشہ بن محض الاسدی، سورج گرہن اور صلاۃ کسوف، ذوالقصہ کے سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، اور اسی علاقہ کے محمد بن مسلمہ کے سریہ، جموم کے سریہ زید بن حارثہ، اور انہیں کے تین اور سرایائے طرف، عیص اور حسمیٰ کا ذکر کر کے جمیلہ بنت ثابت بن ابی الاقلح سے حضرت عمر کی شادی، طلاق، اولاد اور ان کی دوسری شادی و اولاد کا حوالہ دے کر بعض دوسری سرایا کو بیان کیا ہے جیسے سریہ علی افدک، دومۃ الجندل کا سریہ عبدالرحمٰن بن عوف، اور انہیں کا سریہ خیبر جو نئی معلومات میں سے ہے، مدینہ میں قحط اور نماز استسقاء، ام قرفہ کے سریہ زید، بنولحیان کے خلاف غزوہ نبوی، اور غزوہ غابہ اور صلاۃ خوف، غزوہ بنی المصطلق، واقعہ افک جو حضرت عائشہ کی حدیث پر مبنی اور زیادہ مفصل ہے (۹۵-۲۸۰) اسی کے بعد "غزوہ الحدیبیہ" کا مفصل بیان ہے جس میں بعض نئی معلومات ہیں جیسے مجاہدین کی تعداد اٹھارہ سو بتاتی ہے وغیرہ (۳۰۶-۲۹۵) اور نئی سرخی کے تحت غزوہ ذوقرد کی تفصیلات ہیں (۱۲-۳۰۶) اور اسی پر جلد اول ختم ہوتی ہے۔ آخری صفحہ پر طباعت کی تاریخ اور ناشرین کی حمد ہے۔

امام ابن حبان بُستی کی کتاب الثقات کی جلد دوم کا آغاز فہرست عنوانات سے ہوتا ہے جو ناشرین کا قائم کردہ ہے (۵-۱) اور متن کا آغاز ۷ ھ کی سرخی سے ہوتا ہے۔ اپنی سند سے حضرت ابوسفیان اموی کی حدیث بیان کی ہے جس میں ہرقل شاہ روم سے انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے بارے میں گفتگو کا حوالہ ہے (۵-۱)۔ اس کے بعد سلاطین روم و ایران، حبشہ و مصر کے نام فرامین نبوی مذکور ہیں (۱۰-۶)۔ نئے عنوان سے بلاسند غزوہ خیبر کا مفصل بیان ہے (۱۷-۶۰) اور مسلم شہدائے خیبر کے لئے نئی سرخی لگائی ہے اور اسی میں بعض دوسرے متعلقہ مباحث ہیں جیسے حضرت جعفر کی آمد، وادی القریٰ کا غزوہ، حجاج بن علاط سہمی کا واقعہ وصول رقوم، خیبر سے مدینہ واپسی، حضرت ابوہریرہ کی آمد، حضرت ام حبیبہ سے شادی، نکاح اول کی بنا پر حضرت زینب کی حضرت ابوالعاص بن ربیع کے پاس

واپسی، حضرت عمرو بن العاص اور خالد بن الولید کا قبول اسلام، اور بعض سرایا جیسے بشیر بن سعد، ابوبکر صدیق، غالب بن عبد اللہ لیثی / بنو الملوح، عمر بن الخطاب / ارض ہوازن، بشیر بن سعد / خباب (۲۵-۱۷) اس کے بعد عمرۃ القضاء کا بیان ہے جس میں حضرت میمونہ کی شادی کا بھی حوالہ ہے اور خاتمہ حضرت ابن ابی العوجاء سلمی کے سریۂ بنی سلیم پر ہوتا ہے (۲۸-۲۶)۔

۸ھ کے عنوان کے تحت اپنی سند سے پہلے گرانی کا ذکر کیا ہے کہ مدینہ میں چیزوں کے نرخ چڑھ گئے، حضرت سودہ بنت زمعہ کی طلاق ورجوع، وفات حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ، سرایائے غالب لیثی / بنی لیث، عمرو بن العاص / عمان، منذر بن ساریٰ کے نام فرمان نبوی، سریہ کعب بن عمیر غفاری / ذات اطلاع، سریہ شجاع بن وہب اسدی / نجد - بنو عامر، سریۂ موتہ، سریہ عمرو بن العاص / ذات السلاسل، خزاعہ بن بدیل کے نام کتاب نبوی، سرایائے ابوقتادہ / غطفان، ابوعبیدہ جراح / جہنیہ، صدقہ وقف عمر درخیبر (۳۷-۲۸)۔ خزاعہ پر حملہ بنی بکر وقریش اور ابوسفیان کی زیارت مدینہ، مکہ پر فوجکشی کا عزم نبوی اور فتح مکہ کی تفصیلات ہیں (۶۰-۳۷) اسی سے متصل حضرت خالد کی مہم بنی جذیمہ، ہوازن کے حملہ واجتماع یا غزوہ حنین کا پس منظر ہے (۶۶-۶۰) ہوازن کی طرف روانگی کی سرخی کے تحت اس غزوہ حنین کی تفصیلات بیان کی ہیں (۷۴-۶۶)۔ بلاعنوان طائف کے خلاف اقدام غزوہ طائف کا ذکر کیا ہے (۷۹-۷۵) پھر تقسیم غنائم اور مولفۃ القلوب کے عطایا کا بیان اور انصار کا واقعہ اور خطبہ مذکور ہے اور واپسی مدینہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے (۸۲-۷۹)۔ آخر میں فاطمہ بنت ضحاک سے آپ کی شادی اور حضرت ابراہیم کی ولادت کا ذکر ہے (۸۳)۔

۹ھ کی سرخی کے تحت اپنی نئی سند سے واقعۂ ایلا کا بیان ہے (۸۸-۸۴)۔ دوسرے واقعات ہیں: سریہ علقمہ بن مخرز اور فودیلی، بنو ثعلبہ، داری، بنی اسد، مسعود ثقفی، سریہ ضحاک بن سفیان کلابی، سریہ علی / الفلس اور وفات نجاشی (۹۱-۸۴) "ثم امر رسول اللہ ﷺ بالتحیر لغزوۃ الروم" کے عنوان سے بلا سند غزوہ تبوک کی تفصیلات دی ہیں، واقعات کے علاوہ اہل ایلہ اہل جرباء سے معاہدوں، اکیدر شاہ دومہ کے خلاف سریہ خالد بن الولید، حضرت کعب بن مالک کی غیر حاضری کا مختصر حوالہ، جہاد کے تسلسل کا حکم نبوی، متعدد مساجد منازل، واپسی تین غیر حاضروں کا واقعہ اور حدیث کعب، واقعہ لعان دوسرے حوادث ہیں (۱۰۵-۹۱)۔ ان کے علاوہ وفات حضرت ام کلثوم، حضرت عمر بن حزم

کی تقرری بطور گورنر حمیر اور ان کے نامہ تقرری میں زکوۃ مویشی وغیرہ کے احکام، حضرت معاذ بن جبل کی یمن پر تقرری، اور مختلف احکام، حضرت ابوموسیٰ کی تقرری، وفد کلاب کی آمد، بنو تمیم کے خلاف عربوں پر مشتمل سریہ جس میں انصار و مہاجرین میں سے کوئی نہ تھا (۱۱۲)۔ منبر نبوی سے حضرت حسان کی شعر خوانی، وفد طائف کی آمد، عبداللہ بن ابی بن سلول کی وفات، وفد بنی عذرہ کی آمد، فرضیت حج اور حج ابی بکر اور اسی پر ۹ھ کے واقعات تمام ہوتے ہیں (۱۴-۱۱۳)۔

۱۰ھ کے عنوان کے تحت سند کے ساتھ وفد عبدالقیس کی آمد کا نسبتاً مفصل ذکر کیا ہے۔ دوسرے مباحث ہیں: بنو عبدالمدان کی طرف سریہ خالد، عمر بن حزم کی بطور عامل نجران تقرری، عدی بن حاتم طائی کی آمد، جریر بجلی کی آمد وفد ازد کی آمد، ولادت محمد بن عمر بن حزم در نجران، وفود سلامان، بنی حنیفہ/مسیلمہ، غسان، مراد کی آمد، حضرت ابوذر غفاری کی حدیث طویل بابت ارکان و اعمال جو کافی مفصل ہے، سریہ علی/عمیق، نزول قرآن، نجران کے عیسائی راہبوں کی آمد، اشعث بن قیس کی آمد، حضرت زیاد بن لبید کی تقرری، حدیث جبریل (۲۴-۱۱۴) بلاعنوان۔ اسی سلسلہ میں حجۃ الوداع کا ذکر کیا ہے جس میں دوسرے اہم واقعات بھی مذکور ہیں جیسے حضرت علی کی یمن سے آمد، حضرت سعد کی بیماری، خطبات نبوی (۲۹-۱۲۴)۔

ذکر وفاۃ رسول اللہ ﷺ کے عنوان جدید سے سند نو کے ساتھ آپ کی بیماری اور وفات کے واقعات مختصراً بیان کئے ہیں اور ان کے بعد خطبہ ابوبکر صدیق کا متن ہے (۳۴-۱۲۹)۔ اس کے بعد غیر معمولی انداز سے عبدالمطلب کی اولاد کے بارے میں تفصیلات دی ہیں (۳۷-۱۳۴)۔ پھر ازواج مطہرات کا بیان ہے (۴۲-۱۳۷) اس کے بعد اولاد کا ذکر خیر ہے (۴۵-۱۴۲) جس کے آخر میں ایک پیرے میں آپ کے عمال صدقات کا ذکر ہے۔

ذکر وصف رسول اللہ ﷺ کی سرخی کے تحت نئی سند سے آپ کے شمائل کے بارے میں حضرت ہند بن ابی ہالہ کی حدیث (۵۱-۱۴۵) دی ہے جس کے آخر میں امام ابوحاتم نے رسول اکرم ﷺ کی ولادت و مبعث وغیرہ کے ختم ہونے اور کتاب الخلفاء کے شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور ''استخلاف ابی بکر بن ابی قحافۃ الصدیق رضی اللہ عنہ'' کے عنوان سے اس کا آغاز کر دیا ہے۔

امام ابن حزم

(۳۸۴-۴۵۶ھ/۹۹۴-۱۰۶۴ء)

اندلس اسلامی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بھی تھا اور مشرقی روایات اور مرکزی اقدار کا وارث بھی اسلامی فتوحات کے ساتھ ہی وہاں اسلامی افکار واعمال کا نشو ونما ہوا اور مشرق ومرکز سے جانے والے عظیم علماء، فاتحین اور فضلاء نے وہاں اسلامی میراث کی آبیاری اور پرداخت کی۔ مرکز سے جانے والے سابقین اولین نے جن روایات واقدار کو اندلسی سرزمین میں بسایا اور پروان چڑھایا تھا ان میں خالص اندلسی علماء وفضلاء خلفاء وعمال اور صاحبان قلب ونظر نے خاطر خواہ اضافے کیے۔ اور مشرقی افکار وروایات پر اپنی خالص اندلسی چھاپ لگائی اور اس کو ایک خاص تشخص دیا۔ اسلامی اندلس کے ہر دور اور ہر صدی میں عظیم اہل قلم ہوئے۔ ان میں عظیم سیرت نگار اور مایہ ناز تاریخ نویس شامل تھے۔ ابن حزم اندلسی ان نادرۂ روزگار شخصیات میں سے ایک ہیں جنھوں نے فن سیرت کو اپنی تحریروں سے خاص رنگ وآہنگ بخشا اور اس کو ایک نئی جہت دی۔

علامہ ابن حزم اپنے پردادا حزم بن غالب کی طرف نسبت نسبی سے زیادہ معروف ہیں ورنہ ان کا اسم گرامی علی اور کنیت ابو محمد تھی اور ان کے والد ماجد احمد بن سعید بن حزم تھے۔ ان کے دسویں جد امجد یزید فارسی الاصل اور ایرانی نژاد ہونے کے علاوہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی کے برادر اکبر حضرت یزید بن ابی سفیان اموی (م سنہ ھ) کے حلیف تھے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابن حزم کے پردادا نے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرلیا تھا اور وہ اندلسی الاصل تھے۔ جب کہ مرتبین جوامع السیرہ کا خیال ہے کہ جب عباسی خلافت قائم ہوگئی تو عبد الرحمٰن الداخل اموی کی قیادت وامارت میں اموی خلافت کی بنیاد اندلس میں پڑی اور اموی خاندان کے افراد وطبقات کے ساتھ ان کے موالی اور خلفاء نے بھی اندلس کا رخ کیا۔ ابن حزم کے چھٹے جد امجد

خلف بن معدان بن سفیان بن یزید نے بھی اپنے اموی سرپرستوں کے ساتھ اندلس کا رخ کیا اور کورہ لبلہ (Niebla) کے ایک قریہ منت لیجم یا لیشم (Manta Lisham) میں اقامت پذیر ہو گئے۔ علامہ ابن حزم کے والد ماجد احمد بن سعید صاحب سیف وقلم تھے لہٰذا اپنی صلاحیتوں کے سبب عامری دور اقتدار وتسلط میں وزارت کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔ لیکن یہ دور شورش اور عہد افراتفری تھا، جب اسلام اندلس میں سیاسی اور سماجی زوال شروع ہو چکا۔ ان کے والد گرامی نے جلد ہی سیاسیات سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور قرطبہ کے مشرقی حصہ میں ایک قدیم مکان میں اقامت پذیر ہو گئے جہاں ۴۰۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اندلس کے اس زوال آمادہ معاشرہ کے اس علم وفضل اور جاہ ومنصب والے خاندان میں ابن حزم نے اخیر رمضان ۳۸۴ھ/ ۷ر نومبر ۹۹۴ء میں تولد ہونے کی سعادت پائی۔ بعض مورخین نے ان کی تاریخ ولادت ۳۸۳ھ اور ۳۹۷ھ بھی دیا ہے لیکن وہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ ابن حزم کی ابتدائی پرورش اور تعلیم وتربیت ناز ونعمت میں ہوئی کہ والد ماجد وزیر اندلس اور خاندان صاحب ثروت وجاہ تھا لہٰذا ان کے والد نے ان کی تعلیم وتربیت کا اعلیٰ انتظام کیا، اور ایک عمدہ اتالیق ابوالحسین بن علی فاسی کو ان کا استاد وسرپرست مقرر کیا ابن حزم کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذہانت وفطانت، قوی حافظہ، علمی مزاج اور زبردست حاضر دماغی سے نوازا تھا اور دوسری عظیم صلاحیتیں بھی ان میں ودیعت کی تھیں۔ انہوں نے اپنے استاد مہربان کی سرپرستی میں تعلیم کی منزلیں تیزی سے طے کی اور مختلف علوم وفنون میں خاصی ترقی کر لی۔ انہوں نے بعض دوسرے اساتذہ کرام جیسے عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی یزید الازدی اور احمد بن الجسور (م ۴۰۱ھ) وغیرہ سے بھی اسی زمانے میں تعلیم پائی۔ اسی زمانہ کشاکش میں ابن حزم نے دوسرے شیوخ واساتذہ سے قرطبہ ہی میں حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے تعلیم مکمل کی، ابھی اٹھارہ سال ہی ہوئے تھے کہ شفیق والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

والد کی سیاست سے کنارہ کشی اور پھر انتقال کے سبب ابن حزم کے حالات بد سے بدتر ہو گئے اور ان کو ۴۰۴ھ میں قرطبہ چھوڑ کر مریہ جانا پڑا مگر اس کے حالات بھی ان کے لئے سازگار نہ تھے۔ المریہ کے حاکم ووالی خیران العامری نے ابن حزم اور ان کے ایک دوست محمد بن اسحاق کو اموی خلافت کے احیاء کے لئے اور بنو عامر کے اقتدار کے خلاف سازش کرنے کا شبہ کیا اور ان دونوں کو

چند ماہ کے لئے قید و گرفتاری کے بعد جلاوطن کر دیا۔ دونوں نے قلعہ القصر کی راہ لی جس کا گورنر و والی ان کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ وہاں چندے قیام کے بعد ابن حزم اپنے دوست کے ساتھ بلنسیہ پہونچے کیونکہ عبدالرحمٰن المرتضی بن محمد اموی خلیفہ بن گئے تھے اور ان کے خیر خواہ تھے۔ ابن حزم ان کے مشیر و ہمراز رہے غرناطہ کی مہم کے دوران وہ عبدالرحمٰن چہارم کے ہمرکاب تھے جب اموی حکمرں مقتول ہوئے اور ابن حزم مدتوں قید و اسیر رہے۔ چھ سال کی غیر حاضری کے بعد وہ ۴۰۹ھ میں واپس قرطبہ پہونچے جہاں حمودی خاندان کا حکمراں القاسم بن حمود خلیفہ تھا۔ اس دوران ابن حزم سیاست سے الگ اپنی علمی مصروفیات میں لگے رہے۔ رمضان ۴۱۴ھ/ دسمبر ۱۰۲۳ء میں حمودی حکمراں معزول ہوا اور عبدالرحمٰن پنجم جو المستظہر کے نام سے نیا اموی خلیفہ بنا تو اس عالم و علم پرست حکمراں نے اپنے خاندان کے قدیم نمک خوار اور دوست ابن حزم کو اپنا وزیر و مشیر مقرر کیا۔ لیکن دو ماہ کی مہلت کے بعد خلیفہ اموی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ابن حزم کو ایک بار پھر قید خانے کی تاریکیوں میں ڈھکیل دیا گیا۔ مدتوں وہ قید رہے اور نہ جانے کب وہ اس سے رہا ہوئے۔ بہر حال ۴۱۸ھ/ ۱۰۲۷ء کے قریب وہ کسی طرح شاطبہ میں نظر آئے۔ جیانی اور یاقوت حموی کے مطابق ابن حزم ایک بار پھر اموی خلیفہ ہشام المعتد باللہ (۲۲-۴۱۸ھ) کے عہد میں وزیر و مشیر سلطنت رہے۔ ابن حزم کی زندگی کی ہماہمی اور سیاسی مصروفیات کے بارے میں یہ آخری معلومات ہیں۔ اس کے بعد ابن حزم نے سیاسی زندگی سے کنارہ کشی کر کے علوم و فنون کی زندگی اپنالی۔

ابن حزم کی بعد کی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات کافی کم ہیں تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق و تدقیق، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے خاص خیالات و افکار کی تبلیغ و اشاعت کے اندلس اور افریقہ وغیرہ کے مختلف علاقوں جیسے اشبیلیہ، بلنسیہ، میورقہ اور قیروان وغیرہ کے متعدد سفر کئے۔ انہوں نے ان اسفار کے دوران علماء و فقہاء سے مباحثے اور مذاکرے بھی کئے جو بسا اوقات مناقشوں اور مناظروں کی صورت اختیار کر گئے۔ ان کی علمی سرگرمیوں، مناظروں، کتابوں اور سفروں سے جہاں ان کے عقیدت مندوں اور شاگردوں کی تعداد میں اضافہ ہوا وہیں ان کے نکتہ چینوں اور مخالفوں کی تعداد بھی بڑھی۔ ابن حزم کی مخالفت و مزاحمت میں ان کے مخالفین کے حسد و جلن کے ساتھ ساتھ ان کی بے پناہ جرأت و تہور، حق گوئی اور بے باکی اور مسلمہ افکار و نظریات

کسی کے یہ نہیں لکھا ہے۔ یہ امامی عقیدہ یا شیعہ افکار کا حامل خاندان تھا۔ چنانچہ مصر کے والی کی مانند جو ادریس بن عبداللہ حسنی کی الفسخ ۱۶۹ھ/ ۷۸۵ء میں حمایت کرنے اور شکست کھانے کے بعد جان سے مارا گیا۔ یاقوت حموی نے یعقوبی کا نہ تو سنہ ولادت بتایا ہے، نہ ان کے مقام پیدائش کے بارے میں کچھ کہا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں ہماری معلومات بالکل صفر ہیں۔ قوی امکان ہے کہ یعقوبی نے بھی اپنے عہد کے اہل علم بالخصوص کاتبوں کے لئے مروجہ نصاب کے مطابق اعلیٰ تعلیم پائی تھی کیونکہ جب کوئی شخص تاریخ وسیرت، ادب وشعر اور دوسرے اسلامی علوم وفنون میں اچھی دستگاہ نہ رکھتا ہو نہ کاتب بن سکتا تھا اور نہ کتابت وانشا میں نام پا سکتا تھا۔

اسی طرح یعقوبی کی عملی زندگی کے بارے میں بھی ہماری معلومات کافی کم ہیں۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جوانی میں یا اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں آرمینیا اور خراسان میں سلطنت طاہری یا خاندان طاہریہ کی خدمت کی تھی اور غالباً ایک کاتب ہی کی حیثیت سے بعد میں انہوں نے کسی وقت عباسی خلافت میں کاتب کا عہدہ حاصل کیا۔ غالباً عباسی خلیفہ یا ان کے کسی متوسل کے ہاں ملازمت کر لی تھی لیکن قدیم مآخذ میں ان کے آقا کا پتہ نہیں چلتا اور نہ ہی اس کے سفروں اور مقام توطن کا ذکر ملتا ہے سوائے اس کہ آل طاہر/ طاہری خاندان کے زوال کے بعد یعقوبی نے مصر کا رخ کیا اور وہاں غالباً زندگی آخری سات آٹھ برس گذارے اور وہیں ۲۸۴ھ/ ۸۹۷ء میں وفات پائی۔ البتہ زرکلی نے ان کو کثیر الاسفار کہا ہے اور بغداد کا باسی بتایا ہے۔ ان کے اسفار کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مغرب کا سفر کیا اور مدتوں آرمینیا میں قیام کیا۔ وہ ہند کی زیارت کو بھی گئے اور کئی عرب ممالک کی بھی زیارت کی۔ تاریخ یعقوبی اور کتاب البلدان کے نجف ایڈیشن میں مزید کہا گیا کہ یعقوبی نے شام اور مغرب اور اندلس تک کا سفر کیا تھا۔

یعقوبی کی تاریخ وفات کے بارے میں یاقوت کی بیان کردہ تاریخ زیادہ تر قبول کی جاتی ہے لیکن بعض دوسرے مورخوں نے مختلف تاریخیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے ایک ۲۷۸ھ/ ۸۹۱ء اور دوسری ۲۸۲ھ/ ۸۹۵ء ہے لیکن تاریخ یعقوبی کے نجف ایڈیشن ۱۹۶۵ء کے مرتب سید محمد صادق بحر العلوم نے اپنے مختصر مقدمہ میں یعقوبی کی کتاب البلدان میں مذکورہ چند اشعار جو مصر کے حاکم خاندان بنو طولون کی جلالت شان ورفعت آن کے بارے میں کہے گئے ہیں نقل کر کے کہا ہے کہ ان اشعار ٗ یعقوبی

نے ۳۰/شعبان ۴۵۶ھ لکھا ہے۔ لیکن اول الذکر تاریخ کو زیادہ صحیح مانا گیا ہے۔

علامہ ابن حزم کی معنوی اولادوں کی تعداد تو بیکراں ہے مگر ان کی صلبی اولاد نے بھی ان کے افکار وعلوم کی حفاظت اور نشر واشاعت کی۔ ان کے تین فرزندوں نے کم از کم ان کے نام کو چار چاند لگائے۔ ابورافع الفضل (م ۴۷۹ھ)، ابواسامہ یعقوب اور ابوسلیمان المصعب نے اپنے والد ماجد کے علوم وفنون اور افکار ونظریات کو بہت فروغ دیا اور خود اپنی حیثیت نامور مؤلف ومصنف کے طور پر قائم کی لیکن وہ بہرحال اپنے عظیم والد کے پاسنگ بھی نہ تھے۔

امام ابن حزم قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ، تاریخ وسیرت، عقائد وافکار، انساب واصول، علم کلام، سیاسیات ونفسیات، منطق وفلسفہ اور شعر وادب تقریباً تمام مروجہ علوم وفنون میں تبحر ومہارت رکھتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنے وقت کے مشاہیر علماء اور علوم وفنون کے ماہرین سے تعلیم وتربیت پائی تھی۔ ان میں احمد بن جسور (م ۴۰۱ھ)، قاضی یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن مسعود (م ۴۰۲ھ)، مشہور مورخ ومحدث ابن الفرضی (م ۴۰۳ھ)، ابوالقاسم ازدی (م ۴۰۱ھ)، عبداللہ بن ربیع تمیمی (م ۴۱۵ھ)، قاضی ہمام بن احمد (م ۴۲۱ھ)، ابوالخیار ظاہری (م ۴۲۶ھ)، ابوعمر طلمنکی (م ۴۲۸ء) اور حافظ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) سے بطور خاص تعلیم حاصل کی تھی۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ امام ابن حزم نے اسلامی علوم وفنون کے پورے کتب خانہ کو اپنے ذہن وقلب میں اتار لیا تھا اور غالباً ان سے بڑا صاحب طرز عالم اور کوئی ان کے عہد میں نہ تھا۔

ان کے تمام معاصرین نے خواہ وہ صاحبان سیف وتاج ہوں یا اہل علم وقلم ان کے علمی تبحر، وسعت نگاہ، ژرف نظری، شاندار علمی اسلوب اور ان کی تمام دوسری خصوصیات کے معترف نظر آتے ہیں۔ عظیم موحد حکمراں منصور نے ایک بار ان کے مزار پر حاضری دی تو برملا اعتراف کیا کہ "مشکل کے وقت تمام علماء وفضلاء کو ابن حزم ہی سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔" شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام خود فقیہ تھے لیکن انہوں نے ابن حزم کی ظاہری فقہ پر عظیم کتاب المحلیٰ کے بارے کہا تھا کہ اسلام کے علمی ذخیرہ میں ابن حزم کی المحلیٰ اور شیخ موفق (ابن قدامہ) کی المغنی کا کوئی جواب نہیں۔"

تصانیف ابن حزم

امام ابن حزم صحیح معنوں میں صاحب قلم اور صاحب تصانیف کثیرہ تھے ۔ ان کے فرزند ابورافع الفضل کا بیان یاقوت حموی نے نقل کیا ہے کہ صرف ان کے پاس کے امام ابن حزم کی کتابیں انہیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی لگ بھگ چارسو اجزاء میں موجود تھیں جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل تھیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اپنا ذاتی کتب خانہ کتنا عظیم تھا اور اس میں سے کس قدر کم ہم تک پہونچا ہے۔ بہر حال ان کی اہم ترین تالیفات کی ایک مختصر فہرست ذیل میں دی جارہی ہے۔

الاحکام فی اصول الاحکام، مرتبہ احمد محمد شاکر، مکتبہ الخانجی قاہرہ، ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء (اصول فقہ)

الاخلاق والسیر فی مداواۃ النفوس، قاہرہ ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء نیز اسپنی ترجمہ

الایصال الی فهم الخصال الجامعة الجمل شرائع الاسلام..... (فقہ حدیث)

جمهرة انساب العرب، مرتبہ لیفی بروفنسال قاہرہ ۱۹۴۸ء اور مرتبہ عبدالسلام ہارون قاہرہ ۱۹۶۲ء (علم انساب)

جوامع السیرة، مرتبہ احسان عباس اور ناصر الدین اسد، قاہرہ (سیرت)

الرد علی ابن نغریلة الیهودی ورسائل اخری، مرتبہ احسان عباس قاہرہ ۱۹۶۰ء (کلام وعقائد)

طوق الحمامة، دمشق ۱۳۴۹ھ متعدد یورپی تراجم (ادب)

الفصل فی الملل والاهواء والنحل، میڈرڈ ۳۲-۱۹۲۷ھ، قاہرہ ۱۹۲۹ء (عقائد وکلام)

لفظ العروس فی تواریخ الخلفاء، مرتبہ شوقی ضیف قاہرہ ۱۹۵۱ء

المحلی، مرتبہ زید ان ابوالمکارم حسن اور حسن زیدان طلبہ، قاہرہ ۷۰-۱۹۶۷ء: نوجلدیں (فقہ ظاہری)

مسائل اصول الفقه، مرتبہ محمد ابن اسماعیل الامیر الصنعانی جو بعد میں جمال الدین

القاسمی نے مجموعہ رسائل فی اصول التفسیر واصول الفقہ ص ۵۲-۲۷ دمشق ۱۳۳۱ھ میں شائع کیا۔ (اصول فقہ)

مراتب الاجماع، مخطوطہ بانکی پور پٹنہ، جلد ۱۹، شمارہ ۱۸۹۲

المفاضلة بین الصحابة، مرتبہ سعید افغانی دمشق

طریقۂ تالیف

امام ابن حزم نے اپنے مقدمۂ کتاب ''جوامع السیر ہ'' میں اصل اور فوری وجہ تالیف طلبہ اور عام قارئین کے لئے ایسی کتاب سیرت تالیف کرنا بتائی ہو جس سے استفادہ آسان ہو۔ یہ استفادہ صرف سیرت نبوی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے تک محدود نہیں ہے بلکہ سیرت نبوی کی مذہبی نوعیت، سنت کی آئینی حیثیت اور اسوۂ نبوی کی اتباع و پیروی کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ وہ سیرت نبوی کے ذریعہ اسلام کا مکمل نمونہ لوگوں کی پیروی اور نقل کے لئے پیش کرنا چاہتے تھے۔

اندلس میں اسلامی مشرق کی جو کتب سیرت پہونچ چکی تھیں ان میں سے بیشتر ابن حزم کی جو امع السیر ہ کے مصادر و مآخذ رہی ہیں۔ خود مؤلف علام نے دو مآخذ ابوحسان زیادی کی تاریخ اور خلیفہ بن خیاط کی تاریخ کا حوالہ دیا ہے جو اندلس میں مختلف سلسلوں سے پہونچ چکی تھیں۔ ابن حزم نے ان کے علاوہ ابن اسحاق اور دوسرے سیرت نگاروں جیسے واقدی اور موسیٰ بن عقبہ کے علاوہ اپنے ہمعصر استاذ حافظ ابن عبدالبر کی کتاب مختصر سے بھی یقیناً استفادہ کیا تھا۔

متاخر سیرت نگاروں نے ابن حزم کی سیرت سے خاصا استفادہ کیا۔ ان میں ابن کثیر، مقریزی اور مؤلف مواہب لدینہ اور دیار بکری شامل ہیں۔ عام طور سے ابن حزم کے ان اقتباسات میں اختلافی مسائل یا واقعات کی تاریخ وغیرہ کے بارے میں ان کا خیال زیر بحث آیا ہے مثلاً زکوۃ کی فرضیت، مجاہدین صلح حدیبیہ کی تعداد وغیرہ کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یا محاکمہ اہم ہیں۔

ابن حزم کی ''جوامع السیرة '' اگرچہ قدیم اور اصل کتابوں کی مانند طبع زاد نہیں ہے بلکہ وہ سیرت کی امہات الکتب پر مبنی کتاب ہے تاہم وہ اپنی بعض خصوصیات کے سبب سیرتی ادب میں خاصا بلند مقام رکھتی ہے۔ اول یہ کہ وہ اندلسی سیرت ادب کی دستیاب کتابوں میں خاصی قدیم ہے۔ دوسرے

وہ اندلسی نقطۂ نظر اور اسلوب تحریر پیش کرتی ہے، تیسرے ابن حزم نے کوشش کی ہے کہ صحیح تر روایات پیش کی جائیں۔ چوتھے یہ کہ پورے اعتماد، یقین اور بھروسے کے ساتھ اپنی بات یا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں اور قاری کو صحیح وغلط روایات کے انتخاب کے مخمصہ میں نہیں ڈالتے بلکہ صحیح بات کہہ ڈالتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ وہ مختلف ضعیف روایات یا کمزور اقوال پر محاکمہ اور ان کی تردید ضرور کرتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ وہ واقعات کی تاریخ بیان کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور بالعموم ان کی تاریخیں صحیح ہوتی ہیں۔ ساتویں یہ کہ ابن حزم سیرت نبوی کے بیان میں ہجری تقویم کو رسول اکرم ﷺ کی ہجرت کے ماہ ربیع الاول سے شروع کر کے واقعات کی تاریخی تعیین کرتے ہیں اور حضرت عمر کی تاریخ ہجری یعنی محرم سے ہجری تقویم شروع نہیں کرتے۔ اس طرح دوسرے مورخین اور سیرت نگاروں سے ان کا اختلاف لازمی ہو جاتا ہے اور بعض واقعات کی تقویم میں خاصا زمانی فرق پڑتا ہے۔ آٹھویں یہ کہ امام ابن حزم اپنے ظاہری مسلک کے مطابق بعض واقعات سیرت کی توجیہ اور ان سے متعلق احکام شرعی کی تاویل کرتے ہیں مثلاً حج کی فرضیت کو وہ ۶ھ کا واقعہ بتاتے ہیں جب کہ عام خیال یہ ہے کہ وہ ۹ھ/۶۳۱ء میں فرض ہوا یا غزوہ بنی قریظہ ضمن میں حکم نبوی کہ نماز عصر بنو قریظہ کے علاقے میں پہونچ کر پڑھی جائے کہ توجیہ یہ کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی اطاعت (لفظی) ضرور تھی اور خواہ کئی دن لگ جاتے مگر نماز عصر وہاں پہونچ کر ہی پڑھی جاتی۔ جن لوگوں نے اس کی معنوی تعبیر کر کے پہلے پڑھ لی انہوں نے نافرمانی کی اگرچہ وہ تعبیر کی غلطی اور نیت کی صحت پر مبنی تھی۔ نویں یہ کہ امام ابن حزم انتہائی دیانتدار سیرت نگار اور تاریخ نویس تھے اور جو کچھ لکھتے تھے وہ پوری ایمانداری سے اور واقعات کے تجزیہ کے بعد لکھتے تھے۔ دسویں یہ کہ جوامع السیر ہ موضوعات نگاری کا نمونہ ہے کہ وہ ایک موضوع سے متعلق مواد کو ایک عنوان کے تحت الگ فصل/باب میں جمع کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے سیرت نبوی کے مکی عہد کے جو موضوعات دیئے ہیں ان میں سوانحی مضامین ہی شامل نہیں بلکہ مختلف قسم کے موضوعات شامل ہیں جیسے نسب نبوی کے بعد دوسرے باب میں پوری سیرت نبوی از ولادت تا وفات کا ایک خاکہ سا دے دیا ہے اور اس کے بعد آپ کی علامات نبوت، حج اور عمروں کی تعداد، صفات و اسماء مبارکہ، ازواج مطہرات، اخلاق نبوی پر مختصر مختصر ابواب باندھے ہیں۔ اگلا باب نبوت محمدی کے اہم واقعات، دعوت اسلامی، اولین مسلمین، قریشی مخالفت وغیرہ کا ذکر مسلمانوں کے مقاطعہ وغیرہ کو تک بیان کیا ہے

۔اسی طرح مختصر فصول وابواب میں پوری عہد نبوی کی تاریخ بیان کر دی ہے جس میں مغازی کا بیان زیادہ مفصل ہے جو تقریباً دو تہائی کتاب پر مشتمل ہے۔

ابن حزم کی "جوامع السیرة" کو دراصل "مختصر السیرہ" کہنا زیادہ مناسب ہے کہ وہ ضروری معلومات مختصر طریقہ سے دلنشیں اسلوب میں پیش کر دیتی ہے۔اس میں غزوات وسرایا کا مفصل بیان اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ دوسرے موضوعات کے مقابلہ میں خاصا غیر متناسب لگتا ہے۔

مصادر و مآخذ

آسن پلاسیوس (Asin Palacios) ابن حزم قرطبی اور اُن کے مذہبی افکار کا تنقیدی مطالعہ، میڈرڈ ۳۷-۱۹۲۷ء اول مقدمہ (مزید یورپی مآخذ کے لئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ مذکورہ ذیل ملاحظہ ہو)

ابن بشکوال کتاب الصلۃ، الدار المصریہ قاہرہ، ۱۹۶۶ء، ۴۱۵

ابن حجر عسقلانی لسان المیزان چہارم ۲۰۲-۱۹۸

ابن الخطیب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ، ۱۳۱۹ھ سوم ۱۴۴

ابن خلکان وفیات الاعیان، قاہرہ ۱۹۴۸ء سوم ۱۷-۱۳

ابن العماد حنبلی شذرات الذہب، قاہرہ ۱۳۵۰ھ دوم ۲۹۹

ابوزہرہ ابن حزم، قاہرہ ۱۳۷۳ھ، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، لاہور ۱۹۶۴ء اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ابن حزم (مقالہ)

بروکلمان تکملہ اول ۳۹۹ اول، ۶۹۲

حمیدی جذوۃ المقتبس، الدار المصریہ قاہرہ ۱۹۶۶ء شمارہ ۷۰۸

ذہبی تذکرہ الحفاظ، حیدرآباد دکن سوم ۳۴۱

سعید افغانی مقدمہ ابن حزم الاندلسی و رسالتہ فی المفاضلۃ بین الصحابۃ

صاعد اندلسی طبقات الامم، بیروت ۱۹۱۲ء ص ۷-۷۵

الضبی بغیۃ الملتمس، میڈرڈ ۱۸۸۵ء ص ۴۱۲، ۱۱۰۴

فتح بن خاقان مطمح الانفس، مطبعۃ الجوائب ۱۳۰۲ھ ص ۵۵

قفطی اخبار الحکماء، مطبعۃ الخانجی، قاہرہ ص ۱۵۶

محمد اجمل اصلاحی ابن حزم الاندلسی اور جوامع السیرۃ، مقالہ نقوش رسول نمبر اول ۶۱۴-۵۹۵

مصری نفح الطیب، المطبقۃ الازہریہ، قاہرہ ۱۳۰۲ھ، اول ۶۲-۳۵۸

یافعی مرآۃ الجنان، حیدرآباد دکن سوم ۸۱-۷۹

یاقوت معجم الادباء، دار المامون جلد ۱۲، ص ۵۷-۲۳۵، نمبر ۶۳

ابن حزم کی جوامع السیرۃ

امام ابن حزم کی کتاب سیرت ــ جوامع السیرۃ۔ مختصرات یعنی مختصر سیرتی کتب میں خاص مقام کی مالک اور اہم خصوصیات کی حامل ہے۔ دار المعارف مصر سے ڈاکٹر احسان عباس اور ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے علامہ احمد محمد شاکر کے مراجعہ ونظر ثانی کے بعد اسے پانچ دوسرے رسائل ابن حزم کے ساتھ شائع کیا ہے۔ محققین ومرتبین نے شروع میں ایک پیش لفظ/مقدمہ میں مورخ ابن حزم اور سیرت نبوی پر کلام کیا ہے۔ ابن حزم کا علمی اور تصنیفی نقطۂ نظر، جوامع السیرۃ کے امتیازات اس کے مصادر ومراجع، مختلف مباحث میں ان کے تفردات پر کلام کرکے اس سیرت نبوی کی تحقیق میں اپنے طریقۂ کار کی وضاحت کی ہے۔ اس کے متعدد اسماء کا ذکر کیا ہے، نسخہ کے کاتب وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں اور کتاب کے راویوں کا بیان پیش کیا ہے۔

متن کتاب بسملہ اور درود سے شروع ہوتا ہے اور مختصر یک صفحی پیش لفظ میں ابن حزم کی کتاب سیرت کے بعض رواۃ وناقلین کا ذکر ہے۔ کاتب وراوی آخر نے امام ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کو اپنا شیخ قرار دے کر اپنی سند روایت بیان کی ہے جو امام شریح بن شریح محمد بن رعینی تک جاتی ہے اور جنھوں نے مؤلف کتاب سے اس کی سماعت کی تھی۔ اس کے بعد دوسری سند روایت امام رعینی کی ہے جو اسے ابوبکر عبدالباقی بن محمد بن بریال الحجاری تک لے جاتی ہے۔

سیرت نبوی کا اولین باب ابن حزم نے نسب نبوی سے شروع کیا ہے اور عدنان تک کے نسب کو بلاشک وشبہ صحیح قرار دے کر ان کو بلاشبہ اولاد اسماعیلی وابراہیمی میں بتایا ہے۔ بعد کا نسب نہیں بیان کیا بلکہ قریش کے مختلف خاندانوں کے نسب کو نسب نبوی کے ساتھ کسی نہ کسی پیڑھی میں جمع ہونے کا ذکر کیا ہے مثلاً عبدالمطلب میں بنوعلی وجعفر وعقیل وغیرہ کا نسب ملتا ہے، عبدمناف میں بنوامیہ وغیرہ

کا، قصی میں بنو عبدالعزیٰ وغیرہ کا، کلاب میں بنو زہرہ کا، مُرہ میں بنو تمیم اور بنو مخزوم وغیرہ اسی طرح وہ پیڑھی، پیڑھی یہ حضرت ابراہیم تک جاتے ہیں اور قضاعہ اور قبائل قحطان کو اہل یمن اور نوح علیہ السلام کے نسب میں ملنا بتاتے ہیں (۴-۲)۔

دوسرا باب یا مبحث آپ کی ولادت، بعثت اور عمر و وفات پر قائم کرکے پوری حیات نبوی کو مختصر ترین الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اس میں ان کے بعض تفردات بھی ہیں جیسے والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر تین سال کے قریب اور والدہ کی وفات کے وقت سات سال کے قریب بتائی ہے۔ کفالت دادا و چچا کا مختصر دو تین سطروں میں ذکر کر کے چالیس سال کی عمر میں غار حراء میں نبوت آنے کا ذکر کرکے مکہ اور مدینہ کے تیرہ اور دس سالہ قیام کا ذکر کیا ہے پھر وفات و قبر اور تدفین کا ایک سطر میں ذکر کیا ہے۔ بیماری اور وفات کی تفصیلات زیادہ مفصل ہیں (۷-۵)۔

اگلی سرخی "اعلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" جن میں آپ کے اعلام نبوت جیسے قرآن کریم، شق قمر، کھانے میں برکت، انگلیوں سے پانی کی روانی، رمی تراب (غزوہ بدر میں)، کہانت کا بطلان، کھجور کے تنہ کا رونا، یہود کو موت کی تمنا نہ کرنے کی پیشگوئی، بعض غیبی اخبار و واقعات کی پیشگوئی، سراقہ کے گھوڑے کے پیروں کا دھنسنا، کسریٰ کے کنگنوں کی وصولی، اسود عنسی کی قتل کی پیشگوئی وغیرہ ایسی سینتیس علامتوں کا ذکر کیا ہے (۱۴-۷)۔

پھر ایک فصل آپ کے حج اور عمروں کی تعداد پر باندھی ہے کہ قبل بعثت آپ نے متعدد حج اور عمرے کئے لیکن بعد بعثت صرف ایک حجۃ الوداع اور تین عمرے۔ دو مفرد عمرے عمرۃ القضیہ، عمرہ از جعرانہ اور تیسرا حج کے ساتھ۔ کئے (۱۵)۔ اس سے اگلی فصل آپ کے غزوات پر باندھی ہے جن کی تعداد پچیس بتائی ہے اور ترتیب سے صرف ان کے نام گنائے ہیں اور نویں مقاتلہ کا ذکر کیا ہے جب کہ آپ کے بعوث کی سرخی کے تحت سینتالیس سرایا کا ذکر ترتیب وار صرف امیروں اور ان کی منازل کے ساتھ کیا ہے۔ تاریخیں کسی میں نہیں بیان کیں (۲۱-۱۶)۔

"صفۃ واسماءہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے پہلے آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے پھر اسماء گرامی اور خاتمہ خاتم نبوت کے بیان پر کیا ہے جو شانوں کے درمیان تھی (۲۲-۲۱)۔ پھر آپ کے امراء۔ ولایات کے گورنروں، عاملین صدقات کا ذکر کیا ہے۔ اس میں

بعض نئی معلومات بھی ہیں۔ خاتمہ حضرت ابوبکر کی امارت حج پر کیا ہے (۵-۲۴)۔ پھر ایک ذیلی فصل میں آپ کے بعض دوستوں کا ذکر کیا ہے (۶-۲۵) اسی سے متصل مختصر فصل میں آپ کے کاتبوں کا ذکر کیا جن میں زید بن ثابت اور بعد فتح معاویہ بن ابی سفیان کو مستقل کاتب کہا ہے (۷-۲۶)۔ اس کے بعد کی بلاعنوان فصل میں آپ کے بعض دوسرے عمال و خدام کا ذکر کیا ہے جیسے حضرت بلال آپ کے نفقات کے نگراں تھے، حضرت ام ایمن آپ کی دایہ، قیس بن سعد بن عبادہ صاحب شرط جیسے تھے (۸-۲۷)۔ اسی میں آپ کے شعراء، خطباء کا ذکر بھی ہے اور خاتمہ آپ کی خاتم پر ہوتا ہے جو آپ کے خلفاء کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی اور حضرت عثمان کے ہاتھ سے چھٹے برس کھوگئی۔ اگلی فصل آپ کے دس سفیروں اور ان کی منازل کا ذکر کیا ہے۔ ایک نیا مبحث یہ ہے کہ اس سفارت نبوی کے نتائج کا بھی ذکر کیا ہے (۳۱-۲۹)۔

"نساءه صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے آپ کی تمام ازواج مطہرات کا مختصر ذکر کیا ہے جس میں ان کا نسب، شادی، تاریخ اور ان کی وفات وغیرہ بیان کیا ہے (۸-۳۱) آخر میں بعض شادیوں کے نامکمل ہونے، بعض کو طلاق دینے کے ارادہ کرنے، ولیمہ نبوی اور ان کے سالانہ نفقات نبوی کا مختصر ذکر ہے۔ اسی سے متصل آپ کی اولاد کی فصل ہے جس میں آپ کے فرزندوں۔ قاسم، دو اور فرزندوں اور ابراہیم- اور چار بنات مطہرات کا ذکر ہے اور اس میں ان کی شادی اور وفات وغیرہ کا بھی حوالہ ہے (۴۰-۳۸)۔

"اخلاقه صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے اگلی فصل میں آپ کے اخلاقی فضائل وخلق عظیم- سخاوت، خدمتِ اہل، حیاء، آداب طعام، تواضع، صلہ رحمی، امی ہونا وغیرہ کا ذکر الگ الگ کیا ہے (۴-۴۱)۔

"جمل من التاریخ" والی فصل میں آپ کی نبوت، دعوت، اولین مسلمین کی خاصی طویل فہرست، دعوت کا اعلان، قریش کی مخالفت، قریشی دشمنوں کے اسماء مسلمانوں کی ابتلاء، حبشہ کی ہجرت اور مہاجرین کے اسماء دربار نجاشی میں قریشی سفارت، اسلام حمزہ وعمر، اسلام کی اشاعت وقوت، مقاطعہ اور حصار بنی ہاشم، مہاجرین حبشہ کی واپسی، مقاطعہ کی منسوخی اور مسلمانوں کی ثبات قدمی، طفیل بن عمرو دوسی وغیرہ کا قبول اسلام مذکور ہے (۶۷-۴۴)۔

الاسراء ایک سطر میں اور المعراج الشریف قریب ایک صفحہ میں بیان کر کے پھر انصار کی آمد مکہ، آپ سے ملاقات ودعوت، بیعت عقبہ اولیٰ اور اسماء شرکاء، حضرت مصعب کی روانگی مدینہ، عقبہ ثانیہ اور ان کے شرکاء خاص کر نقباء کا قبیلہ وار ذکر کیا ہے۔ اسی میں ہجرت مدینہ، مہاجرین کے اسماء، مدینہ میں ان کی منازل، ہجرت نبوی اور اس کے واقعات، قباء میں آمد و تعمیر مسجد، مدینہ آمد اور تعمیر مسجد، مسجد نبوی کی تعمیری تفصیل، یہود سے معاہدہ، بعض صحابہ کی وفات، مواخاۃ اور اس کے جوڑے ذکر کئے ہیں (۹۷-۶۸)۔

اگر چہ سرخی زکوۃ کے فرض ہونے کی لگائی ہے اور اس کی فرضیت ابتداء عہد میں بتائی ہے تاہم اس کے تحت مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے جیسے اسلام عبداللہ بن سلام، منافقین کے اسماء مع ان کے قبیلہ وخاندان، اور یہودی دشمن (۹-۹۷)۔

اس کے بعد غزوۂ الابواء کا ذکر کیا ہے اور اس سے متصل سرایا عبیدہ بن الحارث اور حمزہ کا بالترتیب۔ یہاں سے مغازی کا بالترتیب بیان شروع کیا ہے اور ترتیب غزوات وسرایا یوں ہے: غزوہ بواط، غزوہ العشیرہ، غزوہ بدر الاولیٰ، بعث سعد بن ابی وقاص، بعث عبداللہ بن جحش، تحویل قبلہ بعنوان صرف القبلہ، بدر الثانیہ (غزوہ بدر) جو خاصا مفصل ہے۔ واقعات بیان کر کے بدری صحابہ کی خاندان وار فہرست دی ہے، پھر شہداء بدر کی فہرست ہے، مشرکین مکہ کے مقتولین کا بیان ہے، اور اسی پر بدر کا بیان تمام ہوتا ہے (۵۲-۱۷۰) دوسرے غزوات وسرایا ہیں: غزوہ بنی سلیم، غزوہ السویق، غزوہ ذی امر، غزوہ بحران، غزوہ بنی قینقاع، بعث ابی بن کعب الاشرف، غزوہ احد (بدر کی مانند خاصا مفصل ۴۲-۱۵۶)، حمراء الاسد، بعث الرجیع، بعث بئر معونہ، غزوہ بنی النضیر، غزوہ ذات الرقاع، غزوہ بدر الثالثہ، غزوہ الخندق جس میں غزوہ بنی قریظہ بھی شامل ہے (۹۸-۱۸۵)، بعث عبداللہ بن عتیک، غزوہ بنی لحیان، غزوہ ذی قرد، غزوہ بنی المصطلق، غزوہ الحدیبیہ، غزوۂ خیبر (۸-۲۱۱)، فتح فدک، فتح وادی القریٰ، عمرۃ القضاء، غزوۂ موتہ فتح مکہ (۲۵-۲۲۳)، غزوہ حنین (۴۲-۲۳۶)، غزوہ الطائف (۹-۲۴۲)، غزوہ تبوک (۵۵-۲۴۹)۔ یہ مغازی وسرایا کی تفصیل آتی ہے (۲۵۵-۱۰۰) ایک سو پچپن صفحات پر۔

ابن حزم نے اس کے بعد اسلام ثقیف کا عنوان باندھ کر ان کے ۹ھ میں اسلام لانے اور ان کے وفد کے مدینہ آنے کا نسبتاً مفصل ذکر کیا ہے (۸-۲۵۵) پھر حضرت ابوبکر کی امارت حج اور

حضرت علی کی سورۂ براءت کے اعلان کے لئے روانہ کرنے کا مختصر ترین ذکر ہے (۲۵۸)۔ پھر ایک بلاعنوان فصل کے تحت وفود عرب کی آمد کا ذکر کیا ہے (۶۰-۲۵۹)۔

اگلا مبحث حجۃ الوداع کا بیان ہے جس میں واقعات کے علاوہ بعض دینی مسائل کا بھی ذکر کیا ہے (۲-۲۶۰) اس کے بعد ہی آپ کی وفات کے عنوان سے آپ کی بیماری اور اس کے مختصر واقعات اور تجہیز و تکفین اور تدفین کا ذکر کیا ہے اور اسی پر جوامع السیرۃ ختم ہوتی ہے (۶۶-۲۶۲)۔

امام ابن عبدالبر قرطبی

(۴۶۳-۳۶۸ھ/۱۰۷۰-۹۷۸ء)

اسلامی مشرق سے جو سیرت نبوی کی کتابیں اندلس میں پہونچیں ان میں تقریباً تمام امہات الکتب شامل تھیں۔ ان کتابوں کی درس وتدریس اور مطالعہ وتعلیم کی بنیاد پر اندلسی سیرت نگاری کا فن وجود میں آیا۔ اس میں عام طور سے کئی رجحانات نظر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ متعدد اندلسی اہل علم وقلم نے خام مواد کی بنیاد پر اپنی طبعزاد کتب سیرت تالیف کیں۔ اور دوسرے یہ کہ انہوں نے ایک یا دو چار کتابوں کی بنیاد پر سیرت کے مختصرات لکھے۔ تیسرے یہ کہ بعض امہات الکتب کی تشریحات وحواشی تحریر کئے گئے۔ ان کے علاوہ مغازی، منظوم سیرت اور بعض دوسرے رجحانات بھی نظر آتے ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر دوسرے طبقہ کے سیرت نگار اپنی اس کتاب کی حد تک نظر آتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مقدمۂ کتاب میں خود اعتراف کیا ہے کہ "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" کے خاص مصادر مغازی موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کی سیرت بروایت ابن ہشام ہیں جب کہ دوسری کتب سیرت سے عام استفادہ کیا گیا ہے۔ اس طرح وہ متعدد کتب سیرت کا خلاصہ، اختصار، نچوڑ یا عطر پیش کرتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر کا اسم گرامی یوسف اور کنیت ابوعمر تھی۔ ان کے والد ماجد عبداللہ بن محمد تھے۔ اور پردادا عبدالبر تھے۔ ابن خلکان نے ان کا نام ونسب دو طرح دیا ہے۔ یوسف بن عبدالبر بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی جس میں والد کا نام مختلف ہے اور آخر میں ان کے والد کا نام ونسب یوں دیا ہے ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالبر اور یہ حافظ ابن عبدالبر کی اپنی سند پر دیا ہے۔ لیکن صحیح موخر الذکر ہے جو حافظ ذہبی وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔ وہ بنونمر بن قاسط کے ایک فرد تھے اس لئے نمری بھی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد ماجد قرطبہ کے اہم محدثین وفقہاء میں سے تھے۔ اور ان کو اپنے خاندانی سعادت وراثت میں ملی تھی۔ ان کا انتقال بروایت ابن خلکان ربیع الآخر ۳۸۰ھ کے اواخر میں ہوا۔

محدث وامام ابن عبدالبر کی ولادت ۲۴ ربیع الاول ۳۶۸ھ/ ۹۷۸ء کو جمعہ کے دن قرطبہ میں ہوئی۔ والد ماجد نے ان کو شروع ہی سے بہترین تعلیم دلائی اور جب ان کا انتقال ہوا تو ابن عبدالبر کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ حالات کے انقلاب اور بعض محرومیوں کے ابتلا کے باوجود حافظ ابن عبدالبر پوری دلجمعی کے ساتھ علم وفن کی تحصیل واکتساب میں لگے رہے انہوں نے مختلف اسلامی علوم وفنون۔ قرآن وتفسیر، حدیث واسماء الرجال، سیرت ومغازی، تاریخ واخبار، انساب وآثار۔ میں اعلیٰ تعلیم اپنے عہد کے جلیل القدر اساتذہ سے پائی۔ ان میں ابوعمر ابن المکوی، ابن الفرضی، عبدالوارث بن سفیان، ابوالقاسم خلف بن قاسم، ابومحمد عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن، محمد بن ابراہیم بن سعید، احمد بن قاسم بن عبد الرحمٰن تاہرتی، محمد بن عبدالملک بن صیفون، عبیداللہ بن محمد بن اسد جہنی، یحییٰ بن وجہ الجنہ، احمد بن فتح الرسان، سعد بن نصر، حسین بن یعقوب نجاتی، ابوعمرو الباجی، احمد بن الجسور، ابوعمر طلمنکی وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ اساتذہ تھے جن سے انہوں نے براہ راست روایت کی تھی جب کہ مراسلت کے ذریعہ متعدد شیوخ سے علم حاصل کیا تھا اور ان میں ابوالقاسم السقطی المکی، حافظ ابوذر ہروی، حافظ عبدالغنی بن سعید اور ابومحمد النحاس مصری وغیرہ کے اسماءِ گرامی شامل نظر آتے ہیں۔ ان کے ایک شاگرد رشید ابوعلی الحسین بن محمد الغسانی الجیانی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابن عبدالبر نے قرطبہ میں فقہ کا علم حاصل کیا اور فقیہ ابوعمر احمد بن عبدالملک بن ہاشم اشبیلی سے خاص طور سے ان کی خدمت میں رہ کر لکھا اور حدیث وادب کی تعلیم حافظ ابوالولید ابن الفرضی سے کافی حد تک پائی۔

پانچویں/گیارھویں صدی کے آغاز سے قبل ہی حافظ عبدالبر قرطبہ کے عظیم محدثین اور جلیل علماء میں سرفہرست بن گئے تھے۔ لیکن جب قرطبہ کے حالات بدتر ہوئے تو حافظ ابن عبدالبر نے قرطبہ سے رخصت لی اور ایک مدت تک مغربی اندلس میں گھومتے پھرے، پھر مشرقی اندلس پہونچے اور اس کے ایک عظیم علمی مرکز دانیہ میں قیام کیا جو امام ابوعمرو دانی امام قراءات کا شہر اور مرکز علم قرآن تھا۔ اس کے بعد مختلف اوقات میں انہوں نے بلنسیہ اور شاطبہ میں قیام کیا۔ جب مشرقی اندلس میں خاندان بنوالافطس کا ستارۂ عروج طلوع ہوا تو حافظ ابن عبدالبر نے اس کے علم پرور سلطان المظفر بن الافطس کے عہد میں اشبونہ اور شنترین کے علاقوں کے منصب قضا کو زینت بخشی اور ان کے قاضی القضاۃ رہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے مشرقی اندلس کے شہر شاطبہ میں ربیع الآخر ۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء کے آخری

دن وفات پائی جب کہ ان کی عمر پچانوے سال اور پانچ ماہ ہو چکی تھی۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن خلکان کا یہ بھی بیان ہے کہ ان کے ایک فرزند ابو محمد عبداللہ بن یوسف اہل ادب وشعر میں ممتاز مقام کے حامل تھے اور ان کے شعر وادب پر کئی رسائل ہیں۔ ان کے دو شعر نقل بھی کئے ہیں۔

امام ابن عبدالبر سے روایت حدیث کرنے والوں میں حافظ ذہبی نے ابوالعباس دالائی، ابو محمد بن ابی قحافہ، ابوالحسن بن الفقور، ابوعلی غسانی، ابن عبداللہ حمیدی، ابو بحر سفیان بن العاص، محمد بن فتوح الانصاری، ابوداؤد سلیمان بن ابی القاسم المقری کا ذکر کرکے آخر دن کہہ کر دوسرے بے شمار تلامذہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ حافظ ابن عبدالبر بہت ہی متدین، راسخ العقیدہ، متقی، حجت اور ثقہ تھے۔ وہ سنت نبوی کے انتہائی زبردست عامل تھے۔ شروع میں ظاہری مسلک کے ماننے والے تھے پھر مالکی مسلک اختیار کرلیا تھا لیکن وہ فقہ شافعی کی طرف بھی خاصا گہرا اور وسیع رجحان رکھتے تھے۔ پھر ان کے شاگرد حمیدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حافظ ابن عبدالبر فقیہ، حافظ، صاحب روایت کثیرہ، قراءات کے عالم اور خلافیات کے ماہر اور علوم حدیث کے متبحر اور اسماء رجال پر حاوی تھے اور فقہ میں امام شافعی کے اقوال کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے۔

شخصیت اور علمی مقام

حافظ ابن عبدالبر اپنے عہد کے عظیم ترین علماء اور محدثین میں شمار ہونے کے علاوہ اپنے معاصرین اور متاخرین کی نظر میں عظیم وبےمثال علمی شخصیت تھے۔ ان کے علمی تبحر، حدیث، قرآن، فقہ اور دوسرے علوم میں ان کی عظمت کا اعتراف سبھی نے کیا ہے۔ ان کے شاگرد حمیدی جو خود ایک صاحب علم ونظر تھے کہتے ہیں کہ حافظ موصوف حافظ حدیث تھے، وہ عظیم فقیہ تھے، قراءات کے اختلاف فقہی مسالک وآراء، علوم حدیث اور فن رجال کے ماہر تھے اور انہوں نے جلیل القدر اساتذہ سے تعلیم پائی تھی جن کی تعداد کافی تھی۔ ابن بشکوال کا خیال ہے کہ حافظ ابن عبدالبر اپنے دور کے امام اور نادرۂ روزگار تھے۔ انہوں نے بڑی محنت وریاضت سے مختلف علوم وفنون حاصل کئے اور ان میں وہ تبحر وجلالت اور فضلیت حاصل کی کہ اپنے پیشرو اندلسی صاحبان علم وفضل سے بھی آگے بڑھ گئے۔ قاضی ابوالولید باجی

فرماتے ہیں کہ اندلس میں جہاں تک علوم حدیث کا تعلق ہے، حافظ ابن عبدالبر کا کوئی ثانی نہ تھا۔" ابن سعید نے امام حجازی کا تبصرہ بیان کیا ہے کہ ابن عبدالبر بلاشبہ اور بلا استثنا علم شریعت اور علم حدیث میں اندلس کے امام و حافظ تھے اور وہ سب پر سبقت لے گئے تھے۔ ان کی جلیل القدر تالیفات ان کی عظمت وجلالت کی گواہ ہیں۔"

تالیفات

حافظ ابن عبدالبر نے قرآن، قراءت و تجوید، حدیث وفقہ، سیرت و اسماء الرجال، سوانح وانساب، علم وادب وشعر میں اپنی قیمتی اور عظیم کتابیں چھوڑی ہیں۔ ان کا مختصر ذکر ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

علوم قرآن وتلاوت اور قراءت پر حافظ ابن عبدالبر نے کم از کم تین اہم کتابیں تالیف کیں:

(۱) الاکتفاء فی قراءة نافع وابی عمرو بن العلا بتوجیه ما اختلفا فیه، (۲) البیان عن تلاوة القرآن اور **(۳) التجوید والمدخل الی العلم بالتجوید۔**

حدیث وفقہ حدیث پر ان کی عظیم ترین کتاب امام مالک کی معرکۃ آراء کتاب موطا کی تشریح وتعبیر پر ستر اجزاء میں ہے جس کا عنوان ہے: **کتاب التمهید لما فی الموطا من المعانی والاسانید** ۔ امام ابن حزم جیسا پارکھ اور مؤلف کہا کرتا تھا کہ "فقہ حدیث کے فن میں اس جیسی کوئی دوسری کتاب مجھے معلوم نہیں ظاہر ہے کہ اس سے بہتر کسی نے کیا لکھی ہوگی۔" حافظ ابن عبدالبر نے ہی خود اس کی ایک تلخیص **کتاب التقضی لما فی الموطا عن حدیث رسول اللہ ﷺ** کے عنوان سے کی تھی۔ اسی فن شریف پر ان کی ایک اور شاندار **کتاب الاستدراک لمذاهب الاعصار فیما تضمنه الموطا من معانی الرای والآثار** ہے جس میں انہوں نے امام مالک کی موطا کی شرح کی اور اپنے انداز وطریقے سے اس کے ابواب کو مرتب کیا۔ اس کے بعد انہوں نے پہلی کتاب کی مانند اس کی ایک تلخیص بعنوان **الکافی فی الفقه علیٰ مذهب اهل المدینه** سے کیا۔ یہ ایک لحاظ سے ان کی دوسری کتاب ہے کہ اس کے مباحث کافی نئے ہیں اور دوسرے متعدد موضوعات سے متعلق ہیں۔ الاستیعاب کے محقق علی محمد البجاوی نے ان کی دس کتابوں میں الاستدراک کے علاوہ **"الاستذکار فی شرح مذاهب علماء الامصار"** کا ذکر ایک الگ کتاب کے بطور کیا ہے۔

تقابلی فقہ کے مطالعہ سے متعلق ان کی ایک تصنیف "اختلاف اصحاب مالک بن انس واختلاف روایاتھم عنہ" بہت اہم ہے جو فقہ و حدیث دونوں عظیم موضوعات کا امتزاج پیش کرتی ہے۔اس میں حدیث وفقہ دونوں کی روایات مالک شامل ہے۔تقابلی فقہ ہی کی ایک اور تالیف ابن عبدالبر "کتاب الانتقاء فی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء" کے عنوان سے ہے جو امت اسلامی کے تین عظیم ترین فقہاء- امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی- کے حالات وسوانح اور فقہی آراء سے متعلق ہے اور چھپ چکی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر کی سب سے زیادہ شہرت ان کی عظیم تالیف "الاستیعاب فی معرفة الاصحاب" کے سبب ہے جو صحابہ کرام کے حالات وسوانح کو حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کرتی ہے اور اپنے موضوع پر ممتاز ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔انساب وقبائل کے حالات کے موضوع پر ان کی دو کتابیں القصد والامم فی التعریف باصول انساب العرب والعجم اور "کتاب الانباہ علی قبائل الرواہ "ایک ساتھ ایک جلد میں شائع ہوئی ہیں۔

ان کی ایک عجیب و نادر کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ ما ینبغی فی روایة وحملہ" ہے جس کی ایک تلخیص احمد بن عمر محمصانی بیرونی نے کی ہے اور وہ ایک جلد میں شائع ہو چکی ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔یہ کتاب علوم وفنون کی تقسیم سے بحث کرتی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر کو شعر وادب سے حصہ وافر ملا تھا۔انہوں نے خود بھی قصیدے اور دوسرے اصناف میں طبع آزمائی کی تھی اور ان کے سبب نام کمایا تھا۔بطلیوس کے امیر مظفر ابن الافطس کے لئے انہوں نے چیدہ اشعار اور سبق آموز کہانیوں پر مشتمل ایک مجموعہ "بھجة المجالس وانس المجالس" کے عنوان سے کیا تھا جس کا مخطوطہ دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

امام موصوف کی ایک اور کتاب "العقل والعقلاء وماجاء فی اوصافھم" کا بھی ذکر ابن خلکان اور یافعی وغیرہ نے کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے ابن عبدالبر کی دوسری کتابوں میں الاجوبة المرعیة ، کتاب الکنی ،کتاب المغازی ، کتاب الشواھد فی اثبات خبر الواحد، کتاب الانصاف فی اسماء اللہ تعالیٰ اور کتاب الفرائض کا ذکر کر کے کہا ہے:وغیرہ ذلک-اس کا صاف مطلب

یہ ہوا کہ حافظ ابن عبدالبر نے مزید کتابیں مختلف علوم وفنون میں لکھی تھیں۔ ان کی کتاب المغازی بظاہر کتاب "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" ہی کا دوسرا عمومی نام معلوم ہوتی ہے جیسا کہ مورخین اور سوانح نگاروں کی عادت تھی تاہم اس امکان سے یکسر انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایک طویل وضخیم کتاب المغازی لکھی ہو اور کتاب الدرر اس کا خلاصہ ہو۔

طریقۂ تالیف

حافظ ابن عبدالبر کی کتاب "الدرر فی اختصار المغازی والسیر" کسی ایک کتاب کی تلخیص یا اختصار نہیں بلکہ قدیم ومستند ترین کتب مغازی وسیرت کا اختصار ہے۔ یہ حافظ موصوف کی انکساری تھی کہ وہ اپنی کتاب کو اختصار کا نام دیتے ہیں، ورنہ اصل بات یہ ہے کہ وہ سیرت کی امہات الکتب پر مبنی ایک عظیم تالیف ہے اور ان کے شاگرد رشید امام ابن حزم کی مختصر سے بالکل الگ اور منفرد کتاب ہے۔ ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، امام زہری، واقدی، اموی، عروہ بن زبیر وغیرہ کی روایات سیرت نبوی کے مختلف ابواب کے ضمن میں نقل کرکے ان کو ماخذ ومصادر کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ امکان ہے کہ ان کے علاوہ بعض اور کتب سیرت بھی ان کے ماخذ ومراجع رہے ہوں گے کیونکہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی تمام اہم کتابیں ان کے پیش نظر تھیں۔ محدثین میں بخاری، مسلم، ابن ابی خیثمہ اور متعدد دوسرے اکابر کا براہ راست اور بالواسطہ دونوں طرح سے ذکر کرتے ہیں اور ان کے علاوہ قرآن مجید کی آیات کریمہ کا بھی جابجا حوالہ دیتے ہیں۔

چونکہ حافظ ابن عبدالبر پر حدیث اور فن حدیث کا غلبہ تھا اس لئے وہ اپنی کتاب سیرت میں بھی بیشتر مواقع پر سند دینے کا اہتمام کرتے ہیں اور اسناد کے معاملہ میں وہ حدیث وسیرت کا فرق ملحوظ رکھتے بلکہ دونوں کی روایات کی سندیں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن اسحاق کی کتاب سیرت ہی کا حوالہ نہیں دیتے بلکہ وہ ان کی کتاب سیرت کی اپنی سماعت / قراءت کی اپنی سند خاص بھی بیان کرتے ہیں جو مختلف شیوخ کے واسطہ سے ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کی ایک سند عبدالوارث بن سفیان - قاسم بن اصبغ - محمد بن عبدالسلام خشنی - محمد بن البرقی - ابن ہشام - زیاد البکائی - ابن اسحاق دی ہے۔ ان کی ایک قراءت کی سند ابن اسحاق سے یونس بن بکیر اور ان سے عطاردی اور عطاردی سے ابن الاعرابی اور

ان سے ابن مفرج اور ان سے عبداللہ بن محمد بن یوسف تک اترتی ہے اور موخر الذکر کے سامنے ابن عبد البر نے پڑھی تھی۔ تیسرا ماخذ اور سند ابراہیم بن سعد کی ہے جو ابن اسحاق روایت کرتے ہیں اور ابراہیم درجہ بدرجہ راوی احمد بن محمد بن ایوب، عبید بن عبدالواحد البز ار، قاسم بن اصبغ اور عبدالوارث بن سفیان تھے، اس طرح حافظ موصوف نے ابن اسحاق کی سیرت کے تین علیحدہ نسخوں کی قراءت وسماعت اور روایت دونوں کی تھی۔

اسی طرح وہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب اور اس کتاب کی سماعت/قراءت کی سند بھی بیان کرتے ہیں۔ یہ دونوں سندیں حجتہ الوداع کے مسئلہ پر بیان کی ہیں۔ اگر چہ انہوں نے واقدی کی اپنی سند روایت اس کتاب میں نہیں بیان کی ہے تاہم اس کا حوالہ دیا ہے کہ اپنی ''فہرست'' یعنی کتاب اسناد وشیوخ میں بیان کی ہے۔ اپنی کتاب **الاستیعاب** میں انہوں نے واقدی کی **کتاب الطبقات** اور **کتاب المغازی** دونوں کی سند پوری طرح بیان بھی کی ہے اسی طرح احادیث کی مختلف اسناد بھی نقل کی ہیں البتہ کہیں کہیں وہ اپنی سندوں کو مختصر بھی کر دیتے ہیں اور اس کے تمام رواۃ کے اسماء اور ان کا سلسلہ نہیں نقل کرتے۔ حافظ ابن عبد البر اسناد اور واقعات دونوں کے ضمن میں جا بجا اپنی کتاب **الاستیعاب** کا ضرور حوالہ دیتے ہیں خاص کر ان مباحث میں جن کو انہوں نے الدرر میں نظر انداز یا مختصر کر دیا ہے اور اس کا بہت واضح ذکر اپنے مقدمہ میں بھی کیا ہے۔

اگر چہ حافظ ابن عبد البر کا یہ بیان ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب الدرر میں ابن اسحاق کا طریقۂ تالیف اپنایا ہے تاہم وہ عموی بیان ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے قبل بعثت کے تمام واقعات، حالات اور کوائف کو اس کتاب مستطاب میں جگہ نہیں دی بلکہ ان کو **الاستیعاب** میں بیان کرنے کے بعد یہاں اس کی طرف مراجعت کرنے کا مشورہ دے دیا ہے ظاہر ہے کہ وہ ابن اسحاق کی کتاب کے اولین حصہ کتاب المبتدا سے بالکل الگ اور منفرد ہے۔ **کتاب المبعث** اور **کتاب المغازی** کے دونوں اجزاء ابن اسحاق میں بھی ابن عبد البر نے ابن اسحاق کے طریقہ سے انحراف کیا ہے۔ **کتاب المبعث** میں نزول قرآن کے اولین واقعہ کا ذکر اپنی سند سے حدیث جابر کی بنیاد پر کیا ہے اور دوسرے امور ومباحث میں بھی احادیث کا ذکر ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ وہ واقعات سیرت کے بیان میں ابن اسحاق کی واقعاتی ترتیب اور موضوعاتی تنظیم کا ضرور لحاظ کرتے ہیں۔ روایات حدیث

کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں کی روایات کے اضافہ سے ان کی کتاب کی موادی قدر و قیمت زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ زیادہ مواد واقعات فراہم کرتے ہیں۔ غزوات وسرایا یا کتاب المغازی کے باب میں ابن عبدالبر کا طریقۂ کار ابن اسحاق کے طریقہ سے بالکل جداگانہ ہے بلکہ وہ بلاشبہ واقدی کے طریقہ کار کے مماثل ہے کیونکہ حافظ موصوف غزوات وسرایا کا بیان زیادہ مفصل دیا ہے جو دو سو صفحات پر مسلسل بیان ہوا ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن بشکوال کتاب الصلۃ، پیرس، ۱۹۳۷ء ص ۶۱۶

ابن خلکان وفیات الاعیان، مکتبہ النہضۃ قاہرہ ۱۹۴۸ء ششم ۶۹-۶۴

ابن سعید المغرب، دار المعارف دوم ۴۰۷

ابن العماد حنبلی شذرات الذہب، قاہرہ ۳۵۷

ابن فرحون الدیباج

حمیدی جذوۃ المقتبس، قاہرہ ۳۴۴

ذہبی تذکرۃ الحفاظ، حیدر آباد دکن ۱۳۳۳ھ سوم ۳۰۹-۳۰۶

العبر فی خبر من غبر، مرتبہ شوقی ضیف، کویت سوم ۲۵۵

الضبی بغیۃ الملتمس ۴۷۴

علی محمد البجاوی الاستیعاب چہارم میں مولف الکتاب، مکتبہ النہضۃ قاہرہ، غیر مورخہ ص ۴-۲-۱۹۷۲ء

محمد اجمل اصلاحی (مترجم) الدرر فی اختصار المغازی والسیر کا مقدمہ شوقی ضیف، ترجمہ اصلاحی نقوش رسول نمبر لاہور اول ۳۶-۶۱۵

یافعی مراۃ الجنان، حیدر آباد دکن ۱۳۳۸ھ سوم ۸۹

ابن عبدالبر کی

الدرر فی اختصار المغازی والسیر

حافظ ابن عبدالبر کی کتاب سیرت ''الدرر فی اختصار المغازی والسیر'' اختصار کے باوجود ایک اہم ماخذ سیرت ہے وہ کئی بار شائع ہو چکی ہے لیکن ڈاکٹر شوقی ضیف کا مرتب وتحقیق کردہ نسخہ جو دالمعارف مصر نے دوسری بار ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں شائع کیا ہے اپنی تحقیقات وتعلیقات کی بنا پر غالباً سب سے عمدہ نسخہ یا طباعت قرار دیا جاسکتا ہے۔ساڑھے تین سوصفحات سے اوپر کی کتاب میں محقق کا مقدمہ طبع دوم اور مقدمہ طبع اول ہے جو چوبیس صفحات پر مبنی ہے۔اس میں محقق گرامی نے دارالکتب المصر یہ میں کتاب مذکور کے ایک نادر وقیمتی نسخہ/مخطوطہ کے علاوہ اس کی نشر واشاعت اور طباعت کے بعض امور کا ذکر کیا ہے اور مقدمہ طبع اول میں مولف گرامی کی سوانح مصادر کتاب،نص کتاب کی توثیق وقدر وقیمت اور مخطوطہ کی تعریف اور اپنے تحقیقی طریقۂ کار کا ذکر کیا ہے۔آخر میں مخطوطہ کے دارالکتب المصر یہ اور مخطوطہ الرباط کے صفحہ اول کی دوعکسی تصاویر بھی دی ہیں۔آخر میں ۳۵۱-۳۰۲ مختلف قسم کی فہارس ہیں۔متن کتاب لگ بھگ ڈھائی سوصفحات (۲۸-۲۷۲) پر مشتمل ہے۔

متن کتاب کا آغاز مؤلف کتاب حافظ ابن عبدالبر کے مختصر مقدمہ (خطبة الکتاب) سے ہوتا ہے جس میں حمد وصلوۃ کے بعد مؤلف گرامی نے اپنی کتاب سیرت صحابہ کرام (الاستیعاب) کا حوالہ غیر مذکور دے کر کہا ہے کہ اس کتاب میں میں نے رسول اکرم ﷺ کے مبعث ،ابتدائے نبوت،اول عہد رسالت اور مغازی وسیرت کا اختصار پیش کیا ہے جب کہ آپ کی ولادت وترتیب نشو ونما اور اہم واقعات حیات کا ذکر اپنی کتاب الصحابہ میں کرنے کا حوالہ دیا ہے اور اپنے مصادر

میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق بروایت ابن ہشام کی کتابوں کا بطور خاص اور دوسری کتابوں سے استفادہ کا عام طور سے ذکر کیا ہے۔(۲۷)۔

پہلا باب ''آپ کی بعثت کی خبر'' سے متعلق ہے۔اس کا آغاز حافظ ابن عبدالبر نے اپنی سند سے کر کے اولین سورہ قرآن کے نزول کے بارے میں حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث بیان کی ہے جس میں فرشتہ کے ظہور اور سورہ مدثر کے نزول کا ذکر ہے۔دوسری سند پر ایک کاہنہ کی آپ کی بعثت کے بارے میں پیشگوئی کے بارے میں، حدیث صحیح کی بنیاد پر حجر مکہ کی تسلیم پر، تعمیر کعبہ کے وقت ازار اتارنے پر بیہوش ہونے کے واقعہ پر (اعلام نبوت پر اپنے مفصل باب کے حوالہ کے ساتھ)، وحی الٰہی کی تنزیلی کیفیات پر اپنی دوسری کتاب التمہید کے حوالہ کے ساتھ ذکر کر کے بخاری و مسلم کی حدیث عائشہ کا مفصل بیان کیا ہے جو غار حرا میں آپ کے تحنث اور ابتدائے وحی-الرویاء الصادقہ -اور ابتدائے نزول قرآن سورۂ اقرا اور حضرت خدیجہ و ورقہ کی تصدیق وغیرہ کے واقعات بیان کرتی ہے۔ پھر مختلف اسناد کے مجموعہ پر ستاروں کے ذریعہ شیاطین کے رجم کئے جانے کی دلیل نبوت پر دو روایات نقل کی ہیں پھر فترۂ وحی اور اولین سورۂ قرآن کے نزول کے اختلاف کو ان کے علماء اقوال کے ساتھ بیان کیا ہے۔اور اسی پر باب ختم ہوتا ہے(۳۵-۲۷)۔

دوسرا باب اسلام کی نبوی دعوت اور آپ کی تکلیف وعذاب قریش پر ہے۔سورۂ مدثر اور سورہ حجر کی آیات کے حوالہ کے ساتھ آپ کی خفیہ اور علانیہ دعوت کو دو روایتوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ اول میں نوجوانوں اور بوڑھوں کے اولین اسلام اور مسلموں کی کثرت اور معبودان باطل پر نبوی تنقید اور اس کے نتیجہ میں آپ اور آپ کے پیروکاروں پر تکلیف وعذاب کا ذکر ہے ہجرت حبشہ کے حوالہ سمیت اور دوسری میں ذوالمجاز میں آپ کے دعوتی دورے اور ابولہب کی مخالفت کا ذکر ہے۔ پھر اولین مسلم کے بارے میں امام زہری، ابن عقبہ، ابن اسحاق اور واقدی اور اموی کے حوالہ سے حضرت خدیجہ، ابوبکر الصدیق اور علی، کا ذکر کر کے اولین مسلم کے بارے میں مختلف اقوال کا ذکر کیا ہے اور اسلام علی کو اولین قرار دینے والوں کو ''اکثر'' کہا ہے۔حضرت علی کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال بیان کر کے پھر حضرات زید بن حارثہ، ابوبکر، خالد بن سعید اموی اور ان کی زوجہ امینہ بنت خلف خزاعی، بلال، عمار بن یاسر، ان کی والدہ ماجدہ سمیہ، صہیب، عمرو بن عبسہ، عمرو بن سعید اموی کے قبول اسلام کا

ذکر کیا ہے اور متعدد حضرات صحابہ کے قبول اسلام کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے۔ سابقین اولین کے تتمہ کے تحت بیشتر اولین صحابہ کرام کے مسلمان ہونے کا ان کے نسب سمیت ذکر کیا ہے اور اس کا خاتمہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے اعلان پر کیا ہے (۴۱-۳۶)۔

اس کے بعد اسی باب میں رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے ابتلاء وعذاب پر بحث ہے جس میں مختلف صحابہ کرام کے جوار میں محفوظ رہنے کا بھی حوالہ ہے پھر کمزور صحابہ کرام کے مبتلائے رنج ومحن کئے جانے کا مختصر بیان ہے۔ سخت موذیوں میں عقبہ بن ابی معیط اموی کا ذکر کر کے آپ کی اس حدیث کا بھی ذکر معہ سند ہے کہ آپ نے قریش کو ''ذبح'' کے ساتھ اپنے مبعوث کئے جانے کی یاددہانی کرائی تھی۔ ایک الگ فصل میں ان تمام موذیوں کا قبیلہ وار فہرست دی ہے جو آپ اور آپ کے صحابہ کرام پر سخت مظالم کرتے تھے پھر ایک دوسری فصل میں استہزا کرنے والوں کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں حافظ ابن عبدالبر حیرت انگیز طور سے ابولہب، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن العاص، اسود بن مطلب وغیرہ کا نام لے کر ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں ان کے انجام بد کا ذکر ہے اور خاتمہ باب ہجرت حبشہ کے لئے اذن نبوی پر ہوتا ہے (۸-۴۱)۔

تیسرا باب ہجرت حبشہ کے لئے خاص ہے جس میں حضرت عروہ وغیرہ کی سند اور اپنی روایت پر تمام مہاجرین حبشہ کی فہرست معہ ان کے قبیلوں کے ترتیب وار نقل کرتے ہیں اور خاتمہ صحیفۂ مقاطعہ اور محصوریٔ شعب ابی طالب کے آغاز پر کرتے ہیں (۵۲-۴۸)۔

چوتھا باب صحیفۂ مقاطعہ، شعب ابی طالب کی محصوری، فقر وفاقہ اور امداد واعانت اور صبر کے واقعات کے علاوہ صحیفۂ مقاطعہ کے خاتمہ کی کوشش کرنے والوں اور صحیفہ کی منسوخی وغیرہ پر بحث کے لئے مخصوص ہے اور اس کے آخر میں حضرت ابوبکر کی ہجرت کی منسوخی اور مہاجرین حبشہ میں سے متعدد حضرات وخواتین کی واپسی، ان کی تکلیف وپریشانی، ان کے جوار اور حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات اور طائف کے سفر اور واپسی کے مختصر ذکر پر بحث ہے۔ اس میں سے مہاجرین حبشہ کی واپسی کا حصہ نسبتاً مفصل ہے۔ ''ذکر اسلام الجن'' کے عنوان ذیلی کے ماتحت جنات کے قبول اسلام کے بارے میں کئی روایات بیان کی ہیں۔ اس کے بعد سفر طائف کا مفصل ذکر ہے۔ اسی میں حضرت طفیل بن عمرو دوسی کے قبول اسلام، اسراء ومعراج کے مختصر واقعہ، قبائل عرب پر اسلام کی پیشکش، بیعت عقبہ

اولیٰ، بیعت عقبہ ثانیہ، بیعت عقبہ ثالثہ کا مختصر بیان دے کر ستر انصاری صحابہ کی فہرست قبیلہ وار اور نقباء نبوی کی فہرست بیان کی ہے اور اس کا خاتمہ تمام دنیا سے جنگ کی شرط بیعت پر کیا ہے (۴۷-۵۳)۔

اگلا باب ''ہجرت مدینہ'' کا ہے۔ اس میں بیعت عقبہ ثالثہ کے بعد اذن ہجرت، انفرادی طور سے صحابہ کرام کی ہجرت، اولین مہاجرین کے اسماء گرامی، قبا میں ان کے قیام کی منزل، بنو جحش کے مہاجرین کی فہرست، حضرت عمر کے قافلۂ ہجرت اور متعدد دوسرے مہاجرین کرام کے ذکر خیر کے بعد آپ کے قتل کے قریشی منصوبہ اور آپ کی تیاری ہجرت کا ذکر کیا ہے۔ پھر آپ کے سفر ہجرت کا بیان خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں گھر سے مکان صدیق تک آپ کی روانگی، رات میں غار ثور میں قیام، راستے کی منازل، ام معبد سے ملاقات، اسلمی قافلہ سے ملاقات دوشنبہ بارہ ربیع الاول کو قباء آمد، یہودی کی ندا، اہل مدینہ کا استقبال، قباء میں قیام، حضرت عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام اور اولین خطبہ، حضرت علی کی ہجرت، مسجد قباء کی تعمیر، مدینہ شہر کو روانگی، ناقہ کا واقعہ، حضرت ابوایوب کی میزبانی، مسجد نبوی کی تعمیر وغیرہ کا بیان کافی تفصیل کے ساتھ ہے۔ پھر بعض صحابہ کرام کی وفات کے علاوہ مواخاۃ کا بہت مفصل ذکر کیا ہے (۹۲-۷۵) اس کے آخر میں زکوۃ کی فرضیت کا مختصر حوالہ دے کر یہود کے کفار اور منافقین کے اکابر کا خاندان وار اور نام بنام ذکر کیا ہے (۴-۹۱)

اگر چہ مغازی و بعوث کی سرخی ابن عبدالبر نے نہیں قائم کی ہے تاہم غزوات کا بیان ایک خاص الخاص باب میں لکھا ہے جس میں دوسرے واقعات و حالات کا بھی زمانی اور تاریخی ترتیب کے ساتھ ذکر کرتے گئے ہیں۔ غزوہ ودان/ابواء کا بیان خاصا مختصر ہے لیکن سرایائے حمزہ وعبیدہ کا ذکر نسبتاً مفصل ہے پھر رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حوالہ دے کر بالترتیب غزوات بواط، العشیرۃ، بدر الاولیٰ اور سریۂ سعد و نخلہ کا ذکر کیا ہے جس میں موخر الذکر مفصل ہے۔ پھر ''صرف القبلة'' کے عنوان سے تحویل قبلہ کا مختصر ذکر ہے (۱۰۱-۹۵)۔ اس کے بعد غزوۂ بدر کا بیان کافی تفصیل کے ساتھ ہے۔ اس میں قیام نبوی کی مدت، قریشی کاروانِ تجارت پر حملہ کا مدنی منصوبہ، ابوسفیان کی مکہ سے استمداد، رسول اکرم ﷺ کی روانگی، خلیفہ نبوی اور علمبرداروں کا تقرر، اونٹوں کی تعداد اور مسلمان مجاہدین کی باری باری سواری، جاسوسوں اور ساقہ کے افسر کی تقرری، قریشی لشکر کی آمد کی خبر اور مشاورت نبوی، بدر میں نبوی آمد اور سقاءِ قریش کی گرفتاری، ابوسفیان کی راستہ کی تبدیلی اور قریشی لشکر کو

واپسی کا حکم، ابوجہل کی ضد اور بدر آمد، بنوزہرہ وغیرہ کی مکہ واپسی، بدر میں خیمہ گاہ نبوی، مصارع قریش کی پیشگوئی، تعداد مجاہدین، اکابر قریش کی مساعی صلح، جنگ کی ابتداء مبارزت نبوی جنگی تیاری، اولین مسلم شہداء اور دوسرے شہداء، تاریخ غزوہ، مقتولین کا کنوئیں میں ڈالنا، نضر بن حارث عبدری کا قتل اور اس کے اشعار عقبہ بن ابی معیط کا قتل، غنائم اور سورۂ انفال، شہداء بدر کی قبیلہ وار فہرست، چند مقتولین مکہ کی قبیلہ وار فہرست، اسیران بدر کی فہرست میں مشاہیر کا ذکر۔ بدری صحابہ کی قبیلہ وار فہرست اور کل تعداد اصحاب بدر (۳۳-۱۰۱)۔

حافظ ابن عبدالبر نے اس کے بعد ایک بلاعنوان فصل میں بدر کا بدلہ لینے کے لئے نجاشی حبشہ کے پاس ایک قریشی وفد کے جانے کا ذکر کیا ہے جس میں عمرو بن العاص اور ابن ابی ربیعہ شامل تھے تاکہ وہ حبشہ میں مقیم صحابہ کرام کو لاکر ان سے بدلہ لیں۔ اس میں مسلمانان حبشہ سے نجاشی کا کلام اور اسلام کے بارے میں خاص کر حضرت عیسیٰ کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ذکر ہے اور اسی قریشی وفد کی کاٹ کے لئے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے وفد حبشہ بھیجنے کا ذکر ہے جس میں حضرت جعفر کی تقریر، قریشی وفد کی ناکام واپسی کا مفصل بیان ہے (۴۴-۱۳۴)۔

''غزوہ بنی سُلیم'' کا چار سطری ذکر ہے۔ غزوہ السویق کے بیان میں ابوسفیان کی نذر، مدینہ پر حملہ اور واپسی کے علاوہ آپ کی ان کے تعاقب میں روانگی، مدینہ پر ابولبابہ کی تقرری، ازواد قریش کی وصول، تاریخ غزوہ اور حضرت عمر کی غزوہ قرقرۃ الکدر کے بارے میں ایک حسین حدیث کا ذکر کیا ہے اور آخر میں بعض الفاظ کی تشریح ہے (۷-۱۴۵) پھر الگ الگ فصول میں غزوہ ذی امر اور غزوہ بحران کا مختصر ترین حوالہ ہے جس کے بعد ڈیڑھ صفحہ میں بنوقینقاع کے غزوہ کا بیان ہے اس میں نقض معاہدہ، محاصرۂ نبوی، نزول غیر مشروط، ابن ابی کی سفارش پر ان کی معافی اور جلاوطنی، مدت محاصرہ، مدینہ کے خلیفہ، معاہدہ کے متن اور بنوقینقاع کا ذکر شامل ہے (۵۱-۱۴۸) ''البعث الی کعب بن الاشرف'' یہودی کے قتل کا بیان ہے جو خاصا مفصل ہے (۵۵-۱۵۲)۔

غزوہ احد کا باب زیادہ مفصل ہے۔ اس میں اہم نکات ہیں: قیام نبوی کی مدت، قریشی لشکر کی احابیش و خلفاء کے ساتھ آمد اور احد میں قیام، رویائے نبوی، رائے رسول، صحابہ کی رائے، تیاری اور احد کے لئے روانگی، ابن ام مکتوم کی بطور خلیفہ تقرری، منافقین کی علیحدگی راستہ کی بعض منازل، تعبیۂ

لشکر، تیراندازوں کی تقرری اوران کو ہدایت، مجاہدین کو اجازت اور ممانعت، خالد بن الولید کا میمنہ قریش پر تقرری کا ذکر، سیف نبوی کے ابودجانہ کو عطیہ دینے کا حوالہ، ابوعامر راہب کے کردار کا حوالہ، شعار مسلم، مجاہدین کی سرفروشی، تیراندازوں کی غلطی اور مسلم لشکر پر قریشی حملہ، آپ کا زخمی ہونا اور مجاہدین کی شہادت، پرچم انصار کے تحت آپ کا قیام، آپ کی شناخت اور جراحت کی دوا، مسلمان مفرورین کا ذکر، حسیل بن جابر کی شہادت، مخیریق کی شہادت، منافق حارث بن سوید بن صامت کی جنگ میں شرکت اور دو مسلمانوں کو شہید کر کے مشرکین کے ہاں قیام اور بعد میں اس کا قتل، حضرت عمرو بن ثابت و بن وقش کا اسلام اور شہادت، قزمان کی خودکشی، مسلمان شہداء کا مثلہ، مہاجرین وانصار کے شہداء کا خاندان وار ذکر، قریشی مقتولین کی فہرست، اور اس کے بعد بطور تتمہ غزوہ حمراء الاسد کا مختصر بیان ہے (۴۳-۱۵۶)۔ جس میں قریشی لشکر کا تعاقب نبوی، حمراء الاسد تک تعاقب اور وہاں تین روزہ قیام تعاقب کا مقصد، معبد خزاعی کا ابوسفیان کو ڈرانا اور معاویہ بن مغیرہ بن العاص اموی کا قتل شامل ہے۔

''بعث الرجیع'' کی فصل میں تاریخ سریہ، افراد کی تعداد، رجیع کا المیہ، حضرات مرثد وعاصم وخالد کی شہادت اور حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور شہادت کا واقعہ مذکور ہے (۷-۱۶۴)۔ پھر بعث بیئر معونہ'' میں اپنی سند پر ان کے شرکاء کے بارے میں پہلے وضاحت کی ہے کہ وہ انصار کے نوجوان تھے ان کے سردار المنذر بن عمرو نجاری کو بنایا گیا جو ایک نقیب بھی تھے، سریہ کے شرکاء کی تعداد تیس تھی اور پھر ان کی شہادت کا مختصر ذکر ہے۔ پھر ابن اسحاق کی مفصل روایت بیان کردی ہے (۸۲-۱۷۷)۔ اس کے بعد غزوہ بنی النضیر کا بیان ہے جس کے اہم مباحث ہیں: سبب غزوہ، بنوالنضیر کی سازش قتل نبوی، محاصرہ، ابن سلول کی حرکت، غیر مشروط حوالگی، اور خیبر جلاوطنی، اموال کی تقسیم اور سورۂ حشر کا نزول (۵-۱۸۳) پھر ''غزوة ذات الرقاع'' کا باب ہے۔ اس میں وجہ تسمیہ، تاریخ، مدینہ کے خلیفہ، عدم قتال اور صلوٰۃ خوف کا مختصر ذکر ہے اور حضرت جابر سے ان کے اونٹ خریدنے اور ایک شخص کے آپ پر حملہ کرنے اور مرعوب ہو جانے کا واقعہ مذکور ہے (۷-۱۸۶)۔ پھر دو مختصر فصول میں غزوہ بدر الثالثہ اور غزوہ دومۃ الجندل کا بیان ہے (۹-۱۸۸)۔

غزوہ خندق کا بیان خاصا مفصل ہے: تاریخ شوال ۵ھ سبب، قریش واحزاب کے لشکر کی روانگی، خندق اور ''سلمان منا اهل البيت'' کا ارشاد نبوی، خندق کے کھودنے کے دوران بعض

معجزات کا ظہور، قریشی لشکر کی آمد اور تعداد، مسلم مجاہدین کی تعداد مدینہ پر ابن ام مکتوم کی تقرری، بنو قریظہ کی غداری کی تفصیل، آپ کی مساعی، حضرات سعدین کی سفارت بن قریظہ، سخت ابتلاء، منافقین کی حرکات، محاصرہ احزاب کی مدت، غطفان کو پیدوار مدینہ دینے کی تجویز اور اس کی منسوخی، شہسواران قریش کی ناکام کوشش، حضرت سعد بن معاذ کا زخمی ہونا، احزاب کو توڑنے کی حضرت نعیم بن مسعود کی کامیاب مساعی، قہر الٰہی، حضرت حذیفہ کی جاسوسی، احزاب کی واپسی، حضرت کی دعا پر اس باب کا خاتمہ ہوتا ہے (۱۰۱-۱۹۰) اور پھر بنی قریظہ کے غزوہ کا خاصا مفصل بیان ہے اور اس کا خاتمہ شہداء خندق کی فہرست پر ہوتا ہے (۸-۲۰۲)۔ اس میں بعض روایات نئی بھی ہیں جیسے عمرو بن سعدی قرظی کا بنو قریظہ کے عذر سے علیحدگی اور نجات، حضرت ریحانہ کی خدمت نبوی میں تا وفات موجودگی وغیرہ۔

"بعث عبد الله بن عتيك" برائے قتل ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا مختصر باب اگلا مبحث ہے (۱۱-۲۰۹) پھر اس سے مختصر تر غزوہ بنی لحیان کا ذکر ہے (۳-۲۱۲)۔ اسی طرح غزوہ ذی قرد کا بیان ہے (۶-۲۱۴)۔ غزوہ بنی المصطلق کا باب نسبتاً مفصل ہے اس میں قیام نبوی کی مدت، خلیفہ کی تقرری، بنو المصطلق پر اچانک حملہ، شعار اسلامی، حضرت جویریہ کی گرفتاری اور شادی، تاریخ غزوہ پر اختلاف، منافقین خاص کر ابن ابی بن سلول کی حرکات، واقعۂ افک اور بنو المصطلق کے قبول اسلام کے دو سال بعد حضرت ولید بن عقبہ کی بطور مصدق تقرری اہم مباحث ہیں (۲۱-۲۱۷)۔ تقریباً اسی کے مانند عمرة الحديبية کا بیان ہے۔ اس میں اہم مباحث ہیں: چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ روانگی، قریشی ممانعت کا منصوبہ، ناقۂ نبوی کی منجانب اللہ ماموریت، پانی کا معجزہ، سفراء کی آمد و رفت، معاہدۂ صلح حضرت ابو جندل کا واقعہ، حضرت عثمان کی سفارت، بیعت رضوان کے اولین بیعت کرنے والے اور حضرت ابوالبصیر اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ کا واقعہ (۲۷-۲۲۲)۔

اگلا غزوہ خیبر ہے۔ اس کے اہم مباحث ہیں: حدیبیہ سے واپسی پر مدینہ کے قیام نبوی کے بارے میں دو روایات میں سے ایک موسیٰ بن عقبہ کے حوالے سے سورۂ فتح کی آیات (۲۱-۱۷) کے حوالہ سے "فتح قریب" کی مراد خیبر، اس کے بعد ابن اسحاق کی روایت غزوہ ہے اس میں موضوعات ہیں: علمبردار کی تقرری، روانگی لشکر، آمد خیبر، یہود کی محصوری، مختلف قلعوں کی فتح، حضرت صفیہ کی شادی اور اس پر فقہاء کا اختلاف مرحب کا قتل، حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں یا حضرت علی کے ہاتھوں،

واقعۂ قتل مرحب، خیبر کے اموال و آراضی کی تقسیم اور اس کے بارے میں مختلف فقہاء کا فیصلہ، خیبر سے یہود کی جلاوطنی خلافت فاروقی میں، بعض "سہام" کا ذکر، فدک کا خالصہ ہونا، بعض احکام تحریک اور زہر آلود گوشت کھلانے کا واقعہ، خیبر کے شہداء اور مہاجرین حبشہ کی واپسی (۴۱-۲۲۸) اس کے بعد دو فصلوں میں فتح فدک اور فتح وادی القریٰ کا مختصر ذکر ہے (۳-۲۴۲) پھر عمرۃ القضاء کا مختصر بیان مع زواج حضرت میمونہ اور اسلام عمرو بن العاص اور ان کے دو ساتھیوں کے کیا گیا ہے (۵-۲۴۴) اگلا مبحث غزوہ موتہ پر ہے جس میں حضرات زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی تقرری، معان پہونچ کر لشکر روم سے ان کا مقابلہ، لشکر کے مسلم امراء سالاروں کی شہادت اور شہداء موتہ کا ذکر ہے اور خاتمہ مسلم لشکر کی تعداد پر ہوتا ہے (۸-۲۴۶)۔

"غزوہ فتح مکہ" اگلا مبحث ہے اور اس کے بنیادی نکات خاصے معروف ہیں جیسے سبب غزوہ، صلح حدیبیہ کی منسوخی، بنوخزاعہ کی استمداد نبوی، قریش کی ندامت اور ابوسفیان کی سفارت، حضرت حاطب کا خط اور قاصد کی گرفتاری، دس ہزار لشکر کے ساتھ آپ کی روانگی، مرالظہران میں قیام، مسلم لشکر کی قبیلہ وار تعداد، حضرت عباس وغیرہ کی ہجرت، حضرت ابوسفیان اموی کی ملاقات اور قبول اسلام، امان کا اعلان نبوی، مکہ کی بزور شمشیر فتح، مکہ میں لشکر نبوی کا داخلہ، حضرت سعد بن عبادہ کا واقعہ، دوسرے امراء لشکر کا داخلہ، بعض اکابر قریش کا مقاتلہ اور ان کا قتل، اشتہاری مجرموں کے قتل کا حکم اور ان کے اسماء، ان کا فرار اور ان کا قبول اسلام، کعبہ میں داخلہ نبوی، اصنام کی شکست و ریخت، خطبۂ نبوی اور اس کا متن، مفرورین کی واپسی، مکہ کے اردگرد بعض سرایا کی روانگی اور تاریخ فتح مکہ (۶۵-۲۴۹)۔

غزوہ حنین کا باب نسبتاً مختصر ہے اس کے اہم مباحث ہیں: مالک بن عوف کی قیادت میں ہوازن کا اجتماع، درید بن الصمہ کی کمان میں بنوجشم کی موجودگی، درید بن الصمہ کی رائے، جاسوس نبوی کی خبر، مکہ کے گورنر کی تقرری، لشکر نبوی کی روانگی اور اس کے مقدمہ وغیرہ کے قبیلوں کی شناخت، ذات انواط کا واقعہ، وادی حنین میں آمد، مسلم ہزیمت، ثابت قدم صحابہ اور واپسی، ہوازن کی واپسی اور عیال و اموال پر مسلم قبضہ، جنگ کے بعض واقعات، ابوعامر اشعری کا سریۂ اوطاس اور حنین کے شہداء۔ پھر غزوہ الطائف کا الگ ذکر ہے جس میں محاصرہ کے شروع اور خاتمہ، منازل نبوی، محاصرہ کی مدت اور بعض شہداء طائف کے مباحث ہیں (۷۵-۲۶۶)۔ پھر حنین کے غنائم کی تقسیم کا الگ باب ہے جس

میں اسیران حنین کی رہائی اور ان کی تعداد کے علاوہ مولفۃ القلوب کوعطایا دینے اور ان کے اسماء پر خاصی مفصل بحث ہے۔ پھر انصار کے موقف کا ذکر بھی کافی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور آپ کے خطبہ کا متن بھی دیا ہے (۸۴-۲۷۶) اس کے بعد کی فصل جعرانہ سے آپ کے عمرہ پر ہے جس میں قیام نبوی کی تاریخیں، مالک بن عوف کی تقرری، بعض مولفۃ القلوب کے اسماء، واپسی، امارت عتاب بن اسید میں حج کی ادائیگی اور حضرت کعب بن زہیر کی آمد اور قبول اسلام اور مدح نبوی موجود ہے (۵-۲۸۴)۔

''غزوۂ تبوک'' کے باب میں حافظ ابن عبدالبر نے حسب ذیل امور پر زور دیا ہے: مکہ سے واپسی پر مدینہ کا قیام نبوی، روم سے غزوہ کا اعلان، مسلمانوں کو حکم جہاد، منافقین اور بعض مسلمانوں کا ذکر جیسے الجد بن قیس کی غزوہ سے دوری، حضرت عثمان بن عفان کا عطیہ، بکاؤن کا واقعہ، پیچھے رہ جانے والے، مسلم لشکر کی روانگی، ابن ابی کی شرکت، تین صالح مسلمانوں کی عدم شرکت، بُرِ ثمود سے احتراز کرنے کا حکم، ناقۂ نبوی کی گمشدگی اور منافقین کی تنقید، حضرت ابوذر کی تنہائی پر پیشگوئی، اکیدر کے خلاف حضرت خالد کا سریہ، تبوک سے واپسی، مسجد ضرار بنانے والوں کا ذکر اور اس کا انہدام، حضرت کعب اور ان کے دو ساتھیوں کی حدیث (۹۸-۲۸۶)۔

اسلام ثقیف کے عنوان سے ثقفی وفد کی آمد کا ذکر ہے جس میں پہلے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی اسلام و ہجرت اور شہادت کا واقعہ مذکور ہے پھر ان کے وفد کے بھیجنے کا ذکر ہے۔ ان کی مدینہ آمد، حضرت مغیرہ کی میزبانی، ان سے معاہدہ اور حضرات ابوسفیان و مغیرہ کی صنم کدہ کی انہدامی کارروائی دوسرے اہم مباحث ہیں (۳۰۲-۲۹۹)۔ پھر اسی سال حضرت ابوبکر صدیق کی امارت میں ہونے والے حج کا بیان ہے جس میں کئی نئی روایات اور ابن عبدالبر کی اپنی تصریحات ہیں (۶-۳۰۳)۔ اس کے بعد باب میں وفود عرب کی خدمت نبوی میں حاضری کا ذکر ہے۔ جن قبائل کے وفود کا ذکر کیا ہے وہ ہیں: بنوحنیفہ، بنوعامر، خاص کر عامر بن طفیل اور مسیلمہ کذاب، ان کے بارے میں بعض نئی معلومات ہیں، وفد بنی تمیم، بنوسعد بن بکر، جارود بن عمرو، عبدالقیس کے الاشج العصری، طے، مراد میں فروہ بن مسیک، وفد کندہ میں الاشعث بن قیس، صرد بن عبداللہ الازدی، ملوک حمیر کی سفارت فروہ بن عمرو، ہمدان وغیرہ، آخر میں نجران کی طرف حضرت خالد بن الولید کے تبلیغی سریہ اور اس کی کامیابی اور وفد بنی

الحارث کی واپسی کا ذکر ہے (۱۴-۳۰۷)۔

حجۃ الوداع کا باب ابن اسحاق اور ابن ہشام کی روایات سے ہوتا ہے۔ پھر حافظ ابن عبدالبر نے اپنی طویل اسناد دی ہے۔ آپ کے تین حج کا ذکر کیا ہے۔ حدیث جابر کو بہترین روایت حج قرار دے کر اس کو مکمل طور سے بیان کیا ہے جو خاصی مفصل اور نئی معلومات سے پر ہے۔ اس روایت کی دوسری شکلیں بھی بیان کی ہیں۔ اس میں مناسک حج کی ادائیگی، حضرت علی کی آمد مکہ، عرفہ کے خطبہ نبوی، اور پھر دوسرے خطبہ نبوی، وغیرہ کا ذکر ہے اور خاتمہ آپ کی کعبہ کی طرف واپسی اور بنو عبد المطلب میں سقایہ برقرار رہنے کے ذکر پر کیا ہے (۲۶-۳۱۵)۔

کتاب کا آخری باب ذکر وفاۃ النبی ﷺ کے عنوان سے ہے۔ سورۂ نصر کے نزول، آپ کی قربت، اجل، بیماری کی ابتداء، اصل بیماری، حضرت عائشہ کے گھر قیام کرنے کا واقعہ، تین وصایائے نبوی، کتاب نبوی لکھنے کا ارادہ، حضرت فاطمہ سے سرگوشی، موت وزندگی کا اختیار الہٰی، ابوبکر کی امامت، آپ کا غسل آخر میں، حضرت علی کو حضرت عباس کی نصیحت اور خلافت کی نامزدگی کی تجویز، وفات نبوی اور اس کی تاریخ اور وقت، اس پر اختلاف، تجہیز وتکفین، حضرت عمر کا اضطراب، خطبہ صدیقی، سقیفہ بنی ساعدہ کا مختصر حوالہ (۳۱-۳۲۷)۔

قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی

(۵۴۴-۴۷۶ھ/۱۱۴۹-۱۰۸۳ء)

بلاد مشرق کی طرح مغربی دیار اسلام میں اسلامی علوم وفنون کی نشو ونما ہوئی اگر چہ زمانی اعتبار سے کافی تاخیر سے ہوئی اور مشرقی معیار سے کسی حد تک اسے فروتر بھی کہا جاسکتا ہے لیکن کئی میدانوں میں مغربی مساعی کو فوقیت و برتری بھی حاصل ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ وہاں اسلامی سیاسی نظم وضبط زیادہ رہا خاص کر مشرقی علاقوں کے زوال وانحطاط کے زمانے میں اور دوسرے یہ کہ انہوں نے مشرقی مآخذ پر گہری نظر کے بعد علوم کی نئی نئی جہات کا پتہ لگایا۔ دوسرے علوم وفنون کی مانند سیرت اسلامی میں بھی ان مغربی/اندلسی علماء کی مساعی قابل قدر ہیں۔

مغربی علماء میں ایک درخشاں نام قاضی ابوالفضل عیاض بن موسیٰ یحصبی کا ہے جو عظیم محدث، جلیل فقیہ، کبیر سیرت نگار، قابل قدر مفسر اور اہم ادیب تھے۔ ان کا شمار عظیم مؤلفین میں ہوتا ہے۔ چونکہ انہوں نے مغرب اور اندلس دونوں کو اپنی جولان گاہ بنایا تھا اس لئے ان کو ان دونوں اسلامی ممالک کے ابطال میں شمار کیا جاتا ہے۔ پھر ان کا خاندان بھی اصلاً اندلس ہی کا تھا۔ لیکن ان کے جد امجد عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض وہاں سے انتقال مکانی کر کے پہلے فاس میں سکونت پذیر ہوئے پھر سبتہ کو وطن بنالیا۔

اصلاً وہ سبتہ (Ceuta) کے باشندے تھے جو مغربی افریقہ کے انتہائی گوشہ کا علاقہ تھا اور جو سیاسی اور انتظامی لحاظ سے مغرب اور اندلس کے درمیان جھولتا رہتا تھا۔ ۱۵/شعبان ۴۷۶ھ/ ۲۸/دسمبر ۱۰۸۳ء کو ان کی ولادت سبتہ ہی میں ہوئی۔ اور ۵۰۷ھ/۱۱۱۴ء تک وہیں رہ کر تعلیم وتربیت کے مراحل پورے کئے۔

حافظ ذہبی کے مطابق قاضی عیاض کے اساتذہ کرام میں قاضی حافظ ابو علی الغسانی شامل تھے جنہوں نے اپنے شاگرد کو اجازہ عطا فرمایا تھا، جب کہ ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ان کی وفات کے بعد وہ اندلس حصول علم کے لئے گئے اور وہاں متعدد اکابر علم وفن سے کسب فیض کیا ان میں محمد بن حمدین، ابو علی بن سکرہ، ابوالحسین سراج، ابو محمد بن عثمان، ہشام بن احمد، اور ابو بحرو بن العاص کے علاوہ علماء کرام کی ایک پوری جماعت شامل تھی۔انہوں نے فقہ بطور خاص ابو عبداللہ محمد بن عیسیٰ تمیمی سے اور قاضی ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المسیلی سے حاصل کی۔حافظ ذہبی نے اپنی دوسری کتاب میں شیخ ابو محمد بن عتاب کو بھی قاضی عیاض کے اساتذہ میں گنایا ہے جب کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے علامہ زمان ابن رشد اور فلسفی ابن الحاج کو بھی استاد بتایا ہے۔ذہبی کے مطابق انہوں نے قاضی ابواسحاق بن جعفر فقیہ سے بھی صحبت اٹھائی تھی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار کے مطابق قاضی عیاض اندلس میں پہونچے۔اس لحاظ سے ان کی عمر لگ بھگ تینتیس سال کی بنتی ہے۔ابوالقاسم ابن بشکوال کا بیان ہے کہ قاضی عیاض جب علم کی طلب میں اندلس پہونچے تو پہلے قرطبہ میں قیام کیا اور وہاں ایک جماعت علماء سے مختلف علوم وفنون میں خاص کر علم حدیث میں نہ صرف استفادہ کیا بلکہ علم حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کر لیا۔ان کو علم حدیث سے گہرا شغف اور انتہائی تبحر حاصل تھا اور اسی سبب سے وہ اس کے حصول وضبط میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔وہ علم ویقین کے مالک تھے اور فہم وذکاوت اور فطانت وفراست کے مالک تھے۔

دوسرے علماء اور اہل علم نے بھی ان کی فہم وفراست اور ذکاوت وفطانت کی تعریف کی ہے۔ان میں شیخ عماد، ابوالحسن بن ہارون مالقی، ابن الابار، ابن خلکان اور متعدد اہل علم وفن شامل ہیں۔ابن خلکان کے مطابق وہ حدیث اور علوم حدیث، نحو ولغت، کلام عرب وتاریخ وانساب کے امام عصر وشیخ الوقت تھے۔ابن الابار نے ان کو اامان وقت، حفاظ حدیث، فقہاء عصر، محدثین زمانہ، اور ادباء زمان میں سے ایک گردانا ہے۔خود ان کے اساتذہ کرام ان کے علم وفضل کے معترف تھے۔ابو علی الصدفی نے ان کو لکھ کر استفادہ کا موقعہ دیا اور ان کی تعریف بھی کی۔ان کے اساتذہ کی تعداد سو کے قریب پہونچتی ہے۔

فقہی مسلک کے لحاظ سے وہ مالکی تھے کہ مغرب واندلس دونوں بلاد اسلام میں یہی مقبول ترین مذہب فقہ تھا۔اور مدتوں وہ سبتہ اور اس کے بعد غرناطہ کے قاضی رہے۔حافظ ذہبی کے مطابق

فقیہ محمد بن حمادہ سبتی کہا کرتے تھے کہ اٹھائیس سال کی عمر سے پہلے ہی قاضی عیاض مناظرہ اور تدریس کے لئے اپنی مسند بچھانے لگے تھے۔ اور پینتیس سال کی عمر تک پہونچتے پہونچتے وہ قاضی بن گئے۔ عہدہ قضا پر ان کی نامزدگی اور تقرری کئی بار ہوئی۔ ابن خلکان کے بقول ۵۳۲ھ میں وہ غرناطہ کے عہدۂ قضاء پر اول بار فائز ہوئے تھے۔ حافظ ذہبی نے ابن بشکوال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس عہدہ پر زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ قاضی موصوف قرطبہ تشریف لے گئے جہاں ان سے ابن بشکوال وغیرہ نے استفادہ کیا۔

علوم وفنون

قاضی عیاض فقہ وقضا کے علم ومنصب سے اس قدر وابستہ ومشہور ہوئے کہ قاضی ان کے نام کا جزو اور فقہ ان کے علوم کا طرہ بن گیا۔ حالانکہ وہ مختلف اسلامی علوم اور ادبی فنون کے ماہر تھے۔ ابن خلکان، ذہبی، ابن بشکوال، ابن الابار، عبدالعزیز دہلوی اور متعدد دوسرے اہل قلم نے ان کی مختلف الجہات علمیت کی تعریف وتحسین کی ہے۔ اور اس پر ان کی تصانیف کو شاہد عدل بتایا ہے۔ ان کی تالیفات کا ذکر ذرا بعد میں آئے گا۔

لیکن قاضی موصوف کی شاعری اور ادبیت کا وصف بہت اہم ہے اور اس پر کئی سوانح نگاروں اور اہل قلم نے تفصیل سے لکھا ہے کہ عام طور سے فقہاء اور اہل حدیث میں یہ ذوق لطیف کم پایا جاتا ہے، گرچہ ان میں سے اکثر کی نثری تالیفات اور تحریر میں ادبی چاشنی اور قدر وقیمت میں اعلیٰ پایہ رکھتی ہیں۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض عمدہ شعر (شعر حسن) کہتے تھے اور ان کے بعض اشعار ان کے فرزند گرامی قدر ابوعبداللہ محمد قاضی دانیہ نے نقل کئے ہیں اور پھر ان کے چار اشعار دو مختلف بحروں اور قافیہ ردیف کے نقل بھی کئے ہیں جو یہ ہیں:

انظر الی الزرع وخاماتہ تحکی وقد ماست امام الریاح
کتیبۃ خضراء مھزومۃ شقائق النعمان فیھا جراح
اللہ یعلم انی منذ لم ارکم کطائر خانہ دریس الجناحین
فلو قدرت رکبت البحر نحوکم لأن بعد کم عنی جنی حسینی

محمد بن عبدالحکیم شرف قادری نے شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حوالہ سے مذکورہ بالا کے علاوہ ان کے چار اشعار اردو فراق کے موضوع پر نقل کئے ہیں جو بہت دلآویز و دلپذیر ہیں اور اول الذکر دو شعر حافظ ذہبی کے حوالہ سے نقل کئے ہیں لیکن کسی قدر اختلاف کے ساتھ جو لفظی ہے۔ قادری کے مطابق اول الذکر دونوں شعر قاضی موصوف نے ایک کھیت کے پاس سے گزرتے ہوئے گل ولالہ کے پودوں کو لہلہاتے دیکھ کر برجستہ کہے تھے جس سے ان کی قادر الکلامی اور برجستہ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے۔

تلامذہ

قاضی عیاض نے مناظرہ کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی درس وتدریس کی مسند کو زینت بخشی اور سیکڑوں طلبہ کو علوم وفنون سے آگاہی دی۔ ان کے اہم ترین شاگرد تھے: عبداللہ بن احمد العیصری جو ان کے چچا تھے۔ ابوجعفر بن القیصر الغرناطی، ابوالقاسم خلف بن بشکوال، ابومحمد عیسیٰ بن الحجری، محمد بن الحسن الجبابری، ابومحمد الاشیری، عبداللہ بن محمد المغربی، ابوبکر عبداللہ ابن طلحہ بن احمد بن عطیہ المحاربی الغرناطی المالکی۔ ان کے علاوہ ان کے متعدد دوسرے تلامذہ کافی مشہور اور اپنے اپنے میدان کے شہسوار اور ماہر تھے۔ ان میں سے ابن بشکوال نے اگرچہ تاریخ وتذکرہ میں نام کمایا لیکن فقہ وحدیث میں بھی ان کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ متعدد دوسرے اساتذہ نے دوسرے علوم وفنون کی خدمات جلیلہ انجام دی تھیں۔

وفات

ان کے شاگرد رشید ابن بشکوال نے کہا ہے کہ قاضی عیاض نے اپنے وطن سے دور ۵۴۴ھ کے وسط میں وفات پائی۔ جب کہ قاضی مرحوم کے فرزند ارجمند قاضی ابوعبداللہ محمد بن عیاض کے مطابق ان کا انتقال مراکش میں جمعہ کی نصف شب میں ۹ر جمادی الآخرہ کو ہوا اور مراکش ہی میں دفن کئے گئے۔ شرف قادری نے ''بعض حضرات'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہیں یہودی نے زہر دیا تھا جس کے اثر سے ان کی وفات ہوئی'' اور حافظ ذہبی کے تذکرہ الحفاظ ج ۴ صفحہ ۹۸ کو بطور سند لکھا ہے لیکن حافظ ذہبی نے ایسا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ ابن خلکان نے ان کی وفات کی تاریخ ۷ر جمادی الآخرہ یوم جمعہ دینے کے بعد (قیل کے لفظ سے) رمضان ۵۴۴ھ بھی بتائی ہے اور مدفن شہر مراکش کے 'باب ایلان''

کو بتایا ہے کہ جو شہر کے اندر ہی تھا۔

خاندان واہل وعیال

قاضی عیاض کے اولاد واہل وعیال کے بارے میں عام طور سے تذکرہ نگار خاموش ہیں۔ دوران تذکرہ ان کے فرزند ابوعبداللہ محمد کا ذکر آیا ہے جو اندلس کے شہر دانیہ کے قاضی رہے تھے اور ابن خلکان نے مزید تصریح کی ہے کہ ان فرزند موصوف کی وفات ۵۷۵ھ میں ہوئی۔ اس کے سوا ان کے دوسرے اہل وعیال کے بارے میں مآخذ میں سکوت پایا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابوالفضل سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً الفضل ان کے ایک دوسرے یا فرزند اکبر تھے۔ سوائے اس کے کہ یہ کنیت علم وفضل کے حوالہ سے پڑی ہو۔

تصانیف

ابن خلکان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض نے متعدد مفید تصانیف تحریر کیں اور بالجملہ ان کی تمام تالیفات نادر وبدیع تھیں اور بقول حافظ ذہبی ان کی تصانیف قافلوں اور کاروانوں کے ذریعہ خوب پھیلیں اور ان کا نام مشہور ہوا اور ان کی شہرت کو چار چاند لگے۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے ان کی بیس کتابوں کا ذکر کر کے دس کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے بارے میں کچھ معلومات ملتی ہیں اور بقیہ کا ذکر بھی نہیں کیا۔ ابن خلکان اور ذہبی نے ان کی چند تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ قادری نے البتہ مختلف مآخذ سے بائیس تالیفات کی فہرست دی ہے جو اب تک کی سب سے جامع ہے۔ اس کے مطابق تصانیف قاضی عیاض یہ ہیں:

۱ – اکمال العلم فی شرح صحیح مسلم، جو بقول ابن خلکان امام مازری (ابوعبداللہ محمد بن علی م ۵۳۶ھ) کی شرح مسلم المعلم فی شرح کتاب مسلم کا تکملہ ہے۔

۲ – الاعلام بحدود قواعد الاسلام

۳ – الفیۃ میں اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے

۴ – الاصیماع فی ضبط الروایۃ وتقیید السماع

۵- الاجوبة المخيرة عن الاسئلة المحيرة

۶- اخبار القرطبيين

۷- التنبيهات المستنطبة في شرح مشكلات المدونة والمختلطة جو التنبیہات کے نام سے زیادہ مشہور ہوئی۔ اور جس میں فوائد حدیث ہیں اور امام ابو عبداللہ عبدالرحمٰن القاسم (م۱۹۱ھ) کی تصنیف "المدونة في فروع المالكية" پر معروضات بھی ہیں اور جس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ اس فن میں اس جیسی اور کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

۸- "ترتيب المدارك وتقريب المسالك في ذكر فقهاء مذهب مالك" بہت اہم کتاب ہے۔

۹- جامع التاريخ، جس میں اندلس اور مغرب کی تاریخ اور علماء کی سوانح ہے۔ بقول حافظ ذہبی علماء سبتہ کی تاریخ پر محیط ہے اور اس کی جامع تاریخ بھی ہے۔

۱۰- السيف المسلول على من سب اصحاب الرسول

۱۱- شرح حديث ام زرع، جس کا عنوان شاہ عبدالعزیز دہلوی نے "بغية الرائع لما تضمنه حديث ام زرع" بیان کیا ہے شمائل کی احادیث میں اس کا اہم مقام ہے اور وہ حدیث کے ادب عالیہ کا عمدہ نمونہ ہے۔ ابن خلکان کے مطابق قاضی عیاض نے اس کی بھرپور شرح لکھی تھی۔

۱۲- الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ ﷺ ان کی مشہور ترین تالیف ہے۔

۱۳- الصفاء تحرير الشفاء

۱۴- العيون الستة في اخبار سبتة

۱۵- غريب الشهاب

۱۶- نمينة الكاتب وبغية الطالب

۱۷- كتاب العقيده

۱۸- مشارق الانوار في اقتفاء صحيح الآثار، جو امام مالک کی موطا اور صحیحین کی شرح کامل ہے اور بہت اہم کتاب ہے۔ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ وہ ان تینوں صحاح کی غریب الحدیث کی شرح ہے۔

۱۹- معجم فی شرح ابن سکرة شیخ ابوعلی الحسین بن محمد السرقطی الصدفی (م ۵۱۴ھ) اوران کے مشائخ کا تذکرہ ہے۔

۲۰- مقاصد الحسان فی ما یلزم الانسان

۲۱- مطامح الافهام فی شرح الاحکام

۲۲- نظم البرهان علی صحة جزم الاذان

ابن خلکان نے قاضی عیاض کی کل چار کتابوں -اکمال، مشارق الانوار، شرح حدیث ام زرع اور التنبیهات کا ذکر کیا ہے اور حیرت ہے کہ ان کی مشہورترین کتاب الشفاء کا ذکر نہیں کیا۔ جب کہ حافظ ذہبی نے کتاب الشفاء سے اس کا آغاز کیا ہے اور اکمال کے سوا مذکورہ بالا دونوں کا حوالہ دے کر ترتیب المدارک اور کتاب العقیدہ اور جامع التاریخ کا ذکر کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ ان کی چھوٹی تالیفات میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا۔ پھر ابن خلکان کی مذکورہ بالا فہرست کتب ان کے حوالہ سے دی ہے۔

تالیفات کا اثر

قاضی عیاض کی تالیفات کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کے معاصر اور متاخر علماء نے ان سے بہت استفادہ کیا اور اپنی تالیفات میں ان کے اقوال واقتباسات نقل کئے اور ان سے استناد کیا۔ ان میں امام نووی، امام عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے شارحین حدیث شامل ہیں اور وہ جب "قال القاضی" کہتے ہیں تو اس سے مراد قاضی عیاض ہی ہوتے ہیں۔

ان کی کتاب الشفاء کو غیر معمولی مقبولیت وشہرت ملی۔ متعدد علماء نے اس کی تعریف وتوصیف میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ محدثین نے اس سے استناد کیا اور سیرت نگاروں نے اس کو اپنا ماخذ بنایا اور اہل کتاب نے اس کی تعریف وتحسین کی۔ حاجی خلیفہ کے بقول "وہ بڑی نفع بخش اور بہت فائدہ دینے والی کتاب عظیم ہے اور اسلام میں اس جیسی کتاب نہیں لکھی گئی۔ اللہ سبحانہ اس کے مؤلف کی سعی کو قبول فرمائے اور ان کو اپنے کرم ورحمت سے ڈھانپ لے۔" قادری نے لسان الدین خطیب تلمسانی، ابوالحسین ربذی، ملا علی قاری، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، احمد شہاب الدین

خفاجی اور دوسرے ادیبوں کے کلمات تحسین نقل کئے ہیں۔

کتاب الشفاء کی مقبولیت وعظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ متعدد علماء واہل قلم نے اس کی شروح، حواشی اور خلاصے تحریر کئے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں جن شروح وحواشی اور تلخیصات کا ذکر کیا ہے قادری نے ان میں سے پچیس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے شارحین میں شیخ محمد بن احمد اسنوی (م ۷۶۳ھ)، شیخ بابرکان (ابوعبد اللہ بن حسن مخلوف راشدی)، حافظ عبد اللہ بن احمد الزموری، ابوعبداللہ محمد بن علی الحسنی التلمسانی، شمس الدین محمد بن محمد الدلجی العثمانی (م ۹۴۷ھ)، ابوالحسن علی ابن افہرش شافعی، عمر العرضی، ابوذر احمد بن ابراہیم الحلبی (م ۸۸۴ھ)، ابوالمحاسن عبدالباقی الیمانی، جلال الدین سیوطی، برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی (م ۸۴۱ھ)، ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی (م ۸۷۳ھ)، محمد بن خلیل المعروف بالقباقبی (م ۸۴۱ھ)، شہاب الدین احمد بن ارسلان الرملی (م ۸۴۴ھ)، ابوالفداء اسماعیل بن ابراہیم الکنانی القدسی (م ۸۶۱ھ)، قطب الدین عیسیٰ صفوی، زین الدین بن الاشعاقی الحلبی، رضی الدین محمد بن ابراہیم المعروف بابن الحنبلی الحلبی، قطب الدین محمد بن محمد الخیضری (م ۸۹۴ھ)، یوسف بن ابی الفتح الدمشقی بالمعروف بالسقیفی (م ۱۰۵۷ھ)، محمد بن عبد السلام البنا، نجیب الغیتابی (۱۲۱۹ھ)، حسن العدوی الحمزاوی ملا علی قاری اور احمد شہاب الدین الخفاجی (م ۱۰۶۹ھ)، (صاحب نسیم الریاض) شامل ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر کو بہت شہرت ومرتبہ حاصل ہے جن کی کتاب ۱۲۶۷ھ میں استانبول سے چار جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ کتاب الشفاء کا اردو ترجمہ حافظ محمد اسماعیل کاندھلوی نے کیا تھا جو "شمیم الریاض" کے عنوان سے پہلی بار مشہور مطبع منشی نولکشور لکھنو سے ۱۹۱۳ء میں چھپا تھا۔ اور دوسرا اردو ترجمہ احمد علی شاہ بٹالوی نے کیا تھا اور وہ منزل نقشبندیہ لاہور سے ۱۳۴۱ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس کے متعدد دوسرے تراجم بھی ہوئے ہیں۔

طریقۂ تالیف

بنیادی طور سے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کا موضوع رسول اکرم ﷺ کی بیمثال اور عدیم النظیر عظمت وبزرگی کی اجاگر کرنا ہے اور یہ ثابت کرنا ہے کہ بقول شاعر "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔

ان کی ذہنی بالیدگی اور فکری بلندی کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی دو حیثیتوں - بندہ و بشر اور رسول و نبی - کی تشریح و تعبیر میں بالکل اچھوتی فکر اور بے خطا نظر پیش کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ انسان و بندہ ہونے کے سبب بہت سے اعمال و افعال اور جسمانی امور دوسرے عام انسانوں اور معمولی بندوں کے مانند ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے نہ تھے بلکہ جسمانی اور خلقی لحاظ سے بعض ممتاز جہات کے مالک تھے اور اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غیر معمولی انسان و بےمثال بندہ بنایا تھا جب کہ روحانی اور نبوی لحاظ سے آپ کا کوئی مقابل و نظیر نہیں کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور معصوموں سے زیادہ معصوم اور کاملوں سے زیادہ کامل۔

اپنے اس محور فکر و نظر پر قائم رہتے ہوئے وہ رسول اکرم ﷺ کی عظمت و بزرگی کی سند پہلے قرآن مجید اور کلام الٰہی سے لاتے ہیں اور پھر حدیث نبوی سے کہ وہ بھی کلام الٰہی کی دوسری قسم ہے۔ پھر وہ آثار صحابہ کرام، اقوال سلف صالحین اور آراء علماء فقہاء سے اس کو مدلل و آراستہ کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن و تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ اصول فقہ اور ادب و نحو وغیرہ کے بڑے زبردست عالم تھے۔

ان کے بعض شارحین کرام نے، جن میں علامہ خفاجی مصری بھی شامل ہیں، اور دوسرے ناقدین نے یہ صراحت کی ہے کہ شفا میں قاضی عیاض نے دیدہ و دانستہ ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا ہے اور بعض اماماں حدیث نے ان میں سے کئی کو موضوع بھی قرار دیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے خاص اسی موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے: "**مفاهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء**" اور اس میں تمام ضعیف/موضوع روایات کی نشاندہی کر کے ان کی علل وغیرہ سے بحث کی ہے۔

بایں ہمہ قاضی عیاض کی کتاب "الشفاء" احادیث نبوی کی تشریح و تعبیر اور ان پر مباحث و مناظر کا ایک عمدہ مجموعہ ہے جس طرح وہ قرآنی آیات کریمہ کی تفسیر و تاویل کا ایک بہت ہی نادر ذخیرہ ہے۔ اس کی بعض تعبیرات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اس کی قرآنی فکر اور تفسیری نظر سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔

اسی ضمن میں شفاء قاضی کی ایک اور اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ وہ آیات و احادیث اور اقوال و آثار میں جامعیت کی راہ اپناتی ہے اور متعلقہ موضوع پر تمام آیات و احادیث وغیرہ کو جمع کرتی ہے اور اس سے ایک مکمل اور اجماعی صورت گری کرتی ہے۔

قاضی عیاض کے طریقۂ تالیف کی ایک اہم خوبی ان کی تنقیدی بصیرت ہے۔ وہ مخالف ومتصادم آیات وروایات کو نظر انداز یا سرسری بیان کر کے گذر نہیں جاتے بلکہ ان پر کلام وبحث کرتے ہیں۔ اول یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان میں تطبیق وتوفیق پیدا کر کے ان کا ظاہری تصادم دور کریں اور اگر وہ طبعی طور سے متضاد نظر آتی ہیں تو ان میں سے افضل کو ترجیح دیتے ہیں۔ آیات میں تو ایسا ہے ہی نہیں البتہ روایات میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مخالف نظریات وافکار کے علماء اور فقہاء کی آراء سے بحث کرتے ہیں اور اس ضمن میں نہ تو تعصب کا شکار ہوتے ہیں کہ محض مالکیہ کو ترجیح دیں اور دوسروں کو نظر انداز کریں بلکہ وہ دلائل کے ساتھ قبول یا رد کا طریق اپناتے ہیں۔

شفاء قاضی عیاض کی خصوصیات اور ان کے طریقۂ تالیف کی صفات تو بہت ہیں جن میں مذکورہ بالا کے علاوہ استنباط واستدلال، شاندار سلیس زبان اور خوبصورت ادبی اسلوب، رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت وشیفتگی، شریعت وطریقت کی تطبیق وغیرہ اہم ہیں اور ان کے طریقۂ تالیف کی سب سے خوبصورت خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے قاری کو رسول اکرم ﷺ سے عقیدت ومحبت پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوتی ہے۔

مصادر و مآخذ

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ لاہور، مقالہ عیاض بن موسیٰ

مصنف	کتاب	جلد/صفحہ
ابن الابار	المعجم	۲۹۴
ابن بشکوال	الصلۃ	
ابن خلکان	وفیات الاعیان، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، قاہرہ ۱۹۴۸ء	
اسماعیل پاشا البغدادی	ہدیۃ العارفین، مکتبۃ المثنیٰ بغداد	اول ۸۰۵
ابن فرحون	الدیباج، فاس ۱۳۱۶ھ	۱۷۷
ابن القاضی	جذوۃ الاقتباس، فاس ۱۳۰۹ھ	۲۷۷
الذہبی	تذکرہ الحفاظ، حیدرآباد دکن (غیر مورخہ)	چہار ۹۹-۹۶
	العبر فی من غبر، کویت ۱۹۶۳ء، ۴/۱۲۲	
زرکلی	الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت ۱۹۹۰ء	
السیوطی	طبقات الحفاظ، طبع وستفیلڈ	جلد ۱۶، ۰۵
شہاب الدین احمد الخفاجی	نسیم الریاض فی شرح شفا عیاض، بیروت اول	اول ۵۲
حاجی خلیفہ	کشف الظنون	دوم ۱۷۳۶
الضبی	بغیۃ الملتمس	
عبدالعزیز دہلوی	بستان المحدثین	۳۴۶
علی بن سلطان محمد القاری	شرح شفاء، برحاشیہ نسیم الریاض،	اول ص م
الفتح بن خاقان	قلائد العقیان، پیرس ۱۲۷۷ھ	۲۵۵
الکتانی	سلوۃ الانفاس	
محمد بن شعب	"عیاض بن موسیٰ"، مقالہ اردو دائرہ معاف اسلامیہ، لاہور ۱۴/۲	
المقری	ازہار الریاض فی اخبار القاضی عیاض، تونس ۱۳۲۲ھ ۳ جلدیں	
محمد عبدالحکیم شرف قادری	"قاضی عیاض" مقالہ (اردو) نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۳ء	اول ۴۵-۶۳۷
محمد فرید وجدی	دائرہ معارف القرن العشرین، دار المعرفہ بیروت	ششم ۷۹۴
یوسف الیاس سرکیس	معجم المطبوعات العربیۃ، مکتبۃ مثنیٰ بغداد	دوم ۱۳۹۷

قاضی عیاض کی

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ

سیرت نبوی کے اہم مآخذ میں قاضی عیاض کی ''الشفاء'' کا شمار ہوتا ہے۔ وہ اپنے زمانے سے آج تک برابر مقبول رہی ہے حالانکہ اس کے شارح علامہ خفاجی کے مطابق وہ ایک پیشرو مؤلف ابن سبع کی کتاب الشفاء سے ماخوذ ہے مگر اصل کتاب کو اب سوائے بعض اہل علم کے اور کوئی جانتا بھی نہیں ہے۔ وہ مختلف ممالک میں بار بار چھپ چکی ہے۔ مصر سے ۱۲۷۶ھ میں قاضی عیاض کی کتاب الشفاء کا ایک نسخہ دو مطبعوں سے چھپا جس کے حاشیہ پر علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح مناہل الصفاء اور شیخ حسن عدوی الحمزاوی کی شرح المدد الفیاض بھی تھی۔ پھر ۱۲۹۰ء میں مطبع خلیل آفندی سے پہلی جلد اور مطبع عثمانیہ سے دوسری جلد ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے جن میں مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی قاہرہ کا نسخہ علامہ شمنی کے حاشیہ کے ساتھ شامل ہے۔ پاکستان میں اسی مصری ایڈیشن کا عکس شائع ہوا ہے۔ ہمارے پیش نظر اس وقت جو نسخہ ہے وہ مطبعہ شرکہ صحافیہ عثمانیہ ۱۳۲۴-۲۵ھ کا ہے اور اس کی دو جلدیں ہیں۔ جلد اول کے صفحات ۳۰۶ ہیں اور جلد دوم کے ۲۹۰۔ شروع میں دونوں جلدوں کی فہرست موضوعات ہے جو چار صفحوں پر مشتمل ہے اور پھر سرورق کے بعد دوسرے صفحہ سے متن شروع ہو جاتا ہے اور خاتمہ پر طباعت کی تاریخ وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔ جلد بندی میں صفحات کی ترتیب خراب ہوگئی ہے اور دوسرے صفحہ کے بعد جلد اول کا صفحہ ۳ جلد دوم کے بعد شروع ہوتا ہے اور ص ۲۵۸ تک جاتا ہے پھر از سر نو کتاب کے آغاز سے ۱۵۹ شروع ہوتا ہے اور ۳۱۲ پر متن ختم ہوتا ہے جب کہ جلد دوم/قسم ثانی کا صفحہ ۱/ اس کے بعد شروع ہو کر ۲۹۴ تک جاتا ہے اور پھر جلد اول کے

صفحات (۱۵۸-۳) کے بعد آخری صفحہ ۲۹۵ آتا ہے۔

قاضی عیاض کی الشفاء چار قسموں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں صرف قسم اول ہے جو پھر چار ابواب میں منقسم ہے اور ہر ایک میں مختلف فصول ہیں جیسے باب اول میں دس فصول ہیں جب کہ باب دوم میں ستائس ہیں، باب سوم بارہ پر اور باب چہارم تیں فصول پر مشتمل ہے۔ جلد دوم بقیہ تین قسموں پر مشتمل ہے جن میں سے دوسری قسم مخلوقات پر حقوق مصطفیٰ ﷺ کی واجب ہونے کی بحث میں ہے اور اس میں بھی چار باب ہے اور اس کے اول باب میں پانچ دوسرے باب میں چھ، تیسرے باب میں سات اور چوتھے باب میں دس فصول ہیں۔ قسم سوم کے کل دو باب ہیں جس کے پہلے باب میں سولہ اور دوسرے باب میں نو فصلیں ہیں۔ پھر چوتھی اور آخری قسم تین باب ہیں: اول میں دس، دوم میں دس، سوم میں پانچ فصول ہیں۔

قسم اول اور متن کتاب کا آغاز حسب دستور اسلامی حمد وصلوۃ سے ہوتا ہے جس کا سلسلہ وہ اس اشراق الٰہی سے جوڑتے ہیں جو انسانوں خاص کر مومنوں اور اولیاء اللہ کے قلوب کو انوار یقین سے منور کرتے ہیں کہ پھر وہ دارین میں سوائے ''اس کے'' کسی اور کا مشاہدہ نہیں کرتے اور ہر طرح سے ذات الٰہی تک محدود ہوتے جاتے ہیں۔ اسی نور الٰہی نے مؤلف کے دل ودماغ کو منور کردیا اور اسی نے رسول اکرم ﷺ کے خصائص وحقوق واضح کرنے کے لئے یہ کتاب مستطاب ان سے لکھوالی۔ اس کے علاوہ حکم نبوی کہ کتمان علم موجب عذاب جہنم ہوگا دوسرا محرک تالیف وتصنیف بنا۔ لہذا یہ کتاب لکھی اور اس کا نام ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' رکھا۔ مؤلف گرامی نے پھر کتاب کو چار اقسام اوران کے ابواب وذیلی فصول میں تقسیم کرنے کے علاوہ ان میں سے ہر ایک کے موضوع کا بھی ذکر کیا ہے (۸-۱)۔

قسم اول کا موضوع ہے: قول وفعل کے اعتبار سے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی مقام ومرتبہ کی جناب الٰہی میں تعظیم وتوقیر کہ اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اللہ تعالی نے ہمارے نبی ﷺ کی منزلت وقدر اور آپ کی خصوصیات کو فضائل ومناقب ومحاسن سے آراستہ کیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے کچھ کی صراحت اپنی کتاب عظیم میں کی ہے اور پھر اپنی سند سے امام ترمذی (کی شمائل) سے یہ روایت نقل کی ہے کہ معراج کی رات حضرت جبریل براق لائے اور آپ ﷺ سے کہا کہ اس پر سوار

ہوئے کہ آپ سے بہتر اس پر کوئی سوار نہیں ہوا۔ پھر باب اول میں ان مناقب ومحاسن محمدی کا ذکر ہے جو قرآن مجید کی آیات میں وارد ہوئے ہیں، فصل اول میں ایسی ہی مدح وثنا ہے جیسے "لقد جاء کم رسول من انفسکم" الخ اور اس کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آپ کی ولادت (خون) کی یا قرابت نہ ہوتی، نیز آیت کریمہ: "لقد من اللہ علی المومنین "الخ پھر آپ کے نسب مبارک کی طہارت وپاکیزگی پر احادیث وروایات آئی ہیں جو علی بن ابی طالب، ابن عباس اور ابن الکلبی، جعفر بن محمد، سمرقندی، جعفر صادق، کعب اور ابن جبیر، سہل ابن عبداللہ، حسن بصری، ماوردی، سلمی، یحیٰ بن آدم، قتادہ، ابوسعید خدری، ابن عطاء ابوعلی حسین الجیانی، ابن عبدالبر (ابوعمر النمری) ابوالعالیہ وغیرہ سے مروی ہیں اور وہ آیات قرآنی اور ان کے الفاظ صریحہ اور دالہ سے مراد الٰہی بتاتی ہیں (۱۸-۸)۔

دوسری فصل میں ان آیات قرآنی اور ان کے تفسیری اقوال کا بیان ہے جو رسول اکرم ﷺ کو شاہد بتا کر آپ کی توصیف وتحسین کرتی ہیں۔ جیسے "یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرونذیراً الخ" جو آپ کی عظمت کے مختلف مراتب پر مشتمل ہیں۔ اس میں آپ کی بعض صفات اسماء کو مذکورہ بالا آیت کے تفسیری اقوال اور دوسری احادیث کے ذریعہ واضح کیا ہے جیسے رحیم رؤف، لین الجانب، صاحب خلق کریم وغیرہ (۲۲-۱۸) تیسری فصل ان آیات قرآنی کے حوالے سے ہے جن میں آپ کو ملاطفت ومبرت کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے جیسے "عفا اللہ عنک لم اذنت لھم الخ، ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلاً" اور ایسی تمام آیات میں سے معاتبہ اور تنبیہ کی نفی کر کے ان کو محبت ولطافت کا اظہار الٰہی کیا ہے (۲۵-۲۲)۔ اس میں ابوجہل کی تکذیب، عربوں کی معرفت نبوی، رسول اکرم ﷺ کے امین ہونے اور تمام انبیاء علیہم السلام میں صرف آپ کو "یا ایھا الرسول یا ایھا النبی" سے خطاب کرنے وغیرہ کی وضاحت کی ہے۔ چوتھی فصل میں آپ کی قدر ومنزلت کی اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے کے باب میں ہے جیسے "لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون (سورہ الحجر:۷۲)، یٰس والقرآن الحکیم" (سورہ یٰس:۲،۱)، آپ کے متعدد اسماء گرامی، سید ولد آدم وغیرہ، ق والقرآن المجید وغیرہ کی تشریحات ہیں (۲۸-۲۵)۔ پانچویں فصل آپ کے مقام ومرتبہ کو واضح کرنے کے لئے قسم الٰہی کھانے پر ہے۔ جیسے "والضحی واللیل اذا

سجی" (سورۂ ضحیٰ:۱-۲) میں ہے اور اس کے چھ وجوہ بتا کر ان کی تشریح کی ہے اسی میں شفاعت اور مقام محمود، حوض، اور آپ کے بعض فضائل اخلاق جیسے قناعت وغناوغیرہ کی تشریح ہے۔ "والسماء والطارق ...... والنجم الثاقب" (سورۂ طارق:۱،۲) سے رسول اکرم ﷺ کو مراد لیا ہے جیسا کہ سلمی بیان ہے۔ فضیلت نبوی کا ذکر اسراء ومعراج کے حوالہ سے کیا ہے اور ایسی ہی دوسری آیات کی تشریح کی ہے۔ (۲۸-۳۳)۔

چھٹی فصل ان آیات قرآنی کے بیان وتشریح میں جن میں ہے کہ آپ ﷺ پر شفقت واکرام کیا گیا ہے جیسے "طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی" (سورۂ طٰہٰ:۱،۲) پھر طٰہٰ کے اسم محمدی ہونے کے علاوہ دوسرے اقوال کا ذکر کیا ہے اور اس کی تفسیر بیان کی ہے جس طرح سورہ حجر:۹۴ کی آیت "فاصدع بما تؤمر" اور آیت کریمہ "والقد استھزی برسل من قبلک" (الانعام:۱۰) وغیرہ اور ساحر ومجنون بتانے والی آیات کریمہ کا حوالہ دیا ہے (۳۳-۳۵)۔ قاضی عیاض نے ساتویں فصل میں ان آیات کریمہ کی تشریح وتعبیر پیش کی ہے جو دوسرے انبیاء کرام پر آپ کی قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ کا اظہار کرتی ہے۔ جیسے "واذاخذ اللہ میثاق النبیین الخ" (آل عمران:۸۱) جس کی تفسیر میں آیات کریمہ، احادیث وآثار اور اقوال مفسرین کا حوالہ ہے (۳۵-۳۸)۔ آٹھویں فصل میں اللہ تعالیٰ کی ان آیات کریمہ کا بیان ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء وولایت (دوستی) کے سبب لوگوں سے عذاب دور کرتا ہے جیسے "ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم، الخ لو تزیلوا لعذبنا الخ، لولا رجال مومنون الخ، وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین الخ، ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی الخ اور کھیعص" کی تفسیر وغیرہ (۳۸-۴۰)۔ اس میں کئی اقوال بھی مذکور ہیں۔ نویں فصل میں ان کرامات نبوی ﷺ کا بیان ہے جو سورہ الفتح میں موجود ہیں۔ آیات کریمہ "انا فتحنا لک فتحامبینا" سے "ید اللہ فوق ایدیھم" تک کی آیات آپ کی فضیلت، تعریف وثنا اور بلندی درجات پر مشتمل ہیں جو آپ کو جناب الٰہی میں حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی مغفرت کلی، آپ پر اتمام نعمت، آپ کے رفع ذکر وغیرہ کا بھی آیات قرآنی کے حوالہ سے ذکر ہے (۴۰-۴۳) اس میں سورہ کی دوسری آیات بھی ہیں۔ دسویں فصل میں رسول اکرم ﷺ کی بزرگی، مقام اور مرتبہ خاص کا دوسری آیات کریمہ کے حوالہ سے

ذکر ہے جن کا بیان ابھی تک نہیں آیا جیسے سورۂ اسراء کی آیات، سورۂ النجم کے واقعات، ''واللہ یعصمک من الناس''، غار ثور میں امداد الٰہی کے حوالہ، سورہ کوثر کے انعامات، سبع مثانی اور قرآن عظیم کے عطیات، تمام انسانوں کے لئے آپ کی رسالت کی آیات وغیرہ مع اقوال علماء (۴۶-۴۳)۔

دوسرا باب اس اہم موضوع پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام محاسن کو تخلیقی اور اخلاقی لحاظ سے مکمل کر دیا ہے اور آپ ﷺ میں تمام دینی اور دنیوی فصائل بہترین ترتیب کے ساتھ جمع فرمادئے ہیں۔ پھر دوسری عمدہ بخشیں یہ ہیں: بشری خصالِ جمال وجلال کی دو قسمیں دنیوی ضروری اور اکتساب دینی ہیں۔ ضروری محض پر انسان کا قابو نہیں اور اکتسابی اخروی جیسے تمام بلند اخلاق اور آداب شرعی جن کو حاصل بھی کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے وہ دینی خصائص جن کو حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ وہبی ہوتے ہیں جیسے نبوی ورسالت شفاعت ووسیلہ وغیرہ ان تمام محاسن کی بہت ضرور تشریح کی ہے، آیات واحادیث وآثار کے حوالے سے جن میں پہلے آپ کے جسمانی شمائل کا ذکر ہے (۵۱-۴۶) پھر آپ کی نظافت جسم پر روایات ہیں (۵۵-۵۱)۔ جس کے بعد وفور عقل، زکاوت، قوت حواس اور فصاحت زبان واعتدال حرکات اور حسن شمائل کا بیان ہے (۶۲-۵۵) پھر آپ کے نسب کی فضیلت اور عظمت مولد ومنشا پر فصل ہے جس میں آپ کو بہترین انسان اور بہترین علاقہ کا فرد بتایا گیا ہے (۶۴-۶۲) اس کے بعد ضرورت حیات پر ایک فصل ہے اور اس میں تین اقسام کا بیان ہے جیسے اکل وشرب وغیرہ (۷۰-۶۴)، نکاح وغیرہ (۷۱-۶۷) تیسری قسم مدح وتفاخر اور تفضیل کے مختلف حالات کی ہے جیسے کثیرت مال وغیرہ (۷۷-۷۱)۔

اس کے بعد جو فصول ہیں وہ خصال اکتسابی سے بحث کرتی ہیں جیسے خلق حسن، جرأت وبہادری، عقل، فطانت، حلم وعفو، عدل وانصاف، صبر وتوکل، جودوکرم اور سخاوت، شجاعت وپامردی، شرم وحیا، حسن معاشرت، نرم گفتاری اور نرم روی، تواضع وانکسار، رافت ورحمت، عہد وعدو کی پاسداری، اقارب سے حسن سلوک، صدق وصفا، نشست وبرخاست کا ذکر روایات وواقعات کے حوالہ سے ہے (۱۲۶-۷۷)۔ اس میں زہد وقناعت اور خوف الٰہی کا بیان بہت وقیع ہے۔ اور خاتمہ حضرت ہند بن ابی ہالہ کی طویل حدیث شمائل کی تفسیر پر کیا ہے (۱۲۶-۳)۔

تیسرا باب ان صحیح اور مشہور احادیث وروایات کے بیان میں ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی قدر ومنزلت کی عظمت اور دارین کی سعادت سے آپ کی خصوصی آراستگی سے متعلق ہے۔ اس میں پہلے آپ کی تمام بنوع بشری پر فضیلت، سیادت اولاد آدم اور افضلیت پر بحث ہے اور وہ احادیث نبوی، عباس بن عبدالمطلب کے قصیدہ، آپ کے پانچ معجزات خاص، جیسے رعب وداب، جوامع الکلم وغیرہ آپ کی مغفوریت اور امت محمدی کی بلا حساب کتاب مغفرت، بھوک سے ہلاکت نہ ہونے کی ضمانت، چودہ نجیب صحابہ کی عطا، مکہ اور حرم مکہ کی حلت، نوید ابراہیمی وعیسیٰ، روحانی وزن، عرش پر نام محمدی کی ابتدائے آفرینش میں موجودگی، رویت وامامت انبیاء، اسراء ومعراج جس کا نسبتاً مفصل ذکر ہے پھر اسراء ومعراج کے روحانی اور بدنی ہونے پر علماء کے اختلاف کا بیان ہے جس میں قاضی عیاض نے اس کے بدنی ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے اور اس کے دلائل تفصیل سے دئے ہیں۔ پھر وحی الٰہی اور معراج اور دوسری آیات سورہ نجم کی تشریح بیان کی ہے (۱۷-۳۰) اس کے بعد ایک فصل میں آپ کی محبت کی بنا پر تفضیل کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے محبت فرماتا ہے (۲-۷۱-۱۷۱) اگلی فصل میں آپ کی شفاعت کی بنا پر فضیلت کا بیان ہے پھر دوسری فصل میں وسیلہ کا ذکر ہے (۸۹-۱۷۶)۔

اگلی فصل رسول اکرم ﷺ کے اسماء گرامی کے لئے خاص ہے (۹۵-۱۸۹) اور اس میں ان کے حوالہ سے فضیلت نبوی پر بھی روایات واحادیث ہیں۔ اسماء گرامی کی لغوی، معنوی اور اندرونی / باطنی تشریحات ہیں۔ ان کے ساتھ بعض صفات والقاب وغیرہ پر بھی بحث ہے۔ اس سے متصل فصل میں ان اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اعزاز واکرام کے مقصد سے بیان فرمائیں جیسے محمد واحمد ﷺ کے علاوہ رؤف، رحیم، الحق المبین، نذیر مبین، نور وغیرہ تیس اسماء پر بحث کی ہے اور ان کی آیات قرآنی کی تفسیری تشریحات بھی کہا جا سکتا ہے۔ قاضی عیاض نے ایک خاص نکتہ یہ اٹھایا ہیکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے رسول اکرم ﷺ کے اسماء گرامی کا ربط دکھایا ہے (۲۰۴-۱۹۶) اور اگلی فصل میں ایک نکتہ کی تشریح کے لئے ذیلی فصل قائم کی ہے جس پر اس قسم کا خاتمہ کیا ہے کہ صفات واسماء الٰہی سے کسی مخلوق کی صفات واسماء میں کوئی مشابہت ومماثلت نہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ وپاک ہے (۶-۲۰۴)۔

چوتھا باب رسول اکرم ﷺ کے معجزات کے لئے خاص کیا ہے۔ تمہید میں معجزات کے

اسباب ومقاصد بیان کر کے یہ بتایا ہے کہ ان معجزات نے رسول اکرم ﷺ کی قدر ومنزلت اور مقام ومرتبہ متعین کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کی مقبولیت ومحبوبیت ثابت کی تھی اور پھر مختلف روایات وواقعات کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ آپ کو دیکھ کر سب آپ کے سچے ہونے کی گواہی دیتے تھے اور آپ کی دل میں تصدیق کرتے تھے۔ پہلے وحی، نبوت ورسالت اور پھر قرآن مجید کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ نبوت ورسالت اور وحی کا ذکر بہت مدلل ومفصل ہے (۱۲-۲۰۶) پھر معجزہ کی تعریف بتائی ہے ایک فصل میں اور ان کی دو قسموں، دوسرے ہاتھوں سے خوارق کے ظہور کی حقیقت اور متعدد معجزات نبوی کا ذکر ہے (۱۷-۲۱۲) اس فصل میں بعض فقہی مباحث اور فقہاء کے اقوال بھی ہیں۔

اگلی فصل اعجاز القرآن، اس کی چار وجوہ- حسن تالیف، صورت نظم عجیب واسلوب غریب (نادر)، غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں اور اقوام سابقہ کے قصوں- پر چار فصول میں بحث کی ہے اور پھر ان چاروں وجوہ پر مجموعی مباحثہ کیا ہے (۳۰-۲۱۷) پھر قرآن کریم کی ہیبت وروعت پر فصل قائم کی ہے (۳۲-۲۳۰) اور دوسرے وجوہ پر اماموں اور ان کے مقلدین کے اقوال نقل کئے ہیں (۳۷-۲۳۲) اگلی فصل شق قمر پر ہے (۴۰-۲۳۷) پھر انگلیوں کے درمیان پانی جاری ہونے پر (۴۳-۲۴۰) اور اس سے مشابہ معجزات پر (۴۶-۲۴۳) پھر کھانے میں برکت پر (۵۲-۲۴۶) اس کے بعد شجر وحجر کے کلام کرنے پر (۵۶-۲۵۲) پھر کھجور کے ستون کے گریہ پر (۵۹-۲۵۶) اور اس جیسی جمادات سے متعلق معجزات پر (۶۲-۲۵۹) مختلف حیوانات پر (۶۷-۲۶۲) مردوں کو زندہ کرنے پر (۷۱-۲۶۷) مریضوں کو شفا بخشنے پر (۷۴-۲۷۱) دعاؤں کی قبولیت پر (۷۷-۲۷۴) آپ کی کرامات اور غیب کی خبروں کے علم پر (۸۹-۲۷۷) لوگوں سے آپ کی عصمت الٰہی پر (۹۶-۲۸۹) پھر آپ کے روشن وظاہر معجزات پر (۳۰۱-۲۹۶) پھر آپ کے خصائص پر (۳-۳۰۱) آپ کے دلائل نبوت پر (۴-۳۰۳) اور آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے معجزات پر (۶-۳۰۴) وراس بات کی تمام فصول پر مجموعی بحث پر (۱۲-۳۰۶) پر متعدد فصول ہیں۔ قاضی عیاض نے ان فصلوں میں روایات کے علاوہ مباحث بھی پیش کئے ہیں کہ وہ معجزات وکرامات کے مقاصد، ان کے حکمتوں اور دوسری متعلقہ چیزوں پر بحث کرتے ہیں اور علماء کے اقوال سے ان کو مدلل کرتے ہیں۔ اسی پر جلد اول کے مباحث تمام ہوتے ہیں۔

قسم ثانی ان حقوق مصطفیٰ ﷺ سے بحث کرتی ہیں جو انسانوں پر فرض ہوتے ہیں اور اس میں بھی چار ابواب اور ان کی ذیلی فصول ہیں باب اول آپ ﷺ پر ایمان لانے، آپ کی اطاعت کرنے اور آپ کی سنت کی پیروی کرنے کے وجوب سے بحث کرتا ہے کہ ایمان کا یہی تقاضا ہے۔ آپ پر ایمان لانے سے متعلق قرآنی آیات، احادیث نبوی اور ان کی تشریحات دینے کے بعد پہلی فصل آپ کی اطاعت کے وجوب پر ہے (۱۳-۱) اور دوسری میں آپ کی نافرمانی و معصیت کرنے کے نتائج پر بحث ہے اور تیسری میں علمائے سلف کے اقوال بھی آئے ہیں (۱۴-۱۳)۔

دوسرا باب آپ ﷺ سے محبت رکھنے کے فرض ہونے پر ہے جس میں آیات و احادیث ہیں (۱۶-۱۴) پھر دوسری تیسری فصل میں آپ کی محبت کے ثواب کا ذکر روایات و واقعات سلف کے حوالہ سے ہے (۱۹-۱۶)۔ اگلی فصل علامات محبت میں ہے (۲۴-۱۹) اور اس سے اگلی معنی محبت پر (۲۶-۲۴) اس کے بعد کی فصل میں آپ کی خیر خواہی پر بحث ہے (۲۹-۲۶)۔

تیسرا باب آپ ﷺ کے حکم کی تعظیم و تعمیل پر ہے جس میں صحابہ کرام کے معمولات اور حرمت نبی ﷺ، سیرت سلف، آپ کی توقیر اور آپ کے اہل و عیال کی تعظیم و توقیر، آپ کے صحابہ کرام کی توقیر و تجلیل اور پھر ﷺ کے اجلال و تعظیم پر روایات و احادیث اور اقوال و اشعار نقل کئے ہیں (۵۰-۲۹)۔

چوتھا باب رسول اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجے اور اس کی فرضیت و فضیلت کی آیات و احادیث و روایات و اقوال علماء سے بحث کرتا ہے۔ اس باب میں قاضی عیاض کی بعض قیمتی بحثیں اور شاندار نکات پائے جاتے ہیں (۸۶-۵۰) اس کی متعدد فصول ہیں کن مقامات میں درود و سلام بھیجنا مستحب ہے، درود و صلوۃ کی کیفیت، اس کی فضیلت، جو درود و صلوۃ نہ بھیجے اس کی مذمت، درود و صلوۃ کی سوغاتوں کو آپ پر پیش کرنے کی تخصیص اور اجازت الٰہی کہ تمام درود و سلام آپ سنتے اور ان کا جواب دیتے ہیں، دوسروں پر درود و سلام بھیجنے کے معاملہ میں علماء کا اختلاف، آپ کی قبر شریف کی زیارت کے احکام و فضائل، مسجد نبوی میں داخلہ کے آداب (۸۶-۵۰)۔

تیسری قسم ان امور سے متعلق ہے جو سرکار دو عالم ﷺ کے لئے جائز ہیں اور جو امور ممنوع و محال ہیں۔ یہ قسم قاضی عیاض کے مطابق پہلے تمام ابواب کا خلاصہ اور کتاب کا نچوڑ ہے۔ اس کے باب

اول میں امور دینی کا بیان ہے اور دوسرے میں دنیوی امور کا۔ انہوں نے پہلے آیات قرآنی کے حوالہ سے بشریت انبیاء خاص کر بشریت محمدی پر کلام کیا ہے پھر بشری اور نبوی اوصاف میں اتصال پر اور ان دونوں کے نتیجہ میں ان کے درجات مرتبت پر کہ بشریت کے لحاظ سے وہ انسانوں کے قریب اور نبوت کے لحاظ سے ملائکہ کے قریب ہوتے ہیں اور اسی لحاظ سے ان کے اجسام واجساد اور روح وضمیر کا معاملہ ہوتا ہے کہ ان پر جسمانی عوارض کا اثر ہوتا ہے اور ان کی روح وقلب عام انسانوں کی مانند بہت سے اثرات سے ماوراہوتے ہیں۔(۸۸-۸۶)اس کی تین فصول ہیں۔

فصل اول میں قلب نبوی ﷺ کی مضبوطی اور استحکام پر بحث کی ہے کہ اگرچہ رسول اکرم ﷺ کا قلب بظاہر قلب انسانی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو توحید ومعرفت الٰہی کا یقین اور جہل وشک سے وہ محفوظیت عطا فرمائی تھی کہ دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہوسکتی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے استفسار "ولکن لیطمئن قلبی" کی تشریح کر کے رسول اکرم ﷺ کے یقین واعتماد پر بحث کی ہے اور اس میں آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے علاوہ علماء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں (۱۰۱-۸۸) اس میں نبوت کے متعلق کچھ واقعات بھی ہیں جیسے غار حراء میں نزول قرآن و جبریل کا واقعہ، شک وشبہ کی نفی سے متعلق واقعات وآیات، حضرت ورقہ بن نوفل کی تسلی وتشفی اور فترہ وحی کے زمانے میں رسول اکرم ﷺ کی حالت غیر، مختلف انبیاء سے کذب کی نفی کے واقعات، سکینہ واستغفار وغیرہ کی آیات، اس کے بعد دوسری فصل میں عصمت انبیاء پر بحث کی ہے کہ وہ نبوت سے قبل بھی اسی طرح معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں جس طرح نبوت کے بعد ہوتے ہیں، یہ بحث بھی کافی اہم اور دلچسپ ہے(۷-۱۰۱) پھر دل نبی کے استحکام وقوت پر خاص فصل میں بحث ہے (۱۰-۱۰۷) پھر عصمت انبیاء کرام پر علماء اور امت کے اجماع ہونے پر کلام کیا ہے (۱۵-۱۱۰) اور اسی ضمن میں حضرت ایوب حضرت موسیٰ حضرت یوشع علیہ السلام وغیرہ کے شیطان کے مس سے مخلوط ہونے یا عمل شیطان میں مبتلا ہونے وغیرہ کی آیات کریمہ پر بحث کی ہے۔ یہ پوری فصل بہت اہم ہے اور عصمت انبیاء کرام کے مختلف گوشوں کو روشنی میں لاتی ہے۔

قاضی عیاض نے اگلی فصل میں رسول اکرم ﷺ کے اقوال کی صداقت وصحت اور ان کی معصومیت ومعجز بیانی پر بحث کی ہے جو آیات واحادیث اور اقوال وتجزیہ سے بھرپور ہے۔ انہوں نے

ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ بلاغت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ اسی طرح معصوم ہے جس طرح دوسری وحی الٰہی کہ اس میں قصد وعمد یا سہو وغلط کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس پر امت کے اجماع ہونے کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس میں غرانیق کا قصہ بہت تفصیل سے نقل کیا ہے (۲۷-۱۱۵) اور تلبیس ابلیس کے بعض اور واقعات پر بھی گفتگو کی ہے۔ جیسے مرتد ہونے والے کاتب یا نصرانی کاتب وغیرہ کا حال، سہو ونسیان کی روایات، کذب کے واقعات وروایات کی تشریح وتعبیر جس میں حضرت ابراہیم کے مشہور کذبات پر بھی بحث ہے اور نبوت خضر علیہ السلام وغیرہ (۳۶-۱۲۷) پر بھی۔

اگلی فصل میں ان اعمال نبوی پر بحث کی ہے جن کا صدور جوارح واعضاء سے ہوتا ہے اور ان کو بھی اقوال کی طرح فواحش وکبائر اور ناجائز یا ناروا کاموں سے محفوظ ومامون بتایا ہے۔ اس پر امت کے اتفاق واجماع کا بھی ذکر کیا ہے (۴۰-۱۳۶) اگرچہ اس میں بعض علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ اعمال میں عصمت نہیں تھی لیکن اس سے قاضی موصوف کو اتفاق نہیں۔ گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ کے معنی ومفہوم پر علماء کے اقوال کی روشنی میں کلام کیا ہے۔ اس کے دوسرے اہم مباحث یہ ہیں: انبیاء کرام صغائر کے ارتکاب سے بھی معصوم ہیں۔ جیسا کہ امام مالک، شافعی اور ابوحنیفہ کا مسلک ہے، پھر دوسرے علماء کا مسلک بیان کیا ہے، نبوت سے قبل معصوم ہونے پر علماء کے دو مسالک احکام بلاغی اور افعال دینی میں سہواً جو قصور ہو جائے اس کی اجازت ہے، سہو ونسیان کے بعض واقعات کے حوالہ سے بحث، اضطرار ونوم (نیند) کے سبب قصور جیسے خندق میں نمازوں کی قضا یا سونے کے سبب نماز فجر کی قضاء کے واقعات، صغائر کی اجازت دینے والوں پر نقد ورد، اس حوالہ سے متعدد انبیاء کرام کی مشہور ومعروف لغزشوں کا ذکر کر کے ان کی توجیہ کی ہے (۶۹-۱۴۶)۔ یہ فصل اپنی تشریحات اور توجیہات کے لئے بہت اہم اور نادر ہے۔ اس کے بعد قاضی عیاض نے عصمت ملائکہ کی فصل قائم کر کے کہا ہے کہ ان کی عصمت پر مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے اور اس کو آیات وروایات، احادیث واقوال اور دلائل وبراہین سے ثابت کیا ہے (۷۲-۱۶۹)۔

اس قسم کا دوسرا باب ان دنیاوی امور سے متعلق ہے جن سے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو خاص کرتے ہیں اور جن کے سبب ان پر عوارض طاری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی قاضی موصوف نے واضح کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور تمام دوسرے انبیاء ورسل بشر تھے اور ان کے اجسام اور ان کے ظواہر بھی

خالص بشری تھے لہذا ان پر آفات، تغیرات اور آلام واسقام کا دوسرے انسانوں کی مانند اثر ہوتا تھا۔ ان میں سے بعض معاملات میں رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام مبتلائے ہوئے اور بعض میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مخالفت فرمائی اور ان کے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے (۱۷۳-۵۷) پھر بعض اہم مسائل پر خاص مباحث ہیں جیسے رسول اکرم ﷺ پر سحر کئے جانے کا واقعہ (۱۷۵-۸) یہ تو آپ کے جسم اطہر کے حوالہ سے بحث تھی۔ پھر دنیا کے امور میں آپ کے احوال کا بیان عقد، قول اور فصل کے لحاظ سے بیان کیا ہے جیسے کھجور کی کاشت کے سلسلہ میں آپ کا قلم نہ لگانے کا مشورہ، یا جنگ کے سلسلہ میں دوسروں کی رائے قبول کرنا، مسلمانوں سے مشورہ کا امر الٰہی اور اس کی توجیہ، مقدمات کے سلسلہ میں آپ کے بشر ہونے کی حدیث (۱۷۸-۸۱)۔ آپ کے دنیاوی اقوال کی فصل جس میں آپ یا کسی اور کے احوال یا افعال کا ذکر ہے کہ ان کی مخالفت کرنا حرام ہے اور ان میں بھی آپ معصوم تھے۔ ان میں مزاح، خائنۃ الامین، حضرت زید کو طلاق دینے کی بات، استعمال نفاق سے تنزیہ وغیرہ کا ذکر ہے، غیظ وغضب کی روایات، بددعاؤں کے الفاظ وغیرہ کی توجیہ کی ہے (۱۸۱-۹۳) اسی طرح آپ کے دنیاوی افعال بھی معاصی اور مکروہات سے منزہ تھے (۱۹۳-۷) پھر آپ ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام پر امراض وغیرہ کے طاری ہونے کی حکمت بتاتی ہے (۱۹۷-۲۰۴)۔

چوتھی قسم میں ان لوگوں کے بارے میں احکام بیان کئے ہیں جو آپ کی شان میں کسی طرح گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس میں پہلے آیات وروایات سے آپ کو ایذاء نہ دینے کے احکام بیان کئے ہیں اور بعض واقعات یہود ومنافقین ومشرکین کا ذکر کیا ہے (۲۰۴-۶) پھر باب اول میں سب وشتم وغیرہ کرنے والے کے قتل کرنے پر امت کا اجماع بیان کیا ہے (۲۰۶-۱۶) اور عہد نبوی سے ایسے واقعات قتل کا ذکر کیا ہے جن میں یہودی اور مشرک سب وشتم کرنے والوں اور ان لوگوں کا قتل شامل تھا جن کا خون رسول اکرم ﷺ نے بدر (بہانے کا حکم) دیا تھا۔ ان میں کعب بن الاشرف، عصماء بنت مروان وغیرہ شامل تھے۔ اور خلافت راشدہ کے دوران بھی ایسے شاتمان رسول ﷺ کے قتل کے حکم پر عمل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں علماء وفقہاء کے فتاویٰ بھی شامل ہیں۔ پھر بعض یہودی اور دوسرے دشمنوں کے قتل سے احتراز نبوی پر بحث کی ہے (۲۱۶-۲۲) دوسری فصل میں عمداً سب وشتم کرنے والے اور بلا قصد جرم شنیع کا ارتکاب کرنے والے کے احکام کا موازنہ کر کے موخر الذکر پر بحث کی ہے (۲۲۲-۲۳)۔

تیسری وجہ رسول اکرم ﷺ کی تکذیب کرنے اور کرنے والے کے احکام پر قائم کی ہے اور اس میں یہ بحث کی ہے کہ اگر کوئی مسلم ایسا کام کرے جس سے آپ کی تکذیب ہوتی ہو یا رسالت محمدی کی نفی ہوتی ہو یا آپ کے وجود مسعود ﷺ کا انکار ہوتا ہو تو ایسے مردود کا قتل بالا جماع واجب ہے اور اس کا حکم مرتد کے مانند ہے، پھر اگر وہ توبہ کرے تو اس کے حکم میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے (۵-۲۲۳) چوتھی وجہ ایسے مجمل کلام یا قول مشکل کے بارے میں ہے جس کا حملہ آپ ﷺ کی ذات برکات پر ہوتا ہو (۲۸-۲۲۵) پانچویں وجہ یہ ہے کہ وہ کسی نقص عیب یا سب وشتم کا قصد وذکر نہ کرے لیکن آپ ﷺ کے بعض اوصاف کا انکار ونفی کرے اور آپ کے احوال کا استخفاف کرے (۳۳-۲۲۸)۔ اس میں بعض اقوال مردود کے علاوہ متنبی، معری، حسان المصیصی اور بعض دوسرے شعراء کے اشعار نقل کر کے ان کو سبِّ نبی میں شمار کیا ہے اور فتاویٰ نقل کئے ہیں چھٹی صورت/وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص بطور محاکات ایسی کوئی نامعقول بات کہے اور اس کے حکم کے چار وجوہ اور ان پر علماء کرام کے اقوال نقل ہیں (۳۷-۲۳۳) ساتویں وجہ یہ ہے کہ ایسی باتیں کہے جو نبی ﷺ کے لئے امور دنیا میں سے جائز ہیں یا ان کے جواز میں اختلاف ہے لیکن وہ بطور مذاکرہ علمی اور طریق روایت کے ہو اور اس کا تعلق عصمت انبیاء سے ہو ان کے بارے میں علماء کے اقوال وآراء کا ذکر کیا ہے (۴۱-۲۳۷) اگلی فصل اسی سے متعلق بعض دوسرے نکات پر ہے (۴۷-۲۴۱) اگلی فصل میں شاتم رسول اللہ ﷺ کے توبہ کرنے کے بعد کے احکام وفتاویٰ منقول ہیں۔ اور اس کی توبہ کا موازنہ مرتد کی توبہ سے کیا ہے (۴۹-۲۴۷) اس کے بعد کی فصل میں اس شخص کے بارے میں بحث کی ہے جس کے خلاف ثبوت کسی طرح ثابت ہو جائے اور پھر اس شخص کا حکم مفصل بیان کیا ہے جس کے بارے میں ثبوت مکمل نہ ہو (۵۱-۲۴۹) یہ سارے احکام تو مسلمان شاتم کے بارے میں تھے۔

پھر ذمی شاتم کے بارے میں احکام پر فصل قائم کی ہے اور علماء وفقہاء کے احکام وفتاویٰ بیان کئے ہیں (۵۶-۲۵۱) اگلی فصل میں شاتم رسول ﷺ کے قتل کے بعد اس کی میراث کے بارے میں احکام بیان کئے ہیں اور اس کی نماز جنازہ اور غسل وغیرہ کا بھی ذکر ہے (۵۸-۲۵۶)۔

تیسرا باب اللہ تعالیٰ، ملائکہ، انبیاء، کتب الٰہی اور آل وازواج وصحابہ نبی ﷺ کو سب وشتم کرنے کے حکم پر ہے (۶۰-۲۵۸) اگلی فصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف نامناسب بات منسوب کرنے

والے کے حکم سے متعلق ہے (۶۳-۲۶۰) جو کفر وارتداد کے قصد سے نہ ہو بلکہ تاویل وخطا کے سبب ہو۔ اس سے متصل فصل میں یہ بیان کیا ہے کہ تاویل کرنے والوں کے قول کی تحقیق کی جائے گی (۶۷-۲۶۳) پھر ان باتوں / مقالات کا حکم ہے جو کفر ہیں یا جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ کفر ہیں یا نہیں ہیں۔ اس میں گمراہ فرقوں، باطنیہ، روافض وغیرہ اور دوسرے مسلم طبقات کے عقائد وخیالات پر بحث کی ہے (۷۹-۲۶۷) پھر ایسے ذمی کے احکام بیان کئے ہیں (۸۱-۲۷۹) پھر غیر صریح اقوال کا مبحث ہے (۸۳-۲۸۱) پھر ایسے کلام کرنے والے کے احکام سے متعلق ہے جو کلام کرنے میں غلطی کرتا ہے اور جس سے استخفاف الٰہی ہوتا ہے (۸۵-۲۸۳) پھر تمام انبیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے بارے میں احکام کا بیان ہے (۸۷-۲۸۵) اگلی قرآن ومصحف وغیرہ کے انکار وسب کے بیان میں ہے (۹۰-۲۸۷) پھر اہل بیت، ازواج واصحاب پر شتم کرنے پر ہے (۹۴-۲۹۰) اور اسی پر خاتمہ کتاب ہے۔

حافظ ابن عساکر

(۴۹۹-۵۷۱ھ/۱۱۰۵-۱۱۷۶ء)

امام ابن عساکر ان عظیم مورخین اور قابل قدر سیرت نگاروں میں شامل ہیں جو محدثین کے طریقہ کے مطابق تاریخی اور سیرتی ادب تیار کرتے تھے۔ وہ دمشق اور شام کے نہ صرف باشندے تھے بلکہ شامی مکتب فکر اور مدرسہ نگارش کے عظیم نمائندے بھی تھے جو عراقی مکتب فکر و نگارش سے بڑی حد تک مختلف تھا۔ شامی مدرسہ فکر و تحریر اگرچہ اموی مخالف رجحانات سے قطعی طور پر آزاد اور مبرا نہ تھا تاہم وہ ان کی حامی روایات بھی نقل کرتے تھے اور عراقی طرز فکر کی زہر آلودگی سے کسی حد تک پاک وصاف تھے۔ حافظ ابن عساکر روایتی انداز کے نہ مورخ تھے اور نہ سیرت نگار۔ ان کا اصل تعلق تو مقامی تاریخ نگاری بلکہ شہری تاریخ نویسی کے میدان سے تھا جو اپنے شہر چیدہ کے حوالہ سے اسلامی تاریخ کے ایک مقامی اور محدود دائرے کا مطالعہ کرتا ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ اس سے کسی طور سے وابستہ افراد جلیل اور ابطال عظیم کی سوانح بھی دیتا ہے اور یہی اس کا بنیادی مقصود ہوتا ہے۔ حافظ ابن عساکر نے شہر دمشق کو نقطۂ فکر و نظر بنا کر اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تاریخ جو بڑی حد تک آفاقی ہے شخصیات کے حوالہ سے لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ رسول اکرم ﷺ سب سے عظیم و کبیر شخصیت تھے اس لئے شامی سفر نبوی کے حوالہ سے سیرت نبوی کو اپنے مخصوص انداز میں ضبط و سپرد قلم کیا۔

نام و نسب

ابن عساکر کی عمومی کنیت سے کئی عرب اہل قلم موسوم و معروف ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت مؤلف تاریخ دمشق کے نصیب میں آئی ہے اور وہ صرف اسی کنیت سے معروف ہیں، دوسروں کے لئے کوئی دوسری نسبت تمیز لگانی پڑتی ہے۔

ان کا اسم گرامی علی تھا اور ان کے والد ماجد کا الحسن اور دادا کا ہبۃ اللہ۔ ان کی ایک اور کنیت ابوالقاسم تھی اور لقب ثقۃ الدین۔ وہ فقہی مسلک کے لحاظ سے شافعی تھے۔ ذہبی نے ان کے دادا کا نسب یوں لکھا ہے: ہبۃ بن عبداللہ بن الحسین الدمشقی، اور یہی ابن خلکان اور یاقوت حموی میں ہے۔ البتہ موخر الذکر نے پانچویں پیڑھیوں کی کنیتیں بھی بالترتیب لکھی ہیں: ابوالقاسم بن ابی محمد بن ابی الحسن بن ابی محمد بن ابی علی الشافعی۔ ان کے ایک بھائی صائن الدین ہبۃ اللہ بن الحسن فقیہ فاضل حافظ تھے (۴۸۸-۵۶۳)۔ انہوں نے ۵۲۰ھ میں بغداد میں شیخ اسعد المیہنی اور ابن برہان سے پڑھنے کے بعد اپنے وطن دمشق کو جائے قرار بنایا تھا جہاں وہ جامع دمشق کے مغربی مقصورہ درس حدیث اور فتاویٰ دیتے تھے۔ دمشق میں ہی وفات پائی اور باب صغیر میں مدفون ہوئے۔

ولادت

تذکرہ نگاروں کے بیان متفقہ کے مطابق حافظ ابن عساکر محرم ۴۹۹ھ/ستمبر ۱۱۰۵ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ابن خلکان اول محرم کہا ہے جب کہ یاقوت نے صرف محرم اور حافظ ذہبی نے اول سنہ مذکورہ میں ولادت بتائی ہے۔

تعلیم وتربیت

حافظ ابن عساکر کو اپنے عہد کی بہترین تعلیم وتربیت سے آراستہ ہونے کا موقعہ ملا تھا۔ اپنے وطن مالوف دمشق کے علاوہ ایران وعراق کے خاص کر بغداد جیسے عظیم شہروں میں تعلیم پائی۔ ان کے رفقائے درس میں مشہور مصنف وماہر انساب اور کتاب الانساب کے مؤلف عبدالکریم السمعانی (م ۵۶۲ھ) بھی شامل تھے۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق ان کی تعلیم وتربیت ۵۰۵ھ سے ان کے والد ماجد اور برادر اکبر ضیاء الدین کی عنایت وتوجہ سے شروع ہوئی اور ان دونوں سے سماعت کے انہوں نے بہت سے شیوخ دمشق سے سماعت کی ان میں حافظ ذہبی کے مطابق ابوالقاسم النسیب، قوام بن زیاد، سبیع بن قیراط، ابوطاہر الجبائی، ابوالحسن بن الموازینی اور ان کے طبقہ کے محدثین کرام شامل تھے۔ یاقوت حموی نے ابومحمد الاکفانی کا ذکر کیا ہے۔ ابن خلکان نے شامی/دمشقی شیوخ کا تذکرہ نہیں کیا اور

جب کہ عراقی اساتذہ کا ذکر باقاعدہ کیا ہے۔

۵۲۰ھ میں حافظ ابن عساکر نے علمی اغراض سے سفر کیا اور بقول یاقوت ان کے ہم رکاب وہمسفر امام سمعانی بھی تھے۔ اوران دونوں نے بغداد میں بقول ابن خلکان اماماں حدیث وعلوم برکی، تنوخی وجوہری کے تلامذہ سے کسب فیض کیا۔ یاقوت حموی کے مطابق ان کا عراق میں پانچ سال قیام رہا جہاں ابوالقاسم بن الحصین وغیرہ سے سماعت کی۔ حافظ ذہبی نے ان کے بغدادی اساتذہ میں مذکورہ بالا کے علاوہ ائمہ حدیث ابوالحسین الدینوری، ابوالغربن کاوس، ابوغالب بن النباء ابوعبداللہ الصارع، قاضی المرستان اوران کے طبقہ کا ذکر کیا ہے یاقوت کا بیان ہے کہ اپنے پورے قیام کے دوران حافظ موصوف نے مدرسہ نظامیہ میں درس سنا اور شیخ ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح الکرمانی سے اختلافی مسائل پر تعلیقات لگائیں اور اپنے دادا ابوالفضل سے نحو وعربی ادب میں استفادہ کیا۔ بقول ابن خلکان وہ پھر دمشق چلے گئے۔ دوبارہ سفرِ علم پر نکلے تو خراسان، نیساپور، ہرات، اصفہانی اور جبال کا سفر کیا اور بقول یاقوت حموی مکہ، منیٰ، مدینہ کوفہ، اصبہان قدیمہ ویہودیہ، مروالشاہجہاں، نیساپور، ہرات، سرخس، ابیورد، طوس، بطان، رے، زکان اور بہت سے دوسرے امصار عراق وخراسان جزیرہ وشام وحجاز کا سفر کیا جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ حافظ ذہبی نے ان کے امصار کے حوالہ سے بعض دوسرے شیوخ کا بھی ذکر کیا ہے جیسے مکہ کے عبداللہ بن محمد الغزالی، کوفہ کے عمر بن ابراہیم زیدی، اصبہان کے ابوعبداللہ الفراوی، ہبۃ اللہ السندی، عبدالمنعم بن القشیری، سعید بن ابی الرجاء الحسین بن عبدالملک الخلال اور ان کے طبقہ کے محدثین دیگر، مرو کے شیخ یوسف بن ایوب الہمدانی الزاہد، ہرات کے محدث تمیم بن سعید الجرجانی اوران کے طبقہ کے دوسرے لوگ حافظ ذہبی اور یاقوت نے ان کے چالیس شہروں کے کل اساتذہ تعداد ایک ہزار تین سو شیوخ اور پچاسی ''شیوخات'' گنائی ہیں جو خود امام ابن عساکر کے قول پر مبنی ہے۔

ملازمت/ درس وتدریس

تحصیل علم کے بعد حافظ ابن عساکر نے تدریس وتعلیم کا معزز پیشہ اپنایا اور اپنے آبائی شہر دمشق کے مدرسہ نوریہ میں مدتوں مدرس ومعلم رہے۔

ان کے بہت سے شاگردان عزیز اور تلامذہ گرامی تھے جن میں سے متعدد آسمان علم وادب کے ماہ تاب وآفتاب بنے۔ ان میں شیخ ابوسعد بن السمعانی (م ۵۶۲ھ) ایسے تھے جن سے خود حافظ ابن عساکر نے بھی سماعت کی تھی جیسا کہ یاقوت کا بیان ہے۔ حافظ ذہبی نے ان کے دوسرے تلامذہ کا خاصا مفصل ذکر کیا ہے جیسے معمر بن فاخر، ابوالعلاء الہمدانی، ابوسعد السمعانی جیسے کبار علماء کے علاوہ ان کے فرزند القاسم، ابوجعفر القرطبی، زین الامناء ابوالبرکات بن عساکر، ان کے برادر شیخ فخر الدین، ان کے بھتیجے عز الدین النسابہ، حافظ عبد القادر رہاوی، ابوالقاسم بن صصری، یونس بن محمد الفارقی الخطیب، ابونصر الشیرازی، محمد بن اخی ابی البنان، ابواسحاق ابراہیم بن الخشوعی، ان کے بھائی عبد المعز، یونس بن منصور سفیانی، محمد بن رومی الحردانی، محمد بن غسان الحمصی، مسلم بن احمد المازنی، ذاکر اللہ الشعیری، عبد اللہ بن راشد، عمر بن عبد الوہاب البرذائی، عتیق السلمانی، شیخ بہاء الدین علی بن الحمیری، رشدین بن مسلمہ، سدید الدین مکی بن علان وغیرہ متعدد حضرات۔ امام ابوسعد السمعانی کا بیان ہے کہ میرے نیساپور جانے سے ایک ماہ قبل امام موصوف وہاں گئے تھے۔ اور میں نے وہیں ان سے ان کی معجم اور حافظ دینوری کی المجانسۃ کی سماعت کی جب کہ وہ دمشق کے قیام کے دوران وہ اپنی تاریخ کبیر شروع کر چکے تھے۔

وفات

امام ابن عساکر نے دمشق میں ۱۱؍رجب ۵۷۱ھ/۲۵؍جنوری ۱۱۷۶ء کو وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ذہبی، یاقوت حموی وغیرہ کے ہاں اسی تاریخ وفات پر اتفاق پایا جاتا ہے۔ موخر الذکر کے مطابق ان کی عمر بہتر سال چھ ماہ اور دس دن تھی۔ ان کے جنازہ میں عوام وخواص کے انبوہ عظیم کے علاوہ ملک ناصر صلاح الدین یوسف بن ایوب رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے۔ العماد کا بیان ہے کہ اس سال بارش نہیں ہوئی تھی لیکن ان کے جنازے کے اٹھتے ہی اس زور وشور سے بارش ہوئی گویا کہ آسمان ان کی وفات حسرت آیات پر ٹوٹ کے رو رہا ہو۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ان کو متعدد لوگوں نے ان کو بعد وفات خواب میں دیکھا۔ ان کی قبر جو باب صغیر میں ہے مرجع زیارت ہے۔ ابن خلکان نے ان کی تاریخ وفات دوشنبہ ۲۱؍رجب ۵۷۱ھ لکھی ہے اور کہا ہے کہ وہ اپنے والد وبیوی کے پہلو میں دفن ہوئے

۔ان کی نماز جنازہ شیخ قطب الدین نیساپوری نے پڑھائی۔ان کے فرزند بہاء الدین ابو محمد قاسم الحافظ نے ۹/صفر ۶۰۰ھ کو دمشق میں وفات پائی اور اسی دن باب النصر کے باہر دفن ہوئے جب کہ ان کی تاریخ ولادت ۱۵/ جمادی الاول ۵۲۷ھ تھی۔اور وہ بھی حافظ حدیث تھے۔

تصانیف

تعلیم وتدریس کے علاوہ امام ابن عساکر کا دوسرا مشغلہ تصنیف وتالیف تھا۔انہوں نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔بروکلمان اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے ان کی کتابوں کے نام گنائے ہیں۔

(۱) یاقوت حموی نے کتاب معجم اسماء القری والامصار کا ایک جزو بتایا جس کی سماعت ان سے کی گئی تھی۔

(۲) المعجم: جس میں مشہور ومعروف شخصیات بالخصوص شافعی علماء کرام کا تذکرہ ہے اور اسی کے آخر میں ایک دوسرے متاخر مؤلف محمد بن عبدالواحد المقدسی (م ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء) کا لکھا ہوا ایک تتمہ بھی شامل ہے۔یہ کتاب ان سے سماعت کرنے والوں یا ان سے اجازہ پانے والوں کے لئے لکھی تھی اور وہ بارہ اجزاء پر مشتمل تھی جب کہ کتاب نسوان ان کی خاتون سامعات کے لئے ایک جزء میں تھی۔

(۲) کتاب الامالی: کے کچھ اجزاء کا ذکر الزیات نے اپنی کتاب **"خزائن الکتب فی دمشق وضواحیها"** ۵،۲۹ میں کیا ہے کہ وہ دمشق میں موجود ہیں۔حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ امام موصوف نے چارسو آٹھ مجالس میں ابواب علم پر املا کرایا تھا۔

(۳) **"تبیین المفتری فیما نسب الی الامام حسن العسکری"**: حافظ ابن عساکر کی ایک اہم تصنیف ہے اور اس کے کچھ اجزاء لائیڈن سے شائع ہو چکے ہیں (طبع مہرن Mehren)،حسام الدین القدسی نے اس کا ایک ایڈیشن ۱۳۴۷ھ میں اپنے مقدمہ کے ساتھ چھاپا ہے۔ یاقوت حموی نے اس کا عنوان **"کتاب تبیین کذب المفتری علی الاشعری"** لکھا ہے اور اس کے پندرہ اجزا بتاتے ہیں اس کے علاوہ ایک **کتاب المسلسلات** (دس اجزا پر مشتمل) کا نام بھی لیا ہے جب کہ کتاب السیاسیات کا ایک جزء بتایا ہے۔

(۴) کشف المعظا فی فضل الموطا :امام مالک کی عظیم کتاب حدیث کی شرح ہے جو چھپ چکی ہے۔

یاقوت حموی نے کتاب المستفید فی الاحادیث السباعیة الاسانید (چار اجزاء)، کتاب الاحادیث الخماسیات واخبار ابی الدنیا کا ایک جزء مزید لکھا ہے۔

(۵) الموافقات :بقول ذہبی چھ جلدوں میں تھی اور بقول یاقوت بہتر اجزاء میں۔

(۶) الاطراف الادبیه (چار جلدیں)۔

(۷) کتاب الاشراف علی معرفة الاطراف :کے اڑتالیس اجزاء یاقوت نے لکھے ہیں۔

(۸) غرائب مالک (دس جلدیں)۔

(۹) مناقب الشبان (پندرہ اجزاء)

(۱۰) عوالی مالک بقول ذہبی اور بقول یاقوت کتاب تهذیب الملتمس بن عوالی مالک بن انس کے بالترتیب پچاس اور اکتیس اجزاء دونوں نے لکھے ہیں۔

(۱۱) فضل اصحاب الحدیث (بقول یاقوت گیارہ اجزاء)

(۱۲) فضل الجمعه (چار اجزاء، بقول یاقوت سات اجزاء)

(۱۳) الاربعین الطوال (تین اجزاء)

(۱۴) عوالی شعبة/کتاب اجابة السوال فی احادیث شعبه ۔

(۱۵) الزهاده فی الشهاده

(۱۶) عوالی الثوری

(۱۷) اربعی الجهاد/کتاب روایات ساکنی داریا

(۱۸) اربعی البلدان

(۱۹) اربعی المساواة

(۲۰) مسند اهل داریا/کتاب روایات ساکن داریا

(۲۱) من وافقت کنیته کنیة زوجة

(۲۲) شیوخ النیل

(۲۳) حدیث اهل صنعاعا لشام

(۲۴) حدیث اهل البلاط

(۲۵) فضل عاشوراء (تین اجزاء)

(۲۶) کتاب الزلازل

(۲۷) المصاب والولدان (دوجزء)

(۲۸) قبض العلم

(۲۹) فضل مکه

(۳۰) فضل المدینة

(۳۱) فضل عسقلان

(۳۲) فضل الربوة

(۳۳) فضل مقام ابراهیم

(۳۴) فضل الحمرتین

(۳۵) تاریخ المزة

(۳۶) جزء کفر سوسیة

(۳۷) جزء کفر لطباء

(۳۸) جزء المینحة وسعید

(۳۹) متعدد اجزاء القری

(۴۰) جزء حدیث الحبوط

(۴۱) الجواهر فی الابدال (تین اجزاء) بقول یاقوت کتاب الجواهر والعوالی فی الابدال والعوالی۔

یاقوت حموی نے امام ابن عساکر کی بہت سی تالیفات کا نام لیا ہے جو حافظ ذہبی کی فہرست میں نہیں ہے۔ مذکورہ بالا کے علاوہ ان کی فہرست یہ ہے:

(۱) کتاب تقویة المنة علی انشاء دار السنة (تین اجزاء)

(۲) کتاب الاحادیث المتخیرة فی فضائل العشرہ

(۳) کتاب الاربعین الطوال (تین اجزاء)

(۴) کتاب اربعین حدیثا عن اربعین شیخا عن اربعین مدینة (دو اجزاء)

(۵) کتاب الاعتزاز بالهجرة

(۶) کتاب المقالة الفاضحة للرسالة الواضحة (ایک ضخیم جزء)

(۷) کتاب رفع التخلیط عن حدیث الاطیط

(۸) کتاب الجواب المبسوط عن ذکر حدیث الهبوط جو حافظ ذھبی کے ہاں جزء حدیث الهبوط کے نام سے ہے۔

(۹) کتاب القول فی جملة الاسانید فی حدیث المؤید (تین اجزاء)

(۱۰) کتاب طرق حدیث عبد الله بن عمر (ایک جزء)

(۱۱) کتاب من لا یکون مؤتمنا لا یکون مؤذنا

(۱۲) کتاب ذکر البیان عن فضل کتابة القرآن

(۱۳) کتاب دفع التثریب علی من فسر معنی التثویب

(۱۴) کتاب فضل الکرم علی اهل الحرم

(۱۵) کتاب الاقتداء بالصادق فی حفر الخندق

(۱۶) کتاب الانذار بحدوث الزلازل (تین اجزاء) جس کا عنوان ذھبی نے کتاب الزلازل لکھا ہے۔

(۱۷) کتاب معنی قول عثمان "ما تغنیت ولا تمنیت"

(۱۸) کتاب مسلسل العیدین

(۱۹) کتاب حلول المحنة بحصول الابنة

(۲۰) کتاب ترتیب الصحابة فی مسند احمد

(۲۱) کتاب ترتیب الصحابة الذی فی مسند ابی یعلیٰ

(۲۲) کتاب معجم الشیوخ النبلاء

(۲۳) کتاب اخبار الی عمرو الاوزاعی وفضائله

(۲۴) کتاب ما وقع للاوزاعی من العوالی

(۲۵) کتاب اخبار ابی محمد سعد بن عبد العزیز وعوالیه

(۲۶) کتاب عوالی حدیث سفیان الثوری وخبره (چار اجزاء) جوذھبی کے ہاں صرف عوالی الثوری ہے۔

(۲۷) کتاب احادیث ابی الاشعث الصنعانی (تین اجزاء)

(۲۸) مسند مکحول وابی حنیفة

(۲۹) فضائل الصدیق رضی الله عنه (جوسات مجالس میں املاء کراتی) ان کے علاوہ ہر خلیفہ کے بارے میں گیارہ مجالس میں املا کرایا۔

(۳۰) کتاب فضل قریش واھل البیت والانصار والاشعریین وذم الرافضة

(۳۱) کتاب فی الصفات

یاقوت حموی نے ایسی متعدد مزید کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق مختلف علاقوں کے شیوخ کی احادیث سے ہے۔ یاقوت اور ذھبی کی فہرستوں میں متعدد کتابیں مشترک ہیں تاہم ان کے عنوانات اور کبھی کبھی اجزاء کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ اختلاف ناگزیر بھی تھا کہ دونوں نے بیشتر کتابوں کے اسماء وعناوین اپنے دوسرے مصادر سے حاصل کئے ہیں اور دونوں کو تمام اصل کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق ذرا کم ہی ملا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذھبی نے خاص کر اختصار کے نقطۂ نظر سے پورے پورے عناوین واسماء نہیں دیئے جیسا کہ یاقوت نے کیا ہے۔ حیرت ہے کہ ابن خلکان نے اس طرف قریب قریب بالکل توجہ نہیں دی۔ اور زیادہ زوران کے اشعار کو دے دیا جس کی قطعی ضرورت نہ تھی کہ ابن عساکر نغمہ وشعر کے لئے نہیں جانے جاتے۔ بہر حال ان تمام کتابوں کی فہرستوں اوران کے عناوین سے ان کے موضوعات کا اندازہ ہوتا ہے اورابن خلکان کے اس تبصرہ پر شہادت واقعی بہم پہونچتی ہے کہ حافظ ابن عساکر اگر چہ متعدد علوم وفنون کے ماہر تھے۔ تاہم ان پر احادیث کا علم غالب تھا اوران کی بیشتر کتابیں حدیث کے فن شریف ہی پر ہیں۔ یہ دوسری بات ہے

کہ آج وہ جس کارنامہ کے لئے مشہور و معروف ہیں وہ حدیث کے بجائے تذکرہ و سوانح اور تاریخ کے میدان سے وابستہ ہے۔

حافظ ذھبی کے مطابق امام ابن عساکر نے اپنے رفقاء اور تلامذہ کے لئے تخریج بھی کی ان میں ابوسعد السمعانی کے لئے **اربعین الصافحات** الفراوی کے لئے **اربعین مساوات** اور اپنے لئے **کتاب الابدال** کے بعض حصے شامل تھے۔ موخر الذکر کی تکمیل ہو جاتی تو بیس جلدوں میں آئی۔

تاریخ مدینۃ دمشق حافظ ابن عساکر کی سب سے بڑی کتاب ہے جو ان کے نام نامی کو شہرت دوام بخشتی ہے۔ وہ امام ابوبکر خطیب بغدادی کی عظیم کتاب تاریخ بغداد کے پیروی میں اور اسی کے انداز پر مرتب کی گئی ہے کہ شہر دمشق اور ملک کی شام کی تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان تمام شخصیات وابطال کی سوانح لکھ دی ہے جن کا کسی طور سے اسلامی عہد میں دمشق سے کوئی تعلق و واسطہ رہا تھا۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق اس کی اسی جلد میں ہیں۔ اور آج وہ سب کی سب موجود ہیں اور کم از کم فوٹو اسٹیٹ کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں اور اس کی بعض جلدیں چھپ بھی چکی ہیں، کچھ مدت قبل صرف چند جلدوں کا علم تھا جن کا ذکر بروکلمان اور اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے دوسرے مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے فہرست نگاروں نے بھی اپنی معلومات کے مطابق ان کا حوالہ دیا ہے ان میں داماد ابراہیم پاشا، عاطف آفندی، حبیب الزیات کے علاوہ مکتبہ خدیو قاہرہ، زیتونہ کتب خانہ تونس وغیرہ کے فہرست نگار شامل ہیں۔

ابن خلکان نے اسی جلدوں میں اس کے مکمل ہونے کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ امام موصوف نے اس میں عجائب بھر دئے ہیں۔ جب کہ یاقوت حموی نے اجزاء کے لحاظ سے ان کی اصل کے تجزیہ کے حوالہ سے پانچ سو ستر جزء بتائے ہیں اور نسخہ جدیدہ کے آٹھ سو اجزاء لکھے ہیں۔ ابن خلکان نے اپنے شیخ حافظ علامہ زکی الدین ابومحمد عبدالعظیم المنذری حافظ مصر کا قول نقل کیا ہے کہ میرا خیال ہے کہ اس شخص (عظیم) نے اس تاریخ پر اس وقت سے کام کرنا شروع کر دیا تھا جب انہیں اول اول شعور آیا تھا ورنہ ایسی کتاب تالیف کرنے میں تو انسان کی پوری عمر فنا ہو جاتی ہے۔ اور اس کے لئے اشتغال و تنبیہ کے بعد ایسی کتاب لکھی ناممکن ہے۔ پھر اس پر یہ صفت مستزاد کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سچ لکھا اور جو اس کی معرفت رکھتا ہے وہ اس قول کی سچائی کو تسلیم کرے گا۔ مزید یہ کہ امام موصوف نے صرف یہی کتاب

عظیم نہیں لکھی بلکہ اس کے علاوہ بہت سی مفید تالیفات بھی مدون کیں۔ انہوں نے لگ بھگ چالیس برس اس میں صرف کئے جیسا کہ یاقوت نے بھی لکھا ہے۔

تاریخ مدینہ دمشق کو بے انتہاء شہرت ومقبولیت ملی اس لئے متعدد متاخرین نے اس کی تلخیصات کیں۔ ان میں ابوشامہ (م ۶۶۵ھ)، ابن عبدالدائم المقدسی (م ۶۸۰ھ) بعنوان فاکیۃ المجالس وفکاھۃ المجالس ابن المکرم (م ۷۱۱ھ)، امام بدرالدین عینی (م ۸۷۹ھ)، امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) بعنوان تحفۃ المذاکر المنتقیٰ من تاریخ ابن عساکر اور متاخرین میں بدران عبدالقادر (م ۱۹۲۷ء) بعنوان تہذیب تاریخ ابن عساکر شامل ہیں۔ موخر الذکر پانچ جلدیں (۳۲-۱۳۲۹ھ) ان کی حیات میں اور باقی ان کی وفات کے بعد المکتبہ العربیہ دمشق (۵۱-۱۳۴۹ھ) میں شائع کیں۔ ان میں دو کا اضافہ کیا ہے۔

حافظ ابن عساکر کی تاریخ دمشق کے تکملے اور تتمے بھی ذیول کے عنوان سے لکھے گئے جیسا کہ عظیم تاریخوں کے سلسلۂ زریں کا سلسلہ رہا ہے۔ ان میں حافظ موصوف کے فرزند دلبند حافظ القاسم (۶۰۰-۵۲۷ھ/۱۲۰۳-۱۱۳۲ء) کا ذیل بہت اہم ہے۔ ان کے علاوہ صدر الدین البکری عمر بن الحاجب، البرزاری اور ابویعلیٰ کے ذیول شامل ہیں۔

مختصرات وتلخیصات میں علامہ ابن منظور (محمد بن مکرم ۷۱۱-۶۳۰ھ/ ۱۳۱۱-۱۲۳۲ء) کی مختصر تاریخ دمشق بہت اہم ہے جس کی سیرت نبوی پر دوسری جلد ہے اور روحیۃ النحاس کی تحقیق اور محمد مطیع الحافظ کے مراجعہ کے بعد دارالفکر دمشق سے ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں چھپی ہے اور اس میں کل ۴۳۱ صفحات ہیں۔ یہ اس کی اولین طباعت ہے۔ ابن منظور افریقی مصری انصاری خزرجی روافعی تھے۔ وہ مصر کے معزز اور صاحب علم گھرانے کے فرد تھے۔ قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں ابن المقیر، مرتضیٰ بن حاتم، یوسف بن المخیل، عبدالرحمٰن بن طفیل شامل تھے سبکی اور ذہبی اور برزال نے بھی ان جیسے روایت حدیث کی ہے۔ وہ حدیث سے زیادہ لغت ونحو اور ادب کے امام تھے، تاریخ میں بھی ان کو مہارت تامہ حاصل تھی اور شعر گوئی سے بھی شغف تھا۔ وہ ایک روایت کے مطابق جید مصنف تھے کہ پانچ سو کتابیں اپنے ہاتھ سے مکمل ہوئی چھوڑیں۔ صفوی کے مطابق انہوں نے ادب میں ہر کتاب کا اختصار بھی کیا۔ ان کی سب سے مشہور کتاب تو "لسان العرب" ہے جو ۶۸۹ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ وہ عربی زبان کی سب

سے عظیم لغت ہے ان کی دوسری کتب یہ ہیں: (۱) مختار الامانی، (۲) مختصر تاریخ دمشق، (۳) مختصر تاریخ بغداد خطیب (۴) مختصر ذیل تاریخ بغداد از ابن النجار (۵) مختصر ذیل تاریخ بغداد ابن سعد سمعانی (۶) مختصر مفردات ابن البیطار، (۷) مختصر العقد الفرید از ابن عبد ربه (۸) مختصر زهر الآداب للحصری وغیرہ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار نے ایسی چودہ کتابوں کی فہرست دی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی ایک عمدہ کتاب نباء الازهار فی اللیل والنهار ہے جو ایک ادبی پر مرجع ہے کہ وہ مختلف اوقات شب وروز کے پسندیدہ اور خوشگوار اوقات کے متعلق نظم ونثر کا ذخیرہ لکھتا ہے۔ علامہ ابن منظور دراصل اپنی لغت کے لئے مشہور ہی نہیں بلکہ لافانی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ لغت کے علاوہ شعر وادب، تاریخ وثقافت، جغرافیہ وزبان وغیرہ کا ایک اہم ترین ماخذ اور لاثانی مرقع ہے۔

مقام ومرتبہ

امام عساکر اگرچہ متعدد علوم وفنون کے ماہر تھے جیسا کہ ان کے تذکرہ نگاروں کے عمومی بیانات کے علاوہ ان کی تصانیف کے عناوین بھی بتاتے ہیں لیکن ابن خلکان کے بقول ان پر حدیث کا فن غالب ہوگیا تھا اور اسی میں ان کی شہرت بھی ہوئی۔ وہ اپنے عہد میں شام کے محدث اور شافعی فقہاء کے سربرآوردہ ترین میں شامل تھے۔ بقول امام ذہبی وہ حافظ ثقہ، متقن، دیندار، عظیم صفات کے حامل تھے وہ متن واسناد دونوں کے ماہر وجامع تھے۔ ان کا علم وسیع، فضل جلیل، قراءت صحیح اور مطالعہ کثیر الجہات تھا۔ انہوں نے سفر وحضر میں بے پناہ مشقت ومحنت سے حدیث کا علم حاصل کیا تھا اور اپنے معاصرین میں امتیاز کے مالک بنے تھے۔ سعد الخیر کہا کرتے تھے ابن عساکر کی سنن جیسی نے نظیر کتاب نہیں دیکھی۔ حافظ ابن العلاء الھمدانی نے شیخ التاج المسعودی سے کہا تھا کہ اگر تمہیں مجھ سے کوئی افضل شخص ملے تو مجھے بتانا میں تم کو ان کے پاس جانے کی اجازت دے دوں گا لیکن ابن عساکر کے پاس تم بلا اجازت جاسکتے ہو کہ وہ عظیم حافظ ہیں۔ حافظ ذہبی نے متعدد دوسرے اکابر کے حوالہ سے امام موصوف کی عظمت ومنزلت کا ذکر کیا ہے جیسے حافظ عبد القادر کہا کرتے تھے کہ ان سے زیادہ حافظ نہیں دیکھا۔ ابن النجار کہا کرتے تھے کہ امام ابو القاسم اپنے وقت میں امام المحدثین تھے جن پر حفظ واتقان اور

نقل و معرفت کی روایت وسیادت ختم تھی۔

سیرت وکردار

امام موصوف کے فرزند محدث بہاء الدین القاسم کا بیان حافظ ذھبی نے نقل کیا ہے کہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ جماعت اور تلاوت کے پابند تھے اور ہر رات ایک قرآن ختم کرتے اور رمضان میں ہر دن میں ختم کر لیتے۔ اور اس زمانے میں وہ منارہ شرقی میں اعتکاف بھی کرتے تھے وہ کثرت سے نوافل پڑھتے اور اذکار کرتے تھے اور عیدین کی راتوں میں نماز وذکر میں سارا وقت بسر کرتے تھے اور ہر حال ولمحہ میں اپنا احتساب کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی سند پر اپنے والدین ماجدین کے خوابوں اور بشارتوں کا بھی ذکر کیا ہے جن میں کہا گیا تھا کہ ابن عساکر عظیم الشان ہوں گے اور اللہ تعالی ان کے ذریعہ سنت زندہ کرے گا۔ ان کے تلامذہ ومعاصرین ان کو بے مثال اور بے نظیر مانتے تھے اور بقول قزوینی امام فراوی جیسا عالم ان سے پہلے نہیں اٹھتا تھا۔ یاقوت حموی اور ابن خلکان نے حافظ ذھبی کی مانند امام موصوف کی مذکورہ بالا صفات کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض دوسرے علماء ومحدثین کے حوالہ سے ان پر اضافہ بھی کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ اشعار بھی کہتے تھے۔ اور سمعانی کی مذیل کی سند پر ان کے بارہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو انہوں نے سمعانی کو مزہ/دمشق، بغداد اور نیساپور میں سنائے تھے۔ اگر چہ ان کے اشعار کو بہت 'قوی'' نہیں کیا ہے۔ ابن خلکان نے بھی ان کے اشعار کے نمونے دئے ہیں اور ان کو لاباًس بہ کہا ہے۔

طریقہ تالیف

بنیادی طور سے حافظ ابن عساکر محدث تھے اس لئے سیرت وتذکرہ کی روایات وطرز نگارش سے واقف ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی کتاب سیرت کو محدثین کے طرز تحریر کے مطابق ہی مرتب کیا۔ چونکہ ان کی کتاب کا اصل محور فکر وعمل تو دمشق کی تاریخ تھی اور جس کے حوالہ سے وہ شام اور اس کے دوسرے امصار کی تاریخ وتہذیب بھی بیان کرتے تھے اور وہ سیرت نبوی پر براہ راست نہیں لکھ رہے تھے اس لئے ان کو کسی ربط وتعلق کی تلاش تھی اور یہ رابطہ کی کڑی رسول اکرم ﷺ کے دو اسفار

بصری/شام نے فراہم کر دئے۔ چنانچہ حافظ موصوف نے انہیں دونوں سے اپنی کتاب سیرت کا آغاز کیا اور ان دونوں کو اولین باب کتاب بنا کر سیرت نبوی کے دوسرے ابواب کی طرف گریز کر گئے۔ موضوعاتی لحاظ سے اسماء گرامی، کنیت سامی، نسب جلیل، ولادت، کفالت وغیرہ پر کتاب سیرت ابن عساکر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتاب کے مباحث میں ملے گی۔ طریقۂ نگارش کے امتیازی خطوط حسب ذیل ہیں:

حافظ ابن عساکر محدثین کرام کے مطابق ہر روایت کو اس کی اسناد سے بیان کرتے ہیں اور بلا سند کوئی روایت نہیں دیتے۔ اور ایک واقعہ سے متعلق اکثر اوقات کئی روایات یا کم از کم ایک سے زیادہ روایات نقل کرتے ہیں۔ ان کی مثالیں پوری کتاب میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اگر چہ حافظ موصوف کا عنوان باب یا سرنامۂ فصل ایک یا دو موضوع پر روشنی ڈالتا ہے۔ تاہم ان کی اندرونی روایات اکثر و بیشتر متعدد موضوعات اور واقعات اور حالات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مثلاً عنوان تو رسول اکرم ﷺ کا اولین سفر شام اور دوسرا سفر شام ہے لیکن اس کے تحت آپ کی دوسری سوانحی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ اسی طرح کنیت وغیرہ کی تیسری فصل یا باب میں آپ ﷺ یا آپ کے متعلقین کرام کے بارے میں مزید تفصیلات ملتی ہیں۔

محدث ہونے اور طریقۂ نگارش حدیث کی پیروی کرنے کے باوجود حافظ ابن کثیر اہل سیر کی روایات کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ ان کو مناسب مقام اور موزوں اہمیت دیتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اکثر و بیشتر حدیثی روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح حافظ ابن عساکر کی سیرت نبوی کے ابواب وفصول دونوں مکاتب فکر کی روایات کے جامع اور ان کے نمائندے ہیں۔

امام ابن عساکر کے مصادر و مآخذ بہت گوناگوں ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ تمام دستیاب مآخذ سے اپنی متعلقہ معلومات اکٹھی کر لیں۔ ان کے اہم ترین مصادر یہ ہیں: سب سے پہلے ان کی اپنی اسانید پر مروی روایات کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حافظ موصوف طریقۂ محدثین کے مطابق اکثر و بیشتر احادیث و سیر دونوں کی معروف یا غیر معروف روایات اپنی سند پر بیان کرتے ہیں اور اپنے شیخ اول سے اس کو آخری شیخ/صاحب کتاب تک پہونچاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابن ہشام، ابو بشر ہارون بن حاتم، زبیری، ابن البرقی، بیہقی، ابن حنبل، خطیب بغدادی، زبیر بن بکار

،ابوبکر طبری، خلیفہ بن خیاط، ابوعبداللہ الحافظ (بخاری) ابن کلبی، الصنعانی، ابن مندہ، ابونعیم، مسعودی، ابن ابی شیبہ، ابن ابی شریح، امالی اموی، مسلم ترمذی، ابوبکر شافعی، ابن حنبل، ابن الاعرابی واقدی وغیرہ شامل ہیں۔

حدیثی طریقۂ نگارش کے مطابق امام ابن عساکر اکثر وبیشتر روایات اوران کے طرق اور احادیث اوران کی اسناد پر نقد بھی کرتے ہیں اوران میں سے صحیح ترین کو ترجیح دیتے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ موصوف بعض روایات سیرت اوراحادیث کے سلسلہ میں خاصے توسع سے کام لیتے ہیں کہ بہت سی کمزور روایات بھی قبول کرلیتے ہیں خاص کر رسول اکرم ﷺ کی بعثت ونبوت کے بارے میں کاہنوں، راہبوں، یہودی عالموں وغیرہ کی پیشگوئیوں کے سلسلہ میں۔

موضوعاتِ کتاب ابن عساکر کے تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ امام موصوف سیرت نبوی کا خاصا محدود تصور رکھتے ہیں کہ متعدد اہم مباحث کو اپنے ہاں بار نہیں دیتے اور بعض غیر اہم موضوعات ومباحث کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جیسے اسماء، کنیت، نسب پر زیادہ بحث کرتے ہیں یا متعلقات سیرت جیسے اعمام وعمات، ازواج واولاد، آباء واجداد، مولد واہل کی عظمت ومنزلت وغیرہ پر زیادہ زور دیا ہے۔ اسی طرح آپ کے محاسن جسمانی اوراخلاقی کے ابواب زیادہ مفصل ہیں۔ان میں واقعات سیرت اور حالات وکوائف دعوت پر بحث کم ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن تعزی بردی — المنہل الصافی

ابن الجوزی — المنتظم ۱۰/۲۶۱

ابن حجر عسقلانی — الدرر الکامنۃ حیدر آباد ۱۳۵۰ھ — ۴/۲۶۲ (ابن منظور کے لئے)

ابن خلکان — وفیات الاعیان، بولاق ۱۲۹۹ھ

۴۱۴، (طبقہ دارالمامون مصر جلد ۱۳، ۱۴ ص ص ۸۷-۷۳

ابن شاکر — فوات الوفیات ۱۲۹۹ء — ۲/۲۶۵ ابن منظور کے لئے)

ابن العماد — شذرت الذہب — ۴/۲۳۹ (۶/۲۶ ابن منظور کے لئے)

ابن کثیر — البدایۃ والنہایۃ — ۱۲/۲۹۴

تذکرۃ الزمان — ۸/۳۳۶

ابن منظور — لسان العرب ۱۲۹۹ھ — ۱۳۴۸ء جلد اول

ابن الوردی — ۲/۸۷

ابوالفداء — تاریخ

احمد بکر نائب — المنہل العذب فی تاریخ طرابلس الغرب ص ۱۵۷

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ ابن عساکر (از بروکلمان وعبدالمنان عمر)

بروکلمان — ۱/۳۳۱ اور تکملہ ۱/۵۶۶،

بطرس البستانی — دائرہ المعارف — ۱/۶۰۳

التاجی — مجموعۃ التاجی

حسام الدین القدسی — مقدمہ تبیین المفتری مطبوعہ ۱۳۴۷ھ

ذہبی — طبقات الحافظ، حیدر آباد دکن ۴/۱۲۴-۱۱۸، دول الاسلام ۲/۶۳

زرکلی — الاعلام — ۳/۹۹-۹۹۰

مفتاح السعادۃ

زبیدی	تاج العروس (ابن منظور کے لئے)	
سبکی	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	۴/ ۷-۲۷۳
السیوطی	بغیۃ الوعاۃ	۱۳۲۶ھ/ ۱۰۶
ابن منظور	حسن المحاضرہ	(۱/ ۲۶۳-۲۲۹، ابن منظور)
الصفدی	الوافی بالوفیات استانبول ۱۹۳۱ (ابن منظور کے لئے)	
	نکت العمیان مطبع ۱۹۱۱ء ص ۲۷۵، الواعی ۱/ ۵)	
طاش کبری زادہ	مفتاح السعادہ	۱/ ۷-۱۰۶ (ابن منظور کے لئے)
صلاح الدین المنجد	دیباچہ تاریخ مدینہ دمشق	ص ھ تا ک/ ۵-۵۵
الیغمی	تنبیہ الطالب	
یاقوت حموی	ارشاد الاریب/ معجم الادباء، مکتبہ النہضہ المصریہ قاہرہ ۱۹۴۸ء	
	دوم ۷۳-۷۱، ۴۱۴	

حافظ ابن عساکر کی سیرت نبوی

تاریخ مدینۃ دمشق

مدتوں تک ابن عساکر کی کتاب عظیم کا اصل مسودہ مخطوطہ کی حد تک رہا اور وہ بھی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اہل علم نے زیادہ تر اس کے خلاصوں اور تلخیصات سے کام چلایا۔ پھر بعض اجزاء مل گئے۔ رفتہ رفتہ اس کا کامل مخطوطہ دستیاب ہو گیا جس کے بعض حصے چھپ کر منظر عام پر آ گئے ہیں اور ان میں تاریخ دمشق کا جزء سیرت بھی شامل ہے۔ البتہ اب پورے مخطوطے کی فوٹو اسٹیٹ نقل مختلف کتب خانوں میں موجود ہے جن میں بنارس کے جامعہ سلفیہ کا کتب خانہ بھی شامل ہے۔ اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ امام ابن عساکر کی تاریخ مدینۃ دمشق ابوبکر خطیب بغدادی کی کتاب مدینۃ السلام (بغداد) کے انداز پر مبنی ہے۔ اور اسی کی طرح ضخیم وجلیل ہے۔ وہ مقامی اور سوانحی تاریخ کے ذریعہ اسلامی تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔

مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق نے حافظ ابن عساکر کی تاریخ مدینۃ دمشق کی طباعت کا بیڑا اٹھایا ہے اور اس کے دو حصوں / جلدوں کو، جو سیرت نبوی پر مشتمل ہیں، نشاط غزاوی کی تحقیق کے ساتھ قسم اول اور قسم دوم میں چھاپ دیا ہے۔ قسم اول ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء کی طباعت ہے اور قسم دوم بھی غالباً اسی زمانے کی ہے۔ اول میں کل چار سو چھہتر صفحات ہیں اور ان کے علاوہ پیش لفظ، ابن عساکر کے سوانحی خاکہ اور تحقیقی منہج، خطوطات کا عکس کے صفحات بیس عددان پر مستزاد ہیں۔ متن کتاب کے کل صفحات تین سو نواسی ہیں، پھر محقق گرامی کے معادن غزوہ بدر کی فہارس ہیں جیسے فہرس موضوعات (۹۵-۳۹۳) فہرس شیوخ ابن عساکر (۴۳۲-۳۹۶)، فہرس اسماء الکتب (۳۵-۴۳۳)، فہرس

آیات قرآنیہ (۷-۴۱۹)، فہرست احادیث شریفہ و آثار (۶۵-۴۳۸)، جو اسماء و افعال میں منقسم ہے اور تیسری آثار موقوفہ کی ہے۔ پھر فہرس اشعار ہے (۷-۴۶۶) اور مراجع کی فہرس کے بعد مختصر فہرس الفہارس ہے (۶-۷-۴۶۹)۔ یہ کتاب بڑی تقطیع پر چھپی ہے۔ اور قسم دوم کے کل صفحات کا علم نہیں ہو سکا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب لاجواب میں احمد نامی بزرگوں کے ذکر خیر کے تحت رسول اکرم ﷺ کا ذکر عظیم کیا ہے اور پہلے آپ کے اسماء گرامی کی فہرست اور عدنان تک نسب نامی دیا یہ اور بصریٰ کے دو اسفار قبل بعثت ہمراہ عم گرامی ابوطالب اور برائے تجارت خدیجہ کا ذکر کر کے ان کی تفصیل الگ الگ اسانید کے ساتھ دی ہے جس میں آپ ﷺ کی سوانحی تفصیلات بھی موجود ہیں اور دونوں اسفار کی تفصیلات بھی۔ اس میں آپ کی صفات اور جاہلی دور میں مذہبی اور اخلاقی حالت کا بھی بیان ہے پہلے سفر کے خاتمہ پر ابوطالب کے اشعار بھی ہیں۔ اول و دوم اسفار میں بنیادی مآخذ ابن اسحاق وابن سعد کے علاوہ ان کی اپنی مرویات ہیں (۱۲-۱)۔

دوسرا باب کا عنوان ہے "باب معرفة اسمائه وانه خاتم رسول الله وانبيائه" جس میں احادیث سے مع اپنی اسناد کے اسماء گرامی کا ذکر کیا ہے اور بعض بعض روایت میں کئی کئی سندیں ہیں۔ اس میں قرآنی آیات کا بھی حوالہ ہے اور اشعار کا بھی اور اسی کے ساتھ ختم نبوت کا اظہار و اعلان بھی (۲۶-۱۲)۔

تیسرا باب "معرفة كنيته، ونهيه ان يجمع بينها وبين اسمه احمد من امته" ہے جس میں آپ کی کنیت شریعہ اور کنیت و اسم گرامی دونوں سے کسی امتی کو موسوم کرنے سے متعلق روایات ہیں (۳۱-۲۶) اور دونوں حصوں کو الگ الگ بیان کیا ہے (۳۶-۳۱) ان روایات میں بعض سوانحی اور واقعاتی معلومات بھی مذکور ہیں جیسے آخری روایت میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تفصیلات ہیں۔

چوتھا باب آپ کے نسب سامی اس کی عظمت وجلالت اور انتخاب پر ہے جس میں احادیث و آثار معہ اسناد مروی ہیں۔ مختلف روایات کے طریقہ نے معلومات کا اضافہ کرنے کے علاوہ متعدد سوانحی اور واقعاتی جزئیات بھی پیش کی ہیں جن سے سیرت کا مواد ملتا ہے جیسے آباء و اجداد کا ذکر اور سوانح، نسب کی طہارت، نسب کے مرحلے اور معتمد و غیر معتمد حصے، حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے اخبار

، سیرت ابن ہشام، ابن اسحاق، طبقات ابن سعد اور دوسرے مآخذ کی روایات کے فروق۔ دوسرے مآخذ میں تاریخ ابی بشر ہارون بن حاتم، زبیری، ابن البرقی وغیرہ شامل ہیں (۵۳-۳۶)۔

پانچواں باب آپ ﷺ کی ولادت، کفالت، بعثت سے قبل کی زندگی پر باندھا گیا ہے جس میں صحیح احادیث وآثار وروایات کے ذریعہ آپ کی تاریخ ویوم ولادت اور دوشنبہ کی آپ کی زندگی میں اہمیت کو خاص کر بیہقی، ابن حنبل اور متعدد دوسرے طرق سے بیان کیا ہے۔ مورخین و ماہرین نسب میں زبیر بن بکار، ابن سعد، ابن ہشام، ابن اسحاق، خطیب بغدادی، ابوبکر طبری، دلائل بیہقی، تاریخ خلیفہ وغیرہ شامل ہیں (۶۳-۵۳)۔ ان کے علاوہ دوسرے مآخذ سے بھی آپ کے والد ماجد عبداللہ کا ذکر خیر کیا ہے جن میں زبیر بن بکار خاص طور پر نمایاں ہیں (۶۵-۶۳) پھر ولادت سے متعلق واقعات وحالات کا ذکر ابن سعد، بیہقی، ابوعبداللہ الحافظ کے حوالہ سے اور والدہ ماجدہ کی وفات اور دادا عبد المطلب کی کفالت کا ذکر ہے۔ اس میں معجزات کا بھی حوالہ ہے (۶۹-۶۵) وحی و بعثت سے قبل آپ کی صفات کا ذکر کرنے کے ساتھ عبدالمطلب اور ابوطالب کی کفالت کا ذکر لائے ہیں اور اس کے بعد نبو سعد میں حضرت حلیمہ کی رضاعت بیان کی ہے جو ابن اسحاق وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ اس میں دوسرے مآخذ کا بھی ذکر ہے (۸۰-۶۹)۔

چھٹا باب والدہ، دادیوں، چچاؤں اور پھوپھیوں کے ذکر سے متعلق ہے اور اس کا آغاز ہے اور اس کا آغاز سورہ توبہ: ۱۲۸ سے کیا ہے اور اس کی تشریح ابن عباس سے ہے۔ والدہ ماجدہ حضرت آمنہ، رضاعی ماں حضرت حلیمہ، دادی حضرت فاطمہ بنت عمر مخزومی اور اوپر کی جدات کا ذکر ابن سعد، زبیر بن بکار کے حوالے سے کیا ہے۔ ان میں عواتک اور فواطم کا ذکر نسب کی روایات اور سیرت کے آثار سے کیا ہے۔ عبدالمطلب کی اولادوں میں آپ کے تمام چچاؤں اور پھوپھیوں کا مختلف اسانید اور ان کی روایات سے ذکر ہے اور ان میں زبیر بن بکار، ابن اسحاق، ابن سعد وغیرہ اہم ہیں (۱۰۲-۸۰)۔

ساتواں باب اولاد/فرزندوں و دختران نبوی اور آپ کی ازواج مطہرات کے ذکر خیر کے لئے خاص ہے پہلے اولادوں کا ذکر ابن سعد، ابن الکلبی (جمہرہ) اور دوسری روایات کی بنا پر کیا ہے جن میں مصعب زبیری، زبیر بن بکار، مصنف الصنعانی، ابن مندہ اہم ہیں۔ اور اولاد کے ذکر میں تکرار روایات بھی ہے جو حضرت خدیجہ کی اولاد کے لئے خاص ہیں۔ ان کے تمام کا ذکر خاصا مفصل ہے

(۳۵-۱۰۲)۔ اس کے بعد ازواج مطہرات کا ذکر ہے جو وفات کے وقت بیوگان نبوی کی تعداد سے شروع ہوتا ہے اور نکاحی اور بلا نکاحی ازواج کا ذکر ترتیب تاریخی کے ساتھ کرتا ہے پھر قبیلہ وار ان کا ذکر خیر ہے، حضرت خدیجہ کے ضمن میں ان کی اولادوں کا اور حضرت ماریہ کے ضمن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر عزیز ہے۔ پھر ازواج، باندیوں، سراری اور مطالقات کی ذیلی فصل بھی بلاعنوان ہے جس کے متعدد مآخذ ہیں جیسے دلائل و سنن بیہقی وغیرہ۔ پھر حضرت خدیجہ کے شوہروں اور حضرت خدیجہ کے بعد دوسری ازواج نبوی کا بیان مزید ہے۔ پھر ازواج کی فہرست ابن اسحاق دی ہے اور تیرہ ازواج کی تعداد بتا کر ان کی تفصیل دی ہے۔ پھر پیغام دی جانے والی خواتین کا ذکر ہے اور متعدد ازواج سے شادی کا مزید ذکر دوسری روایات کی بنا پر کیا ہے۔ ان تمام مباحث میں اسناد کی عبارت زیادہ اور روایات/متون کی کم ہیں۔ بعض بعض روایات البتہ مفصل ہیں جیسے حضرت جویریہ سے شادی کا واقعہ۔ اس میں واقدی کی مغازی سے ریحانہ کا بھی ذکر لائے ہیں (۱۰۲-۱۳۵)۔

آٹھواں باب آپ کے مولد و اصل کے ذکر اور نسب کی عظمت پر پھر باندھا ہے جو ابن سعد وغیرہ سے مروی ہے اور جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ کے تمام نسبی سلسلے نکاح پر مبنی تھے اور ان میں سفاح کا شائبہ تک نہ تھا۔ اسی میں قتیلہ بنت نوفل کی پیشکش اور حضرت عبداللہ کے انکار کا واقعہ بھی ہے۔ اس میں حضرت حسان وغیرہ کے اشعار بھی کافی تعداد میں ہیں۔ خطیب بغدادی، ابن سعد وغیرہ کے حوالہ سے مختون و مسرور ولادت ہونے کا بھی ذکر ہے (۱۳-۲۰۱)۔

نواں باب آپ کی جسمانی / خلقی صفات اور معنوی اخلاق کے لئے وقف ہے جس میں حضرات علی بن ابی طالب، ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کے بیان کردہ شمائل نبوی مسند ابن حنبل وغیرہ سے نقل کئے ہیں اور احبار یہود کی بیان کردہ صفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسرے مآخذ میں ابوزرعہ اور دوسرے طرق ابونعیم، مسعودی، ابن ابی شیبہ، ابن ابی شریح، امالی بروایت اموی کا ذکر کر کے حضرات صحابہ کرام جیسے علی، ابوبکر، عمر وغیرہ کی روایات شامل ہیں اور خضاب وغیرہ کا بھی حوالہ ہے۔ پھر خواب میں دیدار نبوی کی اہمیت کا ذکر ہے، آپ کے چہرہ انور، چال ڈھال اور دوسرے اعضاء و جوارح کا ذکر اور صفت مختلف مآخذ سے کیا ہے جن میں صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ کی روایات ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ام معبد کی تعریف و توصیف اور حضرت حسان وغیرہ کے اشعار بھی مذکور ہیں۔ ان کی متعدد سندوں کا مزید ذکر

کیا ہے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ کی حدیث کو متعدد طرق سے بہت مفصل بیان کیا ہے۔ جس کے بعد صفت نبوی میں حدیث عائشہ کا ذکر بھی ہے (۳۰۷-۲۱۳) آپ کے اخلاق ومحاسن کا ذکر متعدد احادیث سے جسمانی شمائل کے ذکر کے بعد بہت مفصل کیا ہے (۲۵-۳۰۷) اس میں حضرات صحابہ کرام کے علاوہ متعدد مؤلفین کرام کا بھی ذکر ہے جیسے ابوبکر شافعی، ولائل بیہقی، مسند ابن حنبل اور دوسرے طرق واسانید وغیرہ۔

دسواں باب کتب ساوی میں رسول اکرم ﷺ کی لغت وصفت اور انبیاء کرام کی بشارات پر مبنی ہے اس میں تورات وانجیل وغیرہ کا ذکر مختلف مآخذ سے کیا ہے جیسے ابن اسحاق، ابن حنبل، ابن سعد، اور دوسرے طرق وغیرہ۔ پھر بیت المقدس کے احبار کی تعریف ہے اور ایک یہودی عالم سے حضرت علی کی توصیف ہے اور اس کے بعد قرآن مجید میں آپ کی بشارتوں کا ذکر بھی لائے ہیں، کعب عالم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور ان کی زبور، حضرت عیسیٰ وغیرہ کی بشارات کا خاتمہ اشعار پر کیا ہے (۳۵-۳۲۵)۔

گیارھواں باب آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں یہودی وعیسائی علماء، راہبوں اور کاہنوں کی بشارات سے متعلق ہے جو صحابہ کرام جیسے حضرات ابوہریرہ اور مؤلفین عظام جیسے ابن سعد اور یہودی علماء جیسے یہودی مکی ساکن، عبداللہ بن صوریا، عبدالمطلب سے یمن کے سفر کے دوران ایک یہودی عالم کی بشارات پر مبنی ہے۔ مآخذ میں ابن الاعرابی دلائل بیہقی، غیلانیات، ابن سعد شامل ہیں۔ حضرات ورقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش اور دوسرے حنفاء کے حالات بھی اس میں مذکور ہیں پھر صاحب الدیر، عیصا الراہب، حضرت جارود بن المعلیٰ کی بشارات ہیں اس میں موخر الذکر کے وفد اور قبول اسلام اور ان کے حوالہ سے قس بن ساعدہ ایادی کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ ان کے اشعار وخطبات کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں۔ اور الفاظ واصطلاحات کی تشریح بھی ہے۔ پھر عبدالمطلب سے سیف بن ذی یزن کی پیشگوئی کا ذکر ہے۔ دلائل بیہقی سے پھر اخبار وآثار نقل کیے ہیں جو ابن ذی یزن کے بارے میں ہیں۔ اس کے بعد ہاتف غیبی اور کاہنوں کی پیشگوئیاں ہیں ان میں متعدد کاہنات بھی تھیں اور ان کے علاوہ اشعار بھی ہیں (۷۰-۳۳۵)۔

بارھواں باب رسول اکرم ﷺ کے قلب کو پاکیزہ کرنے اور جوف مبارک کو صاف کرنے کے واقعہ شق صدر پر ہے جو متعدد صحابہ کرام کی احادیث وروایات پر مبنی ہے جیسے انس بن مالک، ابوذر

غفاری وغیرہ پھر اولین امر نبوت کے حوالہ سے اس کا ذکر مسند ابن حنبل، حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام کے روایات وسوالات کے حوالہ سے ہے۔ ان میں دعوت اسلامی کے متعدد واقعات بھی بیان ہوئے ہیں اور اولین اسلامی تعلیمات بھی۔ حضرت حلیمہ کی حدیث شق صدر بہت مفصل اور متعدد طرق سے نقل کی ہے (۸۹-۳۷۰) اور اسی پر امام ابن عساکر کی سیرت نبوی کی جلد اول تمام ہوتی ہے۔

تاریخ مدینة دمشق کے حصہ سیرت نبوی کے محقق گرامی نشاط غزاوی کے مطابق جیسی کہ انہوں نے اپنے پیش لفظ میں تصریح کی ہے اس کی دوسری جلد/جزء ثانی/قسم ثانی سیرت نبوی کے باقی حصہ پر مشتمل ہے اور وہ بارہ ابواب پر مبنی ہے اس کا آغاز اسراء ومعراج کے باب سے ہوتا ہے اور خاتمہ دلائل نبوت کے مختصر بیان پر ہوتا ہے۔

چونکہ تاریخ مدینہ دمشق کی سیرت نبوی پر دوسری جلد کسی کتب خانہ میں کم از کم راقم سطور کو دستیاب نہیں ہوسکی اس لئے اس کی تلخیص پر اکتفا کرنی پڑی جو روحیۃ النحاس کی تحقیق اور محمد مطیع الحافظ کے مراجعہ کے بعد مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر کے عنوان سے شائع ہوئی ہے اور اس کی تالیف امام ابن منظور محمد بن مکرم (۷۱۱-۶۳۰ھ) کے قلم سے ہوئی تھی۔ دارالفکر دمشق نے ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء میں اسے شائع کیا ہے۔ دوسری جلد کی سیرت نبوی کے کل صفحات ۴۳۱ ہیں۔ امام ابن منظور کے اس مختصر میں اصل کتاب کے ابواب کو بالعموم برقرار رکھا گیا ہے البتہ کہیں کہیں بعض ابواب کو مزید ابواب میں تقسیم کرکے ان کی تعداد بڑھادی گئی ہے۔ اصل کتاب ابن عساکر کی جلد اول کے جو ابواب اس مختصر میں لائے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں: احمد سیدنا رسول اکرم ﷺ، ذکر قدومه ﷺ بصری، ذکر معرفة اسمائه وانه خاتم رسول الله، ذکر معرفة کنیته، ونهیه ان یجمع بینها وبین اسمه، ذکر نسبه والاختلاف فیه، معرفة امه وجداته وعمومته وعماته، ذکر طهارة مولده وطیب اصله، ذکر مولده ﷺ ومعرفة من کفله وماکان من امره قبل ان یوحی الیه، ماجاء فی الکتب من صفته وبشرت به الانبیاء من بعثه، اخبار الاحبار والرهبان والکهان بنبوته، باب صفته خلقه ومعرفته خلقه، باب تطهیر قلبه من النحل، باب عصمته الله بالرسالة عماکان یرتکبه اهل الجهالته، کیف کان بدء نبوته وبعثته، ذکر الوقت الذی اوحی فیه الیه

ومعرفته اول ما نزل من الوحی ،ذکر ما قاسی رسول اللہ ﷺ من التعذیب والتکذیب وذکر بعض ما ورد فی فضله فی القرآن ، ماورد فی اصطفائه علی العالمین وانتخابه من المرسلین ۔مذکورہ بالا عناوین وابواب کا موازنہ اگر اصل کتاب کے ابواب سے کیا جائے تو دونوں کے طریقۂ کار کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔

ابن منظور کے مختصر سیرت ابن عساکر کے مطابق اصل کتاب کے دوسرے حصہ کا پہلا عنوان ذکر عروجه الی السماء واجتماعه بالانبیاء ہے اور اسی کا دوسرا متعلقہ باب ہے ذکر ماخص به وشرف به من بین الانبیاء ۔ان دونوں ابواب میں رسول اکرم ﷺ کی معراج کا مفصل بیان ہے اور اسراء بیت المقدس کا مختصر۔ ۴۷-۱۱۴)۔

باب مختصرمن دلائل نبوته وماظهر من بركته کافی مفصل ہے اور بہت سے دلائل وخیرات وبرکات محمدی کا جامع ہے اس کے تمام اہم ترین مباحث یہ ہیں: شق قمر، دوران بچپن بلکہ پالنے میں چاند سے مناجات، بادلوں کا سایہ کرنا، پہاڑوں، درختوں اور پتھروں کا سلام کرنا، کھجور کے تنے اور اس کے درخت کا سجدہ کرنا، کھجور کے درختوں اور پتھروں کی فرمانبرداری، پاگل لڑکے کو شفاعطا کرنا، جس بکری کی دست نوش فرمائی اس میں برکت ظاہر ہونا، اونٹ کی شکایت کا مداوا کرنا، بھیڑے کا آپ کی نبوت پر ایمان لانا، آپ کی دعا سے اشیاء میں برکت ہونا، مختلف جانوروں کا ایمان لانا، جنات کا قبول اسلام کرنا، نومولود کا ایمان لانا اور رسالت کی شہادت دینا، آپ کی بعثت پر شیاطین کا فرار، انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا، غزوات حنین وغیرہ میں آپ کی بددعا سے دشمن کا شکست کھانا، مختلف اصحاب کے لئے دعا کرنا، خاتم نبوت سے مشرف ہونا، گناہ کبیرہ کرنے والے امتیوں کی شفاعت کا ثبوت، پشت کی طرف ظاہری آنکھ سے دیکھ لینا اور ہجرت کے اعزاز سے سرفراز ہونا وغیرہ دوسرے بہت سے دلائل کا ذکر کیا گیا ہے (۸۵-۱۳۸)۔

اس کے بالمقابل رسول اکرم ﷺ کے غزوات وسرایا اور جنگوں پر مشتمل اگلا باب نسبتاً مختصر ہے (۱۸۶-۲۰۱) ان پندرہ سولہ صفحات میں ان کا مختصر اور اشاراتی ذکر زمانی ترتیب سے کیا گیا ہے جو محض فہرست سازی کے ضمن میں آتا ہے۔ان سے تاریخی اور جنگی واقعات کا علم نہیں ہوتا اور نہ ہی کچھ زیادہ تفصیلات ملتی ہیں۔

آپ کی شخصیت وکردار اور اوصاف سے متعلق جو ابواب ومباحث ہیں وہ کافی تعداد میں ہیں اگر چہ مختصر ہیں جیسے ایک باب آپ کی شجاعت وبہادری کا بیان ہے۔ دوسرے میں آپ کی فصاحت وبلاغت اور زباندانی کا ذکر خیر ہے۔ تیسرے میں ابواب جود وسخا اور عطاء کرم کی تفصیل ہے، چوتھے میں آپ کی جسمانی طہارت، اخلاقی پاکیزگی اور حسن صورت وسیرت کا بیان ہے۔ پھر ایک باب میں رسول اکرم ﷺ کی حیا وشرم، اور آپ کی پابندی عہد اور پاسداری وغیرہ کی تفصیل ہے۔ آپ کے مزاج اور فراخ دلی کا ذکر ایک باب خاص میں کیا گیا۔ اور اس کے بعد ایک جامع باب آپ کے احوال وافعال اور اقوال پر باندھا گیا ہے۔ جسمانی توصیف میں آپ کے موئے مبارک، ان کے رنگ وروپ، لباس وخضاب وغیرہ پر ایک باب قائم کیا گیا ہے۔ اخلاقی وروحانی پہلو کے بیان کے لئے ایک باب کو خشیت وتواضع الٰہی، امت پر رحمت وکرم اور صحابہ کرام کے ساتھ حسن سلوک ونرم روی کے لئے خاص کیا گیا ہے۔ اور ایک اور باب آپ کی دنیاوی ضرورتوں کی تقلیل اور حسن عبارت پر ہے۔ (۶۱-۲۰۲)۔

آپ کی اولاد گرامی، بنات عالیہ، ازواج مطہرات اور کنیزان خاص پر بہت مفصل باب قائم کیا گیا ہے۔ فرزندوں میں سات اسماء والقاب- قاسم، عبداللہ، ابراہیم، طاہر، مطہر ومطیب - کا ذکر ہے اور دختروں میں چاروں بنات مطہرات کا- ازواج طاہرات کا ذکر خیر مختلف عناوین اور سرناموں کے تحت کیا ہے جیسے وہ ازواج جن کے ساتھ شب زفاف گذاری، ان میں بارہ خواتین کا ذکر ہے جن میں ام شریک غزیہ اور الشاہ بنت رفاعہ (بنوکلاب) کے اسماء گرامی نئے ہیں۔ گیارہ ازواج مطہرات کا ذکر اس سرخی کے تحت کیا ہے کہ یہ آپ کے پاس بیک وقت موجود تھیں۔ پھر وفات کے وقت ازواج کا ذکر ہے جس میں نو کی تعداد متفقہ ہے۔ طلاق یا وفاۃ کے سبب جن خواتین کا نکاح قائم نہیں رہا اور جن کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں کی گئی اگلی سرخی ہے جس کے تحت تیرہ ازواج کا ذکر ہے۔ ازواج طاہرات سے متعلق آخری سرخی اور بحث ان خواتین کے تعلق سے ہے جن کو پیغام تو دیا گیا مگر ان سے نکاح وزواج نہیں کیا گیا۔ ان کی تعداد پانچ بتائی گئی ہے۔ آپ کی باندیوں (سریات) میں دو مذکور خواتین حضرت ماریہ قبطیہ اور ریحانہ بنت شمعونی یا زینب الخفافیہ کا ذکر ہے اور دو غیر مسمی باندیوں کا حوالہ بھی ہے (۹۵-۲۶۲)۔

اگلا باب "معرفة عبيده امائه وخدمه وكتابه وامنائه" کے تحت ہے جس میں آپ کے غلاموں، باندیوں خادموں اور کاتبوں اور امینوں کی معرفت کی تفصیل ہے جس کے مطابق غلاموں

کی تعداد ۱۴ تھی، باندیوں کی تعداد نوتھی خادموں میں سے بارہ حضرات کا ذکر خیر کیا ہے۔ کاتبین نبوی میں سے ستائیس حضرات کا حوالہ اور ذکر ہے۔ ان میں المحفوظ عبداللہ بن سعد القرشی العامری کے نام کے ساتھ المحفوظ کا اضافہ خاصا دلچسپ ہے، ابوعبدالرحمٰن قرشی اموی اور ابوعیسیٰ ثقفی کے اسماء گرامی نئے معلوم ہوتے ہیں جو دوسرے مآخذ میں موجود نہیں ہیں۔ امینوں میں عامر بن عبداللہ بن الجراح ابوعبیدہ قرشی فہری، عبدالرحمٰن بن عوف اور مقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی گنائے ہیں (۳۳۰-۲۹۶)۔

ایک فصل آپ کے ہتھیاروں، سواریوں اور ماکولات ومشروبات کے ذکر میں قائم کی ہے۔ تلواروں، نیزوں حربوں، تیروں کمانوں وغیرہ کے علاوہ آپ کے زرہ بکتروں، خوروں وغیرہ کا بھی ذکر اسی میں ہے جو اصطلاحی طور سے ہتھیاروں سے زیادہ جسمانی حفاظت کے آلات تھے۔ آپ کی سواریوں میں آپ کے زیرران رہنے والے جانوروں کا بیان ہے جیسے آپ کی اونٹ، اونٹنیاں، خچر، گھوڑے وغیرہ۔ ماکولات ومشروبات میں آپ کے زیراستعمال رہنے والی متعدد غذاؤں کا بیان ہے اور مشروبات کے حوالے سے بعض کنوؤں کا بھی (۲۶ - ۳۴۸)۔

اس کے بعد کی تمام فصول وابواب کا تعلق آپ کی حیات مستعار کے آخری زمانے سے ہے۔ ایک باب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو آپ کی وفات کی خبر دے دی تھی اور اختیار دین ودنیا یا دنیا وآخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حق دیا تھا: **باب اعلام اللہ بنبیہ بتوفیہ** (۷۱-۳۶۷)۔

دوسری فصل میں آپ کے مرض الموت اور وفات کے دن کی تسمیہ وتعیین کا ذکر ہے۔ اسی میں مرض کے آغاز، اس کی شدت وکیفیت اور اس زمانے کے حالات وواقعات کا بیان ہے پھر تاریخ وفات پر پوری بحث ہے اور اس سلسلہ میں کئی روایات نقل کی ہیں (۸۶-۳۷۲) تاریخ وفات سے زیادہ اس میں اس کے دن پر زیادہ زور ہے۔

"*تاریخ الوفاۃ والخلاف فی قدر حیاتہ*" کے عنوان سے جو اگلی فصل ہے اس میں ان تمام روایات کو جمع کیا ہے جو آپ کی عمر شریف کی مدت، مکی مدنی قیام، نبوت سے قبل کی زندگی اور بعد بعثت کی مدت، تنزیل قرآن کے حوالے سے اس کی تعیین وغیرہ کا ذکر کرتی ہیں۔ اس بعث میں جمہور

علماء وسیرت نگاروں کی رائے بھی دی ہے اور دوسری اختلافی روایات وآراء بھی (۹۰-۳۸۷)۔

اگلی فصل میں یہ بحث ہے کہ آپ ﷺ کے غسل میت، تجہیز وتکفین میں کون حضرات شریک تھے اور کس نے کیا خدمت انجام دی تھی، آپ کا کفن کس کپڑے کا تھا اور اس کی تعداد ومقدار کیا تھی۔ پھر آپ کی قبر کی صفت پر بحث کی ہے (۴۰۳-۳۹۱)۔ اسی سے متعلق اگلی فصل یہ قائم کی ہے کہ صحابہ کرام میں آپ کی تدفین کے مقام یا قبر شریف کے موضع پر اختلاف ہوا اور اس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیان کردہ حدیث ورائے کے تحت فیصل کیا گیا کہ موضع وفات ہی پر نبی اکرم ﷺ کا مقام تدفین بھی ہوتا ہے (۵-۴۰۴)۔

اس کے بعد ایک فصل میں ان حدیثوں اور نبوی فرمانوں کو جمع کر دیا ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرنا بالکل اسی طرح ہے جیسے آپ کی وفات سے قبل آپ کی ''حضرت'' کی زیارت کی گئی ہو اس میں بعض اور دوسری بحثیں بھی ہیں جو زیارت نبوی سے تعلق رکھتی ہیں۔ (۸-۴۰۶)۔

اگلی بحث رسول اکرم ﷺ کی نماز جنازہ سے متعلق ہے اور اصول بحث کے علاوہ آپ کے جنازہ مبارک پر صحابہ کرام کی نماز پڑھنے کی کیفیت سے بھی بحث کرتی ہے (۱۱-۴۰۹) اور آخری فصل وباب کتاب میں ان روایات واحادیث کو جمع کر دیا ہے جن میں رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے والے کے لئے ثواب کا لامتناہی وعدہ کیا گیا ہے۔ اس پر حافظ ابن عساکر کی تلخیص اور ابن منظور کی مختصر تاریخ مدینہ دمشق ختم ہوتی ہے۔

امام سہیلی

(۵۸۱-۵۰۸ھ/۱۱۸۵-۱۱۱۴ء)

اسلامی اندلس میں سیرت نبویہ کے جن رجحانات نے ارتقا پایا ان میں کسی قدیم ماخذ سیرت کو بنیاد بنا کر اس کی شرح وحاشیہ نگاری بھی تھی۔ قدیم مآخذ سیرت میں سب سے زیادہ مقبولیت سیرت ابن ہشام کو حاصل ہوئی۔ اگر چہ سیرت ابن ہشام خود سیرت ابن اسحاق کی تہذیب وتلخیص تھی تاہم وہ اتنی مقبول عام وخاص ہوئی کہ اصل کتاب کو ماند کر کے اس کی جگہ بنیادی کتاب اور حوالہ کی تالیف بن گئی اور اس کی مختلف زمانوں میں کئی شروح لکھی گئیں۔ ان میں اندلسی عالم حافظ سہیلی کی الروض الانف نہ صرف عظیم ترین سمجھی جاتی ہے بلکہ اپنے اضافات وتشریحات کے سبب سیرت نبویہ کی کلاسیکی کتاب سمجھی جانے لگی ہے۔ کیونکہ امام سہیلی نے اس میں بعض بہت ہی بنیادی اضافے کر کے اس کو لازمی کتاب سیرت بنا دیا ہے۔

نام ونسب

حافظ سہیلی کا اصل نام عبدالرحمٰن تھا۔ ان کی تین کنیتیں بیان کی جاتی ہیں: ابوالقاسم، ابوزید اور ابوالحسن۔ ان کے والد ماجد کا پورا نام ابومحمد عبداللہ بن ابی عمر احمد بن ابی الحسن اصبغ بن حسین بن سعدون بن رضوان بن فتوح تھا۔ ابن خلکان نے ان کے نسب میں ان کے والد ماجد اور ان کے دادا کے ساتھ خطیب کے لقب کا استعمال کر کے واضح کیا ہے کہ ان کا خاندان خطیبوں کا خاندان تھا۔ کحالہ نے ان کو مورخ، محدث، حافظ، نحوی، لغوی، مقری اور ادیب کہا ہے۔ جب کہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو محدثین کے طبقہ میں شمار کر کے کہا ہے۔

ان کی ولادت اندلس کے شہر مالقہ کے قریبی گاؤں سہیل میں ہوئی تھی جس کی نسبت سے ان کو سہیلی کہا جاتا ہے ابن خلکان، کحالہ وغیرہ نے یہی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔ حافظ سہیلی اپنی اسی نسبت سے مشہور ہیں۔ ان کی ایک اور نسبت خثعمی بھی بیان کی گئی ہے۔ جو قبیلہ خثعم بن انمار کے نام پر ہے۔ وہ اندلسی بھی کہلاتے ہیں اور مسلک کے لحاظ سے مالکی بھی۔ عمر رضا کحالہ نے ان کو الضریر بھی لکھا ہے کہ ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔

ولادت اور تعلیم

ابن خلکان کے مطابق سہیلی کی ولادت ۵۰۸ھ/۱۱۱۴ء میں مالقہ یعنی سہیل میں ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنے وطن مالوف مالقہ میں تعلیم پائی۔ ان کے شیوخ واساتذہ میں ابن العربی کا نام کحالہ نے لکھا ہے۔ جب کہ قفطی نے امام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی کے علاوہ ان کے شیوخ میں ابومروان عبدالملک بن سعید بن بونہ قرشی عبدری اور ابوبکر محمد بن طاہر اشبیلی اور ان کے طبقہ کا ذکر کیا ہے۔ ابن مکتوم نے اپنی تلخیص میں ان کے دوسرے اساتذہ کا بھی ذکر کیا ہے جیسے قراءات کے علم میں ابوداؤد سلیمان بن یحیٰ بن سعید اور ابوعلی مغراوی سے ان کے استفادہ کا حوالہ دیا ہے اور حدیث میں ابوعبداللہ بن معمر، ابوعبداللہ بن مکی، ابن الحاج الذہبی، اور ابوبکر بن طاہر وغیرہ کے نام گنائے ہیں۔ اور ان کو اجازہ دینے والے شیوخ میں ابن اخت غانم، ابوعبداللہ، ابوبکر فندلہ اور ابن الطراوۃ کا حوالہ دیا ہے۔

ان کی زندگی کے بارے میں ہماری معلومات کافی کم ہیں۔ ابن خلکان نے زیادہ تر تشریح ان کی دو نسبتوں اور وطن مالوف اور ان کے اشعار کی کی ہے اور باقی تفصیل ان کی کتابوں کی دی ہے۔

تذکرہ نگاروں بالخصوص ابن خلکان اور کحالہ وغیرہ کا بیان ہے کہ امام سہیلی کی شہرت علمی دور دور تک پہونچی۔ اس میں ان کی تصانیف اور ان کے اشعار کے علاوہ ان کے زہد وتقویٰ اور ان کے کردار کا بھی خاصا دخل تھا۔ ان کی جلالت قدر اور علمی منزلت کا شہرہ سن کر ہی ان کو مراکش کے حکمراں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ مراکش میں وہ تین سال کے لگ بھگ مقیم رہے اور حکمران علم پرور کے حسن سلوک سے بہرہ مند ہوتے رہے۔ ان کی وفات مراکش میں ہی بروز جمعرات ۲۶ر شعبان ۵۸۱ھ کو ہوئی اور ظہر کے وقت وہیں دفن کیے گیے۔ شمسی تقویم کے اعتبار سے ان

کی تاریخ وفات تھی: ۱۱۸۵ء ابن خلکان نے بھی ان کے نابینا ہونے کا ذکر کیا ہے لیکن تفصیل کچھ نہیں دی۔

تصانیف سہیلی

ابن خلکان نے ابن دحیہ کے حوالہ سے ان کے تذکرہ میں ان کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) **الروض الأنف في شرح سيرة رسول الله ﷺ**

(۲) **التعريف والاعلام فيما ابهم في القرآن من الاسماء والاعلام**

(۳) **نتائج الفكر**

(۴) **مسألة روية الله تعالى في المنام وروية النبي ﷺ**

(۵) **مسألة السر في عور الدجال**

اور دوسرے بہت سے مسائل مفید کا ذکر عمومی انداز سے کیا ہے۔ جب کہ کحالہ نے مذکورہ بالا کتابوں میں سے تیسری اور چوتھی کو ایک کتاب قرار دے کر اولین حصہ کا نام نتائج النظر لکھا ہے۔ اور نحو میں ان کی ایک نامکمل کتاب ''**شرح الجمل للزجاجي**'' کا اضافہ کیا ہے۔ ابن خلکان اور کحالہ دونوں نے ان کے بہت سے اشعار کا ذکر کیا ہے۔ غالباً ان کا کوئی دیوان بھی رہا ہوگا۔

صفدی نے **نكت الهميان** میں ان کی مذکورہ بالا کتب کے علاوہ ایک کتاب ''**شرح آية الوصية**'' کا بھی ذکر کیا ہے جب کہ قفطی نے انباہ الرواۃ میں ان کی کتاب سیرت کا عنوان ''**الروض الانف والمنهل الروى في ذكر من حدث عن رسول الله ﷺ وروى**'' لکھا ہے اور کتاب سیرت لکھنے کا مقصد، اور اس کے بنیادی مآخذ ''سیرۃ ابن اسحاق'' اور ''تلخیص ابن ہشام'' کا ذکر کر کے مولف گرامی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ کتاب انہوں نے ایک سو بیس ''دیوان'' سے استخراج کی ہے خاص کر لغوی تحقیقات وتشریحات۔ یہ کتاب سیرت مطبعہ جمالیہ مصر سے ۱۳۳۱ھ میں چھپ چکی ہے اور صاحب کشف الظنون کے مطابق اس کا نام ''**الروض الانف في شرح غريب السير**'' ہے اور اس کا ایک اختصار امام ابن جماعہ (عزالدین محمد بن ابی بکر، م ۸۱۹ھ) نے ''**نور الروض**'' کے عنوان سے کیا تھا جب کہ قاضی القضاۃ یحییٰ المناوی (م ۸۷۱ھ) نے اس پر ایک حاشیہ لگایا تھا مگر

ان کے نواسے (سبط) زین العابدین بن عبدالرؤف نے اس حاشیہ کو نکال دیا۔

طریقۂ تالیف

حافظ سہیلی کی کتاب سیرت بنیادی طور سے سیرت ابن ہشام کی شرح ہے اس لئے بقول خود نامعلوم یا غیر معروف نام، نسب، کلام کی وضاحت، مشکل اعراب تلفظ کی صراحت، علمی، فقہی اور تاریخی مسائل پر تنبیہ و توضیح اور ناقص و نا تمام اخبار کی تکمیل و تشکیل کا کام انجام دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ وہ سیرت ابن ہشام کی عظیم ترین شرح ہے جو اس کے کسی حصہ کو تشنہ اور ناقص نہیں چھوڑتی۔

"الروض الانف" کا دوسرا اہم ترین وصف یہ ہے کہ وہ تقریباً ہر باب و بحث میں اپنے ماخذ و مصادر کا اہتمام کرتی ہے۔ اور متعدد سیرت نگاروں، محدثوں، فقہاء، علماء اور اہل ادب ولغت کے اقوال و آراء پیش کرتی ہے۔ سہیلی کے اہم ترین مصادر ہیں: ابن اسحاق، طبری، قیتی، ابن عبدالبر، ابن ہشام، واقدی اور دوسرے تمام سیرت نگار اور محدثین کرام۔ ان کے ہاں احادیث نبوی اور ان کے اہم محدثین اور کتابوں کا بھی حوالہ ملتا ہے۔ وہ تمام اکابر فقہاء کا بھی ذکر کرتے ہیں اور ان کی کتابں کے حوالے دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ تفسیر و ادب اور لغت وغیرہ کے اماموں کا بھی حوالہ دیتے ہیں۔

امام سہیلی نے ابن ہشام کی بعض تشنہ یا غیر مذکور مباحث کی تکمیل بھی کی ہے مثلاً ابن ہشام نے رسول اکرم ﷺ کے رضائی والد مکرم حضرت حارث بن عبدالعزیٰ اور ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے مگر سہیلی نے اپنے ذرائع سے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ایک غزوہ کے ضمن میں ابن ہشام اور ان کے بنیادی ماخذ ابن اسحاق نے صرف ایک "غفاری عورت" کا حوالہ دیا ہے اور سہیلی نے ان کی تعیین و شناخت کی ہے۔ اسی طرح بدر کے غزوہ کے ضمن میں ابن الحضرمی نامی تین اشخاص کے حوالہ سے بحث پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔ ازواج مطہرات کے بارے میں ابن ہشام کی بحث کو مکمل کیا ہے اور اس کی تشنگی دور کی ہے۔ ابن اسحاق نے ایک نام "علیہ" کو خلیفہ بنا دیا تھا اس تصحیف کی تصحیح کی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے اعمام گرامی کے باب میں زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں نئی معلومات فراہم کی ہیں۔ جن وفود کا ذکر ابن ہشام میں تشنہ ہے اس کی تشنگی دور کی ہے اور دوسرے وفود کا ذکر کیا ہے۔

شارح ابن ہشام کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ وہ ابن ہشام کی کتاب کے کسی واقعۂ سیرت پر پوری بحث کرتے ہیں اور اس کے تمام فقہی، اسلامی، تاریخی پہلوؤں کو سمیٹ لیتے ہیں مثلاً رضاعت نبوی کے باب میں وہ رضاعت کے نفس مسئلہ، اس کے اسلامی پہلو حضرت موسیٰ پر مراضع کے حرام ہونے کے مسئلہ کے علاوہ عرب روایات رضاعت پر بھی بحث کرتے ہیں۔ سہیلی کا یہ طریقہ اسماء کی لغوی تشریح، اعلام کی تعیین، غیر معروف افراد کی شناخت، اعراب، تفسیری و حدیثی مباحث غرض کہ ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اس کے لئے اسراء، ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ، تنزیل قرآن اور متعدد دوسرے مباحث کا حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

"الروض الانف" کی علمی اور تشریحی حیثیت نے اس کو ایک کتاب علوم وفنون بنا دیا ہے جس میں اسلامی تاریخ، سیرت نبوی تفسیری نکات، فقہی مسالک، نحوی اور لغوی مباحث، اماکن ومقامات کی جغرافیائی تشریح اور ہر قسم کی معلومات شامل ہو جاتی ہیں، مثلاً بعثت نبوی پر سہیلی نے جو کتاب المبعث مرتب کی ہے اس میں عمر نبوی کے بارے میں مختلف اقوال کا ذکر کرنے کے علاوہ یوم بعثت یعنی دوشنبہ کی اہمیت، آیت قرآنی و إذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین (سورہ) کی تشریح، 'اقرأ باسم ربک' کی تشریح اور اس سے مستنبط فقہی مسائل، بسملہ کی تشریح وتعبیر، جبریل کی بالخصوص اور دوسرے ملائکہ کے اسمائے گرامی کی تشریح، روایت امام بخاری میں مذکور لفظ "اَوَ مُخرِجیّ" کی تفصیل وتصریح، حضرت ورقہ سے آپ کی ملاقاتوں اور اس کے سلسلہ میں وارد الفاظ کی تشریح، حدیث فترۂ وحی کے ضمن میں آنے والے الفاظ حدیث "خشیت علی نفسی" کی تشریح، رمضان کی اہمیت اور اس ماہ میں نزول قرآن کریم کی مناسبت اور متعلقہ آیت قرآنی کی تشریح اور اس باب میں وارد ہونے والی احادیث اور اشعار کی تشریح وتعبیر سبھی کچھ شامل ہے۔ یہی صورت حال "فرض الصلوٰۃ" کے باب میں نماز کے بارے میں فقہی مسالک اور دوسرے مباحث سیرت میں نظر آتی ہے۔ اسراء ومعراج کے بیان میں وہ رویت باری پر علماء کرام کے اقوال سے بحث کرتے ہیں اور بعض دوسرے کلامی اور عقائدی مسائل پر بھی کلام کرتے ہیں۔ اس میں قرآن کریم کی متعدد آیات کی تفسیر بھی ملتی ہے اور احادیث ومحدثین کے اقوال کی تشریح وتوضیح بھی۔

ظاہر ہے کہ "الروض الانف" کی شارحانہ حیثیت ومقام نے امام سہیلی کو مجبور کیا ہے کہ وہ

واقعات سیرت کی اصل شاہراہ سے کترا کر تشریح و تفصیل اور تعبیر کی پگڈنڈیوں بلکہ بسا اوقات بھول بھلیوں میں گم ہو جائیں۔ مذکورہ بالا مباحث کے علاوہ امام سہیلی کی وہ بحث بہت زیادہ نمائندہ حیثیت رکھتی ہے جو انہوں نے ان سوالات قریش کے بارے میں کی ہے جن کو قریش نے یہود سے معلوم کر کے ان کے جوابات رسول اکرم ﷺ سے معلوم کرنے چاہے تھے۔ اس میں سورۂ کہف کی تشریح ، رقیم، کہف اور دوسرے الفاظ کی تشریح، مختلف شخصیات و اکابر جیسے ذوالقرنین اور مختلف امور جیسے روح وغیرہ کے بارے میں طویل بحثیں ہیں۔ اصل میں امام سہیلی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو ادنیٰ سی مناسبت یا ربط نظر آنا چاہئے اور وہ اس کی تشریح و تفصیل بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ مثلاً ہجرت حبشہ کے ضمن میں وہ بعض حبشی الفاظ کی تشریح کرتے ہیں، ہجرت اور ترک وطن کے اسلامی نقطۂ نظر پر بحث کرتے ہیں، کشتی اور جہاز میں نماز ادا کرنے کے فقہی مسئلہ کو موضوع کلام بناتے ہیں۔ کذب اور جھوٹ کے مسئلہ پر اسلامی حکم لگاتے ہیں۔ قرآن مجید کو مس کرنے کے سلسلہ میں طہارت کے موضوع پر بحث کرتے ہیں خاص کر غیر مسلم کے حوالہ سے۔

بہر حال اس تمام صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ حافظ سہیلی بیان سیرت نبوی میں اصل شاہراہ سے گریز کر کے گریزاں مباحث میں الجھ جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سیرت نگار نبوی نہیں ہیں بلکہ وہ سیرت نبوی کے شارح ہیں اس لئے جو بنیادی، ثانوی یا متعلقہ مسئلہ سیرت کا ان کے سامنے آ جاتا ہے وہ اس کی تشریح و تعبیر کو بجا طور سے اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

سہیلی نے اپنی کتاب میں بنیادی طور سے ابن ہشام کی سیرت کی ترتیب کی پیروی کی ہے اس لئے وہ موضوعاتی بحث پر اپنی کتاب کی بنیاد و نہاد اور عمارت قائم کرتے ہیں اور ابواب و فصول بالعموم سیرت نبوی کے مختلف مراحل و واقعات کو ہی بناتے ہیں جیسے نسب نبوی، ولادت نبوی، رضاعت نبوی، تعمیر کعبہ، بعثت نبوی، نماز کی فرضیت، قوم کی دشمنی، ہجرت حبشہ وغیرہ وغیرہ۔ مکی دور کی طرح مدنی عہد کے واقعات کو بھی وہ یکے بعد دیگرے ابواب و فصول کی شکل میں زیر بحث لاتے ہیں اور غزوات و سرایا پر تفصیلی نگاہ ڈالتے ہیں۔

چونکہ حافظ سہیلی بنیادی طور سے محدث تھے اس لئے وہ احادیث سے برابر استفادہ ، استدلال کرنے کے علاوہ ان کے حوالہ سے سیرت نبوی کے واقعات پر بحث ضرور کرتے ہیں اور اس

کے ساتھ ساتھ وہ فقہی مسائل کا تجزیہ و تحلیل بھی احادیث نبوی اور اقوال علماء و فقہاء کی روشنی میں کرتے ہیں جیسے رضاعت کے فقہی مسائل، کشتی میں نماز پڑھنے کا معاملہ، جھوٹ بولنے کا فقہی اور اسلامی حکم، تلاوت و مس قرآن کریم کے لئے طہارت کا حکم، تحریم خمر کی فقہی تفصیل، ربوا کی حرمت اور فقہی احکام ، طلاق مکرہ پر حنفی مسلک کی توضیح، جمعہ اور نماز جمعہ پر بحث، قبلہ کی فقہی حیثیت، اذان و اقامت کی فقہی حیثیت، شب رمضان میں مباشرت کے احکام وغیرہ۔

امام سہیلی سیرت نبوی کے باب میں اگر بعد کی اسلامی تاریخ سے متعلق بحث آجاتی ہے تو اس پر بھی اسی تفصیل و تشریح کے ساتھ کلام کرتے ہیں اور اس طرح اسلامی تاریخ کے بارے میں قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں جیسے حلف الفضول کے ضمن میں حضرت حسین اور حضرت ولید بن عتبہ کے اختلاف کا واقعہ، تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں وہ اس کی پوری تاریخ تعمیر اسلامی تا عہد خلیفہ المہدی بیان کرتے ہیں۔ اشخاص کے ضمن میں ان کی مابعد عہد نبوی سوانح بھی پیش کر دیتے ہیں۔

وہ محض شارح ابن ہشام ہی نہیں بلکہ وہ ناقد محدث بھی ہیں اس لئے کئی مقامات پر وہ ابن ہشام پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ جیسے شراب کے حرام ہونے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے سہیلی نے ابن ہشام پر سخت تنقید کی ہے۔ اسی طرح اسیران بدر میں سے اسلام لانے والوں کا ذکر نہ کرنے پر دونوں ابن اسحاق اور ابن ہشام پر نکتہ چینی کی ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام سہیلی کی ''الروض الانف'' صرف ابن ہشام کی سیرت کی شرح نہیں ہے بلکہ وہ اسلامی علوم و فنون کا دائرہ المعارف ہے جو تفسیر حدیث، فقہ کلام، سیرت اور تاریخ اور ادب و لغت کے بارے میں بہت قیمتی معلومات فراہم کرتا ہے۔ جہاں تک سیرت کے واقعات کا تعلق ہے تو وہ بہت سی نئی معلومات بھی اضافہ کر کے سیرت فہمی میں اضافہ کرتا ہے اور سیرت نگاری کی جہات کو وسیع کرتا ہے۔

مصادر و مآخذ

مصنف	کتاب	جلد/صفحہ
ابن الابار	التکملہ	دوم ۵۷۲-۷۵
ابن خلکان	وفیات الاعیان مکتبہ النہضہ المصریہ قاہرہ ۱۹۴۸ء	دوم ۳۲۳-۴ شمار ۳۴۴
ابن دحیہ	المطرب	۲۳۰
ابن قاضی شہبہ	طبقات	دوم ۶۹-۷۰
ابن العماد	شذرات الذہب	چہارم ۲۷۱-۲
ابن فرحون	الدیباج	۱۵۰-۵۱
ابن کثیر	البدایۃ والنہایۃ	دوازدہم ۳۱۸-۹
ابن مکتوم	تلخیص	۱۰۴
البغدادی	ایضاح المکنون	دوم ۴۵۱
البغدادی	ہدیۃ العارفین	اول ۵۲۰
حاجی خلیفہ	کشف الظنون	۴۲۱، ۶۰۴، ۸۶۹، ۹۱۷، ۱۰۱۲، ۱۳۴۱، ۱۶۶۲، ۱۹۲۴
خوانساری	روضات الجنات	۴۲۹-۳۱
ذہبی	تذکرۃ الحفاظ	چہارم ۱۳۷-۹
	مختصر دول الاسلام	دوم ۶۷
	اشارۃ التعیین مخطوطہ ورق ۲۷ بحوالہ قفطی	
سیوطی	بغیۃ الوعاۃ	۲۹۸-۹۹
	طبقات القراء	اول ۳۷۱
	المغرب فی حلی المغرب	۴۴۸
الصفدی	نکت الہمیان	۱۸۷-۸
المفتی	السعادۃ الابدیۃ	۱۵۸-۹
القفطی،	جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف انباہ الرواۃ مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم، دار الکتب المصریہ ۱۹۵۲ء،	دوم ۱۶۲-۶۴، شمار ۳۷۹
المقری	نفح الطیب	چہارم ۳۷۰-۱
یافعی	مرآۃ الجنان	سوم ۴۲۲-۳
یاقوت حموی	معجم البلدان	پنجم ۱۸۸

سہیلی کی الروض الانف

امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ خثعمی سہیلی (۸۱-۵۰۸ھ) کی کتاب الروض الانف اگر چہ ابن ہشام معافری کی مشہور عالم کتاب "السیرۃ النبویۃ" کی شرح ہے تاہم وہ اپنے اضافات وتحقیقات کے لئے نادر سمجھی جاتی ہے اور اس کی اپنی حیثیت ایک کلاسیکی اور طبعزاد کی ہوگئی ہے۔ لیکن اس کے ایڈیشن عام طور سے دستیاب نہیں ہوتے کہ وہ ذرا کم چھپتی رہی ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ مطبعہ جمالیہ مصر کا وہ نسخہ ہے جو ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ جلد اول بڑی تقطیع کے ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اور جلد دوم ۳۹۲ صفحات پر۔ متن کتاب جلد اول میں پورے صفحات پر محیط ہے اور اس کی فہرست عنوانات کے صفحات الگ ہیں لیکن جلد دوم میں وہ کتاب کے صفحات میں شامل ہے اس میں متن کتاب ۳۸۱ تک ہی ہے۔ اس طباعت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے حاشیہ پر ابن ہشام کی "السیرۃ النبویۃ" بھی چھپی ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے قاری اور محقق دونوں کے لئے یہ مفید تر ہے کہ وہ اصل کتاب کے متن کا اس کی شرح سے موازنہ کرتا جاتا ہے۔

متن کتاب کا آغاز "خطبۃ المؤلف 'اور مقدمہ الکتاب" سے ہوتا ہے۔ امام سہیلی نے ابن ہشام کے حمد وصلوۃ سے زیادہ مفصل حمد وصلوۃ کے بعد اپنی کتاب کی وجہ تالیف لکھی ہے کہ وہ کسی غریب لفظ کی تشریح، مشکل اعراب کی وضاحت، مغلق کلام کی توضیح، نامعلوم نسب کی صراحت، کسی فقہی اور علمی مسئلہ پر تنبیہ اور ناقص خبر کی تکمیل کے لئے اپنی بساط وعلم بھر اس کو املاء کرارہے ہیں اور اس کی تالیف کے مشکلات وحدود کا ذکر کر کے مدت تالیف بیان کرتے ہیں کہ وہ ۵۶۹ھ کے ماہ محرم میں شروع کی اور اسی سال جمادی الاولیٰ میں ختم کر لی۔ گویا کہ اس کی تالیف میں کل پانچ ماہ کی مدت لگی۔

امام سہیلی نے ابن ہشام کی سیرت کے جس نسخہ پر اپنا کام مبنی کیا ہے اس کی سند کم از کم چار سلسلوں سے دی ہے۔ پھر ایک خاص فصل میں ابن اسحاق سیرت کے اصل مؤلف کا سوانحی خاکہ دیا ہے جو ایک صفحہ سے زیادہ ہے اور ان کی کتاب کی سند ورواۃ کا مختصر ذکر کر کے تین سطروں میں ابن ہشام کا ذکر کیا ہے کہ وہ عبدالملک بن ہشام مشہور عالم اور علم نسب ونحو میں ممتاز حمیری معاضری تھے۔ وہ مصری تھے مگر اصلاً بصرہ کے باسی تھے اور مصر میں ۲۱۳ھ میں وفات پائی اور ان کی ایک کتاب انساب حمیر وملوک ہے اور دوسری کتاب **فی شرح ما وقع فی اشعار السیر من الغریب** (۵-۳)۔

سیرت نبوی کا آغاز امام سہیلی نسب مبارک سے کرتے ہیں اور محمد اور احمد ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ آپ کے موسوم ہونے کی حکمت الٰہی کے بیان کے لئے اپنی ایک کتاب **التعریف والاعلام بما ابهم فی القرآن من الاسماء والاعلام** کا حوالہ دے کر ولادت نبوی کے باب میں اس کے اعادہ کے امکان کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر آپ کے دادا عبدالمطلب کے اصلی نام، عمر اور مختصر سوانح کا ذکر ابن اسحاق کے علاوہ ابن قتیبہ کے حوالے سے بھی کرتے ہیں۔ پھر ہاشم کے نام اور ان کے وجوہ ومعانی تسمیہ کا مختلف حوالوں سے ذکر کر کے عبد مناف اور دوسرے اجداد کرام کے اسماء، ان کے معانی اور بعض نحوی وصرفی وجوہ وغیرہ کا مختلف ماہرین انساب وتاریخ کے اقوال کے ذریعہ ذکر کرتے ہیں۔ بہرحال یہ سلسلۂ نسب قصی، کلاب، مرہ، کعب، لوی، فہر، خزیمہ، مدرکہ وغیرہ سے ہوتا ہوا عدنان تک جاتا ہے اور درمیان میں بعض اسماء واعلام کی تشریح اشکال نہ ہونے کے سبب نہیں بھی کرتے جیسے مالک، نضر اور کنانہ وغیرہ کے باب میں کیا ہے۔ عدنان تک صحیح نسب بیان کرنے کے بعد اوپر کی پڑھیوں میں ''اضطراب'' کے وجود کا ذکر کر کے مختلف اقوال وآراء علماء ونسابین ابن اسحاق، طبری قمی، ابوعمر والنمری (ابن عبدالبر) وغیرہ بیان کرتے ہیں اور مختلف کتابوں کا بھی حوالہ دیتے ہیں (۱۱-۵)۔

نسب نبوی کے اس مجموعی ذکر کے بعد آپ کے اجداد کرام کا ذکر ابن ہشام کی ترتیب کے مطابق اوپر کی پڑھیوں سے پھر شروع کرتے ہیں اور انفرادی سوانح بیان کرتے ہیں۔ اس میں ترتیب کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام (۱۳-۱۱)۔ ان کے بھائیوں اور اولادوں وغیرہ ایک فصل ہے پھر ایک فصل میں قحطان اور ''عرب عاربہ'' کا بیان ہے (۴-۱۳)، پھر انصار کے نسب کا بیان ہے (۵-۱۴) اسی میں دو مختصر فصول میں سبا اور عرب کے پھیلنے اور سیل العرم کا ذکر ہے۔ اگلی فصل معد اور ان

کی اولاد کے ذکر کے لئے ہے (۱۵-۱۷)۔ پھر ترتیب سے یہ فصول ہیں: قصص بن معد کا ذکر (۱۷-۸) ، ربیعہ بن نصر اور اس کے خواب کا معاملہ (۱۸-۲۴) اس میں مختلف ذیلی فصول بھی ہیں جیسے حسان بن بتان اسعد کا نسب وغیرہ اس کے بعد حدیث تبع کی تشریح ہے (۲۵-۹)، لخنیعہ اور ذونواس کی خبر (۲۹-۳۰)، حدیث فیمون (۳۱-۲)، ابن الثامر کی خبر و معاملہ (۳۲-۵)، حدیث الحبشہ کے تحت یمن پر ابرہہ وغیرہ کا قبضہ (۳۵-۴۰)، پھر ابرہہ کے تعمیر کردہ کنیسہ اور فیل کا ذکر (۴۰-۵۶) پھر نعمان کے نسب اور اجداد ساطرون اور ان کے صاحب الحضر ہونے کی تشریح ہے (۵۶-۶۲)، صنم پرستی کی ابتداء (۶۲-۹) اور عبادت اوثان کا ذکر ہے۔ قریش اور نضر بن کنانہ پر بحث ہے (۶۹-۷۸) اسی میں نسب مبارک کے دوسرے اعلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ایک مختصر فصل میں "امھات النبی ﷺ" کے عنوان کے تحت بعض قریشی خواتین کا ذکر ہے (۷۸-۶۹)۔

سیرت مبارکہ کا اصل بیان "بـاب مـولـد النبی ﷺ" سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں والدہ ماجدہ کا نسب، خاندان بن زہرہ کے بانی کے نام کے معانی، ہمزہ کی وجہ تسمیہ (زمزم کا ایک نام ہمزہ بھی تھا)، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے پاس جرہم کا آنا، جرہم کی ولایت بیت اللہ، حرمت کعبہ اور جرہم کی سرکشی، اور ان کے بعض واقعات، مکہ کی تاریخ اور وجوہ تسمیہ، فضائل وغیرہ، قصی کا ملکی سیاست و سماج میں عروج، بعض اسماء کی تشریح، مناصب مکہ میں بنو سعد کا حصہ، اور بعض اکابر کا ذکر ہے۔ پھر بیت اللہ کی ولایت قصی پر فصل ہے جو ان کے حالات بیان کر کے مناصب کعبہ و مکہ پر بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار کے اختلاف کی روایات نقل کرتی ہے (۶۹-۹۰)۔ اگلی فصل "حـلف الفضول" کے لئے وقف ہے جس میں سہیلی نے وجوہ تسمیہ پر زیادہ بحث کی ہے (۹۰-۹۷) اس میں حدیث نبوی، حضرت حسین اور ولید بن عتبہ کے اختلاف کا ذکر کر کے عبد مناف کے فرزندوں کا خاص مبحث پیش کیا ہے، پھر ہاشم کے نکاح پر فصل ہے اور اشعار کی تشریح وغیرہ بھی ہے۔ اگلی بحث "حدیث زمزم" کے عنوان سے ہے جو اس کی تاریخ بیان کرتی ہے۔ اس میں عبد المطلب کے خواب اور پھر زمزم کی ان کی بازیافت پر ایک فصل ہے، دوسری ان کی نذر پر ہے، تیسری عبد اللہ کی حضرت آمنہ سے شادی، ان کے نسب، اور دوسرے متعلقہ امور پر ہے، اس کا خاتمہ ورقہ بن نوفل کی بہن رقیہ کی تجویز شادی اور بعض دوسری روایات کی تشریح پر ہوتا ہے (۹۷-۱۰۵)۔

اگلی فصل ولادت نبوی پر ہے۔ آغاز ابلیس کی بے چینی واضطراب والی روایت کے ذکر سے اور تفسیر بقی بن مخلد کے حوالے سے ہوتا ہے۔ آپ کے ولادت سے واقعات، معجزات اور مبشرات کا ذکر مختلف کتابوں اور علماء کے اقوال وروایات سے کیا ہے۔ سہیلی نے آپ کے نام نامی سے موسوم ہونے والے صرف تین افراد جاہلی کا ذکر کر کے ''خصائص اسمی'' بیان کئے ہیں۔ اور ولادت کی خاص فصل میں مختلف تاریخیں، جائے ولادت، والد کی عمر سے اٹھارہ سال کا فرق والد کی وفات کی تاریخ، آپ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ کے اسلام کے بارے میں روایات ہیں کہ ابن ہشام نے اس کو نظر انداز کیا ہے (۸-۱۰۸)۔

''حدیث رضاعت کی تشریح'' کے عنوان کے تحت رضاعت نبوی کے باب میں تمام نظریاتی اور واقعاتی روایات کا ذکر ہے (۱۳-۱۰۸)۔ اس میں اجر پر رضاعت، حضرت موسیٰ کے لئے مراضع کا حرام کرنے کی قرآنی آیات، حضرت حلیمہ کے ہاں کے قیام کے واقعات جیسے شق صدر وغیرہ اور آپ کی نشو ونما، فصاحت وبلاغت کا خاص بیان ہے۔ پھر چند مختصر فصول میں حلیمہ کے گھر سے والدہ کے پاس واپسی، ولادت کے وقت حضرت آمنہ کے قصور شام کو نور نبوی میں دیکھنے کے معجزہ، بکریاں چرانے کی نبوی روایت سے متعلق حدیث نبوی کی تشریح، چچا کی کفالت کی تشریح اور والدہ کی وفات کا ذکر ہے۔

''وفات عبدالمطلب'' کی فصل میں مختلف اشعار مراثی کی تشریح، بعض قبائل وبطون کے بارے میں تصریح کا زیادہ ذکر ہے (۸-۱۱۳)، پھر بحیرا کے قصہ اور ابو طالب کے سفر شام کے بارے میں خاص فصل ہے (۲۰-۱۱۸)، اگلی فصل ''قصۃ الفجار'' پر ہے جس میں اس جنگ کے نام کے وجوہ کے علاوہ تمام معرکوں کا ذکر ہے (۲۱-۱۲۰)، حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی کی فصل اگلی بحث ہے جو مختلف فصول پر مبنی ہے: اول سفر شام کے دوران نسطورا راہب اور اس کی پیشگوئی، نسب کے بارے میں حضرت خدیجہ کے قول (وسیط) وغیرہ کے بارے میں ہے، دوسری خویلد بن اسد کے نکاح نبوی کی تفصیل وتشریح کرتی ہے، سوم حضرت خدیجہ کے بارے میں آپ کے ایک قول کی تشریح اور نکاح کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔ چہارم حضرت خدیجہ کے بطن سے آپ کی اولاد امجاد پر ہے۔ پنجم حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ اور ان کی والدہ گرامی حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں ہے، ششم حضرت ورقہ بن نوفل کے سوانح، اشعار، اسلام وغیرہ کی تشریح کرتی ہے، ہفتم نور وضیاء کے موضوع پر ایک

شعر کی تشریح میں ہے۔ ہشتم ورقہ کے ایک شعر پر ہے۔ نہم بھی ایک قول کی تشریح آیات قرآنی اور اشعار وغیرہ سے کرتی ہے (۷-۱۲۱)۔

"بنیان الکعبة" کے عنوان سے اگلی فصل ہے۔ اس میں بیت اللہ کی تعمیری ساخت، اس کی لمبائی چوڑائی اور اونچائی، مختلف تعمیرات کی تشریح، قریش کی تحریک زبیر بن عبدالمطلب پر تعمیر کعبہ، حطیم کے بارے میں احادیث وروایات، شرف وفضیلت کعبہ، تعمیر مسجد حرام کی تاریخ اسلامی از عہد فاروقی تا عہد مہدی، خزانہ کعبہ اور اس کی چوری، عقاب یا طائر کی خبر، حجر کعبہ کی تحریر، حجر اسود کی تنصیب نبوی، حمس اور ان کی بدعات پر متعدد فصول اور مباحث شامل ہیں (۳۵-۱۲۷)۔ اگلی فصل عرب میں کہانت کی تاریخ اور واقعات بیان کرتی ہے، اس میں کہانت کے بارے میں احادیث اور بعض دوسرے واقعات کا بھی مختلف فصول میں ذکر ہے، پھر نفیل بن ریاح کے نسب اور احناف کا ذکر بھی ہے، ایک خاص فصل میں حضرت زید بن نفیل کی صنم پرستی چھوڑنے کا خاص بیان ہے، پھر ان کے اشعار کی تشریح میں بھی بعض فصلوں کی گئی ہے، اسی طرح متعلقہ امور اور نکات کی تشریح کر کے محسن حواری ،تورات میں صفت نبوی وغیرہ تشریحی امور پر فصل کا خاتمہ ہوتا ہے (۵۱-۱۳۵)۔

"کتاب المبعث" کے باب سے بعثت نبوی کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس میں بعثت کے وقت سن نبوی پر مختلف روایات واحادیث واقوال ہیں، دوشنبہ کی اہمیت، آیت قرآنی، "واذ اخذ اللہ میثاق النبین" کی تشریح، شجر وحجر کی تسلیم، غار حراء میں تحنث، نزول جبریل، نمط دیباج میں لپیٹ کر کتاب لانے کا واقعہ، 'اقرأ باسم ربک' کے فقہی مسائل، بسملہ کی تشریحی روایات، اسم ملائکہ خاص کر حضرت جبریل کے نام کی تشریح، بخاری کی روایت "اومخرجی" کی تشریح، حضرت ورقہ سے آپ کی ملاقاتیں اور بعض الفاظ کی تشریح، حدیث "خشیت علی نفسی" کی تصریح وتفصیل، رمضان میں نزول قرآن اور آیت قرآنی: "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" کی تفصیل ووضاحت ،حضرت خدیجہ کی تفریق درمیانِ فرشتہ وشیطان کی تفصیل، حضرت خدیجہ کی فضیلت پر حدیث نبوی کی تشریح، حضرت خدیجہ کو حضرت جبریل کے سلام کہنے کی حدیث کی تفصیل، فترۂ وحی کی مدت، اور بعض اشعار کی تشریح شامل ہے (۶۲-۱۵۱)۔

فرض الصلوة کے باب میں اول دو دو رکعتوں کے فرض ہونے اور پھر حضر میں نماز کی

رکعات میں اضافہ کرنے کے حکم الٰہی کی تشریح کئی احادیث سے کی گئی ہے۔ وہ نماز کی تاریخ اور فقہی مسالک کا بیان بھی ہے۔ پھر وضوء اور نماز کی تعلیم جبریلی کے باب میں احادیث وروایات پر محاکمہ کیا ہے، اولین مسلم پر مختلف اقوال کا تجزیہ کر کے حضرت علی کے بھائیوں اور والدہ کا ذکر کرتے ہوئے تین فاطمہ نامی خواتین کا ذکر خاص کیا ہے۔ پھر حضرت زید بن حارثہ کی سوانح اور قبول اسلام کا باب ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر کے اسماء، ان کے معانی، نسب، قبول اسلام کا خاص بیان ہے۔ اسی میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح، سعید بن زید سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سعود، نعیم بن عبداللہ النحام، مسعود القاری، ابوحذیفہ بن عتبہ، اسماء بنت عمیس، عامر بن ربیعہ، عامر بن فہیرہ وغیرہ کے نام ونسب، قبول اسلام وغیرہ کا معہ سوانحی تفصیلات کے ذکر کیا گیا ہے آخری فصل حکم الٰہی "فاصدع بما تومر" کی تشریح وتفسیر پر مبنی ہے (۶۹-۱۶۲)۔

"مبادا ۃ رسول اللہ ﷺ قومہ" اگلا عنوانِ مبحث ہے۔ آغاز لفظ "حدب" کی لغوی اور معنوی تشریح سے ہوتا ہے۔ قریشی وفد کی جناب ابوطالب میں حاضری کے ضمن میں ابوالبختری کے نام کی تشریح ہے۔ اس کے بعد آپ کے قول کہ اگر میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دے الخ کی تفسیر کی ہے۔ اگلی ذیلی فصل میں عمارہ بن ولید کے بارے میں قریش کے قول کی تشریح کی ہے پھر ابوطالب کے شعر کی تشریح ہے۔ اگلی فصل آیت قرآنی: ذرنی ومن خلقت وحیدا کی تفسیر کرتی ہے۔ اس کے بعد کی کئی فصول ابوطالب کے قصیدہ کی تشریح کرتی ہیں، پھر "حرب راحس" کی تفصیل ہے، اس کے بعد آپ کو قریش کے ہاتھوں ملنے والی اذیت کی فصل ہے جس میں زیادہ تر الفاظ کی تشریح ہے اور حضرت عمار بن یاسر کے خاندان کی تعذیب کا خاص حوالہ ہے۔ اگلی فصل میں بھی عتبہ کے ایک قول کی تشریح ہے۔ پھر حضرت حمزہ کے اسلام پر ایک فصل ہے جس میں ان کے نسب، رضاعت اور رسول اللہ ﷺ سے مختلف رشتوں کا ذکر ہے۔ بعد کی کئی فصول میں پھر تشریحات اقوال وروایات ہیں جیسے "ارایت الذی ینھیٰ" "اساطیر الاولین" وغیرہ کی تشریح، یہود کے پاس عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو بھیجنے کا قریشی منصوبہ، اور سوالات، سورہ کہف کے نزول، رقیم کی تشریح، سورۂ کہف کے مختلف الفاظ وآیات کی تشریح، ذوالقرنین کے بارے میں روایات، روح کی تشریح، استہزاء قریش کے باب میں الفاظ قرآنی اور آیات قرآنی کی تفسیر جیسے سورہ قلم میں تسعة عشر

کی تاویل، بعض استہزا کرنے والوں کے بارے میں تفصیل، سورہ اسراء میں مذکور ''حجاب مستور'' کی تفصیل اور بعض اکابر قریش کی تلاوت نبوی سننے کی روایات کی تشریح، تعذیب مسلمین کی تشریح اور اکراہ کے حال میں کہے گئے الفاظ کی فقہی تفصیل اور اقوال علماء حضرت عمار کے خاندان خاص کر ان کی والدہ سمیہ کی تعذیب وشہادت اور ان کے نسب کی تشریح، حضرت زنیرہ اور ام عمیس کے بارے میں تفصیل شامل ہے (۲۰۴-۱۶۹)۔

ہجرت حبشہ کا باب اگلا مبحث ہے۔ اس میں اہم نکات ومباحث ہیں: نجاشی کے نام کی تشریح، اولین مہاجرین حبشہ، حضرت عثمان اور حضرت رقیہ کی سوانح، دوسرے مہاجرین جیسے عمرو بن سعید اموی کے اسلام کی تفصیل، ان کے بھائی خالد، اور ان کے خاندان کے بارے میں مزید معلومات ،بعض مہاجرین حبشہ کے عدم ذکر پر ابن اسحاق کی گرفت اور سہیلی کے اضافے جیسے بنوالحارث میں تمیم بن الحارث کا، بنوزہرہ میں عبداللہ بن شہاب کا مطلب بن عبدعوف کے بھائی طلیب کا، پھر بعض اشعار کی تشریح اور نحوی صرفی تفصیل ہے، خاتمہ قبر نجاشی پر نور دیکھے جانے کی روایت کی تشریح پر ہوتا ہے (۲۰۴-۱۱)۔ اسی سے متعلق اگلا باب ہے جو صحابہ مہاجرین کے باب میں قریشی وفد کے حبشہ جانے سے متعلق ہے۔ اس کے اہم مباحث ہیں: قریشی وفد کے دوسرے رکن عبداللہ بن ابی ربیعہ کا اصل نام بحیرا اور اسلامی نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام ونسب اور بعض فرزندوں کا ذکر، عمارہ بن الولید کے بارے میں بعض اہم معلومات ،ہجرت اور ترک وطن کا اسلامی مسئلہ، حبشہ جیسے بعض الفاظ کی لغوی اور معنوی تشریح، نجاشی کے ملک وسلطنت کی واپسی کے بارے میں حدیث عائشہ کی تشریح، کشتی میں نماز پڑھنے کا فقہی مسئلہ، کذب کا فقہی اور اسلامی حکم، نجاشی کے ملک اور ایمان کے بارے میں بعض معلومات، اسلام عمر کے بارے میں کچھ تشریحات اور قرآن مجید کے لئے طہارت کے حکم کی تشریح، نومسلم کے لئے طہارت کا حکم، حضرت عمر کے قبول اسلام کے بارے میں اضافی روایت ابن اسحاق وغیرہ ،اس سے متعلق بعض الفاظ کی لغوی تشریح اور بعض نئی معلومات (۲۱۱-۱۹)۔ سہیلی نے حسب دستور قرآنی آیات، احادیث واقوال، کتابوں اور اشعار وغیرہ سے برابر استدلال کیا ہے۔

''حديث الصحيفة التى كتبتها قريش'' اگلی بحث کا عنوان ہے۔ اس میں ''تبت يدا ابى لهب'' کی تفسیر، ابوطالب کے ایک شعر میں وارد لفظ ''ذات بيننا'' کی تشریح، اور دوسرے

الفاظ کی تفصیل، ام جمیل بنت حرب کے حوالہ سے ''حمالۃ الحطب'' اور ''مسد'' کی وضاحت، عذاب جہنم کے بارے میں قرآنی الفاظ کی تاویل اور کلام عرب سے استشہاد، عاص بن وائل سے حضرت خباب کے کلام آیت قرآنی: ''ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله'' کی شان نزول اور فقہی احکام، بعض قرآنی آیات پر اعتراض قریش کی توجیہ، متعدد آیات قرآنی جو کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی تھیں کہ تفسیر جیسے ''عتل بعد ذلک زنیم ''سورہ کافرون، شجرۃ الزقوم، ان جاءہ الاعمیٰ اور ان سے مراد افراد کی تعیین اور ان کے نام ونسب کی تفصیل، مہاجرین حبشہ کو اہل مکہ کے قبول اسلام کا سبب، شعر لبید اور حضرت عثمان بن مظعون کے مخاصمہ کی تفصیل وتاویل، ابن الدغنہ اور اس کے حوالہ سے احابیش اور دوسرے الفاظ کی تشریح، صحیفۂ مقاطعہ سے متعلق بعض افراد قریش کے بارے میں معلومات اور مسلم ابتلاء کی تفصیل، متن سیرت ابن ہشام کے کئی الفاظ وتراکیب کی وضاحت، ذوالشریٰ اور ذوالکفین نامی اصنام کے بارے میں صراحت، تحریم خمر پر سہیلی کی ابن ہشام پر تنقید اور تحریم خمر کی تاریخی اور فقہی تفصیل قصیدہ اعشیٰ کے الفاظ کی تشریح، اراشی تاجر کے ساتھ ابوجہل کی زیادتی کے بارے میں الفاظ کی تشریح اور اسماء کی تفصیل، رکانہ کے ساتھ آپ کی کشتی وغیرہ اور رکانہ کے بارے میں مزید معلومات، نصاریٰ کی تشریح، ''المبیتۃ'' الابتر (سورۂ کوثر) وغیرہ الفاظ وتراکیب کی توضیح اس کے علاوہ بعض آیات قرآنی کی تفسیر (۴۲-۲۱۹)۔

اگلی فصل حدیث الاسراء میں وارد ہونے والے بعض الفاظ کی تشریح وتاویل پر ہے جیسے اسراء، اسراو بیداری یا منامی کی تفصیل، اسراء ومعراج کے واقعات کی وضاحت، براق کی تعریف وتوضیح، ملائکہ حفاظت کی تعداد اور سدرۃ المنتہیٰ کی وضاحت، اصحاب یمین کی صراحت، پانی کے بارے میں جاہلی روایت، صفات انبیاء کے لئے آنے والے بعض الفاظ کی تفصیل وتشریح، حلیہ وصفت نبوی کے الفاظ کی تشریح، رویت باری پر علماء کے اقوال ومسالک، مختلف آسمانوں پر انبیاء کرام سے نبوی ملاقات کی وضاحت، البیت المعمور کی تفسیر، صلوۃ کی فرضیت کی حکمت، پچاس کی جگہ پانچ نمازوں کی فرضیت کی توضیح، خازن جہنم مالک کے نہ ہنسنے کی توضیح، اور عذاب جہنم کی ہیبت ابوا کھانے والوں کا مسئلہ اور عذاب، طلاق مکرہ کے حنفی مسلک کی وضاحت، حضرت ادریس کے ''مکان رفیع'' کی تفسیر، استہزاء کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کی وضاحت اور آیت قرآنی کی مراد شخص کے نام

ونسب کی صراحت، لفظ ''عصر'' کی وضاحت اور قتل ابواز یہر دوسی کا پس منظر، بعض اشعار کے الفاظ وتراکیب کی تشریح، تحریم ربا کی حکمت (۵۸-۲۴۱)۔

''وفاۃ ابی طالب'' اگلی بحث کا عنوان ہے اور اس کے ذیلی مباحث ہیں: اسلام ابی طالب پر تاریخی اور فقہی بحث، مشرکین کے لئے استغفار کا اسلامی حکم اور ان کے خلود عذاب دوزخ کا معاملہ، اور آیت قرآنی ''ان امشوا واصبروا علیٰ الھتکم'' کی تفسیر (۶۰-۲۵۸)۔ اس کے بعد سفر طائف کا عنوان ہے اور اس میں امام سہیلی نے حسب ذیل امور پر کلام کیا ہے: طائف کی وجہ تسمیہ بعض الفاظ حدیث کی تشریح، آپ کو زخمی کرنے کے سلسلہ میں جو الفاظ ابن اسحاق نے استعمال کیے ہیں ان کی وضاحت، آپ کی اس موقع پر دعا کے الفاظ کی تشریح اور دوسرے الفاظ قرآنی اور مسائل پر بحث، عداس نصرانی کے قبول اسلام پر مفصل بحث، نصیبین کے وفد کے جن کی تفصیل قبائل کے سامنے پیش کرنے کی فصل میں آنے والے الفاظ واسماء کی وضاحت جیسے بنوحنیفہ، کندہ وغیرہ قبائل کے بارے میں معلومات اور بعض دوسرے قبائل کے ذکر کا سہیلی اضافہ، شعر سوید بن صامت کی تشریح، مجلّہ لقمان اور حرب بعاث کی تفصیل (۶۶-۲۶۰)۔

''انصار کے اسلام کی ابتداء'' اگلی بحث کا عنوان ہے۔ اس کے تحت سہیلی نے متعدد نکات کی تشریح کی ہے جیسے انصار، اوس، خزرج کے الفاظ وقبائل کی لفظی اور نسبی تحقیق، بیعت نساء کی قرآنی آیت کی تفسیر، بنوالنجار کے خاندان بنوجدارہ کی تشریح، ابوالہیثم بن التیہان کے نام ونسب کی وضاحت اور مختصر سوانحی خاکہ، حضرت مصعب بن عمیر کو اول مقری اسلام قرار دے کر ان کی سوانح اور ان کے مساعی کے بارے میں سہیلی کی تفصیلات، ابوامامہ کے حوالہ سے حزم النبیت نامی مقام کی تشریح، جمعہ میں صحابہ کرام کے اجتماع اور جمعہ کی فضیلت پر بحث اور اس کے احکام کی تشریح (۷۲-۲۶۶)۔

''سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کے اسلام'' کے باب میں جو امور مذکور ہیں ان میں سعد نامی افراد وقبیلوں کی تشریح، قبول اسلام کے وقت غسل کی شرائط، ابوقیس بن الاسلت کے شعر کی تشریح شامل ہیں (۳-۲۷۲)۔ اگلی فصل ''حضرت براء بن معرور اور بیت المقدس کی طرف منہ کرکے ان کے نماز پڑھنے'' سے متعلق ہے۔ اس میں تحویل قبلہ کے پس منظر، بیعت عقبہ ثالثہ میں دو عورتوں کی شرکت کے حوالہ سے ان کی تعیین وتشریح، بعض الفاظ کی تفصیل، بشر بن البراء کی ان کے والد کے حوالہ سے تعریف

اوران کی نماز جنازہ کی تفصیل، بارہ نقیبوں کی تقرری کی حکمت اور اس موقعہ پر ارشاد کردہ حدیث کے الفاظ کی وضاحت، مختلف شعراء اور افراد کی زندگی کے بارے میں تشریحی معلومات، حضرت عمرو بن الجموع کے قبل اسلام بت اور صنم پرستی کے بارے میں تفصیلات، شرکاء عقبہ کے بعض افراد وبطون کے بارے میں نام ونسب کی اور دوسری معلومات، حضرت ام سلمہ کی ہجرت میں حضرت عثمان بن طلحہ کی معاونت اور موخر الذکر کے اسلام وسوانح کا مختصر حوالہ، بنوجحش کے خاندان کے بعض افراد کے بارے میں معلومات، بعض اشعار وقرآنی آیات کی لغوی اور معنوی تشریحات، ہجرت حضرات عمر وعیاش کے ضمن میں بعض الفاظ کی تشریح، طویٰ کی وضاحت، طلحہ وصہیب کے کافر میزبان خبیب بن اسامہ کے نام ونسب، اسلام وغیرہ کی تفصیل، حضرات انسہ، ابوکبشہ کی سوانح، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ کے بارے میں معلومات اور بعض دوسری معلومات (۹۰-۲۷۳)۔

"**اجتماع قریش للتشاور فی امر النبی ﷺ**" سہیلی کی کتاب "الروض الانف" کی جلد اول کا آخری باب ہے۔ اس میں زیادہ تر بحث ایک نجدی شیخ جلیل کی صورت میں ابلیس کے شریک ہونے پر ہے، شیخ نجدی، شیخ جلیل، ابلیس کی متعدد مواقع پر موجودگی وغیرہ پر بحث کے علاوہ آپ کے بارے میں مختلف اکابر قریش کی تجاویز اور بعض الفاظ وتراکیب کی تشریح کا بیان بھی ہے (۹۲-۲۹۰)۔

کتاب "**الـــروض الانف**" کی جلد دوم کا آغاز ہجرت نبوی کے لئے اذن الٰہی سے ہوتا ہے جس میں سہیلی نے جامع بخاری اور ابن ہشام کے سوا اور دوسرے رواۃ ابن اسحاق کی بنا پر ہجرت نبوی کے بیان میں اضافے کئے ہیں جیسے روایت بخاری کی تشریح حضرت ام رومان کے نام ونسب کی توضیح، ہجرت حضرت عائشہ وخاندان صدیقی کی بعض تفصیلات، حضرت سودہ وغیرہ کو لانے کے لئے حضرت ابورافع وغیرہ کی مدینہ سے روانگی، حضرت عائشہ کی رخصتی اور مہر کی رقم، ہجرت نبوی کے سفر کے دوران استعمال ہونے والی اونٹنی کے بارے میں تفصیلات، قدوم خاندان پر حضرت ابوبکر کا خوشی سے رونا، کچھ متعلقہ اشعار، بیت اللہ کی محبوبیت وحرمت کے بارے میں ارشاد نبوی، حدیث الغار کی ذیلی فصل میں غار ثور کے محل وقوع اور اس میں قیام نبوی، حضرت ابوبکر کی خدمت وحزن کی وضاحت اور "روافض" پر تنقید، سراقہ بن مالک بن جعشم کنانی کے تعاقب اور معافی رسول اللہ ﷺ کے حوالہ سے

کسریٰ کے تاج سے ان کی سرفرازی وغیرہ کے بارے میں پیشگوئی کی تصدیق اور حضرت ابوبکر صدیق کے اس باب میں بیس اشعار، حدیث ام معبد کی فصل میں ایک جن کے اشعار اور ان کا جواب حضرت حسان کی زبان سے، ام معبد کے بارے میں تفصیل، مقام عسفان کی وجہ تسمیہ، دوسری منازل ہجرت جیسے ثنیۃ المرۃ، حجاج، مرج، مدلجہ وغیرہ کی جغرافیائی اور لغوی تشریح، ایک اوسی مرکب نبوی کی وضاحت، مدینہ آمد کی اور ہجرت کی متعدد تاریخیں، حضرت کلثوم بن الہدم کے بارے میں معلومات اور حضرت اسعد بن زرارہ وغیرہ کی وفات، مسجد قباء کی تاسیس، مدنی صحابہ کرام کے استقبال، مسجد نبوی کے مقام کی خریداری اور تعمیر کی تفصیلات، آپ کے مکانات کی تعمیر کی بعض تفصیلات، حضرت ابوایوب انصاری کے مکان اور اس میں گھڑے (حب) کے ٹوٹنے کے واقعہ اور بعض احادیث نبوی بروایت حضرت ام ایوب کی تشریح، ابواحمد بن جحش کے نام، مکی مکان، اس کی فروخت وغیرہ اور اس میں وارد الفاظ کی تشریح، اولین خطبہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ وتراکیب کی توضیح وتفسیر (۱۶-۲)

''یہود سے معاہدہ نبوی'' دوسرا مبحث ہے جس شرائط معاہدہ کی طرف مختصر اشارہ کے بعد یہود اور اوس وخزرج کی ہجرت اور مدینہ میں توطن، یثرب کی تشریح اور اس کی کراہت پر آیت قرآنی کے حوالہ سے بحث، مواخاۃ کے بعض نکات کی تشریح شامل ہیں (۱۹-۱۶)۔ اس سے اگلی بحث ''آغاز اذان'' پر ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن زید کے نام ونسب، اذان کے بارے میں ان کے رویاء اور اس سے پہلے لوگوں کو نماز کی خبر دینے کے بارے میں مختلف تجاویز صحابہ کا ذکر کیا ہے، پھر اذان واقامت کہنے کے فقہی حکم، اذان کے وحی الٰہی پر مبنی ہونے اور سات آسمانوں پر اس کے کلمات کی سماعت نبوی کی روایت پر بحث کی ہے اور خاتمہ آپ کے اذان دینے کے مسئلہ پر کیا ہے (۲۱-۱۸) اگلی فصل میں رمضان کی شب میں عورتوں سے مباشرت کی آیت (سورہ بقرہ) کی تفسیر ہے جو حضرت حرمہ بن ابی انس کے حوالہ سے ہے اس میں بعض اشعار وغیرہ کی بھی وضاحت ہے (۲۳-۲۱)۔ پھر ان یہود کے ناموں کی تعیین وصراحت پر ایک فصل ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے جیسے جدی بن اخطب، عزیر بن ابی عزیر، ثعلبہ بن فطیون وغیرہ۔ اسی ضمن میں آیت کریمہ **لا اکراہ فی الدین** اور **واللہ یعصمک من الناس** وغیرہ کی بھی تفسیر کی ہے (۵-۲۳)۔ پھر ''حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام'' کا عنوان باندھ کر ان کے نام، ان کے بزرگوں کی بشارات، آپ کی بعثت وقیامت کے قریبی اتصال

پر حدیث کی وضاحت، یہودی کی لغوی ومعنوی صراحت، اور حضرت عبداللہ کے اسلام وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور اسی کی ایک ذیلی فصل میں بعض منافقین کے بارے میں مزید تصریحات ہیں اور آیات قرآنی کی تفسیرات بھی (۲۸-۲۵)

''دوزرہوں کے چور بشیر بن ابیرق کے معاملہ'' کے عنوان کے تحت آیت کریمہ :'' ولاتجادل عن الذین یختانون انفسهم'' کی تفسیر اور شان نزول کے بارے میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔اس کے بعد منافقوں اور احبار یہود کے بارے میں نازل شدہ سورۂ بقرہ کی آیات خاص کر لفظ ''ریب'' پر بحث کی ہے۔دوسرے الفاظ قرآنی میں مرض (قلوب)، اہل الکتاب وغیرہ شامل ہیں۔پھر حروف مقطعات کی ابجدی قدر و قیمت کے یہودی فکر و فلسفہ، اہل کتاب کی روایات کی تصدیق وتکذیب نہ کرنے کی حدیث نبوی، حروف کے ''معانی جمہ اور فوائد لطیفہ'' کا ذکر کیا ہے۔اسی طرح تحویل قبلہ کی آیت قرآنی میں شطر وغیرہ کی تفسیر، بنوقینقاع کے باب میں آیت کریمہ: قل للذین کفروا استغلبون الخ وغیرہ، ربانیین، آناء اللیل، ایان مرساها، فاسقین، رجم کے حکم وغیرہ کی تشریح وتعبیر کی ہے(۴۵-۲۸)۔اس کے بعد کی بحث بھی قرآنی آیات سے خاص کر جو نصاری نجران کے بارے میں اتری تھیں کی تفسیر سے متعلق ہے جیسے ''ان مثل عیسیٰ عند الله'' الخ، منه آیات محکمات، الراسخون فی العلم، احبار وغیرہ کے دلائل واعتراضات کا جواب، حضرت مریم کی والدہ کی تعیین اور ان کے قول/آیت ربانی، ''رب انی وضعتها انثی''، دعوت مباہلہ، عبداللہ بن ابی بن سلول کی ماں سلول کی تفسیر، لفظ اطمة /اطم کی تعبیر، مکہ ومدینہ سے محبت کے بارے میں روایات اور مدینہ کی بیماری دور کرنے کی دعائے نبوی کی تشریح اور صلوۃ قاعد کا فقہی حکم (۵۴-۴۵)۔

اگلا عنوان ''غزوہ ودان'' کا ہے۔اس میں ہجرت کے بعد قیام نبوی کی مدت، قمری مہینوں کے ناموں کی وضاحت، بعض اشعار کے الفاظ کی تشریح اور صحت اور لغوی اور نحوی صرفی بحث شامل ہے(۷-۵۴)۔''غزوہ بواط'' کی فصل میں کی تعیین، اور خلیفہ نبوی سائب بن مظعون کے نام ونسب وغیرہ کی تشریح ہے۔''غزوہ العشیرۃ'' میں اس کے نام کی لغوی وضاحت کے علاوہ بعض مقامات مذکورہ کی تشریح ہے اور حضرت علی کے لقب ابوتراب پر احادیث کی تشریح اور بنوضمرہ سے معاہدہ کا متن اور ان کے بارے میں کچھ وضاحت ہے(۹-۵۷) پھر سریۂ عبداللہ بن جحش کی فصل میں طریق ''مناولہ''

کی حدیث نبوی سے تائید، عمرو بن الحضرمی نامی تین بزرگوں کی تشخیص، شہر حرام اور حرام کی تشریح ہے (۶۱-۵۹)۔ ''غزوہ بدر'' کی فصل میں بدر، لفظ تحسّس ، رویائے عاتکہ میں وارد لفظ ''یالغدر، جبل ابوقبیس، لفظ لاط'''' لفظ فرافر'' عرق الظبیۃ، النازیہ، الصفراء جیسے مقامات کی تعیین وصراحت کے ساتھ حضرات لبس اور عدی عیون نبوی کے بارے میں سوانحی اور نسبی تفصیل، دو پہاڑوں مسلح اور مخرمی اوران سے آپ کی فال لینے کی سنت اور طیرہ اور تفاول پر بحث ہے۔ برک الغماد نامی مقام کی جغرافیائی شناخت، قلیب (کنوئیں) کے بارے میں وضاحت اور لغوی تشریح، اور بعض دوسرے الفاظ کی تشریح ہے۔ پھر سواد بن غزیہ کے قصہ، بیم ورجا کے درمیان مقام نبوی اور دعائے نبوی، حضرت جبریل کے آنے کی کیفیت، لفظ ''بخ بخ'' کی تشریح ہے۔ اس کے بعد کی فصول میں بھی زیادہ تر مختلف لوگوں کے اقوال ہی کی تشریح کی گئی ہے اور آخر میں ابوجہل کے قاتل فرزندان عفراء اور ان کے خاندان کی صراحت ہے (۶۳-۷۱)۔ ''خبر عکاشة بن محصن'' اگلی بحث کا عنوان ہے جس کے تحت حضرت عکاشہ کے نام کی لغوی ومعنوی تحقیق، ان کی تلوار وشعر کی تشریح، ردہ میں ان کی شرکت اور ان کی حدیث کی تعبیر بیان کی ہے (۴-۷۳)۔ ''نداء اصحاب القلیب'' کی فصل میں بدر کے مشرک مقتولین کو کنوؤں میں ڈالنے کے بعد رسول اکرم ﷺ کے ان سے خطاب کے بعض الفاظ وتراکیب کی نحوی صرفی حیثیت، سماع موتی کے مسئلہ کی وضاحت، شعر حسان کی تشریح، ان کو کنوؤں میں ڈالنے کی حکمت، عبدالرحمن بن ابی بکر کے ایک جواب کی تصریح، عریش میں رسول اللہ ﷺ کی حفاظت، تلوار بنی عابد کے مال غنیمت میں ملنے کی وضاحت، عقبہ بن ابی معیط کے قتل کی روایت کی تعبیر اور طعن نسب کا معاملہ، ابوہند حجام کے بارے میں وضاحت پائی جاتی ہے (۷-۷۴)۔

''بدر کے قیدیوں'' کی سرخی کے تحت حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیر کی گرفتاری اور فدیہ کے بعد رہائی کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد کی بحث ''خبر ابی رافع حین قدم غل قریش'' کے اہم نکات ہیں: حضرت ابورافع کا نام ونسب، غلامی اور آزادی، حضرت عباس بن عبدالمطلب کے اسلام کے حوالہ سے ان کی اہلیہ حضرت ام الفضل، ان کے فرزندان گرامی، ابولہب سے اختلاف اور اس کا براحشر، ابولہب کی ولادت نبوی پر مسرت اور ثوبیہ کی رضاعت اکابر بنی ہاشم، مطلب بن ابی وداعہ مالک بن الدخشم، مکرز، ابوالعاص بن الربیع کی گرفتاری وغیرہ کا ذکر، حضرت زینب بنت

رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کا واقعہ اور اس کے الفاظ و اشعار کی لغوی و معنوی تشریح، اور نکاح اول سے ان کی شوہر کے پاس واپسی مذکور ہے پھر حضرت عمیر بن وہب کے اسلام لانے کا حوالہ دے کر ابلیس کے سراقہ بن مالک کی شکل میں رونما ہونے کی روایت کی تشریح کی ہے (۸۹-۸۷)۔ اگلی فصل غزوہ بدر کے بارے میں قرآن کی نازل شدہ آیات کی تفصیل و تشریح پر مبنی ہے اور اس میں سورۂ انفال کی متعدد آیات کی تفسیر کی گئی ہے اور اموال غنیمت اور دوسرے امور غزوہ سے بحث کی گئی ہے (۹۳-۸۶)۔ بعض آیات کے ضمن میں تاریخ اسلامی کے اگلے واقعات سے ان کی واقعاتی تائید بھی فراہم کی گئی ہے۔

''تسمیہ من شھد بدراً'' میں بدری صحابہ کرام کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں اور ان شرکاء کرام کا ذکر کیا ہے جن کو ابن اسحاق نے کسی سبب سے نظر انداز کر دیا ہے۔ جیسے ابوالہیثم بن التیہان، عیاض بن زبیر، عاصم بن عدی، خوات بن جبیر وغیرہ۔ کہیں ان کے نام و نسب کی تشریح کی ہے، کہیں کسی کی کنیت اور کسی کا نام بتایا ہے، کسی کے بارے میں سوانحی معلومات دی ہیں (۱۰۰-۹۳)۔ شہداء بدر کی فصل میں سہیلی نے متعدد شہیدوں کے بارے میں واقدی وغیرہ دوسرے مآخذ سے مزید معلومات و تصریحات بیان کی ہیں (۲-۱۰۱)۔ جیسے حضرت ذوالشمالین اور ذوالیدین دو الگ بتا کر موخر الذکر کا نام خرباق اور سلمی نسب بتایا ہے جبکہ شہید بدر حضرت ذوالشمالین خزاعی غبشانی حلیف بنی زہرہ تھے یا جیسے علیفہ بن عدی بیاضی جن کا نام ابن اسحاق نے خلیفہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح اگلی فصل ''بدر کے مشرک مقتولین'' پر ہے (۵-۱۰۲)۔ پھر بدر کے مشرک قیدیوں کی فصل میں یہی طریق کار ہے خاص کر اس نکتہ پر بحث کی ہے کہ ابن اسحاق اور ابن ہشام دونوں نے بدر کے اسیروں میں سے اسلام لانے والوں کا ذکر نہیں کیا ہے جب کہ سیرت کے قاری کو اس کی سخت ضرورت ہے اور انہوں نے حضرت عباس بن عبد المطلب کو اول و افضل قرار دے کر متعدد حضرات کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ ان میں عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث بن عبد المطلب، ابوالعاص بن الربیع وغیرہ۔ ان کے مختصر سوانحی خاکے بھی اس میں موجود ہیں (۷-۱۰۵)۔ پھر حضرت عثمان کی حضرت رقیہ کی بیماری کے سبب سے عدم شرکت پر فصل باندھی ہے اور ''اشعار یوم بدر'' کی فصل میں متعدد شعراء کے اشعار کی تشریح پیش کی ہے (۱۹-۱۰۷)۔

''غزوہ قرقرۃ الکدر'' اگلا مبحث ہے جس میں اس کے نام کی تشریح، غزوہ کے بارے

میں اپنی خلافت کے زمانے کی حضرت عمر فاروق کی روایت، ابوسفیان کی نذر کہ وہ غسل جنابت نہ کریں گے کی وضاحت، بعض الفاظ کی تشریح شامل ہے (۲۰-۱۱۹)۔ "خبر بنی قینقاع" میں عبداللہ بن ابی کے قول "احسن فی موالی" کے حوالہ سے آپ کی خوشی اور ناراضی کا بیان، آیت کی تشریح وغیرہ ہے (۲۱-۱۲۰)۔ "سریہ زید" میں حضرت فرات بن حیان عجلی کے نام وقبیلہ کی وضاحت اور ان کے قبول اسلام اور خدمات کا مختصر ذکر ہے اور اشعار کی تشریح ہے (۳-۱۲۱)۔ "مقتل کعب بن الاشرف" میں وجہ قتل، سب وشتم نبوی کے مجرم کے بارے میں فقہی فیصلہ، اس کے سر کو کاٹ لانے کا اولین واقعہ، اور اشعار واقوال کی تشریح پائی جاتی ہے (۵-۱۲۳)۔ پھر "قتل محیصہ الیہودی" کی فصل میں حضرت محیصہ بن مسعود اور ان کے بھائی حویصہ کے بارے میں کچھ معلومات ہیں (۶-۱۲۵)۔

"غزوہ احد" کے باب کے اہم مباحث یہ ہیں: نام احد کی وضاحت اور جبل احد کی تعریف میں روایات واحادیث کی تشریح، رویائے نبوی کی تعبیر دوسرے مآخذ سے، نوعمر مجاہدین کی واپسی کے ضمن میں متعدد صحابہ کرام کے سوانحی خاکے، اور بعض اشعار واحادیث کی تشریح (۳۱-۱۲۶)۔ اسی کی ضمنی فصل "حدیث وحشی" لفظ "بغاث" کی تشریح، سعدیہ کی سوانحی تفصیلات، ذوطویٰ کی جغرافیائی تعیین، حضرت وحشی کے سوانحی خاکہ میں بعض دوسرے صحابہ کرام اور مجاہدین کا ذکر، قتل مسیلمہ کذاب میں حضرت وحشی کے شرکاء کا نام ونسب ہے (۳-۱۳۱)۔ پھر حضرت حنظلہ بن ابی عامر الغسیل کو ملائکہ کے غسل دینے کی روایت کی تشریح ووضاحت اور اشعار وغیرہ کی تفسیر ہے (۴-۱۳۳)۔ اگلی فصل میں "ازب العقبۃ" کے معنی کی وضاحت ہے پھر ابن قمئہ جس نے آپ کو زخمی کیا تھا اور حضرت معصب کو شہید کیا تھا کے بارے میں تفصیلات ہیں پھر عبداللہ بن شہاب امام زہری کے جدامجد کے بارے میں ذکر ہے۔ ان کے علاوہ مالک بن سنان وغیرہ کے بارے میں کچھ معلومات آتی ہیں (۶-۱۳۴)۔ دوسری فصل میں ابی کے قتل پر ایک شعر کی تشریح ہے اور حضرت قتادہ بن نعمان برادر حضرت ابوسعید خدری کے بارے میں ذکر ہے خاص کر ان کی آنکھوں کے صحیح ہونے کے معجزہ نبوی کا، ثابت بن وقش اور حضرت حسیل بن جابر والد حذیفہ بن الیمان کے مظلومانہ شہادت کا واقعہ بیان کیا ہے اسی طرح حضرت عمرو بن الجموع کی شرکت غزوہ، حضرت سعد بن الربیع کی تلاش کرنے والے صحابی کی تعیین، مثلہ کی تحریم نبوی، شہداء احد پر نماز کی روایت ابن اسحاق سے فقہاء اہل الحجاز کا عدم استناد، ترک غسل

کے مسئلہ پر اجماع وغیرہ کا ذکر کیا ہے، حضرت ابوسفیان کے قول ''اعلیٰ ہبل'' کی تشریح، حضرت مخیریق کے عطیات کا ذکر وغیرہ دوسرے مباحث ہیں (۴۳-۱۳۶)۔ غزوہ حمراء الاسد میں شعر کی تشریح کے علاوہ ابوعزہ کی گرفتاری اور بعض اقوال ابی سفیان وعبداللہ بن ابی کی تشریح ہے اور پھر احد کے بارے میں نازل ہونے والی آیات کی تفسیر کی فصل ہے (۶۷-۱۴۴) اسی میں آیات کی تفسیر کے علاوہ بعض شہداء کے بارے میں مزید معلومات ہیں اور غزوہ سے متعلق اشعار کی شرح آخری فصل میں آئی ہے۔

''مقتل خبیب و اصحابه'' اگلا مبحث ہے جس میں عضل وقارہ کی تعریف، اصحاب خبیب کی تعداد واسماء گرامی، شہادت خبیب کا پس منظر، شہادت کے وقت دو رکعت سنتوں کی مسنونیت، اور اس سے متعلق بعض تاریخی واقعات، شہادت خبیب کے بارے میں آیات قرآنی کی تشریح، اور اشعار کی تفصیل ووضاحت شامل ہیں (۷۴-۱۶۷)۔ ''خبر بئر معونه'' اگلی بحث ہے۔ اس میں مجاہدین کی تعداد، ابوالبراء ملاعب الاسنہ کے نام ونسب اور وجہ لقب، اس کے خاندان کے افراد، حضرت عامر بن فہیرہ کی شہادت، ان کی شہادت پر نزول قرآن کے مسئلہ پر اختلاف اور ان کے کلام کے فقہی مسئلہ کے علاوہ اشعار کی تشریح بھی ہے (۶-۱۷۵)۔ ''غزوہ بنی النضیر ''ومانزل فیها'' کے آغاز میں سہیلی نے ابن اسحاق پر تنقید کی ہے کہ غزوہ کا یہاں ذکر کیا ہے جب کہ اسے بدر کے بعد ذکر کرنا چاہئے تھا کہ وہ بدر کے چھ ماہ بعد ہوا تھا۔ ان کے باغات کے کاٹنے پر ان کے ہتھیار ڈالنے کا حوالہ دے کر آیات قرآنی: ''ما قطعتم من لينة او تركتموها.... يخربون بيوتهم'' وغیرہ کے نزول کا ذکر ہے۔ ان کی جلاوطنی پر بعض اشعار کا اور ان کے حوالہ سے بعض اشخاص کا بھی ذکر ہے (۸۱-۱۷۶)۔ ابن اسحاق نے ان کی جلاوطنی کے ذکر میں ایک غفاری عورت کا بھی حوالہ دیا ہے لیکن اس کا نام ونسب نہیں بتایا جو سہیلی نے بتادیا ہے اور اس کے بارے میں بعض معلومات کے علاوہ اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

''غزوہ ذات الرقاع'' کی مختلف وجوہ تسمیہ بتائی ہیں اور اس کے بارے میں صحیح ترین روایت بخاری کی قرار دی ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری کی سند پر ہے۔ پھر صلوٰۃ خوف کے بارے میں مختلف روایات نقل کی ہیں، پھر ایک فصل میں حضرت جابر کے اونٹ کا قصہ ہے جس میں اس کی نبوی خرید کی فقہی بحث اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد کی فصل میں غورث بن الحارث کے حملہ اور استقامت نبوی کا ذکر کر کے مسئلہ قدر پر بھی بحث کی ہے۔ حضرت جابر کی حدیث میں واقعہ حرہ کا حوالہ

آیا تھا اس کی تشریح اور واقعہ حرہ کا بیان اگلی فصل کا مبحث ہے۔اس میں مدینہ کی حرمت کی روایات واحادیث بھی ہیں۔اس کے بعد ایک انصاری اور ایک مہاجر کی نماز پڑھنے کی روایت کی تشریح اور ان دونوں کی تعیین وتشخیص کی ہے اور ''عین''،طلیعہ''،''صلوۃ مجروح'' وغیرہ پر بھی بحث کی ہے(۱۸۱-۶)۔

''غزوہ دومۃ الجندل'' میں صرف مقام کے نام کی وجہ تسمیہ بتا کر ''غزوہ الخندق'' کا باب شروع کیا ہے۔اس کے اہم مباحث ہیں: خندق کھودنے کی فارسی/ایرانی ترکیب،نضری کی تعریف،قائع غطفان کی شناخت اور اس کے بارے میں معلومات،نور نکلنے اور چٹان توڑتے وقت محلات شام نظر آنے کی روایت پر بحث،بعض الفاظ کی تشریح جیسے زغابہ،لحن وغیرہ،احزاب سے مصالحت کرنے کی خاطر مدینہ کی ایک تہائی پیداوار دینے کی تجویز اور اس کی تاریخ سے مثالیں،عمرو بن ودّ العامری اور حضرت علی کی مبارزت،دونوں کے مکالمے اور اشعار،بعض اشعار کی تشریح،حضرت سعد بن معاذ کی موت پر ملائکہ کا نزول،عورتوں اور بچوں کے ساتھ حضرت حسان کے قیام اور قلعہ میں محصوری کا واقعہ اور ان کی بزدلی کی تردید،بنو قریظہ کے لئے روانگی اور صور اور دحیہ کے معانی،حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کا نسب،نماز عصر پڑھنے کے بارے میں ارشاد نبوی،اور اس کا فقہی حکم،حضرت ابولبابہ کا نام ونسب اور ان کی توبہ کا واقعہ،حضرت سعد بن معاذ کا بطور حکم بنی قریظہ کے بارے میں فیصلہ،دار بنت الحارث میں بنو قریظہ کی قید،بنو ہدل کے بعض افراد کے بارے میں وضاحت،ثابت بن قیس اور زبیر بن باطا کے درمیان مکالمہ کی وضاحت،بعض دوسرے مذکور افراد وشخصیات کے بارے میں صراحت،بعض احادیث وروایات اور ایک خاص فصل میں خندق سے متعلق اشعار کی تفسیر وتشریح کی ہے(۱۸۶-۲۰۸)۔

''مقتل ابن ابی الحقیق'' اگلی بحث ہے۔مجاہدین کے اسماء کی وضاحت کر کے قطنی قطنی کے معنی کی وضاحت کی ہے۔یہ پوری بحث نحو وصرف اور لغت سے متعلق ہے(۲۰۹-۱۰)۔''اسلام عمرو بن العاص وخالد بن الولید رحمۃ اللہ علیہما'' میں دونوں کے اسلام کے بارے میں روایت کے بعض الفاظ کی تشریح کر کے ان کے قبول اسلام کے بارے میں مزید وضاحت ہے۔پھر نجاشی کے نام حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی سفارت اور فرمان نبوی کا ذکر ہے۔اور بعض اشعار کی توضیح (۲۱۱-۱۲)۔غزوہ بنی لحیان میں بعض الفاظ جیسے سرعان،سرب،ہجرۃ وغیرہ کی تشریح ہے جب کہ ''غزوہ ذی قرد'' کے معنی،شہسواروں کے گھوڑوں کے نام،الفاظ وتراکیب،حضرت سلمہ بن الاکوع کے والد کا اصل نام

حضرت سلمہ کی شجاعت وغیرہ کی بحث ہے۔اس میں کافی اشعار ہیں اوران کی تشریح اور الفاظ کی نحوی لغوی وضاحت بھی (۶-۲۱۳)۔"غزوہ بنی المصطلق" کے باب میں قبیلہ کی شناخت، معنی اور لغوی تحقیق، مریسیع کی تحقیق، سنان کا نام ونسب، انصاری اور مہاجر کے درمیان جھگڑے پر خطبہ نبوی کے الفاظ، دعوائے جاہلیت پر سزا کے بارے میں فقہاء کے تین اقوال، خطبہ نبوی کے الفاظ کی تشریح، حضرت جہجاہ کے نام ونسب کی تشریح اور مختصر سوانح، عبداللہ بن ابی منافق اور ان کے مسلم فرزند کے درمیان مکالمہ کے حوالہ سے دلیل نبوی پر استشہاد، اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ کے بارے میں معلومات ،حضرت جویریہ کی گرفتاری، آزادی اور شادی پر اوراس سے متعلق روایات پر بحث ہے۔اس کا تعلق واقعہ افک سے جوڑ دیا ہے جو اگلی بحث ہے اوراس میں الفاظ کی تشریح کے علاوہ حضرت صفوان بن معطل کے بارے میں معلومات ہیں اور ضرب جاریہ وغیرہ دوسرے واقعات وحوادث کی تشریح ہے۔حضرت بریرہ حضرت ام رومان کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔الفاظ کی تشریح کے علاوہ مزید بیرحاء نامی کنوئیں کے بارے میں کافی عمدہ معلومات ہیں۔اور آخر میں آیات قرآنی کی تشریح ہے (۲۵-۲۱۶)۔

اس کے بعد ''غزوۃ الحدیبیۃ'' کی فصل ہے۔اس کے اہم مباحث ہیں: لفظ حدیبیہ کی لغوی تحقیق، عمرہ کی نیت سے آپ کی سفر اور عمرہ اوراس کے مناسک کے بارے میں روایات، آپ کے جاسوس کا نام ونسب، آپ کے رہبر کا نام ونسب، آپ کے ''صاحب بدن'' اور قربانی کے جانور لے جانے والے افسر کا نام ونسب، مختلف اقوال واحادیث وآیات واشعار کی تشریح، اس کے بعد ایک فصل میں قریش سے مصالحت کی شرائط کی وضاحت کی ہے اور فقہی مسائل بھی بیان کئے ہیں۔اگلی فصل میں معاہدہ کے الفاظ مٹانے کی تصریح کی ہے اوراسی کے ضمن میں آپ کی ''امیت'' اور آپ کے کاتبوں کا بھی مختصر ذکر کیا ہے۔اس کے بعد والی فصل میں معاہدہ کی ایک شق کی وضاحت کر کے اگلی فصل میں حضرت ابوجندل کے صلح حدیبیہ کے موقع پر آنے اور واپس کئے جانے کے ضمن میں ان کا مختصر سوانحی خاکہ دیا ہے۔پھر حضرت عمر کے سخت رد عمل کی وضاحت ہے اور قربانی کرنے وغیرہ کے حکم نبوی کا بیان ہے۔اگلی فصل میں حلق اور قصر کرنے والوں اوران سے متعلق بعض امور کا، حضرت ابوبصیر کے نام ونسب اور واقعہ ہجرت اور قیام ساحل کا ذکر ہے۔پھر قتل کافر کے فقہی مسئلہ پر بحث ہے۔اور حضرت عمر کے سوال کا جواب دے کر بیعت رضوان کا ذکر کیا ہے (۳۵-۲۲۶)۔

غزوہ خیبر کے بیان میں وجہ تسمیہ، اور دوسرے قلعوں کی وجوہ تسمیہ، بعض الفاظ حدیث وآثار، مکاتل وموازین، خمیس کی تشریح، بعض ماکولات ومشروبات کے بارے میں ممانعت نبوی کی وضاحت ہے۔ پھر نکاح المتعہ پر بحث ہے، صاحب مغانم کی تعیین، اور حضرت صفیہ سے شادی اور اس سے متعلق امور کی تشریح ہے، حضرت علی اور مرحب یہودی کے مقابلہ کا ذکر ہے، اشعار خیبر کی توضیح اور زہر آلود گوشت کھلانے کے واقعہ کی وضاحت ہے۔ اسی طرح غزوہ میں شریک ہونے والی غفاریہ صحابیہ کے نام وقول کی تشریح ہے اور پانی کی طہارت کا فقہی مسئلہ بیان کیا ہے، آخر میں حضرت حجاج بن علاط سلمی کے حوالہ سے بعض اشخاص کی اور حضرت حسان کے اشعار میں تلمیحات کی توضیح کی ہے۔ خاتمہ حضرت ابوایوب انصاری کی دعا اور اس کے حوالہ سے دور یزید بن معاویہ میں غزوۂ روم میں ان کی شہادت اور تدفین کے بارے میں بحث پر کیا ہے۔ اگلا باب اموال خیبر کی تقسیم، مسلمانوں کے حصوں، بعض حضرات کے نام ونسب کی تصریح کے علاوہ حبشہ کے مہاجرین کی خیبر آمد ومراجعت کے حوالہ سے ان کے سوانحی خاکے بھی دیتا ہے اور سلاطین کے نام آپ کے پیغام لے جانے والے بعض سفیران نبوی کا ذکر بھی کرتا ہے (۵۴-۲۳۵)۔

عمرۃ القضیہ کے باب میں اس کے مختلف اسماء، ان کی وجوہ تسمیہ، عمرات وحجات نبوی، حضرت میمونہ سے شادی اور نکاح محرم پر بحث کی ہے۔ جب کہ غزوہ موتہ کے باب میں اس کی لغوی اور جغرافیائی تحقیق، آیت کریمہ: وان منکم الاواردھا، اشعار، اور اشعار میں وارد مقامات، حضرت جعفر کے گھوڑے، ان کے جناح الطیر ہونے اور ان کی فضیلت، حضرت جبریل وغیرہ کے جناح، اہل موتہ کی واپسی پر عوامی ردعمل اور حدیث نبوی حضرت جعفر کی شہادت پر ان کے گھر والوں کے لئے کھانے بھجوانے کی سنت اور متعدد اشعار کی توضیح پائی جاتی ہے (۶۳-۲۵۴)۔

اگلا باب "بدء فتح مکۃ" ہے اس کے اہم مباحث ہیں: مختلف الفاظ واسماء کی لغوی اور معنوی تشریح، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے نام ونسب، قریش کے نام ان کے خط، قاصد کی گرفتاری کے علاوہ ان کے خاندان کے بعض افراد کی سوانح، آیات قرآنی کی تشریح، حضرت ابوسفیان بن حرب کے اسلام کے بارے میں روایات، حضرت ابوقحافہ کے قبول اسلام اور ان کے بالوں کو خضاب سے رنگنے کی حدیث پر بحث مکہ کے مختلف مقامات جیسے کداء، کدیٰ وغیرہ کی تشریح، حضرت سعد بن عبادہ

سے پرچم لینے کے واقعہ کی وضاحت، خنیس بن خالد کا ذکر، ارض مکہ کے فقہی احکام، ابن خطل کے قتل کا قصہ، بیت ام ہانی میں نماز نبوی، عبداللہ بن سعد کی خدمت نبوی میں حاضری اور اسلام، خطبۂ نبوی کے الفاظ اور کسر اصنام کی روایت، مختلف اکابر قریش جیسے ابوسفیان، عتاب بن اسید، عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ کے بارے میں تفصیلات ہیں۔ اسی میں مؤلفۃ القلوب کا بھی ذکر ہے، حضرت عباس کے اسلام کے سبب پر بھی بحث ہے، سریہ خالد بن ولید طرف بنوجذیمہ کی وضاحت ہے، اور متعدد دوسری بحثیں ہیں (۸۶-۲۶۳)۔

غزوہ حنین کے باب کے اہم نکات ہے: حنین کی وجہ تسمیہ اور جغرافیائی وضاحت، بعض احادیث کی صراحت، درید بن الصمہ مالک بن عوف کے بارے میں معلومات، عبداللہ بن ابی حدود کی بطور جاسوس مساعی اور ان کی سوانح، آپ کے خطاب انا النبی لاکذب وغیرہ کی تشریح، مسلمانوں کے فرار پر تاریخی اور فقہی بحث، مقتول کے سلب اور قادسیہ پر ضمنی بحث، مختلف اقوال کی توضیح، ایک عورت کے قتل پر ہدایت نبوی، آپ کی کنکریاں مارنے کی حکمت، حضرت ضحاک بن کلاب کلابی کا نام ونسب وخدمت اور بنوسلیم پر ان کی تقرری، وفد سلیم کی آمد اور ان کا نام ونسب، اور متعدد الفاظ کی تشریح (۳۰۰-۲۸۶)۔

"غزوہ الطائف" کے اہم مباحث یہ ہیں: قلعۂ طائف کی تعمیر، ثقیف وطائف کی وجہ تسمیہ، قرآن سے لفظ طائف پر بحث، اہل طائف کی صنعت دبابہ ومنجنیق گری اور مختلف آلات کی وضاحت، حصار طائف اور اولین استعمال منجنیق کا ذکر، غیلان بن سلمہ ثقفی کو دس بیویوں میں سے چار رکھنے اور باقی کو طلاق دینے کی ہدایت نبوی اور غیلان کی سوانح، بعض مخنثوں کا ذکر، طائف کے قلعہ سے اترنے والے غلاموں کا ذکر، طائف سے آپ کی واپسی اور اس کے ضمن میں الفاظ واشعار کی تشریح، ہوازن کے قیدیوں کی واپسی پر اصول اور فقہی بحث، مولفۃ القلوب کے عطایا پر کلام اور انصار سے خطاب نبوی، عیینہ بن حصن فزاری کا ذکر، ثمالہ وغیرہ بطون پر مالک بن عوف کی تقرری اور بطون کی وضاحت، دوسرے بطون کی توضیح، متعدد اشعار اور ان کے الفاظ وتلمیحات وغیرہ پر بحث (۳۰۱-۱۵)۔

اگلی بحث غزوہ تبوک پر ہے اور اس میں متعدد اہم امور ونکات پر قیمتی بحثیں ہیں جیسے تبوک کی وجہ تسمیہ، منافق الجد بن قیس اور بنوالاصفر کی صراحت، سورہ بنی اسرائیل کی آیات کی نزول، حضرت ابوذر غفاری کے نام ونسب اور سوانح پر بحث، بعض مقامات اور پہاڑوں کی تعیین وتوضیح، اکیدر اور دومہ اور اس کے نام فرمان نبوی کی وضاحت، ہرقل کے نام فرمان نبوی، ہدیہ قبول کرنے کی سنت نبوی

، بکاؤں (رونے والوں) کے ناموں اور ان کے معاملہ کی صراحت، حدیث نبوی میں وارد لفظ ''حس'' کی وضاحت، مسجد ضرار بنانے والے منافقین کا ذکر، پیچھے رہ جانے والے تین مصالح مسلمانوں کا نام ونسب، حضرت کعب کی حدیث کے بعض الفاظ کی تشریح (۲۵-۳۱۶)۔

''اسلام ثقیف'' اگلا مبحث ہے جس میں حضرت عروہ بن مسعود کی صاحب یاسین قرار دینے کی وضاحت ہے اور ان کی بیوی حضرت میمونہ بنت ابی سفیان کا ذکر ہے۔ ثقیف کے اصنام اور ان کی بربادی پر بحث ہے اور آخر میں ثقیف کے نام کتاب نبوی کے متن وغیرہ پر بحث کی گئی ہے (۲۷-۳۲۵)۔ اسی سے متصل سورۂ براءۃ کے نزول پر بحث ہے جس میں حج ابی بکر صدیق، مشرکین کو حج و مکہ سے دور رہنے کا حکم، حج کے بارے میں متعدد احکام، حضرت علی کی ذمہ داری، ایام تشریق میں منادی نبوی کی تعیین، حج اکبر کی وضاحت، ترتیب نزول آیات سورہ، مختلف آیات کے مصداق حضرت خفاف بن ایماء کے نام ونسب اور صحبت کا ذکر، حضرت حسان کے اشعار کی تشریح، اور سورۂ نصر کے نزول اور تاویل پر بحث شامل ہے (۴۳-۳۲۷)۔

''قدوم الوفود'' کے باب میں سہیلی نے جن وفود کا ذکر کیا ہے یا ان کے اشخاص کے بارے میں وضاحت کی ہے وہ ہیں: عبدالقیس، حتات بن یزید، عطارد بن حاجب، عمرو بن الاہتم، ثابت بن قیس اور ان کا خطبہ، شعر زبرقان بن بدر، عمرو بن الاہتم اور ان کا قول، عامر بن الطفیل اور اربد، وفد جرش جمیر، ضمام بن ثعلبہ، جارود عبدی، وفد بنی حنیفہ اور ان کے رکن مسیلمہ کذاب وغیرہ (اس میں جھوٹے نبیوں کے دوران ردہ ظہور پر بھی بحث ہے)، دارالحارث میں ان کے قیام کی توضیح، زید الخیل، آمد عدی بن حاتم طائی، آمد وفد بنی الحارث بن کعب، آمد رفاعہ الضبیبی، وفد ہمدان اور ان تمام وفود کے ارکان اور ان کے نام ونسب اور سوانح کے علاوہ ان سے متعلق متعدد امور کا بھی برابر ذکر کیا ہے (۴۹-۳۳۴)۔

حجۃ الوداع کی بحث کے اہم نکات سہیلی حسب ذیل ہیں: حج نبوی کے بارے میں مختلف احادیث وروایات سے حج انفراد، قرآن اور تمتع پر بحث، آپ کے تین حج کرنے کا ذکر، احرام نبوی کے بارے میں اختلاف روایات، خطبۂ نبوی کے الفاظ ومعانی کی تشریح (۵۲-۳۵۰)۔ ''بعث اسامہ'' کی مختصر فصل میں حضرت اسامہ کی تقرری، ان کی منزل کے ذکر ان کی اور ان کے والد حضرت زید کی امارت کے استحقاق کے ذکر کرکے ان کی اور ان کے والدین کے بارے میں متعدد اہم روایات کا حوالہ

دیا ہے (۳۵۲) پھر سلاطین کی طرف آپ کے سفیروں کے جانے کے باب میں یہ اہم نکات ہیں: حضرت عیسیٰ کے اپنے حواریوں کے "ارسال" کے حوالہ سے مسیح اور حواری کی تحقیق، سفیران نبوی میں حضرات عمرو بن امیہ (نجاشی) سلیط (ہوذہ) کا مختصر حوالہ ہے جب کہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (قیصر) کا بہت مفصل ذکر ہے پھر حاطب (مقوقس)، علاء بن حضرمی (منذر بن ساوی) کا ذکر کے بعد ایک حدیث نبوی کی تشریح ہے اس کے بعد عمرو بن العاص (جلندی)، شجاع بن وہب (جبلہ بن الایہم) مہاجر بن ابی امیہ (حارث بن عبد کلالی) کی سفارتوں کا ذکر کر کے آخر میں سریہ عمر (تربہ) کے مقام کی وضاحت کی ہے (۹-۳۵۲)۔ پھر دو فصلوں میں بالترتیب غزوہ ذات السلاسل اور ام قرفہ کی سریہ" کا ذکر کیا ہے اس میں کئی واقعات کا حوالہ بھی ہے (۶۲-۳۵۹)۔

اس کے بعد کی ایک اہم فصل میں سہیلی نے ان اضافوں کی نشاندہی کی ہے جو ابن ہشام نے ابن اسحاق پر کئے ہیں (۶۵-۳۶۳) اگلی فصل "ازواج مطہرات" کے ذکر خیر کے لئے وقف کی ہے (۶۸-۳۶۶) جس میں زیادہ تر ان کے بارے میں صراحتیں اور وضاحتیں کی ہیں۔ اور ان ازواج کا بھی ذکر کیا ہے جن سے نکاح مکمل نہیں ہوسکا۔

اگلی فصل "وفات النبی ﷺ" پر ہے۔ اس کے اہم مباحث ہیں: امامت ابی بکر کے دوران آپ کی مسجد میں تشریف آوری اور امامت ابوبکر، لد کرنے کا واقعہ، حضرت ابوبکر کے قول: "ہذا یوم بنت خارجہ" کا مفہوم، "اللھم الرفیق الاعلی" کی تشریح، تاریخ و یوم وفات کے بارے میں مختلف روایات، سکرات میں مسواک کی سنت نبوی، لباس کے ساتھ غسل نبوی اور معجزہ یا ندائے غیبی کی تشریح، غسل کرانے والوں کے نام وغیرہ، وفات پر لوگوں کا غم و اضطراب، خطبات عمر و عباس و ابوبکر وغیرہ، جیش اسامہ وغیرہ پر روایات، آخری فصل آپ کی نماز جنازہ پر ہے۔ اس میں درود و سلام کے طریقہ کے علاوہ نماز جنازۃ کے بارے میں روایات اور لوگوں کے غم و اضطراب کا ذکر ہے۔ اشعار کا بھی ذکر ہے۔ اور تدفین کے بعد لوگوں کے مراثی کا آخری فصل آپ کے کفن اور قبر میں اترنے والوں کے اسماء کے بارے میں روایات پر ہے اور اسی پر سہیلی کی کتاب 'الروض الانف' تمام ہوتی ہے (۸۰-۳۶۸)۔

امام ابن الجوزی

(۵۰۸-۵۹۷ھ/۱۱۱۶-۱۲۰۰ء)

چھٹی/ بارہویں صدی تک پہونچتے پہونچتے سیرت نگاری کے کئی رجحانات پیدا ہوکر اور پروان چڑھ کر مستحکم ہو چکے تھے۔ رسول اکرم کی حیات مبارکہ کے واقعات سے متعلق تمام مواد پہلی /ساتویں صدی کے خاتمہ تک اور دوسری/آٹھویں صدی کے وسط تک زیادہ سے زیادہ جمع کیا جا چکا تھا۔ اور یہ سعادت اولین سیرت نگاروں کے حصہ میں آئی تھی۔ تیسری/نویں صدی میں اس جمع شدہ مواد سیرت کو مختلف زاویوں اور اسالیب میں متاخر اہل سیر نے بالخصوص اسلامی عالمی تاریخ نگاروں نے پیش کیا۔ بعد کی صدیوں میں ایک نیا رجحان یہ ابھرا کہ سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر حدیث وسیرت کی کتابوں سے مواد چن کر پیش کرنا شروع کیا اور ان سے وہ گوشے اور پہلو روشنی میں آئے جن پر قدیم سیرت کی کتابوں میں مواد موجود نہیں تھا۔ محدثین کرام نے جب سیرت نگاری کی طرف توجہ کی تو انہوں نے حدیثی مواد کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نبوی کو سنت وحدیث کا ایک باب بنا کر پیش کیا اور سیرت نبوی کو بطور اسوۂ رسول ﷺ اور بحیثیت راہ ہدایت لکھا تا کہ بنی نوع انسان بالخصوص مسلمان اس کو نمونہ حیات بنا کر تمام مراحل ومقامات زندگی میں واقعاتی ہدایت ورہنمائی حاصل کر سکیں۔

امام ابن جوزی سیرت نبوی کے ان مؤلفین کرام میں شامل اور ممتاز ہیں جنہوں نے سیرت نبوی کو سنت نبوی اور اسوۂ نبوی سے پیش کرنے کی سعادت پائی۔ انہوں نے اس باب خاص اور طرز نگارش قاضی عیاض کی تالیف "کتاب الشفاء" اور ان کے ہم موضوع سابقین اولین اور معاصرین متاخرین سے تحریک بھی پائی جاتی تھی اور ہدایت ورہنمائی بھی۔ اور اس میں ان کے علمی تبحر خاص کر حدیثی مواد پر قدرت، فقہی گہرائی اور علمی جلالت نے بھی بہت مدد کی تھی۔

نام ونسب

اگر چہ وہ ابن الجوزی کے نام سے زیادہ معروف ومشہور ہیں تاہم ان کا اسم گرامی عبدالرحمٰن ،ان کے والد سامی کا محمد بن علی بن عبداللہ بن حمادی بن احمد بن محمد بن جعفر الجوزی تھا۔ مقالہ نگار اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے ان کے والد کا نام علی بن محمد بتایا ہے۔ سبط ابن الجوزی نے حضرت ابوبکر صدیق تک نسب لکھا ہے اور ان کی کنیت ابوالفرج زیادہ مشہور ہے اگر چہ ایک دوسری ابوالفضائل بھی بتائی گئی ہے۔ جمال الدین لقب تھا اور قبیلہ قریش کے فرد ہونے کے سبب قرشی تیمی کہلاتے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پندرہویں پشت میں تھے۔ ان کی نسبت الجوزی کے بارے میں سوانح نگاروں کا اختلاف ہے۔ ابن العماد حنبلی کے مطابق اس کی نسبت بصرہ کے ایک نہری /ساحلی دہانے (فرضہ) معروف بہ جوزہ کی طرف ہے جہاں کبھی ان کے ایک جدامجد سکونت پذیر رہے تھے اور اسی کو سب سے زیادہ صحیح توجیہ سمجھا جاتا ہے۔ مقالہ نگار اردو دائرہ معارف اسلامیہ نے فرضہ (دہانہ /بندرگاہ) کے معنی محلہ بتادیے ہیں جو غلط ہیں۔

ولادت وتعلیم

امام ابن الجوزی کی ولادت کے بارے میں بھی اسی طرح مورخین کا اختلاف ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ خود امام موصوف کو اپنا سنہ پیدائش حتمی طور سے معلوم نہ تھا کیونکہ ان کی اپنی ذاتی تحقیق نہ تھی۔ ابن رجب حنبلی کے مطابق ان کا سال پیدائش ۵۰۸ھ اور ۵۱۰ھ کے درمیان تھا۔ جب کہ سبط ابن الجوزی نے حتمی طور سے ۵۲۰ھ بیان کیا ہے۔ اگر چہ اس میں تقریباً کی قید بھی لگادی ہے۔ اس لئے مزید تحقیق ہونے تک یہی سنہ ولادت قطعی سمجھا جانا چاہئے کیونکہ وہ سبط ابن الجوزی کی روایت پر خود امام ہمام سے مروی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تحقیق نہیں کی لیکن وہ ۵۱۰ھ کے لگ بھگ تھا۔ قطعی سمجھا جاتا ہے۔ البتہ ان کے مقام ولادت کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ شہر بغداد کا محلہ درب حبیب تھا جیسا کہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے۔

ان کے والد ماجد کا انتقال ۵۱۳ھ کے قریب ہوا جب ابن الجوزی کی عمر صرف تین سال تھی۔

ان کی پرورش و پرداخت ان کی والدہ ماجدہ اور پھوپھی نے کی اور انہیں دونوں نے ان کی تعلیم و تربیت کی بھی ذمہ داری نبھائی۔ ان کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ہماری معلومات کافی حد تک محدود ہیں۔ البتہ ان کی اعلیٰ تعلیم کی بارے میں یہ ذکر واضح طور سے آتا ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ اور ان کی پھوپھی محترمہ ان کی اکابر علامہ کے پاس لے گئی تھیں۔ سبط ابن الجوزی نے ان کی پھوپھی کے سر سہرا باندھا ہے کہ انہوں نے ہی ابن الجوزی کی تعلیم کی دیکھ بھال کی تھی۔ پھوپھی کے خاندان والے صفار تھے جس کے سبب ان کی نسبت صفاری بھی تھی۔ تمام علوم وفنون اپنے عہد کے مشاہیر علماء اور جلیل القدر شیوخ واساتذہ سے حاصل کئے تھے۔ ان میں قرآن وتفسیر، حدیث وفقہ سیرت و تاریخ، فلسفہ و منطق اور کلام وادب وغیرہ شامل تھے۔ مولانا ابوالحسن ندوی نے "لفتة الكبد في نصيحة الولد" کے حوالہ سے ابن جوزی کا اپنا بیان ان کی تعلیم کے بارے میں نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع سے علم کی تحصیل کے شائق و عاشق تھے۔ اور اسی طرح مطالعہ کے عادی تھے۔

اعلیٰ تعلیم میں امام ابن الجوزی کے شیوخ واساتذہ کی تعداد پچاس سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ امکان ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ ہو علوم فقہ، اصول، خلاقیات اور کلام وجدل کی تعلیم انہوں نے خاص طور سے شیخ ابوبکر دینوری (۵۳۲ھ) اور ابن الفراء سے حاصل کی جب کہ ادب ولغت میں ان کے استاد خاص امام ابومنصور جوالیقی (م۵۴۲ھ) تھے۔ وعظ وتذکیر میں ان کے استاذ ابن الزاغونی (م۵۲۷ھ) تھے۔ ان کے دوسرے شیوخ واساتذہ میں وعظ وتذکیر کے دوسرے استاذ ابوالقاسم العلوی تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے اساتذہ میں ابوالقاسم بن الحصین علی بن عبد الواحد دینوری، ابوعبداللہ حسین بن محمد البارع، ابوالسعادات احمد بن احمد المتوکلی، اسمٰعیل بن ابی صالح المؤذن، فقیہ ابوالحسن بن زعفرانی، ہبۃ اللہ بن الطیر، ابوغالب بن البناء، ابوبکر محمد بن حسین مرزوقی، ابوغالب محمد الحسن ماوردی، اور خطیب اصفہانی ابوالقاسم بن محمد ابن السمر قندی، ابوالوقت سنجری، اور ابونصر کے اسماء گرامی گنانے کے بعد ان کی تعداد ستاسی بتائی ہے۔

مقام ومرتبہ

علامہ ابن الجوزی کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صفات سے نوازا تھا جن میں ان کی ذہانت وذکاوت، زبان ودماغ کی تیزی، اسلوب وادا کی طلاقت بہت اہم تھی۔ ان کے استاد وعظ وتذکیر امام ابن الزاغونی نے جب وفات پائی تو انہوں نے ان کی مسند وعظ وتذکیر کو رونق بخشنی چاہی کہ طبعی طور سے ان کو تذکیر وعظ سے ان کو زیادہ دلچسپی تھی۔ لیکن ان کی کمسنی اور ناتجربہ کاری کے سبب ان کو مسند استاذ نہ مل سکی لہٰذا انہوں نے دوسری جگہ اپنی یہ صلاحیت دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جامع المنصور میں وعظ وتذکیر کرنے کی اجازت مل گئی۔ بعد میں انہوں نے باقاعدگی سے جامع قصر، جامع رصافہ، جامع المنصور، باب بدر اور تربۃ ام الخلیفۃ وغیرہ مقامات پر چالیس برس تک وعظ دیئے۔

یہ ان کی تحصیل علم کا زمانہ تھا۔ اور ان کی خوش بختی تھی کہ تذکیر ووعظ کی مسند پر متمکن ہونے کے باوجود ان کا تحصیل علم کا شوق سرد نہیں ہوا بلکہ اور تیز ہوگیا۔ اس میں ان کے اس ذہنی رجحان کا بھی کافی دخل تھا کہ تحصیل علم بھی عبادت تھی اور اس کو بطور عبادت حاصل کرتے تھے۔ اور حصول علم کے لئے وہ اپنی غذا بلکہ عمدہ غذاؤں اور بہترین لباس کو بھی ضروری سمجھتے تھے اور ان کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ لیکن اس میں بھی زہد وقناعت کا پورا اثر تھا۔

وعظ وتذکیر نہ صرف ان کی پہلی پسند تھی بلکہ ان کی شہرت وعظمت کی اولین بنیاد اور ہمہ گیر اساس تھی۔ ان کی فصاحت وبلاغت اور ان کی علمیت وفضیلت نے ان کے مواعظ کو بہت مقبول بنایا عوام وخواص دونوں میں۔ ابن ہبیرہ کی وزارت کے زمانے میں اس کے خاصے قریب رہے اور خلیفہ المستنجد باللہ نے اپنی تخت نشینی کے موقعہ پر ۵۵۵ھ ان کو خلعت فاخرہ سے نوازا اور خلیفہ المستضی (۵۷۵-۵۶۶) کے عہد میں ان کے تعلقات اتنے خوشگوار رہے کہ انہوں نے اپنی ایک کتاب ان کے نام سے معنون کی۔ بعد میں انہوں نے ایک اور کتاب خلیفہ عباسی کے نام سے معنون کی۔ خلیفہ نے بدلے میں ان کو انعام واکرام سے نوازنے کے ساتھ ساتھ باب الدرب میں وعظ کہنے کی اجازت عطا کی۔ ان تعلقات کے باوجود ابن الجوزی کے دل میں نہ تو خلفاء وامراء سے فائدہ اٹھانے کی غرض پوشیدہ تھی اور نہ کوئی دوسری مادی منفعت پیش نظر رہی تھی۔

تدریس وتذکیر

حافظ ابن الجوزی نے ۵۷۰ھ میں بغداد کے محلّہ درب دینار میں ایک مدرسہ قائم کیا اور وہاں تدریس وتعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ ابن رجب کے بقول اسی برس انہوں نے اپنے مواعظ میں قرآن کریم کی تفسیر تمام کی اور عالم اسلام کے پہلے واعظ بن گئے جنہوں نے وعظ وتذکیر میں قرآن کریم کی تفسیر کا سلسلہ زریں شروع کر کے اسے پایہ تکمیل بھی پہونچایا ہو۔ ان کی شہرت وجلالت کا یہ سنہری دور تھا اور خلفاء امرا اور ارا کین سلطنت اور علماء وفقہاء کے علاوہ بغداد کے عوام ان کے مواعظ میں شرکت کیا کرتے تھے۔ اور ان کی تعداد ایک لاکھ تک بیان کی جاتی ہے جب کہ ان کی مجالس درس میں پانچ سے دس ہزار تک طلبہ اور شائقین علم شرکت کرتے تھے۔ حافظ ذہبی نے ان کے تلامذہ میں ابن الصاحب یحیٰ، سبط ابن الجوزی، حافظ عبدالغنی، ابن الزبیدی، ابن النجار، ابن خلیل، ابن عبدالدائم وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کے مواعظ اپنے اشراف وتاریخ کے لحاظ سے کافی اہمیت کے حامل تھے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور غیر مسلموں میں سے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔ علامہ ابن الجوزی نے اپنی کتاب القصاص والمذکرین میں اپنے مواعظ کے اثرات کے بارے میں خود بھی لکھا ہے۔ جس کی تصدیق امام ذہبی نے بھی کی ہے۔

غالباً تذکیر مسابقت، معاصرانہ چشمک، مسلکی اختلاف، تصوف وشریعت کی آویزش اور بعض دوسری وجوہ سے امام ابن الجوزی کو اپنے کئی معاصرین کی مخالفت وعداوت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ امام موصوف شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱-۴۷۰ھ/۱۱۶۶-۱۰۷۷ء) کے کچھ زیادہ قائل نہ تھے۔ ان میں ان کی شدت اصلاح اور بدعات کی سخت گیر نکتہ چینی بھی دو اور وجوہ تھیں اور ان کے سبب ان کے اپنے مسلکی معاصرین بھی فتنہ کی خرابیوں سے خوفزدہ اور اندیشہ مند تھے اور سخت کلامی اور شدت روی سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ ضعیف روایات کی بھی سختی سے مخالفت کرتے تھے اور مواعظ وتقاریر میں بھی ان کو جائز نہیں قرار دیتے اور ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ امام احمد بن حنبل اور ان کے مسلک کی شدت سے حمایت وتائید اور تبلیغ وتشہیر کیا کرتے تھے۔ بہرکیف انہیں وجوہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی کے فرزند گرامی قدر سے ان کے تعلقات کشیدہ ہوگئے اور یہ کشیدگی اتنی بڑھی کہ اس کی

پاداش میں امام ابن الجوزی کو سخت مصائب کا سمنا کرنا پڑا اور آخری عمر میں تو ان کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ وہ ۵۹۰ھ سے ۵۹۵ھ تک پانچ سال شہر واسط کی جیل میں گرفتار رنج و محن رہے اور آخر میں خلیفہ وقت کے حکم سے ان کو اس سے رہائی ملی۔ مگر یہ رہائی کچھ زیادہ مفید نہ ثابت ہوئی۔ امام ابن الجوزی واسط سے بغداد واپس پہونچے اور اپنے مشاغل میں لگ گئے اور دو سال کے اندر اندر مختصری علالت کے بعد رمضان ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء میں لگ بھگ نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے انتقال پر بغداد ماتم کدہ بن گیا۔ پورا شہر بند رہا اور لاکھوں افراد نے ان کے جنازے میں شرکت کی۔ حافظ ذہبی نے تصریح کی ہے کہ ان کے جنازہ میں بہت سے طبقات کے لوگ شامل تھے۔

جہاں تک ان کی شخصیت کا تعلق ہے وہ بہت عابد و زاہد شخص تھے ہر ہفتہ قرآن مجید ختم کرتے ،گھر سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے اور مجلس ہفتہ واری کے لئے مسجد جامع جاتے ،مزاح و مذاق سے دور رہتے ،اور بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے اور صرف اکل حلال پر گذارہ کرتے تھے کسی شے کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگاتے جب تک اس کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔

سبط ابن الجوزی کے مطابق ان کے تین فرزندان گرامی عبد العزیز (م ۵۵۴ھ) ابوالقاسم علی (م ۶۳۰ھ) اور ابو محمد یوسف تھے اور ثانی الذکر کے سوا دونوں صاحبان علم و فضل تھے۔ علامہ موصوف کی متعدد دختر تھیں جن میں چھ کا نام مذکور ہے اور ان سب نے والد ماجد سے سماعت حدیث کی تھی۔ ان میں رابعہ سبط ابن الجوزی کی ماں تھیں۔

تصانیف

امام ابن الجوزی واعظ و مذکر کے ساتھ ساتھ عظیم مؤلف اور تیز رفتار مصنف بھی تھے۔ وہ در اصل زبان و قلم دونوں کے دھنی تھے۔ نو عمری ہی سے تصنیف و تالیف کی طرف راغب ہوئے۔ بقول حافظ ابن تیمیہ میں نے ان کی تالیفات شمار کیں تو ہزار تک پہونچیں۔

تیم قلمی کے باوجود ان کی علمی فضیلت اور فنی حیثیت مجروح نہ ہوئی تھی۔ اس پر تمام علماء اور نقادان فن کا اتفاق ہے کہ ان کا علمی پایہ ہر میدان قلمکاری میں بہت بلند اور عالی ہے۔ انہوں نے خود لکھا ہے کہ تقریباً تین سو کتابیں ان کے قلم تیز رفتار سے نکلیں اور ان کی فہرست بھی خود انہوں نے مرتب کی تھی

جو ابن رجب کی کتاب ذیل طبقات الحنابلہ میں موجود ہے اور امام موصوف کے نواسے سبط ابن الجوزی مرآۃ الزمان میں موضوعات کے اعتبار سے تقریباً ڈھائی سو تصانیف ابن الجوزی کی ایک فہرست نقل کی ہے۔ سبط ابن الجوزی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے آخری عمر میں منبر سے کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنی ان دونوں انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھیں۔ ان کی موجودہ اور دستیاب کتابوں وغیرہ کی تعداد بھی سو تک پہونچتی ہے۔ ان سب کی فہرست نقل کرنی تو مشکل ہے تاہم اہم ترین کتابوں کی ایک فہرست دی جاتی ہے۔

علوم قرآن وتفسیر

(۱) کتاب المعین ۸۱/اجزاء میں مگر مبیضہ تیار نہیں کیا اور نہ وہ مشہور ہوئی (۲) زاد المسیر فی علم التفسیر (چار جلدیں) (۳) تلخیص (کئی جلدیں) (۴) تذکرۃ الادیب فی علم الغریب (ایک جلد) (۵) تیسیر البیان فی تفسیر القرآن (ایک جلد) (۶) ناسخ القرآن ومنسوخہ (ایک جلد اور ایک جلد میں اس کا اختصار بھی لکھا) (۷) فنون الاحیان فی علم القرآن (ایک جلد) (۸) کتاب الوجوہ والنظائر (ایک جلد اور اس کا اختصار بھی) (۹) غریب الحدیث (چار اجزاء) (۱۰) کتاب السبعۃ فی القراءات السبع (چار اجزاء) (۱۱) کتاب الاشارہ فی القراءات المختارہ (ایک جزء) (۱۲) کتاب المنقبۃ فی عیون النسبۃ (ایک جزء)۔ کل پندرہ کتابیں۔

علوم الحدیث

علوم الحدیث میں کل اٹھائیس کتابیں لکھیں جن میں سے اہم ترین ہیں: (۱) کتاب جامع المسانید بالحصر الاسانید (سات جلدیں) (۲) غرر الاثار (پانچ جلدیں) (۳) الکشف عن معانی الصحیحین (چار جلدیں) (۴) کتاب غریب الحدیث (دو جلدیں) (۵) کتاب الضعفاء والمتروکین (دو جلدیں) (۶) کتاب الموضوعات (دو جلدیں) (۷) کتاب تلقیح فہوم اہل الاثر فی علم التواریخ والسیر (ایک جلد (۸) ناسخ الحدیث ومنسوخہ (ایک جلد اور اس کا مختصر بھی) (۹) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ (دو جلدیں) اور اسماء والقاب، مسلسلات، نسب، موتلف ومختلف وغیرہ متعدد اقسام حدیث اور شیوخ پر کتابیں ہیں۔

علوم فقہ

علوم فقہ میں سبط ابن الجوزی نے بیس کتابوں کے نام گنائیں ہیں جیسے (۱) کتاب المذہب فی المذہب (دو اجزاء) (۲) کتاب الدلائل فی مشہور المسائل (دو جلدیں) (۳) مسبوک الذہب (ایک جلد) (۴) التلخیص (ایک جلد) (۵) الانصاف فی مسائل الخلاف (ایک جلد) (۶) کتاب مناسک الحج (ایک جزء) (۷) کتاب العدۃ فی اصول الفقہ (ایک جزء)۔

سیرت وسوانح

سیرت وسوانح کی کتابوں کو سبط ابن الجوزی نے مناقب کی تصانیف قرار دے کر ذکر کیا ہے ان میں اہم ترین ہیں: (۱) الوفاء بفضائل المصطفیٰ (دو جلدیں) یہ کتاب سیرت ہمارے زیر بحث ہے اور الوفا باحوال المصطفیٰ کے عنوان سے چھپی ہے۔

(۱) مناقب عمر بن الخطاب (۲) مناقب عمر بن عبد العزیز (۳) مناقب ابن المسیب۔ ایسی کتب مناقب میں تیس کتابوں کا ذکر کیا ہے اور بقیہ حضرات حسن بصری، سفیان ثوری، ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، بشر الحافی، احمد بن حنبل، معروف کرخی (دو جلدیں) رابعہ بصریہ (دو جلدیں) کے علاوہ طبقات، مقامات اور علوم وغیرہ کے فضائل پر کتابیں بھی شامل ہیں جیسے اصحاب حدیث، سودان وحبش، اسراء الموالی، فقہ، قدس، شب جمعہ، عورتوں، قیام لیل، مشاجرۃ عمرو غیرہ کے فضائل پر ہیں۔

تواریخ السیر

تواریخ السیر پر بارہ کتابوں کے عناوین دیے ہیں (۱) کتاب المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (دس جلدیں) (۲) سلوۃ الحزون (دو جلدیں) (۳) مناقب بغداد (۴) شذور العقود (۵) المجد ی القصدی (۶) المفاخر فی ایام الناصر (۷) المصباح المضی بفضائل المستضی (۸) الاعامر فی ذکر الامام الناصر وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں اول الذکر عظیم تاریخ اسلامی ہے جو پوری اسلامی تاریخ بیان کرتی ہے۔

علم الاصول

علم الاصول میں بارہ کتابوں میں سے منہاج الوصول الی علم الاصول، منتقد المعتقد، شفاء علل الامراض وغیرہ ہیں۔

علم عربیت

علم عربیت پر مذکورہ کتابوں میں فضائل العرب، الاقبال، تقویم اللسان، ملح الاعاریب، فتوی قضیہ العرب، نزہۃ اہل الادب، المالوف دون الغریب ہیں۔

علم رقائق

علم رقائق پر ان کی مشہور اور اہم ترین کتابیں ہیں جیسے صفوۃ الصفوۃ، اسباب الہدایۃ، عیون الحکایات، العقل، الصلوات والادعیۃ، البر والصلہ، الانس والمحبۃ، الوصیۃ، الحسد، الریاضہ، المحاضرات وغیرہ کل چوبیس کتابوں کا نام مذکور ہے۔

ریاضات

ریاضات وغیرہ (نقد وتنقید) پر بتیس کتابوں کا نام بیان کیا ہے جن میں مشہور ترین تلبیس ابلیس، ذم الہوی، منہاج القاصدین، صید الخاطر، الاذکیاء، الحث علی طلب العلم، تنبیہ الغمر علی مواسم العمر وغیرہ ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے صید الخاطر کی بہت تعریف کی ہے اور اس کے کافی اقتباسات نقل کئے ہیں۔ اور تلبیس ابلیس کو ان کی نقاد طبیعت اور سلفی ذوق کا اصل نمونہ قرار دیا ہے۔

وعظ

وعظ پر تقریباً پینسٹھ کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں کتاب التبصرۃ، المنتخب، الذخیرہ، المستجد والمستجید، المدہش، موافق المرافق، المقتبس، نسیم الریاض، المرتجل، النور، المقامات، شاہد ومشہور، الیاقوتہ وغیرہ ہیں۔

ان کے علاوہ طب میں چھ کتابوں، اشعار میں دو ضخیم کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ان کی کتابوں کی کل تعداد مذکورہ دو سو پچپن بتائی ہے اور آخر میں کہا ہے کہ ایک روایت کے مطابق ابن الجوزی کی کل تالیفات کی تعداد آٹھ سو تک پہونچتی ہے۔

طریقۂ تالیف

امام ابن الجوزی کا طریقۂ کار مختلف فنون وعلوم میں مختلف نظر آتا ہے۔علوم قرآن وحدیث میں وہ یکسر علمی اور تحقیقی ہے وہ مسائل وموضوعات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔انہوں نے قرآنی علوم اور تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر اعلیٰ کام کیا جن میں ناسخ ومنسوخ، غریب وجوہ ونظائر اور قراءات وغیرہ شامل ہیں۔اسی طرح علوم حدیث میں ان کا درجہ اتنا بلند تھا کہ وہ دعوے سے کہا کرتے تھے کہ میں ہر حدیث کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ صحیح ہے یا حسن یا محال۔" حدیث کے فن میں ان کی جلالت مقام اور علوم منزلت کا اعتراف تمام اکابر محدثین اور ناقدین کو ہے اور ان کی کتابیں خاص کر کتاب "الموضوعات" نے موضوع روایات کے نقد وجرح کا ایک نیا معیار پیش کیا۔انہوں نے مختلف موضوعات حدیث پر لکھا اور ہر ایک میں اپنا لوہا منوالیا اور ان کو صحیح روایات واحادیث کا پارکھ اور غلط اور موضوع روایات کا ناقد بنا دیا۔تذکیر ووعظ میں بھی ان کی تنقیدی وصف نمایاں ہے۔

اسی طرح فقہ واصول، وعظ وتذکیر اور سیرت وسوانح اور تاریخ نگاری امام ابن الجوزی کا مقام بہت بلند ہے اور ان کے تالیفات کی عظیم خصوصیات ہیں لیکن ان سے سر دست ہمیں بحث نہیں۔ہر وقت ہم کو سیرت نگاری کی خصوصیات سے دلچسپی ہے کہ ان کی کتاب الوفاء باحوال المصطفیٰ خاص کر اور دوسری کتب سیرت بالعموم پیش نظر ہیں۔

علامہ ابن الجوزی کی کتاب سیرت کی نمایاں ترین خصوصیت اس کی انفرادی حیثیت ہے۔وہ اپنے منہج ومواد اور طریقۂ تالیف کے لحاظ سے عمومی تالیفات سیرت سے قطعی جداگانہ ہے۔وہ صرف رسول اکرم ﷺ کی سوانح وحیات ہی نہیں بیان کرتی بلکہ فضائل وشمائل دلائل اور خصائص بھی پیش کرتی ہے۔ان کے علاوہ آپ کے دینی اور دنیاوی معمولات کو الگ الگ ابواب میں زیر بحث لاتی ہے۔ علامہ موصوف نے سیرت نبوی کے ہر پہلو کو پینتیس ابواب میں پیش کیا ہے اور ان بڑے ابواب کے ذیلی

ابواب کی کل تعداد پانچ سو چونتیس ہے ان کا مزید اور محکم اندازہ کتاب کے عمومی جائزے میں ملے گا۔

غالبًا علامہ ابن الجوزی پہلے یا اولین سیرت نگاروں میں ہیں جنہوں نے سیرت نبوی کو ایک دائرۃ المعارف کی صورت میں سمجھا اور پیش کیا ہے۔ انہوں نے سیرتی پہلوؤں اور تاریخی ابواب کے پہلو بہ پہلو عبادات، معاملات، سماجی زندگی، معاشی حالات، اسفار، نکاح و معاشرت، معجزات، معنوی صفات، انبیاء کرام پر فضیلت، بعث و حشر نبوی، ابواب خواب وغیرہ سبھی کو سمیٹ لیا ہے۔ امام ابن القیم نے زاد المعاد میں اور دوسرے سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں اس موسوعاتی طرز نگارش کو بعد میں اپنایا اور غالبًا ان پر امام ابن الجوزی کی سیرت نگاری کا اثر واضح طور سے پڑا تھا۔

"الوفاء باحوال المصطفی" کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ تقریباً تمام قدیم و مستند سیرت نگاروں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی روایات پیش کرتے ہیں ابن اسحاق وغیرہ کو نمایاں حیثیت دی ہے اور ان کی روایات بیان کی ہیں اور کہیں کہیں ان کا حوالہ دیا ہے۔

چونکہ وہ خود اعلیٰ پایہ کے محدث و ناقد حدیث تھے اس لئے ان کی کتاب سیرت روایات حدیث سے قدم قدم پر آراستہ و پیراستہ نظر آتی ہے۔ اکابر محدثین جیسے بخاری، مسلم، بیہقی، طبرانی، ابن عساکر وغیرہ کی نہ صرف روایات دی ہیں بلکہ ان میں محاکمہ، تطبیق و تنقید کا طریقہ بھی اپنایا ہے۔

احادیث و روایات کے ضمن میں اکثر و بیشتر وہ صحیح روایات پر اعتماد کرتے ہیں لیکن آپ کی ازلی نبوت، آپ کی رسالت کے بارے میں پیشگوئیوں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے سلسلہ میں معجزات اور خوارق کے وجود میں آنے کی ضعیف روایات بھی ان کے ہاں کثرت سے اور بلا تنقید و تبصرہ پائی جاتی ہیں۔

تنقید اور جرح و تعدیل کی وہ صفت خاص جس کے لئے حافظ ابن الجوزی شہرت عام اور بقائے دوام رکھتے ہیں وہ سیرت نبوی کے باب میں خاصی کم نظر آتی ہے بلکہ مفقود سی محسوس ہوتی ہے۔ وہ سیرت و حیات کے بعض واقعات جیسے نسب نبوی، تاریخ ولادت وغیرہ پر روایات کا محاکمہ کرتے اور صحیح کو تسلیم اور ضعیف کو مسترد کرتے نظر آتے ہیں لیکن وہ بشارات وغیرہ کے باب میں ضعیف روایات پر نہ صرف تنقید نہیں کرتے بلکہ ان کو حیرت انگیز طور سے قبول کر لیتے ہیں۔

ازلی بعثت نبوی اور ولادت وغیرہ پر مبنی مکی حیات طیبہ کو وہ ہجرت کے اولین واقعات تک تاریخی اور واقعاتی ترتیب کے مطابق بیان کرتے ہیں لیکن بعد ہجرت ان کا طریقۂ ادا بدل جاتا ہے۔ وہ نبوی

حیات کے دوسرے پہلوؤں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تاریخی ترتیب کا چنداں خیال نہیں کرتے۔ تحویل قبلہ اور فرضیت رمضان اور فضیلت مدینہ پر بحث کر کے وہ معجزات، انبیائے کرام پر آپ کی فضیلت، شمائل وحلیہ معنوی صفات، معاشرتی آداب واقدار، زہد وقناعت، عبادت وطہارت، عبادات، نماز، روزہ، حج وعمرہ، خوف وتضرع، ادعیہ، اثاث البیت، لباس، اکل وشرب وغیرہ پر ابواب باندھ کر اور متعلقہ طویل بحثیں کر کے کافی دیر بعد غزوات وسرایا کے بیان پر آتے ہیں اور پھر تاریخی ترتیب قریب قریب اپنا لیتے ہیں۔

اس بحث اور موضوعات کے مختصر تجزیہ سے واضح ہوتا ہے کہ ابن الجوزی کی کتاب الوفا موضوعاتی دائرہ معارف سیرت ہے اور وہ تاریخی وسوانحی یا سنہ وار واقعات کی تفصیل پر مبنی کتاب نہیں ہے۔

حافظ ابن الجوزی نے پینتیس ابواب کو صدہا ذیلی ابواب میں تقسیم کر کے مختصر اور مکمل نگاری کا ایک جامع نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ اصل مبحث کو ذیلی ابواب وفصول میں منطقی ترتیب کے ساتھ پیش کر کے بحث کو بالکل منقح اور صاف کر دیتے ہیں۔ اس میں وہ اختصار کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ وضاحت اور باب مبحث سے پوری طرح وفاداری ان کو خلط مبحث سے بچاتی ہے اور ان کی توجہ پوری طرح زیر بحث نکتہ اور اصل مسئلہ پر مرتکز رہتی ہے۔

اگرچہ امام ابن القیم کی طرح حافظ ابن الجوزی کے ہاں سیرت نبوی کو اسوۂ ونمونہ اور عملی سنت بنا کر پیش کرنے کا بہت واضح انداز نہیں ملتا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ امام جوزی کی سیرت نبوی کا مقصد یہی تھا کہ لوگ اس کو پڑھ کر رسول اکرم ﷺ کی سیرت کو اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر میدان میں اسوہ ونمونہ بنا کر سعادت دارین کے مستحق بنیں۔ اس مقصد ومقصود کا ذکر انہوں نے اپنے مقدمہ میں مختصر طور سے کیا بھی ہے۔

ان کی سیرت نگاری میں بعض اہم انفرادی معلومات اور خیالات اور روایات بھی ملتی ہیں۔ مثلاً وہ آپ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کے دو حقیقی بھائیوں - ابو طالب اور زبیر - کا ذکر کرتے ہیں جب کہ عام رجحان یہ ہے کہ وہ صرف اول الذکر کا بعض وجوہ سے ذکر کرتے ہیں اور نہ جانے کیوں آخر الذکر کو نظر انداز کرتے ہیں[۲۳]۔ ولادت نبوی کی تاریخ میں بھی ان کی انفرادیت نظر آتی ہے کہ وہ ۱۲ ربیع الاول کے مقابلہ میں دس ربیع الاول کی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہیں۔ حلف الفضول، جوار کا فر کے فقہی اور شرعی حکم اور اسی طرح متعدد دوسرے منفرد مباحث اس کتاب میں ہیں۔

ابن الجوزی کی

کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ

امام ابن الجوزی کی سیرت نبویہ پہلی بار مصطفیٰ عبد الواحد نے دارالکتب الحدیثیہ قاہرہ سے ۱۹۶۶ء میں شائع کی۔ مطبعہ السعادہ کی مطبوعہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ جلد اول اور جلد دوم کے صفحات مسلسل ہیں اور متن کتاب آٹھ سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے پھر ۸۶۳ تک فہرست اعلام واشاریہ وغیرہ ہیں۔ ناشرین ومحقق کے بیان کے مطابق وہ کتب خانہ تیموریہ اور خزانۂ کتب ازہر پر مبنی ہے۔

کتاب کا آغاز محقق کی ''تقدیم'' سے ہوتا ہے جس میں حمد وصلوۃ کے بعد ابن الجوزی کی کتاب سیرت کو مدتوں بعد پیش کرنے کی بات کہی گئی ہے اور پھر تین امور یعنی مولف کتاب کی سوانح ومقام، موضوع کتاب کی اہمیت وجلالت اور کتاب زیر بحث کی علو مرتبت پر بحث کی گئی ہے (الف - ظ)۔ اس کے بعد ''فہرس الموضوعات'' جو صرف جلد اول سے متعلق اور سات صفحات (الف م - زم) پر محیط ہے۔ جلد دوم کی فہرس الموضوعات اس کے متن کے آخر میں (۸۲۹-۳۷) نو صفحات پر مبنی ہے اور اس کے آخر میں فہرس الاعلام حروف تہجی کے مطابق (۸۳۸-۶۳) اور تصویبات (۸۶۴) ہیں۔ فہرس الاعلام ہی اشاریہ ہے۔

علامہ ابن الجوزی کی کتاب سیرت اپنے مواد ومنہج کے اعتبار سے عمومی تاریخی کتب سیرت کے برعکس اور بہت اہم ہے۔ ایک طرف تو وہ سیرتی دائرۃ المعارف ہے کہ سیرت نبوی کے تقریباً تمام ابواب ونواحی کا احاطہ کرتی ہے اور دوسری طرف اس کی حیثیت ایک کتاب ہدایت ونسخۂ دلالت کی ہے کہ پیروان اسلام اس کے آئینہ میں اپنے عظیم وکریم رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر کے سعادت دارین سے بہرہ ور ہوں۔ اس کی کتاب مستطاب کے مواد ومنہج اور انفرادیت کا اندازہ اس کے ابواب وفصول کے تجزیہ سے ہوتا ہے۔

متن کتاب کا آغاز "مقدمة المؤلف" سے ہوتا ہے جس میں حمد وصلوۃ کے بعد مؤلف گرامی نے رسول اکرم ﷺ کو خلاصۃ الوجود قرار دے کر آپ کی عظمت وجلالت کے اظہار کے غرض سے ایسی کتاب لکھنے کا منصوبہ بنایا جو آپ کے عظیم مرتبہ ومقام پر روشنی ڈالے، اس لئے انہوں نے آپ کی سیرت از اول تا آخر مع تمام گوشوں کے بیان کر دی اور اس عظیم کتاب سیرت کے ابواب پانچ سو سے زیادہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے "ذکر تراجم الابواب" کے تحت مختلف عناوین کے تحت ابواب کی فہرست دی ہے۔ پہلی بحث یا عنوان ہے: "ابواب بداية نبينا ﷺ" جس میں چھیالیس ابواب ہیں۔ دوسرا عنوان "ابواب ذكر نبوته ﷺ" پینتیس ابواب رکھتا ہے۔ تیسری بحث "ابواب هجرته الى المدينة (ص)" بیس ابواب پر مشتمل ہے۔ بقیہ عناوین ومباحث اور ان کے ابواب کی تفصیل یوں ہے: "ابواب معجزاته ﷺ" (۳۱) ابواب فضله على الانبياء الخ (۱۱) ابواب صفات جسده ﷺ (۳۱)، ابواب صفاته المعنويه (۱۲) ابواب آدابه وسمته ﷺ (۲۶) ابواب زهد رسول الله ﷺ (۶) ابواب تعبده ﷺ کو مختلف ذیلی ابواب میں منقسم کیا ہے جیسے ابواب طہارت نبوی (۹) ابواب صلاۃ نبوی (۱۹) ابواب صوم نبوی (۱۳) ابواب حج وعمرۂ نبوی (۱۲) ابواب خوف تضرع نبوی وغیرہ (۸) ابواب دعائے نبوی (چار) ابواب آلات بیت نبوی (نو) ابواب لباس نبوی (۱۵) ابواب ذکر مراکب نبوی (۶) ابواب موالی وخدام نبوی (تین) ابواب زینت نبوی (دس) ابواب اکل وماکولات (۳۲) ابواب شرب ومشروبات (۱۲) ابواب خواب (دس) ابواب طب (تین) ابواب نکاح نبوی (۱۱) ابواب سفر نبوی (۱۰) ابواب آلات جنگ (۹) ابواب غزوات نبوی (۲۹) ابواب سرایائے نبوی (۴) ابواب مکاتبۃ الملوک (۱۲) ابواب الوفود (۱۱) ابواب حالات بعد حجۃ الوداع (۵) ابواب مرض ووفاۃ نبوی (۴۹) ابواب بعث وحشر نبوی (۱۱) اس پر مقدمہ مؤلف اور فہرست ابواب کتاب ختم ہوتی ہے (۲۹-۱) مذکورہ ابواب کی کل تعداد پانچ سو چونتیس ہے جب کہ کل ابواب کی تعداد پینتیس ہے۔

باب اول جو رسول اکرم ﷺ کی ابتدائے آفرینش ورسالت سے متعلق ان احادیث وآثار پر مشتمل ہے جو تخلیق آدم سے قبل آپ کی ولادت ورسالت پر دلالت کرتی ہیں جیسے حضرات عرباض بن ساریہ اور میسرۃ الفجر کی دو احادیث / نوعہ کہ آپ اس وقت بھی خاتم النبیین (اور نبی) تھے جب کہ

حضرت آدم ابھی اپنی طینۃ اور روح و جسد کے درمیان تھے (۴-۳۳)۔ دوسرا باب اس مٹی (طینۃ) پر ہے جس سے آپ کی تخلیق ہوئی اور وہ آپ کے قبر مبارک کے مقام اعلیٰ کی مٹی تھی۔ پھر آپ کا نور پیشانی آدم میں چمکا اور ان کی صلب سے ایک طاہر سے ہوتا ہوا دوسرے طاہر کو منتقل ہوا۔ اس میں حضرت ابن عباس کی روایت اور حمد بھی ہے (۵-۳۴)۔ باب سوم دعائے ابراہیمی (سورہ بقرہ) پر ہے کہ آپ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی اسی میں والدہ آمنہ کے قصور شام دیکھنے کا حوالہ بھی ہے (۲۶) جب کہ باب چہارم تورات و انجیل میں آپ اور آپ کی امت کے ذکر خیر کے لئے مخصوص ہے، متعدد آیات قرآنی (اعراف: ۱۵۷، آل عمران: ۸۱ وغیرہ) کے ساتھ ساتھ مفسرین صحابہ کی تشریحات، تابعین و علماء کے اقوال، محدثین جیسے بخاری وغیرہ کی روایات کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے انحراف و تکذیب کا حوالہ بھی (۳-۴۷-۳۶) اس میں بعض سیرتی اور تاریخی روایات بھی ہیں۔ یہ خاصا مفصل باب ہے۔ ان میں بشارات اور پیشگوئیاں بھی ہیں جو آپ کی بعثت و ولادت سے قبل آپ کے نبی ہونے کا اظہار کرتی ہیں۔ پہلے تورات کی بشارات بیان کی ہیں اور پھر انجیل کی اور دونوں یہودی، عیسائی اور مسلم مآخذ کے حوالہ سے۔ آپ کے علاوہ آپ کی امت، مکہ، حرم اور کعبہ وغیرہ کے متعلق روایات ہیں۔ پانچواں باب اس عنوان پر ہے کہ آپ کے ایک قدیم جد امجد کعب بن لوئ نے پانچ سو ساٹھ سال پہلے آپ کی بعثت کی پیشگوئی کی تھی (۴-۳-۷۳)۔ چھٹا باب اس خواب کا ذکر کرتا ہے جو نصر بن ربیعہ لخمی نے آپ کے وجود عالی کے باب میں دیکھا تھا (۶-۴-۷۴) ساتواں باب آپ کے نسب کو عدنان تک متفقہ اور عدنان سے اوپر مختلف فیہ قرار دیتا ہے۔ نسب کو حضرت آدم تک نہیں لیجایا گیا ہے صرف حضرت ابراہیم تک محدود رکھا گیا ہے (۷-۶-۷۴)۔ آٹھواں باب آپ کے آباء و اجداد کی طہارت و شرف اور بزرگی پر ہے اور اس میں مسلم، بیہقی، طبرانی، ابن عساکر وغیرہ کی روایات ہیں (۸-۷۷)۔ نواں باب تمام عرب کو آپ کا خونی رشتہ دار قرار دیتا ہے (۹-۸-۷۸) دسواں آپ کے نسب کو نکاح پر قائم بتاتا ہے جس میں سفاح کا شائبہ بھی نہ تھا۔ اس میں دو روایات ہیں (۷۹) گیارہواں عبد المطلب کے اس خواب کا ذکر کرتا ہے جو آپ کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بلا سند روایت ہے (۸۰-۷۹) اگلے دو ابواب (۱۲) اور (۱۳) بالترتیب حضرت خالد بن سعید بن العاص اموی اور عمرو بن مرہ کے قبل بعثت خوابوں سے متعلق ہیں اور وہ آپ کی بعثت پر دلالت کرتے ہیں (۸۴-۸۰)۔

چودھواں باب بنو زہرہ میں عبدالمطلب اور ان کے فرزند عبداللہ کی شادی سے متعلق ہے جو انہوں نے یہودی عالم زبور کے مطابق کی تھی۔ اول الذکر نے ہالہ بنت وہب سے اور موخر الذکر نے آمنہ بنت وہب سے (۵-۸۴)۔ پانچواں باب آپ کے والد ماجد عبداللہ پر ہے جس میں عبداللہ ،ابوطالب اور زبیر کو حقیقی بھائی اور فاطمہ بنت عمرو کا فرزند کہا ہے اسی میں زمزم کی کھدائی ،نذر قربانی، کا ذکر بھی ہے (۶-۸۵)۔ سولھواں باب عبداللہ و آمنہ کی شادی اور اس عورت کے بارے میں ہے جس نے عبداللہ پر اپنا آپ پیش کیا تھا (۸۸-۸۶)۔ سترھواں باب دوران حمل بی بی آمنہ کی کیفیات پر ہے (۹-۸۸)۔ اٹھارھواں باب عبداللہ کی وفات، عمر، تدفین وغیرہ پر ہے (۸۹)۔ انیسواں آپ کی ولادت باسعادت پر کہ ربیع الاول کہ دس ربیع الاول عام الفیل کو پیدا ہوئے۔ دو اور بارہ کی روایات ضعیف سمجھ کر مذکور ہوئی ہیں۔ اس کے بعد جائے ولادت کی روایات بھی ہیں۔ زہری اور ابن اسحاق کے حوالے بھی (۹۱-۹۰)۔ بیسواں باب قصۂ فیل بیان کرتا ہے جس میں ابرہہ کے حملہ وانجام اور قریش اور عبدالمطلب کے ردعمل کے علاوہ بعض دوسری روایات بھی ہیں (۴-۹۱)۔ اکیسواں باب ان معجزات پر ہے جو آپ کی والدہ نے آپ کی ولادت پر دیکھے تھے (۶-۹۴)۔ اس میں دوسروں کی روایات ہیں جیسے عباس کی روایت کہ آپ مختون و مسرور پیدا ہوئے اور عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت کہ جنہوں نے ندائے غیب دی۔ بائیسواں باب آپ کے مختون اور کپڑوں میں پوشیدہ ہونے کی روایات مزید دیتا ہے (۹۷) تیئسواں ان حوادث پر ہے جو آپ کی ولادت کی رات پیش آئے جیسے ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ نار فارس بجھ گئی وغیرہ (۱۰۰-۹۴)۔ چوبیسواں باب ان عظیم حوادث پر ہے جو آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف برسوں میں پیش آئے جیسے سال ولادت قصہ فیل، یوم جبلہ، ساتویں برس آپ کی آنکھوں کی بیماری، آٹھویں برس وفات عبد المطلب ، کفالت ابوطالب اور انتقال انوشیرواں، دسویں برس فجار اولی، پندرھویں برس چچا زبیر کے ساتھ سفر اور پیشگوئی بعثت، اسی طرح بعد بعثت آپ کے سیرت کے اہم واقعات جیسے نزول وحی اور ہجرت کا ذکر ہے (۳-۱۰۰)۔

پچیسواں باب آپ کے اسماء گرامی پر (۵-۱۰۳)، چھبیسواں آپ کی کنیت پر (۶-۱۰۵) ستائیسواں آپ کی رضاعت اور دایہ ثوبیہ اور حلیمہ کے بعض واقعات پر (۷-۱۰۶)، اٹھائیسواں خاص حضرت حلیمہ کے نسب و اولاد اور آپ کی رضاعت کے واقعات اور معجزات پر (۱۰-۱۰۷) انتیسواں

بچپن میں آپ کے شرح صدر پر ابن سعد وغیرہ کی متعدد روایات سے متعلق ہے (۱۵-۱۱۰)، تیسواں عمر شریف کے پانچ سال پورے ہونے واقعات پر ہے اس میں آپ کو حضرت حلیمہ کے مکہ لانے کا واقعہ خاص ہے (۷-۱۱۵)۔ اکتیسواں آپ کی والدہ کی وفات پر مختلف روایات رکھتا ہے (۹-۱۱۷) بتیسواں وفات آمنہ کے بعد عبدالمطلب کی کفالت پر ہے اور دادا کی محبت وشفقت کے بعض واقعات بیان کرتا ہے (۲۰-۱۱۹)۔ تینتیسواں باب رسول اکرم ﷺ کے واسطہ سے قحط ووباء سے پناہ مانگنے اور استسقاء کی دعائے عبدالمطلب پر ہے (۲۲-۱۲۰)۔ چونتیسواں باب سیف ذی یزن کو بادشاہت حاصل کرنے کی مبارک باد دینے اور آپ کی بعثت کی پیشگوئی پر ہے (۲۸-۱۲۲)۔ پینتیسواں باب عبدالمطلب کی وفات پر ہے (۳۰-۱۲۹)۔ چھتیسواں باب ابوطالب کی کفالت نبوی کے بعض واقعات پر ہے (۳۱-۱۳۰)۔ سینتیسواں باب چچا ابوطالب کے ساتھ آپ کے سفر شام اور ملاقات بحیرا راہب پر ہے (۳۴-۱۳۱)۔ اڑتیسواں حرب فجار میں آپ کی شرکت پر ہے (۵-۱۳۴)۔ انتالیسواں باب حلف الفضول میں آپ کی شرکت پر ہے جو اسے مظالم کا مستقل علاج قرار دیتا ہے (۸-۱۳۵)۔ چالیسواں باب آپ کی ان عبادات سے متعلق ہے جو آپ قبل بعثت کیا کرتے تھے کہ آپ بت پرست بیزار اور متدین تھے (۴۰-۱۳۸)۔

اکتالیسواں باب آپ کے ملائکہ سے بعمر بیس سال کلام کرنے، ان کے ذریعہ بشارت بعثت پانے وغیرہ پر ہے۔ (۱-۱۴۰) بیالیسواں بکریاں چرانے کے باب میں بخاری کی روایت اور اس کی تشریح سے متعلق ہے (۱۴۲) تنتالیسواں باب نبوت سے قبل تجارت پر آپ کے اشتغال پر سات سطری ہے (۱۴۲) چوالیسواں حضرت خدیجہ کے مال سے شام میں تجارت کرنے پر ہے (۴-۱۴۳) چوالیسواں حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی کے واقعات وروایات سے متعلق ہے (۵-۱۴۴) اور چھیالیسواں باب تعمیر کعبہ میں آپ کی شرکت اور نصب حجر اسود کے واقعات بیان کرتا ہے (۷-۱۴۶)۔ اسی پر اولین مبحث کے ابواب ختم ہوتے ہیں۔

دوسرے مبحث ''ابواب نبوت'' کا آغاز باب اول میں ان ندا ہائے غیبی سے ہوتا ہے جو آپ کی نبوت کے بارے میں مختلف انداز سنی گئی تھیں، کبھی غیبی آوازیں، کبھی کاہنوں کی پیشگوئیاں وغیرہ۔ اسی میں بعض صحابہ کرام کے قبول اسلام کے اسباب وواقعات کے بھی حوالے ہیں (۸-۱۵۱)۔ باب دوم ان اعلانات پر ہے جو وحشی جانوروں یا مویشیوں کی زبان سے آپ کی نبوت کے باب میں ہوئے

تھے (۹-۱۵۸) تیسرا باب نبوت کی ان علامات پر ہے جو آپ نے خود اپنی بعثت سے قبل دیکھی تھیں جیسے نور، روشنی، آواز غیبی وغیرہ (۶۱-۱۶۰)۔ چوتھا باب آپ کو پتھروں اور درختوں کے سلام کرنے کی روایات بیان کرتا ہے (۱۶۱)۔ پانچواں باب ان احادیث صحیحہ اور روایات تاریخی پر مشتمل ہے جو آغاز وحی جیسے رویائے صالحہ، نزول قرآن وغیرہ پر متعلق ہے اس میں نزول وحی کے بعد کے واقعات جیسے ورقہ سے ملاقات، حضرت خدیجہ کی تسلی اور ایمان اور تاریخ بعثت وغیرہ شامل ہیں (۶-۱۶۲)۔ چھٹا باب آپ کو وضو اور نماز کی تعلیم جبرئیلی پر ہے (۷-۱۶۶)۔ اسی میں سورہ مزمل کے نزول اور اس کی ترتیب کا بھی حوالہ ہے۔ ساتواں باب آغاز نبوت میں حضرات علی وخدیجہ کے ساتھ آپ کے نماز پڑھنے سے متعلق ہے (۸-۱۶۷)۔ آٹھواں باب آپ پر نزول وحی کی کیفیت وصفت پر ہے جس میں بخاری، مسلم وغیرہ کی متعدد روایات ہیں جو نزول وحی کی کیفیات بیان کرتی ہیں (۷۲-۱۶۸)۔ نواں باب اس اختلاف کے متعلق ہے جس کے سبب شروع میں حضرت اسرافیل کو آپ کی نبوت کے ساتھ مقرون کیا پھر ان کی جگہ حضرت جبریل کو (۱۷۲)۔ دسواں باب آیت باری تعالیٰ کے بارے میں ہے کہ جس کو دیکھ کر آپ کو تقویت ملے جب کہ قریش نے آپ کی تکذیب کی تھی (۳-۱۷۲)۔ گیارھواں باب بیان کرتا ہے کہ آپ کی بعثت پر شیاطین کی ستاروں کی مار پڑی اور اصنام اوندھے کر دیے گئے (۶-۱۷۳)۔ بارھواں باب آپ کی بعثت کے وقت کسرائے ایران پرویز کے حالات کے تغیرات وحادثات پر ہے (۸۱-۱۷۶)۔ اس کے علاوہ بھی دوسری مملکتوں کے سیاسی تغیرات کا ذکر ہے جیسے مملکت حیرہ، یمن، ابی جفنہ وغیرہ۔

تیرھویں باب سے دعوت نبوی کا آغاز ہوتا ہے اور اس میں آپ کی دعوت پر اولین اسلام لانے والوں کا ذکر خاص ہے اس میں سری اور جہری دونوں طرح کی دعوت کا ذکر ہے (۲۰-۱۸۱)۔ چودھواں باب مواسم حج میں آپ کے انداز پر ہے (۱۸۲) جس میں اسواق مکہ جیسے مجاز، عکاظ، مجنہ اور منیٰ وغیرہ میں آپ کی تبلیغی مساعی کا بہت مختصر ذکر ہے اور ابولہب کی مخالفت کا بھی۔ پندرھویں باب میں آپ کے عزیزوں کو دعوت اسلام دینے کا سورہ الشعراء اور احادیث وروایات کے حوالہ سے ذکر ہے (۵-۱۸۲) چار سطری سولھواں باب آپ کی عالمی اور عمومی رسالت کی دو روایتوں پر ہے (۱۸۵) سترھواں باب جنات کی طرف بھی آپ کے مبعوث ہونے کی دو روایات سے متعلق ہے۔ اٹھارھویں

میں آپ کے خاتم النبیین ہونے کی تین روایات صحیحین ہیں (۱۸۶)۔انیسواں باب کفار کے ہاتھوں آپ کو پہونچنے والی اذیتوں اور ان پر آپ کے صبر کرنے کی روایات وواقعات بیان کرتا ہے (۹۲-۱۸۶)۔اس میں ابوطالب سے اکابر قریش کی شکایت اور آپ سے کلام پر ہے۔اور اسی کے ساتھ صحابہ کرام کی تعذیب کا بھی ذکرو بیان ہے۔بیسویں باب میں آپ پر حضرت اکثم بن صیفی کے ایمان لانے کا ذکر ہے اور سورۃ النساء (۱۰۰) کی شان نزول ان کی مہاجرت ہے (۳-۱۰۲)۔اکیسواں باب حبشہ کی طرف صحابہ کرام کو ہجرت کرنے کی اجازت نبوی اور ہجرت حبشہ کے واقعات پر ہے (۷-۱۹۳)۔بائیسواں باب بنو ہاشم اور بنو المطلب کے سماجی مقاطعہ اور اس کے صحیفہ کے نفاذ اور نسخ پر ہے (۹۹-۱۹۷)۔جب کہ تیسواں باب حضرت ضماد ازدی کو دعوت اسلام اور ان کے قبول اسلام پر (۲۰۰)۔چوبیسواں عتبہ بن ربیعہ سے آپ کے کلام ودعوت پر (۲-۱۰۲)، پچیسواں آپ کے بارے میں قریش کو ولید بن مغیرہ کے مشورہ پر ہے کہ ان کو کیا کہا جائے اور ولید سے آپ کے کلام اور اس کے اثر سے متعلق ہے (۴-۲۰۲)۔چھبیسواں باب طفیل بن عمرو ازدی کو دعوت اور ان کے قبول اسلام پر ہے (۶-۲۰۴)۔ستائیسویں میں وفات ابوطالب کے وقت آپ کی ان کو دعوت اسلام دینے اور ان کو کفر پر مرنے کے بارے میں ہے (۱۰-۲۰۶)۔اٹھائیسواں باب ابوطالب وخدیجہ کی وفات کے بعد آپ کے حالات کی سنگینی پر ہے (۱۱-۲۱۰)۔انتیسواں باب آپ کے سفر طائف اور اس کے واقعات پر ہے جس میں عتبہ وشیبہ کے باغ کی میزبانی رسول کا واقعہ بھی شامل ہے (۱۴-۲۱۱) تیسواں باب طائف سے واپسی پر مطعم بن عدی کی جوار میں آپ کے مکہ میں داخلہ سے متعلق ہے (۵-۲۱۴)۔اکتیسواں باب مواسم حج میں قبائل کے سامنے اسلام پیش کرنے اور ان کی حمایت حاصل کرنے کی مساعی سے ہے (۱۶-۲۱۵)۔اس کے آخر میں ایک مختصر فصل ہے جس میں ملحد اور کم ایمان والے کے جوار میں داخلہ نبوی سے بحث کی گئی ہے۔

بتیسواں باب نبوت کے گیارھویں سال انصار کے چھ افراد سے رسول اللہ ﷺ کی ملاقات، دعوت اور ان کے قبول اسلام کے واقعات پر ہے (۸-۲۱۶) اسی میں پہلی بیعت عقبہ، اس کی شرائط، اس کے شرکاء کے اسماء کے علاوہ حضرت مصعب بن عمیر کے مدینہ بطور معلم وفقیہ جانے اور ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں کے اسلام لانے کا بھی ذکر ہے۔تینتیسواں باب آپ کی معراج کے بارے

مختلف روایات اور اس کے واقعات پیش کرتا ہے (۲۴-۲۱۸)۔ چونتیسواں باب تیرھویں سال نبوت میں بیعت عقبہ ثانیہ کی تفصیلات بیان کرتا ہے (۸-۲۲۴) جب کہ پینتیسواں باب بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد قریشی ردعمل اور آپ کے قتل کی سازش پر ہے (۳۱-۲۲۸) اور اسی پر یہ دوسری بحث تمام ہوتی ہے۔

تیسری بحث "ابواب هجرته الى المدينة" کا ابتدائی باب رسول اکرم ﷺ کو اجازت ہجرت، تیاری، اور غار ثور کی طرف خروج کا ذکر کرتا ہے جب کہ دوسرا باب غار کے واقعات وحادثات بیان کرتا ہے (۸-۲۳۵)۔ تیسرا باب مدینہ کے راستہ اور سفر کے واقعات اور غار ثور سے نکلنے کی تاریخ جمعرات یکم ربیع الاول بتاتا ہے (۴۲-۲۳۸)۔ چوتھا باب خاص ام معبد کی حدیث وواقعہ کے لئے خاص ہے (۶-۲۴۲)۔ پانچواں باب دوران سفر ہجرت حضرت ابوبکر صدیق کے توریہ سے متعلق ہے جس کے مطابق حضرت ابوبکر سوال کرنے والوں کو آپ کے بارے میں یہ بتاتے تھے کہ راستے کے ہادی ہیں (۲۴۶)۔ چھٹا باب سفر ہجرت میں حضرت بریدہ اسلمی سے ملاقات اور ان کے اوران کے قبیلہ کے قبول اسلام پر ہے (۲۴۷)۔ ساتواں اہل مدینہ کے استقبال نبوی اور آپ کے داخلۂ شہر پر (۲۴۸)، آٹھواں دوشنبہ بارہ ربیع الاول کی تاریخ قدوم مدینہ پر (۲۴۹) ہے اور اسی میں یہ بھی روایت ہے کہ آپ کی ولادت، بعثت، حجر اسود کی تنصیب، ہجرت، قدوم مدینہ اور وفات کی بھی ہے۔ نواں باب اس مکان ومقام پر ہے جہاں آپ نے قیام کیا یعنی کلثوم بن ہدم اور ابوایوب انصاری کے مکانات میں اسی میں قیام قباء کے واقعات اور تعمیر مسجد کا ذکر ہے (۵۱-۲۴۹)۔ دسواں باب آمد نبوی پر اہل مدینہ کی مسرت اور بچیوں کے گیت پر ہے (۲۵۲) گیارھواں عبداللہ بن سلام کے قبول اسلام پر (۳-۲۵۲) اور بارھواں مدینہ منورہ کے فضائل پر روایات واحادیث کے لئے وقف ہے (۲۵۳) تیرھواں مسجد قباء اور مسجد مدینہ کی تعمیر پر (۵-۲۵۴) چودھواں مسجد نبوی کے فضل وشرف پر (۲۵۶) پندرھواں رسول اللہ کے مکانات کے فضائل اور سولھواں ان کی تعمیر پر ہے (۹-۲۵۶)۔ سترھواں دعائے نبوی پر کہ اصحاب کے لئے مدینہ کو محبوب بنادے (۶۰-۲۵۹) پھر مختصر چند سطری چار ابواب ہیں جیسے اٹھارھواں تحویل قبلہ پر (۲۶۰) انیسواں تحویل قبلہ کی تاریخ ووقت پر (۱-۲۶۰)۔ بیسواں فرض روزۂ رمضان پر (۲۶۱) اور اکیسواں مدینہ کی حفاظت وحراست نبوی پر ہے (۲-۲۶۱)۔

اگلا مبحث آپ کے معجزات کا ہے اور اس کے مختلف ابواب کی تفصیل یہ ہے: باب اول: معجزۂ

اکبر یعنی قرآن مجید اور اس کی وجوہ اعجاز پر (۲-۶۷-۲۶۵)۔ دوسرا باب شق قمر پر (۳-۲-۲۷۲) تیسرا کھانے میں برکت پر (۸۰-۲۷۴) چوتھا گھی (سمن) میں اضافہ اور برکت پر (۸۲-۲۸۱)، پانچواں کھجوروں میں برکت واضافہ پر (۴-۲۸۲) چھٹا پانی کی زیادتی پر (۹۰-۲۸۴) ساتواں آپ کی انگلیوں سے پانی کے جاری ہونے پر (۳-۲۹۱) آٹھواں دودھ میں برکت وکثرت پر (۵-۲۹۳) نواں درخت کے آپ کی طرف چل کر آنے پر (۳۰۰-۲۹۶) دسواں پہاڑ کے آپ کے سبب ہلنے اور خاموش ہونے پر (۳۰۰) گیارھواں آپ سے جانوروں کی شکایات وشکوے پر (۳-۳۰۱)، بارھواں آپ کی سواری کے جانور میں ظہور معجزہ پر (۴-۳۰۳)، تیرھواں غزوہ حنین میں آپ کی رمی جمار کے نتیجہ میں حصول فتح پر (۳۰۴) چودھواں اصنام کی آپ کے اشارہ پر سرنگونی پر (۳۰۵) پندرھواں غیب کی بعض خبریں دینے پر جیسے صحیفہ مقاطعۂ کے دیمک زدہ ہونے، کسریٰ کی ہلاکت، بدر میں مقتول ہونے والے قریشی اکابر کے مصارع وغیرہ پر (۲۰-۳۰۵) سولھواں خندق کی جنگ میں چٹان کے نرم ہونے پر (۲۱-۳۲۰) سترھواں مسجد نبوی کے ستون کھجور کے رونے پر (۲۴-۳۲۱) اٹھارھواں آپ کے ہاتھ کی کنکریوں کی تسبیح پر (۵-۳۲۴) انیسواں ابولہب کی بیوی ام جمیل کی نگاہوں سے اوجھل ہونے پر (۳۲۵) بیسواں انسانوں کی تکلیف دہی سے آپ کے دفاع ودفعیہ پر (۹-۳۲۶) اکیسواں آپ کے بعض موذیوں کے ہلاک ہونے کی کیفیت پر (۳۰-۳۲۹)، بائیسواں شیاطین کی اذیت سے حفاظت پر (۳۱-۳۳۰)، تیئسواں آپ کے شیطان کے اسلام لانے پر (۲-۳۳۱) چوبیسواں سانپوں وغیرہ سے حفاظت پر (۳۳۲)، پچیسواں بعض صحابہ کرام کی آنکھیں ٹھیک کرنے پر (۳۳۳) چھبیسواں آپ کے حضور دیوار کے بولنے پر (۳۳۴)، ستائیسواں ہرن (ظبیہ) کے آپ سے کلام کرنے پر (۶-۳۳۵) اٹھائیسواں گوہ (ضب) کے کلام کرنے پر (۹-۳۳۶) اس کے آخر میں معجزات کے بارے میں اعتراض پر ایک فصل بلا عنوان ہے۔ انتیسواں باب یہودی علماء کے ان سوالات کے جوابات پر ہے جن کو سوائے نبی کے اور کوئی نہیں جانتا (۴۳-۳۳۹) تیسواں اپنے پیچھے چیزیں دیکھ لینے پر (۴-۳۴۳) اکتیسواں اندھیرے میں روشنی کے مانند آپ کے دیکھنے کی طاقت پر (۳۴۴)، تیسواں آپ کی پکار کے قبول کرنے پر جیسے خیبر میں آنکھوں کی تکلیف کے باوجود حضرت علی کی تفصیل حکم وغیرہ کے واقعات (۹-۳۴۴) اس کے بعد کی فصل میں معجزات کے اثرات وغیرہ کا ذکر ہے (۵۲-۳۴۹)۔

اگلا مبحث ہے: انبیاء کرام پر آپ کی فضیلت، آپ کے پیغام وامت کی مثال، اور آپ کی اطاعت کی فرضیت اور سب سے زیادہ آپ سے محبت کرنے کی ضرورت پر۔ باب اول انبیاء کی فضیلت میں عقلی استدلال کے بعد روایات واحادیث کے دلائل ہیں (۷۱-۳۵۵) اور ان میں آیات قرآنی اور قصص انبیاء سے بھی استدلال کیا ہے۔ اور دوسرے انبیاء کرام کے معجزات وکمالات سے آپ کے کمالات کا موازنہ کیا ہے۔ پھر تمام مخلوقات کی طرف آپ کی بعثت پر ایک فصل ہے (۲-۳۷۱) جو باب اول ہی کا حصہ ہے۔ باب دوم میں آپ کے خصائص جیسے واجبات، محظورات (ممنوع اشیاء) مباحات اور تکرمات (انفرادی عزت وجلال) کی چیزیں بیان کی ہیں جیسے واجبات میں مسواک، وتر، قربانی وغیرہ، محظورات میں فرض صدقہ کے کھانے کی ممانعت، آنکھ سے اشارہ کرنے کی ممانعت وغیرہ۔ تکرمات میں ازواج مطہرات کی تمام مخلوق پر تحریم وغیرہ (۳-۳۷۲)۔ تیسرا باب جنت کا قطیفہ عطا ہونے پر (۴-۳۷۳) چوتھا مقالید دنیا کی عطیہ الٰہی پر (۳۷۴) پانچواں آپ کے آواز کی بلندی پر (۳۷۴) چھٹا انبیاء سے آپ کی مشابہت یعنی عمارت کی واحد بچی ہوئی اینٹ ہونے پر جس نے تکمیل عمارت کر دی (۳۷۵) ساتواں آپ کے پیغام کی مثال پر (۶-۳۷۵) آٹھواں تمام امتوں پر آپ کی امت کی فضیلت کی روایات واحادیث پر (۷-۳۷۶) نواں آپ کی اور آپ کی امت کی مثال کہ آپ اپنی قوم کو آگ سے بچانے والے کی مانند ہیں (۳۷۸)، دسواں آپ کا پیغام قبول کرنے والوں اور مسترد کرنے والوں کی مثال پر (۸۰-۳۷۹)، گیارھواں آپ کی اطاعت کے وجوب پر (۱-۳۸۰) بارھواں اپنی جان، والدین اور اولاد سے زیادہ آپ کی محبت پر (۳۸۲) تیرھواں باب آپ کے ذکر مبارک کو ہر ایک پر مقدم رکھنے پر (۳-۳۸۲) اسی کے ساتھ یہ بحث ختم ہوتی ہے اور جلد اول بھی۔

ابن الجوزی کی کتاب الوفا باحوال المصطفیٰ کی جلد دوم کی اولین بحث رسول اکرم ﷺ کے جسم مبارک کی صفات پر ہے۔ اس کے ابواب زیادہ مختصر دو تین یا چند سطری ہیں۔ ان کی تفصیل ترتیب وار یہ ہے: باب اول آپ کے سر اقدس کی صفت میں اور باب دوم آپ کی مقدس پیشانی کی صفت میں (۳۸۷) باب سوم آپ کی بھنوؤں (حاجبہ) کی صفت میں اور باب چہارم آپ کی آنکھو کی تعریف میں اور پانچواں آپ کے رخساروں کی صفت میں (۹-۳۸۸)، چھٹا ناک کی صفت میں تواں دہن مبارک اور دانتوں کی صفت میں آٹھواں آپ کی (نکہۃ) کی صفت میں (۹۱-۲۹۰)،

نواں بشرۂ مبارک کی صفت میں اور دسواں ریش مبارک کی تعریف میں (۳۹۱-۲) گیارھواں آپ کے بالوں کی صفت میں (۳۹۳-۴)، بارھواں گردن کی تعریف میں اور تیرھواں شانوں کی وسعت میں (۳۹۵) چودھواں کندھوں کی مضبوطی پر، پندرھواں سینۂ مبارک کی تعریف میں (۳۹۶) سولھواں بطن مبارک کی صفت میں اور سترھواں ناف (ســـرہ) کی صفت میں (۳۹۶-۷)، اٹھارھواں آپ کی انگلیوں کے ذکر میں (۳۹۸) انیسواں ہتھیلیوں کی صفت میں (۳۹۸-۹) بیسواں آپ کے (زندیہ) کی صفت میں (۳۹۹) اکیسواں ساقین مبارک کے ذکر خیر میں (۴۰۰) بائیسواں ایڑی کی صفت میں اور تیئسواں قدمین شریفین کے ذکر میں (۴۰۱)، چوبیسواں کرادیس (ہڈیوں کے سروں) کی ضخامت میں اور پچیسواں آپ کی خلقت کے اعتدال میں (۴۰۲) چھبیسواں آپ کی طویل قامتی کے بیان میں (۴۰۳) ستائیسواں بشرہ کی نرمی میں اور اٹھائیسواں رنگت کی صفت میں (۴۰۴-۵)، انتیسواں آپ کے حسن و جمال کے ذکر میں (۴۰۵-۷)، تیسواں آپ کے پسینہ کے ذکر میں (۴۰۷-۹) اور اکتیسواں خاتم نبوت کے ذکر وصفت میں ہے اور یہی اس بحث کا آخری باب ہے (۴۰۹-۱۱)۔

اگلی بحث آپ کی معنوی صفات پر ہے اور اس کا پہلا باب آپؐ کے حسن اخلاق کی روایات واحادیث بیان کرتا ہے (۴۱۵-۷)، دوسرا آپ کے حلم و بردباری کے واقعات میں (۴۱۷-۲۸) تیسرا ناروا باتوں کی سماعت روایت کی ممانعت میں (۴۲۸-۹)، چوتھا آپ کی شفقت و مدارات میں (۴۲۹-۳۳)، پانچواں آپ کی حیاء وشرم پر (۴۳۳-۴) چھٹا آپ کے تواضع وانکسار میں (۴۳۴-۹) ساتواں آپ کی رحمت کے لئے بعثت ہونے کے ذکر میں (۴۳۹) آٹھواں آپ کی بددعا میں سزاؤں یا دوسری بشری چیزوں کو فرد وجماعت کے لئے رحمت بنانے کی دعا میں (۴۴۰-۱) نواں آپ کے جود وسخا میں (۴۴۱-۲)، دسواں آپ کی شجاعت و بہادری کے ذکر میں (۴۴۲-۳) گیارھواں آپ کے مزاح ومذاق کے ذکر لطیف میں (۴۴۴-۷) اور اس بحث کا آخری باب ہے۔

اس کے بعد کی بحث آپ کے معاشرتی آداب واقدار پر ہے اور اس کے ابواب ہیں: پہلا دایاں ہاتھ پاک چیزوں کے لئے اور بایاں گندگی اور تکلیف دور کرنے کے لئے استعمال اور دوسرا چھینک کے وقت آواز پست کرنے کی کوشش (۴۵۱) تیسرا اپنے تمام کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنے کی سنت میں، چوتھا آپ کے بیٹھنے کے ذکر میں اور پانچواں مجلس میں پٹھ اور ساقین کو

ڈھانک رکھنے کی عادت میں (۴۵۲)، چھٹا ٹیک لگانے، ساتواں پیر پر پیر رکھ کر لیٹنے اور آٹھواں واضح کلام کرنے اور سہ بار دہرانے کی عادت شریفہ میں (۴-۴۵۳)، نواں گفتگو کے وقت ہاتھوں کی جنبش میں اور دسواں آپ کے منبر شریف کی بناوٹ میں (۵-۴۵۴) گیارھواں آپ کی فصاحت و بلاغت کے بیان میں (۷-۴۵۶) بارھواں آپ کے فارسی میں کلام کرنے کے باب میں (۸-۴۵۷)، تیرھواں آپ کی شعر خوانی میں (۹-۴۵۸)، چودھواں آپ کی سماعت شعر وشاعری میں (۶۰-۴۵۹)، پندرھواں آپ کی چال مبارک کی صفت میں (۲-۴۶۱) سولھواں آپ کے ہنسنے اور مسکرانے کی تعریف میں (۴-۴۶۳) سترھواں اچھی فال لینے اور بری چیزوں کے احتراز میں (۴۶۵)، اٹھارھواں برا نام بدلنے کی سنت میں اور انیسواں ہدایا قبول کرنے کی عادت شریفہ میں (۴۶۶) بیسواں صحابہ کرام سے بکثرت مشورہ کرنے میں، اکیسواں اولین بارش میں بھیگنے کی سنت میں (۴۶۷) بائیسواں اپنی طرف سے تہمت دور رکھنے کی احتیاط میں (۸-۴۶۷) تیئسواں آپ کی خوشی اور ناراضی کی علامت میں (۹-۴۶۸) چوبیسواں لوگوں کے ساتھ اختلاط وحسن سلوک میں (۷۱-۴۶۹) پچیسواں آپ کی قسم وحلف کے بیان میں اور چھبیسواں مجلس سے اٹھتے وقت دعا میں ہے (۴۷۲) اور اس بحث کا یہ آخری باب ہے۔

ابواب زہد نبوی پر اگلی بحث ہے اور اس کے ابواب کی تفصیل یہ ہے: پہلا دنیا سے اعراض میں اور دوسرا دنیا کی معمولی یا کم سے کم چیز پر قناعت کے بیان میں (۶-۴۷۵) تیسرا ذخیرہ نہ کرنے کی عادت پر ایک روایت ہے (۴۷۶) اور چوتھا ان روایات سے متعلق ہے جو بتاتی ہے کہ آپ کچھ چیزیں بچا کر رکھتے تھے (۷-۴۷۶) پانچواں آپ کے نفقہ کے بیان میں (۸۰-۴۷۷) چھٹا دنیا میں آپ کی فقر وفاقہ اور عسرت کی زندگی بسر کرنے کی روایات وواقعات سے متعلق ہے (۸۳-۴۸۰) اور یہی اس بحث کا آخری باب ہے۔

آپ کی عبادت وطہارت کا بیان اگلا مبحث ہے اور اس کا اکثر ابواب مختصر دو تین یا چند سطری ہیں اور ان کی تفصیل یہ ہے: پہلا باب بیت الخلاء کی دعائے داخلہ، دوسرا اس سے نکلتے وقت کی دعا (۴۸۷) تیسرا یہ بتاتا ہے کہ آپ کے بول وبراز کو زمین نگل لیتی تھی (۸-۴۸۷)، چوتھا آپ کے وضو اور غسل کے بیان میں (۴۸۸) اور پانچواں ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنے کے بیان میں ہے

(۹-۴۸۸) جب کہ چھٹا ایک وضو سے کئی نمازوں کو پڑھنے کی سنت میں ہے۔ ساتواں خفین (موزوں) پر مسح کرنے کے بیان میں (۴۸۹) آٹھواں آپ کی مسواک کرنے کی سنت میں ہے اور نواں آپ کے غسل کرنے کی کیفیت میں (۴۹۰) اس پر یہ بحث ختم ہوتی ہے۔

آپ کی نمازوں کا بیان اگلا مبحث ہے اور اس کے ابواب ہیں: پہلا باب آپ کی نماز کی صفت میں ہے (۴-۴۹۳) دوسرا فرض نمازوں میں قراءت کی مقدار پر ہے (۴۹۴) تیسرا نماز سے فراغت کے بعد دعا کے بارے میں ہے (۴۹۵) اور چوتھا دن کی نوافل کے بیان میں ہے (۶-۴۹۵)، پانچواں جمعہ کے دن نماز فجر کی قراءت کے ذکر میں، چھٹا نماز کے بعد مسجد میں رکنے کے باب میں (۴۹۷)، ساتواں نماز چاشت کے ذکر میں (۸-۴۹۷) آٹھواں رات کی نوافل کے بیان میں ہے (۵۰۲-۴۹۸)، نواں رات کے نوافل میں طویل قیام کے ذکر میں ہے (۴-۵۰۲) دسواں صرف ایک آیت کی قراءت میں رات بھر قیام کرنے کے واقعہ پر ہے (۵۰۴)، گیارھواں آپ کی قراءت کی صفت میں ہے (۶-۵۰۵) بارھواں حسن آواز میں، تیرھواں تین دن میں قرآن ختم کرنے کی سنت پر، اور چودھواں ختم قرآن کے وقت کھڑے ہو کر دعا کرنے کی سنت پر ہے (۵۰۶)، پندرھواں آپ کی نماز وتر کی صفت میں ہے (۸-۵۰۷) سولھواں اس عادت شریفہ کے بارے میں ہے کہ اگر کسی سبب سے رات کی نوافل رہ جاتی تھیں تو دن میں بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے اور سترھواں صلاۃ تراویح پر ہے کہ وتر کے سوا رمضان میں بیس رکعات پڑھیں (۵۰۸)، اٹھارھواں باب اس عنوان پر ہے کہ آپ نے نماز تراویح فرض ہونے کے خوف سے ترک کردی (۱۰-۵۰۹) اور انیسواں آپ کے شکرانہ کے سجدوں کے بارے میں ہے (۵۱۰) اور یہی اس بحث کا آخری باب ہے۔

اس کے بعد کی بحث آپ کے روزوں کے متعلق ہے اور اس کے ابواب میں پہلا باب ہے ہر ماہ کے روزوں پر اور مسلسل روزوں یا مسلسل افطار پر (۵۱۳)، دوسرا ہر ماہ کے تین روزوں کی سنت پر ہے (۵۱۴) تیسرا دوشنبہ اور جمعرات کے روزوں کے بارے میں ہے (۵-۵۱۴) چوتھا شعبان کے روزوں کی روایات سے متعلق ہے (۶-۵۱۵)، پانچواں روزوں کے ملانے (مواصلہ) کی سنت انفرادی وذاتی پر ہے (۵۱۶)، چھٹا آپ کی افطاری پر، ساتواں کسی کے ہاں افطار کرنے کی دعا کے بارے میں ہے (۵۱۷)، آٹھواں رمضان کے آخری عشرہ میں جہد بلیغ کرنے کی سنت پر ہے

(۸-۵۱۷) نواں رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف نبوی پر ہے (۵۱۸) اور دسواں نماز سے قبل عید الفطر کی کھانے کی سنت پر ہے (۹-۵۱۸) گیارھواں عید کے دن آپ کے آگے آگے نیزے لے کر چلنے پر ہے اور بارھواں نماز عید کی تکبیرات پر (۵۱۹) اور تیرھواں عید کے دن آنے جانے کے راستے بدلنے کی سنت پر ہے اور یہی آخری باب ہے (۵۲۰)۔

آپ کے حج اور عمروں کی بحث کے ابواب ہیں: پہلے باب سے قبل ایک مختصر تمہید ہے کہ ہجرت سے قبل آپ نے متعدد حج کئے اور بعد ہجرت صرف ایک جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ پہلا باب ہے آپ کے احرام میں دوسرا آپ کے تلبیہ کے ذکر میں (۵۲۳)، تیسرا یوم عرفہ کی دعاؤں پر (۵۲۴) چوتھا اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے پر (۵۲۵) اور پانچواں آپ کے طواف اور حجر اسود کے استلام پر (۶-۲۵۲) چھٹا رکن یمانی کے استلام کی سنت پر، ساتواں صفا ومروہ کے درمیان آپ کی سعی پر (۵۲۶) آٹھواں آپ کی رمی جمار، نواں کعبہ میں آپ کے داخلہ پر (۵۲۷) دسواں حجۃ الوداع کے خطبۂ نبوی پر (۹-۵۲۸) گیارھواں حجۃ الوداع کے تفصیلی واقعات اور روایات پر ہے (۳۴-۵۲۹) اور بارھواں آپ کے عمروں کی تعداد (چار) پر ہے (۵۳۴) اور یہی آخری بب ہے اس موضوع کا۔

اگلی بحث اصلاتو آپ کے خوف وتضرع پر ہے مگر اس میں آپ کے حزن وملال، فکر وغم، رونے وآہ وزاری کرنے، تقوی وورع، قلت امید وآرزو اور استغفار وتوبہ بھی شامل ہیں۔ اس کے مختلف ابواب میں پہلا باب آپ کے خوف وتضرع کی روایات واحادیث اور واقعات بیان کرتا ہے کہ آپ کو بھی اپنی مغفرت کی امید محض رحمت الٰہی کی بنا پر تھی وغیرہ (۵۳۷)۔ دوسرا بادل اور تیز ہوا دیکھ کر آپ کی گھبراہٹ پر، تیسرا بجلی کڑک اور چمک دیکھ کر آپ کی دعاء عافیت پر اور چوتھا آپ کے خوف وفکر کے ذکر میں ہے کہ آپ ہمیشہ فکر مند رہا کرتے تھے (۵۳۸) پانچواں آپ کے رونے کے واقعات وروایات کے بارے میں ہے (۴۲-۵۳۹) چھٹا آپ کے ورع وتقویٰ پر ہے (۵۴۲) ساتواں اس پر ہے کہ آپ کی آرزو ہی کم تھی (۵۴۳) آٹھواں آپ کے توبہ واستغفار پر (۴-۵۴۳) ہے اور یہی اس بحث کا آخری باب ہے۔

مسنون دعاؤں کی بحث اگلی ہے اور اس کے ابواب میں پہلا باب ہے کہ دعا کرتے وقت ہاتھ پھیلاتے تھے (۵۴۷) دوسرا صبح وشام کی دعاؤں کے لئے وقف ہے (۸-۵۴۷) تیسرا تکلیف

وکرب کے وقت کی دعا پر ہے (۵۴۸) چوتھا آپ کی عام دعاؤں کے لئے ہے (۵۲-۵۴۸) اس بحث کا یہی آخری باب ہے۔

بیت نبوی کے ضروری ساز و سامان کی بحث اس کے بعد ہے اور اس کے مختلف ابواب میں پہلا باب آپ کی چار پائی اور تخت (سریر) کے بارے میں ہے (۶-۵۵۵) دوسرا چٹائی پر (۵۵۶) تیسرا آپ کی کرسی کے ذکر میں (۷-۵۵۶) چوتھا آپ کے بستر وفرش کے بارے میں ہے (۸-۵۵۷)، پانچواں آپ کے لحاف کے بارے میں (۹-۵۵۸) چھٹا آپ کے تکیہ پر (۵۵۹) اور تکیہ پر ٹیک لگانے کی سنت پر (۵۵۹)، آٹھواں آپ کی چادر (قطیفه) کے ذکر میں اور نواں آپ کے خیمہ وقبہ کے بیان میں ہے (۵۹۰) اور یہی اس بحث کا آخری باب ہے۔

لباس نبوی کی بحث کے ابواب ہیں: پہلا آپ کی قیص کے بیان میں جس میں اس کو پسندیدہ ترین بتایا گیا ہے اور اس کی بناوٹ اور بعض دوسری چیزوں کا بھی حوالہ ہے (۵۶۳) دوسرا آپ کے جبہ کے ذکر میں جس میں ایک شامی جبہ اور حریر ودیباج ملا ہوا بھی بتایا گیا ہے (۵۶۴) تیسرا آپ کے ازار اور کساء اوران کے نام جیسے الانبخانیه وغیرہ کا ذکر ہے (۵-۵۶۴) چوتھا حلہ کی قیمت اور رنگت اور پانچواں آپ کی چادر (بردہ) کے ذکر میں ہے اس میں نجرانی، سرخ، سبز وغیرہ کا حوالہ ہے (۵۶۶) چھٹا آپ کے عمامہ کے ذکر میں ہے کہ فتح مکہ میں سیاہ عمامہ زیب سر کئے تھے اور اس کو زیب کرنے کی سنت بھی مذکور ہے (۵۶۷) ساتواں آپ کی ٹوپی (قلنسوہ) کے بیان میں ہے کہ وہ سفید، شامی، سفر کی خاص ٹوپیاں اور تین قسم کی تھیں (۸-۵۶۷)، آٹھواں آپ کی چادر (ردائة) کے بیان میں ہے جس میں اس کی لمبائی چوڑائی، رنگت ساخت، انگریزی وغیرہ کا حوالہ ہے اور بعض دوسرے کپڑوں کا بھی (۹-۵۶۸) نواں آپ کے سراویل (پاجامے) کے بارے میں ہے اور وزن کرنے کے بارے میں اسلامی حکم کا حوالہ بھی ہے (۵۶۹) دسواں صوف (اون) پہننے اور گیارھواں لباس کی سنت کی اتباع اور قسم کے بارے میں ہے (۵۷۰)، بارھواں جمعہ کے دن نیا لباس پہننے کے بارے میں، تیرھواں لباس پہنتے وقت کی دعا پر، چودھواں موزوں (خف) کے بیان میں (۵۷۱) اور پندرھواں نعلین کے ذکر میں ہے (۲-۵۷۱) اس کی ساخت، نام وغیرہ کا ذکر بھی ہے اور سنت بھی اسی پر یہ بحث تمام ہوتی ہے۔

آپ کی سواریوں کی بحث کے ابواب میں پہلا آپ کے گھوڑوں (خیل) بیان میں ہے

جس میں ان کے نام، خرید کا بھی ذکر ہے (۵۷۵) دوسرا آپ کی ناقہ (اونٹنی) العضباء، اس کی دوڑ کے واقعہ، قصواء، جمل احمر کا ذکر ہے کہ وہ ایک ہی کے نام ہیں (۵۷۶)۔ تیسرا آپ کے خچر (بغلہ) جو فروہ بن نفاثہ کا ہدیہ تھا اور الشہباء جو دلدل کہلاتا تھا کا ذکر ہے (۵۷۷) چوتھا گدھے مسمیٰ عفیر وغیرہ کے بارے میں ہے (۵۷۷) اور پانچواں لگام (سرج) پر چھٹا سواری کی دعا پر اور ساتواں سواری کی رفتار و کیفیت پر ہے (۸-۵۷) اور یہی آخری باب ہے۔

آپ کے موالی اور خدام کے مبحث میں صرف تین ابواب ہیں جن میں پہلا ان کے اسماء گرامی فہرست دیتا ہے جو پچاس کے قریب ہے اور دوسرا باب آپ کی باندیوں (مولیاتہ) کے ذکر پر مشتمل ہے جن کی تعداد گیارہ دی ہے اور تیسرا آزاد خدام پر مشتمل ہے ان میں عبداللہ بن مسعود، بلال ،مغیرہ بن شعبہ، انس بن مالک، یہودی غلام کے علاوہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد کی خدمت کا حوالہ دیا ہے اور یہ مختصر مبحث اسی کے ساتھ پورا ہوتا ہے (۲-۵۸۱)۔

آپ کے زیب و زینت اور آرائش کے ابواب میں پہلا آپ کی انگوٹھی (خاتم) کے ذکر میں متعدد روایات پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں یہ بحث کہ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے یا بائیں میں (۷-۵۸۵)، دوسرا آپ کے خضاب استعمال کرنے یا نہ کرنے اور بالوں کی تعریف پر ہے (۹-۵۸۷) تیسرا کنگھی (مشط) کے استعمال وغیرہ پر (۵۸۹) چوتھا مانگ نکالنے پر، پانچواں تیل لگانے پر (۵۹۰)، چھٹا آئینہ کے ذکر پر (۹۱-۵۹۰) ساتواں اصلاح ریش مبارک پر (۵۹۱) آٹھواں مونچھ بنانے پر (۵۹۱) ،نواں موئے زیر ناف کاٹنے پر (نورۃ) (۵۹۲)، دسواں خوشبو کے استعمال و پسندیدگی پر ہے (۳-۵۹۲) اور یہی آخری باب ہے۔

آپ کے کھانے اور ماکولات کے ابواب میں پہلا دستر خوان (مائدہ/سفرہ) کے استعمال پر ہے دوسرا پیالہ (قصعۃ) کے ذکر میں (۵۹۷)، تیسرا آپ کے استعمال میں آنے والی روٹی (خبز) کی صفت میں جو جو کی بلا چھنی ہوتی اور چوتھا سبزی (بقل) کے پسندیدہ ہونے پر (۵۹۸)، پانچواں سرکہ بطور سالن کھانے پر، چھٹا ککڑی (قثاء) کے کھانے پر ہے (۵۹۹) ساتواں لوکی کے استعمال پر جو خیاط کی دعوت میں ملی تھی (۶۰۰-۵۹۹) اسی میں (القرع) کا حوالہ بھی ہے۔ آٹھواں گھی اور پنیر (سمن/اقط) کے استعمال و ہدیہ پر، نواں حیس نامی ثرید کھانے پر (۶۰۰) دسواں ثرید کی پسندیدگی پر

(۱-۶۰۰) گیارھواں دو کھانے ایک ساتھ کھانے پر ہے کہ بطیخ (خربوزہ) کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھا لیتے تھے (۶۰۱) بارھواں گوشت کے استعمال اور پسندیدہ حصہ پر (۲-۶۰۱)، تیرھواں قدید (سوکھے گوشت) کھانے کے بارے میں، چودھواں شواء (بھنا ہوا) کھانے پر (۶۰۲) پندرھواں مرغ کا گوشت (الدجاج) استعمال کرنے پر (۳-۶۰۲) سولھواں لحم الحباری (سرخاب) کے استعمال پر سترھواں ناپسندیدہ کھانوں جیسے گوہ کے گوشت وغیرہ سے احتراز پر (۴-۶۰۳)، اٹھارھواں بدبودار چیزوں سے اجتناب پر (۶۰۴) انیسواں جمار نخل (خرما کے گوند)، بیسواں حلواء اور شہد، اکیسواں کھجور کے استعمال پر ہے (۶-۶۰۵) بائیسواں انگور پر، تیئسواں کھجور (رطب) کے استعمال پر ہے (۶۰۶) چوبیسواں رطب کھاتے وقت کی دعاء کے لئے، پچیسواں الخبیص نامی مرغن کھانے کے استعمال پر ہے (۶۰۷) اس کے بعد کھانے کے آداب سے متعلق ابواب ہیں جیسے چھبیسواں تین انگلیوں سے کھانے اور بعد میں ان کو چاٹ لینے پر ہے (۸-۶۰۷) ستائیسواں اپنے سامنے سے برتن میں کھانے پر، اٹھائیسواں خوب بھوک ہونے کے وقت کھانے پر، انتیسواں ٹیک لگا کر نہ کھانے پر ہے (۶۰۸)، تیسواں کھانوں کی مذمت نہ کرنے پر ہے۔ اکتیسواں صدقہ نہ کھانے کی عادت شریفہ پر ہے اور بتیسواں کھانے سے فراغت پر اللہ کا شکر ادا کرنے اور ہاتھ دھونے پر ہے (۱۱-۶۰۹) اور یہی اس باب سیرت کا آخری باب ہے۔

آپ کے شرب و مشروبات کے ابواب میں سے پہلا میٹھے پانی کے استعمال پر دوسرا باسی پانی کی پسندیدگی پر تیسرا ٹھنڈا پانی پسند کرنے پر، چوتھا ان برتنوں کے ذکر میں جن سے پانی پیتے تھے، پانچواں دودھ پینے پر، چھٹا نبیذ پینے اور اس کی صفت پر، ساتواں ستو استعمال کرنے پر ہے (۷-۶۱۵) پھر آداب شرب کے ابواب ہیں جیسے آٹھواں پینے کی کیفیت پر نواں پیتے وقت تین بار سانس لینے پر، دسواں بیٹھ کر یا کھڑے کھڑے پینے پر، گیارھواں موجود اصحاب کے بعد پینے پر، بارھواں دائیں جانب سے گردش جام کرنے پر ہے (۹-۶۱۸) اور یہی آخری بحث ہے۔

آپ کے خواب و نیند کی بحث کے ابواب میں پہلا ہے رات میں ازواج سے گفتگو کرنے اور کہانی سننے پر جس میں حدیث خرافہ اور حدیث ام زرع کا حوالہ ہے۔ دوسرا باب ہے کہ آپ جمعہ کی رات گھر میں تشریف لاتے تھے یا باہر جاتے تھے۔ (۶۲۳)، تیسرا سونے سے قبل وضو کرنے پر، چوتھا

سوتے وقت سرمہ لگانے پر، پانچواں بستر کے بیان میں ہے (۶۲۴) چھٹا سوتے وقت کی دعاؤں پر ہے (۵-۶۲۴) ساتواں کیفیت خواب اور آخری دعائے شب پر (۶۲۵) آٹھواں جاگنے پر دعاؤں سے متعلق ہے (۶۲۶) نواں آپ کے اس خصوص میں ہے کہ آنکھیں سوتی تھے مگر آپ کا قلب بیدار رہتا تھا (۷-۶۲۶) دسواں آپ کے بعض خوابوں اور رویائے صادقہ کے بارے میں ہے جو آخری بھی ہے اور کافی مفصل بھی (۳۵-۶۲۸)۔

طب نبوی کے اہم مباحث میں پہلا باب کثرت امراض پر، دوسرا آپ پر جادو کئے جانے پر ، تیسرا فصد لگوانے پر اور چوتھا حنا سے علاج پر ہے اور یہی کل چار ابواب اس موضوع پر ہیں (۴۱-۶۳۹)۔

آپ کے نکاح کے اہم باب میں پہلا عورتوں کی پسندیدگی پر ہے (۶۴۵) دوسرا ازواج مطہرات کے ذکر خیر اور ان کی تعداد پر ہے جس میں مختصراً تمام منکوحہ اور موہوبہ ازواج کا ذکر کیا یہ اور بارہ منکوحہ کے بعد ان کا بھی ذکر ہے جن سے نکاح مکمل نہیں ہوا۔ اس بحث کے لئے اپنی دوسری کتاب التلیقح (فھوم اھل الاثر) کا حوالہ بھی دیا ہے (۸-۶۴۵) تیسرا آپ کی باندیوں (چار عدد) پر (۹-۶۴۸) چوتھا آپ کی جنسی قوت پر، پانچواں وقت جماع پردہ کرنے اور غض بصر پر (۶۴۹) چھٹا بیک وقت تمام ازواج کے ساتھ مباشرت پر، ساتواں ایک غسل کے ساتھ تمام سے مباشرت کرنے پر اور آٹھواں پر وطی کے بعد غسل کرنے پر ہے (۶۵۰)، نواں ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کی مدارات ومحبت پر ہے (۲-۶۵۱) دسواں ان کی تادیب پر ہے جس میں ایلاء کے واقعہ کا ذکر ہے (۵-۶۵۳) گیارھواں آپ کی اولاد امجاد کے ذکر خیر پر ہے (۶-۶۵۵) اور یہی آخری باب ہے۔

آپ کے سفر کرنے کی بحث کے ابواب ہیں: پہلا کس دن سفر کرتے تھے، دوسرا سفر کی دعا پڑھتے تھے، تیسرا مسافر کو کیسے رخصت کرتے تھے، چوتھا سفر میں آپ کی چال کیا ہوتی تھی، پانچواں کسی منزل پر رات کے وقت اترتے تو کیا دعا پڑھتے تھے، چھٹا صبح میں کیا دعا کرتے، ساتواں سواری پر نفل نماز پڑھتے، آٹھواں سفر سے واپسی پر کیا دعا پڑھتے، نواں واپسی پر کیا معمول تھا، دسواں رات میں گھر نہیں آتے تھے بلکہ صبح یا شام واپس آتے تھے۔ اسی پر یہ بحث تمام ہوتی ہے (۶۴-۶۵۹)۔

آپ کے جنگی آلات کے بیان میں پہلا باب ہے تلوار پر، دوسرا درع (زرہ) پر تیسرا خود

(مغفر) پر، چوتھا کمان پر، پانچواں نیزہ (رمح) پر، چھٹا حربہ پر، ساتواں رایت و پرچم پر، آٹھواں چھڑی ڈنڈے پر، نواں عصا پر اور یہی کل ابواب ہیں (۷۰-۶۶۷)

غزوات نبوی کا مبحث کافی مفصل ہے۔ پہلے تمہید میں ستائیس غزوات اور ان میں ے نو میں جنگوں کا ذکر کر کے ابواب شروع کیے ہیں۔ پہلا غزوہ سے پہلے دعائے مسنون پر ہے، دوسرا غزوہ ابواپر، تیسرا غزوہ بواط پر چوتھا غزوہ سفوان پانچواں ذوالعشیر ہ (۵-۶۷۳) چھٹا غزوہ بدر جو کافی مفصل ہے (۸۱-۶۷۵)، ساتواں بدر کے مشرک مقتولین کو کنوؤں میں ڈالنے پر (۲-۶۸۱) آٹھواں غزوہ بنو قینقاع، نواں سویق پر، دسواں غزوہ قرقرۃ الکدر، گیارھواں غزوہ غطفان، بارھواں غزوہ بنو سلیم (۳-۶۸۲) تیرھواں غزوہ احد (۸۸-۶۸۴) چودھواں حمراء الاسد، پندرھواں غزوہ بنی النضیر، سولھواں غزوہ بدر الموعد، سترھواں ذات الرقاع، اٹھارھواں دومۃ الجندل، انیسواں مریسیع (۹۲-۶۸۸) بیسواں غزوہ خندق (۴-۶۹۲) اکیسواں بنی قریظہ (۵-۶۹۴) بائیسواں بنو لحیان، تیسواں غابہ (۶۹۶) چوبیسواں صلح حدیبیہ (۹-۶۹۷) پچیسواں خیبر (۶۹۹) چھبیسواں فتح مکہ (۷۰۲-۶۹۹) ستائیسواں غزوہ حنین (۶-۷۰۲) اٹھائیسواں طائف، انتیسواں تبوک، تیسواں جنگوں میں شعار نبوی (۸-۷۰۷) اسی پر خاتمہ کلام ہوتا ہے۔

سرایائے نبوی کے ابواب کی تفصیل یہ ہے۔ تمہید میں ہے کہ جب آپ خود تشریف لے جاتے تو سرایا روانہ کرتے تھے۔ ابواب یہ ہیں: (۱) سرایا میں نہ جانے کی حکمت (۲) سرایا کی تعداد (۳) سرایا کے امراء کو وصیتیں و ہدایات (۴) امراء سرایا کے ناگوار طرز عمل پر تنبیہ۔ یہی کل ابواب ہیں (۱۳-۷۱۱)۔

سلاطین و ملوک سے مکاتبت نبوی کی بحث میں ابواب ہیں: (۱) مقوقس کے نام (۲۰-۷۱۷) (۲) قیصر کے نام (۳۱-۷۲۰) (۳) کسریٰ کے نام (۴-۷۳۲) (۴) نجاشی کے نام (۶-۷۳۴) (۵) حارث بن ابی شمر غسانی کے نام (۸-۷۳۷) (۶) ہوذہ بن علی حنفی کے نام (۹-۷۳۸) (۷) جبلہ بن الایہم کے نام (۷۳۹) (۸) ذوالکلاع کے نام (۴۰-۷۳۹) (۹) فروہ جذامی کے نام (۱-۷۴۰) (۱۰) جیفر و عبد شاہان عمان کے نام (۲-۷۴۱) (۱۱) منذر بن ساوی کے نام (۷۴۳) (۱۲) ملوک حمیر کے نام (۳-۷۴۲) اور یہی آخری باب ہے۔ ان میں فرامین کے

متون اور سفیروں کے واقعات بھی مذکور ہیں۔

خدمت نبوی کے حاضری دینے والے وفود کی بحث کے ابواب ہیں: (۱) وفد سعد بن بکر (۸-۴۷ ے) (۲) وفد مزینہ، (۳) وفد فزارہ (۴) وفد تجیب (۵) وفد سعد خزیم (۶) وفد محارب (۵۲-۴۸ ے) (۷) وفد بجیلہ (۸) وفد نہد (۹) وفد عامر بن صعصعہ (۱۰) وفد عبدالقیس (۱۱) وفد بنی حنیفہ (۵۸-۵۲ ے) کل گیارہ وفود کا ذکر کیا ہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد واقعات سیرت کے مبحث میں پہلا باب اہل بقیع کے استغفار پر ہے، دوسرا اسامہ بن زید کی امارت سریہ پر (۲-۶۱ ے)، تیسرا مسیلمہ کے ظہور کی خبر آنے پر، چوتھا اسود عنسی کے ظہور پر اور پانچواں طلیحہ بن اسود کے ظہور پر (۴-۶۳ ے)۔ یہی کل ابواب و واقعات ہیں۔

مرض و وفات نبوی کے ابواب ہیں: (۱) آپ کو زہر دیا گیا تھا (۸-۶۷ ے)، (۲) جس سے اجل قریب آئی (۶۸ ے) (۳) وفات سے قبل جبریل کے سامنے قرآن کریم کا عرض (۴) مرض کی ابتداء (۵) ابوبکر کی تیمارداری کرنے کی درخواست (۶۸-۷۰ ے) (۶) ازواج کے گھروں میں باری کی تقسیم (۷۰ ے) (۷) بیماری کی شدت (۲-۷۱ ے) (۸) آپ کے جسم پر پانی بہانا (۷۳ ے) (۹) آپ اپنے نفس سے قصاص لیتے تھے (۷-۷۴ ے) (۱۰) مدت مرض اور امامت ابوبکر (۹-۷۷ ے) (۱۱) ابوبکر کے لئے کتاب لکھنے کا ارادہ (۸۰-۷۹ ے) (۱۲) بچے ہوئے دیناروں (سات عدد) کا صدقہ بروز وفات (۸۰ ے) (۱۳) مرض الوفاۃ میں چالیس غلاموں کو آزاد کیا ((۱۴) اپنی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ کو اپنی وفات کی خبر دی (۸۱ ے) (۱۵) وفات سے قبل مسواک کا استعمال (۸۲ ے) (۱۶) بقا اور موت کے درمیان تخییر الٰہی اور موت کا اختیار کرنا (۳-۸۲ ے) صحابہ کرام کو جمع کر کے وصیت کی (۴-۸۳ ے) (۱۸) وفات کے وقت نماز کی تاکید خاص (۸۴ ے) (۱۹) کسی دنیاوی شے کی وصیت نہ کی (۲۰) اپنی قبر مبارک کو سجدہ گاہ نہ بنانے کی وصیت (۸۵ ے) (۲۱) وفات سے تین دن قبل جبریل کی مسلسل آمد (۷-۸۶ ے) (۲۲) اللہ سے عافیت کی دعا (۲۳) روح پاک کا خروج (۸۸ ے) (۲۴) کپڑے جن میں وفات پائی (۲۵) وقت وفات (۸۹ ے) (۲۶) وفات نبوی میں لوگوں کا شک، خطبہ عمر اور خطبہ ابوبکر وغیرہ (۹۱-۸۹ ے) (۲۷) عمر شریف (۹۲ ے) (۲۸) ترکۂ نبوی (۳-۹۲ ے) (۲۹) غسل جنازہ (۵-۹۳ ے) (۳۰) کفن نبوی (۶-۹۵ ے) (۳۱) نماز جنازۂ نبوی (۹۶ ے) (۳۲) مقام قبر شریف

(۷-۷۹۶) (۳۳) لحدی قبر (۷۹۸) (۳۴) قبر شریف میں چادر بچھانا (۹-۷۹۸) (۳۵) وقت تدفین (۷۹۹) (۳۶) قبر شریف میں اترنے والے (۸۰۰-۷۹۹) (۳۷) قبر نبوی اور قبر شیخین کی صفت (۸۰۰ مع نقشہ مقامات) (۳۸) قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت (۱-۸۰۰) (۳۹) قبر مبارک کے توسط سے استسقاء (۲-۸۰۱) (۴۰) حضرت فاطمہ کا ماتم (۳-۸۰۲) (۴۱) درود کی فضیلت (۶-۸۰۳) (۴۲) ملائکہ کا درود وسلام پہونچانا (۷-۸۰۶) (۴۳) درود کی کیفیت اور شکل (۸۰۷) (۴۴) درود نہ پڑھنے والے کی مذمت (۸۰۸) (۴۵) تعزیت نبوی پر غیبی آواز (۹-۸۰۸) (۴۶) جسد اطہر کی حفاظت الٰہی (۸۰۹) (۴۷) آپ پر اعمال امت کی پیشی (۱۰-۸۰۹) (۴۸) خواب میں آپ کی زیارت (۸۱۰)۔ اسی پر یہ بحث تمام ہوتی ہے۔

حشر میں رسول اکرم ﷺ کے حشر اور حالات پر ابن جوزی کی کتاب سیرت کی آخری بحث ہے اور اس کے ابواب میں پہلا ہے کہ سب سے پہلے آپ کا بعث وحشر ہوگا (۸۱۳) (۲) حضرت عیسیٰ کا آپ کے ساتھ حشر ہوگا (۳) آپ کے حشر کی کیفیات (۵-۸۱۴) (۴) آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا (۵) آپ کے امتی سب سے زیادہ ہوں گے (۸۱۵) (۶) آپ کا حوض (۷-۸۱۶) (۷) آپ کی شفاعت (۲۲-۸۱۷) (۸) آپ کا مقام محمود (۳-۸۲۲) (۹) صراط پر مومنین کو بچائیں گے (۴-۸۲۳) (۱۰) جنت میں اول داخل ہوں گے (۵-۸۲۴) (۱۱) امت محمدی کی فضیلت (۶-۸۲۵) (۱۲) جنت میں آپ کا بلندترین درجہ (۷-۸۲۶)۔ خاتمہ کتاب کا ترقیمہ۔

مصادر و مآخذ

ابن الجبیر	رحلہ	طبع دوم ۲۲۰و۴
ابن الجوزی	الوفاء باحوال المصطفیٰ	قاہرہ ۱۹۶۶ء میں مقدمہ محقق مصطفیٰ عبدالوحد (الف تا ظ)
ابن خلکان	وفیات الاعیان	بولاق ۱۲۹۹ھ اول ۳۵۰ وغیرہ
ابن رجب حنبلی	ذیل طبقات الحنابلہ	مخطوطہ نسخہ کو پر ولو استانبول (۱۱۱۵) ورق ۳-۱۳۰ الف طبع H. Leoust وسامی دہان دمشق ۱۹۵۱ء اول ۲۰-۲۱۶،۳۰-۲۲۸
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	قاہرہ مصر ۱۳۵۰ھ، چہارم ۳۲۹
ابن کثیر دمشقی	البدایۃ والنہایۃ	جلد ۱۳، ص ۲۸
ابوالحسن علی حسنی ندوی	تاریخ دعوت وعزیمت	لکھنؤ ۱۹۷۹ھ طبع دوم جلد اول، ۵۱-۲۲۵

اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور، ابن الجوزی (مقالہ)

بروکلمان	اول ۵۰۰،۲۸۰ اور ۵۰۱، تکملہ اول ۴۹۲ اور ۹۱۴ و مابعد	
خوانساری	روضات الجنات	ص ۴۲۷
ذہبی	طبقات الحفاظ مرتبہ وستفلڈ سوم ص ۴۵، تذکرۃ الحفاظ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ چہارم، ۴۱-۱۳۱	
زرکلی	الاعلام	دوم ۴۹۹
سبط ابن الجوزی		
ابو یوسف بن قرزاوعلی ترکی	مرآۃ الزمان، حیدرآباد دکن ۱۹۵۱ء/۱۳۷۰ھ	

ہشتم حصہ دوم ۴۲۴-۴۸۱

سیوطی جلال الدین	طبقات المفسرین	ص ۱۷ شمارہ ۵
طاش کبری زادہ	مفتاح السعادۃ	اول ۲۶۰
غلام جیلانی برق	ابن الجوزی اور سوانح رسول اللہ ﷺ، نقوش رسول نمبر اول ۸-۱۰۷	
یافعی	مرآۃ الجنان	حیدر آباد دکن ۱۳۳۸ھ سوم ۹۱-۴۸۹

حافظ عبدالغنی مقدسی

(۵۴۱-۶۰۰ھ/۱۱۴۶-۱۲۰۳ء)

چھٹی/ بارھویں صدی سیرت نبوی کی بعض اہم کتابوں کی تالیف کی صدی ہے۔اس زمانے میں مختلف نقطہ ہائے نظر سے سیرت نبوی کا مطالعہ کیا۔حافظ ابن الجوزی جیسے سیرت نگاروں نے حدیث نبوی کی بنیاد پر سیرت کا مطالعہ کیا تھا۔حافظ مقدسی جماعیل نے اس بنا پر اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔جس میں بہر حال سیرت کے مصادر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ان کی کتاب دراصل مختصر بحث میں بھی مختصر ترین نظر آتی ہے کہ وہ سیرت کی بہت ہی بنیادی معلومات پر مبنی ہے۔اور اس میں زیادہ زور متعلقات سیرت پر دیا گیا ہے۔

تلخیص نگاروں میں حافظ عبدالغنی مقدسی اور اس کی سیرۃ النبی کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ موضوع پر قدرت ،خوبصورت اسلوب بیان، ایجاز واختصار اور حدیثی طرز اداء کے سبب ان کو ان سیرت نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے فن سیرت نگاری کو آگے بڑھانے میں خاصا اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے سیرت نبوی کو اصحاب عشرہ کی سوانح کے ساتھ منسلک وو سیع کر کے اس کو ایک نئی جہت دی۔حافظ موصوف کے شاگرد رشید حافظ ضیاء نے اپنے استاد گرامی کی سیرت دو اجزاء میں مرتب کی تھی جو ان کے سوانح کی بنیادی کتاب ہے۔

ولادت وخاندان

حافظ ذہبی نے "تذکرہ الحفاظ" میں ان کا نام ونسب اس طرح بیان کیا ہے: عبدالغنی بن علی بن سرور بن رافع بن حسن بن جعفر یاقوت کے ہاں نسب میں کچھ فرق ہے۔عبدالغنی بن عبدالواحد

بن علی بن سرور بن نافع بن حسن جعفر المقدسی ہے۔ ان کی کنیت ابو محمد تھی اور نسبتیں کئی تھیں۔ مقدسی ،جماعیلی ،دمشقی ،صالحی اور حنبلی ۔خطاب ولقب تقی الدین تھا۔ حافظ ذہبی نے ان کی علمیت وفضیلت اورفن حدیث میں مہارت کے سبب ان کو حافظ امام اور محدث الاسلام کہا ہے۔ ان کی نسبتوں میں وطن مالوف،مسلک اوردوسرے وجوہ بھی شامل تھے۔ جماعیل بقول یاقوت مہم کی تشدید کے ساتھ ہے۔

تاریخ ولادت میں صرف ۵۴۱ھ کا ذکر کیا ہے سنہ کے علاوہ ماہ وتاریخ اور یوم کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ زرکلی کے بقول ان کا وطن مالوف ومولد شریف نابلس کے قریب کا ایک گاؤں تھا۔ اور بچپن ہی میں بقول حنبل ۵۵۰ھ کے بعد دمشق چلے گئے تھے اور بعد میں وہ عراق کے شہر موصیل ،اسکندریہ اور اصبہان وغیرہ بھی سکونت پذیر رہے۔ یاقوت حموی کے مطابق وہ ارض فلسطین میں جبل نابلس کا ایک گاؤں تھا۔

تعلیم وتربیت

انہوں نے زمانہ اورعلاقہ کی روایتوں کے مطابق سفر اور قیام دونوں زبانوں میں علم حاصل کیا۔ حافظ ذہبی کے مطابق حدیث کی سماعت دمشق میں ابوالمکارم بن ہلال سے،بغداد میں ہبۃ اللہ بن ہلال اورابن البطی اوران کے طبقہ کے محدثین سے،اورثغر (حدود شام) میں ابوطاہر سلفی سے کی۔ موخر الذکر استاد گرامی کی خدمت میں وہ تین سال قیام تدبیر رہے۔ اور شاید ان سے ایک ہزار اجزاء حدیث کی کتابت کی۔ موصل میں ابوالفضل طوسی سے ،ہمذان میں عبدالرزاق بن اسماعیل القوسانی سے ،اصبان میں حافظ ابوموسیٰ مدینی اوران کے معاصرین سے ،مصر میں علی بن ہبۃ اللہ الکامل سے مزید سماعت حدیث کی۔ ان کے مطالعہ حصول علم کتابت وروایت کی اتنی کثرت اوراتنی وسعت ہے کہ اسے ضبط تحریر میں نہیں لایا جاسکتا۔ وہ زندگی بھر تعلیم وتعلم میں مشغول رہے اور تصنیف وتالیف کرتے رہے اورحدیث کی سماعت وروایت کرتے رہے اورعبادت نہیں کرتے رہے۔ یاقوت نے تصریح کی ہے کہ ۵۶۰ھ میں بغداد میں ابن النقور وغیرہ سے سماعت کی تھی۔ پھر وہ اصبہان چلے گئے اور وہاں سے ۵۷۸ھ میں بغداد واپس ہوئے۔

تعلیمی وتدریسی مشاغل

اپنی رسمی تعلیم وتربیت کی تکمیل کے بعد حافظ مقدسی جماعیل نے تعلیم وتدریس کا مشغلہ اختیار

کیا اور بہت سے اہل فضل وکمال کو حدیث نبوی سے مالا مال کیا۔ان سے روایت کرنے والوں اور فیض اٹھانے والوں کی تعداد بہت کافی ہے جن میں حسب ذیل ہیں۔ان کے دونوں فرزندوں ابوالفتح اور ابوموسیٰ کے علاوہ عبدالقادر الرہاوی، شیخ موفق الدین، الیضاء، ابن خلیل، فقیہ الیونینی، ابن عبدالدائم عثمان بن مکی الشارعی، احمد بن حامد الارتاجی، اسماعیل بن غرون، عبداللہ بن علاق، محمد بن مہلہل الجیشی۔ موخرالذکر شیخ مقدسی سے روایت وسماعت کرنے والے آخری شاگرد تھے جو ۶۴۷ھ تک زندہ رہے۔ ان کے بعد جو شاگرد وسامع وروای رہے تھے وہ احمد بن ابی الخیر امام ذہبی کے شیخ تھے مگر ان کو اجازہ کے ذریعہ سماعت وروایت حدیث حاصل تھی۔

ابن النجار کا بیان ہے کہ حافظ جماعیلی نے بہت کثرت سے روایات واحادیث بیان کیں اور اس فن میں عمدہ تصانیف تحریر کیں، وہ عمدہ یادداشت، قوی حافظہ اور مہارت فن رکھتے تھے اور تمام فنون وعلوم حدیث میں صلابت ولیاقت کے مالک تھے۔اسی کے ساتھ وہ انتہائی عابد وزاہد، سلف کے طریقہ کے مطابق وہ سنت وحدیث کے عامل اور متقی وپرہیز گار تھے۔وہ صفات الٰہی اور قرآن مجید کے بارے میں جو مسلک رکھتے تھے اور جس فکر کا اظہار کرتے تھے اس پر فقہاء اور ان کے اہل تاویل طبقہ نے سخت اعتراض کیا۔چنانچہ دمشق کے قصر سلطانی میں مجلس/محضر کا انعقاد ہوا جس میں انہوں نے شیخ جماعیل کے قتل کا فتویٰ دیا۔اور اس کے نفاذ پر اصرار کیا لیکن کردوں کے امراء نے ان کی سفارش کی اور تجویز پیش کی کہ وہ دمشق سے چلے جائیں۔لہٰذا وہ مصر چلے گئے اور اپنی وفات تک وہاں مقیم رہے۔دمشق میں جامع اموی میں وہ ہر جمعرات کی شب کو اور جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد احادیث بیان کرتے تھے اور ان کی مجلس میں بے شمار مخلوق حاضر ہوتی تھی اور جب وہ رقت آمیز آواز میں بیان کرتے تو لوگ زاروقطار روتے پھر وہ ان کے لئے طویل دعا مانگا کرتے وہ اپنی عوامی وعظ وتذکیر میں قرآن مجید کی بھی تفسیر کیا کرتے تھے ان میں سے بعض مجالس جامع الصرافہ میں بھی منعقد ہوا کرتی تھیں۔دمشق سے پہلے امام موصوف نے یاقوت کے مطابق بغداد میں بھی درس حدیث دیا تھا۔

حافظ ابوموسیٰ مدینی فرماتے تھے کہ بہت سے علماء نے دراصل شیخ جماعیلی کی بات ہی نہیں سمجھی اگر امام دارقطنی جیسے ائمہ حدیث زندہ ہوتے تو وہ ان کے فکر وفعل کی تصویب کرتے لیکن ہمارے زمانے میں اس فہم وفراست کے لوگ کہاں؟ یاقوت حموی کے مطابق ان پر بعض حنبلی علماء نے ہی تجسیم کا الزام

لگایا تھا اور وہ محض حسد کی بنا پر تھا۔ وہ دمشق اور مصر دونوں جگہ ابتلاء و آزمائش کا شکار رہے۔

حافظ ضیاء کے مطابق شیخ جماعیلی نے اصبہان کا بھی سفر کیا اس کے دوران ان کے پاس زادِراہ بہت کم تھا لیکن اللہ تعالی ان کے لئے سامان فراہم کر دیا اور سفر آسان بنا دیا۔ اصفہان میں انہوں نے ایک مدت قیام کیا اور عمدہ کتابوں کو حاصل کیا۔

شیخ جماعیل کے حفظ و یادداشت اور مہارتِ فن کا حال یہ تھا کہ بقول حافظ ضیاء ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ اس کو فوراً بیان کرتے اور اس کی تشریح کرتے۔ اسی طرح وہ ہزاروں کے بارے میں خود تفصیل بتا دیتے تھے۔ امام ضیاء اسی بنا پر ان کو حدیث میں امیر المومنین کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔ اس کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں حدیث بخاری میں حافظ موصوف نے فرمایا کہ وہ بخاری میں نہیں ہے۔ معاملہ شیخ جماعیلی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اور انہوں نے حافظ موصوف کی تصدیق کی اور وہ شخص شرمندہ ہو گیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص طلاق کی شرط پر قسم کھائی کہ شیخ جماعیلی کو ایک لاکھ احادیث یاد ہے۔ فرمایا وہ اگر اس سے زیادہ پر حلف اٹھالیا تو بھی سچا ہوتا۔ حافظ ضیاء موصوف اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ جامع دمشق (اموی) میں بعض ناضرین مجلس شیخ سے پوچھتے اور وہ برسرِ منبر جواب دیتے اور بہت سی احادیث اپنی یادداشت سے کتابیں دیکھے بغیر مسند سمیت سنا دیتے۔ اسی بنا پر ایک سوال ان سے یہ پوچھا گیا کہ بلا کتاب کے ایک احادیث کی قراءت کیوں فرماتے۔ کہا کہ میں یادداشت و حفظ کی بنا پر نقل روایات سے محض تکبر و گھمنڈ کے خدشے سے نہیں بیان کرتا۔ امام تاج کندی کہا کرتے تھے کہ امام دارقطنی کے بعد میں حافظ عبدالغنی المقدسی جیسا کسی کو نہیں پایا۔

متعدد دوسرے علماء حدیث نے ان کی مہارتِ فن، قوتِ حافظ اور لیاقت و صلابت کی تحسین و تعریف کی ہے۔ ان میں ربیعہ الیمنی ابوالحسن بن نجار وغیرہ شامل تھے۔ شیخ موفق ان کے ہمدرس و ہم جماعت رہے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جماعیلی ہر خیر کے کام میں ان سے سبقت لے جاتے تھے۔

شیخ جماعیلی بدعات و منکرات کے سخت خلاف تھے ان کے کئی واقعات ایسے نقل کئے گئے ہیں جن سے ان کی حمیت دینی اور بے خودی کا اظہار ہوتا ہے۔ انہوں نے موسیقی اور اس کے آلات کے سلسلہ میں حکومتِ وقت پر بھی تنقید کی تھی۔ ایک شرابی کی شراب پھینک دی اور جب وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا

تو اس کی تلوار ہاتھ سے چھین کر اس کو حیرت زدہ کر دیا۔ اسی بنا پر بعض بدعتیوں نے ان کو قتل تک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حافظ مقدسی جماعیلی بے انتہا جواد و کریم اور سخی تھے اپنے پاس کچھ بھی بچا کر نہ رکھتے اور سب کچھ لوگوں میں بانٹ دیتے۔ ان کو لوگوں کی محبت و تکریم بھی حاصل تھی۔ وہ جب مسجد جاتے تو بازار میں جانکلتے تو لوگ ان کی زیارت کے لئے رو بہ صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے خلقت ان کی تکریم میں ان پر ٹوٹ پڑتی ان کے ہاتھ چومتی اور ان کے اصحاب تلامذہ کو ان کے ساتھ چلنا مشکل ہو جاتا۔

تصانیف

شیخ جماعیلی مقدسی کا بنیادی مضمون حدیث نبوی تھا اس لئے ان کی بیشتر تصانیف اسی موضوع سے متعلق ہیں۔ تاہم انہوں نے بعض دوسرے علوم وفنون میں بھی درک حاصل کیا تھا لہذا بعض کتب سیرت وغیرہ کے موضوعات پر تصنیف کیں اور سیرت نبوی تو حدیث نبوی کی ایک شاخ ہی ہے یا ان دونوں میں قریبی رابطہ و موضوعاتی تعلق ہے۔ ذیل میں ان کی تصانیف کی ایک فہرست دی جا رہی ہے جو امام ذہبی پر زیادہ ترمبنی ہے:

المصباح: صحیحین کی احادیث پر مشتمل کتاب ہے جو اڑتالیس اجزاء میں تھی۔

نہایۃ المراد: سنن کے فن میں تھی جس کے تقریباً دوسو اجزاء تھے لیکن وہ مسودہ کی شکل میں رہ گئی تبییض نہ کر سکے۔

المصباح: صحیحین کی احادیث پر مشتمل کتاب ہے جو اڑتالیس اجزاء میں تھی۔

نہایۃ المراد: سنن کے فن میں تھی جس کے تقریباً دوسو اجزاء تھے لیکن وہ مسودہ کی شکل میں رہ گئی، تبییض نہ کر سکے

المواقیت: ایک جلد میں تھی

الجهاد: ایک جلد میں تھی

الروضة: چار اجزاء پر مشتمل تھی

فضائل خیر البریة: ایک جلد میں تھی

الذکر: دو اجزا میں تھی

الاسراء : دو اجزاء میں تھی

التھجد : یہ بھی دو اجزاء میں تھی

المحنة: تین اجزاء پر مشتمل تھی

صلات الاحیاء الی الاموات: دو اجزاء کی کتاب تھی

الصفات: صفات الٰہی پر مشتمل تھی اور دو اجزاء میں تھی

الفرح : یہ بھی دو اجزاء میں تھی

فضل مکة: چار اجزاء پر مشتمل مکہ مکرمہ کی تاریخ اور فضائل کی کتاب تھی

غنية الحفاظ فی مشکل الالفاظ: دو جلدوں پر مشتمل کتاب تھی جس میں مشکل الفاظ حدیث کی تشریح کی تھی۔

الحکایات: سو اجزاء سے زیادہ پر مشتمل تھی

ان کے علاوہ بہت سی تصانیف ایک ایک جزء میں تھیں۔ اور مذکورہ بالا کتابیں سب کی سب اسناد سمیت تھیں ان کی بہت سی تصانیف بلا اسناد تھیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے:

العمدة : دو جزء۔ زرکلی کے مطابق اس کا نام **عمدة الکلام من کلام خیر الانام** ہے اور وہ چھپ چکی ہے۔

الاحکام: چھ اجزاء

درر الاثر: نو اجزاء

الکمال : دس جلدوں میں ہے۔ زرکلی نے اس کا نام **الکمال فی اسماء الرجال** لکھا ہے اور اسے مخطوطہ بتایا ہے یاقوت نے تصریح کی ہے کہ صحاح ستہ کے اول راوی سے صحابہ تک کی سند اس میں بیان کی ہے اور بہت عمدہ ترتیب دی ہے۔

الدرة المضیئة فی السیرة النبویة: نامی کتاب کا ذکر زرکلی کے ہاں ہے جو ابھی تک ان کے مطابق مخطوطہ ہے۔

النصیحة فی الادعیة الصحیحة: نامی کتاب بھی ذکر زرکلی نے کیا ہے اور کہا ہے کہ چھپ گئی ہے۔

اشراط الساعة: نامی کتاب کا بھی ذکر زرکلی نے کیا ہے۔

سیرة النبی ﷺ واصحابه العشرة: ہمارے زیر مطالعہ وتجزیہ کتاب ہے جو چھپ چکی ہے۔ فی الحال یہ کہنا مشکل ہے کہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر زرکلی نے الدریۃ المضیئۃ کے عنوان سے کیا ہے یا کوئی دوسری کتاب ہے۔ بظاہر یہ دوسری کتاب معلوم ہوتی ہے۔

امام مقدسی جماعیلی کی تصانیف صرف روایات پر مبنی نہیں تھیں۔ بلکہ وہ تنقیدی اور روایتی بھی تھیں۔ وہ صحیح احادیث کے علاوہ کچھ اور برداشت نہ کر سکتے تھے اس لئے موضوع یا ضعیف روایتوں کے نقل وروایت کرنے والوں پر سخت تنقید کرتے تھے ان کی تنقید کا ایک نشانہ حافظ ابونعیم اصفہانی بھی تھے۔ حالانکہ وہ خود صاحب حدیث تھے لیکن ان کی کتاب حلیۃ الاولیاء میں بہت سی ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔ اس بنا پر حافظ جماعیلی نے اس کے دوسونوے مقامات پر سخت نقد کیا تھا۔ صدر الصدور ابن الجندی نے اس بنا پر ان کو قتل کروانے کا ارادہ کیا لہذا حافظ موصوف چھپ گئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حافظ عقیلی کی کتاب الضعفاء کی سماعت موصل میں حافظ مقدسی کر دیتے تھے اور اس میں ایک شخص کے ذکر پر اہل موصل اتنے برافروختہ ہوئے کہ ان کو قتل کرنا چاہا مگر وہ ایک شخص کی مداخلت سے بچ گئے۔ جامع دمشق اموی میں بھی حاکمان وقت اور علماء مصر نے ان کی مجالس قراءت حدیث کو درہم برہم اور حافظ مقدسی کو زک دینا چاہی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ ایسی علمی صلابت اور دینی حمیت اور فکری نقاہت کے متعدد واقعات حافظ ذہبی نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

وفات

حافظ مقدسی کے فرزند ابوموسیٰ کا بیان ہے کہ میرے والد چند دن بیمار رہے اور ایک دن نماز صبح کے وقت ہمارے ساتھ بیٹھ کر نماز فجر ادا کیا پھر فرزند گرامی سے سورہ یسین سنی۔ دوا دی گئی تو فرمایا اب صرف موت باقی ہے۔ پوچھا گیا کوئی خواہش ہے فرمایا ہاں صرف اللہ تعالیٰ کے وجہ کریم کی زیارت کی۔ سب سے اپنی رضا کا ذکر کیا اور عیادت کرنے والوں کو ذکر الٰہی کی تلقین کی اور دوشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۶۰۰ھ کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو گئے۔ اسکندریہ (مصر) میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن العماد حنبلی کی تصریح کے مطابق ان کی تدفین شیخ ابوعمرو بن مرزوق کی قبر کے مقابل قرافہ میں ہوئی تھی اور وہ منگل کا دن تھا۔

طریقہ تالیف

امام جماعیلی مقدسی کی سیرت نگاری اور اس کے طریقہ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سیرت نبوی کو محض ذات نبوی، تک محدود نہیں بلکہ اس کو امت اسلامی کی تاریخ بنانے کی کوشش کی بایں طور کہ عشرہ مبشرہ کی سوانح بھی اس میں بطور تکملہ وتتمہ جوڑ دی، سیرت نگاری کا یہ رجحان شروع کی صدیوں سے نظر آتا ہے کہ کبھی خلفانے راشدین کے ساتھ اور کبھی عشرہ مبشرہ اور کبھی صحابہ کرام کے ایک زیادہ بڑے حلقہ وطبقہ کی سوانح کے ساتھ اس کا پیوند لگایا گیا ہے۔ یہ رجحان اس لئے بھی دلچسپ ہے کہ فضلا نے صحابہ کی سوانح کا بیشتر حصہ سیرت نبوی اور عہد نبوی کا معاصر ہے اور وہ اولین عہد اسلامی کی تاریخ کے ان گوشوں کو روشنی میں لاتا ہے جن کو محض ذات نبوی کی سوانح نہیں لا سکتی تھی۔

حافظ جماعیلی کی کتاب سیرت بلا شبہ بے انتہا مختصر ہے کہ محض پچاس صفحات کے رسالہ میں اس کی تمام تفصیلات سمودی گئی ہیں۔ اور ان کے بعد اس کے نصف صفحات میں عشرہ مبشرہ کی سوانح بیان کی گئی۔ زبان وبیان کے لحاظ سے وہ جامع اختصار کا نمونہ ہے۔

ان کی 'سیرۃ النبی' موضوعاتی ہے کہ ہر موضوع کے تحت ایک مرحلہ سیرت کو بیان کرتے ہیں جیسے تنبیہ کے تحت نسب نبوی، پھر اسماء نبوی پر فصل اور بعض بعض فصول بلا عنوان ہیں۔ ان کی کتاب میں سیرت کے دونوں مکی مدنی مرحلوں کا ذکر ترتیب زمانی کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ پہلی فصل بلا عنوان پوری سیرت نبوی کی تلخیص یا فہرست نگاری کر دیتی ہے کہ وہ تا وفات تمام حالات ایک دو صفحوں میں بیان کر دیتی ہے۔ موضوعات بھی ان کے کافی مختصر اور ایک لحاظ سے شاذ ونادر ہیں۔ جیسے اولاد نبوی، حج وعمرات، غزوات، کاتبین وسفیران نبوی، اعمام وعمات، ازواج مطہرات، خدام وغیرہ ان فصول میں متعلقات سیرت پر بحث زیادہ ہے اور سیرت مواد پر بہت کم۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ اتنی مختصر کتاب میں بھی مؤلف گرامی نے اختلاف سیرت نگار کا ذکر کہیں کہیں کیا ہے مثلاً نسب نبوی کے شجرہ پر اختلاف، تاریخ ولادت پر اختلاف وغیرہ۔

وہ بعض مشہور مسلمہ روایات سے اختلاف کر کے اپنی رائے قائم کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی روایت ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ مثلاً صحیح تاریخ ولادت ان کے نزدیک دو ربیع الاول ہے۔ والد ماجد عبداللہ کی وفات کے بعد آپ نہ صرف اس عالم آب وگل میں آ چکے تھے بلکہ اٹھائیس ماہ کے تھے۔

فرزندان گرامی کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ چار تھے۔آپ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی اولادوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ ایک فرزند اور دو دختر تھیں۔

اپنی کتاب مختصر میں بھی وہ بعض مآخذ کی نشاندہی کرتے جاتے ہیں جیسے والدین کی وفات کے سلسلہ میں زبیر بن بکار کا حوالہ یا اسماء نبوی میں صحیحین اور مسلم کا ذکر، صحیحین کے حوالہ ہی سے حج اور عمروں کا ذکر کیا ہے۔غزوات میں ابن اسحاق، ابومعشر اور موسیٰ بن عقبہ کا حوالہ دیا ہے۔

نقل روایات میں وہ محدثین واہل سیر کا معروف طریقہ اپناتے ہیں۔اپنی پسندیدہ ومختار روایت کو بالعموم صیغہ معروف سے اور مرجوح روایت کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

موالی اور خدام میں بعض نئے اسماء کا ذکر کرتے ہیں جو دوسرے مآخذ میں بالعموم نہیں ملتے۔ بالخصوص متداول مصادر سیرت میں۔اس لئے ان نئی معلومات کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔اس حقیقت کے باوجود کہ نئی معلومات ابھی تک تحقیق طلب ہیں۔ان کی کتاب سیرت میں سب سے طویل فصل معجزات نبوی پر ہے اور غالباً وہ ان کے رجحان حدیث کے سبب ہے۔

مصادر و مآخذ

	آداب اللغۃ	سوم ۶۹
ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	دارالکتب العلمیہ، بیروت طبع جدید
		دوم ۳۴۵-۴۶
بروکلمان	فہرست اول ۶۰۵	
ذہبی	تذکرہ الحفاظ	حیدرآباد دکن ۱۹۵۸ھ
		چہارم، ۱۱۱۲،۳۴۳-۴۶/۱۳۷۲-۸۱
زرکلی	الاعلام	چہارم ۳۴
الفہرس التمہیدی		۴۱۹
یافعی	مرآۃ الزمان	ہفتم ۵۱۹
یاقوت حموی	معجم البلدان	ذکر جماعیل

حافظ عبدالغنی مقدسی کی

سیرۃ النبی ﷺ واصحابہ العشرۃ

سیرت نبوی کے عظیم وجلیل مصادر اور لافانی ولاثانی مآخذ کے مختصرات کی فہرست بھی کافی طویل ہے اور اہم بھی، ان کو محض اس بنا پر کہ وہ امہات الکتب کی تلخیص وخلاصہ پیش کرتے ہیں۔ مسترد ونظر انداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ نہ صرف سمندر کو کوزہ میں بند کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات مختلف مصادر سے بعض نئی اور قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں، بالعموم ایسے مختصرات سیرت کسی ایک مصدر و مآخذ پر مبنی نہیں ہوتے۔ علاوہ ازیں ایسے اختصارات مختلف علوم وفنون کے اکابر اہل علم اور ماہرین تیار کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اپنے خاص فنی نقطۂ نظر سے لکھتے ہیں اس لئے ان کا بیانیہ، طریقہ اور نظریہ مخصوص طرز فکر کا حامل ہوتا ہے اور وہ سیرت نبوی کو ایک نئی جہت سے روشناس کرتا ہے۔

حافظ عبدالغنی مقدسی (۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء) صاحب علم وفضل ہونے کے علاوہ حدیث کے ماہر وکامل تھے اس لئے ان کی کتاب سیرت پر حدیث نبوی کے فن کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ مدتوں تک ان کی کتاب سیرت پردہ خفا میں مستور رہی۔ ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ کے ہدیان الصناوی نے اپنی تحقیق وتدقیق کے بعد اسے دار الجنان بیروت سے شائع کیا، ابتدائی صفحات میں سرورق وغیرہ کی تفصیلات ہیں اور محقق کے قلم سے ایک مختصر خاکہ مؤلف گرامی بھی ہے۔ بعض مصادر سیرت کی فہرست ہے۔ اصل متن کتاب ۲۳ سے شروع ہوتا ہے اس کے پہلے مخطوطہ کی تفصیلات مع اس کے اولین وآخریں ورق کے نمونے کے موجود ہیں۔ حافظ مقدسی کی کتاب سیرت پچاس صفحات سے کچھ زیادہ پر مشتمل ہے جس کے آخر میں مصادر وغیرہ کی فہرست بھی ہیں۔

پچھتر صفحات میں سیرت نبوی کے لئے کل ۳۸ صفحات مخصوص کئے گئے ہیں اور باقی عشرہ مبشرہ کی سوانحی تفصیلات کے لئے وقف ہیں۔ حافظ موصوف اس نقطۂ نظر کے حامی تھے کہ سیرت نبوی کو امت اسلامی کے طبقات کے ساتھ منسلک و متعلق کرتے تھے کہ وہ دراصل تاریخ امت اسلامی ہے اور تاریخ امت در اصل نبوت محمدی کی توسیع ہے۔

مطبوعہ کتاب کے تیئسویں (۲۳ویں) صفحہ سے مقدمۃ المؤلف شروع ہوتا ہے۔ بسمہ او ردعائے خیر کے بعد شیخ امام حافظ ابوموسیٰ عبداللہ بن امام حافظ ابومحمد عبدالمغنی بن علی بن سرور المقدسی نے اپنی روایت سے کتاب کا مقدمہ مؤلف شروع کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف گرامی کے فرزند گرامی اس کے راوی ہیں سات سطروں سے کم کے مقدمہ میں مؤلف موصوف نے حمد وصلوۃ کے بعد وضاحت کی ہے کہ یہ ہمارے سید وہمارے نبی محمد ﷺ کی سیرت کا جملہ مختصرہ ہے جس سے کوئی مسلمان مستغنی نہیں رہ سکتا اور سننے والوں اور پڑھنے والوں کے لئے دعائے نفع مانگی ہے۔

متن سیرت ''تنبیہ'' کے عنوان سے شروع ہوتا ہے جس میں حافظ مقدسی نے امام ابن اسحاق کی متعدد روایات میں سے ایک کے مطابق پورا نسب نبوی سے حضرت آدم علیہ السلام تک ایک ہی سلسلہ تحریریں پیش کیا ہے اور آخری جملہ میں وضاحت کی ہے کہ عدنان تک متفق علیہ اور اس کے بعد کا حصہ نسب مختلف فیہ ہے۔ قریش سے مراد فہر بن مالک کو لیا ہے اور ''قیل'' کے ساتھ النضر بن کنانہ کے ہونے کی روایت بھی بیان کردی ہے اور اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب زہری کا نسب لوی بن غالب تک نقل کیا ہے۔

ولادت نبوی پر حافظ مقدسی کا واضح بیان یہ ہے کہ مکہ میں عام الفیل میں دوشنبہ ۲/ ربیع الاول کو وہ ہوئی تھی۔ عام الفیل کے بعد تیس سال یا چالیس سال بعد پیدا ہونے کی روایات دے کر ان کی تغلیط کی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی۔ انہوں نے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھائیس ماہ بتانے والی روایت پہلے بیان کی ہے اور بعد میں وہ روایت نقل کی ہے جو دوران حمل دارالنابغہ میں ان کی وفات بتاتی ہے۔ اور ''قیل'' کے ساتھ مقام وفات مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع مقام ابواء بتایا ہے۔ اور زبیری کے حوالہ سے یہ روایت دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ دو ماہ کے تھے جب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات مدینہ میں ہوئی۔

والدہ کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال کو ترجیح دے کر پہلے بیان کیا ہے اور چار سال کی عمر میں وفات والی روایت کو بعد میں بیان کیا ہے۔ اور وہ بھی ''قیل'' کے ساتھ۔ اور ایک دوسری روایت چھ سال کی عمر والی بھی اسی طرح لفظ تضعیف کے ساتھ لکھی ہے۔ دادا عبدالمطلب ہاشمی کی وفات کے وقت صرف ایک روایت نقل کی ہے کہ اس وقت آپ ﷺ آٹھ سال کے تھے۔ آخریں رضاعت ثوبیہ (ث و ے ب ہ) اور اس میں ان کے فرزند حضرت مسروح کے دودھ میں حضرت حمزہ اور حضرت ابوسلمہ کی شرکت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور حلیمہ بنت ابی ذونیب السعدیہ کی رضاعت پر یہ ''تنبیہ'' ختم کی ہے۔ (۲۵-۲۴) محقق کے بعد حواشی وتعلیقات بھی ہیں۔

''مختصر سیرۃ النبی واصحابہ العشرۃ'' میں اس کے بعد متعین وموضوع وار فصول کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اور ہر فصل کے تحت وہ ایک خاص موضوع پر مختصر روایات جمع کر دیتے ہیں اور ان میں سے بعض کا ماخذ ورواۃ کی نشاندہی کرتے ہیں جیسے اولین فصل آپ ﷺ کے اسماء پر ہے اس میں صحیح اور متفق علیہ حدیث حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس کی روایت یا حدیث سے آپ کے اسماء بیان کرتے یا مسلم اور حضرت جابر بن عبداللہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ اسماء گرامی میں محمد، احمد، ماحی، حاشر، عاقب، مقفی، نبی التوبہ، نبی الرحمۃ، نبی الملحمہ، بشیر ونذیر، رؤف ورحیم، رحمۃ للعالمین کے علاوہ قیامت کے دن صاحب لواء الحمد اور امام المرسلین اور صاحب الشفاعہ کا بھی ذکر ہے۔ (۲۶)

اگلی بلاعنوان آپ ﷺ کی نشوونما کفالت عبدالمطلب اور ان کے بعد کفالت ابوطالب اور تمام واقعات سیرت کو مختصر مختصر جملوں میں وفات تک بیان کر دیتی ہے۔ اس کے بنیادی موضوعات ہیں: جاہلیت کی گندگی سے مبرا اور تمام جمیل اخلاق سے آراستہ، امین کا خطاب، بارہ سال کی عمر میں سفر شام ابوطالب کے ساتھ بصریٰ میں بحیرا راہب سے ملاقات اور اس کی بشارت (پر سب سے زیادہ جملے)، دوسرا سفر شام تجارت خدیجہ کے لئے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ، حضرت خدیجہ سے پچیس سال کی عمر میں شادی، چالیس سال کی عمر میں رسالت سے سرفرازی اور غار حراء میں حضرت جبریل کی آمد، مکہ کا قیام تیرہ سالہ یا پندرہ سالہ یا دس سالہ اور صحیح اول ہے۔ قبلہ بیت المقدس تھا مگر کعبہ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے، مدینہ میں بیت المقدس قبلہ یا کچھ مدت تک، ہجرت نبوی اور مصاحبت ابوبکر صدیق

وعامر بن فہیرہ، ان کا راہبر عبداللہ بن ارلقیط لیثی کافر تھا، اسلام ان کا معروف نہیں، مدینہ میں دس سالہ سکونت اور ترسٹھ سال کی عمر میں وفات، پینسٹھ سال کی دوسری اور ساٹھ کی تیسری روایت لیکن اول اصح ہے۔ باقی تفصیل وفات کی تاریخ دن اور وقت، مدت مرض، غسل، تکفین اور تدفین کے بارے میں ہے۔ تاریخ وفات دوشنبہ ۱۲/ ربیع الاول بوقت ضحیٰ کو ترجیح دی ہے اور دوسری تاریخوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ وفات سے متعلق مواد پوری فصل کے ایک تہائی حصہ پر مشتمل ہے۔ اور خاتمہ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تدفین پر ہوتا ہے۔ (۲۸-۲۷)

اگلی فصل آپ ﷺ کی اولاد کے ذکر میں ہے: فصل فی ذکر ارادہ ﷺ۔ پہلے تین فرزندوں۔ قاسم، عبداللہ اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے اور ایک مجروح بلکہ موضوع روایت کو آپ ﷺ کے بعد العزیٰ نامی فرزند ہونے پر سخت نقد کیا ہے اور پناہ مانگی ہے۔ چار دختروں۔ زینب، فاطمہ، ام کلثوم اور رقیہ کا اس ترتیب سے ذکر کیا ہے اور ان کی شادیوں، شوہروں اور اولادوں کا بھی حوالہ دیا ہے اور ان کی وفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں اولاد نبوی کی تاریخ ترتیب دی ہے۔ قاسم، زینب، رقیہ، فاطمہ، ام کلثوم پھر اسلامی عہد میں عبداللہ اور مدینہ میں ابراہیم۔ تمام اولاد حضرت خدیجہ سے تھی اور صرف حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے تھے اور سب کا حیات نبوی میں انتقال ہو گیا سوائے حضرت فاطمہ کے ان کا آپ ﷺ کے چھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

فصل فی حج وعمرہ کی سات سطری فصل میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ صرف ایک حج اور چار عمرے کیے اور ان عمروں کی تفصیل/تعیین ہے اور یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔ یہ مدنی حج وعمروں کا بیان ہے۔ اور مکہ کے حج اور عمروں کی روایات اور تعداد محفوظ نہیں۔ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے لوگوں سے رخصت لی۔ (۳۱)

پانچ چھ سطری فصل غزوات میں ان کی تعداد پچیس کو مشہور بتایا ہے اور ان کے مآخذ میں ابن اسحاق، ابومعشر اور موسیٰ بن عقبہ کو بتایا ہے اور ستائیس غزوات کی روایت کو ''قیل'' کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بعوث وسرایا پچاس یا اس کے قریب تھے اور صرف نویں قتال فرمایا جن کے نام گنائے ہیں۔ (۳۲)

فصل کتبہ ورسلہ (رسول اکرم ﷺ کے کاتبین اور سفراء کی فصل) نسبتاً مفصل ہے اولین

کاتبوں میں خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرات عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم زہری، ابی بن کعب، ثابت بن قیس ابن شماس، خالد بن سعید بن العاص، حنظلہ ابن الربیع الاسدی، زید بن ثابت ومعاویہ بن ابی سفیان اور شرجیل بن حسنہ کا ذکر کیا ہے۔ جناب محقق نے حضرت ثابت بن قیس اور ابن شماس کو دو شخص بتایا ہے اسی طرح حنظلہ بن الربیع الاسیدی کے درمیان بھی بدل قائم کر دی ہے۔

سفراء میں حضرات عمرو بن امیہ الضمر ی/نجاشی، دحیہ بن خلیفہ کلبی/قیصر، عبداللہ بن خدافہ سہمی/کسریٰ، حاطب بن ابی بلتعہ لخمی/مقدس، عمرو بن العاص/شاہان عمان۔ جیفر وعبد فرزندان الحلبذ ی، سلیط بن عمرو عامری/ہوزہ بن علی، شجاع بن وہب اسدی/حارث بن شمر غسانی، مہاجرین ابی امیہ مخزومی/حارث حمیری، علاء بن الحضر می/منذر بن ساویٰ اور ابوموسی اشعری ومعاذ بن جبل انصاری تمام یمن کا ذکر کیا ہے اور تین چار سطری تفصیل بھی دی ہے۔ (۳۴-۳۳)

اعمام وعمات نبوت پر اگلی فصل ہے۔ اس کے تحت گیارہ چچاؤں کا ذکر تھوڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ حارث، قثم، زبیر (ان کی اولاد نرینہ وغیر نرینہ)، حمزہ، ابوالفضل عباس اور ان کی اولاد کا خاص ذکر ہے۔ اسلام لانے والوں میں عباس، حمزہ کے ساتھ ابوطالب کو بھی شریک کیا ہے اور ان کی اولاد کے ذکر کے بعد بقیہ چچاؤں۔ ابولہب اور ان کی اولاد عبدالکعبہ، حجل، ضرار، غیداق کا ذکر ہے۔ بعض کے بارے میں صرف ایک آدھ جملہ ہے جو ان کے نام کی تشریح کرتا ہے یا ان کی صفت بتاتا ہے۔ (۳۷-۳۹: محقق گرامی نے حاشیہ میں ابوطالب کے کفر پر مرنے کی روایت ابن سیدانی کی عیون الاثر سے نقل کی ہے) عمات کا ذکر اس کے بعد الگ سے کیا ہے اور ان میں چھ شامل ہیں: صفیہ، عاتکہ، اروی، امیمہ، برہ، ام حکیم البیضاء۔ ان کی شادیوں، شوہروں اور اولاد کا بھی مختصر حوالہ ہے۔ صرف حضرت صفیہ کے اسلام کی روایت تسلیم کی ہے۔ (۳۸)

ازواج مطہرات پر اگلی فصل اس مختصر سیرۃ النبی کی غالبی سب سے مفصل فصول میں شامل ہے۔ ترتیب سے تمام ازواج مطہرات کا بیان آیا ہے اور کچھ تفصیل کے ساتھ۔ ان میں شادی کی تاریخ، ازواج کی عمریں، وفات اور سابقہ شادیوں شوہروں اور ان کی اولادوں کا بھی ذکر ہے۔ ان کی وفات وغیرہ کی تاریخوں پر مختلف روایات بیان کی ہیں اور صحیح ترین کی نشاندہی کی ہے۔ حضرت خدیجہ، حضرت سودہ (طلاق کا ارادہ نبوی اور حضرت عائشہ کو باری دینے پر اس کا التوا)، حضرت عائشہ (بعمر

چھ سال اور رخصتی بعمر نو سال)، حضرت حفصہ (طلاق کا ارادہ نبوی اور حضرت جبریل کی وحی کے سبب اس کی منسوخی)، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بن جحش، حضرت زینب بنت خزیمہ ہلال، حضرت جویرہ بنت الحارث خزاعی، حضرت صفیہ، اور حضرت میمونہ بنت حارث ہلال کا ترتیب وار ذکر خیر ہے۔ گیارہ منکوحہ ازواج کی تعداد بتائی ہے اور سات مزید کا ذکر کیا ہے۔ (۴۲-۳۹)

حافظ عبدالمغنی مقدسی رحمہ اللہ نے خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف ان کے نام گنائے ہیں اور بعض کے بارے میں خدمت کی کچھ تفصیل دی ہے جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحب نعلین بتایا ہے، اور حضرت عقبہ بن عامر جہنی کو صاحب بغلہ اور حضرت بلال کو صرف المؤذن کہا ہے۔ صرف گیارہ خدام کی فہرست ہے۔ (۴۳)

موالی رسول ﷺ کے ذکر کی فصل نسبتاً زیادہ بڑی ہے اور پورے ایک صفحہ پر حاوی ہے۔ بعض بعض کے بارے میں کچھ تفصیل ہے جیسے حضرات زید بن حارث کلبی اور ان کے فرزند حضرت اسامہ کے بارے میں ہے، بعض موالی اور غلاموں کے ہدیہ کا ذکر جیسے حضرت ابورافع، حضرت عباس کے ہدیہ کردہ غلام تھے اور ان کا نام اسلم تھا لیکن ابراہیم بھی بتایا جاتا ہے۔ بقیہ حضرات کے صرف اسماء گرامی گنائے ہیں۔ مشہوروں کا ذکر کیا ہے اور خاتمہ اس بیان پر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے موالی کی تعداد چالیس بتائی گئی ہے اور آخر میں باندیوں کا ذکر ہے جیسے سلمی ام رافع، برکہ ام ایمن، میمونہ بنت معد، خضرہ اور فوئی۔ آخری تین نئے نام ہیں۔ اور حضرت ام ایمن کے بارے میں کچھ تفصیل ہے (۴۴)

فصل کا عنوان تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں (افراس) پر باندھا ہے مگر اس میں بیس اونٹنیوں (لقحہ) ساتھ بھیڑ بکریوں (غنم)، تین نیزوں (ارماح) تلوار ذوالفقار، بنو قینقاع سے حاصل شدہ تین تلواروں زرہوں کا ذکر بھی ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی ہے۔ جیسے گھوڑوں کے ناموں کے علاوہ ان کی خرید، قیمت، چرواہی وغیرہ کا ذکر ہے دلدل نامی خچر کے بارے میں ہے کہ اسفار میں اس پر سواری فرماتے تھے اور وفات کے بعد مدتوں زندہ رہا اور بوڑھا ہو کر مرا۔ عضباء نامی اونٹنی اور بعض دوسری اونٹنیوں کو آپ ﷺ آٹھ سو درہم اور چار سو درہم میں خریدا تھا۔ ہجرت کے وقت سواری میں قصواء نامی اونٹنی تھی اور الجذعاء نامی پر مسابقہ ہوا تھا۔ تلوار ذوالفقار بدر کے نفل میں ملی تھی وغیرہ۔ (۴۶-۴۵)

فصل فی صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نسبتاً مفصل ہے کہ تین صفحات کے قریب پر مشتمل

ہے۔ آپ ﷺ کے اخلاق وفضائل اور اوصاف پر تمام روایات ان کے بنیادی راویوں۔ صحابہ کرام۔ کے حوالہ سے دی ہیں جیسے حضرات انس بن مالک، ابوہریرہ، علی بن ابی طالب، البراء بن عازب، انس بن مالک، (دیگر شمائل پر روایت)، ہند بن ابی ہالہ (شمائل کی روایت جسے محقق گرامی نے ہند بنت ابی ہالہ بتادیا ہے)۔ اولین روایت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک شعر سے آئی ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے تھے تو ایک شعر پڑھتے تھے:

امین المصطفیٰ بالخیر یدعو کضوء البدر زایلہ انظلام

اسی طرح دوسری روایت ابی ہریرہ میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمرؓ زہیر بن ابی سلمٰی کے شعر کو پڑھا کرتے تھے جو اس نے صرم بن سنان کی تعریف میں کہا ہے۔ حضرات علی و ہند بن ابی ہالہ، البراء بن عازب اور ام معبد رضی اللہ عنہم کی روایات شمائل پر ہیں جو کتب شمائل میں ملتی ہیں خاص کر شمائل ترمذی میں (۴۹-۴۷) اس فصل کی خاص بات یہ ہے کہ حافظ عبدالمغنی مقدسی نے شمائل نبوی کی روایات کے غریب الفاظ وکلمات کی تفسیر بھی کی ہے جو خاصی مفصل ہے۔ (۵۱-۵۰)

اگلی فصل آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ پر ہے اور وہ بھی شمائل کی طرح مفصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی شجاعت بلکہ تمام انسانوں میں شجاع ترین سے ذکر خیر شروع کیا ہے اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کی روایت دی ہے۔ جس میں آپ ﷺ کی شجاعت، سخاوت، حلم، حیاء، بے نفسی، غیظ وغضب سے اجتناب، نرم خوئی، رحمت ورافت، انکسار وتواضع کا ذکر ہے اور کھانے پینے کے بعض معمولات کا بھی جیسے کبھی جو یا گیہوں کی روٹی مل جاتی تو تناول فرماتے تھے۔ جو کی روٹی اور اس سے بھی عدم سیری پر حضرت ابوہریرہ کی روایت شروع ہوتی ہے اور وہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق واوصاف، عادات، اور فضائل کا ذکر کرتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی خلق نبوی پر مشہور حدیث: "کان خلقه القرآن" کے ذکر کے بعد حضرت انس بن مالک کی روایت اخلاق وفضائل وشمائل پر خاتمہ ہوتا ہے۔ (۵۴-۵۲)

فصل فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آغاز کلام قرآن مجید کے معجزہ اعظم سے ہوتا ہے، پھر دوسرے معجزات کا ذکر ہے: جیسے انشقاق قمر، رعب وراب نبوی اور نصرت الٰہی، واقعہ جذع / کھجور کے تنہ کی آہ وبکا، پانی اور کھانے میں برکت، حجر وشجر کی تسلیم، مویشیوں جیسے اونٹ، زہریلی بکری کے عضو اور بھیڑیے کی شہادت وگواہی، دو درختوں کی آشارہ نبوی سے آمد ورفت، آشوب چشم یا زخم سے لعاب

وہبن سے صحت، واقعات حضرات علی و عبداللہ بن عتیک اور قتادہ بن نعمان وغیرہ۔ قتل ابی بن خلف جمحی کی پیشگی بشارت، بدر میں مشرکوں کی قتل گاہوں کی تعین، غزوہ روم کی پیشگوئی بروایت حضرت ام حرام بنت ملحان، حضرت عثمان کی شہادت اور حضرت حسن کی صلح جوئی کی بشارت، اسود عنسی وغیرہ۔ دجالوں اور کذابوں کے قتل کی پیشگوئی اور دوسری متعدد پیش گوئیاں۔ حضرت عمرؓ وغیرہ کے قبول اسلام کی دعا اور اس کی مقبولیت، ایک دلچسپ اور نئی روایت یہ بیان کی ہے کہ آپ ﷺ حضرت علی بن ابی طالب کے لئے دعا کی تھی کہ ان کو گرمی سردی سے بچا لے تو ان کو سردی گرمی نہیں لگتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے قصہ کتاب کی دعا اور دوسروں کے لئے دیگر دعاؤں کی مقبولیت، حضرت انس کو دعائے نبوی کے سبب دنیاوی انعامات، قحط میں دعائے نبوی سے بارش اور راحت، کھانے پینے میں دعائے نبوی سے برکت کے واقعات بحوالہ خندق، حنین وغیرہ اور معجزات کی کثرت، دلالات کی رخشندگی اور اخلاق کی طہارت پر تبصرہ کے ساتھ فصل کا خاتمہ ہوتا ہے۔ یہ سب سے مفصل فصل ہے اور اس پر سیرت نبوی کا بیان مختصر سیرۃ النبی ﷺ واصحابہ العشرہ ختم ہوتا ہے۔ (۶۰-۵۵)

اس کے بعد عشرہ مبشرہ پر الگ الگ فصول ہیں اور ترتیب افضلیت کو ملحوظ رکھا ہے:

۱-فصل ابوبکر صدیقؓ میں نام ونسب، اسلام میں سبقت، خدمات، عمر، خلافت اور اولاد وغیرہ کا ذکر ہے۔ (۶۲-۶۱) ان کی اولاد پر خاصا مواد موجود ہے۔ خاتمہ بالخیر تاریخ وفات ۲۷/ جمادی الآخرہ ۱۳ھ پر کیا ہے۔

۲-عمر بن الخطابؓ: کنیت، نام ونسب، اسلام، مشاہد میں شرکت کے بعد اولاد کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ خلافت کی مدت دس سال چھ ماہ پندرہ دن، شہادت اور اس کی تاریخ آخر ذی الحجہ ۲۳ھ بعمر ۶۳ سال بتاتی ہے۔ (۶۴-۶۳)

۳-حضرت عثمان بن عفانؓ: کنیت، نام ونسب، مادری نسب، نبوی رشتہ داری، دامادی، خلافت کی مدت اور شہادت اور اس کی تاریخ اور بوقت وفات ۸۲ سال عمر بتا کر پھر اولاد کا ذکر کیا ہے۔ (۶۶-۶۵)

۴-حضرت علی بن ابی طالبؓ: کنیت و نام نسب، حضرت فاطمہ سے شادی کے بعد اولاد پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے۔ وفات بعمر ۶۳ سال کے بعد دوسری ضعیف روایات بھی دی ہیں۔ (۶۷)

اسی طرح دوسرے بقیہ عشرہ مبشرہ کا ذکر ہے: ۵ طلحہ بن عبیداللہؓ (۶۸) ۶-عبداللہ بن الزبیر

بن العوام:(۶۹)،۷-سعد بن ابی وقاصؓ(۷۰)،۸-سعید بن زیدؓ(۷۱)،۹-عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۷۳-۷۲)،۱۰-ابوعبیدہ بن جراحؓ (۷۵-۷۴)،ان سوانحی خاکوں میں سب سے مختصر حضرت سعید بن زید اور حضرت سعد بن ابی وقاص کے خاکے ہیں۔اوراس پر حافظ عبدالمغنی مقدسی جماعیلیؒ کی سیرۃ النبی واصحابہ العشرہ ختم ہوتی ہے۔

آخر میں محقق ومرتب گرامی نے مصادر کی فہرست دی ہے اور پھر فہرس عام ہے جو کتاب کے ابواب کو حاوی ہے۔

علامہ ابن اثیر شیبانی

(۶۳۰-۵۵۵ھ/۱۲۳۳-۱۱۶۰ء)

ابن اثیر اس علمی اور تاریخ نگاری کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کی بنا عالمی اسلامی نگاری کے بانی اول نے دوسری-تیسری/آٹھویں-نویں صدی میں رکھی تھی اور جس کے عظیم ترین نمائندے امام طبری تھے، ان کی تاریخ نگاری نے ان کے اپنے معاصروں کے علاوہ ان کے جانشینوں کو بھی بہت متاثر کیا اور متعدد متاخر مؤرخوں نے طبری کی تاریخ کا تکملہ، تتمہ یا خلاصہ لکھا۔ ابن اثیر بھی اسی زمرۂ مؤرخین کے ایک نمایاں فرد ہیں کہ انھوں نے طبری روایاتِ تاریخ نگاری کی پوری طرح پیروی کی۔ دوسری طرف ان کا اپنا خاندان علمی روایات، فنی کارناموں اور شاندار تحقیقات کیلئے معروف تھا۔ جزیرۂ ابن عمر کے ایک صاحب علم وفضل بزرگ ابوالکرم محمد الشیبانی کے تین فرزند اپنے اپنے میدان میں نادرۂ روزگار بنے۔ فرزند اکبر مجدالدین ابوالسعادات مبارک بن محمد الشیبانی (۶۰۶-۵۴۴ھ/۱۲۱۰-۱۱۴۹ء) نے قرآن وحدیث اور عربی صرف ونحو میں امتیاز حاصل کیا اور حدیث کی مشہور وعظیم کتاب "جامع الاصول فی احادیث الرسول" مرتب کی جو صحاح ستہ کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ ان کی دوسری تصانیف میں "النهایــة فی غریب الحدیث والآثار" اور "کتاب الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف" کو خاصا اہم درجہ حاصل ہے۔ فرزندِ ثانی نے ابن اثیر کے نام سے عالمی شہرت حاصل کی اور تاریخ نگاری میں نام کمایا اور سوانح اور اسماء رجال میں سب سے زیادہ امتیاز پیدا کیا جبکہ تیسرے فرزند ضیاء الدین ابوالفتح نصر اللہ (۶۳۷-۵۵۸ء/۱۲۳۹-۱۱۶۲ء) نے ادب وبلاغت میں نمایاں مقام پیدا کیا اور "المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر" اور "کتاب المرصع فی الادبیات" جیسی اہم کتابوں کے مؤلف بنے۔ اول وسوم فرزندوں نے وزارت کے اعلیٰ مناصب بھی حاصل کر کے صاحبانِ سیف وقلم کے خاندان میں دو مزید افراد کا اضافہ کیا۔

علامہ ابن اثیر اسی خاندانِ علم وفضل کے ایک اہم فرد اور علمی خاندان تاریخ نگاری کے ایک عظیم وارث تھے۔ ان کا اصل اسم گرامی علی تھا اور کنیت ابوالحسن اور لقب عزالدین۔ ان کا خاندان وسط ایشیا یا خراسان سے متعلق رہا تھا کہ ان کے والد ماجد ابوالکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد النیسا پوری تھے۔

ولادت وتعلیم

علامہ ابن الاثیر کی ولادت ۴ر جمادی الاولیٰ ۵۵۵ھ/۱۳رمئی ۱۱۶۰ء کو جزیرہ ابن عمر میں ہوئی۔ ابن خلکان اور حافظ ذہبی کے بیان کے مطابق ابن اثیر نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم عراق وشام کے مختلف شہروں میں پائی، موصل میں خطیب شہر ابوالفضل عبداللہ بن احمد طوسی اور یحییٰ ثقفی اور ان کے طبقہ سے سماعتِ حدیث کی اور بغداد میں عبدالمنعم بن کلیب، ابوالقاسم یعیش بن صدقہ شافعی اور ابن سکینہ وغیرہ سے اور دمشق میں ابوالقاسم بن صصری اور زین الامناء وغیرہ سے۔ اور ان سے اپنی تصانیف میں روایات بھی نقل کی ہیں۔ بعد میں جب انہوں نے خود مسندِ درس وتدریس کو رونق بخشی تو موصل، دمشق اور حلب وغیرہ میں حدیث کا درس دیا۔ ان کے متعدد تلامذہ ہوئے۔ ان میں سے ابن الدبیثی، القوصی، مجدالدین عقیلی، شرف الدین ابن عساکر اور سنقر القضائی وغیرہ متعدد دوسروں کا ذکر حافظ ذہبی نے کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے ان کے گھر کو ''مجمع فضلاء'' قرار دیا ہے جہاں وقت کے عظیم علماء وفضلاء جمع رہا کرتے تھے کیونکہ وہ خود فضائل واوصاف کے حامل اور مکمل تھے، وہ علامۂ وقت تھے کہ نسب واخبار، اسماء الرجال وتاریخ خاص کر صحابہ کرامؓ کے حالات کے عظیم عالم وماہر تھے۔ امام ذہبی نے ان کے لئے ''امام، علامہ، حافظ اور فخر العلماء'' کے القاب استعمال کر کے ان کو محدث ولغوی اور صاحب التاریخ قرار دیا ہے اور تعریف کی ہے کہ ان تمام فضائل ومناقب کے باوجود وہ انتہائی امانت دار، منکسر المزاج اور فیاض وسخی تھے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ جزیرہ میں کچھ مدت تک پروان چڑھنے کے بعد ابن اثیر نے والدین اور دونوں بھائیوں کے ساتھ موصل کا رخ کیا اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ وہ متعدد بار بغداد بطور حاجی اور امیر موصل کے سفیر کی حیثیت سے گئے اور وہاں متعدد شیوخ سے سماعت کی جن میں ابوالقاسم یعیش بن صدقہ اور ابواحمد عبدالوہاب بن علی صوفی وغیرہ شامل تھے۔ پھر شام اور بیت المقدس کی زیارت کی اور ایک جماعت علماء سے سماعت کر کے موصل لوٹ گئے اور اپنے گھر میں پیر توڑ کر بیٹھ گئے اور تصنیف

وتالیف میں مشغول ہو گئے۔ ان کا گھر اہل موصل اور زائرین کیلئے مجلس فضل بن گیا۔ وہ حفظ حدیث اور ان کی معرفت اور دوسرے علوم میں امامت کا درجہ رکھتے تھے اور قدیم وجدید تواریخ کے حافظ تھے اور انساب وایام واخبار عرب کے ماہر تھے۔ ۶۲۶ھ میں جب ابن خلکان گئے تو ان کی ابن اثیر سے ملاقات ہوئی جہاں وہ طواشی شہاب الدین طغریل کے مہمان تھے۔ طواشی ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کا خیال رکھتے تھے۔ انھوں نے ابن خلکان کی بھی کافی عزت وتکریم کی۔ ابن خلکان کے والد مرحوم سے ابن اثیر کے بہت تعلقات تھے اس لئے ان کا کافی اکرام کیا۔ ابن اثیر نے ۶۲۷ھ میں دمشق کا سفر کیا پھر حلب واپس ۶۲۸ھ میں آئے اور کم قیام کیا لیکن اس دوران بھی ابن خلکان ان سے ملاقات کرتے رہے۔

تصانیف

علامہ ابن اثیر کی شہرت ان کی تین کتابوں کے سبب ہے جو تاریخ، نسب اور اسماء الرجال کے علوم سے متعلق ہیں اگرچہ ان کو حدیث کے کئی علوم میں بھی تبحر حاصل تھا اور دوسرے علوم اسلامی میں بھی خاصا درک رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو ان کے معاصرین اور جانشینوں نے حافظ وامام وعلامہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

(۱) **الکامل فی التاریخ**: ابن اثیر کی سب سے زیادہ مشہور ومقبول کتاب ہے جو اسلامی عالمی تاریخ از اول وابتدائے آفرینش تا عہد مؤلف بیان کرتی ہے۔ وہ ۳۰۲ھ تک طبری کی تاریخ کی تلخیص ہے اور بعد میں ابن اثیر کے اپنے اضافے (۶۲۸ھ/۱۲۳۰ء تک) ہیں جو ان کی تاریخی ذہانت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کا جدید ترین ایڈیشن دار صادر بیروت ۱۹۶۵ء کا ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اصل کتاب کئی بار چھپ چکی ہے۔ ان میں لائڈن ۷۱-۱۸۵۱ء، بولاق ۱۲۹۰ھ، مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۱ھ اور مطبع محمد افندی ۱۳۰۳ھ کے ایڈیشن شامل ہیں۔ ابن خلکان نے اس کو بہترین تواریخ میں شمار کیا ہے۔

(۲) **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ**: حافظ ومحدث ابن اثیر کی دوسری اہم ترین اور مقبول ترین کتاب ہے جو اسماء الرجال کے فن میں اہم ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس میں تقریبا ساڑھے سات ہزار صحابہ کرام کے حالات وسوانح حروف تہجی کے اعتبار سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ وہ

کئی بار چھپ چکی ہے۔ قاہرہ ۸٦-۱۲۸۰ھ اور تہران ۱۳۷۸ھ کے دو ایڈیشن زیادہ متداول ہیں۔ ابن خلکان نے اس کو اخبار الصحابہ کے نام یاد کر کے اس کی چھ ضخیم جلدیں بتائی ہیں اور یہی طاش کبریٰ زادہ کے ہاں ہیں۔ دراصل موخرالذکر نے ابن خلکان کی عبارت تقریباً پوری نقل کردی ہے۔

(۳) **اللباب فی معرفة الانساب**: ابن اثیر کی تیسری اہم کتاب ہے جو امام نسب سمعانی (ابوسعد عبدالکریم، م۵٦۲ھ) کی "کتاب الانساب" کی تلخیص ہے۔ ابن خلکان کے مطابق ابن اثیر نے اس میں متعدد مقامات پر استدراک کیا ہے اور متعدد اغلاط پر گرفت کی ہے اور اس میں کافی اضافے کئے ہیں خاص کر جہاں امام سمعانی سے بھول چوک ہوئی ہے۔ وہ انتہائی مفید کتاب ہے۔ ابن اثیر کی یہی تلخیص، جو تین جلدوں میں ہے، زیادہ تر متداول ہے۔ لیکن اصل کتاب جو آٹھ جلدوں میں ہے، کم دستیاب ہے۔ مصری ممالک میں تو صرف ابن اثیر کی تلخیص ہی چلتی ہے۔ طاش کبریٰ زادہ نے **مفتاح السعادہ** میں امام سمعانی کے ذیل میں بھی ابن اثیر کے اختصار و استدراک کا مختصر حوالہ دیا ہے اور ابن اثیر کے ترجمہ میں اضافات و استدراکات کا ذکر کیا ہے۔

(۴) **تاریخ الموصل**: کا تذکرہ حافظ ذہبی نے **تذکرة الحفاظ** میں یوں کیا ہے کہ انھوں نے موصل کی ایک عظیم و کبیر تاریخ شروع کی تھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔

وفات

ابن خلکان کے مطابق حافظ و مؤرخ ابن اثیر نے شعبان ٦۳۰ھ اور بقول ذہبی وغیرہ اواخر شعبان ٦۳۰ھ/۳-۱۲۳۲ء میں وفات پائی اور موصل ہی میں دفن ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر تہتر سال تھی۔

طریقۂ تالیف

علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب سیرت کو طبری کی تقلید میں عالمی اسلامی تاریخ بنایا اس لئے ان کا طریقۂ تالیف تاریخ طبری کے مماثل ہے۔ وہ ابتدائے آفرینش، دوسری اقوام وملل اور انبیائے سابقین وغیرہ کے قبلِ بعثت نبوی واقعات بیان کر کے سیرت نبوی پر آتے ہیں اور امام طبری کی

پیروی پوری طرح کرتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سیرت نبوی کے باب میں بھی تاریخ طبری میں موجود مواد سیرت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

امام طبری اور ان کی تاریخ کے طریقہ کے مطابق ابن اثیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کو مکی اور مدنی ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور مکی دور کے واقعات تاریخی ترتیب اور زمانی اعتبار سے موضوعاتی یا واقعاتی طریق پر بیان کرتے ہیں یعنی واقعات سیرت کو یکے بعد دیگرے ان کے واقع ہونے اور پیش آنے کی ترتیب کے لحاظ سے نقل کرتے ہیں اور واقعہ بہ واقعہ اور موضوع بہ موضوع جیسے ولادت، رضاعت، والد کی وفات، والدہ کی وفات، دادا کی پرورش و وفات اور چچا کی پرورش وغیرہ۔ یہ موضوعاتی طریق ہجرت کے باب اور اس کے متعلقات تک چلتا ہے۔

مدنی سیرت طیبہ میں وہ امام طبری کی طرح سنہ وار بیان واقعات کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں اور اولین سنہ ہجری سے ۱۱ھ تک کے واقعاتِ عہد اور سوانح حیات ہر ایک سنہ کے ذیل میں نقل کرتے ہیں جیسے ۱ھ کے واقعات ۲ھ کے واقعات وغیرہ اور ہر سنہ کے واقعات کے بیان میں وہ طبری کے طریقہ کے مطابق اندرونی ترتیب تاریخی کا خیال رکھتے ہیں یعنی ہر سنہ کے واقعات بھی زمانی ترتیب اور ان کے زمانہ وقوع کے لحاظ سے بیان کرتے ہیں۔

واقعات کی ترسیل و ابلاغ میں ابن اثیر امام طبری کے ایک اور طریقہ کی کہیں کہیں پیروی کرتے ہیں کہ ایک خاص روایت کو جو ان کے نزدیک واقعہ متعلقہ کی اہم ترین روایت ہوتی ہے پہلے بیان کرتے ہیں اور درمیان میں اگر اس خاص اور اہم ترین روایت کے کسی جزئیہ یا ذیلی مسئلہ پر کوئی اختلافی یا توضیحی روایت آجاتی ہے تو اس کو بیان کر کے پھر اصل روایت کی طرف رجوع/ مراجعت کرتے ہیں اور اپنے رجوع و مراجعت کی نشاندہی بھی کر دیتے ہیں۔ اصل بیان، گریز اور پھر اصل بیان کی طرف مراجعت کا یہ طریق سیرت نبوی کے اصل واقعات اور اس کے غیر متعلق واقعات کے ربط و تعلق کے ضمن میں بھی اپناتے ہیں مثلاً نسب گرامی کے بعد وہ آپ کے خاندان و اجداد کا ذکر کرتے ہیں اور پھر جب نیچے سے اوپر کی پیڑھیوں کا ذکر کرتے کرتے کافی دور چلے جاتے ہیں تو رابطہ قائم کرنے کے لئے مراجعت بہ سیرت نبوی کہہ کر دوسرے واقعات کا ذکر جوڑ دیتے ہیں۔

ابن اثیر سیرت نبوی کے بیان میں جابجا اپنے مآخذ کی نشاندہی کرتے جاتے ہیں اور ابن

اسحاق، واقدی، ابن الکلبی، زہری اور حدیث کی بعض روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ بالعموم امام طبری کے بیان کردہ مآخذ وروایات کا ہی ذکر کرتے ہیں لیکن کہیں کہیں اپنی طرف سے بعض روایات کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں خاص کر احادیث نبوی کا۔

اضافات کا جہاں تک تعلق ہے وہ بالعموم اسلامی اور دینی موضوعات پر طبری پر اضافہ کرتے ہیں مثلاً اسراء ومعراج پر ان کے بیان میں کافی اضافہ ہے۔ بعثت نبوی کے بیان میں بھی بعض روایات نئی ہیں۔ کبھی کبھی وہ روایات کے محاکمہ کے دوران اپنی طرف سے بعض باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ ابن اثیر کا ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ وہ بالعموم بیان واقعہ کے بعد آخری پیرا میں اعلام اور اماکن کے صحیح ہجے ضرور بیان کرتے ہیں۔ وہ بعض اقوال اور اسماء وغیرہ کی تشریح بھی ایسے مقامات پر کرتے ہیں۔

بالعموم طبری کی مانند وہ مختلف روایات بیان کر کے ان میں محاکمہ نہیں کرتے لیکن بعض بعض واقعات اور مسائل پر انھوں نے محاکمہ اور نقد وترجیح سے بھی کام لیا ہے۔ ایسا بالعموم وہ ابن اسحاق اور واقدی کی روایات کے مقابلہ وموازنہ کے ذیل میں کرتے ہیں اور کبھی کبھی واقدی کو اور اکثر ابن اسحاق کو ترجیح دیتے ہیں۔ مثلاً وفات عبداللہ کے باب میں ان دونوں کی روایات کا محاکمہ ہے، اولین مسلم کے بارے میں واقدی کی روایت ہے، غزواتِ نبوی کی تعداد کے بارے میں واقدی کی روایات کو ترجیح دی ہے اور عام طور سے مقبول روایت کو مسترد کر دیا ہے یا بطور ضعیف قول نقل کیا ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن خلکان	وفیات الاعیان	مکتبہ النہضۃ قاہرۃ ۱۹۴۸ء، سوم ۵-۳۳-۳۴، ترجمہ ۳۳۳
ابوالفداء		سوم ۱۵۴
اردو دائرہ معارف اسلامیہ لاہور ''ابن الاثیر (۲) (مقالہ)''		
بروکلمان	اول ۳۴۵، تکملہ اول ۵۸۷	
ذہبی	تذکرۃ الحفاظ حیدرآباد دکن ۱۳۳۳ھ	چہارم ۶-۱۸۵
السائی	عنوان التاریخ	۳۰۱-۲۹۹
الزرکلی	الأعلام	بیروت ۱۱۹۰
سبکی	طبقات الشافعیۃ	پنجم ۱۵۳
سرکیس	معجم المطبوعات	عود ۳۴
صدیق حسن خان	اتحاف النبلاء	طبع ۱۲۸۹ھ ۳۴۳
طاش کبریٰ زادہ	مفتاح السعادۃ حیدرآباد دکن	اول ۷-۲۰۶ نیز ۲۱۱
یاقوت	ارشاد الاریب	ششم ۳۱-۲۳۸

ابن الاثیر کی سیرتِ نبوی - الکامل فی التاریخ

دوسری/آٹھویں صدی سے اسلامی عالمی تاریخ نگاری کی جو روایت عالم اسلام کے مختلف علمی مراکز میں پروان چڑھی تھی وہ تیسری/نویں صدی کے عظیم مورخین کے ہاں مرتب و منظم صورت میں جلوہ گر ہوئی، خاص کر امام تاریخ طبری نے اس کی وہ طرح ڈالی جو ان کے معاصرین، تلامذہ اور جانشینوں کے لئے نشانِ راہ بنی۔ بلاذری، یعقوبی، ابن قتیبہ دینوری، ابوحنیفہ دینوری اور مسعودی وغیرہ کی نگارشات میں مختلف الجہات ترقی ہوئی اور بامِ عروج اور اوجِ کمال پر جا پہنچی۔ اس کے بعد ماضی کی تاریخ کی امہات الکتب کی تلخیص اور معاصر تاریخ کے اضافہ اور متقدمین اور اپنے عہد کے درمیانی عرصوں کے خانہائے خالی کو پر کرنے کی ریت پڑی۔ امام عزالدین ابوالحسن علی بن ابوالکرم محمد الشیبانی، جو ابن اثیر کے نام سے زیادہ معروف ہیں، اسی سلسلۂ زریں کے ایک اہم ترین کڑی ہیں اور ان کی کتاب "الکامل فی التاریخ" عالمی اسلامی تاریخ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔

ابن اثیر طبری کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے عالمی تاریخ کو ابتدائے آفرینش سے شروع کر کے اپنے عہد کی معاصر تاریخ تک وسیع کرتے ہیں اور سلسلۂ انبیاء کے ختم پر خاتم المرسلین محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر اپنی کتابِ ضخیم کا ایک کافی بڑا حصہ مرتب کرتے ہیں۔ "الکامل فی التاریخ" کی جلد اول تو عالمی تاریخ کے ابتدائی ادوار کے لئے مخصوص ہے اور دوسری جلد سے سیرت نبوی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ ترتیب کتاب دار صادر بیروت ۱۹۶۵ء کے مطبوعہ نسخہ کی ہے جو ہمارے زیر مطالعہ ہے۔

سیرتِ نبوی کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب گرامی اور آپ کے آباء و اجداد کے بعض اخبار و واقعات سے ہوتا ہے۔ لیکن طبری کی خالص تقلید کے سبب وہ آپ کی ولادت باسعادت کا ذکر ایرانی تاریخ کے بیان کے ضمن میں نوشیرواں عادل کے عہد کے حالات و واقعات بیان کرتے ہوئے کرتے ہیں اور اس طرح جلد اول کے بیس صفحات بھی سیرتِ نبوی میں شامل ہو جاتے ہیں اور الکامل

میں سیرتِ مطہرہ پر کل صفحات کی تعداد ۲۰+۳۳۳=۳۵۳ ہو جاتی ہے۔

الکامل کی جلد اول میں سیرت نبوی پر بحث کا آغاز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باکرامت کے بیان سے ہوتا ہے۔ قیس بن مخرمہ، قثاث بن اشیم، ابن عباس اور ابن اسحاق کی متحدہ روایت اور ابن الکلبی کی منفرد روایت پر ابن اثیر نے آپ کی ولادت عام الفیل میں والد ماجد عبداللہ کی ولادت نوشیرواں کی حکومت کے چوبیسویں برس اور مولد نبوی بیالیسویں برس ہونے کی تاریخوں کے علاوہ اور کئی تاریخیں جیسے تاریخ بعثت وہجرتِ نبوی ایرانی کسریٰ کے عہد حکمرانی کے حوالہ سے بیان کی ہیں۔ پھر ابن اسحاق کی روایت کہ آپ کی دوشنبہ بارہ ربیع الاول دار ابن یوسف میں ولادت کی تاریخ کے علاوہ والدہ ماجدہ آمنہ کے دورانِ حمل خوابوں اور بشارتوں کے دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد آپ کی رضاعتِ ثویبہ اور اس کے رشتہ سے آپ کے رضائی رشتہ داروں کا ذکر کیا ہے اور پھر رضاعتِ حلیمہ اور آپ کے رضائی بھائی بہنوں اور حلیمہ کے ساتھ آپ کے حسنِ سلوک کا بیان دیا ہے۔ مدتِ رضاعت کے دو سالوں کا حوالہ دے کر بنو عامر کے ایک شیخ سے آپ کی اس گفتگو اور حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں آپ نے اپنی ولادت کے وقت کے معجزات خاص کر شق صدر، رضاعت وغیرہ کا مفصل ذکر کیا ہے، اس میں بعض اسلامی احکام کا بھی ذکر ہے۔ آپ کے والد عبداللہ کی وفات کا بھی حوالہ ہے اور اس کے بارے میں دو روایات اور واقدی اور ابن اسحاق کی روایات اور اول الذکر کا محاکمہ خاص ہے۔ عبداللہ کی تجارت شام میں شرکت، مدینہ میں بیمار ہونے اور وفات پا کر مدفون ہونے کا ذکر ہے۔ پھر ابن اسحٰق کی روایت، آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات، مدینہ کے قیام وغیرہ کے بارے میں بھی بیان کی ہے۔ ایک روایت آپ کی والدہ کی قبر اکھاڑنے کی قریشی سازش اور پھر اس سے باز رہنے کے بارے میں بھی ہے۔ پھر ابن اسحاق ہی کی روایت پر عبدالمطلب کی وفات، اور ان کی وصیت پر ابوطالب کی کفالت وپرورش میں آپ کے آنے کے بارے میں بھی مختصر بیان ہے جو اس باب کا آخری حصہ ہے (۶۷-۴۵۸)۔ جلد اول میں بعض ابواب میں آپ کے آباء واجداد اور عہد جاہلی کے بعض اہم واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جیسے صفحہ ۷-۴۴۲ امر الفیل پر، ۵-۴۵۳ 'حلف المطیبین والاحلاف' پر، ۹۱-۴۸۲ جنگ ذی قار پر، ۵۰۲ عہد جاہلیت میں جنگوں (ایام العرب) پر، ایک فصل آپ کے ان معجزات پر ہے جو کسریٰ نے آپ کے سبب دیکھے تھے (۸۲-۴۸۰)۔

جلد دوم میں نسب سامی اور آباء واجداد گرامی کا اولین بابِ سیرت بتیس صفحات (۳۶-۵) پر مشتمل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم - کا ذکر خیر کرکے اور عہد نوشیرواں میں آپ کی ولادت کے بیان کا حوالہ دے کر ابن اثیر والد گرامی کا اسم سامی عبداللہ اور ان کی تین کنیتیں بیان کرتے ہیں: ابوقثم، ابومحمد اور ابواحمد۔ جن میں سے اول الذکر کو ترجیح دیتے ہیں۔اس کے بعد عبداللہ کے تمام حقیقی بھائی بہنوں کا ان کی والدہ- فاطمہ بنت عمرو مخزومی- کے نام سمیت ذکر کرتے ہیں۔ اگلا نکتہ عبدالمطلب کی نذر قربانی سے متعلق ہے۔اس میں سبب نذر، فرزندوں کی فرمانبرداری، قرعہ کا جاہلی طریقہ، عبداللہ کا نذر کے لئے انتخاب، قریشی اکابر خاص کر ان کے ننھیالی رشتہ دار خاندان بنومخزوم کا اعتراض، حجر کی کاہنہ سے مراجعت کے بعد اونٹوں کی قربانی کے فدیہ کا ذکر ہے۔ پھر حضرت آمنہ بنت وہب سے عبداللہ کی شادی اور حمل محمدی سے آمنہ کی سرفرازی، ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال کی تجویز نکاح اور عبداللہ کے انکار، نبوت محمدی کی پیشگوئی، تجویز شادی رکھنے والی دوسری عورت کے نام، کچھ متعلقہ اشعار، عبداللہ کی شامی تجارت کے سفر کے دوران مدینہ میں ولادت نبوی سے قبل وفات وتدفین کا ذکر ہے۔اس کے بعد طبری کی مانند علیحدہ سرخی ''ابن عبدالمطلب'' کے تحت آپ کے دادا عبدالمطلب کے سوانحی واقعات ہیں جن میں ان کے نام، وجہ تسمیہ، ولادت وماں کے خاندان، مکہ آمد اور مکی سماج میں عروج اور سقایہ ورفادہ کے مناصب سے سرفرازی کے علاوہ زمزم کے کنوئیں کے کھودنے کا خاص ذکر ہے اور غزالین کعبہ وغیرہ کا بھی بیان ہے پھر ان کے ایک یہودی جار (زیر پرورش وجوار) اذینہ نامی کے قتل کا ذکر ہے جس کے سبب حرب بن امیہ اموی سے مخالفت ومنافرت کا الگ بیان ہے۔ خاتمہ اس نکتہ پر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب تحنث در غار حراء کرنے والے پہلے شخص تھے اور ایک سوبیس سال کی عمر میں نابینا ہوکر فوت ہوئے۔الگ سرخی ''ابن ہاشم'' کے تحت خاندان بنو ہاشم کے بانی کا سوانحی خاکہ ہے جس میں ان کا، ان کے والدین اور بھائیوں کے اسماء، ان کی تجارتی سرگرمیوں، ہاشم کے مکی سیادت وسیاست میں عروج، بنوامیہ کے بانی امیہ بن عبدشمس سے منافرت، اور ہاشم کی وفات کا ذکر ہے۔اوپر کی پیڑھیوں میں الگ الگ سرخیوں کے تحت طبری کی مانند عبدمناف، قصی، کلاب، مرہ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک، النضر، کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان کا ذکر ہے جس میں قصی اور نزار کا ذکر زیادہ مفصل ہے۔ خاتمہ آپ کی فاطمہ اور عاتکہ نامی امہات

وجدات کے ذکر پر ہوتا ہے۔ ابن اثیر عام طور سے اعلام واماکن کے ہجے آخری پیراگراف میں ضرور بیان کرتے ہیں۔

''ذکرِ نبوی کی طرف مراجعت'' کے عنوان سے ابن اثیر پھر آپ کی سیرت مبارکہ کی طرف پلٹتے ہیں اور آپ کی زندگی کے اولین مراحل کا مختصر ذکر کرتے ہیں جیسے وفات عبدالمطلب، ابوطالب کو کفالتِ نبوی کی وصیت اور کفالت ابوطالب، نو سال کی عمر میں آپ کا سفر شام، بحیرا راہب کی ملاقات و پیشگوئی، سات نفری رومی وفد کی آمد برائے گرفتاری نبی مبعوث، آپ کی واپسی، اور بچپن میں دوبار موسیقی سننے سے محافظتِ الٰہی کا واقعہ (۳۷-۸)۔ اگلی فصل حضرت خدیجہ سے آپ کے نکاح اور ان سے آپ کی اولادِ گرامی کے ذکر پر ہے (۴۰-۳۹) جبکہ ''ذکر حلف الفضول'' کے تحت معاہدہ حلف کا بیان ہے (۴۱-۲)۔ اس کے متصل فصل میں تعمیر کعبہ اور تنصیب حجر اسود کا واقعہ مذکور ہوا ہے جس میں سبب تعمیر نو، ابراہیمی اور اسماعیلی تعمیر، غزالین کعبہ، تولیت کعبہ کی تاریخ مختصراً بھی بیان ہوئی ہے (۴۲-۵)۔

بعثتِ نبوی کا بیان اس فصل سے شروع ہوتا ہے جس میں تاریخ بعثت کا ذکر اول ہے پھر حضرت جبرئیل کے معائنہ وظہور کا حوالہ اور شجر وحجر کی تسلیم اور آپ کی نبوت کی پیشگوئی حضرت زید بن عمرو بن نفیل، ذبح کیے ہوئے اونٹ کی شہادت اور دوسرے دلائل نبوت کا حوالہ ہے (۴۵-۸)۔ پھر وحی کے آغاز پر فصل ہے جو حضرت عائشہؓ کی مشہور حدیث رسالت سے شروع ہوتی ہے اور جس میں رؤیائے صادقہ سے آغاز، غارِ حراء میں تحنث محمدی، سورۂ اقراء کے ساتھ نزول جبرئیل، حضرت خدیجہ وورقہ بن نوفل کی تصدیق، سورۂ قلم اور سورۂ مدثر کے نزول، ظہور جبرئیل کے ایام، عمر نبوی، فترۂ وحی بروایت زہری، دعوت اسلام بروایت ابن اسحاق، اولین مسلم بروایت واقدی، نماز کی فرضیت اور نماز و وضو کی تعلیم محمدی کا خاص ذکر ہے (۵۱-۴۸)۔

اسی کے بعد معراج نبوی پر خاصی مفصل بحث ہے جس میں تاریخ معراج پر اختلاف علماء، واقعہ اسراء ومعراج کا مفصل اور درجہ بدرجہ ذکر شامل ہے (۵۱-۷)۔ پھر اولین مسلم پر علماء تاریخ کے اختلاف کے بارے میں روایات ہیں کہ حضرت خدیجہ کے اولین مسلم ہونے کے اتفاق کے باوجود حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت زید بن حارثہؓ کے بارے میں روایات مختلفہ بیان کی ہیں اور بظاہر حضرت علی کے بارے میں آنے والی روایات کو ترجیح دی ہے۔ مسلمین اربعہ کے بعد دوسرے اولین مسلمین کے حضرت

ابوبکر کی دعوت پر اسلام لانے کا ذکر خیر ہے (۶۰-۵۷)۔ پھر واقدی اور ابن اسحاق کی روایات کے مطابق دوسرے بعض سابقین اولین کے ذکر پر خاتمہ ہوتا ہے۔

دعوتِ اسلام کے تین سالہ خفیہ دور کے بعد اعلانیہ دعوت کے حکم الٰہی اور آپ کی تبلیغی مساعی پر دوسری بحث ہے۔ اس میں مکہ کی ایک گھاٹی میں مسلمانوں کے نماز پڑھنے کے واقعہ پر قریشی اکابر کا اظہار ناراضی اور مسلمانوں کی مدافعت، قریبی اعزہ کو انذار کرنے کے حکم الٰہی کا نزول، پھوپھیوں سے آپ کا مشورہ اور خاندان عبد مناف کو اسلام کی دعوتِ نبوی، ابوطالب کی حمایت اور ابولہب کی مخالفت، اس مجلس کے بارے میں دوسری روایت، ابوطالب سے قریشی اکابر کی ملاقات اور آپ کو باز رکھنے کی درخواست اور ابوطالب کی حمایت، قریشی قبائل کی تعذیب، وفات ابوطالب کے وقت قریشی وفد کی آمد اور ان کی کفر پر موت اہم مباحث ہیں (۶۶-۶۰)۔

اگلی فصل میں کمزور مسلمانوں پر قریشی مظالم کا ذکر ہے۔ ان میں بالترتیب حضرات بلال، عمار بن یاسر اور ان کے والدین، خباب بن الارت، صہیب رومی، عامر بن فہیرہ، ابوفکیہہ، لبینہ، زنیزہ، نہدیہ اور ام عبیس کے بعد عام شریف آدمی پر ابوجہل کے ظلم کا حوالہ خاص ہے (۷۰-۶۶)۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے والوں اور شدید دشمنوں کا ذکر بد ہے (۷۰-۶۷)۔ خاتمہ کم دشمنی والوں کے تذکرہ پر ہے اور اس میں ابوسفیان بن حارث ہاشمی، ابوسفیان بن حرب اموی، حکم بن ابی العاص اموی کے علاوہ عتبہ اور شیبہ وغیرہ کا ذکر ہے۔

اس کے بعد کی فصل ہجرت حبشہ کے لئے مخصوص ہے۔ سبب ہجرت، اذن نبوی، اولین مہاجرین کے اسماء، بعض مہاجرین کی مکہ واپسی، نزول سورۂ النجم، قریشی تعذیب کی شدت، دوسری ہجرت حبشہ، قریشی وفد کی حبشہ سے ناکام واپسی اہم مباحث ہیں جو الگ سے ایک نئی سرخی کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔ اس میں حبشہ میں مسلمانوں کے قیام اور نجاشی کے کچھ واقعات بھی مذکور ہیں (۸۲-۷۶)۔ پھر دو الگ الگ فصلوں میں حضرت حمزہ اور حضرت عمر کے قبول اسلام کے متعلق روایات بیان کی ہیں (۸۲-۷)۔ اگلا مبحث مسلم صحابہ بنومطلب و بنوہاشم کے سماجی بائیکاٹ اور صحیفہ کے معاملہ پر ہے جو شعب ابی طالب میں ان کی محصوری، سخت زندگی اور اس سے گلوخلاصی بیان کرتا ہے (۹۰-۸۷)۔ اس کے بعد متصلاً حضرت خدیجہ اور ابوطالب کی وفات اور قبائل عرب کے سامنے دعوت اسلام پیش

کرنے کے واقعات پر بحث ہے (۹۴-۹۰) جس میں سفر طائف کے واقعات، واپسی میں اسلام عداس اور مکہ میں جوار مطعم کا بھی بیان شامل ہے۔

مدینہ میں اسلام کی اولین اشاعت کا ذکر اولین انصار سوید بن صامت، انس بن رافع اور ایاس بن معاذ کے تذکرہ سے ایک فصل میں ہوتا ہے (۵-۹۴) اور اس کی بعد کی فصل ''بیعت عقبہ اولیٰ اور اسلام سعد بن معاذ'' کے لئے مخصوص ہے، ابن اثیر نے اس میں سات خزرجیوں کے اسلام، بارہ مسلمانوں کی آمد اور بیعت عقبہ اولیٰ، شرکاء کے اسماء، شرائط، مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی اور مساعی تبلیغی، اسعد بن زرارہ وغیرہ کے ذریعہ اوس کے سردار کے اسلام کا ذکر کیا ہے (۸-۹۴)۔ پھر بیعت عقبہ ثانیہ کی تفصیلات اگلی فصل میں بیان کی ہیں جس میں ستر انصار سے کلام، معاہدہ اور اس کی شرائط اور ہجرت مدینہ کے اذن نبوی پر خاص بحث ہے (۱۰۱-۹۸)۔

''ذکر ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے باب میں آپ کا صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد آپ کی ابوبکر صدیق کے ساتھ ہجرت کا واقعہ مفصل مذکور ہوا ہے۔ اس میں آپ کے قتل کا قریشی منصوبہ، ہجرت کا اذنِ الٰہی، حضرت ابوبکر کے گھر آپ کی تشریف آوری، ہجرت کی تیاری، دونوں کی روانگی، غارِ ثور میں قیام اور اس کے واقعات، قریشی انعام کا اعلان، سراقہ بن جعشم کا تعاقب، سفر ہجرت، قبا میں آمد اور کلثوم بن الہدم اور سعد بن خیثمہ کی میزبانی، تعمیر مسجد، دوشنبہ کی اہمیت، مکہ میں قیام نبوی کی مدت اہم مباحث ہیں (۸-۱۰۱)۔

۱ھ کے اہم واقعات ہیں: قبا میں اولین جمعہ کا قیام، قبا سے مدینہ کا سفر، حضرت ابوایوب انصاری کی میزبانی، مسجد نبوی اور آپ کے مکانات کی تعمیر، مسجد قبا کی تعمیر، وفات کلثوم بن الہدم و اسعد بن زرارہ، آپ کا نقیب النقباء ہونا، حضرت عائشہ کی رخصتی، حضرت سودہ کی اور آپ کی اولاد کی ہجرت، خاندانِ صدیقی کی ہجرت، نمازِ عصر میں دو رکعتوں کا اضافہ، اولین مولود اسلام کی ولادت، سریۂ حمزہ، سریۂ سعد، غزوۂ ودان/ ابواء، غزوۂ بواط، غزوۃ العشیرہ، غزوۂ سفوان وران کے بارے میں ابن اسحاق اور واقدی کی روایات اور ان کا اختلاف (۱۲-۱۰۹)۔ ابن اثیر نے اس کے ساتھ ہی طبری کا طریقہ کار یعنی سنہ وار واقعات بیان کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور وہ عہد نبوی کے واقعات سنہ وار بیان کرتے ہیں۔

۲ھ کے اہم ترین واقعات و حوادث کا بیان ابن اثیر نے اس طرح کیا ہے: اولین سطور میں غزوۂ

ابواء اور حضرت فاطمہ وعلی کی شادی کا حوالہ ہے۔ پھر سریہ عبداللہ بن جحش کا مفصل بیان ہے اور تحویل قبلہ، فرضیت رمضان، زکوۃ الفطر، نماز عید کا مختصر ذکر ہے (۵-۱۱۳)۔ پھر ایک الگ عنوان کے تحت غزوۂ بدر کا بیان ہے (۳۷-۱۱۶) اس میں اہم مباحث ہیں: تاریخ غزوہ، سبب غزوہ (قتل عمرو بن الحضرمی اور ابوسفیان کے تجارتی حملہ کو روکنے کا منصوبہ)، عاتکہ کا خواب، قریشی اکابر کی جنگ کی تیاری، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری، مسلم لشکر کی تعداد، مسلم جاسوسوں کی اطلاعات کی فراہمی، مکی لشکر کی تعداد، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مشاورت، قریشی لشکر کی آمد، آپ کی جنگی تیاری، بعض قریشی اکابر کی جنگ روکنے کی کوشش، ابوجہل کی جنگی عصبیت، ابوجہل کا قتل، بعض دوسرے اکابر کا قتل، قریش کی شکست، اسیران بدر، زرفدیہ کی ادائیگی پر ان کی رہائی، مدینہ والوں کو فتح کی بشارت، ابولہب کی موت، ابوالعاص بن ربیع کی اسیری اور رہائی وغیرہ، عمیر بن وہب کا واقعہ، آٹھ غیر حاضر بدریوں کا مالِ غنیمت میں حصہ، ان کے علاوہ بعض دوسرے جزوی واقعات وامور کا بھی حوالہ ہے۔ اس کے بعد بالترتیب بنوقینقاع (۹-۱۳۷) غزوۃ الکدر، غزوۃ السویق کے علاوہ وفات عثمان بن مظعون، ولادت حسن بن علی کی ایک روایت نقل کی ہے (۴۱-۱۳۹)۔

۳ھ کے واقعات وحوادث میں غزوۂ بنی محارب، غزوۂ بحران کے مختصر بیان کے بعد کعب بن الاشرف یہودی کے قتل کا واقعہ تفصیلات کے ساتھ اور ابورافع یہودی کے قتل کا حادثہ بھی مفصل ذکر کیا ہے (۸-۱۴۲) لیکن سب سے مفصل بیان غزوۂ احد کا ہے جس کے اہم نکات ہیں: تاریخ غزوہ، سبب غزوہ، خواتین قریش کی شمولیت، ابوعامر راہب الانصاری کا کردار، خواب نبوی، مشاورت، شہر میں محصور ہوکر مقابلہ کرنے کی رائے نبوی اور پرجوش مجاہدین کا کھلے میدان میں لڑنے پر اصرار، قریشی لشکر کا میدان احد میں خیمہ زن ہونا، مسلم لشکر کی روانگی اور منافقین کی علیحدگی، مسلم لشکر کی منازل سفر اور میدان احد میں اجتماع، دونوں فوجوں کی جنگی تیاری اور حملے، درہ میں تیرانداز دستہ کی تعیناتی، تلوار نبوی اور حضرت ابودجانہ کی بہادری، مسلم مجاہدین کی شجاعت وسرفروشی، قریشی لشکر کی پسپائی، تیراندازوں کی نافرمانی، قریشی لشکر کا عقب سے حملہ، مسلمانوں کی شکست اور آپ کا زخمی ہونا، شہداء کے واقعات، شہادت نبوی کی افواہ، آپ کی بازیابی، مسلم مجاہدین کی واپسی اور قریشی لشکر کی پسپائی، مختلف شہادتیں، اشعار، مسلم خواتین کی بہادری، تدفین شہداء اور واپسی (۶۴-۱۴۱)۔ اسی کے بعد حمراء الاسد کا ذکر کیا

ہے اور خاتمہ حضرت حسن کی ولادت کی دوسری روایت اور حضرت حسین کے حمل پر کیا ہے (۲-۱۶۴)۔

۴ھ کے واقعات کا آغاز غزوۃ الرجیع سے ہوتا ہے، پھر حضرت ابوسفیان اموی کے خلاف حضرت عمرو بن امیہ الضمری کی مہم کا ذکر ہے جس کے بعد بئر معونہ کے المیہ کا بیان ہے، غزوۂ بنی النضیر، غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ بدر ثانیہ (سویق) کے الگ الگ مباحث کے بعد حضرت ام سلمہ سے آپ کی شادی، زید بن ثابت کی تعلیم کتاب یہود، اور حضرت عثمان کے فرزند حضرت عبداللہ بن رقیہ کی چھ سال کی عمر میں وفات اور حضرت حسین کی ولادت کے حوالے ہیں (۲-۱۶۷)۔

۵ھ کے اہم حوادث یہ ہیں: حضرت زینب بنت جحش سے آپ کی شادی، غزوۂ دومۃ الجندل، وفات حضرت ام سعد بن عبادہ کے مختصر ذکر کے بعد غزوۂ خندق کا مفصل بیان ہے۔ (۸۴-۱۷۸) جس کے اہم مباحث بالترتیب ہیں: تاریخ وسبب غزوہ، یہود بنی النضیر کی سازش، قبائل واحزاب کی شرکت، خندق کی ترکیب، قریشی لشکر کی آمد، مسلم لشکر کی تعداد وتیاری، مسلمانوں کی ابتلاء، غطفان کے سرداروں کو مدینہ کی پیداوار دینے کا ارادہ اور اس کا فسخ، قریشی شہسواروں کی شجاعت، حضرت سعد بن معاذ اوسی کا زخمی ہونا، حضرت صفیہ کا یہودی کو قتل کرنا، حضرت نعیم بن مسعود اشجعی کی احزاب شکنی کی مساعی، بنوقریظہ سے سازش، احزاب میں اختلاف، احزاب کی واپسی، خاص کر غطفان کی اور اعلان اقدام نبوی، اسی کے بعد غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر ہے (۲-۱۸۵)۔

۶ھ کے واقعات کا سلسلہ غزوۂ بنی لحیان سے شروع ہوتا ہے جس کے بعد غزوۂ ذی قرد، غزوۂ بنی المصطلق، واقعۂ افک، عمرۂ حدیبیہ کا الگ الگ بیان ہے اور موخر الذکر کا خاصا مفصل ہے (۲-۲۰۰)۔ پھر متعدد غزوات وسرایا سنہ کی سرخی کے تحت ہیں سریہ عکاشہ کا نسبتاً تفصیل کے ساتھ، جبکہ سریہ زید (وادی القریٰ) اور سریہ کرز بن جابر فہری (عرینہ) کا مختصر ذکر ہے۔ اسی میں حضرت عمر کی جمیلہ بنت ثابت انصاری سے شادی اور طلاق اور ان کے فرزند عاصم کی ولادت اور نماز استسقاء کا حوالہ ہے۔ پھر الگ سرخی کے ساتھ سلاطین سے نبوی مراسلت کا ہے جس میں کسریٰ، قیصر، نجاشی، مقوقس، حاکم غسان (بصریٰ)، شاہ بحرین کے نام آپ کے دعوتی فرامین کا مفصل ذکر ہے اور اس کا خاتمہ حضرت ام رومان والدہ حضرت عائشہ کے انتقال کے حوالہ پر ہوتا ہے (۲۱۵-۱۸۸)۔

۷ھ کے جن اہم واقعات کا ذکر ابن اثیر نے کیا ہے وہ بالترتیب ہیں: غزوۂ خیبر جس کے اہم

مباحث ہیں: حدیبیہ سے واپسی پر ایک ہزار چار سو کے لشکر (دوسو سواروں) کے ساتھ خیبر روانگی، غطفان کو غیر جانبدار بنانا، خیبر کے یہود کو اچانک جالینا، حصن ناعم اولین فتح، پھر قموص کی فتح جس سے بہت سے قیدی ملے اور ان میں حضرت صفیہ بھی شامل تھیں، زبیر بن باطا قرظی پر احسان نبوی، قلعہ صعب کی فتح، وطیح وسلالم کی آخری فتوحات، مرحب کا حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھوں قتل یا حضرت علی کے دست مبارک پر اور حصن مرحب کی فتح کا واقعہ، حضرت صفیہ کی گرفتاری اور شادی، محاصرہ کے بعد صلح، فدک کی یکساں شرائط پر صلح کا معاہدہ، یہودی عورت کا زہر آلود کھانے کا ہدیہ اور آپ کی شہادت کا ذمہ دار واقعہ (۲۲-۲۱۶)۔ اس کے بعد الگ سرخی کے تحت غزوۂ وادی کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت حجاج بن علاط سلمی کے اہل مکہ سے قرض کی وصولیابی کا دلچسپ واقعہ ایک الگ سرخی کے تحت، پھر خیبر کے اموال غنیمت کی تقسیم کا بیان ہے اور "ذکر فدک" غزوۂ فدک اور اس کی فتح کا، اس میں اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار کے خلفاء کے احکام کا بھی حوالہ ہے (۵-۲۲۲)۔

اس کے بعد حضرت زینب کی نکاح اول کے سبب حضرت ابوالعاص کے پاس واپسی، حضرت ماریہ قبطیہ کی آمد اور آپ سے شادی، عجز ہوازن کی طرف سریۂ عمر، فدک کے سریہ بشیر بن سعد، ارض بنی مرہ کے سریۂ غالب، یمن وجناب کے سریۂ بشیر کا بھی ذکر ہے اور الگ عنوان کے تحت عمرۃ القضاء اور حضرت میمونہ سے آپ کی شادی کا ذکر ہے اور خاتمہ بنوسلیم کے سریۂ ابن ابی العوجاء سُلَمی کے بیان پر ہوا ہے (۸-۲۲۵)۔

۸ھ کے واقعات کا ذکر واقدی کے حوالہ سے بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کی وفات سے آغاز کیا ہے۔ پھر عنوان کے تحت بنوالملوح کے سریہ غالب بن عبداللہ لیثی اور شاہ بحرین کی طرف سفارت علاء بن الحضرمی کا نسبتاً مفصل ذکر کر کے ذات الاطلاح کے سریہ عمرو بن کعب غفاری کا حوالہ دیا ہے۔ الگ سرخی کے تحت حضرات خالد بن الولید، عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ کے ہجرت کرنے اور اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد غزوۂ ذات السلاسل، غزوۃ الخبط، سریۂ ابوقتادہ (غابہ) اور اضم کا مختصر و مفصل ذکر کر کے غزوۂ موتہ کی تفصیل دی ہے (۳۸-۲۲۹)۔ لیکن سب سے اہم واقعہ اس سنہ کا فتح مکہ تھا جس کا بیان کافی مفصل ہے۔ اس میں موتہ کے سریہ کے بعد قیام نبوی، قریش وبنوبکر کے بنوخزاعہ پر حملہ، بنوخزاعہ کی استمداد نبوی، ابوسفیان کی ناکام سفارتِ مدینہ، آپ کی فتح مکہ کی تیاری، حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط اور خط بردار کی گرفتاری، مسلم لشکر کی روانگی، روزۂ رمضان کا

افطار، قبائلی دستوں کی اسلامی لشکر میں شمولیت، حضرت عباس کی مہاجرت، مخرمہ بن نوفل اور ابوسفیان حارث وغیرہ کی حاضری اور قبول اسلام، مرالظہران میں آمد اور مسلم لشکر کی تعداد قبیلہ وار، ابوسفیان اموی اور حکیم بن حزام کی آمد اور قبول اسلام، دار ابی سفیان کو دارالامان قرار دینا، مکہ میں مسلم لشکر کا داخلہ قبیلہ وار، بعض قریشیوں کا مقابلہ اور شکست، مجرمین کے قتل کا حکم نبوی اور ان کے اسماء وحالات، بیشتر کی معافی اور قبول اسلام، متعدد مجرم خواتین جیسے ہند بنت عتبہ، سارہ، عبداللہ بن خطل کی مغنیات وغیرہ کے ساتھ سلوک نبوی، باب کعبہ پر خطبۂ نبوی اور معافی عام کا اعلان، بیعت کا انعقاد، خواتین کے بیعت کرنے کی تفصیل، ظہر کی اذان بلالی اور نمازِ نبوی، بعض اسماء اور اقوال کی تشریح ابن اثیر (۵۵-۲۳۹)۔

اس کے بعد بنوخزیمہ کے خلاف حضرت خالد بن ولید کے سریہ کا خاصا تفصیل کے ساتھ بیان لکھا ہے (۶۰-۲۵۵)۔ جس کے آخر میں ملیکہ داؤد لیثی سے نکاح وفراق، عزیٰ، سواع اور مناۃ کے اصنام کدوں کے انہدام کے سرایا کا بھی مختصر بیان ہے۔ اسی سنہ کے دوسرے اہم غزوات ہوازن اور محاصرۂ طائف کا الگ الگ فصلوں میں ذکر کیا ہے (۸-۲۶۱) اور باب کا خاتمہ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم اور ہوازن کے اسیرانِ جنگ کی رہائی کے بیان پر ہوتا ہے (۷۳-۲۶۸)۔ اسی فصل کے آخر میں بعض دوسرے واقعات کا حوالہ ہے جیسے جعرانہ سے آپ کا عمرہ، مکہ کی گورنری پر عتاب بن اسید اور معلمی پر معاذ بن جبل کی تقرری، عمرو بن العاص کی عمان کے صدقات پر تقرری اور ان کی وصولیابی، فاطمہ بنت الضحاک الکلابیہ سے نکاح وفراق، حضرت ابراہیم کی ولادت ورضاعت، ذات اطلاح کا سریہ کعب بن عمیر، بنوعنبر بن تمیم کا سریہ عیینہ بن حصن فزاری۔

۹ھ کے واقعات کا آغاز کعب بن زہیر مشہور جاہلی اسلامی شاعر کے قبول اسلام کے بیان سے ہوتا ہے جس میں ان کے مشہور قصیدہ بانت سعاد کے اشعار کا بھی ذکر ہے (۵-۲۷۴)۔ پھر غزوۂ تبوک کا مفصل بیان ہے جس کے اہم نکات ہیں: مدینہ کا قیام نبوی، رومیوں سے جنگ کی تیاری، سبب غزوہ، موسم وماحول، منافقین کا طرزِ عمل، صحابہ کرام کے عطیات، رونے والوں (بکاؤن) کا معاملہ، اعتذار ومعذرت کرنے والوں کے اسماء گرامی، مسلم لشکر کی روانگی، پیچھے رہ جانے والوں میں سے بعض کے انفرادی واقعات جیسے حضرت ابوخیثمہ کی شمولیت وغیرہ، منافقین کی سازشیں اور طنز وتشنیع، حضرت ابوذر کا واقعہ سفر اور بعد کے واقعات کا حوالہ، تبوک آمد، حاکم ایلہ سے جزیہ کا معاہدہ، دومۃ الجندل

کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کے خلاف حضرت خالد کی مہم، قیام تبوک کی مدت، واپسی طرف مدینہ، مسجد ضرار کی بربادی، اور تین مسلم غلط کاروں کا واقعہ اور سورۂ توبہ کی آیات کا حوالہ (۸۶-۲۷۶)۔

اس سنہ کے دوسرے اہم واقعات میں ابن اثیر نے حسب ذیل کا مزید ذکر کیا ہے: خدمت نبوی میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کی آمد اور اسلام اور دعوتِ اسلام دیتے ہوئے شہادت، ثقیف کے وفد کی آمد مدینہ، غزوہ طے اور حضرت عدی بن حاتم کے قبول اسلام کا، پھر قبائل عرب کے مختلف وفود کی مدینہ حاضری خاص کر بنو اسد، بلی، زاریین (واریین)، بنو تمیم کا ذکر کیا ہے۔ بنو تمیم کے شاعر وخطیب کا نبوی شاعر وخطیب سے ادبی مقابلہ کافی مفصل اور ان کے اشعار وخطبہ سمیت بیان ہوا ہے۔ اخیر میں حمیری بادشاہوں کے سفراء، بہراء، بنو البکاء، بنو فزارہ، بنو ثعلبہ، بنو سعد بن بکر خاص کر موخر الذکر کے وفد کے رکن حضرت ضمام بن ثعلبہ کا زیادہ حوالہ ہے (۹۰-۲۸۳)۔ حج ابی بکر صدیق کی فصل میں ان کے حج اور سورۂ توبہ کے اعلان کیلئے حضرت علی کے تقرر کا ذکر ہے پھر اسی میں صدقات کی فرضیت، عمال کی روانگی، حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان اور دختر نبوی کی وفات، عبداللہ بن ابی بن سلول کے انتقال اور نجاشی کی وفات کے علاوہ ابو عامر راہب کے مرنے کا بھی حوالہ ہے (۲-۲۹۱)

۱۰ھ کے واقعات کا سلسلہ نجران کے وفد کی آمد مدینہ سے شروع ہوتا ہے جس میں ان کو اسلام کی دعوتِ نبوی، ارادۂ مباہلہ اور اس کے فسخ اور معاہدہ کا ذکر ہے۔ پھر اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ حکومت کی پالیسی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد متعدد وفود اور اس کے شرکاء اور شیوخ کا بھی ذکر کیا ہے جیسے سلامان، غسان، ازد، مراد، زبید، عبدالقیس، بنو حنیفہ، کندہ، محارب، رُہا، بنو عامر بن صعصعہ، طے اور سفارت ومراسلت مسیلمہ کذاب کا بالترتیب ذکر ہے۔ ان میں سے ازد اور مراد کے وفود وشیوخ اور ان کی مساعی کا ذکر زیادہ مفصل ہے۔ اس کے بعد کی ایک مختصر فصل میں حضرت علی کی مہم یمن اور ہمدان کے قبول اسلام کا بیان ہے۔ اس سے کچھ مفصل فصل میں آپ کے ولایات کے ولاۃ اور صدقات کے عمال وامراء کا بیان ہے۔ حجۃ الوداع کا بیان خاصا مختصر ہے جس میں آپ کی قربانی کے جانوروں کیساتھ مدینہ سے صحابہ کرام کی معیت میں روانگی، حضرت علی کی آپ سے بحالت احرام ملاقات کے علاوہ عرفہ کے دن آپ کے طویل خطبہ کا ایک حصہ منقول ہے اور مواقفِ عرفہ ومزدلفہ اور منیٰ کی قربان گاہ کی حدود کے علاوہ آپ کے حجۃ الوداع / حجۃ البلاغ میں مناسک کی تعلیم دینے کا مختصر حوالہ ہے۔

اس کے بعد ایک خاص باب میں آپ کے تمام غزوات (انیس بروایت واقدی) کا ابتداء میں بطور صحیح روایت کے اور چھبیس ستائیس کی تعداد کا لفظ ''قیل'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پھر غزوات کی زمانی ترتیب کے ساتھ فہرست دی ہے اور تعداد سرایا کے بارے میں اختلاف کا ذکر کر کے پینتیس اور اڑتالیس کا عدد بیان کیا ہے۔ آخر میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے وفد، قبول اسلام اور ذوالخلیفہ کے معبد کے انہدام کے ساتھ یمن کے حضرت باذان کے قبول اسلام کا حوالہ دیا ہے (۳۰۴-۲۹۳)۔

ایک مختصر فصل میں آپ کے دو حج کرنے کا ذکر کیا ہے ایک ہجرت سے قبل اور دوسرا حجۃ الوداع مع عمرہ اور تین عمروں کا بروایت عمر اور چار عمروں کا بروایت عائشہ کا ذکر ہے۔ پھر ایک خاص فصل میں آپ کی صفت یعنی حلیہ وشمائل، اسماء گرامی اور خاتم نبوت کا بیان ہے، اگلی مختصر فصل میں آپ کی شجاعت وسخاوت کا بیان ہے (۶-۳۰۵)۔

نسبتاً مفصل فصل میں آپ کی تمام ازواج مطہرات، باندیوں اور اولاد گرامی کا ذکر کیا ہے۔ سلسلۂ کلام کا آغاز ابن الکلبی کے قول سے کیا ہے کہ پندرہ سے نکاح کیا، تیرہ سے نکاح تمام کیا، گیارہ کو جمع کیا اور نو کو چھوڑ کر وفات پائی۔ پھر ترتیب وار حضرت خدیجہ، ان کے سابق شوہروں اور تمام اولادوں، حضرت سودہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویریہ بنت الحارث، حضرت ام حبیبہ، حضرت زینب بن جحش، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ بنت الحارث کے علاوہ کلابیہ، غفاریہ یا کنانیہ، کلابیہ، اسماء بنت النعمان، عالیہ بنت ظبیان، قتیلہ بنت قیس کندی، فاطمہ بنت سرع وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور آخر میں آپ کے پیغام والی خواتین اور باندیوں میں حضرت ماریہ قبطیہ اور ریحانہ بنت زید قرظیہ کا ذکر خیر ہے (۱۱-۳۰۷)۔ ایک الگ فصل میں آپ کے موالی کا ذکر کیا ہے (۳-۳۱۱)۔ پھر آپ کے بعض کاتبوں کا (۳۱۳)، اس کے بعد آپ کے گھوڑوں اور خچروں اور اونٹوں وغیرہ کا (۵-۳۱۴)۔ اس سنہ کی آخری فصل آپ کے اسلحوں پر ہے (۳۱۶)۔

۱۱ھ کے احداث کی سرخی کے تحت پہلے حضرت اسامہ بن زید کی ''مہم شام'' کی تیاری کا ذکر کر کے ان کی اور ان کے مرحوم والد گرامی کی امارت پر بعض لوگوں کے اعتراض کا جواب وخطبۂ نبوی ہے (۳۱۷)۔ پھر ایک الگ عنوان کے تحت آپ کے مرض اور وفات کا بیان ہے۔ اس میں حضرت زینب بنت جحش کے گھر آپ کی بیماری کی ابتداء، ازواج کے ہاں باری کا دورہ اور آخر میں حضرت

عائشہ کے گھر میں مستقل قیام، لشکر اسامہ کی روانگی میں تاخیر، حالت مرض میں اہل بقیع کیلئے استغفار نبوی، مسجد نبوی میں نماز وخطبہ، بیماری اور خطبہ کے بارے میں روایات اور ان کے متون، جمعرات کے دن کتاب نبوی لکھنے کا ارادہ اور اختلاف وشور پر اس کا فسخ، آپ کی وصیت، خلافت کے حصول کے لئے وصیت نبوی کرانے کا حضرت علی کو حضرت عباس کا مشورہ اور حضرت علی کا انکار، شدت مرض، امامت ابوبکر، تکلیف وسکرات میں سنن نبوی، حضرت فاطمہ سے سرگوشی، وفات کی تاریخ ۱۲/ ربیع الاول اور دوسرے دن نصف النہار کے وقت تدفین کی روایت، ابوبکر کی آمد مدینہ اور خطبہ، مکہ مکرمہ میں وفات نبوی کا ردعمل اور سہیل بن عمرو کی استقامت سے ردہ کا سدباب (۲۵-۳۱۷)۔

"حدیث السقیفة وخلافة ابی بکر" کے باب میں اس سے متعلق مفصل بحث ہے (۳۲-۳۲۵)۔ اور اس کے بعد ایک مختصر فصل میں آپ کی تجہیز وتکفین اور تدفین کی مختصر تفصیلات ہیں: جیسے دوسرے روز منگل کو تدفین، غسل کرانے والوں کے اسماء گرامی، کفن کے کپڑے، مقام دفن کے بارے میں حضرت ابوبکر کی تعلیم حدیث نبوی، لحدی قبر کی تیاری، قبر میں اترنے والوں کے اسماء گرامی اور عمر مبارک پر علماء وصحابہ کی مختلف روایات، اسی پر سیرت نبوی کا باب ابن اثیر اور بحث الکامل فی التاریخ ختم ہوتی ہے (۳۳-۳۳۲)۔

حافظ کلاعی

(۵۶۵-۶۳۴ھ/۱۱۷۰-۱۲۳۷ء)

اندلس نے مشرقی دیارِ وامصار سے استفادہ کرنے کے بعد علوم وفنون میں اپنی شناخت قائم کر لی تھی اگرچہ اس کے امتیاز کا اعتراف تو کیا گیا مگر جائزہ کم اور تجزیہ کمتر کیا گیا۔ قرآنیات، علوم حدیث، شعروادب، تاریخ وتذکرہ کے علاوہ اندلس کے علماء وفضلاء نے سیرت نبوی کے میدان میں بھی اپنی جولانیاں دکھائیں، ان کو خود بھی اعتراف ہے کہ انھوں نے اس میدان میں بھی مشرق سے سیکھا ہے مگر یہ بھی ان کو احساس ہے کہ انھوں نے قابل قدر اضافے بھی کیے ہیں۔

اندلسی اضافات کا سلسلہ ابتدائی صدیوں سے مسلم حکمرانی کے آخری لمحوں تک جاری رہا۔ بعد کی صدیوں میں جب مشرقی امصار ودیار میں طبعزاد اور تحقیقی کاموں کی جگہ نقل وشرح کا دور چلا تو متقدمین کی کتابوں پر انحصار رہ گیا اور خلاصہ وشرح کے علاوہ دوسرا رجحان ذرا کم نظر آیا۔ کہیں کہیں اور کبھی کبھی البتہ مختلف مآخذ کے مواد کو سمو کر نیا مواد یا جدید معلومات فراہم کرنے کی کوشش ضرور کی گئی۔ یہی یا اس سے کچھ بہتر صورت حال اندلس میں نظر آتی ہے کہ اس کے اہل علم وفضل نے سیرتی ادب میں کسر وانکسار، جمع وتدوین اور تشریح وتاویل کے رجحانات کے ساتھ ساتھ بعض دوسرے رجحانات ومیلانات کو بھی پروان چڑھایا، ابن عبدربہ، ابن عبدالبر، ابن حزم، سہیلی وغیرہ متعدد سیرت نگاروں کے ہاں ان رجحانات کا سراغ ملتا ہے۔ ایسے ہی ایک رجحان نمایاں رجحان ساز امام ابوالربیع سلیمان کلاعی تھے جنھوں نے سیرت نبوی کو سیرت خلفاء کرام سے پیوست کرنے اور مغازی اسلام کو عہد نبوی سے عہد خلفاء تک ایک سلسلۂ مسلسل میں پرونے کی کوشش کی اور اپنی کتاب الاکتفاء میں سیرت ومغازی کو گوندھ کر ایک نیا طرز تالیف نکالا۔

نام ونسب

امام کلاعی زیادہ تر اپنی نسبتِ وطنی سے معروف ومشہور ہیں۔ ان کا نام سلیمان تھا اور کنیت ابوالربیع، ان کے والد ماجد کا اسم گرامی موسیٰ تھا اور باقی نسب تھا: بن سالم بن حسان۔ وہ جنوبی عرب کے قبیلہ حمیر کے فرزند ہونے کے سبب حمیری کہلاتے تھے، ابن الخطیب کے مطابق وہ اپنی زندگی میں ابن سالم کے نام سے زیادہ معروف تھے۔ ابن الخطیب کی تاریخ غرناطہ کا بیان ابوالبقاء محمد بن ابراہیم البلشکی مصری نے اپنے خلاصہ مرکز الاحاطه باد باء غرناطه میں لفظ بلفظ نقل کیا ہے جس میں یہی تمام نسبتیں اور وضاحتیں موجود ہیں۔ ابن الابار نے ابن سالم کی نسبت نہیں نقل کی ہے۔ لیکن یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ اصلاً مشرقی سرحدوں کے باشندے تھے، سلاوی نے ابن سالم کی عرفیت نقل کرنے کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ ان کا نسب ذوالکلاع حمیری تک پہونچتا ہے۔

ولادت

حافظ کلاعی اندلس کے شہر مرسیہ کے مضافات میں یکم رمضان ۵۶۵ھ کو پیدا ہوئے جو ۱۹رمئی ۱۱۷۰ء کے مطابق ہے۔ بلشکی نے خارج مرسیہ لکھا ہے مگر غلطی سے سنہ ولادت ۴۶۴ھ لکھا ہے مگر ابن الابار، ذہبی، سیوطی، ابن فرحون، سلاوی وغیرہ نے ۵۶۵ھ کی صراحت کی ہے، اور مزید وضاحت یہ کی ہے کہ وہ منگل کی رات میں مرسیہ کے باہر ایک مقام پر پیدا ہوئے تھے۔ ابن الابار کا کہنا ہے کہ دو سال کی عمر میں ان کو بلنسیہ لے جایا گیا جہاں ان کی نشو ونما اور تعلیم وتربیت ہوئی۔ عام طور سے ان کی جائے ولادت بلنسیہ سمجھی جاتی ہے اس لئے کتاب الاکتفاء کے مصحح ومرتب ہنری ماسہ (Henry Masse) نے اپنے تعارفی حصہ/ پیش لفظ میں بلنسیہ ہی کو جائے ولادت لکھا ہے۔

تعلیم تربیت

دو سال کی عمر سے اپنی وفات تک امام کلاعی نے ساری زندگی شہر بلنسیہ ہی میں گذاری اور ان کی تعلیم وتربیت اور نشو ونما اور پروان واٹھان سب کی سب اسی شہر علم اور اس کے علماء وفضلاء کی دین ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے دوسرے دیار و امصار کا علمی سفر کیا اور ان کے اساتذہ فن اور ماہرین علوم سے برابر استفادہ کیا۔ مورخ ابن الابار، حافظ ذہبی وغیرہ نے ان کے علمی اسفار اور شیوخ و اساتذہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے جو خاصا مفصل ہے۔

ابن الابار کا بیان ہے کہ امام کلاعی نے اپنے شہر میں ابوالعطاء بن نذیر، ابوالحجاج بن ایوب، ابوعبداللہ بن نوح، اور ابوالخطاب بن واجب وغیرہ سے سماعت حدیث وعلم کی اور پھر مختلف اندلسی بلاد وامصار کا سفر کیا اور مختلف شیوخ سے کسب فیض کیا۔ ان میں ابوالقاسم بن حُبَیش، ابوبکر بن الجعد، ابوعبداللہ بن زرقون، ابوعبداللہ بن الفخار (النجار)، ابومحمد بن عبیداللہ، ابومحمد بن بونہ، ابوالولید بن رشد، ابومحمد بن الفرس، ابوعبداللہ بن عروس، ابومحمد بن جمہور اور ابوالحسن نجبہ وغیرہ اہم ترین تھے۔ حافظ ذہبی نے بھی یہی نام گنائے ہیں جن میں کچھ نقلی اختلاف اور اضافہ بھی پایا جاتا ہے مثلاً وہ ابوعبداللہ بن النجار کہتے ہیں اور نجبہ بن یحییٰ پورا نام لیتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ حافظ کلاعی نے بلسنیہ، مرسیہ، اشبیلیہ، غرناطہ، شاطبہ، مالقہ، سبتہ اور دانیہ میں سماعت کی تھی۔

ابن الابار کا یہ بھی بیان ہے کہ امام کلاعی کو جن اساتذۂ فن اور شیوخ علم نے اجازت سے سرفراز کیا تھا ان میں ابوالعباس بن مضا، ابومحمد التادلی، ابوالحسن بن کوثر، ابوخالد بن رفاعہ، ابومحمد عبدالحق الاشبیلی وغیرہ متعدد علماء اندلس تھے۔ مشرقی علماء وشیوخ میں ابوالطاہر بن عوف، ابوعبداللہ بن الحضرمی، ابوالقاسم بن جارہ وغیرہ بہت سے علماء تھے۔ اندلسی شیوخ میں ذہبی نے صرف ابومحمد عبدالحق الازدی اور ابوالعباس بن مضا کا ذکر کیا ہے۔ اور علمائے مشرق کا نام نہیں لیا ہے۔ سیوطی نے بھی تقریباً یہی بیان نقل کیا ہے البتہ ان کے ہاں ابوالقاسم بن حُبَیش کا اضافہ ہے۔ ابن فرحون نے یہ اضافہ کیا ہے کہ امام ابوالقاسم بن حُبَیش سے زیادہ استفادہ کیا تھا اور بعض شیوخ کے ناموں کی تصریح وتوضیح کرنے کے علاوہ بعض نئے شیوخ کا اضافہ بھی کیا ہے جیسے ابوبکر بن ابوجمرۃ، ابومحمد الصدفی، ابوالقاسم بن شمحون۔ انھوں نے امام ابومحمد بن الفرس کا نام عبدالمنعم بتایا ہے اور ابوعبداللہ کے والد کا نام الفخار لکھا ہے اور ابوالطاہر بن عوف کو اسکندری کی نسبت سے یاد کیا ہے۔ مقری نے ان کے اساتذہ میں صرف ابوالقاسم بن حُبَیش اور ان کے طبقہ کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے۔ سلاوی نے ابن الابار کے ذکر کردہ اساتذہ وشیوخ میں سے صرف چار کا ذکر کیا ہے۔

تعلیم وتدریس

اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد حافظ کلاعی نے معلم ومدرس اور خطیب وقاضی کے اہم کام اور مشاغل اختیار کیے۔ تقریباً تمام سوانح نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ وہ بلنسیہ کے جامع مسجد کے خطیب وامام بھی تھے اور شہر قاضی بھی اور جلالت وعدل وانصاف اور تقویٰ طہارت کے لئے معروف تھے۔ ابن الابار کا بیان ہے کہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے مختلف اوقات میں خدمات انجام دیں۔ وہ اپنے علم وفضل کے لئے اتنے معروف ومقبول تھے کہ شائقین علم اور طلبہ وشیوخ دور دراز کا سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کی خدمت میں مدتوں قیام کرتے اور ان سے سماعت کرتے اور ہر طرح کے استفادہ سے مالا مال ہوتے۔ ابن الابار ان کے ایک چہیتے شاگرد تھے اور ان کا بیان ہے کہ ان کو حافظ موصوف نے کئی بار اپنی روایات وتصانیف کی روایت ونقل کی اجازت دی خاص کر علم حدیث میں کہ ان سے زیادہ کسی اور شاگرد رشید کو زیادہ فیض نہیں پہنچا۔ اسی طرح ان کی شعر وشاعری کی روایت بھی ابن الابار نے خوب کی۔ ابن الابار نے حافظ کلاعی سے اپنے اخذ واستفادہ کی حدیث دلپذیر کافی تفصیل سے سنائی ہے۔ ان کے ایک اہم شاگرد ابن مسدی بھی تھے جن کو مختلف علوم وفنون میں درک تھا اور اس کا بیشتر حصہ امام کلاعی کا عطیہ تھا۔

تلامذہ

ابن الابار اور ابن مسدی کے علاوہ امام کلاعی کے بہت سے دوسرے تلامذہ تھے جنھوں نے بعد میں علم وفن کی دنیا میں نام کمایا۔ حافظ ذہبی نے ان میں ابوالعباس احمد بن العماد قاضی تونس کے علاوہ پوری ایک جماعت (طائفہ) کا ذکر کیا ہے۔ ابن فرحون کے مطابق ان کے تلامذہ میں ابوعبداللہ بن حزب اللہ، ابوالحسن بن عبدالملک بن مفوز، ابن المواق، ابن الغماز، ابومحمد بن برطلۃ، ابوجعفر الطنجالی، ابوالحجاج بن حکم وغیرہ بھی شامل تھے جن کی مکمل فہرست دینی طول کلام کا سبب ہوگی۔

علم وفضل اور مقام

ابن الابار اور ذہبی وغیرہ کے مطابق ان کے شاگرد ابن مسدی کہا کرتے تھے کہ ان جیسا

صاحب فنون اور عالم علوم نہیں دیکھا۔ وہ منقول ومعقول کے امام تھے اور نثر وشعر کے بحر ذخار، وہ بہت سے دوسرے علوم وفضائل کے جامع تھے۔ حدیث میں وہ امام وقت اور فرید عصر تھے کہ وہ روایات کی زبانی ترسیل اور تحریری حفاظت دونوں میں یکتا تھے۔ ان کے علاوہ اسناد اور دوسرے متعلقاتِ حدیث میں بے مثل مہارت رکھتے تھے، ان جیسا اس فن میں کوئی نہ تھا۔ علوم القرآن اور تجوید میں بھی ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ اپنے زمانے میں امام ادب بھی تھے اور ان کو جب دیوان انشاء کی سربراہی پیش کی گئی تو اس سے معذرت کر لی۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ امام ابوالقاسم بن حبیش سے انھوں نے بہت سا استفادہ کیا تھا اور یہ زیادہ تر قراءات کے علم میں تھا۔ وہ اس فن میں ان کے خاص شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ امام ابن ہذیل کے تلامذہ سے بھی انھوں نے اس فن کی تحصیل کی تھی۔

سیوطی کا اضافہ ہے کہ امام کلاعی امام وحافظ حدیث تو تھے ہی ان کے جرح وتعدیل کے بھی عارف کبیر تھے اور فن اسماء الرجال میں لاثانی تھے کہ ان کی مانند ان کا کوئی معاصر تاریخ ہائے ولادت ووفات کے فن میں اتنا طاق نہ تھا اور ساتھ ہی وہ ادب وبلاغت کے ماہر عالم تھے۔ ان کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے ان کے کلام بلاغت نظام کے نمونے نقل کیے ہیں اور بستکی کے تذکرہ میں اس کا ذکر کئی صفحات پر موجود وآراستہ ہے۔ ابن الابار نے ان کے علمی اور دینی فضائل کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ان کی جلالتِ شان اور عظمتِ مقام پر بھی ان کے سوانح نگاروں نے بھرپور گواہی دی ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ امام کلاعی میں علم وفضل اور تقویٰ وورع کے علاوہ عزیمت وشجاعت بھی تھی اور سلاطین وخلفاء کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی پکی جسارت بھی، وہ برسر منبر اراکین حکومت اور امراء وقت کو اپنے خطبات میں نصیحت سے شاد کام کیا کرتے تھے۔

تصانیف

حافظ کلاعی صاحب سیف وقلم بھی تھے۔ انھوں نے ان دونوں میدانوں میں اپنے خون جگر اور خون شہادت سے بے مثل کارنامے رقم کیے ہیں۔ ان کی تصانیف وتالیفات کی تعداد بھی معتد بہ ہے اور ان کے موضوعات بھی گوناگوں ہیں۔ ان تالیفات کی تحسین وتعریف سے ان کے تذکرے پیراستہ اور ان کے تلامذہ وتذکرہ نگار رطب اللسان ہیں۔ ذیل میں ان کی تالیفات کی ایک جامع فہرست نقل کی جارہی ہے:

۱۔ کتاب الاکتفاء فی مغازی رسول اللہ ﷺ والثلاثۃ الخلفاء (چار جلدوں میں ہے)

۲۔ کتاب حافل السابقین وحلیۃ الصادقین المصدقین (صحابہ اور تابعین کی سوانح میں ہے لیکن نامکمل)۔ ابن الابار کا بیان ہے کہ اگر اس کو مکمل کر دیتے تو وہ ابن عبدالبر کی الاستیعاب کی دوگنی ہوتی)

۳۔ کتاب مصباح الظلم من حدیث رسول اللہ ﷺ (وہ امام شہاب قضاعی کی کتاب کے طرز پر ہے)

۴۔ کتاب الاعلام بأخبار البخاری الامام ومن بلغت روایته عنه من الاغفال والاعلام

۵۔ کتاب المعجم (صحابہ کرام اور ان کی ازواج مطہرات کے بارے میں ہے جن کی کنیت یکساں تھی)

۶۔ کتاب السباعیات المخرجۃ من حدیث ابی علی الصدفی (تین جلدوں میں ہے)

۷۔ احادیث المصافحه

۸۔ حدیث ابی بکر بن العربی

۹۔ کتاب الاربعین (چالیس شیوخ سے مروی چالیس معنی کی احادیث جو چالیس صحابہ کرام سے لی گئی ہیں)

۱۰۔ کتاب حلیۃ الامالی فی الموافقات من العوالی (اپنی حدیث سے ان کی چار جلدوں میں تخریج کی)

۱۱۔ کتاب تحیۃ الرواد وتحفۃ الوراد فی العوالی البدلیۃ الاسناد (چار اجزاء میں ہے)

۱۲۔ کتاب شیخۃ ابی القاسم بن حُبَیش (جو امام ابوالقاسم کی تخریج پر مبنی اور چار ضخیم جلدوں میں ہے)

۱۳۔ المسلسلات من الاحادیث والآثار والانشادات (ایک ضخیم جلد میں ہے)

۱۴۔ کتاب نکتۃ الامثال ونفثۃ السحر الحلال (وہ ابوعبید کی کتاب الامثال پر مبنی توشیح میں ہے)

۱۵۔ کتاب جهد النصیح و حظ المنیح من معارضۃ المعریٰ فی خطبۃ الفصیح.

۱۶۔ کتاب الامثال لمثال المبہج فی ابتداع الحکم واختراع الامثال۔

۱۷۔ کتاب مفاوضۃ القلب العلیل ومنابذۃ الامل الطویل بطریقۃ ابی العلاء المعریٰ فی ملقی السبیل۔

۱۸۔ کتاب مجازفیتا اللحن للاحن الممتحن علی طریقۃ فتیا فقیہ العرب وملاحن ابن درید۔

۱۹۔ کتاب الصحف المنشرۃ فی القطع المعشرۃ۔

۲۰۔ نتیجۃ الحب الصمیم وزکاۃ المنثور والمنظوم۔

۲۱۔ کتاب جنی الرطب فی سنی الخطب (اس میں خطبات عیدین وجمعہ کا مجموعہ)

۲۲۔ برنامج روایات اور متعدد رسائل اور دوسری تصانیف حدیث وادب وخطب

مذکورہ بالا تصانیف کا ذکر ابن الخطیب نے بھی کچھ لفظی اختلافات کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن ان میں ایک اہم اضافہ ان کے دیوان شعر کا بھی ہے۔ بمقری نے موخر الذکر کے علاوہ تقریباً پوری فہرستِ ابن خطیب نقل کردی ہے۔ حافظ ذہبی نے صرف پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور "کتاب الاکتفاء" کا عنوان "المکتفی فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء" بتایا ہے۔ سیوطی نے صرف دو کتابوں "کتاب الاکتفاء فی المغازی" اور "کتاب فی معرفۃ الصحابۃ والتابعین" کا ذکر کیا ہے، ابن فرحون نے کتاب الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء کے علاوہ ابن الابار کی کتابوں کی فہرست لفظی اختلافات کے ساتھ نقل کی ہے، اور یہی فہرست ابن فرحون نے بھی دی ہے بعض توضیحات واختلافات کے ساتھ۔

وفات

حافظ کلاعی اکثر وبیشتر کہا کرتے تھے کہ ان کا انتقال ستر سال کی عمر میں ہوگا اور واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ ان کی پیشگوئی کا سبب ایک خواب تھا جو انھوں نے بچپن میں دیکھا تھا اور جس کی صداقت پر ان کو پورا اطمینان تھا۔

صاحب قلم ہونے کے علاوہ امام موصوف صاحب سیف بھی تھے چنانچہ وہ متعدد جنگوں میں

برابر شریک ہوتے اور داد شجاعت دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر و بیشتر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے اور ان کو سخت جانی نقصان پہنچاتے۔ وہ بلاشبہ بہت بہادر و شجاع ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر جنگ بھی تھے۔ مرسیہ کے مضافات میں واقع مقام انیشہ میں ایک سخت معرکہ ۱۰ر ذوالحجہ ۶۳۴ھ مطابق ۲ر دسمبر ۱۲۳۷ء کو ہوا جس میں وہ بہادری کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ابن الابار کے بقول وہ جمعرات کا دن تھا اور ان کی عمر چھ ماہ کم ستر سال تھی۔

طریقۂ تالیف

حافظ کلاعی نے اپنی کتاب الاکتفاء میں سیرت نبوی کا سلسلہ تاریخ خلافت سے جوڑ کر اسلامی تاریخ کے تسلسل کے رجحان کی عکاسی کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ مغربی یا جدید تصور تاریخ کے برعکس سیرت نبوی کو تاریخ نگاری کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور درحقیقت سیرت نبوی تاریخ اسلام کا اولین باب ہے۔ ''کتاب الاکتفاء'' کا مطبوعہ نسخہ ۱۹۳۱ء کامکمل دستیاب نہیں لیکن بعض دوسرے نسخے غالباً دوسرے کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ صلاح الدین المنجد کے مطابق اس کا ایک جدید نسخہ ۸۷-۱۹۸۶ء میں خانجی قاہرہ سے شائع ہوا ہے۔

خورشید احمد فارق کے مطابق دارالکتب المصریہ قاہرہ میں جو اس کتاب کا مخطوطہ موجود ہے وہ بڑی ضخامت کے چار سو اڑتالیس صفحات/ اوراق پر مشتمل ہے۔ جن میں سے نصف کے قریب یعنی دو سو بیس صفحات سیرت نبوی کے لئے مخصوص ہیں اور باقی دو سو اٹھائیس صفحات تاریخ خلافت راشدہ ثلاثہ کے لئے، موصوف کے مطابق ان کی تفصیل یہ ہے: چھیاسٹھ صفحات حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے لئے وقف ہیں تو ایک سو چار صفحات حضرت عمر فاروق کی فتوحات کے لئے اور صرف سات صفحات میں حضرت عثمان غنی کے ''اخبار و فتوح'' بیان کی گئی ہیں۔ صفحات و اوراقِ مخطوطہ کی اس تقسیم و تفصیل میں لگ بھگ اکتیس اوراق کا حساب نہیں ہے۔ غالباً وہ ابتدائی مباحث اور تمہید و مقدمہ کے لئے وقف ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کلاعی نے زیادہ زور سیرت نبوی پر دیا ہے اور باقی فتوحات و تاریخ خلافت اس کا ضمیمہ یا توسیع ہیں۔

کلاعی کی کتاب الاکتفاء کے بنیادی مآخذ یوں تو چند ہیں لیکن ان کی اپنی اہمیت ہے۔ اس کی

ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض اب دستیاب نہیں اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اب جو دستیاب ہیں وہ ان کو اپنے زمانے میں میسر نہ تھے۔ ان میں سب سے اہم ماخذ امام واقدی کی کتاب المبعث ہے جو حافظ کلاعی کو دستیاب تھی لیکن اب وہ کلی طور سے مفقود ہے سوائے اس کے کہ اس کے بہت سے اقتباسات اور روایات بعض کتابوں میں موجود ہیں۔ امام کلاعی کی کتاب الاکتفاء اصلاً امام واقدی کی کتاب المبعث کو ایک طرح زندہ کرتی ہے کہ اس سے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ ان کا ذکر اس کا سب سے بڑا وصف ہے۔ اس کا اظہار بڑے فخر و امتنان کے ساتھ انہوں نے اپنے مقدمہ میں کیا ہے (ص:۵۳)۔ وہ واقدی کے مآخذ کی بھی نشاندہی کرتے جاتے ہیں جیسے تعمیر کعبہ میں نزول اسمٰعیل علیہ السلام کی روایت ابن ابی خیثمہ، حجر اسود کا آیت الٰہی ہونا، مقام ابراہیم، انبیاء کرام کے بعض قصص بابت تعمیر کعبہ، حرمت و طہارت کعبہ، ولایت و تولیت کعبہ میں خزاعی اکابر کا کردار، اول اول صنم پرستی کی روایت ور جحان کا حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ذکر، ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کو ولادت نبوی پر ایک یہودی کی پیشگوئی، رضاعت حلیمہ و ثویبہ اور اس کے زمانے کے بعض واقعات اور تصریح کہ تمام واقدی پر مبنی ہے۔ کفالتِ نبوی کے دوران ابوطالب کو برکات نبوی سے فیضیابی، صنم قریش بوانہ کی تعظیم سے انکار نبوی، حضرت خدیجہ سے شادی وغیرہ۔ واقدی کی بعض روایات کی تصدیق و تائید میں امام کلاعی نے بعض جگہ امام بخاری وغیرہ محدثین کی روایاتِ یکساں دی ہیں جیسے اصنام عرب — ود سواع، یغوث کے بارے میں صحیح بخاری سے تائید واقدی، یہ بہت دلچسپ انداز فکر ہے اور واقدی کی معتبریت کے بارے میں ایک خاص تائیدی شہادت، واقدی سے بکثرت نقل کرنا دوسری تائیدی شہادت ہے۔

امام ابن اسحاق اور امام موسیٰ بن عقبہ کے علاوہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں امام نسب زبیر بن بکار کی انساب قریش اور امام ابوبکر بن ابی خیثمہ کی التاریخ الکبیر سے بھی کافی اقتباسات نقل کئے ہیں۔ موخر الذکر بالعموم دستیاب نہیں لہٰذا اس کی چند روایات درج ذیل ہیں:

تعمیر کعبہ میں ابن ابی خیثمہ کی روایات، حضرت اسمٰعیل کی ولادت کے وقت عمر ابراہیمی بسند ابو الجہم، مسند الفریابی کے حوالے سے حضرت قاسم کی وفات قبل رضاعت کا واقعہ، ایسے متعدد واقعات ہیں جن میں انہوں نے اپنے بنیادی مآخذ کے علاوہ دوسرے غیر معروف مآخذ سے روایات بیان کی ہیں اور ان کے سبب کتاب الاکتفاء کی انفرادیت اور افادیت بڑھ جاتی ہے۔

وہ جس ماخذ سے روایات لیتے ہیں اس کی تعیین اور نشاندہی کرتے جاتے ہیں تاکہ ان میں خلط ملط نہ ہو لہٰذا ان کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ واقدی اور غیر الواقدی اور ابن اسحاق اور غیر ابن اسحاق کی صراحت ضرور کرتے جاتے ہیں جیسے تعمیر کعبہ میں ولادت و نسب نبوی اور عہد جاہلی اور عہد نبوی کے بیشتر واقعات میں ان کا یہی طریق کار ہے۔ وہ آخر میں اشعار لانے کے بھی بہت شائق ہیں اور ان میں قصائد ابوطالب کا خاص ذکر کیا ہے بالخصوص ہجرت حبشہ کے بارے میں ان کا قصیدہ لامیہ اور اس پر نقد ابن ہشام۔ اپنے مآخذ میں امام کلاعی نے جابجا کتب حدیث اور ان کی صحاح کا بھی ذکر کیا ہے جیسے کتاب کے آغاز میں ہی صحیح کی وہ حدیث حضرت واثلہ بن الاسقع کی روایت سے ذکر نسب رسول علیہ السلام کے ضمن میں کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین خاندان میں سے چنا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مبارک پاک و منزہ اور طاہر و مطہر ہے۔ اپنے تعارف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ترمذی بھی نقل کی ہے۔ احادیث کے شروع میں زبیر بن بکار کا تبصرہ نقل کیا ہے جو قریش کے دوسرے انساب کے ماخذ و سند ہیں۔ دوسرے باب اولیت بیت اللہ الحرام کے بیان کا آغاز بھی قرآن و حدیث سے کیا ہے اور بعد میں مآخذ نسب و سیرت و تاریخ لائے ہیں۔ درمیان میں بھی وہ حدیثی روایات لاتے ہیں جیسے امام ابوداؤد کی روایت قدم نبوی کے بارے میں، ذکر المبعث میں ابن اسحاق کی روایت کے بعد بخاری کی حدیثِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ وہ اشعار سے بھی کثرت سے استناد کرتے ہیں جیسے نسب قریش کے ضمن میں اشعار حارث بن ظالم/ بنو مرہ، نسب نبوی پر اشعار ابی القاسم بن حبیش وغیرہ۔

معلومات کی کثرت و وسعت بھی امام کلاعی کا ایک خاص وصف ہے۔ وہ اپنے موضوع پر بہت سی روایات اور تفصیلات جمع کر دیتے ہیں جیسے قریش کے انساب کی بحث اور اکابر جاہلی کے سوانحی خاکے، حضرت عمر بن خطاب کا دعوائے نسب، تعمیر کعبہ کی مفصل معلومات، حلف الفضول پر جامع روایات، عمرو بن لحی کی صنم پرستی کی ایجاد پر روایات کے ضمن میں زمانہ نوح علیہ السلام میں صنم پرستی کی روایت، صنم پرستی پر جامع بحث، عبدالمطلب کی کفالت نبوی پر بہت سی معلومات، حضرت عباس کے سقایہ و رفادہ کی معلومات، حضرت ام ایمن کے بارے میں نئی معلومات، اولاد نبوی پر روایات۔ اس بارے میں وہ بہت سی روایات متعلقہ بھی لے آتے ہیں جیسے عرب جاہلی روایات کے ذکر میں نکاح المقت کی روایت عرب، بعثت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبشرات نبوت پر حضرت ورقہ سے

حضرت خدیجہ کا استفسار ومکالمہ وغیرہ، قریشی تعمیر کعبہ بعمر ۲۵ رسال کی بحث، غار حراء میں آمد جبریل دوبار: اول بار برائے تبلیغ وترسیل نبوت اور رمضان میں دوسری بار برائے تنزیل قرآن، فوری فرضیت نماز اور اس کے واقعات وغیرہ۔

نقد وتبصرہ اگرچہ ان کے ہاں ملتا ہے لیکن ذرا کم کم۔قریش نام سے موسوم ہونے کی روایت کہ فہر بن مالک ہی قریش تھے اور ان ہی کی اولاد قریشی ہے، نسب نبوی پر ماہرین کا نقد وتبصرہ اور جمہور کے اتفاق کا نظریہ، حلف الفضول کے تسمیہ پر اختلاف روایات پر نقد، ولادت نبوی کے وقت والد عبداللہ کی موجودگی اور عمر بحوالہ دولابی اور ابن ابی خیثمہ پر نقد، وفات عبدالمطلب پر اشعار کی تنقید، وصیت عبدالمطلب پر نقد، انہوں نے بھی بعض سیرت نگاروں کا یہ طریقہ اپنایا ہے کہ راجح روایت کو مثبت لفظ سے بیان کرتے ہیں اور مرجوح کو مجہول کے صیغہ میں (یقال) کے ذریعہ یا (یزعمون) کے لفظ سے ۔وہ ابن اسحاق کی مانند کمزور روایات کی نشاندہی کرتے ہیں جیسے خانہ کعبہ میں بعدِ ولادت عبدالمطلب کا آپ کو لے جانا اور خواب میں تسمیہ کی روایت۔

ضعیف اور کمزور روایات بھی کتاب الاکتفاء میں خاص ملتی ہیں۔ان میں عرب قریش کی جاہلی روایات کافی ہیں اور خوابوں کے تذکرے بھی ہیں جیسے نزار کے باب میں خواب ورویا کی کارفرمائی، معجزات ومبشرات بوقت ولادت پر تقی بن مخلد کی تفسیر اور ابن السکن وغیرہ کی روایات، وفات عبدالمطلب کے بعد ہی حضرت عباس کی ولایت زمزم وسقایہ، بعثت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں احبار وکہان کی روایات پر مبنی پورا باب از ابن اسحاق، ابوجعفر عقیلی، ابن ہشام، واقدی (روایات ابو ہریرہ وعمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) اور کلبی وغیرہ۔

بعد کے واقعات واشخاص سے اور ان کی سند پر قدیم ترین واقعات کی تفصیل بھی فراہم کرتے ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے زمانۂ جاہلیت کی متعدد روایات نقل کی ہیں جو انہوں نے اپنے زمانہ خلافت میں بیان کیں۔حلف الفضول کا ذکر اور اسی طرح قریش کے احلاف اور مطیبون کی تقسیم کے ضمن میں آتی ہے۔احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسرائیلی واقعات ماقبل۔دراصل اس باب میں وہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کی روایات کی پیروی کرتے ہیں۔ان کے اولین تین ابواب اس کے گواہ ہیں۔

امام کلاعی کی کتاب الاکتفاء کی جلد اوّل کی خصوصیات اور انفرادی امتیازات پوری کتاب سیرت کی مرتبت وعظمت کو اجاگر کرتے ہیں۔ دوسری جلدوں میں بھی یہی خصائص اور امتیازات ملیں گے۔ اسی بناپر وہ ایک اہم ترین ماخذ سیرتِ نبوی ہے۔

مصادر و مآخذ

ابن الابار التکملة لکتاب الصلة میڈرڈ ۱۸۸۳ء ومابعد

ابن الخطیب الاحاطة فی اخبار غرناطة دارالمعارف، قاهره ۱۹۵۵ء

ابن فرحون الدیباج المذهب فی اعیان علماء المذهب فاس ۱۳۱٦ھ ص ۱۲۵

البشتکی (ابوالبقاء محمد بن ابراہیم المصری) مرکز الاحاطة بادباء غرناطة

خورشید احمد فارق مقدمه تاریخ الردة ایشیا پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۷۰ء

الذہبی، تذکرة الحفاظ حیدرآباد دکن غیر مورخہ چہارم ۲۰۹ (۱۴)

السلاوی (ابوالعباس احمد بن خالد الناصری) زهر الافنان من حدیقة ابن الونان، فاس ۱۳۱۴ھ/۳۰۷

السیوطی طبقات الحفاظ گوٹنجن ۱۸۳۳ء جلد سوم ۵۹ (۱۵)

المقری نفح الطیب لیڈن ۱۸۵۸-۶۱ء ص ۵۰۲ ۶۵۵-۹ وغیرہ

ہنری ماسہ مؤلف کا سوانحی خاکہ نیز پیش لفظ کتاب الاکتفاء جزائر/پیرس ۱۹۳۱ء، ۴۷-۱

حافظ کلاعی کی کتاب الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ

اندلسی سیرت نگاری دراصل مشرقی یا اصل مرکزی عالم اسلامی کی سیرت نگاری کی ایک خوبصورت توسیع تھی۔ ابتدائی دور میں مشرقی امہات کتب کی تعلیم وتدریس ہوئی جس نے تشریح وتلخیص کے رجحان کو جنم دیا لیکن جوں جوں شعور علم اور ادراک فن بڑھتا گیا تالیف وتصنیف کا نہج بدلتا گیا اور جلد ہی طبعزاد کتب سیرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز یا وسط سے اصل تالیفات کا سراغ ملنے لگتا ہے اور پھر تیسری صدی/نویں صدی سے بہت اہم کتابیں وجود میں آنے لگتی ہیں۔ ان کا سرچشمہ اور ماخذ تو مشرقی ضرور تھا لیکن ان کی ترتیب وتنظیم اور نہج وطریقہ خالصتاً اندلسی تھا۔

حافظ کلاعی کی کتاب الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثة الخلفاء ایک نئے رجحان کی علمبردار ہے کہ اس نے سیرت نبوی کو قدیم نام مغازی سے یاد کیا اور موسوم کیا اور اسی کے ساتھ سیرت نبوی کو سیرت خلفاء سے جوڑ دیا۔ یہ پیوند کاری بہت اہم ہے کہ صرف سلسلہ غزوات ومغازی کا ذکر خیر نہیں کیا گیا بلکہ سیرت وحیات کے گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے مغازی کو اس کا ایک باب سمجھا گیا۔ کیونکہ عام طور سے مغازی سے یہ غلط تصور یا خام خیال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کتاب میں صرف جہاد وجنگ ہی کا تذکرہ ہوگا۔

کتاب الاکتفاء زیادہ تر اپنے مختصر نام سے معروف ہے اور اس کی اولین جلدیں سیرت نبوی سے جامعیت کے ساتھ بحث کرتی ہیں، وہ چار جلدوں میں ۱۹۳۱ء میں چھپی ہے اور اس کے مرتب ایک مستشرق ہنری ماسہ (Henri Masse) ہیں جو الجزائر میں کلیۃ الآدب کے پروفیسر تھے۔ غالباً اس کی طباعت کا کام پیرس میں ہوا کہ سرورق پر اس کے ناشر کا پتہ درج ہے: Paris Paul

Geuthner 1931 ۔ تقطیع چھوٹی ہے اور جلد اول میں کل صفحات ۴۰۴ ہیں جس میں متن ص ۳۹۷-۴۹ پر ہے، باقی مرتب کے پیش لفظ، مؤلف کے سوانحی خاکہ، خطا وصواب کی جدول اور فہرست ابواب کے لئے وقف ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے کتاب الاکتفاء کی جلد اول ہجرت حبشہ تک کے واقعات سیرت بیان کرتی ہے۔ متن کا آغاز مختصر حمد ونعت سے ہوتا ہے جو مؤلف گرامی کا پیش لفظ ہے، اس میں ان کے اپنے بیان کے مطابق سیرت نبوی کا بیان ہے اور اس کے ذیلی ابواب ومباحث میں نسب، ولادت، صفت، مبعث/ بعثت، خصائص واعلام نبوت اور مغازی معہ تمام دوسرے متعلقات کے شامل ہیں۔

مؤلف گرامی نے اپنی کتاب کے مآخذ میں ابن اسحاق کی تہذیب ابن ہشام اور کتاب موسیٰ بن عقبہ کا ذکر کر کے اپنے طریق کار کا ذکر نسبتاً کافی تفصیل سے کیا ہے۔ دوسری کتابوں میں واقدی کی کتاب المغازی اور کتاب المبعث کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اول الذکر ان کو مل نہیں سکی لیکن موخر الذکر مل گئی جس سے انھوں نے کافی استفادہ کیا ہے (۵۳-۵۲)۔ ان کے بیان کردہ دوسرے مآخذ ہیں: زبیر بن ابی بکر القاضی کی کتاب انساب قریش جس کی روایت ان کو اپنے شیخ ابوالقاسم بن حبیش سے ملی اور ابوبکر بن ابی خیثمہ کی التاریخ الکبیر. یہ تو سیرت نبوی کے اصل مآخذ ہیں اور خلفاء کے مغازی کے لئے انھوں نے اپنے شیخ ابوالقاسم کی کتاب کو ماخذ بنا کر مواد حاصل کیا تھا۔ ان تمام معلومات کو ایک مجموعہ بنا کر اپنی کتاب لکھی جس کا نام "**کتاب الاکتفاء بما تضمنه من مغازی رسول الله ﷺ ومغازی الثلاثة الخلفاء**" بیان کیا ہے (۵۶-۴۹)۔

سیرت نبوی کا آغاز ذکر نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے ہوتا ہے جس میں صحیح احادیث نبویہ، زبیر بن ابوبکر، ابن اسحاق/ ابن ہشام کے حوالے سے تمام نسبی تفصیلات دی ہیں اور ان میں سوانحی معلومات بھی موجود ہیں۔ زبیر کے حوالہ سے موسیٰ بن عقبہ کا بھی ذکر کیا ہے اور باب کا خاتمہ ابوعبداللہ بن ابی الصلت کی کتاب منظوم **معراج المناقب ومنهاج الحسب الثاقب فی ذکر نسب رسول الله ﷺ ومعجزاته ومناقب اصحابه** کے اشعار پر کیا ہے جو انھوں نے شیخ ابوالقاسم سے پڑھی تھی۔ منظوم شجرۂ نسب (۹۴-۸۵) دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور آخری پیراگراف کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے (۹۵-۵۷)۔ بخاری، ابن اسحاق، ابن ہشام، مسند

الفریابی، زبیر بن بکار وغیرہ کے حوالہ سے ولادت تا شادی کے واقعات بیان کئے ہیں۔ ولادت کی تاریخ، دن، سال، بشارات، رضاعت، نشوونما، حضرت حلیمہ سعدیہ، والدین، دادا، چچا کی تربیت، اور پھر شادی حضرت خدیجہ کے واقعات ہیں اور اس پر یہ باب ختم ہوتا ہے (۶۶-۲۱۶)۔ اس میں واقدی کی روایات بہت اہم ہیں۔

اگلا باب "ذکر بنیان قریش الکعبة" کے عنوان سے ہے جس کے تحت تعمیر کعبہ اور اس کے بعد کے واقعات سیرت کا ذکر ہے اور یہ سلسلہ واقعات مناسک حج میں قریشی بدعات کو بھی شامل ہے اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔ اس باب کے مآخذ میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کی روایات ہیں (۷۵-۲۶۷)۔

"ذکر ما حفظ عن الاحبار والرھبان والکھان" کے باب میں ان پیش گوئیوں کا بیان ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل آپ کے نبی ہونے کے بارے میں کہی گئی تھیں۔ اس باب میں ابن اسحاق، ابوجعفر عقیلی، واقدی، ابن الکلبی، زبیر بن بکار وغیرہ کی روایات ہیں۔ واقعات میں حضرت سلمان فارسی کی روایت قبول اسلام، حضرت زید بن نفیل کی حنفیت، نجران کے عیسائیوں کے معاملات، بعض صحابہ کرام کے تجربات کا ذکر ہے۔ واقدی کی روایات ایک اہم حصہ ہیں (۳۲۵-۲۷۶)۔

"ذکر اولیة بیت اللہ المحرم" کے تحت تعمیر و تزئین کعبہ اور اس کے متعلقہ مباحث کا ذکر ہے جو آیات قرآنی، اخبار و روایات خاص کر زبیر بن بکار، ترمذی، طبری، واقدی، ابن ہشام، ابن اسحاق، بخاری، حسن بن احمد ہمدانی، خطابی وغیرہ کی روایات کی بنیاد پر نہ صرف تعمیر کعبہ کی تاریخ گذشتہ بیان کی ہے بلکہ مکہ کی آبادکاری، حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے واقعات، مکہ مکرمہ کے قبائل اور ان کے اہم اشخاص سے متعلق معاملات، عرب میں دین ابراہیمی کی روایات، یہودیت و نصرانیت کے اثرات، عرب حکمرانوں اور بادشاہوں کے ذکر اذکار، یمن کے حالات وغیرہ کا بھی مفصل ذکر ہے۔ اس پوری بحث میں زیادہ انحصار واقدی کی روایات پر ہے اور خاص کر ان کی مختلف اسناد سے۔ اس کے علاوہ ابن اسحاق سے بھی بہت استفادہ کیا ہے اور ان دونوں کی روایات کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے خاص کر حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے ذکر خیر میں، ایک طرح سے یہ قبل اسلام اور قبل حملہ ابرہہ کی تاریخ عرب ہے (۱۸۵-۹۶)۔

اگلی سرخی "ذکر دخول الحبشة ارض الیمن" کے تحت یمن پر ابرہہ کے تسلط، مکہ مکرمہ

پر اس کے حملہ، شیوخ قبائل مکہ کے حالات، خاندان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم کی تفصیلات اور ان کے اکابر کے کارناموں کا ذکر ہے جو عبدالمطلب کے مکارم کے ذکر حسن پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں کلاعی نے جن مآخذ سے خاص استفادہ کیا ہے وہ یہ ہیں: ابن اسحاق، زہری، زبیر بن بکار لیکن زیادہ تر معلومات ابن اسحاق سے مستعار ہیں (۲۱۵-۱۸۶)۔

ذکر حفر عبدالمطلب زمزم کے تحت کلاعی نے زمزم کے کھودنے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے اہم واقعہ سے سلسلہ جا ملایا ہے۔ اس کے اہم ترین ماخذ ابن اسحاق ہیں۔ ان کے علاوہ زبیر کی روایات بھی کافی کثرت سے ہیں۔ والدین ماجدین کی شادی کے واقعہ کے بعد ولادت کے واقعہ سے سیرت نبوی کا اصل باب شروع ہوتا ہے (۲۲۹)۔ ابن ابی خیثمہ، واقدی، ابن السکن، تفسیر بقی بن مخلد، ابن اسحاق، عبدالملک بن ابی سویہ، ابوداؤد سجستانی دوسرے مآخذ ہیں۔

اگلا باب "ذکر المبعث" آپ کی نبوت کے آغاز اور ابتدائی تبلیغ سے متعلق ہے جس میں ابن اسحاق، صحیح بخاری، ابن ہشام وغیرہ کی روایات ہیں لیکن زیادہ تر انحصار ابن اسحاق کی روایات و بیانات پر ہے۔ اس باب میں کلاعی نے بعثت کے آغاز اور تنزیل قرآن کے واقعات میں فرق کیا ہے جو بہت اہم ہے، وحی کا نزول، فترۂ وحی، وحی کا تسلسل، نماز کی فرضیت اولین مسلمانان مکہ کی ادائیگی نماز، حضرات ابوبکر و خدیجہ و زید و علی کا قبول اسلام اور دوسرے صحابہ کی اسلامیت کے علاوہ قریش کی مخالفت، ابوطالب کی حمایت، مسلمانوں کی تعذیب، ابوطالب کے قصیدہ اور دوسرے اشعار اور حضرت ابوبکر کی حمایت نبوی کا ذکر زیادہ ہے (۶۱-۳۲۶)۔ اسی پر الاکتفاء کلاعی کی جلد اول تمام ہوتی ہے۔

• اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر	ڈاکٹر سید عبدالقادر جیلانی
• اسوہ کامل (صدارتی ایوارڈ یافتہ)	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
• اسوہ حسنہ	مولانا ظفیر الدین ندوی
• اطراف سیرتؐ (ایوارڈ یافتہ)	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
• بلغ العلے بکمالہ (منظوم سیرت)	خورشید ناظر
• پیغمبر اسلامؐ اور معجزات (ایوارڈ یافتہ)	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر اسلامؐ اور فصاحت و بلاغت	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر اسلامؐ اور اہل بیت	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر اسلامؐ اور خلق عظیم	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر اسلامؐ اور ترک رذائل	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر اسلامؐ اور غزوات سرایا	حکیم محمود احمد ظفر
• پیغمبر انقلاب	ڈاکٹر محمد شریف چوہدری
• حضورؐ بحیثیت سپہ سالار	محمد فتح اللہ گلن
• حیات سرور کائناتؐ	ملا واحدی دہلوی
• حیاتی حضورؐ دی (پنجابی) صدارتی ایوارڈ یافتہ	اصغر علی جاوید

- خطبات ومقالات سیرتؐ — پروفیسر عبدالجبار شاکر
- دروس سیرتؐ (فقہ السیرۃ) — ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی
- ربیع الاول کے واقعات — پروفیسر عبدالجبار شاکر
- روایات سیرت کا تنقیدی جائزہ — علامہ محمد ناصر الدین البانی
- سیرت خاتم النبیینؐ (رابطہ عالم اسلامی ایوارڈ یافتہ) — ڈاکٹر ماجد علی خاں
- سرور دو عالمؐ — فضل کریم خاں درانی
- سیرت رحمت عالمؐ — ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری
- سیرت پیغمبر اسلامؐ (فقہ السیرۃ) — علامہ محمد غزالیؒ
- سیرت النبیؐ اور مستشرقین — رسالہ معارف سے ماخوذ
- سیرت النبیؐ پر اعتراضات کا جائزہ — ڈاکٹر شمیم اختر قاسمی
- صحابہ کے سوال نبی رحمتؐ کے جواب — سلمان نصیب وحدوح
- عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء (ایوارڈ یافتہ) — ڈاکٹر نثار احمد
- عہد نبوی کا تمدن (صدارتی ایوارڈ یافتہ) — ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی
- عہد نبوی میں اختلافات — ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی
- کلکی اوتار اور حضرت محمدؐ — ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے
- مقالات سیرت طیبہؐ — سیرت کانفرنس جامعہ سلفیہ بنارس
- مرقع سیرتؐ — پروفیسر عبدالجبار شاکر
- مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء — ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی
- محمدؐ: پیغمبر اسلام کی سوانح حیات (ایوارڈ یافتہ) — کیرن آرم اسٹرانگ۔ مترجم: نعیم اللہ ملک
- محمدؐ: پیغمبر عہد رواں — کیرن آرم اسٹرانگ۔ مترجم: نعیم اللہ ملک
- نبی کریمؐ اور خواتین — ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی

تالیف مصادر سیرت نبویؐ

تمام علوم وفنون میں مسلم اہل قلم کے قابل فخر عطایا پر مشتمل انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی کے وسیع الجہات منصوبہ وراثت علمی کا ایک جز ہے یہ جزء خود مکمل و ہمہ گیر ہے۔ ادارہ مطالعات معروضی کی یہ پیشکش صرف چودہ صدیوں کی سیرتی تصنیف وتحقیق کی روئداد وخزینہ نہیں بلکہ صدی بہ صدی اور علاقہ بہ علاقہ سیرتی ادب کے ارتقاء و کمال اوران کے اسالیب ورجحانات کی بھی امین ہے۔ وہ عظیم ومحبوب موضوع اسلام کی ترقی کے پہلو بہ پہلو اس کے تواتر وتسلسل کو سامنے لاتی ہے اور اصل قدیم مصادر پر متاخرین سیرت نگاروں کے اضافات وکمالات کی بھی آئینہ دار ہے۔ وہ یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے، کہ سیرت نبویؐ صرف اہل السیر اور مورخین کی اجارہ داری میں نہیں رہی بلکہ محدثین ومفسرین، فقہاء ومتکلمین اور تمام دوسرے مسلم اہل قلم کی اولین اور محبوب صنفِ تصنیف وتحقیق رہی۔ کاشغر سے اندلس تک اور عرب وشام سے برصغیر پاک وہند کی زرخیز زمینوں میں بھی اس نے بال وپر نکالے۔ اردو سیرت نگاری اپنی بلندی اور مرتبت میں قابل فخر بھی ہے۔ بلاشبہ اس مختصر ومحدود دائرۃ المعارف سیرت میں چند کی عدم شمولیت نگاہ نکتہ چیں کو کھٹکے گی مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سفینہ محدود میں جواہر بیکراں کی شمولیت انتخاب کی رہین منت رہی، انتخاب بہرحال انتخاب ہے اور شخصی بھی، تاہم ادارہ کی یہ پیشکش مصادر سیرت نبویؐ کے جوہر کامل کی جامع ہے۔ کہنے کو وہ صرف پچاس کتابوں کا تعارف نامہ ہے مگر اصلاً کئی سو تصانیف سیرت کا دائرۃ المعارف ہے۔ ضخامت کے سبب اسے دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے، مگر وہ مسلسل تصنیف ہے اور اول وآخر ایک سلسلہ تالیف و تحقیق سے منسلک ہے جیسے حیات انسانی کی سانسیں۔

مصادر سیرت نبویؐ بہرحال انسانی کاوش ہے جسے مزید بہتر بنانے کی کوشش کی جاسکتی ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ وہ سیرت نبویؐ کے مصادر وماخذ کی تفہیم وتحقیق کا ایک عظیم دریچہ کھولتی ہے اور اہل علم وشوق کو مضامین نو کے انبار لگانے اور خرمن کے خوشہ چینوں کو مزید گل کھلانے کا یارا عطا کرتی ہے۔ ادارہ، اس کے کارکنان، صدر وسربراہ اور مولف ومنشی اپنی زندگی کا ایک حسین وجمیل کام کرنے پر فخر کریں نہ کریں سجدہ شکر ضرور بجالاتے ہیں۔